

فہرست مضامین آئینہ حقیقت نمائندہ اول

ویباچہ طبع دوم

نکتہ چینی

ویباچہ طبع اول

۴۵	انبیاء کی ہشت کی غرض	مسلمانوں کا ہندوستان پر دور حکومت
۴۶	اسلامی نظام سلطنت کی برتری	گمراہ کن تاریخیں۔
۴۷	اسلامی نظام سلطنت کی ترویج	آئینہ حقیقت سما کی خصوصیت
۴۹	اسلامی نظام سلطنت کی خوبیاں	اسلام اور احکام جنگ
۵۰	اسلامی جمہوریت کا تصور	ایک چینی سیاح کا بیان
۵۱	اسلامی جمہوریت اور دوسرے ملکوں کی جمہوریت میں فرق	قرآن مجید میں احکام جنگ کی حکمت ۳۳
۵۲	غیر مسلموں کی ضروری شہادتیں	غیر مسلموں کی جنگ اور اسلامی چوہا دین فرق ۳۴
۶۲	ایک غلط فہمی کا ازالہ	قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق متضادین ۳۵
۶۳	معاندان محل اور ان کا جواب	کا جواب
۶۴	غیر مسلم فرماں رواؤں کا طرز عمل	پادری نوڈر کا اعتراض ۳۵
۶۵	ہندوستان میں مسلم فائقین کی ادائیگی	اخوت و مساوات و رواداری ۳۸
۶۶	ہندوستان کے غیر مسلم فائقین کا طرز عمل	ہندو مذہب کی تعلیمات ۳۸
۶۹	ہندوستان میں اسلام کا پہلا قدم	اسلام سے قبل عیسائی مذہب کی حالت ۴۰
۶۹	ہندوستان میں اسلام کا سب سے پہلا مرکز (ملا بار)	اسلامی تعلیمات ۴۱
		اسلامی نظام سلطنت ۴۴

- ۱۰۱ اسلامی حکومت کے دو باغی
۱۰۲ راجہ دھرو اور باغیوں کی حمایت
۱۰۳ سندھ پر مسلمانوں کے حملے کا اصل سبب
۱۰۵ ایک تاریخی غلط فہمی کا ازالہ
۱۰۶ ۲ سندھ پر حملہ
۱۰۸ محمد بن قاسم کی سندھ کی جانب دہائی
۱۰۹ دیبل کی فتح
۱۱۱ مسلمانوں نے سندھ کو کس طرح فتح کیا
۱۱۲ سیدستان پر قبضہ
۱۱۲ کاساکو امیر ہند کا خطاب
۱۱۳ سندھ میں پہلی مسجد
۱۱۴ مولانا اسلامی
۱۱۵ عبود سندھ اور قتل دھرو
۱۱۶ دھرو سے آخری لڑائی
۱۱۸ برہن آباد کی فتح
۱۲۰ برہن آباد کے باشندوں کی دشمنیت
۱۲۱ ائور کی فتح
۱۲۲ ائور کا بیت خانہ
۱۲۳ فتح ملتان
۱۲۵ محمد بن قاسم کی معاداریاں
۱۲۶ فتح سندھ کی تکمیل اور محمد بن قاسم کی معزلی
۱۲۷ حجاج کا انتقال
۱۲۹ مسلمانوں نے سندھ پر کیسی حکومت کی
۱۳۲ برہنوں کے حقوق کی رعایت
۱۳۳ ایفائے عہد
۷۱ ہندو سالت میں ملا بار کے راجہ کا قبول اسلام
۷۳ ہندوستان میں پہلی مسجد
۷۴ محمد بن قاسم سے پہلے سندھ میں اسلام کی
قبولیت
۷۹ روم رط کی تحقیق
۸۱ اسلام کی آمد کے وقت ہندوستان میں
کون سا مذہب راجہ تھا
۸۳ ۳ ہجری تک ہندوستان کی حالت
کا جائزہ
۸۴ دھرو مذہب
۸۴ ہیونگ شیانگ کا بیان
۸۷ ہونین کے نتائج
۸۹ بین مذہب
۹۰ محمد بن قاسم سے محمد غزنوی تک ہندوستان
کی حالت
۹۱ حاصل کلام
۹۲ باب اول
۹۲ چند ضروری اشارات
محمد بن قاسم کے حملے کے وقت سندھ کے
تاریخی مشہر
۹۳ بھائی سے بہن کی شادی
۹۴ حضرت عثمان کے زمانے میں ہندوستان
پر پہلا حملہ
۹۷ سندھ پر مسلمانوں کے حملے کے وجوہ
۹۸ راجہ دھرو

۱۳۴	مندروں کے لئے جاگیریں	۱۳۵	ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا قیام
۱۳۵	عربوں کا اثر ملک سندھ پر	۱۳۶	برہمنوں کا عہدوں پر تقرر
۱۳۶	مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان	۱۳۷	محمد بن قاسم کے بعد عہد بنو امیہ میں سندھ کی حالت
۱۳۸	سندھ کی قوتیں	۱۳۸	حضرت عمر ابن عبدالعزیز
۱۳۹	ارائیں	۱۳۹	یزید بن عبدالملک
۱۴۰	محمد بن قاسم سے محمود غزنوی تک	۱۴۰	ہشام بن عبدالملک
۱۴۱	ہندوستان کی حالت	۱۴۱	محفوظہ
۱۴۲	راجپوت ۶	۱۴۲	منصورہ
۱۴۳	باب دوم	۱۴۳	سندھ خلافت عباسیہ میں
۱۴۴	امیر ناصر الدین سکبتگین	۱۴۴	سندھ کی مختصر تاریخ
۱۴۵	جے پال	۱۴۵	سندھ کے علم و فضل و تہذیب کے اثرات
۱۴۶	اپتگین	۱۴۶	سندھ کی خود بخاری
۱۴۷	سلطنت غزنوی کی ابتداء	۱۴۷	نہد عباسیہ میں ہندو مسلم تعلقات
۱۴۸	جے پال کا حملہ	۱۴۸	سندھ میں مذہبی مناظر و مذاہب کا مسلہ
۱۴۹	جے پال کی بد عہدی	۱۴۹	سندھ کے طبعی اور عالم بغداد میں
۱۵۰	سکبتگین کا رد و عمل	۱۵۰	سندھ کی خود مختار اسلامی ریاستیں
۱۵۱	(۱) سلطان محمود غزنوی (تاریخ نہیں اہم)	۱۵۱	قرامطہ کے سناد سندھ میں
۱۵۲	جے پال کا تیسرا حملہ	۱۵۲	سندھ کی اسلامی ریاستوں کی اجمالی کیفیت
۱۵۳	محمود کی شرافت	۱۵۳	منصورہ کی ریاست
۱۵۴	پرپی مورخوں سے ایک سوال	۱۵۴	سندھ کی ہندو ریاستیں
۱۵۵	دیشنوہت کی ایجاد	۱۵۵	ریشاری مقدسی کا بیان
۱۵۶	دیشنوہر ان کی تدوین	۱۵۶	منصورہ کی ریاست کی برہادی کا اثر
۱۵۷	دیشنوہر ان کی تدوین کی وجہ	۱۵۷	مذہب قرامطہ
۱۵۸	ریاست ملتان اور ریاست بھاطنہ		
۱۵۹	محمودی محلے		

۲۴۵	سلطنت غزنی کا ہندو لشکر اور سلطان کی اولاد	۲۰۳	بچے رائے سے جنگ
۲۴۵	سلطان مسعود	۲۰۵	لنٹن پر حملہ
۲۴۸	قلعہ بانسی	۲۱۰	ہندوؤں کا سلطنت غزنی پر چڑھا حملہ
	سلجوقیوں سے کشکشا اور سلطان مسعود کی شکست	۲۱۶	پشاور کے قریب جنگ
۲۴۹		۲۱۷	ہندپال کی شکست
۲۵۰	ہندو لشکر کی غذاری	۲۱۹	لڑکوٹ کی فتح
۲۵۱	راجہ لالہ پسرے سنگھ کا حال	۲۲۰	ہندپال کی درخواست معافی
۲۵۵	ہندو فوج کا کرمانی کارنامہ	۲۲۳	نٹان اور ورین قریب کا استیصال
۲۵۶	خانان محمود کا زوال	۲۲۵	تھانیس پر حملہ
۲۵۷	خانان غزنی کے عہد حکومت میں ہندوؤں کی حالت	۲۲۶	تھانیس پر حملہ کی وجہ
		۲۲۷	کشیپر پر حملہ
۲۵۸	من گھڑت خواب	۲۲۸	جے پال ثانی
۲۶۱	حسن بن صباح	۲۳۰	قنوج و متھل وغیرہ پر حملہ
۲۶۱	عالم اسلام کی پیشانی	۲۳۱	عمود کی صفت خطا بخشی
	ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہونے کا اثر	۲۳۲	مختلف راجاؤں کی اطاعت
۲۶۳		۲۳۳	مال غنیمت
	باب سوم	۲۳۴	جنگی تیاریوں کی تعداد
۲۶۶	آغوری خاندان کے مختصر حالات		کا لنجیر پر حملہ پنجاب کا الحاق کا لنجیر کی اطاعت
۲۶۹	پہلا غوری بادشاہ	۲۳۵	
۲۶۹	علاء الدین بہاؤ الدین	۲۳۶	پنجاب کا حکومت اسلامیہ میں شمول
۲۷۲	سیف الدین محمد	۲۳۷	والی کا لنجیر کی اطاعت
۲۷۳	سلطان غیاث الدین	۲۳۸	سومناٹ پر حملہ
۲۷۳	سلطان شہاب الدین	۲۴۰	سومناٹ پہلے کے وجہ
	سلطان شہاب الدین غوری کی حملہ آوری	۲۴۳	سومناٹ کی فتح کے بعد
		۲۴۴	سلطان محمود کی وفات

۳۰۸	سلطان قطب الدین ایبک	۲۷۸	دوست ہندوستان کی حالت
۳۱۰	وفات		سلطان شہاب الدین غوری کے حملے
۳۱۰	آرام شاہ ابن قطب الدین ایبک	۲۷۹	ہندوستان پر
۳۱۱	شمس الدین التمش		سلطان شہاب الدین کا ملتان پر حملہ
۳۱۱	تخت نشینی	۲۸۰	دراوہ پنجاب کے مغربی اضلاع کی فتح
۳۱۴	وفات	۲۸۲	بی راج کے نام خط
۳۱۴	قطب مینا کی تعمیر	۲۸۳	اب الدین اور پرتھی راج کا پہلا معرکہ
۳۱۴	ملاحہ کا فتنہ	۲۸۵	بی راج کا کچھ حال
۳۱۷	رکن الدین فیروشاہ ابن التمش	۲۸۵	سرو پائیتیں
۳۱۸	رضیہ سلطانہ	۲۸۸	بی راج کا خاندانی شجرہ
۳۱۸	ایک غلطی	۲۸۹	بی راج کا مفرد ہو کر گرفتار و قتل ہونا
۳۱۸	وفات	۲۹۲	سرا حملہ
۳۱۹	معز الدین بہرام شاہ	۲۹۴	بی راج کی شکست
۳۲۰	وفات		بی اضلاع کی فتوحات و شہاب الدین
۳۲۰	سلطان علاؤ الدین مسعود	۲۹۵	نہادت
۳۲۱	سلطان ناصر الدین محمود	۲۹۷	اب الدین بحیثیت گورنر ہندوستان
۳۲۵	وفات	۲۹۹	ان شہاب الدین کی شہادت
۳۲۵	سلطان غیاث الدین بلبن	۳۰۰	دینگال کا فتح ہونا
۳۲۷	عدل و انصاف	۳۰۱	رکا گورنر
۳۲۸	دور اندیشی		سلطان شہاب الدین کے کارناموں پر
۳۳۰	بغیر خاں کو نصیحتیں	۳۰۳	نظر
۳۳۱	وزیر اعظم	۳۰۳	ہین کی ایک غلطی
۳۳۳	سلطان معز الدین کی قباد	۳۰۵	لی غلط بیانی
۳۳۴	غلام خاندان کی حکومت پر ایک نظر		باب چہارم
۳۳۵	غلام خاندان کا احسان عظیم	۳۰۷	غلامان

شہاب الدین ابن علاء الدین خلجی	۳۳۸	نظم سلطنت
ملک کافور	۳۴۰	سلاطین خلجی
سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی	۳۴۱	سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی
خسرو خان اور حسام الدین	۳۴۶	دکن پر پہلا حملہ
خسرو خان کی خفیہ غداریاں	۳۵۲	شہادت
قاضی ضیاء الدین کا مخلصانہ مشورہ	۳۵۲	سلطان علاء الدین خلجی
شہادت	۳۵۴	استحکام سلطنت کے بعد
خسرو خان نمک حرام	۳۵۴	مغلوں کا حملہ
اسلامی سلطنت کو ہندو سلطنت	۳۵۶	علاء الدین کے نمایاں کارنامے
بنانے کے منسوبے	۳۶۱	ملک کافور
خسرو خان کا قتل	۳۶۶	مرض الموت
قابل توجہ	۳۶۸	وفات

۱۵

آپچہ بر است از است
باب ہشتم
غیاث الدین تغلق ثانی
ابو بکر شاہ تغلق
ناصر الدین محمد شاہ تغلق
سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ
تغلق
ناصر الدین محمود شاہ بن ناصر الدین
محمد شاہ تغلق
حملہ تیمور
اقبال خاں لودھی
دولت خاں لودھی
خضر خاں ابن ملک سلیمان
خضر خاں سید دھما
خضر خاں کا عہد حکومت
مبارک شاہ ابن خضر خاں
تبصرہ
سلطان مبارک شاہ کی شہادت
محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر
خاں
بہلول خاں لودھی کا عروج
سلطان غلام الدین

محمد تغلق کی وفات
سلطان محمد تغلق کے خصائل بطور
خلاصہ
سلطان فیروز تغلق
مسلمانوں کا ذات پات کی قید سے ڈرنا
خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کا مقتول ہونا
سلطان محمد تغلق کی وفات کا سبب
بہت مشکوک ہے
تنگ نظر مراسم پستوں کا دور دورہ
عہد فیروز تغلق کے قابل تذکرہ حالات
بنگالہ پر چڑھائی
فیروز تغلق کی ہندو بیوی
شہا بن گجرات کا سلسلہ نسب
بنگالہ پر دوسری چڑھائی
چونہ کا آباد ہونا
ہاجگر اور اڑیہ کا سفر
فیروز پر کی تعمیر اور کانگرہ پر چڑھائی
تھہ کی جانب فوج کشی اور امر کی مخالفت
جام اور باہنیہ کے ساتھ رعایت
خان جہاں لاہ مسلم اور متفرق حالات
خان جہاں ثانی کی قہر امت
فیروز تغلق کی گوشہ نشینی اور وفات
فیروز تغلق پر ایک نظر
ہندو بچوں کا بے رحمی اور افرونی اور
فیروز تغلق کی زندگی کا بیان

کتاب حوالہ جات امتداد آئینہ حقیقت

فرقان حمید و فرقان حمید

حجۃ الاسلام

مروج الذهب (مصنف ابوالحسن علی المسعودی)

مجمع نامہ

تاریخ ابن خلدون

تاریخ فرشتہ

سفرنامہ ابن بطوطہ

رسالہ عبرت

رسالہ معارف

تاریخ ثبت

تاریخ مولوی ذکا اللہ

سفرنامہ سلیمان سیرانی

سفرنامہ ابو زید سیرانی

عجائب الاسفار

تحفۃ المجاہدین

تمدن عرب (مصنف ڈاکٹر گنتا ولی بان)

فرانسیسی

پرہیزگار آف اسلام (مصنف ڈاکٹر ڈبلوٹی)

آرنلڈ

لائف آف محمد (مصنف سرولیم میور)

سفر مشرق (مصنف میثور بہان)

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا

تاریخ چارلس پنجم (مصنف رابرٹس)

تاریخ جنگ صلیبی (مصنف میثور بہان)

میزان الحق (مصنف پادری فٹڈر)

لیکچر ڈرام ہیروز (مصنف طاس کارلائل)

منوسمرتی یا منوشاستر

چینی سیاح ہیونگ شیانگ کا سفرنامہ

مصر کا اخبار موسومہ (پچپ)

بیروت کا مسیحی اخبار الوطن

تاریخ ہند (مصنف ڈاکٹر ڈبلو ڈیوہٹر صاحب)

کیرل اتپتی

اشوک کی لاکھون کے کتبے

جینوا جوئیروٹی کے پروفیسر ڈیوڈ مونیٹ

لدولف کرڈل

موسیو پیلی

ای بلوٹ فلاسفر

مارگو لیتھ ترجمہ قرآن انگریزی رائیڈیل کا

دیباچہ نگار

ڈاکٹر سمویل جانس

۳۸) ریورینڈ ڈبلیو اسٹیفنسن

۳۹) جی ایم راول وکیل مترجم انگریزی ترجمہ

قسط آن

۴۰) جرمن مستشرق عمالو وکیل ڈیوش

۴۱) طاسطائی روسی فلاسفر

۴۲) مشہور مورخ گبن

۴۳) جیون ڈیون پورٹ صاحب

۴۴) مختصر تاریخ چریج

کتاب حوالہ جات آئینہ حقیقت نما حصہ اول و حصہ دوم

۱) تاریخ طبری ترجمہ فارسی مترجم ابوعلی محمد ذریعہ

ابو صالح بن منصور سامانی بادشاہ بخارا

۲) پنج نامہ

۳) تاریخ سندھ معصومی

۴) تذکرۃ الحفاظ

۵) مروج الذهب (از مسعودی)

۶) عجائب الهند و مصنفہ بزرگ بن شہریار

۷) تاریخ اسلام

۸) تاریخ ذکار اللہ

۹) جامع التواریخ و مصنفہ قاضی فقیر محمد صاحب

۱۰) زین الاخبار بحوالہ فرشتہ

۱۱) تاریخ ابن خلدون

۱۲) تاریخ التواریخ

۱۳) روشتہ الاصفیاء و مصنفہ مفتی غلام سرور

لاہوری

۱۴) تاج المآثر و مصنفہ خواجہ سعد نظامی

۱۵) تاریخ فرشتہ

۱۶) پیرچنگ آف اسلام و مصنفہ ڈاکٹر ڈبلیو

ارملڈ

۱۷) تاریخ نظامی و مصنفہ نظام الدین ہروی

۱۸) تاریخ بیهقی

۱۹) روشتہ الصفا و مصنفہ خاوند شاہ باغوشاہ

۲۰) طبقات ناصری و مصنفہ ابو عمر شہاب سراج

۲۱) طبقات اکبری و مصنفہ خواجہ نظام الدین احمد

ہروی

۲۲) غرنا نامہ مسعود و مصنفہ عنایت حسین بکراوی

۲۳) تاریخ بیهقی و مصنفہ ابو الفضل بیهقی

۲۴) مفتاح التواریخ

۲۵) سفرنامہ حکیم ناصر خسرو ایرانی و مرقومہ حکیم

موصوف

۲۶) تاریخ ہند و مصنفہ ڈاکٹر ڈبلیو ڈی پٹنجر صاحب

۲۷) ملکہ صاحب کی تاریخ

۲۸) امیر نامہ و مصنفہ سید سعید احمد صاحب

۲۹) منتخب التواریخ و مصنفہ ملا عبدالقادر

بدایونی

۳۰) تاریخ ہند و مصنفہ الفسٹن صاحب

۳۱) سوانح عمری حکیم ناصر خسرو ایرانی و مرقومہ

مولانا حالی

(۳۳) تاریخ زمین و آتش

(۳۴) تاریخ مالوہ مصنفہ منشی کرم علی بیرمنشی

نزدیک منشی اندر

(۳۵) طائر راجستان

(۳۶) سفرنامہ قطری مصنفہ محمد حلیم انصاری

(۳۷) تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیا سرمدی

(۳۸) سفرنامہ لکھنؤ

(۳۹) ہندوستان پرستے مصنفہ روی زہیر

جبریل ایل ابن بیولیوف

(۴۰) جواہر فریدیہ

(۴۱) تاریخ روس مصنفہ سرودی میکسیمی

(۴۲) ہندوستان کی تاریخی کہانیاں مصنفہ

جی سی ایلن صاحب

(۴۳) لکھنؤ کی تاریخ ہند

(۴۴) ابن حوقل

(۴۵) بشاری مقدسی

(۴۶) تاریخی سلسلہ حکایات مصنفہ امیر اردکان

(۴۷) آئینہ تاریخی شاہ مصنفہ راجہ شیہ پرنسپل دستار

ہند

(۴۸) مختصر سیرگشت ہند مصنفہ لالہ ابورام

(۴۹) خلاصۃ التواریخ مصنفہ منشی سحان راس

بھٹا لوی

(۵۰) فلک بردار

(۵۱) تاریخ ہند قدیم مصنفہ نے ایتم پانڈنا

(۵۲) وقائع راجپوتانہ مصنفہ راجہ راجہ سہاسی

(۵۳) جغرافیہ اقلیم ہند منشی بھان بھان لوی

(۵۴) تاریخ سندھ مصنفہ لالہ لکھنؤ

(۵۵) تاریخ حالات ہند مصنفہ پرنسپل دستار

(۵۶) جامع التواریخ مصنفہ منشی بھان بھان لوی

(۵۷) تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

(۵۸) تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

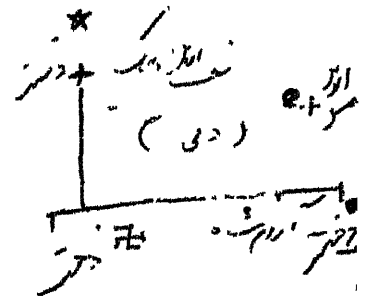
تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا

تاریخ ابوالقلا



حَامِدًا وَصَلِّیَا

دیباچہ طبع دوم

خداے تعالیٰ نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کو جو قبولیت دعا فرمائی وہ میری
 ترقی و ترقی سے پہلے ہی یاد ہے۔ ملک کے باثر کثیر الاشاعت اور معزز ترس و فناناموں
 سے روزہ اور ہفتہ وار اخباروں اور ہندو ہندو اور اہل علم و ادب کے رسائل میں یہ بھیہ نشانہ ہوا۔
 کہہ اُن سے میری بڑی ہی بہت امانی ہے۔ اس کتاب کے آخری حصہ میں پہلا ایڈیشن
 نشانہ ہوا تھا اور سب کے آخری ہی میں یہ کتاب سب نمایاں اور غیر موجود تھی کئی مال
 سے اس کے دوسرے ایڈیشن کی طرہ امت کے لئے تھا۔ نئے ہوتے تھے لیکن میں اپنی دوسری
 مصروفیتوں کے سبب اس وقت سے پہلے اس کتاب کو دوسری مرتبہ نہ چھپوا سکا۔ خدا شکر
 ہے کہ آج دوبارہ چھپنے کے لئے پریس میں بھیجا رہا ہوں۔ میرے جن دوستوں اور عزیزوں نے
 اس کتاب کی تالیف و تصنیف پر میری ہمت افزائی فرمائی ہیں اُن کے لئے خدمات داریں
 کی دعا اور خداے تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ بھلا اس سے بھی زیادہ مفید کاموں کی توفیق
 عطا فرمائے۔ آمین۔

میں اُن لوگوں کی ہمیشہ عزت کرتا ہوں جو بغرض اصلاح میرے کاموں پر کتب چینی
 نکلتے چینی کرتے اور میرے عیوب سے بچھ کو واقف بناتے ہیں لیکن جو لوگ ازراہ شرارت
 اور اپنے حابہ حسد سے بھور ہو کر نامعقول اور بیہودہ طور پر معترض ہوں اُن کو جواب دینا یا
 اُن کی طرف توجہ ہونا میں اپنی توہین سمجھا کرتا ہوں۔ میرے بعض دوستوں نے ازراہ شرارت
 نہیں بلکہ اس زمانہ کی ایک تعینیشی بدعت سے متاثر ہو کر نہایت میک نیتی کے ساتھ یہاں معترض
 کیا کہ آئینہ حقیقت نمایاں ہو سیکڑوں کتابوں کے حوالجات دیئے گئے ہیں ان کے ساتھ صفحات
 کے ہند سے بھی کیوں درج نہیں کئے گئے اور بعض باتوں کو مجمل اور بلا تفصیل کیوں رکھا

کیا۔ یہ اعتراض چونکہ نہایت سادگی اور غلط فہمی کی بنا پر کیا گیا۔ لہذا دوسرے ایڈیشن کے اس دیباچہ میں اس کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

میری طرف سے مذکورہ اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں نے اس زمانہ کے دوسرے مصنفین کی طرح یہ نہیں کیا کہ کتاب کا مسودہ لکھ لینے کے بعد درج شدہ مطالب کو دہری کتابوں میں تلاش کر کے ان کتابوں کے نام اور صفحات کے ہندسے حاشیہ میں درج کر دینے ہوں اور اپنی لکھی ہوئی ایک ایک سط کے لئے تین تین حاشیے درج کئے ہوں۔ یہ اس قدر آسان کام تھا کہ اس سے زیادہ آسان میرے لئے دوسرا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ میں خود دوسرے مصنفین کے اس التزام کا غیر مفید بلکہ گمراہ کن ہونا محسوس کر چکا ہوں اور میرا تجربہ اس کے متعلق نہایت تلخ ہے۔ میں نے جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب لکھی ہے اس کا واضح تذکرہ دیباچہ طبع اول میں موجود ہے۔ اُس محدود متعین مقصد کو حاصل کرنے اور یقین کو عین یقین کے مرتبہ تک پہنچانے کے لئے جہاں جہاں حوالہ کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں میں نے محمولہ کتب اور محمولہ مصنفین کے اصل الفاظ نقل کر دیئے ہیں تاکہ شخص اُن الفاظ پر غور کر سکے اور اُن سے خود نتائج اخذ کر کے تسکین پا سکے۔ یہ نہیں کیا کہ دوسروں کے الفاظ کا مطلب اپنی عبارت میں درج کر کے حاشیہ پر صفحہ کا نمبر لکھ دیا ہو۔ جہاں یہ طالب اپنی شہرت کے سبب معلوم عوام تھے اور اصل الفاظ کا نقل کرنا ضروری نہ تھا وہاں صرف کتاب یا مصنف کا نام لے کر اُس کی عبارت کا خلاصہ یا محض اشارہ ہی کافی سمجھا گیا۔ میں نے ہر جگہ اپنے اُس مقصد کو جو دیباچہ میں بیان ہو چکا تھا پیش نظر رکھا اور اُسی کے تقاضے سے کسی کو نہ زیادہ ضروری کسی کو کم ضروری اور کسی کو غیر ضروری قرار دیا۔ لیکن پڑھنے والوں میں ایسے حضرات بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے اصل مقصد کے سوا اپنے دوسرے مقاصد بھی اسی کتاب سے حاصل کرنا چاہتے ہوں اور اُن دوسرے مقاصد سے تعلق رکھنے والے کسی بات کے متعلق اجمال یا سرسری بیان دیکھ کر اور مکمل تحقیق نہ پا کر مقرر ہوئے ہوں۔ مثلاً اس کتاب میں سبکدگین اور محمود غزنوی کا تذکرہ آیا ہے ایک شخص جو محمود غزنوی پر کوئی مضمون یا رسالہ لکھنا چاہتا ہے وہ محمودی حملوں کے متعلق تو ایک طویل باب اس کتاب میں پاتا ہے لیکن اُس کو محمود غزنوی کا شجرہ نسب اور اُس کی اولاد کے تفصیلی حالات نظر نہیں آتے تو وہ اپنی کم فہمی کے سبب ناراض ہوتا ہے اور

اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کتاب کا مقصد سلطان محمد اور غزنوی سلطنت کی مکمل تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس کتاب کی تصنیف کا جو اصل مقصد ہے وہ بعد اللہ تعالیٰ اس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ نین چیزوں کو وہ تلاش کرنا چاہتا ہے اُن کو اس کتاب میں ادا کرنا ضروری سمجھ کر ترک کر دیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں حوالہ ارتھوت کے لئے جو سیکڑوں عبارتیں تھیں وہ سرے کتاب اور سے نقل کی گئی ہیں ان کے ساتھ اگر معنی کا نمبر بھی درج کر دیا جاتا تو کیا سرج نسخہ حالانکہ میں نے جن کتابوں سے اصل عبارتیں نقل کی ہیں اُن میں سے زیادہ ایسی ہیں جو قلمی ہیں اور قلمی کتابوں پر صفحات کے نمبر عموماً انہیں ہوتے اُن ان قلمی کتابوں کے صفحات پر نمبر اب لکھ دینے جاتے اور وہی رازوں کے ساتھ درج کئے جاتے تو اس سے پڑھنے والوں کو کیا فائدہ پہنچتا، لیکن میں صفحات کے ہندسے درج کرنے کو ہر حالت میں فضول اور تروا م سمجھتا ہوں اس لئے کہ کسی بادشاہ یا کسی جنگ یا کسی اہم واقعہ سے تعلق رکھنے والی جو عبارت کسی کتاب سے نقل کی گئی ہے اُس کتاب میں اُس بادشاہ یا اُس لڑائی یا اُس واقعہ کا تذکرہ تلاش کر لینا کوئی دشوار کام نہیں جس شخص نے حوالہ کی جانچ پر کیا ہے اسے اس اصل کتاب کو تلاش کر کے ہم پہنچا لیا ہو اُس کے لئے کتاب میں سے وہ مقام جہاں کی عبارت نقل کی گئی ہے تلاش کر لینا کیا مشکل کام ہے۔ لیکن اس جانچ کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ لوگ حوالوں کے ساتھ صفحات کے ہندسے دیکھ کر مرعوب ہو جائیں اور اصل کتابوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی بہت ہی کم توفیق پاتے ہیں۔

میں اسی ہفتے سے تاریخ ہند کی جلد اول کے کام یعنی اُن کی تالیف و ترتیب و تہذیب کے کام میں ہمت من مصروف ہوتا ہوں لہذا اس وہ سرے ایڈیشن کی کاپیاں پڑھنے اور کتابت کی اطلاع کے لئے کرے۔ نیز اس کتاب کے شائع کرنے کا کام میری طرف سے اور میری اجازت سے بر خوردار محمد ایوب خاں میجر مکتبہ عبرت اجمام دیں گے۔ میں نے یہ چند سطور نہایت عجلت میں قلم برداشتہ لکھی ہیں جب کہ دوسرے ایڈیشن کی کتابت کے لئے مسودہ کاتب صاحب کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ والسلام

اکبر شاہ خاں
۱۵ اپریل ۱۹۳۱ء
بنگیب آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ اول

آئینہ بالذریعہ الشیطان الرحیم

اللہ یعنی وہ ہستی جو کامل معبود خالق و معبود ہے اور نایب و قصود ہے اگر جاری حفاظت نہ کیے اگر وہ ہمارے لئے جلستے پناہ نہ ہو اگر وہ ہم کو صراط مستقیم نہ دکھائے تو ہم اُس گمراہ کر دے اور قعر ضلالت و ہلاکت میں گرا دیں والی ہستی ہے جو ہمارے بڑے باپ آدم علیہ السلام اور اُن کی تمام اولاد کی دشمن ہے کہاں محفوظ رہ سکتے اور ایک انگلی بڑھانے سے بے ضرر مقام پر رکھ سکتے ہیں۔ لہذا ہم مجبور ہیں کہ کسی کام کے کرنے اور کسی قدم کے آنکے اٹھانے کا ارادہ کرنے سے پہلے اُس قدیمی اور یثبتی دشمن سے جس کا نام شیطان الرحیم ہے اپنے آپ کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے تمام طاقتوں کے مصدر تمام خوبیاں و بے فلیح اور تمام صفات حسنہ کاملہ کے جامع یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں۔ اسی لئے اُن کا کام شروع کرنے سے پہلے آئینہ بالذریعہ الشیطان الرحیم کا زبان پر بے ساختہ آجانا فطرت الانسانی کا تقاضا تھا نہ تکلف و تصنع۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگر کسی کام کے شروع کرتے وقت اُس اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اُمیدوار اور بلا معاوضہ انعام دیتا اور کوششوں کے نیک نتائج پیدا کرنے والا ہو تو کام کا ہر پانچ نہ ہائیں تو ممکن ہے کہ پہلی ہی اینٹ کی بے موقع ذریعہ سے کام ہو جائے اور اگر اُس کو دگر بھی ادبچاؤ ابھرنے دے۔

خشتِ اول چوں نہد مہمار کج

تا شریا یسر و دہار کج

لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج کا کام شروع کرتے ہوئے اُس جملہ اور ہم نوا کے نام

سید البشر خاتم الانبیاء۔ شافع روز جزا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود
 باوجود ہوگا جس نے مبعوث ہو کر انسان کو با اخلاق انسان اور با خدا انسان بنایا مخلوق
 کو خالق سے آشنا کیا۔ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لایا دوزخ سے بچا کر بہشت کا راستہ
 دکھایا۔ دنیا کی پہچان بہت دیر جہت کو عطا کر رافت و رحمت کا دروازہ دیا۔ وہی حالت جمیع
 کمالات انسانیت پر جس نے انسان کو اُس کی سعادت کا راستہ بتا کر دکھایا کہ ہر
 ایک قوم اور ہر ایک ملت کے پیشواؤں کی تائید کرنا یا خدا انسان کا فرض اولین ہے اس
 کا احسان نہ صرف انسانوں پر ہے بلکہ یوں اور عیسائیوں پر بھی کیونکہ اُن نے حضرت
 موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔ اس محبوب
 رب العالمین کے احسانات نہ صرف عیسائیوں اور یہودیوں پر ہے، نہ وہ ان پر بلکہ اُس
 نے ذات حق امتہ کو خدا نہیں بلکہ پروردگار اور وکل قوم ہمارے ارشادات الہی ہم تک پہنچا
 کر ہر مسلمان کو سمجھایا کہ ایرانہوں، تورانیوں، چینیوں اور ہندوؤں وغیرہ سب کے بزرگوں میں
 خدائے تعالیٰ کے فرستادے آتے رہے۔ لہذا تم دوسری قوموں اور دوسرے مذہبوں کے
 پیشواؤں کی عزت لو کر سکتے ہو لیکن کمالی کسی کو نہیں دے سکتے۔ اُس نے ہمارے انلاق
 کو یہاں تک وسیع و دلربا بنایا کہ ایک مسلمان کی زبان کی جنت بہشت کے منبر و باطل
 کی دشنام دہی سے بھی دا نہیں ہو سکتی۔ لہذا کوئی قوم اور کوئی ملت اور کوئی ذات
 ایسی نہیں پائی جاسکتی جس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان ثابت نہ ہوا
 اللہم صل علی محمد و علی آل محمد و صحبہ و اذواجہ و ذریئہ و بارئہ و شیعہ
 خلاصہ کلام یہ کہ

خدا و انتظارِ حمد مانیت محمد چشم بردار و تائید
 محمد حامدِ خدا بس خدا تارِ شانِ مصطفیٰ اس

عرضِ مدعا

ہندوستان کی تیس بتیں کروڑیا اس سے بھی زیادہ انسانوں کی آبادی میں ہندو
 سلمان دوسری قومیں تعداد نفوس اور اثر و اقتدار کے اعتبار سے قابل تذکرہ اور
 دوسرے کی مقابل بھی جاتی ہیں۔

مسلمانوں کا ہندوستان میں دو حکومت مسلمان ہندوستان میں آٹھویں

ہوتے اور انیسویں صدی کے درمیان حصہ یعنی ۱۸۵۷ء تک تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال انھوں نے اس ملک میں ہندوؤں پر حکومت کی۔ اس طویل مدت کا ابتدائی اور آخری حصہ ایسا بھی ہے جن میں مسلمان ہندوستان کے پرے رقبہ پر قابض نہ تھے تاہم اس بات کے ماننے سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کی شہنشاہی ابھی ماضی قریب میں معدوم ہو کر اس کی جگہ انگریزوں کی حکومت اس ملک میں قائم ہوئی ہے اور مسلمانوں کی شہنشاہی کے زمانے میں ہندوستان کے اندر نسل انسانی کی سیکڑوں نہیں تو بیسیوں پشتیں ضرور گزر چکی ہیں۔ اس طویل مدت میں مسلمان حکمرانوں کا ہندو حکمرانوں کے ساتھ کیا سلوک رہا؟ یہ کوئی ایسی باریک اور پوشیدہ بات نہ تھی جس کی تلاش میں ہم کو سرگردانی و پریشانی لاحق ہوتی مگر چونکہ ہندوستان پر ایک ایسی قوم کی حکومت ہے جس نے اس وقت تک اس ملک کو اپنا وطن بنا نہیں چاہا لہذا ایسے سامان پیدا ہوتے تھے کہ ویسی مدت و کتاب نہایت تیز رفتاری کے ساتھ فنا ہونے لگے اور چند ہی روز کے بعد ہندوستان بھر کے قریباً تمام طلباء سرکاری مدارس کے کمروں میں نظر آنے لگے چند دیسی مسکاتب جو اپنی سمنیت جانی کے سبب باقی رہے وہ کسی قطار شمار میں نہیں آسکتے۔

گمراہ کن تاریخیں

سرکاری مدارس کے لئے تاریخ کی حد سے زیادہ مجمل و مختصر کتابیں تالیف کرنے والوں، خود غرض سیاحوں اور غیر ملکی تاریخ نویسوں کے ہاتھوں تاریخ ہند کی جس طرح مٹی پسید ہوئی ہے اور سرکاری درس گاہوں میں تعلیم پائے ہوئے لوگوں کو گمراہ ہونے کا جو موقع ملا ہے اس کی نظیر غالباً دنیا کا کوئی ملک پیش نہیں کر سکتا۔ یہی سبب ہے کہ آج بزرگوار ہندوستان میں کسی شخص سے بیشکلی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے حالات کا تھوڑا بہت صحیح اندازہ کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے ہمدرد رہتے ہیں اور ہندوؤں کو مسلمانوں سے حمایت، محبت، انصاف اور مریت کی توقع رکھنی چاہیے تو لوگوں کو محمداً محمود غزنوی کے حملے، شہاب الدین غوری کی یورشیں، اورنگ زیب کی زیادتیاں جن کا حال انھوں نے تاریخ گمراہ کن کتابوں اور جھوٹے افسانوں میں پڑھا ہے یاد آجاتی

ہیں اور وہ دل ہی دل میں اس شخص کی باتوں پر ہنسنے اور اس کے قول کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں۔ سچ ہے کہ جھوٹے کے آگے سچے کو رونا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں جب سے ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے واسطہ پڑا اس وقت سے ملے کر ہندوستان میں ہندوستان کی تمام تاریخیں جو ہم عہد مورخوں نے اپنے چشم دید حالات پر لکھیں سب فارسی زبان میں ہیں۔ اپنی آنکھوں دیکھے ایک واقعہ کو کئی مورخوں نے جدا جدا اپنے اپنے رنگ میں اس طرح لکھا ہے کہ ہر شخص کسی ایک زمانے کے حالات یا کسی ایک واقعہ کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے کئی کئی تاریخوں کا ماہہ الاثر تک پیش نظر رکھ کر حقیقت و اصلیت سے بخوبی آگاہ ہو سکتا ہے، مگر گمراہ کن تاریخوں کے باعث اس زبان کا ذکر کاغذ پر ہو جانے کے سبب کسی کو اتنا دماغ اور اس قدر راس نہ رہا ہو کہ وہ گمراہی سے پہلے کو چاک کر کے حقیقت آشنا نہ ہو اور دوسروں کو غلامانہ پیروی سے نکلنے مروجہ گمراہ کن تاریخوں تک ہی ہم ہندوستانیوں کی مصیبت کا تمام راز نہ سمجھ سکیں ہو جاتا بلکہ سب سے بڑی مصیبت کا تذکرہ ابھی باقی ہے وہ یہ کہ ہندوستان کے ہندو آباد آب و ہوا سے نہ ہمت سے سننے فرسنے اور نئے نئے لیڈر پیدا کر دیتے ہیں۔ انہی لیڈروں میں آریہ السافرقہ بھی پیدا ہوا جس نے اپنی تمام تر جہنت و طاقت اس کوشش میں صرف کر دیا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو کالیوں دی جانیں اور ناسزا کہیں کر ان کا دل دھکا یا بجائے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پلید کوشش یہ ہوئی کہ ہندوستان کے مسلمان فرماں رواؤں کو ظلم و نالافتی سے بے جا طور پر شہم کرنے اور ان پر انواع و اقسام کے خوب، تنخوہنے کے لئے جھوٹے افسانوں اور فرضی ناولوں کا سلسلہ جاری کر کے عوام کو گمراہ اور ہندو مسلمانوں کے درمیان خلیج کو اور بھی وسیع کیا گیا۔ سخت تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ اس قسم کی شرانگیز کارروائیوں اور دروغ بافیوں کے مرتکب مطلق نہیں شہرتاے اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ صدق و راستی پر کدرب و دوسرے غائب ہائے گمراہ اور حقیقت و اصلیت ہمیشہ کے لئے رد و پوش مدفون ہر تپائے گی۔ حالانکہ ہم

اہل خیال است و محال است دہنوں

ان ناسمجھ کارروائیوں کا یہ اثر و سناکت نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں یہ کو فدیہ خوش گوار تعلقات کا، انہیں ہونا ظاہر نہیں لگتا ہوں کو غیر ممکن معلوم ہونے لگا ہے۔

آئینہ حقیقت نام کی خصوصیت | میں نے ہندو مسلمانوں کے کیا یہ سوال

تاریخی واقعات کے ذریعہ روشنی ڈالی ہے اور ایسا مواد فراہم کر دیا ہے جس سے مطالعہ کرنے والے کے دل میں کوئی شک و شبہ انشاء اللہ تعالیٰ باقی نہیں رہ سکے گا غلط فہمیوں کے بادل پھٹ جائیں گے اور اس حقیقت کا چہرہ کہ مسلمانوں نے اپنے عہدِ حرکت میں ہندوؤں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؛ صاف نظر آجائے گا اسی لئے اس کتاب کا نام میں نے "آئینہ حقیقت" نہ "تجویز" کیا ہے۔ اس کتاب کو ہندوستان کی وہ تاریخ نہ بھٹا جائے جس کے شارح کرنے کا میں پہلے اعلان کر چکا ہوں اور جو اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ شائع ہونے والی ہے۔ اس کتاب میں صرف وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جن سے ہندو مسلمانوں کے تاریخی تعلقات کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔ اس مختصر کے پڑھنے سے ہندوؤں کی اندازہ ہو سکے گا کہ ان کی موجودہ ضرورتوں کو نہ نظر انداز کر کے ہندوستان کی صحیح اور مکمل تاریخ کا مرتب کرنا اس قدر ضروری اور اہم کام ہے تو فریضہ کا دستور ہے کہ وہ کتاب کے دیباچہ میں ان تاریخی کتابوں کی ایک فہرست درج کر دیا کرے، میں جن سے آنکھوں نے اس تصنیف میں مدد لی ہے۔ لیکن میں اگر ایسی کتابوں کی فہرست درج کرنا چاہوں تو اس فہرست کا نمبر شمار شاید سیکڑوں سے گزرتا ہوں بلکہ پہنچ جائے گا لہذا یہ کام تاریخی کرام کے سپرد کرتا ہوں و اگر کوئی مختصر سی فہرست مرتب کرنا چاہیں تو اس کتاب کو مطالعہ فرماتے ہوئے خود ہی مرتب فرمائیں کیونکہ میں نے مشہور تاریخوں بالخصوص ہندو اور ہندو پرست مصنفوں کی کتابوں سے جا بجا اقتباسات نقل کر دیئے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے علم کو عین یقین تک پہنچا دینے کے لئے کافی ہے۔ تاہم اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میرے اس کام میں بہت سے اسقام اور ناقص ہو گئے ہوں گے۔ میں انسان ہوں اور عام انسانی کمزوریوں سے بالآخر نہیں ہوں۔ اس لئے یہ کام کسی قدر غلط ہے اور پیشانی کے عالم میں کیا ہے اور نظر ثانی و ترمیم کا موقعہ بھی نہیں مل سکا ہے۔

پیارے مسلمان برادر! پیر خیال پتہ رنجب ۱۰

عید کریں! درخشہ پتہ ہجران نوشتہ ام

مگر چونکہ میری نیت نیک ہے اور ثواب سمجھ کر یہ کام کیا ہے لہذا خدا سے تعاملاً ہے
 سے اجر کی توقع رکھتا ہوں اور وہی اگر اس ناچیز کو شش کو قبول فرما لے تو میرا بہتر
 پا۔ ہے۔

دَبَّ اَخْضَرًا وَادْحَمَ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ .

اکبر شاہ خاں
 نجیب آبادی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

اس مقدمہ کو چند چھوٹے چھوٹے مقدمات کا مجموعہ سمجھنا چاہیئے ذیل میں چند نہایت ضروری باتیں اس لئے درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب کی تصنیف و تالیف کا مقصد، بوجہ احسن پورا ہوا اور مطالعہ کرنے والے کے دماغ میں ایسی صلاحت پیدا ہو جائے کہ وہ سکون قلب کے ساتھ البواب کتاب کو مطالعہ کر سکے اور اس کے علم اور واقفیت میں اضافہ ہو۔

(۱) اسلام اور احکام جنگ

غلط فہمیاں پھیلانے اور جھوٹ، لٹنے والوں نے ایک یہ تہمت بھی تراشی ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو لوگوں کو غوں ریزی و سفاکی کی تعلیم دیتا اور خود غرضی و نفس پرستی سکھاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کا نام ہی خود بتا رہا ہے کہ یہ مذہب ضرور سلامتی و سلامت روی و مسالمت (رواداری) کی تعلیم دیتا ہوگا۔ اسلام اور اس کی تعلیم سے واقف ہونے کے لئے قرآن مجید اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے وقف ہونے کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں کو مطالعہ کی وسیع فرصت میسر نہیں ہے ان کے لئے میری کتاب حجۃ الاسلام کا مطالعہ کافی ہے۔ اس جگہ صرف اشارے کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں تمام دنیا پر انتہائی جہالت و ظلمت چھا گئی تھی۔ ایران روم۔ مصر عرب۔ ہندوستان چین۔ غرض کہ ہر ملک اور ہر قوم انسانیت۔ تہذیب اور روحانیت سے بالکل معرا ہو کر زوال و پستی کے انتہائی مقام پر پہنچ چکی تھی۔ ایران میں زردشتی مذہب اور مجوسی اخلاق

مذہب کی بد اخلاقی کا جامہ پہن چکا تھا۔ ہاں نفس پرستی اور بد چلتی شاہی درباروں اور شرفاء کے گھروں کی چار دیواریوں میں بھی اپنا علی و خلی بٹھا لیا تھا۔ نذر انسان کی ترست پسند صاحبِ طہل و علم اور طاقتور لوگوں کا حصہ بن کر باقی تمام انسانوں کو چھ پاؤں کی دھڑ میں گھر کر دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں مذہب کی مذہب کا مٹنی پام مار کی غیبی ہمت نام سے موجود تھا۔ اہم مارگیوں کا حرف نام ہی نے دینا کافی ہتہ جس سے انسان بد گناہ ہوتا۔ اُس زمانے کی اخلاقی زمین میں یکہ کیسے ٹخس نشہ نفا یا سکتے تھے۔

[illegible]

ابھی پہلی صدی ہجری ختم نہ ہونے پائی تھی کہ چین کے ساحل سے مراش اسپین کے ساحل تک تمام تمدن دنیا مسلمانوں کے زیر سایہ ہر قسم کے اخلاق فاضلہ میں ترقی کر رہی تھی۔ اسلام کی اس جہرت انگیز کامیابی پر غور کرنے کے بعد سہراہل عقل اس بے بنیاد فریب میں جتنا نہیں ہنسنے لگا کہ اسلام کی کامیابی کا سبب ظلم و تشدد قتل و غارت۔ اور نفس پرستی وغیرہ میں سرفہرست۔ معمولی سے معمولی اور اونٹنی درجہ کی قابلیت کا انسان بھی اس تحقیق سے کوسھہ سکتا ہے کہ کوئی مذہب کہ قوی قوم اور گزنی ملک قتل و غارت ظلم و تشدد اور نفس پرستی کے ذریعہ کامیابی و کامرانی کا چہرہ نہیں دکھ سکتا اور بلا کت و ناکامی سے نہیں بچ سکتا اگر مگر اگر اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں نے آج تک بھی اس صاف سیدھی اور پیش پا افتادہ بات کی طرف متوجہ ہونا نہیں چاہا اور مرنے کی ایک ہی ٹانگ ہٹانے پر اصرار کیا۔ بہر حال اگر کوئی شخص اس خالص معاملہ میں اسلام کی تعلیم سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کرنا پڑا ہے۔

ضامنہ فھد ارسلہ لے دین کا وہ راستہ بنا یا ہے جس کا حکم حق کو دیا گیا اور پھر محمد صلعم پر اس کی وحی بھیجی اور اہل ایمان کو عیسیٰ کو بھی اسی کا حکم دیا تھا کہ دین پر سیدھے چلو اور اس میں تفرق نہ ڈالو۔

اور یمن اپنے داروں کو مشورے سے طے کیا کرتے ہیں کسی قوم کی عداوت کے سبب اس قوم سے بے انصافی مت کر لے بلکہ انصاف کرو۔

انصاف پر قائم ہو جائے واسے ہر جائز اللہ کے لئے گواہی دو چاہے اپنے یا اپنے والدین اور رشتہ داروں کے برخلاف گواہی دینی پڑے۔

بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے بچو۔

اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر صلح کاری سے چلتے ہیں اور جب جاہل آن سے خطاب کوئی تو سلامتی کی

شرع کا ہر حق اللہ ہی کا وصی بہ
وَحَاۓتِ الْاٰیٰتِ اَوْ حَبْنَا اٰیٰتِ مَا مَہِنَا
بہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ات
اقیموا الدین ولا تتبعوا ذل الشرکین
داہر ہم شود دین ہمہر شودی
لا یجر منکم شنان قوم علی ان لا
تعل فوا اعل لہ امر سورۃ مائدہ ۶۲
کوہ اقوامین ابقط شہرام للہ ولہ
علی اھنکم اولوالدین والاکوابین
(سورہ بقرہ ۲)

ناجتنہم الرحمن من الاوثان و المصنوا
قول الزود سورہ زمرہ ۱۷

و عباء الرحمن الذی یمشی علی الارض
ھو ناک و اذا خاطبہم الجاہلون قالوا

سَلَامًا رُسُلًا نَزَّلًا، رکوع ۱۶

وَأَن جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْعَلْ لَهَا

رُسُلًا (الأنفال رکوع ۸)

الصلح خیر۔ (سورہ نسا، رکوع ۱۹)

وَلَا تَجْهَرُوا لِلنَّاسِ شَيْئًا هُمْ وَلَا تَفْسُدُوا

فِي الْأَرْضِ بَدَلْ صِلَاهُمْ (سورہ اعراف رکوع ۱۲)

لَا يَهْلِكُكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ

فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ

أَن تَبْرُدَهُمْ وَقَتْلُوا الْيَهُودَ إِنَّ اللَّهَ

لَا يُحِبُّ الْمُقْسَطِينَ (سورہ متحہ رکوع ۱۲)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَنَازَعُوا

عَلَى الْأَمْرِ وَالْعَدْوَانِ (سورہ مائدہ رکوع ۱)

أَوْفِ بِالْعَهْدِ هِيَ أَحْسَنُ فَاذْكُرُوا الَّذِي

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَانَتْ بَيْنَ يَدَيْكُمْ

وَمَا يَتْلَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا

يَنْقُصُهَا إِلَّا ذُو حُظٍّ عَظِيمٍ

دم سجدہ رکوع ۵

وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدُوًّا لِّغَيْرِهِ عِلْمٌ

(سورہ العام رکوع ۱۳)

أَوْعِ أَلِي سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْظِعَةِ

الْحَسَنَةِ دَعَا وَلَهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

أَن رَّبِّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ

سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ وَأَن

باقین کرتے ہیں۔

اور اگر لوگ صلح کرنے پر مائل ہوں تو تو بھی صلح کی

طرف، جھک جا۔

صلح خیر و برکت ہے۔

اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اصلاح

کے بعد فساد نہ مچاؤ۔

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی

اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تم کو اس بات

سے نہیں رکے گا کہ تم اُن سے نیک سلوک کرو اور اُن سے

انصاف کا برتاؤ کرو بے شک اللہ پسند کرتا ہے انصاف

کرنے والوں کو۔

اور ایک دوسرے کی خدا ترسی اور نیکی کے کاموں میں مدد

کرو اور بغاوت و بدکاری کے کاموں میں مدد نہ کرو۔

تو بڑی بات کو نیک بات کے عوض میں بال دست تب جلد

بیزار دشمن بھی دلی دوست ہو جائے گا اس کام کا ذکر اٹھانا

بڑی برداشت والوں کا کام ہے اور اسے بڑے نصیب

والے اختیار کرتے ہیں۔

مشرکوں کے ساتھ ہرزائی کا برتاؤ مت کرو ورنہ پھر وہ

ضد اور نادانی سے اللہ کو برا کہیں گے۔

لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت

کے ذریعہ بلاؤ اور اُن سے مباحثہ کرو تو بہت پسندیدہ طور

پر کرو تیرا رب اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے

راستے سے بہک گئے اور وہ راہ پائے والوں سے بڑی قیاف

عاقبتہم نعا قبوا بمثل ما عوقبتم ہے مخالفین کے ساتھ انتقاماً سختی بھی کرو تو دلی ہی کرو
بد دلتی صبر تم نہو خیر للصابین جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر ایذاؤں پر صبر کرو تو
رسمہ نخل رکوع ۱۶) بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر کرنا ہی بہتر ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے ایک خالی الذہن منصف مزاج شخص پر ثابت ہو سکتا ہے کہ
اسلام اور مسلمانوں پر لوگوں نے قتل و غارت اور ظلم و ستم کی تہمتیں لگانے میں بڑی ہے
انصافی سے کام لیا ہے۔ اس جگہ یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں ایک بھی آیت
ایسی نہیں جس میں مال و دولت حاصل کرنے یا ملک گیری کے لئے لوگوں پر زیادتی اور اعتدا
کی اجازت دی گئی ہو ہدایت اور ترغیب کا تو ذکر ہی کیا۔

قرآن مجید میں احکام جنگ کی حکمت | ہاں قرآن مجید میں احکام جنگ ہیں لیکن
وہ تمام احکام جنگ محض دفاعی اور

خود حفاظتی ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اس لئے جنگ کی اجازت دی ہے کہ وہ فتنہ
و فساد اور ہد امنی کو مٹا کر دنیا میں امن و امان قائم کر دیں۔ اسلام چونکہ عین فطرت انسانی
کے مناسب مذہب ہے لہذا اسلام کو سمجھنے اور اس پر آزادانہ غور کرنے کے لئے ضرورت
ہے کہ دنیا میں امن و امان قائم اور ہر انسان کو اس کی جائز آزادی حاصل ہو، تاکہ مذہب
کے سمجھنے اور اس کے اختیار کرنے میں کوئی بے جا رکاوٹ حاصل نہ رہے۔ بنا بریں اسلام
سب سے زیادہ امن و امان اور صلح و آشتی کا خواہاں ہے اور اسی لئے وہ فساد کے
مٹانے اور امن و امان قائم کرنے کی غرض سے اگر ضرورت ہو تو جنگ کرنا بھی ضروری
سمجھتا ہے۔ دنیا میں کون سمجھ دار شخص ایسا ہے جو اسلام کی اس تعلیم کو قابل اعتراض اور
مذموم قرار دے سکے۔

غیر مسلموں کی جنگ اور اسلامی جہاد میں فرق | عیسائیوں، مجوسیوں، یہودیوں
اور ہندوؤں وغیرہ کے مذاہب

ہیں جس قسم کی لڑائیوں کے احکام ہیں ان کو اگر اسلامی احکام جنگ کے مقابل رکھا
جائے اور عدل و انصاف کی عینک لگا کر پرکھا جائے تو یقیناً کسی عیسائی، مجوسی، یہودی
آریہ اور ہندو کو اسلام کے متعلق ایک لفظ بھی معترضانہ لہجہ میں زبان تک ہلانے کی جرأت
نہیں ہو سکتی ان مذاہب میں کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ہے جس نے جنگ کے لئے

ترغیب نہ دی ہو یا اُس مذہب کی جائز قرار دادہ جنگ اسلامی جہاد سے زیادہ یا اسلامی جہاد کی برابر معقول اور مناسب قرار دی جا سکے۔ قرآن مجید صاف صاف فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ تَدْعُونَ إِلَى الْوَسْطِ
مِنَ الْغَىِّ رَافِعُ رُكُوعٍ (۲۴)

قرآن مجید نے کن حالات میں جنگ کی اجازت دی ہے دلیل کی آیات سے ظاہر ہے۔
تَا لَوَانِي سَبِيلَ اللَّهِ الَّذِينَ يَقاتِلُوكُمْ
مَلَا تَهْتَكُونَ اللَّهَ لَا يَحِبُّ
الْمُتَدِينِينَ رَافِعُ رُكُوعٍ (۲۴)

اجازت دی جاتی ہے اُن لوگوں کو جن سے جنگ کی جا
رہی ہے کہ وہ بھی جنگ کو اس لئے نہ کہ وہ مظلوم ہیں اور یاد
رکھیں کہ اللہ اُن کی نصرت پر قادر ہے۔

أَلَا يَقاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ
وَهُوَ أَخْرَاجَ الْوَسْطِ وَهُمْ يَلْمِزُوكُمْ
أَفَلَا تَهْتَكُونَ اللَّهَ تَوْبَةُ رُكُوعٍ (۲۴)

تم کیوں جنگ نہیں کرتے اُن لوگوں سے جنہوں نے توڑ دیا
اپنی قسموں کو عہد کر کے بعد اور پختہ ارادہ کر لیا رسول
کے نکال دینے کا اور انہیں لوگوں نے پہلی دفعہ سے
جنگ کرنے میں ابتدا کی۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو صرف انہیں لوگوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی ہے
جو بلا وجہ حملہ آور ہوں اور قسموں اور عہد ناموں کو توڑ کر فتنہ و فساد برپا کرنے لگیں اور مسلمانوں
کو چین سے نہ بیٹھنے دیں اور مسلمانوں کے قتل کرنے میں ابتدا کر چکے ہیں۔

وَأَن أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ
فَأَجْرُوهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ اتَّقَ اللَّهَ
مَأْمَنَةً ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ
(سورہ توبہ رکوع ۱۲)

اگر تم سے کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ کا خواستگار
ہو تو اُس کو پناہ دے اور اُس وقت تک اُس کو اپنی پناہ
میں رکھ کہ وہ اطمینان سے خدا کے کلام کو سن سکے اور پھر اُس
کو اُس کے ان کی حکمت پر پناہ دے یہ رعایت اُن لوگوں
کے حق میں اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر قرآن مجید میں جیہ و تعدی کی تعلیم ہوتی تو یہ حکم نہ ہوتا کہ جو کافر قرآن مجید
کو سننا چاہے اور سننے کے بعد مسلمان نہ ہو تو اُس کو اُس کے امن کی حکمت پر پناہ دو بلکہ یہ

حکم ہوتا کہ جب ایسا کافر قابو میں آجائے تو اس کو فوراً زہریستی مسلمان بنا لو۔
قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق معتز ضیمن کا جواب
 ہاں! قرآن مجید میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ:-

<p>وہ اہل کتاب جو نہ خدا کو راتے ہیں اور نہ آخرت پر ایمان لائے ہیں اور نہ خدا اور اس کے رسول کی حرام کی ہوتی چیزوں کو حرام سمجھتے بعد دنیاوت اور سچائی کی راہ کو اختیار کرتے ہیں ان سے تم لڑو۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے حزیہ دیں۔</p>	<p>تاتلو الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسوله ولا یدینون دین الحق من الذین ہذا الذکر کتاب شی یطووا الخبیۃ عن ید قہم صاغرات</p>
---	--

(سورۃ قہر رکوع ۱۲)

بس یہی ایک آیت ہے جس سے بعض نادان معتز ضیمن کو دھوکہ لگا ہے کہ قرآن شریف
 میں لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے لڑائی کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس آیت میں اور اس سے
 آگے کی آیات میں بھی مسلمان بنانے کا کوئی حکم یاد کر نہیں ہے۔ اگلے رکوع کے پڑھنے
 سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو علانیہ طور پر جراثیم پھیلانے
 تھے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

<p>اور اسے پیغمبر تم ان میں سے بہترینوں کو دیکھو گے کہ گناہ کی بات یعنی جھوٹ اور ظلم اور مال حرام کے کھانے پر گرے پڑتے ہیں بہت ہی جیسے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کہتے رہے ہیں ان کو ان کے ربی یعنی مشائخ اور علماء جھوٹ بولنے اور مالِ حرام کے کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے۔ بہت ہی بری ہے وہ درگزر جو ان کے مشائخ اور علماء کرتے رہے ہیں۔</p>	<p>و تریٰ کثیرا منهم یاردعون فی الاثم والعدوان والکلمۃ البتہ لبئس ما کانوا یعلمون ولا ینصرون ہم الذین امنوا والاحبار عن قولہم الاثم والکلمۃ البتہ لبئس ما کانوا یفعلون۔ سورۃ مائدہ رکوع ۹</p>
---	--

پھر ان کی بد زبانیاں۔ گستاخیاں اور او با شائدہ نظر عمل کا ذکر کر کے فرمایا کہ۔
 جب کبھی یہ لڑائی کی آگ بھڑکتے ہیں خدا اس کو ٹھجھا دیتا
 ہے اور ملک میں فساد پھیلنے پڑے پھرتے ہیں اور اللہ
 لا یحب الفسادیین۔ دامۃ رکوع ۹

پادری فساد کا اعتراف پادری فساد اپنی کتاب میزان الحق میں اس امر کی تصدیق کرتا اور

کہتا ہے کہ درحقیقت ملک عرب میں جو عیسائی اور یہودی تھے وہ سخت بدچلن ہو گئے تھے اور ملک کے لئے اُن کا وجود خطرناک تھا۔ قرآن کریم میں ان ہی لوگوں کے متعلق ایک جگہ ارشاد ہے کہ۔

<p>ان کثیر من اللاحاد والربہان لیکون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ ویکبزن الذہب والفضة ولا ینفقوها فی سبیل اللہ فبئس ما جمعون</p>	<p>اہل کتاب کے اکثر عالم اور مشائخ لوگوں کے مال ناحق ناسوا ہرپ کرتے اور راہ خدا سے لوگوں کو روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے اور اُس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے لو اسے پیغمبران کو روزِ تمیامت کے عذاب و دناک کی خوش خبری سننا دو۔</p>
--	--

رسورۃ توبہ رکوع ۱۵

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

<p>ومن اهل الکتاب من ان تامله بقسطا ویرید ان الیث ومنهم من ان تامله بدینا ولا یرید ان الیث الاما دعت علیہ قائما ذلک بانهم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ویرید علی الکتاب وھم یعلون</p>	<p>اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اُن کے پاس زر نقد کا ڈبیر بھی امانت رکھو اور تو جب انگو آٹھا تھا اے حوالے کریں اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ زیادہ نہیں ایک بہت چھوٹی سی اثرنی بھی اُن کے پاس امانت رکھو تو وہ تم کو بدوں اس کے واپس نہ دیں کہ ہر وقت تقاضے کے لئے اُن کے سر پر کھڑے رہو ان لوگوں میں یہ بد معاملی اس وجہ سے آئی کہ وہ پکارے گئے کہتے ہیں کہ عرب کے جاہلوں</p>
--	--

آل عمران ۷۵

کا حق مار لینے میں ہم سے باز نہیں ہوگی اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

عرب کے مشرکوں کی طرح یہود و نصاریٰ بھی سخت بدچلن اور جرائم پیشہ ہو چکے تھے۔ تمام ملک مطلق العنان تھا عرب میں نہ کوئی باقاعدہ سلطنت تھی نہ کوئی ملکی قانون تھا جس کی پابندی سب پر لازم ہوتی ایسی حالت میں جرائم پیشہ لوگوں کو سزا دینا۔ ان سے اقرار طاعت لینا ان کو فساد اور جرائم سے باز رکھ کر امن و امان قائم رکھنے والے قانون کے ماتحت بنانا قابل اعتراض کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غفلت اور کم التفاتی سرزد ہوتی تو موجب الزام تھا اسی لئے خدا نے تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

وقالوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ان تم عذابکم ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

ولا تعدوا۔ اِنَّ اللہَ لَا یحبُ الْمُتَعَدِّیْنَ (دوسروں سے کچھ غرض نہ رکھو) اور زیادتی مت کرو۔

(فہرہ رکوع ۲۴)

خدا نے تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا
اس حکم کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام کی اشاعت اور دین کی تبلیغ کے متعلق تو صاف حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔

وقل للذین امنوا انکم لم یکنتم کافرا وکلما یتبین
اے پیغمبر اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں سے کہو کہ کیا تم دین
اسلام میں داخل ہوتے ہو پس اگر اسلام قبول کر لیں تو
اُسلمتم فان اسلموا فقد اہتدوا واولئ
ہدایت پا گئے اور اگر منہ مڑیں تو تمہارا تو صرف اتنا ہی
قد اذنا عما علیک ابلاغ۔
رآل عمران رکوع ۱۲
کام ہے کہ حکم الہی پہنچا دو۔

اس آیت میں یہ نہیں لکھا کہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم ان سے جنگ کرو یہ ظاہر ہے
کہ جنگ اُن جرائم پیشہ لوگوں سے کی جاتی تھی جو مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ
میں خلل ڈالتے تھے۔ پھر ایک جگہ حکم ہوتا ہے کہ

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یَہَادُوْنَ بِأَنۡ یَّکْفُرُوا
وان اللہ علیٰ نضامہم لقد یولئ الذین
اخریٰ وامن دیارہم لفی حق الا
ان یقولوا دینا اللہ ولولہ دفع اللہ
بعضہم ببعض لہد مت صواح
بیج وصلوات وسماعہم کونیا
اسم اللہ کثیرا و لیسما ک اللہ
من یتقوا ان اللہ تقویٰ عزیز
(دع رکوع ۶)

جن مسلمانوں سے کافر بننے ہیں اب اُن کو بھی اُن کا
سے کفر کی اجازت ہے اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے
اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ اُن کی مدد کرے پھر قادر ہے
یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو بچارے صرف اتنی بات کے کہ پھر
کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے نافرمان اور اپنے گھروں سے
نکال دیئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے
سے نہ مٹواتا مہتا تو نزاری کے صوبے اور گریجہ اور ہدیوں
کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت ہے
خدا کا نام پیا جاتا ہے کبھی گئے دھائے جا چکے ہوتے اور جو
کے کام میں مذکورے گا اللہ بھی ضرور اُس کی مدد کرے گا کچھ شک
و شبہ نہیں کہ اللہ برصطی اور صرب پر غالب ہے۔

قرآن مجید نہ صرف مجنوں کی حفاظت کو ضروری سمجھتا ہے بلکہ وہ دوسرے مذاہب کی
عبادت گاہوں کو بھی ظالموں کے ہاتھ سے بچانا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے
عبادت گاہوں کے ختم کرنے والوں اور مذہبی آزادی کے دشمنوں سے جنگ کرنے کی

اجازت محض اس لئے دی ہے کہ مذہب کے سمجھنے اور قبول کرنے میں کسی قسم کے جبر و اکراہ اور جوہر و تعدی کو دخل نہ رہے اسلام ہو نہ کہ بین فطرت انسانی کے موافق اور دلائل حقہ و برہان نیرہ سے موید مذہب ہے لہذا اُس کی اشاعت اُسی وقت زیادہ ہو سکتی ہے جب کہ ہر قسم کا امن امان دنیا میں قائم ہو اور اسلام کے سمجھنے اور اُس سے واقف ہونے کا موقع لوگوں کو میسر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سب سے زیادہ فتنہ و فساد اور بد امنی کا دشمن اور امن و امان کا خواہاں ہے لافتنہ و امنی اصلاحی اور اسی لئے اگر ضرورت ہو تو وہ امن و امان کے قائم کرنے کی غرض سے جنگ کرنے اور غور سے کام لینے کو بھی جائز بلکہ ضروری سمجھتا ہے

(۲) اخوت و مساوات و رواداری

ہم کو اس بات کا اقرار کرنا چاہیے کہ ایک مرتبہ ہندوستان قدیم میں بھی اخوت و مساوات کا آواز بلند ہو چکا ہے یعنی گوتم بدھ نے سماجی و قومی و مذہبی حقوق میں مساوات پیدا کرنے کی نہایت موثر کوشش کی اور اسی لئے ہم گوتم بدھ کو قدیم ہندوستان کا صلح افظم کہہ سکتے ہیں گوتم بدھ کے قائم کئے ہوئے مذہب کو ہمارا ہاشوک کے زمانہ میں سب سے زیادہ عروج حاصل ہوا اور ہندوستان میں ہمارا ہاشوک اور چندر گپت کے زمانے ہی میں شہنشاہی قائم ہو سکی نہ اخوت انسانی اور مساوات و رواداری کی کوئی مثال قائم ہوئی۔

ہندو مذہب کی تعلیمات | دھرم کے زلمے کے عام ہندو اخلاق اور اُس کی خوبی یا بُرائی کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے اس وقت

اسی قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ ہندو مذہب کے روشن پہلو اور ہندو قوم کے قابل تعریف اخلاق کا خلاصہ اور مختصر ترقی یہ ہے کہ انسان تارک الدنیا اور تمام ملائق سے منقطع ہو کر جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں میں تنہائی کی زندگی بسر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ بد نیت اور جھوٹ کی قابل تذکرہ مثالیں ہندوستان کی قدیم تاریخ میں موجود نہیں ہیں، ہندوؤں کی جھوٹ چھات اور برہمن، چھتری، ویش، شودر کی تقسیم ہندوؤں کے سماجی، اخلاقی اور روحانی تنزل کا سب سے بڑا سبب ہے۔ تو ہمارا جن کو ہندوستان کا متفق منظم کہا جاتا ہے اپنے شاستریں برہمنوں کا اقتدار بڑھانے اور شودروں کے حقوق کو بالکل ہٹا کر اور فنا کرنے کے لئے سخت قوانین و آئین بنائے اس سے بڑھ کر نسل انسانی پر شاید

ہی کوئی ظلم کہیں ہوا ہو۔

قانونِ منو کی رو سے شودر جنی غلام ہیں۔ غلامی ان کا طبعی خاصہ ہے مالک کے آزاد کر دینے کے باوجود بھی وہ آزاد نہیں کہلا سکتے۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے لئے ان کا مس کرنا تو کجا سایہ بھی باعثِ ناپاکی ہے۔ یہ شودر وہ لوگ تھے جو ایران کی طرف سے آریوں کے ہندوستان میں آنے سے پیشتر اس ملک میں آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آریوں نے جب اُن کو مغلوب کر کے اپنا محکوم بنا لیا تو اُن کو اپنی تہذیب اپنے علوم اور اپنے اخلاق سکھائے نہ چاہے بلکہ ہر اعتبار سے اُن کو پست و ذلیل ہی رکھنا چاہا۔ اور شودر کا خطاب دے کر اُن سے اس طرح خدمات یعنی شروع کیں جس طرح چوپایوں سے انسان خدمت لیتا ہے چنانچہ اس کے ثبوت میں منو شاستر کے وہ ابواب پیش کئے جا سکتے ہیں جو برہمنوں اور شودروں کے حقوق کو واضح اور متعین کرتے ہیں۔ منو شاستر کی رو سے برہمن کا کام شاستر پڑھنا پڑھانا۔ یگ کرنا یگ کرنا، اعلیٰ ذاتوں کی پرستش کرنا اور تحائف لینا تھا۔ برہمنوں کی عورتیں دیویاں اور برہمن واپو کہلاتے تھے۔ شودر اگر کی ہوئی روٹی کو چھو دے تو وہ روٹی پلید ہو جاتی تھی۔ عورتیں غراہ کسی ذات کی ہوں مردوں کے مقابلہ میں ذلیل تھیں۔ شودر وید کو سن بھی نہیں سکتا تھا اور اگر بلا ارادہ اُس کے کان میں وید کے الفاظ پڑ جائیں تو اُس کو نہایت اذیت کے ساتھ بہرا بنا دینا ضروری تھا برہمن اگر کوئی عظیم الشان جرم کرے تب بھی اُس کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ دنیا میں کوئی چیز شودر کی ملکیت نہیں تھی۔

منو شاستر کے پانچویں باب میں صاف مذکور ہے کہ شودر کو جھوٹی خوراک کھانا، پہنانے کپڑے پہننا اور نکما اسبابِ خاد داری رکھنا چاہیے اور کوئی شودر برہمن یا چھتری کی نسبت کوئی بُرا لفظ زبان سے نکالے تو اُس کی زبان کاٹ لینی چاہیے کیونکہ وہ نجی ذات کا آدمی ہے۔ آٹھویں باب میں ہے کہ اگر کوئی نجی ذات کا آدمی اعلیٰ ذات کے آدمی کے ساتھ اُس کی برابر بیٹھے تو اُس کی پٹیاں پر داغ لگا کر جلا وطن کر دینا چاہیے یا راہ اُس کی پٹیر میں سے ایک حصہ گوشت کا کاٹ ڈالے شودر کو اگر کوئی برہمن بلا وجہ قتل کر دے تو اُس کے قصاص میں برہمن کو ہرگز قتل نہیں کیا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ اُس کو جہانم اور اگنا پڑتا تھا۔ شودروں کے لئے لازمی تھا کہ وہ جب کسی راستے یا کوپے سے گزروں تو خاص قسم

کی آواز دیتے جاتیں تاکہ اعلیٰ ذات کے آدمی خبردار ہو جائیں اور اُن پر اُس شودر کا ساء نہ پڑنے پاتے۔

غرض اس قسم کے صد ہا قوانین تھے جن کا کچھ کچھ مٹا ہوا اثر آج تک بھی ہندوؤں میں موجود ہے کہ وہ بیچ ذات کے لوگوں سے ہمسرا نہ سلوک روا نہیں رکھتے منوشا ستر کی رو سے مشترکہ خاندان میں عورتیں وراثت سے محروم ہیں۔ یعنی باپ کے تمام ترکہ کے مالک بیٹے ہوتے ہیں۔ بیٹیاں محروم الارث قرار دی گئی ہیں۔ غرض منو کے قانون کی رو سے ہندوستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ حکماً مجبور ہے کہ وحشیانہ زندگی بسر کرے اور اُس کے ساتھ نہایت ظالمانہ برتاؤ کیا جائے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہندوؤں میں اخوت انسانی کی مذہباً کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اور غالباً اسی ناقابل قبول مجموعہ احکام کو دیکھ کر ہندوؤں میں نئے نئے مذہبی فرقے ایسے پیدا ہو رہے ہیں جو شودروں کے ساتھ رعایت کر کے برآمدہ نظر آتے ہیں۔ مگر ہندوؤں کے مذہبی علماء یعنی برہمن لوگ ان کے مخالف ہیں

اسلام سے قبل عیسائی مذہب کی حالت | ظہور اسلام سے پہلے عیسائی مذہب کی جو حالت تھی اور عیسائیوں نے اخوت و مساوات کو جس طرح پامال کیا تھا اُس کے تصور سے بدن کے دو ٹکٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

قیصر قسطنطنیہ نے چھٹی صدی عیسوی کے درمیانی حصہ میں یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ جو لوگ کیتھولک مذہب کی پیروی نہ کریں اُن کو کوئی سرکاری عہدہ نہ دیا جائے قیصر جازین نے تیس ہزار یہودیوں کو ملک شام سے جلا وطن اور ملک بدد کر دیا۔ یہودی یا غیر کیتھولک عیسائی بھی اپنی کوئی مذہبی رسم قیصر روم کی عمل داری میں ادا نہیں کر سکتے تھے اُن کی مذہبی کتابیں چھین کر زبردستی جلا دی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں تمام دنیا کے عیسائی علماء اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ عورت میں روح ہے یا نہیں آخر بڑے بحث و مباحثہ کے بعد کثرت رائے سے یہ بات طے ہوئی کہ عورت میں روح ہے۔ بڑے بڑے پادری، الٹیمپ اور پوپ جنت کے مالک سمجھے جاتے تھے اور ان کے خلاف زبان تک اُکھٹ حرف لانا بھی ہونے کے مترادف تھا۔ مذہبی سرداروں اور امیروں کی تفریق محکماتے عوام کو ہلاکت میں ڈالنا شروع ہوئی۔ لڑانا معمول بات بن گئی۔ مغلوب و محکوم لوگوں کو

چوپایوں سے زیادہ مرتبہ حاصل نہ تھا، عیسائی، یہودی، مجوسی وغیرہ مذاہب اور ایرانی، یونانی، رومی وغیرہ اقوام پر نظر کی جائے تو اخوت و مساوات اور رواداری کی ہندوں سے بھی بدتر حالت ان میں نظر آتی ہے۔ تمام ملکوں اور قوموں کا مفصل تذکرہ اس مختصر کتاب میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت تو صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اسلام اس معاملہ میں کیا تعلیم دیتا ہے۔

اسلامی تعلیمات | اسلام نبوی و قومی امتیاز کو بالکل مٹاتا اور تمام بنی نوع انسان کو مساوی درجہ عطا فرماتا ہے اسی طرح قانونی حقوق نسب کے مساوی ٹھہراتا ہے۔ ہاں! اسلام اس بات کا قائل ہے کہ جو شخص زیادہ بااخلاق اور باخدا ہو اس کی زیادہ عزت کی جائے اور جو زیادہ محنت کرے اور زیادہ کمائے وہ آدم طلب نکمے اور نکھٹو آدمیوں کے مقابلے میں اگر زیادہ دولت اور زیادہ سامان معیشت کا مالک ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔

انما المؤمنون اخوة (سورہ ہجرات)	مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
يا ايها الناس انا خلقناكم من ذكروا نثى وجعلناكم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقاكم (ہجرات)	لوگو! ہم نے تم کو ایک نہ مادہ سے پیدا کیا اور تم کو مختلف اقوام و قبائل بنا دیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو خدا کے نزدیک تم میں سب سے بزرگ اور مکرم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف الفاظ میں فرما دیا ہے کہ عرب کے لوگوں کو عجم کے لوگوں پر اور عجم کے لوگوں کو عرب کے لوگوں پر محض عزتی یا غمی ہونے کی وجہ سے کوئی فضیلت نہیں ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی غلام تھے جن کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آوا کر دیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ حضرت بلالؓ کو اپنا آقا کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمانؓ حضرت حذیفہؓ حضرت صہیبؓ بھی غلام ہی تھے اور صحابہ کرام کے اعلیٰ ترین طبقہ میں ان کا شمار ہے۔

يا ايها الذين امنوا كونوا قوامين لله شهداء بما نقض ولا يحجز منكم شئ من قوم بل ان لا تعدوا اعداء	ایمان والو خدا کے واسطے قائم اور انصاف کے گواہ رہو کی قوم کی دشمنی اس بات کا باعث نہ ہو کہ تم انصاف نہ کرو۔
	انصاف کرو کہ یہ بات تقویٰ سے قریب تر ہے۔

هو اقرب للتقوى - (آل عمران)

واذا ظلم فاعلوا ولو كان خاتما بئى

(سورہ انفام)

جب کہو انصاف کی بات کہو چاہے کسی قرابت داری کو نقصان کیوں نہ پہنچے۔

مذکورہ دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ دوست دشمن اور رشتہ دار غیر رشتہ دار سب کے ساتھ عدل و مساوات کے برتاؤ کا حکم ہے کسی کے ساتھ بے انصافی یا بے حاشیہ داری کی مطلق اجازت نہیں۔ اُدھر منو شاستریں شورو اور برہن کی جان میں کوئی مساوات نہیں اور قرآن مجید میں انفس بالانفس (جان کے بدلے جان) کہہ کر سب میں مساوات قائم کر دی۔ دوسری جگہ مکتب علیکم انصاف فی القتلی (تم پر مقتولین کا قصاص فرض کیا گیا) فرما کر کسی قاتل کے لئے کوئی چناہ باقی نہیں رکھی اگر کوئی فاطمی یا کوئی برہن کسی غلام یا شورو کو ناحق قتل کرے گا تو اس فاطمی یا اُس برہن سے ضرور قصاص لیا جائے گا۔ یہی نہیں کہ یہ احکام قرآن مجید میں لکھے رہنے کے لئے ہوں اور مسلمانوں نے ان پر عمل نہ کیا ہو بلکہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف مسلمانوں کے لئے اُن کی زندگی کا دستور العمل رہا ہے ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے کھانا پکانے کے لئے کام تقیم کرتے آنحضرت صلیم بھی اُس قافلہ میں موجود اور اُن سب لوگوں کے آقا و شہنشاہ و سپہ سالار تھے آپ نے کلڑیاں لائے کام اپنے ذمہ لے لیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں مدینہ منورہ سے بیت المقدس تک ایک اونٹ پر سفر کیا ایک غلام بھی ہمراہ تھا۔ اُس اونٹ پر فاروق اعظمؓ اور اُن کا غلام باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ شہر قریب آیا تو آخری باری غلام کی اٹھائی۔ فاروق اعظمؓ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے پھیل چل رہے تھے غلام نے عرض کیا کہ شہر قریب آ گیا ہے اب آپ سوار ہو جائیں اور میں اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے چلیں۔ فاروق اعظمؓ نے کہا کہ نہیں سوار ہونے کی باری تمہاری ہی ہے۔ چنانچہ اسی حالت میں جب کہ خلیفہ اسلام کی شان و عظمت دیکھنے کے لئے لوگ جوق جوق گھروں سے نکل آئے تھے داخل ہوئے ایک مرتبہ ایک نو مسلم ہادشاہ یعنی جہلم غسانی کو ایک معمولی غریب آدمی کے ناجائز طور پر تھڑ بار دینے کے جرم میں مجرم قرار دے کر حکیم سزا عطا ہوا جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا۔ ایک مرتبہ خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ

ولا تعدوا۔ اِنَّ اللہَ لَا یحبُ الْمُتَعَدِّیْنَ (دوسروں سے کچھ غرض نہ رکھو) اور زیادتی مت کرو۔

(فہرہ رکوع ۲۴)

خدا نے تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا
اس حکم کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام کی اشاعت اور دین کی تبلیغ کے متعلق تو صاف حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔

وقل للذین امنوا انکم لم یکنتم کفاراً کما کانوا واما انکم فاعلموا انکم کفاراً واما انکم فاعلموا انکم کفاراً واما انکم فاعلموا انکم کفاراً
اے پیغمبر اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں سے کہو کہ کیا تم دین اسلام میں داخل ہوتے ہو پس اگر اسلام قبول کر لیں تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ مڑیں تو تمہارا تو صرف اتنا ہی کام ہے کہ حکم الہی پہنچا دو۔

اس آیت میں یہ نہیں لکھا کہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم ان سے جنگ کرو یہ ظاہر ہے کہ جنگ ان جرائم پیشہ لوگوں سے کی جاتی تھی جو مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے۔ پھر ایک جگہ حکم ہوتا ہے کہ

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یَہَادُوْنَ بِالْمَعْمُورِ اَنْ یَّکُوْنُوْا عَلٰی نَفْسِہُمْ لَقٰدِحِیْنَ اِلٰہِیْنَ اٰخِرِہِمْ دِیَارِہُمْ لَیْجِزَیْنِ اَنْ یَّکُوْلُوْا مِنْ اَمَّا لِدِیْنِہِمْ دِیَارِہُمْ لَیْجِزَیْنِ اَنْ یَّکُوْلُوْا مِنْ اَمَّا لِدِیْنِہِمْ دِیَارِہُمْ لَیْجِزَیْنِ
جن مسلمانوں سے کافر پڑتے ہیں اب ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس واسطے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرے پھر قادر ہے یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کے لئے پھر کر ہمارا پروردگار اللہ ہے نافرمان اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے گم سے نہ مٹواتا مہلتا تو نزاری کے صوبے اور گریجہ اور ہویلا کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت ہے خدا کا نام پیا جاتا ہے کبھی گئے دھائے جا چکے ہوتے اور جو ان کے کام میں مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ برصغرت اور صوبہ پر غالب ہے۔

قرآن مجید نہ صرف مسلمانوں کی حفاظت کو ضروری سمجھتا ہے بلکہ وہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو بھی ظالموں کے ہاتھ سے بچانا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے عبادت گاہوں کے ختم کرنے والوں اور مذہبی آزادی کے دشمنوں سے جنگ کرنے کی

ایلیا رہیت المقدس، کے باشندوں میں سے کوئی شخص ردیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اس کو بھی امن بڑے یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام تک پہنچ جائے۔

اس عہد نامہ پر آپ نے سرداران لشکر کے بھی دستخط کرا دیئے تھے تاکہ وہ سب بھی اس کے گواہ رہیں اور کسی قسم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد شام و فلسطین کے اور بھی کئی شہروں نے اسی قسم کے امان نامے حاصل کر کے اپنے آپ کو بغیر مقابلہ کے خوشی خوشی مسلمانوں کی حفاظت میں دے دیا۔ فاروق اعظمؓ کی حکومت و سلطنت تقریباً تیس لاکھ میل مربع رقبہ پر تھی اس قدر وسیع سلطنت کے فرماں روا اور اپنے زمانہ میں دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور شہنشاہ کو کسی مرض کی وجہ سے کسی نے شہید کھانے کو بتایا آپ کے یہاں شہید نہ تھا اور کسی جگہ سے بھی شہید نہیں مل سکتا تھا البتہ بیت المال یعنی سرکاری خزانے میں تھوڑا سا شہید موجود تھا لوگوں نے کہا کہ آپ اس شہید کو استعمال کریں۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا کہ یہ تو تمام لوگوں کا مال ہے جب تک عام لوگ بھوکو اجازت نہ دیں میں استعمال نہیں کر سکتا۔ آپ نے خلیفہ ہونے کے بعد ابتداءً مدتوں بیت المال سے ایک جہ بھی نہیں لیا رفتہ رفتہ لڑت یہاں تک پہنچی کہ آپ پر اخلاک مستولی ہوئے لگا اور فقر و فاقہ کی لڑت پہنچے لگی تب آپ نے صحابہ کرام کو مسجد نبوی میں جمع کر کے فرمایا کہ میں کاروبار خلافت میں اس قدر مصروف رہتا ہوں کہ اپنے نفقہ کا کوئی اہتمام نہیں کر سکتا آپ سب مل کر میرے لئے کچھ مقرر کر دیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ صبح و شام کا کھانا آپ کو بیت المال سے ملا کرے گا۔ فاروق اعظمؓ نے اسی کو منظور کر لیا۔ اس کھانے کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دور دراز کے صوبوں اور عالموں کے سفیر مدینہ منورہ میں پیغام لے کر حاضر ہوتے تو وہ فاروق اعظمؓ ہی کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھاتے۔ ان سفیروں کو عموماً اس بات کی شکایت ہوتی کہ مدینہ میں ہم کو کھانا بہت ہی معمولی اور ادنیٰ درجہ کا ملتا ہے۔

(۳) اسلامی نظام سلطنت

فلک عیسق اور کافی غور و تدقیق سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت ضرور سامنے آئے گی کہ دنیا کی سب سے بڑی معصیت اور لواع انسان کی سب سے بڑی ہلاکت لعنت

یہ ہے کہ طاقتور انسان کمزور انسان کو دبا لئے ڈرائے، اس کے حقوق چھیننے اور غصب کرتے پر آمادہ ہوجاتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں عام طور پر عدل و انصاف کے قیام میں مشکلات حاصل رہی ہیں، آریوں نے طاقت پاکر غیر آریوں کو - برہمنوں اور جتھروں نے شہودوں کو جس طرح دبا یا - ڈرایا اور ان کے حقوق سے محروم کیا عالم آشکارا ہے - رومیوں نے افریقیوں پر غلبہ پایا تو کسی درگزر اور رعایت کو جائز نہ رکھا - مصریوں نے شامیوں کو اور یونانیوں نے ایرانیوں کو اپنے آپ سے کمزور پاکر خون کے دریا بہائے اور کمزوروں کو انسانی حقوق سے محروم کرنے میں کوئی کوتاہی روا نہ رکھی - گاتھامد کال نے طاقت پاکر کمزوروں کو چوپایوں سے بدتر سمجھا اور مغول نے چیرہ دست ہو کر مغلوں کے لوستے قتل کر کے میں جنگل کے درندوں اور بھیڑیوں کو مات کر دیا - نزع انسان میں عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور تھی لہذا سر ملک اور ہر قوم نے عورت کو اس قدر ذلیل بنایا کہ وہ چوپایوں اور حادوی جانداروں کی طرح مرد کی بے زبان ملکیت سمجھی گئی - قانون منو نے عورت کا جو مرتبہ قائم کیا ہے اس کے تصور سے بدن کے دو ٹکٹے کھڑے ہوتے ہیں عربوں نے دختر کشی کو جیسا قابل فخر کام سمجھا تھا اس کی روئداد پڑھ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں -

غرض دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں بتایا جاسکتا جہاں طاقتوروں سے کمزوروں کو مظالم کا تختہ مشق نہ بنایا ہو اور ضعیفوں کو طاقتوروں کے آگے اپنے شرف انسانیّت سے دست بردار نہ ہونا پڑا ہو - فرعون مصر نے اگر خدائی کا دعویٰ کر کے لوگوں سے اپنے روبرو سجدہ کرایا تھا تو اس تہذیب و شائستگی کے زمانے میں آج بھی اکثر عمالی سلطنت کے متعلق سنا جاتا ہے کہ کسی کے جھک کر سلام نہ کرنے اور تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہونے پر اس کو پھواتے اور بعض اوقات تو تھوک کر چھواتے اور کبھی زمین پر پیٹ کے بل بھی چلوا لیتے ہیں - دنیا میں طاقتوروں کے ظلم و غرور کی جس قدر لمبی عمر ہے اسی قدر کمزوروں کی بُزدلی اور بے جا غوغا مدطویل العمر ہے - دنیا کے یہ دونوں مرض سب سے زیادہ پھیلے اور سب سے زیادہ انسانی شرف کو برباد کرتے والے ہیں - انھیں دونوں پلید بیماریوں نے انسان کو خدا سے تعالیٰ کی معرفت اور عبادت سے باز رکھ کر پاؤں خود خدائی کا مدعی اور دہریہ بنایا یا مشرک اور بت پرست بنا کر پھریں اور نہریلے کیڑوں کے آگے اس کا سر جھکا یا -

انبیاء کی بعثت کی غرض | ان دونوں مذکورہ بیماریوں کے دور کرنے اور انسان کو

اُس کی شرافت پر قائم رکھنے کے لئے خدائے تعالیٰ نے ہرزائے میں ہادی۔ رہبر، پیغمبر اوتار، وحی، ہدایت، نبی اور رسول بھیجے جنہوں نے طاقتوروں کو ظلم و ستم سے روکنے اور کمزوروں کو ظالموں کے مقابلے میں اپنے حقوق کی حفاظت پر آمادہ کرنے یعنی تمام طاقتوں کے مالک اور معبود حقیقی کی عبادت و قربان برداری، بجا لائے ہر مستعد کیا۔ جب سے اس راج مسکون پر نسل انسانی آبلو ہے اُسی وقت سے مذکورہ دونوں بیاریاں انسانوں میں موجود ہیں اور اُسی وقت سے ان دونوں بہاریوں کے معالج یعنی پیغمبروں کی تعلیمات کا سلسلہ جاری ہے وان مون امة لا خلا فیہا نذیر۔ ان پیغمبروں اور ہادیوں نے ہمیشہ انسان کو انسانیت پر قائم رکھنے کی کوشش کی اور انسان کے باہمی تعلقات کو خوش گوار رکھ کر معبود حقیقی کی عبادت بجا لانے کی فراغت اُن کے لئے چاہی کی۔ اس کوشش میں اُن کو کبھی وعظ و پند سے کام لینا پڑا۔ کبھی ضعیفوں کو بہادر بنا کر کج فہم اور سرکش ظالموں کا سر توڑنے اور اُن کے کبر و غرور کو خاک میں ملاسنے کی ضرورت پیش آئی۔ دنیا کے ہادیوں اور پیغمبروں کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔ انھیں ہادیوں اور رہبروں کی لائی ہوئی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں بار بار ظلم و عصیان اور حدود طغیاں کے طوفان برپا ہونے کے بعد فرو ہو ہو گئے۔ سب سے بڑا اور عظیم الشان طوفان جس نے تمام راج مسکون کا احاطہ کر لیا تھا اُس وقت آیا جب کہ رہبر کامل عالم انسانیت کو اُس کا حق واپس دلانے کے لئے مبعوث ہوئے والا تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مندرجہ بالا تنہید سے غالباً یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ انسانی آبادی کے لئے نظام سلطنت جس چیز کا نام ہے وہ اگر دنیا میں صل و انصاف قائم کرنے اور حقوق انسانی کی حفاظت کا ذریعہ ہے تو وہ ہادیان برحق کی تعلیمات کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ نسل انسانی کی بہبود و فلاح کے لئے سلطنت و حکومت کے جس قدر نظام قائم ہوئے وہ سب کے سب پیغمبروں، رسولوں اور ہادیوں کے قیام سے ہوئے یا اُن کی تعلیمات سے ماخوذ تھے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ دنیا کے آخری اور سب سے بڑے ہادی تھے۔ اس لئے نفع انسان کی بہبود و فلاح کے لئے آپ کی لائی ہوئی شریعت یعنی اسلام سے ہم کو سب سے بڑی بھی توقع ہو سکتی تھی کہ وہ سب سے بہتر نظام سلطنت پیش کرے گا۔ آؤ ہم اپنی فکر تیز انداز میں مطلق کی کیوں

پر بھی اس کو پرکھ کر دیکھ لیں۔

اسلامی نظام سلطنت کی برتری | پورے مذہبوں نے نسل انسانی کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو نظام سلطنت قائم کئے تھے وہ ہمیشہ نوع انسان کی مذکورہ پشتینی بیماریوں کے بار بار عود کر آنے کے سبب درہم برہم ہو ہو گئے اور نئے ہادیوں اور نئے رسولوں کے آنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی شریعت لے کر آئے جو آج تک من کل الوجوه محفوظ اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے پاک موجود ہے اور آئندہ بھی اُس کے تغیر و تبدیل ہونے کا کوئی امکان نہیں لہذا اسلامی نظام سلطنت میں اگر انسان کی قدیمی بیماریوں کے عود کر آنے کی وجہ سے کوئی اختلال پیدا ہو تو اُس کی اصلاح کے لئے ہم کو صرف شریعت اسلامی کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، جو محفوظ و موجود ہے کسی دوسری شریعت اور دوسرے ہادی کے انظار کی ضرورت نہیں جس طرح ہر شریعت ایک ہادی اور پیغمبر کی اطاعت انسان سے چاہتی ہے اسی طرح اسلام بھی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے انسان سے پیغمبر اسلام کی اطاعت اور نظام اسلام یعنی قرآن کریم کی دی ہوئی تعلیم کی تعمیل چاہتا ہے جس طرح ہر ایک مذہب انسان کو غلامی اور خواری سے نکال کر آزادی و حریت عطا کرنے کے لئے احکام خداوندی یعنی مذہب اور احکام مذہب کی اطاعت چاہتا ہے اسی طرح اسلام بھی انسان کو غلامی کے طرق سے آزاد کرنے کے لئے فرماں برداری کا خواہاں ہے۔ تمام مذاہب کے احکام و حقوق میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں ایک کو تعظیم لاء اللہ اور دوسرے کو شفقت علی خلق اللہ یا ایک کو عبادت اور دوسرے کو معاملات کہہ سکتے ہیں اسی دوسرے حصے کو سلطنت سمجھنا چاہیے۔

اسلامی نظام سلطنت کی توضیح | اسلام تجویز کرتا ہے کہ تمام انسان یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ پیدایشی طہ پر کسی انسان کو دوسرے انسان پر محض خاندان یا قوم کی وجہ سے کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے۔ ہاں اپنے اعمال سے ہر شخص اپنے مرتبہ اور استحقاق کو بڑھا یا گھٹا سکتا ہے۔ تمام سمجھ دار لوگ اپنے اندر سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے اپنا امیر اور قائلان کے نافذ کرنے کا مقصد بنالیں۔ اس امیر کو منتخب ہونے کے بعد شاملہ اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔

لیکن ایسے اختیارات حاصل نہیں ہو سکتے کہ وہ مسئول نہ ہو سکے بلکہ وہ قانون یعنی ذمہ داری کے قائم کئے ہوئے اصولوں اور حکموں کے ماتحت، ایک و قوم میں امن و انتظام قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور ہر ایک شخص اس کو کوئی خلاف قانون کام کرتے ہوئے دیکھ کر روک ٹوک کر سکتا اور ہر معاملہ میں اس سے جواب طلب کرنے کا آزادانہ حق رکھتا ہے اس امیر یا شہنشاہ کو خلیفہ کہتے ہیں۔ خلیفہ کو بیت المال کا بھی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ بیت المال میں جو روپیہ یا مال جمع ہوتا ہے وہ رعایا کا مشترکہ خزانہ ہے خلیفہ کو اپنی ذات یا اپنی ذاتی خواہشات کے لئے بیت المال سے کچھ بھی خرچ کرنے کا اختیار نہیں اس کی حیثیت محض ایک امین یا مہتمم کی ہوتی ہے وہ رفاہ رعایا اور مخلوق خدا کے فائدے کے لئے اس خزانے کو خرچ کرتا ہے۔ یتیموں، بیواؤں، محتاجوں، مسافروں کی امداد اور فوج و پولیس وغیرہ کے مصارف میں بیت المال کا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر ملک میں بغاوت ہو تو اس کے فرو کرنے اور بد امنی کو امن و امان سے تبدیل کرنے کی تدابیر عمل میں لاتا ہے۔ مظلوموں کے حقوق ظالموں سے دلاتا اور ہر ایک بد معاش کو تنکے کی طرح سیدھا بنادیتا ہے۔ چوروں، ڈاکوؤں اور رنہروں کو سزائیں دیتا اور رعایا کی جان و مال و آبرو کی حفاظت و نگہ رانی کرتا ہے۔ انفعالی خصوصیات میں عدل و انصاف کو نظر رکھتا اور مسلم و غیر مسلم کا اس عدل کے معاملے میں مطلق لحاظ نہیں رکھتا ہے۔ تمام بے حیائی کے کاموں کو روکتا ہے اور لوگوں کو پُر امن اور بخشنیدہ زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ملک کی حفاظت کے لئے فوج کی ضرورت ہو تو مسلمانوں کی فوجی بھرتی کرتا ہے۔ لیکن غیر مسلموں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ بیرونی حملات اندرونی فسادات اور ہر قسم کی بے راہ روی کے مٹانے اور دور کرنے نیز رفاہ رعایا کے اہتمام کے لئے بیت المال میں خزانہ فراہم ہونے کے ذرائع یہ ہیں کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ و عشر کے ذریعہ روپیہ وصول ہوتا ہے جس کی تشریح خود احکام شرع میں موجود ہے۔

اسی طرح غیر مسلموں سے ایک نہایت خفیفہ اور معمولی ٹیکس جزیہ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے غیر مسلموں کو سوائے اس جزیہ کے اور کوئی ٹیکس ادا کرنا نہیں پڑتا۔ لیکن مسلمانوں کو زکوٰۃ کے علاوہ صدقات اور مزدورت کے وقت بڑے بڑے چندے ادا کرنے پڑتے ہیں مسلمان فوجی خدمات ادا کرنے پر بھی مجبور ہیں اور زکوٰۃ وغیرہ سے بھی کسی حالت

میں معاف نہیں کئے جاسکتے غیر مسلم اگر اپنی خوشی سے فوجی خدمات ادا کر لے پر آمادہ ہوں تو جزیہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے جان و مال کو اس لئے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے کہ یہ نوع انسان کی فلاح و بہبود کے زیادہ خواہاں اور امن و امان کی قدر و قیمت کو پہچاننے کے سبب اس کے قیام کے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ خلیفہ مسلمانوں کو نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادات پر قائم رکھتا اور ان چیزوں کے ادا کرانے کا اہتمام کرتا ہے۔ غیر مسلم رعایا کے عبادت خانوں کی حفاظت کا بھی خلیفہ اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت اس کا فرض ہے۔ راستوں کی حفاظت اور تجارت و صنعت و زراعت کی ترقی کی تدابیر عمل میں لانا بھی خلیفہ کے فرائض میں داخل ہے۔ خود رو پیدا دار یعنی جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں سے حاصل ہونے والی چیزیں تمام لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہیں ان پر کوئی ٹیکس حکومت کی طرف سے عائد نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی نظام سلطنت کا کامل نمونہ خلفائے راشدین کی حکومت و سلطنت ہے۔ جو شخص پورے اور مکمل اسلامی نظام سلطنت سے واقف ہونا چاہے وہ خلفائے راشدین کے حالات کا مطالعہ کرے۔

اسلام نے اپنے سکھائے ہوئے اخلاق پر اسلامی نظام سلطنت کی خوبیاں

دوسری قوموں یعنی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر حکومت کرنے میں کسی بے اعتمادی کے دخل کو مطلق ضروری نہیں سمجھا اور اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ تم دوسری قوموں یعنی دوسرے مذاہب والوں کو بھی عاملانہ عہدے دے سکتے ہو کیونکہ مسلمان اگر سچے پکے مسلمان ہوں تو کبھی اس قدر کمزور ہو ہی نہیں سکتے کہ دوسروں سے مغلوب ہو جائیں، بخلاف دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں کے کہ انہوں نے دوسروں پر مطلق اعتماد نہیں کیا۔ خلیفہ اگر بے راہ روی اختیار کرے تو اس کو مسلمانوں کی جماعت فوراً معزول کر سکتی اور دوسرے موزوں شخص کو انتخاب کر لینے کا حق رکھتی ہے۔ لیکن بلاوجہ خلیفہ کے حکم سے سرتابی اور اس کی نافرمانی جرم عظیم اور بغاوت ٹھہرائی گئی ہے۔ خلیفہ کے انتخاب میں کسی وراثت کسی خاندانی یا قومی استحقاق کوئی برابر بھی دخل نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ استحقاق قابلیت کی بنا پر

عنہ نے خلیفہ مختص ہونے کے بعد اپنی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا کہ
 ”لوگوں میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں
 اگر میں ٹھیک کام کروں تو مجھے مدد دو اور اگر میں غلط روی اختیار کروں
 تو مجھ کو سیدھا کر دو۔“

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مجلس شوریٰ منعقد ہوئی اور
 اختلاف آرا ہوا تو فاروق اعظمؓ نے اس موقع پر ایک تقریر کی جس میں فرمایا کہ
 ”میں بھی تم میں سے ایک کے برابر ہوں میرا یہ منشا نہیں کہ میں جو
 چاہتا ہوں اُس کو آپ لوگ بھی مان لیں۔“

بہر حال اسلام نے سب سے پہلے باقاعدہ اور موثر طریقے سے شخصی وراثتی سلطنت
 کے سلسلے کو مٹانے کی کوشش کی۔ اگرچہ کچھ دلوں کے بعد مسلمانوں کی غفلت اور
 بد نصیبی سے خود مسلمانوں کے اندر موروثی سلطنت کا سلسلہ جاری ہو گیا مگر پھر بھی
 مسلمانوں میں اسلامی نظام سلطنت کے اصول نمایاں رہے۔ مسلمانوں ہی کی تعلیم
 کا اثر تھا کہ ہسپانیہ کے ہمسایہ ملک فرانس میں جمہوری سلطنت کی بنیاد رکھی گئی اُس
 کے بعد امریکہ میں بھی جمہوریت قائم ہوئی اور آج تو دنیا کے بہت سے ملکوں میں جمہوری
 سلطنتیں قائم ہو چکی ہیں۔ فرانس و امریکہ کی جمہوریت درحقیقت اسلامی تعلیمات سے متاثر
 ہونے کا ایک نتیجہ ہے۔

اسلامی جمہوریت اور دوسرے ملکوں کی جمہوریت میں فرق | لیکن اس جمہوریت
 اور اسلامی نظام

سلطنت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس مروجہ جمہوریت میں جو جو خرابیاں شخصی سلطنت
 کے حامیوں نے بیان کی ہیں اسلام کی مجوزہ سلطنت میں اس قسم کی خرابیوں میں سے
 ایک بھی شامل نہیں کی جاسکتی۔ مسلمان اپنے حکمران کو اگر وہ خدا و رسول کے حکم کی
 مخالفت میں کوئی حرکت کرے تو فوراً رد کیے اور ٹوکنے کا قانونی حق رکھتے ہیں لیکن اُس
 کے سوا ایک حکم کی تعمیل کو جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو ضروری سمجھتے اور اُس سے
 بغاوت و سرکشی کے خیال تک کو دل میں نہیں آتے و سیتے۔

جب کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خدا و رسول کے احکام کی خلاف ورزی

پر اپنے خلیفہ کو معزول کر سکتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ ایک تجربہ کار مفید ملک و قوم، نیک طینت، نیک نیت اور قیمتی شخص کو جو اپنے فرائض عمدگی سے بجا لا رہا ہے محض اس لئے کہ اس کو تین یا پانچ سال کی مدت گزر چکی ہے معزول کر کے نئے انتخاب کی زحمت گوارا کریں اور کسی نئے تجربہ کی مصیبت میں اپنے آپ کو مبتلا کریں۔

عیسائیت نے مال و دولت کا مرتبہ مذہب یا اس قدر ذلیل ٹھہرایا ہے کہ دولت مندوں کو آسمانی پادشاہت میں داخل ہونے سے روک دیا ہے۔ بودھ مذہب نے پیشوا یا ان مذہب کو گناہ گرنے کی اجازت دی ہے مگر اسلام نے مال کو سامانِ معیشت قرار دے کر اس کا اصلی مرتبہ ظاہر فرما دیا ہے۔ ملک کے تمام باشندوں یا تمام بشری نوع انسان کے اندر مالی مساوات محال اور عقلاً اشتراکیت و بولشویت کے اصول ناقابلِ عمل ہیں مگر ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لئے یہ ماننا ضروری ہے کہ جس قدر مال و دولت افراد کے قبضہ میں ہے وہ تمام مجموعی طور پر ملک و قوم کی دولت ہے اور اسی لئے قوم کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ دوسرے شخص کی دولت کو برباد اور تلف ہونے سے بچائے تاکہ ملک و قوم کی دولت میں کمی واقع نہ ہو اور اگر کوئی شخص اپنی دولت خود اپنے ہاتھ سے برباد کر رہا ہو تو دوسرے کا فرض ہو کہ وہ اس کو اس غلطی سے روک دے۔ اسلام نے اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر حکم دیا ہے کہ لا تؤولوا السفہاء اموالکم رہنے والوں کے بے وقوفوں کے سپرد نہ کرو اسی طرح لیس لاد انسان الاما سعی (انسان جو کچھ کوشش کرتا ہے وہی اس کے لئے ہے) فرما کر ہر شخص کو کسبِ معاش کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ رشوت کو جو انسان کے لئے بلا استحقاق آمدنی ہے اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ تجارت کی تو اسلام نے ترغیب دی ہے لیکن سود خوری کو اس لئے ممنوع قرار دیا کہ اس میں بہت سی اخلاقی اور اقتصادی مضرتیں مضمر ہیں۔ سود خوری سے انسان کی باہمی محبت و ہمدردی کی صفیت حسنہ معدوم ہو جاتی ہے۔ بے محنت و دولت کمانے سے انسان آرام طلب اور بزدل ہو جاتا ہے۔ سود خوری کے رواج سے ملک کی تمام دولت ہتھ دیر سبٹ کر ایک محدود گروہ کے قبضہ میں آ جاتی ہے اور باقی لوگوں کو مظلومانہ طور پر سبک دیا جاتا ہے۔ غلہ یا دوسری ضروریاتِ زندگی کی چیزوں کو گرانی کے

انتظار میں فروخت نہ کرنے اور روکے رکھنے کو بھی اسلام نے منع کیا ہے کیونکہ اس سے اگرچہ ایک شخص کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن باقی تمام لوگوں کو اس سے اذیت ہوتی ہے قمار بازی اور شراب خواری کو بھی اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان چیزوں سے نقصان اور فسادات پیدا ہوتے ہیں۔

آج کل کے یورپی ملکوں کو اپنی تہذیب اور ترقی یافتہ حالت پر بڑا غور اور گھمنٹ ہے لیکن انھیں ملکوں میں آئے دن اُن کے نظام سلطنت کو خالما نہ قرار دینے والے گردہ پیدا ہو رہے ہیں اسی بلفورٹ ایک فلاسفر کا قول ہے۔

”وہ وقت قریب ہے جب کہ کسی انسان کو محب وطن یا وطن پرست کہہ دینا اُس کی انتہائی توہین ہوگی کیونکہ ہم اتفاق سے ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جس میں مخصوص نظام حکومت اور ممتاز طبقہ کے افراد کے مفاد کی خاطر غارت گری کا بازار گرم ہے۔ اسی غارت گری کو حب الوطنی کہا جاتا ہے اس قول کے قائل اتی بلفورٹ نے آج کل کی مہذب عیسائی سلطنتوں اور جمہوریوں کی بد اعمالیوں سے تنگ آکر مندرجہ بالا الفاظ کہے ہیں۔

روس کا سب سے بڑا دیرطاسطائی کہتا ہے کہ نوع انسان میں سے ہر قوم کے ملکی و قومی و خاندانی امتیازات بکلی مٹا دینے چاہئیں۔ ان لوگوں نے یورپی اور عیسائی جمہوریوں کے مفاسد و مظالم کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد یہ باتیں زبان سے نکالی ہیں لیکن اسلام ملکی و قومی امتیازات کو تسلیم کرتا ہوا وہ نظام سلطنت اور وہ اخلاقی تعلیم پیش کرتا ہے کہ اسی بلفورٹ اور طاسطائی کو اس قسم کی خلاف فطرت انسانی تجاویز پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور ہر قسم کے مفاسد و مظالم کا پورے طور پر سدباب ہو جاتا ہے اور انسان نہایت آسانی سے سعادت انسانی تک پہنچنے کی سہولت پا جاتا ہے منطقہ حادثہ کو جس طرح منطقہ بارہ نہیں بنایا جاسکتا اسی طرح اقوام عالم کے خصوصی امتیازات اور انسان کی حب الوطنی کو نہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اسلام نے قبائل و شعب کے امتیازات اور انسان کے جذبہ حب الوطنی کی بخوبی تکریم کی ہے مگر اس امتیاز قومی اور حب الوطنی کو کہیں بھی ایسا ناجائز موقعہ نہیں دیا کہ وہ نوع انسانی پر مظالم بردار رکھنے کا ذریعہ بن سکے۔

(۴) غیر مسلموں کی ضروری شہادتیں

- (۱) امریکہ کے مشہور عالم ڈریپر کا قول ہے -
 ”دنیا کی تاریخ میں کوئی مذہب اتنی بلندی اور اس قدر وسعت کے ساتھ نہیں پھیلا جتنا کہ مذہب اسلام تھوڑے ہی عرصہ میں کوہ الثانی سے لے کر بحرالکاہل تک اور ایشیا کے مرکز سے افریقہ کے مغربی کناروں تک جا پہنچا۔“
 اس قول کو پڑھ کر سوچنا چاہیے کہ اسلام کی یہ حیرت انگیز اشاعت تلوار یعنی جبر و تشدد کے ذریعہ ہوئی تھی یا اپنے اعلیٰ اصول اور مفید تعلیمات کے ذریعہ۔
- (۲) سر ولیم پیور دلائل آف محمد کا مصنف، جو اسلام کی مخالفت میں شہرت حاصل کر چکا ہے ایک جگہ مندرجہ ذیل الفاظ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے -
 ”اسلام نے ہمیشہ کے واسطے توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے چھائی تھی کا عدم کر دیا۔ بُت پرستی موقوف ہو گئی اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور ہر ایک جگہ محیط قدرت کا مسئلہ حضرت محمد (صلعم) کے متقدموں کے دلوں اور جانوں میں جیسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے جیسا کہ حضرت محمد (صلعم) کے دل میں تھا مذہب اسلام میں سب سے پہلی بات جو خاص اسلام کا مفہوم ہے یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر کامل بھروسہ اور توکل کرنا چاہیے بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم عوبیاں نہیں ہیں چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں۔ بیٹوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آنا چاہیے۔ نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اُس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا۔“
- (۳) چیمبرزان سائیکلو پیڈیا میں ایک آرٹیکل لکھنے والا اسلام اور اسلامی تعلیم کی نسبت لکھتا ہے کہ

”مذہب اسلام کے نہایت کامل اور روشن حصے یعنی قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم میں نا انصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، اسراف، عیاشی، بدگمانی، ہمت

قابلِ ملامت قرار دی گئی ہے۔ نیک نیتی، فیاضی، حیا، تحمل، صبر، بروہاری، کذابت شعاری۔ سچائی، راست بازی، ادب، صلح، سچی محبت اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اُس کی مرضی پر توکل کرنا سچی ایمان داری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کیا گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ یورپ میں علوم و فنون کی ترقی کا اصل سبب بھی اسلام ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۴، ڈاکٹر گستا دلی بان فرانسیسی لکھتا ہے کہ

”جس وقت ہم فتوحاتِ عرب پر نظر ڈالیں گے اور اُن کی کامیابی کے اسباب کو ابھار کر دکھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اشاعتِ مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں، آزاد چھوڑ دیتے تھے اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا اور بالآخر اُن کی زبان کو بھی اختیار کیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اپنے حبیہ حاکموں کو اُن قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں اُس وقت تک تھے بہت زیادہ منصف پایا اُن کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب بزورِ شمشیر نہیں پھیل سکتا۔ جس وقت عیسویوں نے اندلس کو عربوں سے فتح کر لیا اس وقت اس مفتوح قوم نے جان دینا قبول کیا لیکن مذہب کا بدلنا قبول نہیں کیا۔ فی الواقع دین اسلام بعض اس کے کہ بزورِ شمشیر پھیلا یا گیا ہو محض بہ ترغیب اور بزورِ تقریر شائع کیا گیا ہے اور یہی ترغیب تھی جس نے اقوام ترک و منغل کو بھی جنھوں نے آگے چل کر عربوں کو مغلوب کیا دین اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دیا۔ چین میں بھی اشاعتِ اسلام کچھ کم نہیں ہوئی ہماری کتاب کے ایک دوسرے حصے میں معلوم ہوگا کہ اُس ملک میں بھی اسلام کس قدر جلد پھیلا اگرچہ عربوں نے چین میں گزبھرزین پر بھی قبضہ نہیں کیا تاہم اس وقت چین میں کروڑوں مسلمان ہیں (مستقول از تمدن عرب)

(۵) رابرٹس اپنی تاریخ چارلس پنجم میں لکھتا ہے کہ

”وہ مسلمان ہی تھے جن میں اشاعتِ مذہب کے جوش کے ساتھ رواداری ملی ہوئی تھی ایک طرف تو وہ اپنے پیغمبر کے دین کو پھیلاتے تھے دوسری طرف اُن اشخاص

کو جو اُسے قبول نہیں کرتے اپنے اصلی ادیان پر قائم رہنے دیتے تھے :

(۶) بیشور بہان اپنی کتاب سفر مشرق میں لکھتا ہے کہ

”عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قاذون مروت ہے عیسائیوں کو مسلمانوں سے سکھایا۔ یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے اور کسی کو مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔“

(۷) تاجخ جنگ صلیبی میں مذکورہ مصنف میٹو لکھتا ہے کہ

”جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو انھوں نے یہ مایوں کو مطلق نہیں ستایا برخلاف اس کے جب صلیبوں نے اسی شہر مقدس کو لیا تو انھوں نے نہایت بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور یہودیوں کو جلا دیا۔“

(۸) فتح بیت المقدس کے متعلق ڈاکٹر گستاوی بان لکھتا ہے کہ

”بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاقی ہم پڑ ثابت کرتا ہے کہ ملک گیر ان اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اُس زمانہ کے مقابل جو صلیبوں نے اسی شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کیا نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور آپ نے سفرونیس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ منادی کرا دی کہ میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور اُن کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں شمار پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ جو سلوک عربوں عاصی نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا اُس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ انھیں پوری مذہبی آزادی۔ پورا انصاف بلکہ رعایت اور جاتدو کی ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور اُن ظالمانہ اور غیر محدود سطالہوں کے عوض میں جو یونانی شہنشاہ اُن سے وصول کیا کرتے تھے صرف ایک جزیہ لیا جائے گا جس کی تعداد دس سو سو سالانہ تھی۔ رعایا نے صوبجات نے ان شرائط کو اس قدر قیمت سمجھا کہ وہ فوراً عہد و پیمان میں شریک ہو گئے اور جزیہ کی رقم انھوں نے پیشگی ادا کر دی۔ حال اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم

رہے اور انھوں نے اُن لوگوں کے ساتھ جو سرورِ شاہنشاہِ قسطنطنیہ کے عالموں کے ہاتھ سے الزاع و اقسام کے مظالم سہا کرتے تھے اس طرح کا عہدہ برتاؤ کیا کہ سائے ملک نے پیکشادہ پیشانی دین اسلام اور عربی زبان کو قبول کر لیا۔ میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہرگز بزدل شمشیر نہیں حاصل ہو سکتا۔

(۹) مصر کے مشہور اخبار المچپٹ میں ایک مسیحی نے لکھا تھا کہ

”ہم عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں تو ایک نمایاں فرق یہ نظر آتا ہے کہ عیسائی مذہب کے راتے میں جب علوم و فنون آگئے تو اُس نے نہایت بیدردی سے اُن کو پامال کیا لیکن اسلام نے خود علوم و فنون کی بنیادیں قائم کیں اور عیسائیت و مجوسیت نے جن شائقینِ علوم کو شوقِ علم کے جرم میں جلاوطن کیا اسلام نے اُن کو اپنے دامن میں پناہ دی۔“ ”جس طرح عیسائیت علم اور تمدن کے میدان میں اسلام کے دوش بدوش نہیں چل سکتی اسی طرح اخلاقی حیثیت سے بھی اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“

(۱۰) بیروت کے ایک مسیحی اخبار الوطن میں ایک مسیحی نامہ نگار نے آنحضرت صلعم کے متعلق ایک مضمون لکھا اس میں وہ لکھتا ہے کہ

”پیغمبرِ اسلام نے مسلمانوں کی قوم کے پھیلنے اور باقی رہنے کے تمام سامان فراہم کر دیے کیونکہ مسلمان جب قرآن و حدیث میں غور کریں گے تو وہ اپنی ہر دینی و دنیوی ضرورت کا علاج اُس میں پائیں گے انھوں نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک عالمگیر کانفرنس کی بنیاد ڈالی یعنی حج کے ذریعہ تمام دنیا کے صاحبِ ثروت اور بااثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں ربط و اتحاد ڈیڑھا کر سکتے ہیں۔ انھوں نے زکوٰۃ فرض کر کے فقرائے قوم کا کافی بندوبست کر دیا کہ قوم میں کوئی فقیر باقی نہ رہے انھوں نے ایک زندہ جامِید زبان مسلمانوں کے لئے قائم کر دی کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جس کا سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے عام افرادِ قوم کے لئے ابھرا اور ترقی کرنا آسان کر دیا کیونکہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر سوائے تقویٰ کے اور کسی چیز کے سبب ترجیح نہیں دی۔ مسلمان اپنے پریسڈنٹ کا جس کو وہ خلیفہ کہتے ہیں خود انتخاب کرتے تھے۔ غیر مسلم یعنی دبیوں کے لئے اسلامی ممالک میں عیش و راحت کے ساتھ رہنا آسان کیا کیونکہ حکم دیا کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے اور سب سے پسندیدہ خدا کے نزدیک وہ

ہے جو اس کی اولاد کو نفع پہنچا ہے۔ انھوں نے عورت کے سربہ کو بلند کر دیا۔ بیٹہ بالمال کے لئے قواعد مرتب کئے اور حکمت و دانائی کو مسلمانوں کا گم شدہ المیہ قرار دیا اور ان کے حاصل کرنے کی تاکید کی ۱۰

(۱۱) جون ڈوین، پورٹ صاحب لکھتے ہیں کہ

”یہ خبر لی کہ قرآنی مذہب تلوار کے ذریعہ سے شائع ہوا تھا، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ہر ایک غیر متدبیب آدمی اپنی فکر سے معلوم کر سکتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب ایسا تھا کہ جس میں انسان کی قربانی اور خوں ریزی کی جگہ شہانہ اور ذکاوت قائم کی گئی تھی اور ہمیشہ کے جھگڑوں اور تفسیوں کی جگہ باہمی اخلاص و محبت کی بنیاد ڈالی گئی تھی اور یہی باعث ترقی کا ہوا تھا۔ حقیقت میں یہ مذہب اہل مشرق کے واسطے ممتاز پاہرکت تھا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہرگز اس قدر خوں ریزی نہیں کی جس قدر موسیٰ علیہ السلام نے بت پرستی کی بیخ کنی کے لئے کی تھی۔

(۱۲) مشہور مورخ ایڈورڈ گین لکھتا ہے کہ

”قدرت کے قانون میں ہر شخص اسلحہ کے ذریعہ اپنی ذات و ملکیت کی حفاظت کا حق رکھتا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دفع کر سکتا یا ان سے زیادتی کا بدلہ لے سکتا ہے اور اپنے انتقام و معاوضہ کو ایک مناسب حد تک وسیع کر سکتا ہے۔ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے ہم وطنوں کی ناانصافی نے اُس وقت محروم و ہلا وطن کیا جب کہ وہ اپنے خیر اندیش مذہب اور صلح آمیز رسالت پر عامل تھے۔

(۱۳) سٹرطاس کارلائل اپنی کتاب ”لیکچرز آن ہیروز“ میں لکھتا ہے کہ

”اسلام کا آنا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا عرب پہلے ہی پہل اُس کے ذریعہ زندہ ہوا۔ اہل عرب کلمہ بالوں کی غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھر کرتی تھی اور کسی شخص کو ان کا کوئی خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت بڑی بن گئی اس کے بعد ایک صدی کے اندر ایک جانب خلاطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی۔۔۔۔۔ ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی۔۔

چونکہ ملت میں چھپا ہوا ریگستان تھا مگر دیکھو اس نے زور شور سے اڑ جانے والی بارڈ کی طرح نیلے آسمان تک اُٹھتے ہوئے شعلوں کے ذریعہ دہلی سے تاہر غرناطہ روشن کر دیا۔
دسویں جی ایم۔ راڈویل کہتا ہے کہ

”دلیلوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت (صلعم) کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ لوگوں کو جہالت اور بُست پستی سے چھڑائیں اور یہ کہ اُن کی زیادہ سے زیادہ خواہش یہ تھی کہ امر حق یعنی توحید الہی کا جوش جو اُن کی روح پر غایت درجہ مستولی ہو رہا تھا اس کا خوب اشتہار و اظہار کریں اُن کی ذات کریم اور سیرت صداقت مشون کی نسبت اُن لوگوں کا تصور کرنا چاہیے جن کے اخلاق اور ایمان کو ابنائے جنس کے تمام امور دنیوی پر کامل اختیار حاصل ہے..... قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو اُن لفظوں میں بیان کی گئی ہے جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی اور الہامی حکمتوں سے مملو ہیں“

(۱۵) جرمن مستشرق عمانوئیل ڈیلوش لکھتا ہے کہ

”قرآن مجید کی مدد سے عربوں نے سکندر اعظم اور رومیوں کی سلطنت سے بڑی دنیا فتح کر لی۔ فتوحات کا جو کام رومیوں سے سیکڑوں برس میں ہوا تھا عربوں نے اُسے اُس کے دسویں حصہ وقت میں انجام پر پہنچایا۔ اسی قرآن کی مدد سے تمام سامی اقوام میں صرف عرب ہی یورپ میں شہادۂ حیثیت سے داخل ہوئے جہاں اہل فینیشیا بطور تاجروں کے اور یہودی لوگ پناہ گزینوں اور اسیروں کی حالت میں پہنچے۔ ان عربوں نے نبی مزاج انسان کو روشنی دکھلائی جب کہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا اور مغرب و مشرق کو فلسفہ، طب اور علم ہنیت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں اُنھوں نے حصہ لیا۔ ہم ہمیشہ اُس روز کا ماتم کریں گے جس دن غرناطہ عربوں کے ہاتھ سے نکل گیا“

(۱۶) ڈاکٹر سمویل جانسن لکھتا ہے کہ

”قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانہ کے لئے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانہ کی تمام صدا میں خواہ مخواہ اُس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے..... وہ ایسی کارکن قوت بن گیا جس کے مجھ بیچ سے

جس وقت عیسائیت تاریکی کی ملکہ بنی ہوئی تھی یونان اور ایشیا کی تمام روشنی عیسائی یورپ کے گہرے اندھیرے میں پہنچی ۔

(۱۷) مارگولیتھ انگریزی ترجمہ قرآن (مترجمہ راڈویل) کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ ”تحقیقات سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ یورپ میں علم کے دور جدید سے کئی صدیوں پیشتر یورپ کے علما فلسفہ، ریاضی، ہیت اور دیگر علوم کے متعلق جو کچھ جانتے تھے وہ تقریباً سب کا سب اصلی عربی کتابوں کے لاطینی ترجموں کے ذریعہ سے انھیں حاصل ہوا تھا۔ قرآن ہی نے شروع میں کنا بیٹہ ان علوم کے حاصل کرنے کا ذوق شوق عربوں اور ان کے دوستوں میں پیدا کیا تھا“

(۱۸) لڈولف کریبل جس نے عجمہ میں آنحضرت صلعم کے حالات شائع کئے تھے لکھتا ہے کہ

”قرآن میں عقائد، اخلاق اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں عدالت، حزنی انتظامات، مالیات اور نہایت محتاط قانون غربا و یتیم کی بنیادیں خدا کے واحد کے یقین پر رکھی گئی ہیں“

(۱۹) ریورنڈ ڈیو اسٹیفن لکھتا ہے کہ

”آنحضرتؐ نے بہت پرستی کے ایک منتشرانہار کے عوض میں خالص توحید کا عقیدہ قائم کیا۔ آپؐ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کیا اور ان کی تمدنی حالت کو ترقی دی اور ایک بنجیدہ اور معقول طریق عبادت جاری کیا آخر کار آپؐ نے اس ذریعہ سے بہت سے وحشی اور آزاد قبیلوں کو جو محض ذروں کی طرح اوصعراڑتے پھرتے تھے باہم ملا کر ایک ٹھوس ملکی جماعت کی شکل میں منتقل کر دیا آپؐ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے تھے جہاں ملکی نظام معقول اعتقاد اور خالص اخلاق سے لوگ ناواقف تھے آپؐ نے ان تینوں باتوں کو مہاں رواج دیا۔ ملکی حالت، مذہبی اعتقاد اور اخلاقی حالت کی اصلاح کر دی بہت سے آزاد قبیلوں کی جگہ آپؐ نے ایک قوم چھوڑی۔ بہت سے معبودوں اور بہت سے خداوندوں کے باطل عقیدے کی جگہ آپؐ نے ایک قادر مطلق مگر رحمن و رحیم خدا کا معقول عقیدہ قائم کیا لوگوں کو تعلیم دی کہ وہ اس خیال کے ساتھ

زندگی بسر کریں کہ وہ وجود مطلق ہر دم ہمارا محافظ و نگہبان ہے۔ اسی کو نیکیوں کا جزا دینے والا سمجھیں اور اسی کو بدوں کا سزا دینے والا سمجھ کر اس سے ڈریں۔ بہت سی قابل نفرت اور وحشت انگیز رسمیں جو آپ کے زمانہ تک عرب میں رائج تھیں ان پر آپ نے زہر دست حملہ کیا۔ اوباشانہ بدکاری کی بجائے تعدد زوجات کا ایک بااحتیاط اور باضابطہ اصول منضبط کیا گیا۔ دختر کشی کی رسم کا پورا پورا انکسار کیا۔ ترک ہندوئی حبشی اور ہبری اس بات پر بنی ہوئے ہو گئے کہ اپنے بتوں کو اٹھا کر پھینک دیں اپنے زندانہ رسم و رواج کو خیر باد کہہ دیں اور خدائے واحد کی پرستش میں شایستہ طرز عبادت اور ایک باقاعدہ طرز معاشرت کی طرف رجوع کریں۔ اہل فارس کا عقیدہ کبھی صاف اور خالص ہو گیا اور انھوں نے اسلام سے یہ بات سیکھ لی کہ نیکی و بدی کی دو ہمسرفتیں دین و دوزان و اہرمین، نہیں ہیں بلکہ نیکی و بدی دونوں اُسی حکیم اور قدوس کے زیر فرمان ہیں جو آسمان و زمین کی تمام چیزوں پر حکمرانی کرتا ہے۔

(۲) ڈاکٹر ڈبلیو آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام اسی موضوع پر لکھی گئی ہے کہ "اسلام کی اشاعت بڑی شمشیر نہیں بلکہ صلح و آشتی کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو قابل مطالعہ ہے۔ اور اس کا اردو ترجمہ دعوت اسلام کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(۳) موسیو لپلی جنھوں نے ایک بے نظیر کتاب مشرق پر لکھی ہے اور جو ایک نہایت محقق اور مذہبی مصنف ہیں ان کا قول ڈاکٹر گستاوی بان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں اس طرح نقل کیا ہے۔

"مسلمان اُن نظامات میں جو اقوام مزدوری پیشہ کی بہبودی سے متعلق ہیں اس وقت تک اُن سخت غلطیوں سے بچے ہوئے ہیں جو مغرب میں واقع ہوئی ہیں۔ ان میں اب تک وہ عمدہ نظامات کامل طور سے باقی ہیں جن کے ذریعہ سے انھوں نے امیر و غریب و غلام و مالک میں صلح قائم رکھی ہے اسی قدر کہنا کافی ہے کہ وہ قوم جس کو تعلیم دینے کا دعویٰ یورپ کر رہا ہے فی الواقع وہ قوم ہے جس سے خود اسے سبق لینا چاہیئے۔

(۴) ہرڈن فیئر ہڈ و ڈومونٹ ہرڈن فیئر السنہ مشرقیہ جنوبیہ ایلونڈرٹی کہتے ہیں کہ محمد

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح اخلاق اور سوسائٹی کے متعلق بہ کامیابی ہوئی اُس کے اعتبار سے آپ کو انسانیت کا احسن اعظم یقین کرنا پڑتا ہے۔“

(۵) ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے زمانہ کی پیدا شدہ شرارتوں میں خصوصیت سے ایک یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ اسلام کو مورد الزام بنانے کے لئے بعض نام کے مسلمان سلاطین کی بد اعمالی کا تذکرہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ بطور ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں بتایا جاسکتا جس سے منسوب ہونے والا ہر ایک شخص اُس مذہب کی خلاف ورزی پر قادر نہ ہو سکے جو یہود، ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کی تعداد آج بھی دنیا میں لاکھوں سے گزر کر کروڑوں تک پہنچتی ہے کیا کوئی شخص مرد میدان بن کر اس بات کے ثابت کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے کہ ان مذکورہ مذاہب کے ماننے والوں میں فی صدی پانچ آدمی بھی ایسے مل سکتے ہیں جو ہمہ وجہ اپنے احکام مذہبی کے پابند ہوں اور اُن کی عملی زندگی اپنے اپنے مذاہب کا ایسا کامل نمونہ ہو کہ جس میں خلاف ورزی مذہب کا کوئی شائبہ تلاش نہ کیا جاسکے۔ انسانی کمزوری انسانی غفلت، انسانی سہولت بیان، اور انسانی سرکشی و نادانی کا یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے انسان کے قدم بہکتے رہے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کسی مذہب کی تعلیمات کے اچھے یا بُرے نتائج کا فیصلہ کرنے کے لئے ہم اُس مذہب کے ماننے والوں کی عملی و اخلاقی حالت پر ضرور نظر ڈالیں گے۔ لیکن ہماری نظر زمین پر رہینگے وائے ایسے کیڑے کی نظر کے مشابہ نہ ہونی چاہیے جو دو اونچے سے زیادہ فاصلہ کی کوئی چیز نہیں دیکھ سکتا۔ ہر مذہب کے ماننے والوں میں ایک تعداد نا فرماؤں اور بد اختیاروں کی بھی شامل رہا کرتی ہے لیکن اُس مذہب جماعت کا مجموعی مزاج ہمیشہ اس مذہب کی تعلیمات کا نتیجہ ہوا کرتا ہے کسی قوم یا ملک کے مزاج اور مجموعی اخلاق کا اندازہ اُس قوم یا ملک کے صرف قلیل تین حصہ کے مطالعہ سے نہیں بلکہ کثیر حصہ کے مطالعہ سے کیا جاتا ہے اور اس اصول سے انکار کی کسی عقل و فراست کو جرات نہیں ہو سکتی جو لوگ اسلام کو عیاشی کا محرک ثابت کرنے کے لئے تالیف ہند میں سے محدثہ علی

جہاں دارشہاہ اور واپار علی شاہ کے حالات جوش و خروش کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ انہی تاریخ ہند میں ناصر الدین محمود شمس الدین القمش - غیاث الدین بلبن - خان شہیر - بلال الدین خلجی - فیروز تغلق - بہلول لودی - سکندر لودی - شیر شاہ اعظم - اکبر - شاہ جہاں - عالمگیر وغیرہ کے حالات کہوں ملاحظہ نہیں فرماتے اور جو لوگ تیمور کی نثریں پڑھیں ان کے انساں ناکر نوع انسان کی ہمدردی کا ثبوت دینے کے لئے لازمہ خواں نہیں یہ تیمور کی اولاد میں اکبر و جہانگیر کی ہندو لڑائیوں کی داد کہوں نہیں دیتے۔

احکام مذہبی کی پابندی میں سب سے زیادہ سست پادشاہوں اور امیروں کا گروہ ہوا کرتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُس نے ان فرماں رواؤں کے طبقہ کی بھی اصلاح کر کے مطلق العنانی کا خاتمہ کیا اور شاہ و گدا دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ لیکن جو لوگ احکام اسلامی سے غفلت اور روگردانی کر کے مطلق العنان فرماں روائی کے مذہبی جرم میں گرفتار ہوں اُن کو مذہب اسلام کے ناقص ہونے کی دلیل میں کیسے پیش کیا جاسکتا ہے قرآن مجید نے خود اہل کفر و انکسار اور اکابر مجرمینہا فرما کر بتا دیا کہ سب سے زیادہ ناقص اور مورد الزام لوگ امیروں اور نمبرداروں کے طبقہ میں تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ آج بھی یورپ کی عیسائی قومیں اور عیسائی سلاطین انجیل کی تعلیمات کے خلاف عمل درآمد کر رہے ہیں اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال سامنے نہیں کرتے بلکہ رات دن نوع انسان کے قتل اور سفک دم کے لئے انواع و اقسام کے آلات و اسلحہ ایجاد کرنے میں مصروف ہیں لیکن عیسائی پادریوں نے یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے عیسائی مذہب کا ناقص و نادرست ہونا تسلیم نہیں کیا۔ مہابھارت اور رامائن کے افسانوں میں کنس و جراسند و لاوَن وغیرہ راجاؤں کے قصے پڑھنے والوں کو یہ استحقاق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کو جو پابندی احکام اسلامی میں زیادہ چست اور مستعد تھے نمونہ قرار دے کر اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے عام اخلاق کا مطالعہ ضروری قرار دیں۔

اسی سلسلے میں ایک اور بھی نہایت اہم اور ضروری معائنہ علم اور ان کا جواب بات کی طرف توجہ دلانا باقی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کا مطالعہ و معائنہ علم کو کسے واجب و ضروری قرار دیا جائے۔

محمود غزنوی - شہاب الدین غوری - علاء الدین خلجی - عالمگیر اورنگ زیب کو مورد الزام بناتے وقت اور اُس زمانے کے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے بعد زمانی اور اُس کے متعلقاً ست کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں وہ جب محمود و شہاب الدین کا ذکر کرتے ہیں تو اُس زمانہ کے ہندوستان کو آج کا ہندوستان - اُس زمانے کی دنیا کو آج کی دنیا اور اُس زمانے کے تمدن و معاشرت کو آج کا تمدن و معاشرت فرض کر لیتے اور اسی مفروضہ کی بنا پر لوگوں کو یقین دلاتے اور اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی آمد سے پیشتر اس ملک کے باشندوں کی معاشرت کس قدر کثیف - ان کے اخلاق کس قدر پست اور ان کا تمدن کس قدر ادنیٰ درجہ کا تھا - یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ اُس زمانے میں ہندوستان کے سوا باقی تمام دنیا کی کیا حالت تھی اور مسلمانوں نے اس ملک میں داخل ہو کر ہندوؤں کو کس قدر فائدہ پہنچائے اور اُن میں کیسی روشن خیالی پیدا کی - آج کل اہل ہند کی آنکھیں یورپ کی تہذیب و ترقی کے آگے خیرہ ہو رہی ہیں لیکن اُن کو اس بات کے تحقیق کرنے کی فرصت میسر نہیں کہ یورپ کی یہ تمام ترقیات اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے اخلاق و ترقی کا نتیجہ ہیں - اُن کو شاید یہ بھی کبھی بھولے سے خیال نہیں آتا کہ مسلمانوں کی آمد سے پیشتر ہندوں کا لباس کیا تھا - اُن کی خوراک برتن اُن کی بستیاں ، مکانات ، معن و دروازے کیسے ہوتے تھے - اُن کے میلوں ٹھیلوں اور آداب مجلس کی کیا حالت تھی - اُن کے علوم و فنون کیا اور کس حیثیت کے تھے اُن کی سواریاں اور اسلحہ جنگ اور فنون حرب کا کیا مرتبہ تھا - اُن کے خیالات و جذبات میں کس قدر غمخیزگی اور متانت تھی اور اُن کی حمیت و غیرت کا اعلیٰ معیار کیا تھا - یہ تمام باتیں ایک مستقل تصنیف کی خواہاں ہیں -

غیر مسلم فرمانرواؤں کا طرز عمل | کم از کم اتنا تو ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ جس زمانے میں مسلمان ہندوستان کو فتح کر کے اس پر حکومت

کر رہے تھے اور ہندو مفتوح نہایت آزادی کے ساتھ اپنے مندروں کے اندر پوجا پاٹ میں مصروف تھے اُس زمانے میں دوسرے غیر مسلم فرمانرواؤں کا طرز عمل اپنی رعایا کے ساتھ کیا تھا - روم کے پوپ انوسنٹ نے حکم دیا تھا کہ "منکرین عقائد کیتھولک کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے" اندلس کی اسلامی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائے ہوئے

عیسائیوں نے جب یورپ کے عیسائی ملکوں میں جا کر علم اور عقل کی باتوں کا اظہار کیا تو وہ ہر جگہ ستائے اور تنگ کئے گئے کیونکہ اُس زمانے کا تاریک یورپ کسی علم و تہذیب کی شعاع کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ انھیں مذکورہ عیسائیوں میں سے ایک نے جب قوسِ تخرج کی نسبت کہا کہ یہ خدا کی انتقام لینے والی کمان نہیں ہے بلکہ پانی کے قطرات پر آفتاب کی روشنی پڑنے سے نمایاں ہوتی ہے تو اُس کو تنبیہ کیا گیا اور جب وہ تنبیہ خانہ میں مر گیا اور اُس کو دفن کر دیا گیا تو بعد میں مذہبی فتوے کے موافق اُس کی لاش قبر سے نکال کر آگ میں جلائی گئی۔ علم و عقل کی باتیں جو اندلس کی اسلامی درس گاہوں کے ذریعہ یورپ میں شائع ہو رہی تھیں اُن کے روکنے اور تاریکی کو باقی رکھنے کے لئے ایک جاسوسی کا محکمہ قائم کیا گیا کہ کوئی کتاب پوپ کی اجازت کے بغیر شائع نہ ہو سکے چنانچہ اس محکمہ کے ذریعہ ۱۴۹۲ء سے ۱۵۱۷ء تک ایک لاکھ چودہ ہزار نو سو چھ آدمی محض اس لئے مجرم قرار دیئے گئے کہ وہ علم و حکمت اور فلسفہ کی باتیں زبانِ باریانِ علم تک لائے تھے۔ ان میں سے ایک بہترین شخص کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا یا گیا اور سولہ ہزار آٹھ سو ساٹھ (۱۶۸۶) کو پھانسی پر لٹکا یا گیا۔ باقی کو دوسری سخت سزائیں دی گئیں۔

ہندوستان میں مسلم فاتحین کی واداریاں | یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہندوستان میں سلطان بہلول لودھی اور سکندر

لودھی فرماں روا تھے اور ہندوؤں کو فارسی زبان پڑھا کر بڑے بڑے شاہی عہدے تفویض کر رہے تھے اور کبیر داس اپنے خیالات کی آزادانہ نشر و اشاعت میں مصروف اور اپنے کبیر پنتھی مذہب کی بنیاد رکھنے میں مشغول تھے۔ ادھر اندلس میں عیسائیوں نے چیرہ دست ہو کر ۱۴۹۲ء میں تیرہ لاکھ بے ضرر اور امن پسند مسلمانوں کو معاہدہ کے خلاف صرف اس وجہ سے آگ میں زندہ ڈال کر جلا یا کہ وہ عیسائی نہ تھے اور ادھر سلطان سکندر لودھی ہندوؤں کو حکومت کے عہدوں پر مامور کر رہا تھا کیونکہ ہندوستان کے باشندے کی یہ خواہش ہو سکتی ہے کہ وہ یا اس کے باپ دادا بہلول لودھی اور سکندر لودھی کے زیرِ حکومت ہندوستان میں نہ ہوتے بلکہ اٹلی یا اسپین میں ہوتے جہاں اختلافِ عقائد کی وجہ سے زندہ آگ میں ڈال کر جلا یا جا رہا تھا۔ ہندوستان کے اندر جس زمانہ میں مغلوں کی سلطنت قائم ہو رہی تھی اور شیر شاہ اعظم ایک اور طبقہ کے

ہند کی شکایت پر اپنے عزیز بیٹے اور ولی عہد سلطنت کو سخت مزاحمت کا حکم دے کر عدل و انصاف کی پوری پوری داد دے چکا تھا اس زمانے میں تہذیب کے علمبردار اور عدل و انصاف کے دعوے دار یورپ کے بعض سپہ سالاروں نے یہ عزم کر لیا تھا کہ امریکہ کے ملک کسی کو بالکل دیران کر کے وہاں اپنی ایک نوآبادی قائم کریں چنانچہ میکسیکو کے قدیم بادشاہ کو گرفتار کر کے الٹا لٹکا یا گیا اور اس کے سامنے اس کی دعا یا کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال ڈال کر جلانے کا دلچسپ کام شروع کیا گیا اور اس طرح ہزار ہا بندگان خدا کو آگ میں جلانے کے علاوہ پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے والوں کو کتوں سے پھڑوا یا گیا اس انسانی تہذیب کا نمونہ دکھانے والے وہی مہذب و شائستہ ہسپانوی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو اندلس سے یہ الزام دے کر تھم سوخت کیا تھا کہ یہ ظالم گنہگار اور بد دین قوم ہے۔ جنوبی امریکہ کے ملک پیرو میں اٹلی کے ایک مبہول النسب سپہ سالار نے جس طرح قتل و غارت کا بازار گرم کر کے وہاں کے قدیم باشندوں کو فنا کیا اس کی روداد بھی جسم کے روٹھے کھڑے کرنے میں ہسپانوی مظالم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ملک کالگو میں بلیمبیوں نے وہاں کے باشندوں کو صرف چند تولہ ربر کی چوری کے الزام میں جس طرح ستایا اور قتل و غارت کئے جو ہنگامے برپا کئے اس کی مثالیں چنگیز و ہلاکو کے کارناموں میں بھی تلاش نہیں کی جاسکتیں۔ آسٹریلیا اور کسانیا کے باشندوں کو جس طرح صفحہ ہستی سے معدوم ہونا پڑا وہ بھی کچھ کم حسرت انگیز نہیں ہے۔ یہ سب اس زمانے کی داستانیں ہیں جب کہ ہندوستان میں مسلمان فاتحین نے ہندو متوحین پر عدل و انصاف اور رعایت و مروت و دل دہی کی بارشیں برسا رکھی تھیں اور ہندوؤں کو وزارت عظمیٰ اور سپہ سالاری کے عہدے تفویض کئے تھے جس زمانے میں عالمگیر اورنگ زیب ہندوستان میں تخت نشین ہو رہا تھا اس زمانے میں انگلستان کے اند یہ عجیب و غریب قانون جاری تھا کہ جس عورت پر کوئی شخص سحر ہوئے کا الزام لگائے اس کو امتحان کی غرض سے کسی دریا یا تالاب یا سمندر میں ڈالا جائے اگر وہ عورت پانی میں ڈوب کر مر گئی تو ثابت ہوا کہ وہ سحر نہ تھی اور اگر کسی طرح ڈوبنے سے بچ گئی تو اس کا سحر ہونا ثابت ہو گیا لہذا اس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس عورت پر کوئی شخص سحر ہوئے کا مشبہ ظاہر کر دیتا تھا اس عورت کی موت یقینی تھی اس طرح ہزار ہا بے گناہ عورتیں مذراہ اجل ہوئی

کبھی ان بے گناہ عورتوں کے ناخنوں میں کیلیں ٹھونکی جاتی تھیں اور لوہا گرم کر کے داغ دیتے جاتے تھے۔ اس طرح اولاً ان سے جرم کا اقرار کرایا جاتا تھا جب ان ناقابلِ ہدایت اذیتوں کے مقابلہ میں وہ اقرارِ جرم کر لیتی تھیں تو فوراً ان کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ کیا اس عجیب و غریب طرزِ حکومت کے مقابل اُسی زمانے میں ہندوستان کے اندر عدل و انصاف کے دریا نہیں بہہ رہے تھے اور کیا عالمگیری کی سلطنت میں اس قسم کی کوئی مثال تلاش کی جاسکتی ہے؟

ہندوستان کے غیر مسلم فاتحین کا طرزِ عمل | آریوں نے ہندوستان میں داخل ہو کر غیر اور برہمنی مذہب کے ماننے والوں نے بودھوں کو کس طرح ہندوستان سے جلا وطن اور ناپید کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان بُرائی و استالوں کے دہرائے اور یاد دلانے کی ضرورت نہیں آئے آخری زمانے میں جب کہ ہندو مفتوحوں اور مسلمان فاتحوں کو اس ملک میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہوئے سیکڑوں ہزاروں برس گذر چکے تھے اور ہمسائیگی و ہم وطنی کے سبب محبت و اخلاص کے تعلقات بہت قوی ہو گئے تھے دیکھیں اور تحقیق کریں کہ ہندوؤں نے چہرہ دست ہو کر مسلمانوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا تھا۔ پنجاب میں صرف چالیس پچاس سال تک سکھوں کی سلطنت قائم رہی لیکن ہم آج تک پنجاب کے مسلمانوں سے سکھوں کے ظلم و جور کی عجیب و غریب داستانیں سننے میں اور حیرت زدہ ہوتے ہیں دکن میں مرہٹوں کی سلطنت بھی کچھ عرصہ کے لئے قائم ہو گئی تھی لیکن اس مرہٹہ سلطنت کی چند روزہ تاریخ میں قتل و غارت کے ہنگامے۔ مظلوموں کی آہ و بکا کا شور بستیوں کے جلنے کا دھواں خون کے سیلاب۔ تڑپتی ہوئی لاشیں اور مسار شدہ مکانات کے اینٹ پتھروں کے انبار ہر صفحہ پر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پچاسے سکھوں اور مرہٹوں ہی کی کیا خطا ہے موجودہ مہذبِ یورپ کو دیکھو کہ مفتوحہ قوموں کے ساتھ ان فاتحین کا سلوک کس قسم کا ہے اور یہ تعلیم یافتہ فاتحین اپنے مفتوحین کو کہاں تک ان کے انسانی حقوق عطا کرنے پر آمادہ ہیں۔

عرض دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں بتائی جاسکتی جس نے فتح مند ہو کر مفتوحوں کے ساتھ اس سالمیت، رواداری، نرمی، رعایت مساوات اور عدل و انصاف کا سلوک

کیا ہو جیسا کہ مسلمانوں نے عام طور پر اپنے مفتوحین سے کیا۔ جن مللوں پر سیکڑوں برس سے مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اُن میں آج تک عیسائی اور یہودی ہی نہایت امن و امان اور فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اور جائز طور پر کئی مہم شکایت بیان نہیں کی جاسکتی۔ خود ہندوستان میں مسلمانوں نے نہایت بگبارہ سو سال حکومت کی لیکن ہندو نہایت آرام و آسائش اور فارغ البالی کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ ثبوت یہ کتاب پیش کرے گی مگر اس کے خلاف ہم دیکھتے ہیں لائلوں اور نقلیہ میں جہاں مسلمانوں کی بہت آبادی تھی آج ایک بھی مسلمان نظر نہیں آتا اور اُن کے ساتھ جو سلوک فاتحین نے کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ترکوں کی سلطنت میں عیسائی کس امن و امان اور اطمینان کے ساتھ رہے لیکن یہ زری گونیا۔ بوسنیا۔ دمانیہ البانیہ یونان۔ سر ویہ و غیرہ ترکوں کے صوبے جب اُن کے قبضہ سے نکل کر دوسری قوم سے قبضہ میں پہنچے تو مسلمان وہاں نہ رہ سکے اور آج مسلم آبادی سے یہ علاقے خالی نظر آتے ہیں۔ اس تہذیب و روشن خیالی کے دامن میں مسلمانان روم نے جس قسم کے مظالم کئے اُن کا تصور خون کے آئینوں سے لے کافی ہے۔ یہودیوں کے ساتھ روشن خیال یورپ نے جو ظلم نہ برتاؤ کیا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن یہ بات بھی چھپی ہوئی نہیں ہے کہ مصر و ترکی میں ان مظلوم و جلا وطن یہودیوں کو ہمیشہ پناہ ملتی رہی۔

اسی سلسلہ میں اس وجہ و فریب کا بھی تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکثر چالاک مورخین جب ہندوستان کے کسی مسلمان پادشاہ کا ذکر کرتے ہیں تو بڑی گرم بوشی اور ہمدردی کے ساتھ اُس کی خوبیوں اور تعریفوں کے بیان کرتے ہیں اپنی قابلیت کا انہما کر کے پڑھنے والے کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ہم بڑے بے تعصب اور منصف مزاج ہیں لیکن پھر اُس کے عیوب و نقائص کی تفصیل بیان کر کے آخر میں یہ مختصہ جملہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ تمام غلطیاں اس پادشاہ سے اس لئے سرزد ہوئیں کہ وہ مذہب اسلام کا زیادہ پابند تھا اس طرح وہ اپنی کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کی پابندی سے انسان ظلم و عسیان اور بے راہروی پر مجبور ہو جاتا ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر شرارت اور دروغ بیانی دوسری نہیں ہو سکتی۔ یہ مورخین کو تاہ نظر اور کم فہم لوگوں کی نگاہ میں بڑے منصف مزاج اور صداقت شعار بھی

مشہور ہو جاتے ہیں۔

(۶) ہندوستان میں اسلام کا پہلا قدم

عام طور پر یہی مشہور ہے کہ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں داخل ہوئے اور تیر و شمشیر کے ذریعہ داخلی ہند ہوئے۔ مگر اس بات کے تسلیم کر لینے سے پیشتر بعض ضروری حالات کا زیر مطالعہ آجانا از بس ضروری ہے۔ سندھ کے ملک میں بھی تیر و شمشیر کے سایہ سے آگے اسلام پہنچ چکا تھا یہ حقیقت آگے بیان ہونے والی ہے۔

ہندوستان میں اسلام کا سب سے پہلا مرکز (ملا بار) | اس وقت صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام سندھ سے بھی پہلے ملا بار (کن) کے علاقے میں بلاقیت و تیر داخل ہو چکا تھا اور وہاں مستقل طور پر محض اپنی غویوں کے سبب نشو و نما پاتا رہا۔ سندھ اور پنجاب میں محمد بن قاسم اور محمود بن سبکتگین جب مصروف جنگ تھے اس وقت جنوبی ہند میں مسلمان نہایت پرامن طریقہ سے تبلیغ اسلام میں مصروف تھے۔ چونکہ ملا بار میں مسلمان فاتحانہ حیثیت سے تیغ و علم لے کر نہیں آئے تھے لہذا ملا بار میں اسلام کے داخل ہونے کا مختصر حال اس قدر بیان کر دینا مناسب ہے تاکہ ابواب کتاب میں حکومت اسلامیہ کے حالات پڑھتے ہوئے ملا بار کے قصور سے ہم بالکل بیگانہ نہ ہوں۔ میں اس سے پیشتر مارچ ۱۹۲۲ء کے عبرت میں ملا بار کی ایک مختصر مگر جامع تاریخ لکھ چکا ہوں۔ جنوری ۱۹۲۴ء کے معارف میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی 'ہندوستان میں اسلام کی اشاعت پر ایک دلچسپ اور مفید مضمون لکھ چکے ہیں جو اسلام کے ملا بار میں شائع ہونے سے متعلق ہے اس وقت عبرت اور معارف کے دونوں مذکورہ پرچے بھی میرے سامنے موجود ہیں۔

جنوبی ہند بالخصوص ملا بار میں آنحضرت صلیم کی بعثت کے وقت بدھ مذہب، برہمنی مذہب، یہودی، عیسائی، جینی، جوتسی، ہندوستان کے قدیم غیر آریہ سب موجود تھے۔ انھیں میں عرب کے مشرکین اور صابی لوگوں کو بھی شامل کر لینا چاہیے جو سیکڑوں برس پیشتر سے ملا بار کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھتے اور اس ملک میں بعض رہ بھی پڑے تھے اس زمانے میں ملا بار چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور یہ چھوٹے چھوٹے

حکومتیں حجاز و یمن و منقط و فارس کے تاجروں کے ساتھ اپنے منافع کی نہایت نرمی اور رواداری کا سلوک روا رکھنے پر مجبور تھیں۔ ایک چھوٹے سے نقطہ لکس بل س قدر کثیر التعداد مذاہب کا موجود ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ شمالی ہند کی طرح ملا بار میں مذہبی تعصب کا دور دورہ نہ تھا۔ اور حکومت کا مذہب بھی غالباً بدھ، ہرینی، غیر آریہ کا مرکب مذہب تھا مگر اس کو بدھ مذہب کے سوا دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سینٹ طوما نے جنوبی ہند میں آکر میلاپور کے راجہ ساگاموس نامی کو عیسوی مذہب کا پیرو بنالیا تھا جس کی وجہ سے یہ راجہ اپنی بنایا کے ہاتھ سے مقتول ہوا اور کچھ مختصر تاریخ چرچ، یہ بھی دلیل اس بات کی ہے کہ جنوبی ہند میں پہلے ہی سے ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ عرب لوگ بعثت نبوی سے پہلے شمال کی جانب بحر اسود کے ساحل اور روس تک اور جنوب و مشرق میں ملا بار، کار، و منڈل سرانڈیپ، اجاوا، سماٹرا اور یپین کے ساحل تک باوبانی کشتیوں میں میٹھا، بغیر غنیمت تجارت جلتے تھے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے ایک صحابی کا مزار یپین کے بندر گاہ کاٹن میں بیان کیا جاتا ہے جن کا نام وہنٹ ہے اور دوسرے صحابی عکاشہ کا مزار محمود بندر میں اور تیسرے صحابی تیمم انصاریؒ کا مزار مدراس سے بارہ میل جنوب کی جانب ساحل کولم (میلاپور) میں بتایا جاتا ہے۔ اگر عرب لوگ پہلے ہی سے ان دور دراز مقامات پر آمد و رفت نہ رکھتے ہوتے تو آنحضرت صلعم کے صحابہؓ ان مقامات پر کہاں اسلامی حکومت سیکڑوں برس بعد تک بھی نہیں پہنچی جاکر فوت نہ ہوتے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ

”پیش از ظہور اسلام و بعد از ظہور اسلام طائفہ یہود و نصاریٰ بر سیم تجارت از راه دریا ہدان و یار آمد و شد می کردند و در آخر الامر میان لمبیا و یان یان بواسطہ منافع دنیوی الفتنہ ہم رسیدہ از بازگاہان یہود و نصاریٰ و شہر یان لمبیا رسا کن شدہ منازل و لمبیا طین ساختند“

مشہور مورخ لی بان فرانسیسی اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے کہ شروع اسلام عربوں نے تجارتی تعلقات کو بہت بڑی وسعت اور ترقی دے دی بہت جلد ساحل کار و منڈل ملا بار، سماٹرا، جزائر بحر ہند کو طے کرتے ہوئے جنوبی چین تک پہنچ گئے۔

عہد رسالت میں ملا بار کے راجہ کا قبولِ اسلام چونکہ عربوں کی آمد و رفت پہلے
 ہی سے ملا بار میں تھی لہذا آنحضرت
 صام کی بعثت کا حال ملا بار میں آنحضرت صلعم ہی کے زمانے میں لوگوں کو
 معلوم ہو چکا تھا اس زمانے میں ملا بار کا راجہ زمر بن یاسر بن
 کے نام سے مشہور تھا جو خاندان بلوی یا پالویا بلا واسع تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ نے
 معجزہ شق القمر کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس
 واقعہ کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا۔ بلا فراموش کو معلوم ہوا کہ عرب کے
 ملک میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے ہیں انھوں نے یہ پیغمبر دکھایا ہے۔ یہ سن کر راجہ نے اسلام
 قبول کر لیا اور تختِ سلطنت اپنے دلی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملکِ عرب
 کی جانب روانہ ہوا لیکن راستے ہی میں فوت ہو کر ساحلِ ملکِ یمن میں مدون ہوا۔ راجہ
 کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہذا لوگوں نے راجہ کے
 اس طرح غائب ہو جانے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ انھیں ایام میں کچھ مسلمان تاجر سراندیپ
 میں آئے اور اسلام کا پیغام ساتھ لائے جن عربوں نے اس جزیرہ میں تجارتی ضرورتوں
 کے سبب بود و باش اختیار کر لی تھی اول وہ مسلمان ہوئے اور پھر بہت جلد جزیرہ میں
 اسلام پھیلنے لگا حتیٰ کہ سراندیپ کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا اور اپنے آپ کو خلافتِ اسلامیہ
 سے وابستہ کر لیا۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ سراندیپ کا راجہ خلافتِ راشدہ کے زمانے
 میں مسلمان ہو چکا تھا یا خلافتِ بنو امیہ کے ابتدائی زمانے میں مسلمان ہوا۔ بہر حال خلافتِ
 بنو امیہ کے ابتدائی زمانے میں سراندیپ کا راجہ مسلمان تھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔
 ”ہر آئینہ حاکم سراندیپ پیشتر از رایان دیگر مواضع ہندوستان بر حقیقتِ
 اسلام مطلع شدہ در عہد صحابہ کرام مقلدِ ثلاثہ شریعتِ مصطفوی گردیدہ بود“
 ابن بطوطہ جب سراندیپ میں گیا ہے تو اس نے وہاں شیخ عبداللہ بن حنیف شیخ
 عثمان اور بابا طاہر وغیرہ بہت سے اولیاء اللہ کے مزارات دیکھے۔ سراندیپ کے بعد ہی لنگر
 مالدیپ اور ملا بار میں اسلام پھیل چکا تھا۔ ملا بار میں اسلام نے اس نے اور بھی جلد جلد
 ترقی کی کہ اسلام کی مساوات و رواداری ذاتِ پات کی قیود کو دور کر کے مظلوم و مغلوب
 لوگوں کے لئے ابر رحمت اور سامانِ ترقی تھی۔ جس زمانے میں محمد بن قاسم اپنی فوج کے

سندھ میں داخل ہوا ہے اس سے بہت پہلے ملا بار میں مسلمانوں کی آبادی موجود تھی اور خود محمد بن قاسم کے حملے کا سبب تلاش کرنے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سراندیپ و ملا بار میں مسلمان پہلے سے آباد تھے کیونکہ جن جہازوں کو راجہ داہر کے آدمیوں نے لوٹا تھا یہ جہاز سراندیپ کے راجہ کے مخالف اور اُس علاقے کے عازانِ حج کی ایک تعداد نے ہونے خلیج عمان کی طرف آ رہے تھے اور انھیں جہازوں کا واقعہ محمد بن قاسم کے سندھ میں آنے کا سبب ہوا تھا۔ محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے بعد سو بہ سندھ ممالک اسلامیہ میں داخل ہو چکا تھا اور سندھ سے آگے مسلمانوں کی فوجی پیش قدمی رُک گئی تھی مگر ملا بار اور جنوبی ہند میں مسلمان تاجروں، متناذوں، وریشیوں اور سیاحوں کے ذریعہ اسلام بے زور ترقی کر رہا تھا اُدھر وسط ہند یعنی ملک مالوہ میں سندھ کے مسلمانوں کی ہمسائیگی کا یہ اثر تھا کہ مالوہ کا راجہ مسلمانوں کی بڑی عزت کرتا اور مسلمان سیاحوں کے لئے بہ قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتا تھا جیسا کہ سلیمان سیرانی نے تیسری صدی ہجری کے ابتدا اور ابو زید سیرانی نے تیسری صدی ہجری کے وسط میں بالتصریح بیان کیا ہے کہ مالوہ اور لمبار کے راجہ مسلمانوں کے ساتھ اخلاق و مروت سے پیش آتے ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں چند مسلمان عراق عرب کے رہنے والے کشتی میں سوار ہو کر خلیج فارس سے اس لئے روانہ ہوئے کہ جزیرہ سراندیپ میں جا کر اُس مقام کو دیکھیں جہاں آدم علیہ السلام کے قدم کا نشان بتایا جاتا ہے نیز سراندیپ کے راجہ سے ملاقات کریں جو مسلمان سیاحوں کی خوب خاطر مدارات بجا لاتا ہے اتفاق سے یہ کشتی راستے میں طوفان سے دو چار ہو کر ملا بار کے بندرگاہ کالی کٹ میں پہنچی کالی کٹ ملا بار کا حاکم نشین شہر تھا۔ ان طوفان زدہ مسافروں کا حال سن کر ملا بار کے راجہ نے اپنے پاس بلایا اور مذہب اسلام کے متعلق بہت سے سوالات کر کے دل جمعی حائل کی نیز انھیں سیاحوں کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے اپنے اسلام کو مصلحتاً پوشیدہ رکھا اور ان سیاحوں سے باصرار اقرار لیا کہ سراندیپ کی سیر سے فارغ ہو کر اسی طرف کو آئیں گے اور مل کر جائیں گے۔ عجائب الاسفا کی روایت کے موافق اُس زمانے میں جو راجہ ملا بار میں حکمران تھا اُس کا نام چیرامن پورو تھا اُس نے ان مسلمان سیاحوں کے ساتھ حسن اخلاق اور تکریم و تعظیم کا ہر تاوا کیا۔ امیر قافلہ ملا بار کو معجزہ شوق القریاد دلا یا جس کی شہادت خود اسی کے ایک بزرگ کی تحریری

یادداشت میں موجود تھی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور حالات بیان کرنے کے بعد اسلام کی حقیقت اُس کو سمجھائی راجہ پر اس تقریر و تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور خانہ کعبہ کی زیارت کے شوق نے اپنے بزرگ راجہ زمر بن یاسر کی تقلید میں اُس کو مجبور کیا کہ سفرِ خبا کے نہیہ میں مصروف ہو۔ چنانچہ اُس نے ملک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اپنے معتمد سرداروں کو تقسیم کر دیئے۔ جو سردار سب سے زیادہ معتبر اور راجہ کا رازدار تھا اُس کو دار السلطنت کا ہتھم اور باقی سرداروں کا سرپرست و نگراں مقرر کیا اور خود گوشہ نشین ہو کر تہیہ سفر میں مصروف ہوا۔ سامان سفر کی دستی کے بعد پوشیدہ طور پر حجاز میں سوار ہو کر حجاز کی طرف روانہ ہو گیا اسی سفر میں اس کو سفرِ آخرت پیش آیا اور اپنے ملک میں واپس آنا سبھرنہ ہوا۔ مرتے وقت اُس نے اپنے رفیقوں کو وصیت کی کہ ملا بار میں تبلیغِ اسلام کے کام کو پوری مستعدی اور وسیع پیمانہ پر جاری کیا جائے۔ ساتھ ہی اُس نے اپنے نائب السلطنت کے نام بھی اسی مضمون کا ایک خط لکھ دیا۔ چنانچہ شرف بن مالک - مالک بن دینار اور مالک بن حبیب وغیرہ راجہ کے اس خط کو لے کر ملا بار واپس آئے اور راجہ مرحوم کے نائب کی خدمت میں جو دار السلطنت کا والی تھا پیش کیا اُس نے ان عربوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا اور ملک کے تمام سرداروں کو راجہ کے خط کا مضمون لکھ کر بھیجا۔ اس راجہ کے متعلق اکثر ملا باروں کا یہ خیال قائم ہوا کہ وہ زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور آسمان سے پھو واپس آکر ملا بار میں حکومت کرے گا مسلمانوں کو ملا بار میں ہر قسم کی امداد و حمایت دے رہی ہوئی اور راجہ کی قوم کے آدنی کثرت اسلام میں داخل ہوئے۔

مالک بن دینار اور مالک بن حبیب نے کہ نکلور (کالیکٹ) ہندوستان میں پہلی مسجد | میں مسجد تعمیر کی اس کے بعد کل ملا بار کا دورہ کیا جا بجا لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ ان اسلامی متناذروں نے صرف ملا بار ہی تک اپنی تبلیغ کو محدود نہیں رکھا بلکہ ساحل کا رومندل میں بھی تبلیغی سلسلہ جاری کیا اور وہاں بھی بہت سی مسجدیں تعمیر کیں سفرِ نامہ ابن بطوطہ اور تحفۃ المجاہدین کی روایت کے بموجب ان عرب مبلغین کی بنائی ہوئی مسجدوں میں سے چھٹی صدی ہجری تک مندرجہ ذیل مقامات کی مسجدیں موجود تھیں (۱) کالیکٹ (۲) کولم یا کولن (۳) ہیلی دھ، سری کند

ایورم (۵) درمہ پٹن رہباں کا حکمراں بھی مسلمان ہو گیا تھا، (۶) فندرینہ یا ہندارانی (۷) چالیام یا پدپٹن (۸) چالیات (۹) خاکنوریارکور (۱۰) منگلور (۱۱) کلنبر کوٹ (۱۲) کوکم یہ مقام ساحل کارومندل ہر واقع ہے۔ اسی مذکورہ واقعہ کو فرشتہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

کچھ عربی اور عجمی لوگ بابا آدم کے قدم کھانہ کی نیارت کے لئے کشتی میں سوار ہو کر سرانند پپ کی طرف روانہ ہوئے اتفاقاً کشتی اور مخالف کے تھپیڑوں سے طیارہ بنی اور یہ لوگ مشہر کد نکلوڑ میں اترے اُس جگہ کا حاکم موسوم بہ سامری عقل کامل اور اخلاق ستودہ سے متصف تھا ان لوگوں سے ملا اور قسم کی باتیں دو میان میں آئیں یہاں تک کہ ان کا مذہب بھی دریافت کیا انھوں نے کہا ہم مسلمان ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے رسول ہیں سامری نے کہا کہ میں نے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں سے جو تمھارے مذہب کے مخالف ہیں سنا ہے کہ عرب اور روم و ایران پر کتنا میں یہ مذہب رواج پا گیا ہے لیکن ابھی تک مسلمانوں سے میں نے مسلمانوں کے مذہب کی نسبت دریافت نہیں کیا میری خواہش ہے کہ آپ کچھ حالات مجھ کو اپنے رسول کے سنائیں اور ان کے معجزات کا بھی حال بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک نے آنحضرت صلعم کے حالات نہایت خوبی سے سنائے اور سامری کے دل میں آنحضرت صلعم کی محبت پیدا ہو گئی اس کے بعد جب شوقِ افر کا تذکرہ کیا تو سامری نے کہا کہ یہ معجزہ تو بہت ہی قوی ہے۔ ہمارے ملک کا دستور ہے کہ جب کوئی عظیم الشان واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو اربابِ قلم اُس کو دفتر میں لکھ لیتے ہیں اور میرے ہندگوں کے تمام دفاتر موجود ہیں میں ان دفتروں اور رجسٹروں کو ابھی معائنہ کرتا ہوں چنانچہ آنحضرت صلعم کے زمانے کے رجسٹر نکال کر مطالعہ کئے تو ان میں لکھا ہوا تھا کہ فلاں تاریخ چاند دو ٹکڑے ہو کر پھیل گیا۔ یہ دیکھ کر سامری پر دین اسلام کی صداقت ظاہر ہو گئی اور وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا چونکہ اپنی قوم کے سرداروں سے ملوث تھا اس نے اپنے اسلام کو مخفی رکھ کر

مسلمانوں کو بھی انہما سے منع کر دیا اور ان لوگوں پر احسان و انعام کر کے درخواست کی کہ بعد زیارت قدم گاہ اسی طرف کو آئیں جب وہ لوگ واپس آئے تو ان سے کہا کہ زرد مال لے کر سامان سفر مہیا کریں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا۔ پھر ایک روز تمام ارکانِ دولت کو جمع کر کے جلسہ کیا اور کہا کہ مجھ کو عبادت الہی کا شوق ہے میں چاہتا ہوں کہ تنہا ایک گوشہ میں رہوں اور کوئی شخص میرے پاس نہ پھٹک سکے لہذا میں انتظام کے لئے ایک دستور العمل بناتے دیتا ہوں تم کو چاہیے کہ اسی پر عمل رہو۔۔۔۔۔“

ان تمام باتوں کے ساتھ ہی یہ تصور بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جزیبی ہند کی طرح بحر الکاہل کے جزیروں جہاد و مائٹرا و سنگا پورو ملایا وغیرہ میں بھی اسی طرح اسلام شائع ہوا تھا۔ اس واقعہ مذکور کے سو برس بعد تک اسلام اپنے اثر و رسوخ کو استوار وسیع کرتا رہا۔ سندھ میں ملتان و منصورہ کی دو مسلمان ریاستیں قائم تھیں اور ان کے اغلاقی اثر سے مالوہ کی ہندو ریاست یہاں تک متاثر ہو چکی تھی کہ وہاں کے راجہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی طویل العمری کا بہب جانتے تھے ملک ملابار کی مجموعی آبادی میں دسواں حصہ مسلمان آبادی تھی۔ ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو نہر صاحب نے اپنی تاریخ ہند میں شنکر اچارج کی پیدائش کا زمانہ سن ۱۰۰۰ء کے قریب کا زمانہ بتایا ہے جو مسلمہ کے قریب کا زمانہ ہے یعنی یکم محرم ۱۱۰۰ء مطابق ہے ستمبر ۱۰۱۰ء کے اسی زمانے میں مشہور مورخ اور ستیاج مسعودی بغداد سے ہندوستان آیا۔ پس مسعودی کے ہندوستان میں آنے اور شنکر اچارج کے ملابار میں پیدا ہونے کا زمانہ قریب ہی قریب ہے۔

مسعودی اپنے سفر نامہ موسومہ مروج الذهب میں ملتان و منصورہ کی مسلم ریاستوں کا مفصل ذکر کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ ملتان میں ہندوؤں کو اپنے مندروں میں پوجا پاٹ کی مراسم ادا کرنے کی عام اجازت اور آزادی حاصل ہے نیز راجہ بلہرا یعنی ملک مالوہ کے راجہ کی نسبت لکھتا ہے کہ اس راجہ کی حکومت میں مسلمانوں کی بڑی عزت ہے یہاں کے پادشاہ چالیس چالیس اور پچاس پچاس سال حکومت کرتے۔

کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ہمارے راجاؤں کی عمریں اسی عدل و انصاف اور مسلمانوں کی عزت کرنے کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہیں۔ گجرات کا راجہ مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے دکن کا راجہ بھی مسلمانوں کی عزت کرتا ہے۔ مسعودی سنہ ۳۰۰ھ میں کالیکٹ ملک ملا بار میں آیا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں سیراف عمان، بصرہ اور بغداد وغیرہ کے بہت سے مسلمان آباد ہیں جنہوں نے یہیں کے باشندوں میں شادی بیاہ کر کے سکونت اختیار کر لی ہے ان کی تعداد دس ہزار ہے۔ ان میں بعض مشہور تاجر ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کا رئیس ابو سعید معروف بن زکریا ہے۔

اب غور کرنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسی ملک ملا بار اور اسی زمانے میں شنکر اچارج پیدا ہوئے۔ شنکر اچارج کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ملا بار کے ایک برہمن کا بیٹا تھا۔ شنکر اچارج کی ماں شری مہادیوی کی نسبت مرقوم ہے کہ وہ کسی شرمناک گناہ کے سبب برادری اور ذات سے خارج کر دی گئی تھی اور اسی لئے مہادیوی کی وفات پر اس کے جلانے کے لئے شنکر اچارج کو کسی نے آگ بھی نہ دی (دیکھو کیرل اتھتی) بد مذہب ابتداء اپنے اصولوں کی وجہ سے ذات پات کے قیود کو دور کرنا چاہتا تھا کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ بد مذہب کی حالت بالکل بگڑ چکی تھی اور جس کا انسوس شنکر اچارج سے تین چار سو برس پہلے یعنی سیاح اپنے سفر نامے میں کر چکا تھا ملا بار میں یہ تغیر آمد بھی زیادہ قوی تھا اور عام طور پر وہاں کے ہندو بد مذہب ہی کے زیادہ پیرو تھے اور بتوں کی تکریم پرستش ان کا عین مذہب بن چکا تھا۔ شنکر اچارج کے دل پر اس واقعہ کا کہ اُس کی ماں مہادیوی کے پھونکنے میں کسی نے آگ تک دہنی گوارا نہ کی کس قدر نفرتی اثر ہوا ہوگا اس کا اندازہ بایانی کیا جاسکتا ہے۔ اُس کے ہم وطن بہت سے مسلمان بھی تھے بیسیاکہ ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ شنکر اچارج کا اسلامی مساوات اور رواداری سے باخبر اور متاثر ہونا بالکل یقینی بات ہے ملا بار میں مسلمانوں کا ثبت پرستی کے خلاف دلائل بیان کرنا اور توحید کا وعظ کہنا سب سے پہلا اور ضروری کام تھا۔

شنکر اچارج کا بدھوں اور بدھوں کی بہت پرستی کے خلاف جہاد پر آمادہ ہو جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ ملا بار یاد کن ہیں رہ کر ثبت پرستی کے خلاف وعظ کہنا بد مذہب کو اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا جو مسلمان و اعظوں کے ذریعہ اُس کو پہنچ

رہا تھا یا پنچ چکا تھا بدھ مذہب کی جو جگہ خالی ہوئی تھی وہ اسلام سے پُر ہوتی تھی یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص بدھ مذہب یعنی بُت پرستی کو چھوڑ دے اور پھر اسلام کے سوا اور کسی مذہب کو قبول کرے لہذا شنکر اچاریج نے ملابار سے شمالی ہند کی طرف توجہ کی۔۔۔ وہ لڑ جو انی کے عالم میں ملابار سے چل دیا کیونکہ وہاں اُس کے لئے میدانِ عمل بالکل تنگ تھا۔ اُس نے بنارس میں پہنچ کر پنڈتوں سے مباحثہ کیا اور بُت پرستی کے معاملہ میں اُن کو شکست فاش دی پھر وہ اکثر راج دھانیوں اور مشہور شہروں میں اپنے جہ یہ اور نئے عقیدہ کی تلقین کرتا ہوا پھر اشنکر اچاریج کے پاس بُت پرستی کی تردید میں سب سے زبردست دلائل دہی تھے جو اُس نے مسلمانوں سے سنے تھے۔ یہ وہ زمان تھا کہ بدھ مذہب اپنے عقائد اور حکومت و طاقت کے اعتبار سے بہت کمزور ہو چکا تھا لہذا چند راجے اُس کے قریب ہو گئے اور بدھ مذہب کے خلاف علانیہ کامیاب تحریک شروع ہوئی۔ شنکر اچاریج ملابار میں پیدا ہوا تھا اور کوو ہمالیہ کی چوٹی پر فوت ہوا اُس کو شیو کا اوتار مانا گیا اور آج وہ موجودہ آریہ سماج فرقہ کا قابلِ تکریم بزرگ سمجھا جاتا ہے۔

شنکر اچاریج کے زمانے میں اسلام ہر ہندوستان کے اندر ترقی کر رہا تھا۔ محمد بن قاسم کے حملہ کو دو سو سال گزر چکے تھے محمود غزنوی کی حملہ آوری میں ابھی سو برس باقی تھے۔ سندھ میں مسلمانوں کی دوریائیں موجود تھیں۔ مالوہ میں مسلمان موجود تھے کینارا ملابار۔ مرآندپ۔ میتورہ۔ راس و ساحل کارو منڈل میں مسلمان موجود تھے۔ شنکر اچاریج کو ان حالات اور مسلمانوں کے اعمال و عقائد سے آگاہی حاصل تھی مگر اُس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کچھ بھی کہنے کی جرأت نہیں کی اور بُت پرستی کے خلاف کوشش کر کے بظاہر اسلام کے لئے زمین تیار کرنے کی خدمت انجام دی۔ اگر شنکر اچاریج کا زمانہ لڑیں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ فرض کیا جائے جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے تب بھی مسلمان ان مذکورہ تمام مقامات میں موجود تھے اور شنکر اچاریج کو اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کا بخوبی موقع حاصل تھا۔ بہر حال اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی حدود میں اسلام مسلمانوں کے فوجی صلے سے پہلے پہنچ کر کامیاب اور مقبول ہو چکا تھا۔

محمد بن قاسم سے پہلے سندھ میں اسلام کی مقبولیت | اسلام کی اشاعت بذریعہ تبلیغ صرف ملا بار اور جنوبی ہند ہی میں نہیں ہوئی بلکہ سندھ ہی قوموں میں بھی اسلام اُسی ابتدائی زمانے میں یعنی جنگی حملوں کے شروع ہونے سے پہلے مقبول ہو چکا تھا۔ جس زمانے میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان سلسلہ جنگ جاری تھا اُسی زمانے میں ہندوستان کے جاٹ اپنا آبائی مذہب اور آبائی وطن چھوڑ چھوڑ کر اسلام اختیار کرنے اور عراق میں جا کر آباد ہونے لگے تھے ان کو مسلم جاٹوں کو عرب لوگ قوم ترط کے نام سے تعبیر کرتے تھے ایران کی سلطنت اور سندھ کی سلطنت کے درمیان کبھی لڑائی ہوتی تھی اور کبھی صلح کبھی ایرانی دریائے سندھ تک کا علاقہ اپنے قبضے میں لے آتے اور کبھی سندھ کے حکمران مکران کے پہاڑوں اور میدانوں تک پہنچ جاتے تھے۔ جس زمانے میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی لڑائیاں شروع ہوئی ہیں اُس زمانے میں سندھ و ایران کے درمیان صلح تھی مگر اس سے پہلے ایرانی سلطنت کے صوبہ حقیقہ کا گورنر ہرمز جنگی بیڑہ لے کر بار بار سندھ کے ساحل پر حملہ آور ہوتا رہا اور یہاں سے بہت سے آدمیوں کو کپڑ کر لے گیا تھا یہ لوگ سب جاٹ ہی تھے۔ یہ ہرمز حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ ہرمز کے پاس ایک بہت بڑی فوج انھیں اسیران جنگ جاٹوں کی فراہم ہونے لگی تھی کیونکہ فوج میں بڑی تعداد جاٹوں ہی کی تھی جب مسلمانوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع ہوئی تو سلطنت ایران نے سندھ کی سلطنت سے صلح کر لی اور ہرمز نے ان جاٹوں کو دواسیران جنگ کی حیثیت سے اُس کے قبضے میں تھے اُن کی دل دہی اور خاطر مدارات بجا لاکر اپنی فوج میں بھرتی ہونے پر رضا مند کر لیا۔ ہرمز ایران کا سب سے بہادر اور لائق سردار سمجھا جاتا تھا اُس کی بہادری کی دھاک ایران و ہندوستان و عرب میں مٹی ہوئی تھی وہ بحری اور بری دونوں قسم کی لڑائیوں کا تجربہ کار اور اعلیٰ درجہ کا سیاست داں تھا۔ جاٹوں کی فوج ہرمز کی فوج کا وہ حصہ تھا جس کے ہر سپاہی کے پاؤں میں ایک زنجیر بندھی ہوئی تھی کہ میدان جنگ سے بھاگ نہ سکیں اسی نے اس لڑائی کا نام جس میں ہرمز مارا گیا جنگ ذات السلاسل مشہور ہے۔ پاؤں میں زنجیر باندھ کر میدان جنگ میں معرکہ آرا ہونا۔ سندھ کے جاٹوں میں پہلے سے رائج تھا۔

ان جاٹوں میں سے بہت سے زنجیریں تڑا کر بھاگ نکلے اور بہت سے مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد زور شور سے ایرانیوں کے ساتھ سلسلہ جنگ جاری ہوا۔ جنگ ذات السلاسل سلسلہ میں ہوئی اور پہلی مرتبہ ہندوستان کے جاٹ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور پھر بخشی مسلمان ہو کر بجائے قیدی کے آزاد مسلم کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ شام کی طرف چلے گئے مگر ایرانیوں کے ساتھ سلسلہ جنگ جاری رہا جنگ ذات السلاسل عہد صدیقی کا واقعہ ہے۔

جنگ ذات السلاسل سے دو برس بعد سلسلہ میں جنگ قادسیہ ہوئی جس میں ایران کے پادشاہ نے پوری تیاری اور پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو کچل ڈالنا چاہا۔ اس دو سال کے عرصہ میں ایرانی بار بار مسلمانوں سے شکست کھا چکے تھے اس لئے یزدجرد شاہ ایران نے اپنے تمام صوبوں اور دوسرے پادشاہوں سے بھی مدد طلب کی اس نے ایک سفارت سندھ میں بھی دوبارہ بھیجی۔ سندھ کے راجہ نے یہاں سے فوج روانہ کی لیکن سب سے بڑی اور قابل قدر مدد یہ تھی کہ اس نے اپنے جنگی ہاتھی جس قدر بھیج سکتا تھا سب کے سب ایرانیوں کی مدد کے لئے معہ سامان حرب روانہ کئے اور اپنی خاص سواری کا ہاتھی بھی جو سفید تھا روانہ کر دیا۔ حج نامہ میں لکھا ہے کہ سندھ کے راجہ کی سواری کا ہاتھی سفید رنگ کا ہوتا تھا۔ جنگ قادسیہ تین دن رات برابر جاری رہی اس لڑائی میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ جنگی ہاتھیوں کی قسطا نے پریشان کیا تیسرے دن فیل سفید جو تمام ہاتھیوں کا سردار سمجھا جاتا تھا مارا گیا اور مسلمانوں نے ہاتھیوں کو بھگا دیا۔ پھر رستم کے مارے جانے پر کامل فتح حاصل ہوئی۔ سندھ کے راجہ نے اپنی خاص سواری کا ہاتھی تو اسی مرتبہ دوسرے ہاتھیوں کے ساتھ بھیجا تھا لیکن وہ اس سے پہلے بھی اپنے ہاتھی ایرانیوں کے پاس بھیج چکا تھا جنہوں نے دریائے فرات کے کنارے اسلامی لشکر پر بڑی آفت نازل کی تھی حضرت ابو عبیدہ ثقفیؓ اسلامی سپہ سالار کو ایک ہاتھی ہی نے شہید کیا تھا۔

جنگ قادسیہ اور جنگ نہادند کے درمیانی زمانہ کا واقعہ ہے کہ قوم زط کی تحقیق | ہواد کے ایرانی گورنر ہکران نے یزدجرد کے مابین کی جانب

فرار ہونے کے بعد اپنی ایک خود مختار حکومت قائم کر لی اور ایرانیوں سے ملاوہ جاٹوں کو بھی اپنی فوج میں بھرتی کیا اور سندھ کے راجہ سے اعانت طلب کی اسلامی لشکر نے اُس طرف توجہ کی مقابلہ ہوا سہرزان شکست کھا کر منقام تشریں پہنچا وہاں کے قلعہ کو مضبوط کر کے دوبارہ منہا بلہ کی تیاری کی تشر کی جانب جو اسلامی فوج روانہ ہوئی اُس کے سپہ سالار حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے انھوں نے تشر کا محاصرہ کیا۔ اس محاصرہ کے دوران میں سندھی فوج یعنی جاٹوں کے سردار نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تمھارے مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہم تمھارے ساتھ شامل ہو کر ایرانیوں سے تو لڑیں گے لیکن اگر تم کسی وقت آپس میں دو گروہ ہو کر لڑنے لگو تو ہم نیز جانب دار رہیں گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر عرب لوگ ہم پر حملہ کریں تو تم ہم کو اُن کے حملے سے بچاؤ گے اور ہماری حفاظت کرو گے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ہم کو اختیار حاصل ہو گا کہ ہم جہاں چاہیں سکونت اختیار کریں اور عربوں کے جس قبیلہ سے چاہیں اتحاد کریں چوتھی شرط یہ ہے کہ سارے رفاقت اور تنخواہیں اعلیٰ رہنے کی ہوں یعنی ہم کو عربوں کے مانند ہر قسم کے حقوق میسر ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا یا کہ ہم تو نو مسلموں کے معاملہ میں یہی جانتے ہیں کہ ہر ایک نو مسلم کے حقوق باقی تمام مسلمانوں کی برابر ہوا کرتے ہیں۔ یہ مختصر اور عمل جواب جاٹوں کے لئے موجب تسکین نہ ہوا اور وہ مسلمان ہونے سے باز رہے۔ اس کی اطلاع فوراً امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس بھی بھیجی گئی تھی انھوں نے بلا تا مل حکم بھیج دیا کہ ان لوگوں کے پیش کردہ شرائط قبول کر لئے جائیں۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جاٹوں کے پاس پیغام بھیجا کہ تمھاری تمام شرطیں ہم کو منظور ہیں دربار خلافت سے ہم نے منظوری منگالی ہے۔ یہ سنتے ہی تمام جاٹ اور تھوڑے سے راجپوت بھی جو اُن کے ہمراہ تھے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ سہرزان بھی گرفتار ہوا اور حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کو مدینہ منورہ میں فاروق اعظمؓ کے پاس بھیج دیا جو وہاں جا کر اور فاروق اعظمؓ کا طرز عمل دیکھ کر خوشی مسلمان ہو گیا ان جاٹوں نے مسلمان ہو کر اور اپنے اُن بھائیوں کے ساتھ مل کر جو ۱۲۰ مسلمان ہو چکے تھے ملک عراق میں سکونت اختیار کی اور عرب قبائل کے ساتھ دوستی و مواخاتہ

تائیم کر لی۔ یہ لوگ قوم زط کے نام سے مشہور ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنے ان نو مسلم بھائیوں کی بڑی عزت کی اور ان کو بڑے بڑے عہدے بھی دیئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں حصہ کے خزانہ دار مقرر ہوئے۔ اسی قوم زط (جاٹ) کے افراد پشتل سنا۔ ان لوگوں میں بڑے بڑے سلا اور سلحا بھی پیدا ہوئے۔ اس قوم کا تذکرہ تاریخوں میں بار بار آیا ہے قی کہ حضرت علیؑ نے انہیں ان کے زمانے تک نہ قوم کو عراق میں قابل تذکرہ اہمیت حاصل تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ زمرہ ائمہ علیہم السلام کے نام سے عالم اسلام میں عام شہرت رکھتے ہیں ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اسی قوم زط سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پیرا ہوئے۔

..... جس وقت محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا ہے اس وقت امام اعظم کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی۔ مذکورہ بالا تصدیقات سے ثابت ہوا کہ ہندوستانی قوموں میں اسلام محمد بن قاسم کے زمانے سے پہلے ہی داخل ہو کر نشوونما حاصل کر چکا تھا۔

۲) اسلام کی آمد کے وقت ہندوستان میں کون سا مذہب رائج تھا

اد پر بیان ہو چکا ہے کہ اسلام سب سے پہلے محض تبلیغ کے ذریعہ نہایت پراس طریقہ سے سرانیدپ دلا بار میں داخل ہوا اور اسی زمانے میں سندھ کے جاٹ مسلمان ہو ہو کر عراق عرب میں سکونت اختیار کر چکے تھے سلا کے بعد ہی سندھ کے جاٹ ترک وطن اختیار کرتے اور عراق میں مسلمان ہو ہو کر اپنے ہم قوم زطوں میں شامل ہوتے رہے کیونکہ اس زمانے میں سندھ کے راجہ ساہی کی حکومت میں بھی ایرانیوں کی شکست اور سندھ کی افواج کے مقتول و دست گیر ہونے سے اختلال پیدا ہو گیا تھا۔ راجہ ساہی کا خاندان قدیم سے بدھ مذہب کا پیرو تھا اور بدھ ہی تمام ملک کا مذہب تھا۔ ساہی اپنے خاندان کا آخری راجہ تھا سلاہ میں ساہی کے بعد بدھ

کے تخت پر بیچ نامی ایک شخص نے قبضہ کیا۔ اس کے زمانے میں مسلمانوں کی جہلہ آوری کے بعض اسباب پیدا ہو گئے تھے جن کا ذکر ابواب کتاب میں موجود ہے۔۔۔ اسی راجہ بیچ کا بیٹا راجہ داسر تھا جس کے عہد حکومت میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور راجہ مارا گیا۔

۹۳ھ ہجری تک ہندوستان کی حالت کا جائزہ | ہم کو اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ ابتداء کے سنہ پیری سے ۹۳ھ

تک ہندوستان کی مذہبی حالت کیا تھی کیونکہ ۹۳ھ تک اسلام محض تبلیغ کے ذریعہ ہندیوں میں رسوخ حاصل کرتا رہا اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے حملہ کیا جو مسلمانوں کی پہلی قابل تذکرہ چڑھائی سمجھی جاتی ہے اس بات کی تحقیق میں ہم کو سب سے پہلے جینی سیاح ہیونگ شیانگ کے سفرنامہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے یہ سیاح ۵۹۶ھ میں ملک چین کے اندر پیدا ہوا۔ اس کا خاندان بہت ذی عزت تھا وہ بچپن سے تحصیل علوم میں مصروف رہا اور چونتیس سال کی عمر میں علامہ زماں اور چین کا سب سے بڑا عالم شمار ہونے لگا۔ اس کے بعد ۶۳۰ھ ع مطابق ۱۲۰ھ میں وہ اپنے ملک سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اس نے یہ سفر ہندوستان کے بدھ علماء سے ملنے اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لئے اختیار کیا تھا وہ ہندوستان میں پندرہ سال یعنی ۶۴۵ھ ع مطابق ۱۳۵ھ تک رہا وہ کابل مہتا ہوا قندھار اور قندھار سے ہندوستان میں داخل ہوا اس کے ہندوستان میں داخل ہونے کے وقت سندھ کا راجہ ساہ سی حکمران تھا اور ہندوستان سے روانگی کے وقت راجہ بیچ سندھ کا فرماں روا بن چکا تھا۔ جس زمانے میں جاٹوں کی ایک جمیعت نے اسلام قبول کر کے عراق میں سکونت اختیار کی تھی اس زمانے میں ہیونگ شیانگ ہندوستان میں دورہ کر رہا تھا اور جس زمانے میں سرانند پ کے راجہ نے اسلام قبول کیا ہے اس زمانے میں بھی ہیونگ شیانگ ہندوستان میں موجود تھا اس چینی سیاح نے پندرہ سال کے عرصہ میں ہندوستان کا چہرہ چہرہ چھان مارا۔ ایک دوسری روایت کے موافق جس کو مولوی ذکار اللہ صاحب نے اپنی تاریخ میں اختیار کیا ہے ہیونگ شیانگ پندرہ سال یعنی ۶۴۵ھ تک ہندوستان میں رہا۔ وہ پنجاب و گجرات سے بنگال و اڑیسہ تک اور کوہ ہمالیہ سے میسور و مہاراشٹر تک پھرا اور بعض

منقادات پر اس کو دو دو مرتبہ بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کا مقصد سفری مذہبی عالموں سے ملنا تھا اس نے اپنے سفر نامے کو خوب شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے پس ہیونگ شیانگ کا سفر نامہ ہمارے پیش نظر متعصب کے پورا کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتا ہے۔

قبل اس کے کہ ہیونگ شیانگ کی گواہی پیش کی جائے یہ بات بتا دینی **بدھ مذہب** | سروری ہے کہ بدھ مذہب نے ہندوستان میں رائج ہو کر قدیم برہمنی مذہب کو درہم برہم کر ڈالا تھا اور ذات پات کی نفی و بھی بہت کمزور اور ڈوبیلی پڑ چکی تھیں اشوک کے زمانے میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۵۵۰ سال پیشتر ہندوستان کا فرماں روا تھا بدھ مذہب کو انتہائی عروج حاصل ہو چکا تھا۔ اشوک نے پتھر کے ستونوں پر جو بدھ مذہب کے احکام کندہ کرائے تھے اور جو آج تک بھی پتھر کی ان لائٹھوں پر موجود ہیں ان میں علاوہ اور احکام کے تین احکام یہ ہیں (۱) پانچویں سال سب لوگ اپنے گناہوں کا کفارہ دیا کریں (۲) دوسرے مذہب والوں کو تکلیف نہ دی جائے (۳) صلح و آشتی اور محبت بڑھانے کی تاکید کی جائے اور سخت سزائیں نہ دی جائیں۔ ہمارا جو اشوک کے بعد بدھوں کی شہنشاہی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں یا ریاستوں میں منقسم ہو گئی تھی اور بدھ کی اصلی تعلیمات بگڑ کر دوسری صورت اختیار کر چکی تھیں بدھوں میں بہت سے مذہبی فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ ہر ایک فرقہ کے عقائد اور عبادات دوسرے فرقے کے عبادات و عقائد سے مختلف تھے۔ جس زمانے میں ہیونگ شیانگ ہندوستان میں آیا ہے اس زمانے میں تو سب سے زیادہ اعمال و عبادات و اخلاق بگڑ جانے لازمی تھے۔ کیونکہ اشوک کے زمانے کو نو سو برس اور بدھ کے زمانے کو تقریباً بارہ سو برس گزر چکے تھے۔ بدھ مذہب اپنی اصلی صورت سے اگرچہ بہت کچھ متغیر اور مسخ ہو چکا تھا لیکن اس کا نام بدھ مذہب ہی تھا اور اس کے ماننے والے گوتم بدھ اور دوسرے بدھ پیشواؤں کا نام عزت سے لیتے تھے اعمال و عبادت کے اعتبار سے چاہے اس زمانے کے مذہبی فرقوں میں کتنی مذہب کی بھی بعض باتیں داخل ہو چکی ہوں مگر ان فرقوں کو برہمنی مذہب کے فرقہ نہیں کہا جاسکتا اشوک کی لائٹھوں کے مذکورہ بالا دوسرے اور تیسرے حکم سے ثابت ہے کہ بدھوں کے انتہائی عروج کے زمانے میں بھی ہندوستان کے اندر دوسرے مذہب کے لوگ موجود تھے اور بدھ ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرتے تھے چنانچہ ہندوؤں اور

ہندوؤں کے دعوے کے موافق بنارس۔ الہ آباد۔ قنوج۔ اجمیر میں برہمنی مذہب کے پیرو
 ضرور مسلسل موجود رہے اور غالباً انھیں کی نسبت اشوک کو یہ حکم کندہ کرانا پڑا تھا کہ
 غیر مذہب والوں کو تکلیف نہ دی جائے۔ ظاہر ہے کہ ان برہمنی مذہب کے پیروؤں
 کی مصاحبت و مقاربت نے بدھوں پر اور بدھوں کی صحبت نے ان پر ضرور اثر ڈالا
 ہوگا اور اس اثر کو بدھ مذہب کے نئے نئے فرقوں کے پیدا ہونے میں بھی ضرور داخل
 ہوگا۔ لیکن پھر ہی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہندوستان میں برہمنی مذہب رائج تھا اور
 بدھ مذہب رائج نہ تھا۔

انگریز مورخین نے بدھ مذہب کے اس آخری زمانہ کو بُدھ۔ یا بُدھ سٹا لوگوں
 کا زمانہ کہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اچھے الفاظ میں اس زمانے کو انڈی کا زمانہ کہا
 جاسکتا ہے کیونکہ گوتم بدھ کی تعلیمات بہت کچھ مسخ ہو چکی تھیں۔ ویدوں کے مذہب
 کا زمانہ تو منوجی مہاراج ہی کے زمانے میں ختم ہو چکا تھا۔ کرشن مہاراج کی تعلیمات
 اور گیتا وغیرہ بھی مسخ ہو چکی تھیں۔ پوران ابھی تصنیف ہی نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ
 پورانوں کی تصنیف کا زمانہ آٹھویں صدی عیسوی کے بعد کا زمانہ ہے جب کہ سندھ
 پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ لہذا محمد بن قاسم کی حملہ آوری سے وقت ہندوستان
 کے مذہب کا اگر کوئی نام رکھا جاسکتا ہے تو وہ بدھ مذہب ہی ہوسکتا ہے۔

ہیونگ شیانگ کا بیان | اب ہیونگ شیانگ نے سفر نامے پر غور کر دہ کہتا ہے
 کہ بدخشاں و بلخ و کابل میں تو بدھوں کی حکومت اور

بدھوں کا مذہب رائج ہے لیکن قندھار و بلوچستان میں آتش پرستی یعنی مجوسی مذہب
 پایا جاتا ہے پھر وہ کشمیر و پنجاب۔ سندھ۔ گجرات۔ مالوہ۔ متھرا۔ تنھائی سر قنوج۔ بنارس
 پٹنہ۔ بہار۔ بنگال۔ کامروپ۔ (آسام) اڑیسہ۔ کلنگا (مدراس) اندھرا۔ مہارکوسلا۔
 رمالک متوسط، مہاراکٹر۔ کون۔ مدورا (ٹراونکور) وغیرہ سب جگہ کا ذکر کرتا ہے ہر جگہ اُس کو
 اپنے ہم مذہب راجا ملتے ہیں اور اُس کو ایک جاتری سمجھ کر بڑی عزت اور خاطر مدارات
 سے پیش آتے ہیں نالاند کی خانقاہ میں وہ سیکڑوں و دیارنھی اور پاٹھک دیکھتا ہے
 وہاں وہ بھگتیرک خود بھی طلباء کے ساتھ شامل ہو کر ایک دوسبتی پڑھتا ہے اور کوئی
 بے دین مخالف برہمنی مذہب کا پیرو مباحثہ کرنے کے لئے چیلنج دیتا ہے تو ہیونگ شیانگ

اُس کے مقابلہ کو نکلتا اور اُس کی اس شرط کو قبول کر لیتا ہے کہ جو شخص مباحثہ میں ہار جائے وہ فتح مند فریق کے ہاتھ سے مارا جائے لیکن ہیونگ شیانگ اپنے حریف برہمن کو ہرا دیتا ہے اور پھر بجائے قتل کرنے کے اُس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے کہ ہم انسان کو قتل نہیں کیا کرتے تم آئندہ سوچ، سمجھ کر کسی سے مباحثہ کرنا۔

ہیونگ شیانگ اپنے سفر نامے میں بار بار ڈاکوؤں کے پنچے میں گرفتار ہونے کا ذکر کرتا اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک سفر کرنے میں کئی کئی مرتبہ ڈاکوؤں سے دوچار ہوتا ہے ان ڈاکوؤں کو وہ ہمیشہ کا فرادے دین لوگ بتاتا ہے اُس نے اپنے سفر نامے میں کی پہاڑی چھوٹی سی ریاست یا گاؤں کا ذکر کرتے ہوئے وہاں کے حاکم کو کا فر دے دین کہا ہے حالانکہ وہ برہمنی مذہب کا پیرو اور چھ مذہب کا مخالف تھا ہیونگ شیانگ جیسے مذہبی شخص سے یہی توقع بھی ہو سکتی تھی کہ وہ غیر بد مذہب لوگوں کو کا فر کے نام سے یاد کرے چنانچہ اُس نے قندھار والوں کو بھی جو آتش پرست تھے اسی نام سے یاد کیا ہے۔

پس اس بات کے تسلیم کر لینے میں کوئی تا مل نہیں ہونا چاہیے کہ ہیونگ شیانگ کو جوہر صوبے اور ہر علاقے میں ڈاکو لے وہ سب کے سب برہمنی مذہب کے لوگ تھے اور انھوں نے بدھوں کی ریاستوں میں یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ کسی شخص کو جان سے نہیں مارتے ڈاکہ زنی اور نہرنی شروع کر دی تھی۔ یہ زمانہ ضرور ایسا تھا کہ ہندو یعنی برہمن کو بدھوں کی سلطنت کو مٹا کر اپنی حکومتیں قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک اُن کو کوئی نمایاں اور قابل تذکرہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ الہ آباد یعنی پریاگ کی چھوٹی سی ریاست کا حاکم بھی برہمن تھا لیکن وہ قنوج کے راجہ کا محکوم اور نوکر تھا اسی لئے ہیونگ شیانگ اُس کی نسبت وہ خطاب استعمال نہیں کرتا جو دوسرے ہندوؤں کی نسبت استعمال کرتا ہے۔ وہ قنوج، مہاراشٹر، مالوہ، گجرات، کشمیر، اودھ، بہار، بنگال، اڑیسہ، دکن، میسور وغیرہ سب ملکوں کے راجاؤں کو صاف الفاظ میں بدھ مذہب کا پیرو بتاتا اور ہر جگہ بدھ کے مندروں میں عبادت کرتا۔ اور گوتم بدھ کے تبرکات موجود پاتا ہے ہندوستان کے ہر حصے اور ہر گوشے میں اُس نے بدھ کے بڑے بڑے عظیم الشان اور مرصع بُت دیکھے، جن کی مندروں میں خوب دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی اُس نے کوئی گھر ہندوستان میں بدھ کی مورتیوں سے خالی نہیں دیکھا جو اس مہلت

کی دلیل ہے کہ اُس زمانے میں بدھ مذہب کے پیرو گوتم بدھ کی مورت کو پوجتے تھے اور بدھوں میں بُت پرستی عام ہو گئی تھی اور غالباً اسی لئے ہر ایک پتھر یا لکڑی کے مجسمے کو بُت بدھ کہا جانے لگا۔ اُس زمانے میں قنوج کے راجہ سلاوت دوم راجہ ہرش، کو ہندوستان بھر کے تمام راجہ اپنا شہنشاہ مانتے اور اُس کے احکام کی تعمیل کو ضروری جانتے تھے۔ صرف ہمارا شٹر دکن، کا راجہ اُس کی شہنشاہی کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے آپ کو دکن کے راجاؤں کا سردار جانتا تھا۔ مگر مذہب اُس کا بھی بدھ ہی تھا۔

جب ہیونگ شیا ننگ ہمارا شٹر کے راجہ پلیمین کے پاس دکن میں پہنچا ہے تو وہ بڑی خاطر عمارت سے پیش آیا اور اُس کو احنٹہ اور ایلورا کے مغارات کی سیر کرائی قنوج کے راجہ نے جس کو بعض مورخین نے راجہ ہرش کے نام سے بھی موسوم کیا ہے ہیونگ شیا ننگ کو لے کر گنگا جمن کے مقام اتصال یعنی پریاگ کا سفر کیا اور وہاں ہندوستان کے بیٹے راجہ ہمارا راجہ قنوج کے حکم سے آکر جمع ہوئے۔ یہاں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا۔ پانچ لاکھ آدمی اس میدان میں ہر صوبے سے آکر شریک جلسہ ہوئے جن میں بڑے بڑے عالم۔ عابد بے دین، غریب، یتیم، محتاج سب شامل تھے۔ بدھ مذہب کے عاملوں نے وعظ و پند کی تقریریں کیں اول روز بدھ کی ایک مورت بہت بڑے فیچے میں نصب کی گئی اُس کی سب نے عبادت کی۔ پھر روزِ دوا ہر نفیس کھانے۔ کپڑے وغیرہ محتاجوں کو تقسیم کئے گئے۔ دوسرے روز اوت دیو (سورج دیوتا) کی مورت نصب کی گئی اور دوم درجہ کی چیزیں تقسیم کی گئیں۔ تیسرے روز ایشور دیو کی مورت نصب ہوئی اور سوم درجہ کی چیزیں تقسیم ہوئیں۔ چوتھے دن ایک ہزار بدھ مذہب کی انجمنوں یا جماعتوں کو ایک ایک ہزار اشرافیاں اور ایک ایک موتی دیا گیا۔ پانچویں دن برہمنوں کو خیرات تقسیم کی گئی۔

چھٹے دن جینیوں اور عام لوگوں کو خیرات و انعام تقسیم ہوا۔ ساتویں دن اُن لوگوں کو خیرات تقسیم ہوئی جو دور دراز یعنی بیرون ہند مقامات سے آئے تھے۔ آٹھویں دن عام غریبوں، لاچاروں اور یتیموں کو انعامات تقسیم ہوئے۔ اس خیرات میں راجہ سلاوت نے اپنے پچھلے۔ ہاتھی اور فوج واسلحہ کے سوا تمام دولت اور خزانہ جو پانچ سال میں جمع ہوا

تھا، سب خیر کر دیا۔ دوسرے راجاؤں نے بھی جن کی تعداد میں تھی۔ قنوج کے راجہ کی تقلید میں اسی طرح خیرات کی۔ ان راجاؤں میں گجرات سے لے کر آسام تک کے راجہ شریک تھے۔ ہر پانچ سال کے بعد اسی طرح پریاگ میں راجہ جمع ہو کر خیرات کیا کرتے تھے۔

مورخین کے نتائج | ہیڈنگ شیاٹنگ کے سفر نامے میں مذکورہ روئے پر حکم بعض مورخین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ راجہ سلاوت اور اُس زمانے کے دوسرے راجے بدھ اور برہمنی دونوں مذہبوں کے پابند اور پیرو تھے اسی لئے ایشور دیو اور اکت دیو کی مورتیوں کو پریاگ کے میلے میں بدھ کی مورت کے ساتھ نصب کیا گیا لیکن انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ میلہ یا جلسہ جو ہر پانچ سال کے بعد ہوتا تھا اشوک کے اُس فرمان کی تعمیل تھا جس کا ذکر آچکا ہے اور جس میں لکھا ہے کہ ”پانچویں سال سب لوگ اپنے اپنے گناہوں کا کفارہ دیا کریں“ بدھ کی مورت کی پوجا کرنے کے بعد آخر میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی جواں جگہ موجود ہوتے تھے اپنے اپنے مذہب کے موافق پوجا کرنے کا موقع دے دیا جاتا تھا اور یہ اشوک کے اُس فرمان کی تعمیل تھی جس میں دوسرے مذاہب کے ساتھ صلح و آشتی اور محنت بڑھانے کی ترغیب ہے اور جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پس ہیڈنگ شیاٹنگ کی آمد تک ہندوستان کے قریباً تمام راجہ اشوک کے زمانے کے طے شدہ مذہبی احکام کو واجب التعمیل جانتے تھے اگرچہ بہت سی بدعات بھی رائج ہو کر داخل مذہب ہو چکی تھیں ہیڈنگ شیاٹنگ جب ہندوستان میں وارد ہوا ہے تو سندھ کا راجہ ساہ سی تھا جو بدھ مذہب کا پیرو تھا اور سندھ میں قریباً تمام آبادی بدھوں کی تھی۔ جس طرح بنارس الن آباد وغیرہ میں برہمن اور برہمنی مذہب کے پیرو اور بدھ مذہب کے مخالف بھی تھوڑی سی تعداد میں آباد تھے اسی طرح ملک سندھ میں بھی یہ لوگ موجود تھے۔ ان برہمنی مذہب کے لوگوں کو سرکاری ملازمتیں بھی سندھ کی بدھ حکومت میں مل سکتی تھیں چنانچہ انھیں لوگوں کی سازش نے راجہ ساہ سی کے بعد راجہ پچ کو تخت حکومت دلایا۔ راجہ پچ کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ برہمنی مذہب کا پابند تھا مگر حکومت کا مذہب وہی بدھ مذہب تھا کیونکہ راجہ پچ بدھوں ہی کے مندر میں جا کر اپنی پوجا پاٹ کے مراسم ادا کرتا تھا۔ پچ کے بعد راجہ چندر سندھ کا راجہ ہوا وہ بدھ مذہب کا بڑی سختی سے پابند اور برہمنی

مذہب کا دشمن تھا۔ پس یہ خیال کرنا کہ مسلمانوں کی حملہ آوری کے وقت ہندوستان میں بد مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی حکومت تھی غلط ہے اور اس کے غلط ہونے کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے عرصہ دراز بعد شنکر اچاریہ نے جب بد مذہب کے خلاف جدوجہد شروع کی ہے تو ہندوستان کے راجاؤں میں سے بعض نے پہلی مرتبہ بد مذہب ترک کر کے شنکر اچاریہ کا عہد مذہب اختیار کیا ہے اور اسی زمانے سے بد مذہب کی حکومت کا رقبہ تنگ ہونا شروع ہوا ہے۔ اس سے پہلے تو کوئی راجہ بد مذہب کا مخالف ایسا موجود نہ تھا جو قابل تذکرہ ہو۔ شنکر اچاریہ کے زمانے ہی سے پوراؤں کی تصنیف شروع ہوئی۔ اور پورہ یہ بتاتا ہے کہ ہندوؤں میں مسلمانوں کی سلطنت قائم و مستحکم ہو جانے کے وقت تک پوراؤں کی تصنیف کا سلسلہ جاری رہا۔ انھیں پوراؤں کے بتائے ہوئے عقائد کا مذہب ہندوستان کے تمام ہندوؤں کا مذہب سمجھا جاتا ہے اس پوراؤں کے مذہب کو نہ ویدوں کے مذہب سے کوئی تعلق ہے نہ منو سمرتی کے مذہب سے نہ گیتا کے عقائد سے۔ لطف یہ کہ اٹھارہ پوراؤں میں سے قریباً ہر پوراں وید کی تکریم کا قابل ہے لیکن جو اعمال بتاتا ہے وہ اکثر ویدوں کے مخالف اور بالکل ہی جدید اور نئے عقائد پر مبنی ہیں جو ہر ہندوؤں کے من گھڑت معلوم ہوتے ہیں اس لئے اس جدید مذہب کو جو ہندو مذہب کہلاتا ہے اور جو ہندوستان میں مسلمانوں کی حملہ آوری کے بعد پیدا ہوا ہے اس مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے جو مسلمانوں کی آمد اور حملہ آوری کے وقت ہندوستان میں موجود تھا اور بد مذہب کہلاتا تھا۔

تاریخ تبت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہ میں پچھانوٹھا وانا می ایک شخص کو نالند کی خانقاہ سے تبت کے ایک راجہ سے بلا یا اور اپنے ملک کا مذہبی افسر مقرر کیا جو دلیل اس بات کی ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی اس زمانے تک ہندوستان ہی کو بد مذہب کے عالموں کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ شاہجہ میں تبت کے ایک راجہ نے بد مذہب کے عقائد کو ترک کر کے دوسرا مسلک اختیار کیا تو وہاں کی دعائیل نے اس راجہ کو قتل کر دیا۔ شاہجہ میں تبت کے راجہ نے پنڈت کمالا شلا کو ہندوستان سے بلایا اور اس کو اس عہدہ جلیل پر مامور کیا کہ عام لوگوں کو بد مذہب کے احکام سے واقف کرنے کے لئے ایک مذہبی محکمہ اپنی نگرانی میں قائم کرے اور تمام ملک

کہ مذہب کا پورے طور پر پابند بنا دے۔ پھر ایک دوسرے پنڈت کو بلوا کر بدھ مذہب کی کتابوں کے ترجمہ کرنے پر مامور مقرر کیا۔

چین مذہب | ہیونگ شیانگ کی آمد تک ہندوستان میں چین مذہب کا زیادہ چرچا نہ تھا اگرچہ چین مذہب کے اتار پار سناٹھ اور مہابیر کی نسبت یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ گوتم بدھ کے ہم عصر تھے مگر بعض مورخین کو جنھوں نے مہابیر و پار سناٹھ کو بدھ کا ہم عصر لکھا ہے اس لئے دھوکا لگا ہے کہ انھوں نے چین مذہب کی نسبت یہ بات کسی کئی تھی ہوئی دیکھ لی ہے کہ چین مذہب اور بدھ مذہب ایک دوسرے سے مشابہ اور بالکل قریبی مذہب ہیں۔ حالانکہ اس کو قرب لمانی سے کوئی تعلق نہیں ہیونگ شیانگ کی آمد کے وقت بدھ مذہب میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے اور برہمنوں نے بھی بدھ مذہب کی سادات سے تنگ آکر اور اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی اور پھر قومی مدارج قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ اسی مذہبی کشمکش میں بدھ مذہب کے ایک فرقہ نے مستقل طور پر اپنا ایک ایسا مسلک قائم کر لیا جو برہمنوں کی خواہشات اور بدھ مذہب دونوں کا مرکب مذہب تھا یعنی انھوں نے جان واروں کی حفاظت کو نیکی قرار دیا۔ دیدوں کو بے حقیقت اور ناقابلِ مکوثیم سمجھا آگ کی پوجا اور بلدان کو بھی غیر ضروری ٹھہرایا۔ یہ سب باتیں بدھ مذہب کی تھیں دوسری طرف ذات پات کی تو کو تسلیم کر لیا۔ برہمنوں کے ایتاروں کو بھی اپنے اتاروں کے بعد دوم نمبر پر قابلِ تعظیم مان لیا۔ یہ باتیں برہمنوں کی خواہشات کو پورا کرنے والی تھیں۔ ہیونگ شیانگ کے زمانے میں تاسیخ کے اندر پہلی مرتبہ چین مذہب کے لوگوں کا ذکر ایک اٹل اور مختصر حصہ فرقہ کی حیثیت سے آتا ہے۔ یہ فرقہ ملک گجرات میں پیدا ہوا پھر سندھ اور دکن کی جانب بھی پھیل گیا۔ وسط ہند اور بنگال تک اس فرقہ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں کی خواہشات کے پورا کرنے اور ذات پات کی تئود دوبارہ قائم ہو جانے کو گجرات کے بدھوں نے تسلیم کر لینا اس لئے مناسب سمجھا ہو گا کہ ایک درمیانی حالت پیدا ہو جائے۔ بہر حال جو کچھ بھی صورت ہوئی ہو چین مذہب بھی اسی زمانے کی پیداوار ہے جب کہ اسلام ہندوستان کے باشندوں میں داخل ہونے لگا تھا چونکہ بدھوں کا یہ فرقہ برہمنوں کے اقتدار کا مخالف نہ تھا لہذا برہمنوں نے

اس کی مخالفت ترک کر دی، اس کو برہمنوں کے ہاتھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

محمد بن قاسم سے محمود غزنوی تک ہندوستان کی حالت | محمد بن قاسم کی حملہ آوری

اور سندھ میں اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد محمود غزنوی کے زمانے تک کئی سو سال ایسے گزرے کہ ہندوستان پر مسلمانوں نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ سندھ کی اسلامی ریاستیں بھی اپنے قریبی ہندو راجاؤں سے مصالحت و آشتی کا برتاؤ رکھتی تھیں اور ان کی ہندو رمایا امن و امان سے زندگی بسر کرتی تھی۔ اس حالت میں بدھوں کی بت پرستی کا خلاف عقل ہونا مسلمانوں کی ہمسائیگی کے سبب ضرور ثابت ہونے لگا ہوگا۔ ایسی حالت میں جب کہ خود بخود بدھوں کی بت پرستی قابل منحلہ ثابت ہو رہی تھی شکر اچارج کو موقع مل گیا کہ وہ برہمنوں کے پورائے مذہب اور منوسمیتی دالے قوانین کو ایک بالکل نئے فلسفیانہ قالب میں ڈھال کر اور اسلامی عقائد سے توحید کے دلائل دے کر ایک نیا مذہب پیش کرے اور بدھوں کے استیصال پر آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے ایک دوراجاؤں کو اپنا ہم خیال بنایا اور پھر ایک کڑھائی ہمراہ لے کر اس اعلان کے ساتھ سفر شروع کیا کہ جو شخص مجھ سے مباہلہ کرے گا اگر وہ ہار جائے گا تو کھوٹے ہوئے تیل میں ڈال کر جلا دیا جائے گا۔ محمد بن قاسم سے محمود غزنوی تک کا زمانہ ہندوستان میں بالکل تاریک زمانہ ہے یعنی اس زمانہ کے متعلق ہندوؤں کے تاریخی حالات بہت ہی کم معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ اسی زمانے میں موجودہ ہندو مذہب کے پوران تبصیف ہوئے شروع ہوئے۔ ہندوؤں میں مذہبی فرقے نئے نئے سمپڑائے اور پنتھ قائم ہوئے ہندوستان میں اسلام کی پُر امن آمد اور محمد بن قاسم کے حملہ پر اس لئے کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی قوموں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ دوسرے اسباب کی بنا پر ہندوستان کے مذاہب اور اقوام میں خود بخود شکستگی کا ایک طوفان برپا ہو گیا تھا اسی زمانے میں راجپوتوں کی قوم نے برہمنوں کی امداد سے ترقی پا کر حکومتیں حاصل کرنا شروع کیں یا یوں کہتے کہ برہمنوں نے اپنا اقتدار بڑھانے کے لئے راجپوتوں کو جنگی کاموں کے لئے آگے بڑھایا اور ان کو سہارا دے کر تخت سلطنت تک پہنچایا، اس طوفانی زمانے میں مسلمانوں نے ہندوستان پر کوئی حملہ نہیں

کیا یہاں تک کہ محمود غزنوی کے حملے تک ہندوستان کے بعض صوبوں میں راجپوتوں کی مضبوط ریاستیں قائم ہو گئیں اور برہمنوں کے قائم کئے ہوئے جدید فرقے اور جدید مذاہب ہندو مذاہب کے نام سے رواج پانے لگے اور جہاں موقع ملا بدھوں کو قتل اور جلا وطن کرنے کی کارروائیاں عمل میں آتی رہیں۔ ویشنو کے پرستار۔ شیو کے پرستار شاکت یعنی شکتی کے پرستار۔ سورج کے پرستار گنیش یعنی گنپتی کے پرستار۔ برہما کے پرستار۔ تیش۔ سوم۔ گندھرپ۔ بیتال۔ اور بھوتوں کے پرستار۔ غرض سیکڑوں فرقے بدھ مذہب کی جگہ پیدا ہوئے لگے۔ ویشنواؤں شیو کے پرستاروں کی بہت کثرت ہوئی ان فرقوں میں سے بھی ہر ایک فرقہ سیکڑوں شاخوں میں تفرع ہوا اور ان شاخوں میں نشوونما سولہویں صدی عیسوی تک جاری رہی اور پوران تصنیف ہوتے رہے۔

ایسی حالت اور اس مذہبی تشنت و انتشار کے زمانے میں اگر مسلمان حاصل کلام | اور ابھی تبلیغ اسلام کی طرف متوجہ ہوتے اور ہندوستان والوں کو اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرتے تو صرف چند سال میں تمام ہندوستان کا دائرہ اسلام میں داخل ہو جانا معمولی بات تھی لیکن مسلمان فرماں رواؤں نے اپنی مذہبی رواداری کو اس سختی کے ساتھ استعمال کیا کہ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ہندوؤں کے مذہب کو باقی رکھنا اور ہندوؤں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنا اپنے مقاصد ہمہ میں داخل کر لیا تھا ورنہ آج ہندوستان میں ایک ہی مذہب یعنی اسلام ہوتا۔ بعض مسلمان درویشوں نے ہندوؤں کو جو مسلمان ہونا چاہتے تھے اسلام میں داخل کرنے سے پرہیز نہیں کیا اور اسی لئے ہندوستان کی جس قدر قومیں اسلام میں داخل ہوئیں وہ سب انھیں درویشوں اور مہدوں کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں۔ حیرت ہے کہ آج مسلمانوں کی اس حد سے بڑھی ہوئی رواداری اور مسلمان بادشاہوں کی اس ہندو و لازمی کو بالکل برعکس صورت میں پیش کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

ایضاح حقیقت ناما

باب اول

چند ضروری اشارات | اس باب میں ہم کو مسلمانوں کی پہلی باقا عدہ فوج کشی کے اسباب اور مسلمانوں کی ملک سندھ پر حکمرانی کے حالات بیان کرتے ہیں قبل اس کے کہ مقصود اصلی کو شروع کیا جائے چند باتیں پہلے عرض کر دینی ضروری ہیں۔

(۱) آٹھ کل ملک سندھ گورنمنٹ بھتی کے ماتحت ایک کمشنری یا چھوٹا سا صوبہ ہے ہندوستان کے نقشہ میں علاقہ سندھ کے حدود ہم نے طالب علمی کے زمانے میں جو کچھ دیکھے تھے وہی ہمارے دماغ میں محفوظ ہیں اور ملک سندھ سیاحانہ نام نہن کر اسی چھوٹے سے ملک کا تصور ہمارے پیش نظر ہوتا ہے لیکن اب سے بارہ سو سال پہلے کا سندھ اس موجودہ سندھ سے بہت وسیع اور عریض و طویل تھا۔ اس زمانے کے مورخین جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ مغرب میں کرمان تک جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک شمال میں ملتان سے اوپر گذر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پنجاب کے جنوبی اضلاع بلوچستان کا اکثر حصہ

صوبہ سرحدی کا جنوبی حصہ راجپوتانہ کا اکثر حصہ گجرات کا شمالی حصہ مع موجودہ ملک سندھ سب شامل تھا، مورخین نے راجہ چچ اور اُس کے پیشرو راجہ کے جو حدود حکومت بیان کئے ہیں وہ اس مذکورہ سندھ سے کبھی زیادہ وسیع نہیں لیکن عرب حملہ آوروں اور اُن کے مورخوں نے جن ملک کو سندھ کے نام سے تعبیر کیا ہے اُس کے وہی حدود ہیں جو ادھر مذکور ہوئے۔

(۲) اس باب میں اور آئندہ ابواب میں بھی جو کچھ بیان ہوگا وہ تاریخ ہند کا ایک ہی پہلو ہوگا یعنی مسلمانوں نے ہندوستان میں ہندو عقیدوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ عام اور تسلسل حالات اور مفصل تاریخ سے واقف ہونے کے لئے ہندوستان کی جو تاریخ میں نے الگ مرتب کی ہے اُس کے شائع ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس باب اور آئندہ ابواب میں بھی اگر واقعات کا تاریخی تسلسل اور اُن کے توابعات موجود نہ ملیں تو اس کا سبب یہی سمجھا جاتے کہ صرف ایک ہی پیش نظر مقصد کو چونکہ پورا کرنا تھا لہذا غیر ضروری اور مقصد مذکورہ سے دور و بھور باتوں کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔

(۳) محمد بن قاسم کے حملے کے وقت سندھ کے تاریخی شہر | محمد بن قاسم کی حملہ آوری

کے وقت سندھ کا دارالسلطنت (گورنر) تھا یہ شہر اب موجود نہیں ہے اس کا محل وقوع موجودہ شہر دہری سے آٹھ میل جنوب کی جانب ہے دیبل پرانے زمانے میں ایک شہر تھا اس کا محل وقوع شہر کراچی کے متصل یا شہر کراچی کا ایک جزو سمجھنا چاہیے۔ موجودہ شہر کراچی دو سو سال سے زیادہ کی آبادی نہیں ہے۔ شہر دیبل اُس زمانہ میں ہندو گاہ بھی تھا اور اُس کے وسط میں ایک مندر بودھوں کا تھا جن کو دیول کہتے ہیں اسی لئے شہر کا نام بھی دیول یا دیبل مشہور ہو گیا تھا۔ نرائین کوٹ بھی پرانے زمانے میں ایک شہر تھا جو موجودہ شہر حیدرآباد سندھ کے موجودہ قلعہ کی حکم آباد تھا حیدرآباد سندھ کا موجودہ قلعہ قلعہ شاہ میں غلام شاہ قندھاری نے بنایا تھا۔ قدیم زمانے میں ایک شہر برہمن آباد تھا جو

لہ غلام شاہ قندھاری مصنف کا اشتباہ ہے بلکہ یہ غلام شاہ گورنر ہے جو غازی آباد کا ایک فرمانبردار تھا جس نے حیدرآباد کے قلعہ کو بنایا تھا۔

موجود نہیں ہے اس کا محل وقوع حیدرآباد سندھ سے شمال و مشرق کی جانب چالیس میل کے فاصلہ پر اور مقام ہالہ سے اکیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ برہمن آباد کو سندھی لوگ بہیرا کا محل اور دلو رانی جو گھاٹ بھی کہتے تھے یہ شہر چار میل کے اندر پھیلا ہوا تھا۔ برہمن آباد کے تباہ شدہ نشانات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت دریا کی طغیانی نے اس کو تباہ کر دیا ہے۔ برہمن آباد سے پانچ پچھہ میل کے فاصلہ پر شہر منصورہ آباد تھا وہ بھی اب موجود نہیں ہے۔ منصورہ دریا کے ایک کنارہ پر آباد تھا اس کے بالمقابل دوسرے کنارے پر شہر محفوظ تھا۔ عمر کوٹ جو اکبر بادشاہ کی جائے پیدائش ہے اس کے قریب جینیوں کے مندر کے خرابے پائے جاتے ہیں۔ سہوان اب بھی موجود ہے یہ ایک پہاڑی پر آباد ہے اور سکھر سے ۱۳۸ میل اور لکی۔ سہ گیا رہ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں کا قلعہ کافر قلعہ کے نام سے مشہور ہے یہ قلعہ راجہ ساہ سی کے چھ قلعوں میں سے ایک تھا۔ بہران یا مہران یا باران ایک دریا کا نام ہے جو صرف تلو میل لمبا اور کوٹری کے پاس دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے شہر نیرون کا محل وقوع کراچی سے شتر میل کے فاصلہ پر شمال و مشرق کی جانب اور منصورہ سے جنوب و مغرب کی جانب بیٹھتا ہے اس کے فاصلہ پر ہے۔ اس سے زیادہ سندھ کے تاریخی مقامات کے محل وقوع کی تحقیق محسوس نہیں ہو سکی۔ تاریخوں میں سندھ کے بہت زیادہ مقامات کے نام آتے ہیں جن کی نسبت نہیں کہا جاسکتا کہ آج کل وہ کن کن ناموں سے مشہور ہیں۔ یا صفحہ ہستی سے معدوم ہو چکے ہیں تو ان کے خرابے کہاں کہاں واقع ہیں۔

(۴) محمد بن قاسم سے پہلے سندھ کی حکومتیں | سندھ کے ملک پر قدیم سے برہمنوں کی سلطنت قائم تھی۔

سندھ کے ایک راجہ نے جس کا نام سپہرن تھا ملک فارس پر حملہ کیا تھا چنانچہ وہ ایرانیوں یعنی مجوسیوں کے ہاتھ سے میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ساہ سی تخت نشین ہوا اور ساہ سی کے قبضہ سے بلوچستان و مکران کا علاقہ نکل کر ایرانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ساہ سی کا وزیر بدیتی من نامی ایک

شخص تھا بدھی من کا میرنشی یا نائب رام نامی ایک شخص تھا رام کے پاس ایک
نوجوان پنڈت جس کا نام ہجج بن سلاج تھا اور جس کو چاروں دید پر عبور حاصل
تھا آکر لوکر ہوا۔ چند روز کے بعد رام مر گیا اور اس کی جگہ ہجج نائب وزیر یا میرنشی
مقرر ہوا ہجج نے نہت جلد راہہ ساہ سی کی خدمت میں رسوخ دا اعتبار حاصل کر لیا۔
راہہ ساہ سی کی بیوی کا نام سبھ دیوی تھا رانی سبھ دیوی اور ہجج کی خضیہ دوستی
ہو گئی۔ اس چھپے یا رائے کا یہ نتیجہ ہوا کہ راہہ ساہ سی اچانک مر گیا اور رانی نے راہہ
کے رشتہ داروں اور سلطنت کے سرداروں کو جو راہہ کی حیثیت کو آئے تھے ایک
مکان میں بند کر کے سب کو ہلاک یا مجھوس کر دیا اور اعلان کیا کہ راہہ کی وصیت کے
موافق ہجج کو تخت سلطنت سپرد کیا گیا ہے اور چونکہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے
لہذا میں ہجج کے ساتھ شادی کرتی ہوں۔ اس طرح ہجج سندھ کا راہہ ہو گیا
اور رانی سبھ دیوی سے اس کے دو بیٹے دھرستیا اور داتہر اور ایک بیٹی مسماۃ
ماتی پیدا ہوئی۔ ہجج نے بدھی من وزیر کو بہت وزارت پر قائم رکھا کیونکہ اس
نے رانی اور ہجج کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی۔ اس طرح سندھ کی حکومت
قدیم خاندان کے قبضے سے نکل کر ایک برہمن کے قبضے میں پہنچی۔

ہجج مذہب کے اعتبار سے بھی برہمنی مذہب کا پابند سمجھا جاتا تھا مگر ہجج کا بھائی
چندر بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ ہجج نے بلوچستان کا علاقہ کمران تک پھر ایرانیوں سے
چھین لیا اور چند روز کے بعد ایرانیوں سے صلح ہو گئی کیونکہ ایرانیوں اور مسلمانوں کی
لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں اور ایرانی سندھ کے راہہ کی صلح و امداد کے خواہاں تھے اگر
مسلمانوں سے ایرانیوں کی لڑائی شروع نہ ہو گئی ہوتی تو ایرانی غلگی اور سندھ دونوں
سے فوج کشی کر کے سندھ کا ملک ویران و برباد کر دیتے۔

ہجج کے بعد اس کا بھائی چندر تخت نشین ہوا یہ چونکہ بدھ مذہب کا پیرو تھا لہذا
اس کی حکومت کو رعایا نے بہت پسند کیا۔ آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد چندر فوت
ہوا اس کی جگہ ہجج کا چھوٹا بیٹا داتہر شہر آئو میں تخت نشین ہوا اور چند کا بیٹا راج برہمن
آباد میں حکومت کرنے لگا۔ اس طرح ملک سندھ میں ایک ہی خاندان کی دو حکومتیں
قائم ہو گئیں جن میں برہمن آباد کی حکومت کا مذہب خالص بدھ اور آئو کی حکومت کا

مذہب ہر ہنسی و جدہ یا نیم بدھ تھا۔ ایک سال کے عراج بن چندر فوت ہوا تو ان کی جنگ
پہنچ کے بڑے بیٹے دھرسیہ نے تخت حکومت پر قبضہ کر لیا۔ دھرسیہ بھی بدھ مذہب
کا پیرو اور بدھ منی عقائد سے متاثر تھا۔ دھرسیہ نے اردگرد کے علاقوں کو قبضے میں لا کر
اپنی حکومت کو خوب مضبوط کر دیا مگر اپنے چھوٹے بھائی داہرت جو انور میں مراں روانہ
کر رہا تھا کوئی تعرض نہیں کیا۔

بھائی سے بہن کی شادی | دھرسہ بہر کے پاس اس کی بہن مانی بھی رہتی تھی جس
تک اس کی شادی نہ ہوتی تھی دھرسیہ نے کہہ کیا کان کے ایک سرحدی نرماں
بہر اس کی شادی کی تجویز پختہ کر کے داہر بہت کچھ ساز و سامان پہنچا کر اہم کر کے
داہر کے پاس بہن اور سامان پہنچ کر روانہ کیا اور لکھا کہ جو کچھ تم سے ہو سکے گا پہنچا دو
میں اپنا جہیز شامل کرو اور فلاں شخص کے ساتھ اس کی شادی کر کے رجعت کرو
داہر نے بدھی من وزیر کے مشورہ سے اپنی جیتی بہن کے ساتھ خود شادی کر کے اس
کو اپنی بیوی بنا لیا۔ دھرسہ نے جب یہ حال سنا تو بہن آباد سے فوج لے کر انور پر
چڑھائی کی اور داہر کو محصور کر دیا مگر اسی محاصرہ کی حالت میں دھرسہ چچک کے
مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا اور داہر نے اس مصیبت سے چھوٹ کر بہن آباد کی ریاست
پر بھی قبضہ کر لیا۔ داہر ابھی بہن آباد ہی میں مقیم تھا کہ کیا کان کے حاکم نے
جس کے ساتھ دھرسہ نے مانی کی شادی تجویز کی تھی۔ ایک عظیم الشان فوج لے کر
انور پر چڑھائی کی۔ داہر اس فوج کشی کا حال سن کر سخت پریشان اور حواس باختہ
ہوا۔ بدھی من وزیر نے راجہ داہر کو توجہ دلائی کہ اس مہم کو علاقہ یوں کے سپرد کرنا چاہئے
چنانچہ داہر نے محمد بن حرث علانی کو بلوا کر اپنی پریشانی کا حال سنایا۔ محمد بن حرث
علانی نے اپنے پانچو غزنی سپاہیوں کو لے کر دشمن کے لشکر پر شب خون مارا اور سخت
کشت و خون کے بعد دشمن کو ہٹا دیا۔ دشمن کے ہزار ہا آدمی جو گرفتار ہوئے تھے
داہر کے سامنے پیش کئے گئے داہر نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ مگر محمد علانی نے کہا کہ
ان کو قتل کرنے کی بجائے ان پر احسان کیجئے اور جاں بخشی کر کے آزاد کر دیجئے۔ داہر
نے محمد بن حرث علانی کے اس عظیم الشان کارنامے سے خوش ہو کر اس کو لہنا وزیر اعظم

بنایا اور سرحد پر آبلہ، اظرف اپنا اور ایک طرف محمد علانی کا نام مضروب کرایا۔ تیس سال مکہ و مدینہ کے بعد ۳۹۴ھ میں دہر مارا گیا۔ محمد علانی کا حال آگے آتا ہے۔ یہ تمام حالات ۱۰۰۰ ہجری تا ۱۰۱۰ ہجری سنہ معصومی سے ماخوذ ہیں۔

حضرت قاسم کی علم آوری سے پہلے کے ہندوستان | حضرت فاروق اعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مکران تک مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ مکران کو جب مسلمانوں نے فتح کیا ہے تو ایرانیوں کے ساتھ سندھ میں بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا تھا۔ مسلمانوں نے جب مجوسی شہنشاہ کو فتح کیا تو اُس کی تمام حدود سلطنت تک مسلمانوں کا سفر فرما رہا تھا۔ ہر جگہ ایرانی شہنشاہی کے درہم پریم ہوتے۔ ہر جگہ لوگوں اُس کے صوبوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ وہ سب مسلمانوں کو اُن کے قبضے واپس لینے ضروری تھے کیونکہ ایرانی شہنشاہی مسلمانوں کے ہاتھوں ہم پریم ہوتی تھی مکران کے مجوسی پر ایک ایرانی سہ ہزار نے اپنا قبضہ جمایا تو مسلمانوں نے اُس کو چھین لیا۔ چونکہ سندھ میں نہا وند میں بھی جنگ ذات السلاسل میں بھی۔ جنگ قادسیہ میں بھی اور مکران میں بھی مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا لہذا مسلمانوں کو سندھ پر حملہ آوری کا حق حاصل ہو چکا تھا۔ مکران کے عامل نے مکران سے آگے بڑھ کر اُس حصہ ملک پر بھی قبضہ کرنا ضروری سمجھا جو سندھ کے راجہ ساہسی کے زمانے میں ایرانیوں کے قبضہ میں تھا اور تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ سندھ کے راجہ چچ نے اُس پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر حضرت فاروق اعظم نے مناسب نہ سمجھا کہ انتقام یا ملک گیری کے لئے ایک نئی سلطنت سے جنگ دہریا کا سلسلہ جاری کیا جائے چنانچہ فاروق اعظم کے زمانہ میں مسلمانوں نے کوئی حملہ ہندوستان کے کسی حصہ پر نہیں کیا۔

حضرت عثمان کے زمانے میں ہندوستان پر پہلا حملہ | فاروق اعظم کے بعد ۳۵ھ

تحت خلافت پر جلوہ افروز تھے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمن بن سمرہ عامل کرمان کو اجازت دی کہ سندھی فوجوں کو جو راجہ چچ کی اولوالعزمی کے سبب سرحد مکران پر جمع ہو کر حملہ کی دھمکی دے رہی تھیں نکال دے چنانچہ عبدالرحمن بن سمرہ نے حملہ کر کے سندھی فوجوں کو بھگا دیا اور مکران سے سرحد کی کانٹا تک کا تمام علاقہ چھین لیا یہی وہ علاقہ تھا جو چچ کی حکومت میں صرف چند سال سے شامل ہوا تھا۔ اس حملہ آوری کی اس سے بھی ضرورت تھی۔

کہ بہت سے مجوسی جو مسلمانوں کے دشمن تھے ایران سے بھاگ کر حج کی حکومت میں چلے آئے تھے اور اس علاقہ کو مسلمانوں کے لئے مروجہ خطر بنا دیا تھا۔ عبدالرحمن بن عمرہ سرحد کیس کا نان سے آگے نہیں بڑھا اور فوراً اس کو کابل کی طرف جانا پڑا۔ جہاں ایک بغاوت کا فرو کرنا ضروری تھا۔ اس حملہ آوری کو بمشکل ہندوستان پر مسلمانوں کی پہلی حصد آوری کہا جاسکتا ہے کیونکہ اصلی ملک سندھ میں اسلامی لشکر داخل نہیں ہوا تھا اسی مقربہ علاقہ میں جس کی مشرقی سرحد بلوچستان کے مشرقی پہاڑوں پر ختم ہوتی تھی ایک بغاوت برپا ہوئی جس کو سندھ کے راجہ نے امداد پہنچائی۔ اس بغاوت کے فرو کرنے اور سندھ کی فوجوں کے پیچھے ہٹانے کے لئے ستمہ میں حارث بن مرہ نامی ایک سردار نے عامل مکران کے حکم سے ایک ہزار سواروں کے ساتھ حملہ کیا اور بیس ہزار کے لشکر کو شکست دے کر امن و امان پھر بحال کر دیا۔ اس مرتبہ بھی اسلامی لشکر نے اپنی پہلی حد سے آگے قدم نہیں رکھا ستمہ یا ستمہ میں پھر اس علاقے کے اندر تہر و سرکشی کے علامات نمودار ہوئے اور حضرت امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن اسوار کو چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ بطور سرحدی محافظہ دستہ کے مشرقی سرحد پر قیام کرنے کا حکم دیا۔ یہاں موقع پا کر اور پہاڑ کے درے میں محصور کر کے بانیوں نے عبداللہ بن اسوار کو شہید کر دیا اس کے بعد سنان بن سلمہ مقرر ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد سنان کی جگہ راشد بن عمر مقرر ہوا۔ راشد نے اس ملک کا خوب انتظام کیا اور سرکشیوں سے مال گزاری و مول کی لیکن اس پر پچاس ہزار کے ایک لشکر نے جو باغیوں اور سندھیوں پر مشتمل تھا حملہ کیا۔ راشد اس معرکہ میں شہید اور اس کی جگہ پھر سنان بن سلمہ مامور ہوا۔

۳۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفہ نے **سندھ پر مسلمانوں کے حملے کی وجوہ** کابل کی بغاوت فرو کرنے کے بعد قندھار

کی طرف توجہ کی۔ یہاں کے باغی مفروب بن کابل کے ساتھ مل کر دریا سے سندھ کے اس طرف چلے آئے۔ کابل میں عام طور پر لوگوں کا مذہب بودھ اور قندھار میں آتش پرستی تھا اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کابل و قندھار فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے وہاں کے باشندوں کو اپنا مذہب بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا بلکہ وہ حکمرانوں برس بعد تک بھی اسلامی حکومت کے ماتحت اپنے اپنے مذہبوں پر عامل رہے

جیسا کہ تذکرہ الحفاظ جلد اول میں مقاتل بن حیان خراسانی کی نسبت لکھا ہے کہ
 ہر بانی ایام خروج ابی مسلم الخراسانی الی کابل ودعی خلقا الی بلادہم فاسلموا
 یعنی مقاتل بن حیان ابو مسلم خراسانی کے خروج کے زمانے میں کابل کی طرف بھاگ گئے
 اور وہاں لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسری
 صدی کا بھی ایک معقول حصہ گزر جانے کے بعد تک کابل میں غیر مسلم لوگ آباد تھے اور
 وہ کسی پادشاہ یا سپہ سالار کے خوف سے نہیں بلکہ ایک عالم کے وعظ و پند سے مسلمان
 ہوئے تھے غرض کابل اور قندھار کے باغیوں اور سرکشوں نے جو مسلمانوں کی مخالفت
 میں متحد ہو گئے تھے سندھ کے راجہ کی مدد داری میں آکر پناہ لی اور یہاں اُن کو ہر قسم
 کی امداد و اعانت ملی۔ مہلب بن ابی صفر نے اُن کے تعاقب کا سلسلہ جاری رکھا اور
 دہلیے سندھ کو عبور کر کے ملتان تک اُن کا تعاقب کیا۔ ملتان اس زمانے میں ملک
 سندھ کے شمالی حصہ کا صدر مقام تھا جہاں راجہ پیچ کا ایک واسرائل قیام رکھتا تھا
 مہلب نے ملتان کو فتح کر کے راجہ پیچ کو ایک سبق دیا کہ سلطنت اسلامیہ کے باغیوں کو
 پناہ دینی اور سرحدی علاقوں میں بغاوتیں نہایت خطرناک کام ہے۔ امیر مہلب
 ابھی قندھار سے ملتان تک کے نو مفتوحہ علاقہ کا کوئی بھی بند و بست کرنے نہ پایا تھا
 کہ فوراً اُس کو حکم بن عمرو غفاری کی طلب پر یہاں سے واپس جانا اور بلخ و ماوراء النہر کی مہموں
 میں شریک ہونا پڑا۔ مہلب جس مختصرے دستہ فوج کو یہاں چھوڑ گیا تھا وہ یہاں اپنے قدم
 جما نہ سکا اور پیچ کا علاقہ پھر مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ مہلب کا یہ حملہ جس کو ملک سندھ
 پر پہلا اسلامی حملہ کہہ سکتے ہیں ایک بگولہ تھا کہ آیا اور گزر گیا۔ مسلمانوں نے بلوچستان
 کے اس حصہ کو جو کران سے یککان تک وسیع تھا اپنے قبضہ میں رکھا اور چونکہ کچھ
 دلوں پر علاقہ سندھ کے راجہ پیچ کی حکومت میں رہ چکا تھا۔ اس لئے وہ اس علاقہ
 کو ملک سندھ کے نام سے تعبیر کرتے اور یہاں کے عاملوں کو ملک سندھ کا عامل کہتے
 رہے۔ سندھ کا راجہ پیچ ۵۵ھ میں فوت ہوا اُس کے بعد ۳۵ھ تک راجہ چندر نے
 حکومت کی چندر کے عہد حکومت میں مسلمانوں نے سندھ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی
 چندر کا رویہ اپنے مسلمان ہمسایوں کے ساتھ بہت مصالحانہ تھا اسی لئے اس کے عہد
 حکومت میں مسلمانوں نے کوئی حملہ سندھ کی سرحد پر نہیں کیا۔

راجہ داہر ۳۳۰ھ میں راجہ داہر سندھ کے تخت حکومت پر متمکن ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی حکومت اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے سخت خطرہ کی حالت میں تھی راجہ داہر کی تخت نشینی سے دو برس بعد یعنی ۳۵۰ھ میں خلیفہ عبدالملک اموی تخت نشین ہوا مگر شام و عراق و عرب و ایران و ترکستان و افغانستان وغیرہ میں جو جو گورنر مامور تھے وہ سب کے سب قریباً خود مختار تھے اور یہ فیصلہ ابھی تک نہیں ہوا تھا کہ آئندہ عالم اسلامی کا واحد فرمان روا یعنی خلیفہ المسلمین کون ہوگا۔ اسی افراتفری اور آپادھابی کے عالم میں گورنر قندھار کو ۳۵۰ھ میں راجہ داہر کے نائب السلطنت یعنی حاکم ملتان کا حلقہ روکنا پڑا اور ہندو لشکر کو اسلامی لشکر کے مقابل ملتان کی دیواروں تک قرار کی عار گوارا کرنی پڑی۔ اس کے بعد بہت جلد خلیفہ عبدالملک نے تمام امیدواران خلافت پر غلبہ پا کر اپنی خلافت کو خوب مضبوط و مستحکم بنا لیا اور آئندہ عرصہ دراز تک کے لئے تمام عالم اسلامی میں عبدالملک اور اس کی اولاد بلا شرکت غیرے فرمان روا رہی۔ عبدالملک بڑا ذی حوصلہ بہادر اور اولوالعزم شخص تھا مگر اس نے راجہ داہر اور ملک سندھ سے کسی قسم کا انتقام لینا اور حملہ آور ہونا مناسب نہیں سمجھا۔

عبدالملک بن مروان نے شوال ۳۵۰ھ میں وفات پائی اس کی وفات سے ایک سال پہلے یعنی ۳۴۸ھ میں ایک زبردست موجب جنگ اور سبب حملہ آوری پیدا ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے، مگر عبدالملک نے اپنے واسرائے حجاج بن یوسف کو سندھ حملہ کرنے سے روکا، اور درگزر ہی سے کام لینا مناسب سمجھا۔ اس کا سبب یہ تو ہرگز نہ تھا کہ مسلمان راجہ داہر اور ملک سندھ کی فوج سے ڈرتے تھے کیونکہ مسلمان چند ہی زہ ہوئے تھے کہ ایران۔ روم۔ مصر۔ ترکستان۔ افغانستان وغیرہ کو فتح کر چکے تھے۔ ان کے کسی معمولی سے سردار کو جب کبھی سندھ کے راجہ کی فوج سے لڑنا پڑا تو ہڈیوں کو شکست ہوئی۔ اس درگزر اور چشم پوشی کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہ تھا۔ ہلا وجہ اور معمولی اسباب کی بنا پر کسی سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اور اپنی نہایت ج سلطنت میں اور اضافہ کے خواہاں نہ تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ عراق و فارس کے سرہنوں اب صدیوں کے مقابلہ میں وہ سندھ کے ملک کو کچھ اچھا نہیں جانتے تھے۔ بہر حال ان لوگوں نے سندھ پر حملہ آور ہونے میں بہت ہی درگزر اور دیر کی۔

محمد بن قاسم کی حملہ دہلی کے اسباب | عبد الملک بن مروان اموی خلیفہ مسلمانہ

آکر اپنے مشہور سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کو ممالک مشرقیہ کا واسطے مقرر کیا۔ حجاج نے ادھار کو فہ میں آکر دہلی کا انتظام کیا پھر نہروہ میں پہنچ کر شہر میں سعید بن اسلم کلابی کو کمران کا عامل مقرر کر کے بھیجا۔ اس سے چند روز پیشتر کمران میں بعض فوجی سردار حجاج سے ناراض ہو کر اس کے احکام کی تعمیل سے انکار کر چکے تھے اور یہاں کی صورت معاملات بہت نازک ہو رہی تھی۔ سعید بن اسلم نے کمران پہنچ کر سرکش و نافرمان لوگوں کے سردار کو گرفتار کر کے بڑی بے دردی سے قتل کیا اور اس کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا۔

اسلامی حکومت کے دو باغی | قبیلہ بنی سامہ کے دو شخص جو آپس میں حقیقی بھائی

فوجی افراد اچھا اثر و اقتدار رکھتے تھے۔ یہ دونوں ایک طرف سعید بن اسلم سے رشتہ داری رکھتے تھے تو دوسری طرف اس سردار کے بھی رشتہ دار تھے جس کو سعید نے بے دردی سے قتل کیا تھا۔ ان دونوں پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے اعلان بغاوت کر کے تمام سرکشوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ ان دونوں کا نام حماد و معاویہ تھا ان کے بزرگوں میں کبھی شخص کا نام علاف تھا اس لئے یہ علاقہ کہلاتے تھے۔ محمد بن حوث علائی اور معاویہ بن حوث علائی دونوں بھائیوں نے علاقہ کمران کے بعض شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اور ان کی جمعیت بڑھ گئی یہ رنگ دیکھ کر سعید بن اسلم کلابی عامل کمران نے ان کی سرکوبی کے لئے خود شکرے کر حملہ کیا مگر لڑائی میں گرفتار ہو گیا علافیوں نے سعید کو قتل کر کے اس کے جسم کی کھال آڑواٹی اور اس کی لاش کو بے عزت کیا۔ پھر کمران پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ حجاج کو جب علافیوں کی اس شرارت و سنگ دلی کا حال معلوم ہوا تو اس نے علافیوں کے ایک رشتہ دار سلیمان علائی کو جو عراق میں موجود تھا اپنے قبیلے کا سردار تھا گرفتار کر کے قتل کیا اور اس کا سر سعید بن اسلم کے اہل و عیال کے پاس بھجوا دیا کہ وہ اس کو دیکھ کر تسکین حاصل کر لیں۔ اس کے بعد حجاج نے عبدالرحمن بن عشا کو علافیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا علافیوں نے عبدالرحمن بن عشا کو بھی شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد حجاج نے محمد بن سعید

تیبی کو خراسان کی سند گورنری دے کر بھیجا اور علاقوں کے فتنہ کو مٹانے کی تاکید کی۔ مجاہد بن سعید کے آنے پر علاقوں یعنی محمد و معاویہ نے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اور کسی میدان میں جم کر مقابلہ کرنا مناسب سمجھا مجاہد بن سعید ایک سال کے بعد فوت ہو گیا۔

راجہ داہر اور باغیوں کی حمایت | مجاہد کے بعد مجاہد بن محمد بن ہارون کو ملان اور سرحد ہند کا حاکم اور مختار کل بنا کر بھیجا کہ جس

طرح چاہے علاقوں کو گرفتار کر کے سعید بن اسلم کے خون کا انتقام لے۔ محمد بن ہارون نے اتنے ہی علاقوں کا تعاقب شروع کیا اور پانچ سال تک پہاڑوں اور صحراؤں میں علاقوں کے متعاقب سرگرداں رہا آخر معاویہ بن حارث علانی گرفتار ہو کر قتل ہوا اور محمد بن ہارون نے اُس کا سر حجاج کے پاس بھیج کر خط لکھا کہ میں محمد بن حارث علانی کو بھی ضرور گرفتار و قتل کروں گا۔ مگر محمد بن حارث علانی پانچ سو آدمیوں کی جمعیت لئے ہوئے حدود سلطنت اسلامیہ سے نکل کر راجہ داہر کے پاس شہرہ میں چلا آیا۔ راجہ داہر مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کو بڑے اطمینان سے دیکھ رہا تھا محمد علانی کے آنے سے بہت خوش ہوا اور بڑے عز و احترام کے ساتھ اُس کو اور اُس کی جمعیت کو اپنے یہاں لاکر رکھ لیا۔ جس زمانے میں علاقوں نے جنوبی و مشرقی بلوچستان میں بدامنی پھیلارکھی تھی اُسی زمانے میں افغانستان و شمالی بلوچستان میں عبدالرحمن بن محمد معہ ایک زبردست لشکر کے حجاج کی مخالفت پر آمادہ اور مصروف بغاوت تھا۔ حجاج کے تھے بہت پریشانی کے ایام تھے اور وہ کسی نئی جنگ کے چھیڑنے کو نامناسب سمجھتا تھا مگر اس نے جب محمد بن حارث علانی کے اس طرح بچ کر نکل جانے اور راجہ داہر کی گود میں جا کر بیٹھ جانے کا حال سنا تو خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ ملک سندھ پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اس ملک میں سلطنت اسلامیہ کے باغیوں کو نہ صرف پناہ دی جاتی ہے بلکہ اُن کی خوب خاطر مدارات کی جاتی ہے خلیفہ عبدالملک نے اس درخواست کے منظور کرنے اور ایک نئی لڑائی کے شروع کرنے میں تامل کیا۔ ابھی یہ درخواست زیر غور ہی تھی کہ عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے محمد بن حارث علانی نے اپنی شجاعت و بہادری دکھا کر اور راجہ داہر کے دار السلطنت التور کو نہایت

قوی دشمن کے پنجے سے بچا کر وزارت کا عہدہ حاصل کیا اور اس کا نام سلطنت سندھ کے سکوں میں مسکوک ہوا۔ علائیوں کے اس واقعہ کو اس لئے درج کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ بھی سندھ پر مسلمانوں کی حملہ آوری کا ایک نہایت معقول سبب ہو سکتا تھا۔ مگر مسلمانوں کی طرف سے دانستہ یا مجبوراً جو کچھ بھی سمجھو درگزر اور چشم پوشی ہی کا اظہار ہوا۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی ثبوت ہم پہنچتا ہے کہ محمد بن قاسم کی حملہ آوری سے آٹھ سال پہلے پانچ سو ہزار جنگجو مسلمان سندھ میں آکر آباد ہو چکے تھے اور وہ محمد بن قاسم کی حملہ آوری تک راجہ داسہر کی حکومت کے لئے ایک زبردست پشتی بان تھے اور جب اس ملک پر محمد بن قاسم نے حملہ کیا تو اسی علائی لشکر نے اسلامی لشکر کا سب سے زیادہ بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔

سندھ پر مسلمانوں کے حملے کا اصل سبب | جزیرہ سرائیپ اور علاقہ ملابار میں بکثرت مسلمان آباد تھے لہذا

اور بالدیپ کے جزیرے بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ سرائیپ کا راجہ اس سے پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بہت اچھا تھا۔ سلطنت اسلامیہ اب چونکہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی لہذا سرائیپ کے راجہ کو اپنی حفاظت و عافیت کے لئے بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ سلطنت اسلامیہ سے باقاعدہ تعلق پیدا کرے چنانچہ راجہ نے حجاج بن یوسف ثقفی کی عنایات کو اپنی طرف منہ بول کرنے کے لئے آٹھ جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا۔ ان جہازوں میں سرائیپ کے قیمتی تحائف بار کئے گئے۔ سرائیپ کے رہنے والے مسلمانوں اور مسلمان سوداگروں میں سے بعض اشخاص ان جہازوں میں اس لئے سوار ہوئے کہ اپنے وطن پہنچیں اور حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوں۔ بعض عرب سوداگر سرائیپ میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے ملک عرب میں واپس جانے کے خواہاں تھے ان کو بھی ان جہازوں میں سوار کر دیا گیا۔ حجاج کے لئے یہ بیڑا جو قیمتی ہدایا کے علاوہ حاجیوں، یتیموں اور یراؤں کو بھی ان کی منزل مقصود تک لارہا تھا نہایت قیمتی چیز تھا۔ یہ جہاز جب بحر عمان میں داخل ہونے لگے تو باد مخالف نے ان کو سمندر میں آوارہ و بے قابو کر کے ساحل دیبل پر پہنچا دیا۔ دیبل سندھ کا بندرگاہ اور راجہ داسہر کے مشہور شہروں میں سے ایک شہر تھا۔ یہاں راجہ کا ایک گورنر اور سب سے سالار

رہا کرتا تھا۔ ان جہازوں کو بندرگاہ میں خوب دھڑی دھڑی کر کے لوٹا گیا۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے جہازوں کو سندھی بیڑے میں شامل کر لیا گیا ان میں سے زوہ لوگوں میں سے کوئی ایک دو شخص کسی طرح بچ کر نکل سکا اور اس نے پہنچ کر جہازوں کے لئے۔ عورتوں بچوں اور عازمان حج کے گرفتار ہونے کی دل خراش داستان حجاج کو سنائی اور یہ بھی کہا کہ ایک بیوہ عورت بہر جب تشدد ہوا تو وہ بے اختیار پلا اٹھی کہ یا حجاج اغثنی (اے حجاج مجھے بچاؤ) یہ بھی کہا کہ راجہ سراندیپ کے کارندوں نے بھی بہر چند سمجھایا کہ ہمارے راجہ کے جہاز ہیں اور اس نے ہم کو بطریق سفارت بھیجا ہے تم درگزر وادہم کر جاتے دو مگر انہوں نے کچھ نہیں سنا اور سب کو گرفتار کر لیا۔ حجاج کو اس حادثہ کی کیفیت سن کر سخت ملال ہوا اور اس نے فوراً راجہ داسر کو ایک خط لکھا کہ

”تمہارے سرداروں نے بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار اور جہازوں پر معہ تحائف و اموال قبضہ کر لیا ہے۔ جہاز معہ سامان ہمارے پاس بچھاؤ اور بے گناہوں کو آزاد کر کے اپنے سرداروں کو سزا دیجئے۔“

جب حجاج کے قاصد یہ خط لے کر داسر کے پاس پہنچے تو داسر نے اس معقول استدلال پر جواب نہایت بے پروائی کے ساتھ یہ دیا کہ جہازوں کے لوٹنے والوں پر ہمارا بس نہیں چلتا تم خود ان سے آکر اپنے قیدی چھڑاؤ اور اپنا مال و اسباب لے لو۔ راجہ داسر کے اس جواب کے ساتھ جب اس بات کو بھی ذہن میں رکھا جائے کہ جہازوں کے مسافر قیدی حجاج کا ضبط پہنچنے سے پہلے دارالسلطنت آکر وہیں پہنچے ہوئے جیل خانہ میں موجود تھے تو راجہ کے اس جواب کی نامقولیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اب ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے حملہ آوری کا استحقاق پیدا ہو گیا تھا یا نہیں۔ اگر اب بھی اسلامی لشکر حملہ آور ہونے میں تا مل کرتا اور اپنے قیدیوں کو چھڑانے اور راجہ داسر کو سزا دینے میں تاہل سے کام لیتا تو اس سے بڑھ کر سلطنت اسلامیہ کے وقار کو نقصان پہنچانے والی دوسری بات نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ کہنا کہ مسلمان ہندوؤں کو زیر دستی مسلمان بنانے کے لئے بلاوجہ حملہ آور ہوئے تھے کس قدر غلط اور جھوٹ ہے۔ اسی جھوٹ اور کذب و افترا کا پردہ چاک کر کے لئے یہ تمام کیفیت سنائی پڑی ہے جو تاریخ سندھ و ہندوستان پرچ نامہ اور دوسری مختلف تاریخوں سے اخذ و ملخص ہے تا سچ فرشتہ کے مختصر الفاظ

یہ ہیں کہ

”حاکم سرانندپ چون بسلاطین اسلام اقتقاد فراوان داشت از رویا کشتی علو
از تحف و ہدایا و غلامان و کنیزان بہت ولید سعادت فارا اختلاف ساخت و چون بحالی
باسپہ مجسم رسید مردم لوہک کہ بحکم حاکم دیہل ہر روز سے دریا منزد بودند سر راہ
ہر آن کشتی گرفتہ باہفت کشتی دیگر بہعرف درآوردند و امرا ل و اشیاء سے کہ
در آنہا بود از خود گرفتہ چند زن مسلمان کہ از سرانندپ روانہ گئے بودند آنہارا
اسیر ساختند و جھیکہ از دست آن کفار اشرار توفیق گرفتہ یافتنہ بودند نزد
عہدہ رختہ دادخواہ شدند عہدہ مکتوبے بحاکم سندھ داہرین حصہ نوشتہ
نزد محمد ہارون فرستاد تا بدست ستمدان خود نزد داہر فرستاد و ہر بعد ہد و نامہ
و اطلاع ہر مضمون آن در جواب نوشت کہ ایں عل از قومے بدو توغ آمدہ کہ در کمال
ثوکت و قوت اند و بدستگیری سعی دفع آن کردہ بر شکوہ منصوب نیست چون ایں خبر
بجہا ج رسید از ولید بن عبد الملک نصبت نرا حاصل کردہ بدیل شخصے ربابی
صدا ہوا نزد محمد ہارون فرستاد۔“

ایک تاریخی غلط فہمی کا ازالہ | فرشتہ کے ان الفاظ سے کہ داہر نے جواب میں لکھا
کہ ”یہ کام ایک ایسی قوم سے دتوئے پذیر ہوا ہے جو
بہت بڑی قوت و شوکت رکھتی ہے اور کسی کوشش کے ذریعہ اس گروہ کا دفع کرنا ممکن نہیں“
لوگوں کو یہ دھوکا دیا گیا ہے کہ داہر کا یہ مطلب تھا کہ بحری ڈاکوؤں نے جہازوں کو لوٹا ہے اور
ہم ان ڈاکوؤں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے حالانکہ فرشتہ کے الفاظ میں داہر کا جواب یہ ہے کہ حاکم
دیہل کے حکم سے جن لوگوں نے جہازوں کو لوٹا وہ اس قدر شوکت و قوت رکھتے ہیں کہ تم ان
کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے مدعا یہ کہ ہاں! ہم نے تمہارے آدمیوں کو قید کیا اور تمہارے جہازوں کو
لوٹا ہے اور تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اسی لئے عہدہ کو ولید بن عبد الملک سے لڑائی کی اجازت
لینی پڑی۔ فرشتہ سندھ کے طوفان اور ابد مخالف کا ذکر نہیں کرتا اور اس لئے اُس نے ہندو دیہل
کے اندر جہازوں کے لئے اور گرفتار ہوئے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ دوسرے تمام مورخ جہازوں
کا طوفان کے سبب ہندو دیہل میں آنا بیان کرتے ہیں۔ چونکہ فرشتہ کو اختصار مد نظر تھا
اور اُس کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ کسی آئندہ نامہ میں یہ واقعہ اس قدر غور و غوض کا محتاج بنے گا

لہذا اس نے غیر ضروری سمجھ کر تفصیلات کو ترک کر دیا۔ بحری ڈاکوؤں کو پرتگیزیوں کے بحر ہند میں آنے سے پہلے کوئی جانتا ہی نہ تھا نہ بحر عرب میں پہلی صدی ہجری کے اندر کسی بحری ڈاکہ زنی کا کہیں ذکر آتا ہے۔ نہ اُس زمانے میں یہ ممکن تھا کہ محض ڈاکو کسی سلطنت کے ملازم نہ ہوں اتنا بڑا اور طاقتور جہازوں کا بیڑا لے ہوئے ہند میں گھومتے پھریں کہ نہ صرف ایک جہاز بلکہ آٹھ جہازوں کے بیڑے کو باسانی مغلوب کر سکیں یہ بحری ڈاکوؤں کی کہانی بارہویں صدی عیسوی سے بعد کی ایجاد ہے۔ اگر اس کہانی کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے ہند کو فتح کیا ہے تو وہ عورتیں اور بچے جو ان جہازوں پر سے قید کئے گئے تھے دارالسلطنت الہور کے قید خانے سے برآمد ہوئے۔

اصلیت یہ تھی کہ راجہ داہر کو سلطنت اسلامیہ کی بغاوتوں سے خصوصی دلچسپی تھی۔۔۔ افغانستان و بلوچستان کے علاقوں میں واقعہ کر بلا کے بعد سے ۵۵۰ھ تک یعنی بیس پچیس سال تک سلطنت اسلامیہ کا رعب و اقتدار محض اس لئے معرض خطر میں رہا کہ خود مسلمان عامل مرکزی حکومت سے باغی ہوتے رہے راجہ داہر مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کو بہ نظر استحسان دیکھتا رہا اگر بات یہیں تک ہوتی تب بھی راجہ داہر خطا وار نہ تھا۔ لیکن اُس نے پیہم باغیوں کو اپنے یہاں پناہ دی اور خارجیوں، مزدقیوں اور شاہی مجرموں کو سندھ میں پناہ ملتی رہی چنانچہ ملتان اور القد میں محمد عفانی کے آنے سے بھی پہلے بعض باغیان حکومت اسلامیہ کے موجود ہونے کا ذکر ابو الفدا و ابن خلدون وغیرہ تاریخوں میں موجود ہے۔ غالباً انھیں باغیوں کی موجودگی کا یہ اثر ہو گا کہ داہر سلطنت اسلامیہ کی طاقت کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور اُس نے خود مسلمانوں کو حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور سلطنت ایران کے صوبے مسلمانوں کے قبضے میں نہ دیکھ سکا اور اُن کو خود اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اگر اُس کو مسلمانوں کی طاقت کا صحیح اندازہ ہوتا تو وہ حجاج کے خط کو ایک نہایت موزوں ذریعہ تعارف اور تحریک اتحاد قرار دے کر قیدیوں کو عزت کے ساتھ بھیج دیتا اور معذرت کر کے آئندہ کے لئے تعلقات دوستی قائم کر لیتا۔

حجاج کے پاس جب راجہ داہر کا جواب پہنچا جس میں جہازوں کا مال
سندھ پر حملہ واپس کرنے اور قیدیوں کے چھوڑنے سے انکار اور خود حجاج کو

مقابلہ پر بلائے کا جیلخ موجود تھا تو حجاج نے عبداللہ بن ناہیان سلمیٰ کو ایک مختصر فوج دے کر روانہ کیا کہ جا کر دیبل پر قبضہ کرے۔

عبداللہ سلمیٰ ابھی دیبل تک نہیں پہنچا تھا کہ راتے ہی میں داہر کے بیٹے کیشب (رجس) نے جنوبی بلوچستان میں پیش قدمی کر کے اُس کا مقابلہ کیا اور عبداللہ سلمیٰ اس لڑائی میں شہید اور اُس کی فوج شکست یاب ہوئی۔ اس ناکامی کا حال جب حجاج کو معلوم ہوا تو اُس نے بدیل مجائی کو چار ہزار فوج دے کر روانہ کیا اور محمد بن رونا مال کمران کو لکھا کہ حسب ضرورت بدیل کی مدد کرے۔ بدیل اپنا لشکر لے ہوئے ابھی دیبل نہیں پہنچا تھا کہ کیشب ابن داہر ایک زبردست فوج اور جنگی ہاتھیوں کا بہت بڑا حلقہ لے ہوئے سدوہ ہوا۔ طرفین نے خوب خوب دادرمانگی دی اور صبح سے شام تک معرکہ کارزا گرم رہا آخر ہاتھیوں کے حملہ سے بدیل کا گھوڑا ایسا بھڑکا کہ بدیل گھوڑے سے گرا مگر وہ پیدل ہی لڑتا رہا یہاں تک کہ دشمنوں کے نرغہ میں آ کر شہید ہوا اور اسلامی لشکر کے اکثر حصے نے بدیل کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ چند بقیہ السیف نے جا کر حجاج کو اس شکست اور اسلامی لشکر کی تباہی کا حال سنایا۔ اب حجاج کی آنکھیں کھلیں اور اُس نے سمجھا کہ سندھ کا راجہ مقابلہ کی کافی تیاری کر چکا ہے اور اس کا تدارک خصوصی اہتمام اور غلیفہ کی دوبارہ منظوری کا محتاج ہے چنانچہ اُس نے ولید بن عبد الملک کی خدمت میں پھر ایک درخواست بھیجی اور ملک سندھ پر چڑھائی کر کے اُس کے فتح کر لینے کی اجازت چاہی غلیفہ نے اس درخواست کو بہت تامل کے بعد اُس وقت منظور کیا جب کہ حجاج نے اس ہم کے لئے اپنی ذات پر بہت سی ذمہ داریاں عاید کیں۔ عبداللہ سلمیٰ اور بدیل کے مقتول ہونے کا حال سن کر شہر نیرون (ملک سندھ) کے امراء نے جو سب بدھ مذہب کے پیرو تھے آپس میں مشورہ کیا کہ راجہ داہر نے مسلمانوں سے جنگ چھیڑ کر بڑی غلطی کی ہے۔ اگرچہ ان ابتدائی معرکوں میں راجہ کی فوج کو فتح حاصل ہوئی ہے لیکن اب مسلمان اپنے مقتولوں کا عوض لئے بغیر سرگز باز نہ آئیں گے اور وہ ضرور ملک سندھ پر حملہ آور ہو کر اس کو فتح کر لیں گے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کی اس حملہ آوری سے پہلے ہی اپنے لئے امان طلب کر لیں ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں چنوں کے ساتھ گھٹن نہ پس جائے چنانچہ اہل نیرون نے خفیہ طور پر اپنا ایچی حجاج کی خدمت میں روانہ کر کے درخواست

کی کہ ہم اپنے اوپر آپ کی مال گذاری تسلیم کرتے ہیں جو بلا چون و چرا ادا کی جائے گی آپ ہم کو امان نامہ لکھ دیجئے۔ حجاج نے فوراً امان نامہ لکھ کر ایچی کے سپرد کیا اور اہل نیروں اس سے بہت مطمئن ہو گئے۔

محمد بن قاسم کی سندھ کی جانب روانگی | تیاری کرنا چاہی تو سب سے پہلے

عاصم بن عبد اللہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ مجھے اس مہم کا سردار بنایا جائے مگر حجاج نے اپنے داماد محمد بن قاسم بن محمد بن حکم بن ابی غنیل ثقفی کو جو فارس کا گورنر اور صرف سترہ سال کی عمر کا لڑکا تھا انتخاب کیا۔ محمد بن قاسم شیراز میں مقیم اور فارس کی فرماں روائی میں بڑی قابلیت اور دانائی کا اظہار کر چکا تھا۔ حجاج نے محمد بن قاسم کو شیراز سے اپنے پاس طلب کر کے مناسب ہدایات کیں عراقیوں کے مقابلے میں چونکہ شامیوں پر زیادہ اعتماد تھا اس لئے ملک شام کے چھ ہزار شریف و تجربہ کار اور بہادر سپاہی جنھوں نے ملک حجاز سے آکر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی محمد بن قاسم کے ساتھ گئے۔ یہ تمام وہ لوگ تھے جن کی نسبت حجاج کو یقین تھا کہ یہ ہمیشہ اپنے سردار کے وفادار و غیر خواہ رہیں گے اور کسی موقع پر بھی بزدلی یا پست ہمتی کا اظہار نہ کریں گے نہ کبھی اپنے سردار کی نافرمانی کا خیال دل میں لائیں گے۔ یہ چھ ہزار سوار بنزلہ شاہی معتمد رسالہ کے تھے۔

حجاج نے محمد بن قاسم کو حکم دیا کہ تم ان چھ ہزار سواروں کو لے کر شیراز میں پہنچو اور میری ہدایات اور باقی فوج کا انتظار کرو چنانچہ محمد بن قاسم شیراز پہنچا حجاج نے چھ ہزار عراقی فوج ہونتر سوار تھی عقب سے بھیجی تین ہزار اونٹ بار برداری کے لئے الگ روانہ کئے اس طرح بارہ ہزار سپاہی دستری سوار اور تین ہزار بار برداری کے اونٹ تھے یعنی سہ چار سپاہیوں کا سامان ایک ایک اونٹ پر لدا ہوا تھا۔ تمام سامان یہاں تک کہ سوئی تاگا تک بھی سپاہیوں کے لئے مہیا کر دیا گیا تھا تاکہ کسی چیز کی اُن کو سفر میں تکلیف نہ ہو۔ محمد بن قاسم کو حجاج نے حکم دیا تھا کہ روزانہ اپنے اور تمام لشکر کے حالات میرے پاس لکھ کر بھیجتے رہو اور میرے احکام جو تمھارے پاس برابر پہنچتے رہیں گے اُن کی پوری پوری تعمیل کرو۔ یہ لشکر شیراز سے روانہ ہو کر کرمان پہنچا تو محمد بن ہارون عامل کرمان نے محمد بن قاسم کا استقبال کیا اور اپنی تین ہزار فوج لے کر محمد بن قاسم کے ہمراہ ہو گیا۔ کرمان سے چل کر یہ لشکر جب اردن پہلی

میں پہنچا تو یہاں راجہ داس کراٹھ کر موجود تھا جو شکست کھاکر فرار ہوا۔ اسی جگہ یعنی ارمن پہلیہ یا ارہا بیل میں محمد بن ہارون قوت ہو گیا۔ محمد بن قاسم ادھر شیراز سے فوج لے کر روانہ ہوا ادھر حجاج نے بصرہ سے حزم بن منبہ کی سرکردگی میں جہازدار کا ایک بیڑا روانہ کیا جس میں سامانِ رسد کے علاوہ قلعہ کشائی کے آلات اور مہینقیق بھی تھے۔ ان میں ایک مہینقیق جس کا نام عروہ تک تھا سب سے بڑی ٹہنی جس کو پانچ سو آدمی کینچہ سے لے کر ایک مہینقیق کو چلانے والا، ستاد جو بہ نامی ایک شامی تھا جو بڑا قادر انداز بیڑا، محمد بن قاسم جو بیل پہنچا تو یہ بیڑا بھی دیبل پہنچ گیا اور اس سے لشکر اسلام کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔

دیبل کی فتح | اسلامی لشکر نے آنے ہی دیبل کا محاصرہ کیا آٹھ دن تک میدانِ کارزار گرم رہا اور داس کراٹھ کے بیٹے کینتب نے جس کو اسلامی تاربخوں میں ہادیہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے، محصور ہو کر بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ دیبل شہر کے وسط میں ایک بہت بڑا مندر تھا اس کے اندر بدھ کی مورت براجمان تھی مندر کا گنبد بہت بڑا اور بلند تھا جو دور دور سے نظر آتا تھا اس گنبد کی چوٹی پر ایک بہت لمبے بانس بیڑا پھرا آویزاں تھا۔ اس علم کی نسبت شہر والوں کا اذیتا د تھا کہ بسبب تک یہ ہوا میں لہرا رہا ہے شہر کو کوئی فوج فتح نہیں کر سکتی شہر والوں کے اس عقیدے کا حال محمد بن قاسم کو معلوم ہوا تو اس نے جوہر مہینقیقی کو بلا کر حکم دیا کہ اس جھنڈے کو نشانہ بناؤ جوہر نے مہینقیق میں پتھر رکھ کر اس خوبی کے ساتھ پھینکا کہ پہلے ہی پتھر میں وہ جھنڈا ٹوٹ کر نیچے گر پڑا۔ اس کا شہر والوں اور خود ان کے سپہ سالار بے سیر پر یہ اثر ہوا کہ سب نے ہمت ہار دی۔ بے سیر چار ہزار فوج لے کر راتوں رات شہر سے نکل بھاگا اور کچھ فوج شہر کی حفاظت اور مدافعت کے لئے چھوڑ گیا جو برابر مصروف مدافعت اور مشغول جنگ رہی۔ آخر مسلمانوں نے بزدل شہنشاہ دیبل کو فتح کر لیا۔

سب سے پہلے جو شخص فصیل شہر پر چڑھا وہ خزیمہ کوفی اور اس کے بعد دوسرا شخص عجل بن عبد الملک بصری تھا۔ جو شخص ہتھیار بند اور برسرِ مقابلہ تھے گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ عام باشندگان شہر کے لئے معافی اور امن دانا کا اعلان ہوا۔ دیبل کے جیل خانہ کا محافظ بھی گرفتار ہو کر محمد بن قاسم کے روہرہ آیا اس نے ترجان کے ذریعہ اپنی بے گناہی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا ثبوت اس طرح پیش کیا کہ دیبل کی

فوج کے جو لوگ سندھی فوج نے گرفتار کئے تھے وہ دیبل کے جیل خانہ میں میسرے زیر نگرائی رکھے گئے تھے میں نے ان مسلمان قیدیوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا اور روزانہ اُن کو ہتھوڑی فتوحات اور آمد کی خبریں سناتا کر مسرور کرتا رہا اور اب جب کہ جے سیہ یہاں سے چلا گیا اور آپ نے فصیل شہر پر قبضہ کیا تو میں نے اُن کو جیل خانہ سے رہا کر دیا جو سب کے سب وہاں سے نکلے ہی آپ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ آپ ان تمام باتوں کو اُن سے تصدیق فرما سکتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اُن کو بلا کر تصدیق چاہی تو انھوں نے کہا کہ یہ ایک بہت بڑا پنڈت اور اپنے مذہب کا عالم فاضل شخص معلوم ہوتا ہے اُس نے ہمارے ساتھ بڑی مہربانی کا برتاؤ کیا ہے اور یہ اسلام کا دل سے معتقد ہو چکا ہے محمد بن قاسم نے اُس پنڈت کا بہت شکر یہ ادا کیا اور اُس حسن سلوک کے عوض اُس کو شہر دیبل کا حاکم اعلیٰ مقرر کر کے حمید بن ذراع کو اُس کی ماتحتی میں دیبل کا شہنشاہ یا پولیس سر مقرر کیا۔ غیر مصافی لوگ اور اُن کی جائداد و اموال بالکل محفوظ رہے۔ سامان جنگ و شاہی اموال و خزانہ جو دیبل میں موجود تھے وہ فائقین کے قبضہ میں آئے۔

ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج کے پاس روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے۔ دیبل کے مفتوح ہونے کا حال سن کر راجہ داہر نے محمد بن قاسم کو ایک خط لکھا جس میں اُس کو اپنی قوت و شوکت سے ڈرایا گیا تھا کہ تم اس فتح پر مغرور نہ ہو جانا ہم تمھارا قسم بھی لگا نہ چھوڑیں گے اور اچھی طرح اس گستاخی کا سزا چکھائیں گے۔ محمد بن قاسم نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ۔

”ہم نے آپ پر آپ کی اس بد اعمالی کے سبب پڑھائی کی ہے کہ آپ نے سرانديپ کے جہازوں کا مال جو خلیفہ کے لئے جاتا تھا لوٹ لیا اور بے گنا مسلمانوں کو پکڑ کر قید کیا۔ عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنایا ہمارے خلیفہ کے فرمان کا ادب ساری دنیا کرتی ہے مگر آپ نے اس کا کچھ بھی پاس نہ کیا مجھ کو خلیفہ نے حکم دیا ہے کہ آپ کو اس گستاخی و بد اعمالی کی سزا دوں۔ آپ نے جو اپنی شوکت و قوت کی نسبت لکھا ہے اُس سے اطلاع حاصل ہوئی مگر ہم لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم“

محمد بن قاسم کے اس جواب میں حملہ آوری کی وجہ صاف طور پر مذکور ہے اس لئے ہم کو اب زیادہ تلاش و جستجو میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

مسلمانوں نے سندھ کو کس طرح فتح کیا | دیبل کی فتح اور انتظام سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم نیرون کی جانب گیا اس شہر کے امراء نے پہلے ہی حجاج سے امان طلب کر لی تھی چنانچہ یہ لوگ مناسب تحف و ہدایا اور سامان رسد لے کر اپن شہر سے چلے اور رلتے میں لشکر اسلام سے مل کر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے سامان رسد اور تحف و ہدایا پیش کئے اور بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ محمد بن قاسم کو اپنے شہر میں لے گئے۔ محمد بن قاسم نے بھی ان لوگوں کے ساتھ نہایت محبت و اخلاق کا برتاؤ کیا اور کسی قسم کا نقصان اس شہر کو نہیں پہنچا۔

یہاں سے محمد بن قاسم بہروٹ کی طرف روانہ ہوا وہاں راجہ داہر کے بھتیجے نے قلعہ بند ہو کر سات روز تک مقابلہ کیا۔ آخر ایک روز رات کو موقع پا کر فرار ہوا اور شہر کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اس کے بعد جاٹوں کے ایک لشکر نے اسلامی فوج پر شجھون مارنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے بہت سے جاٹ گرفتار ہو کر آئے محمد بن قاسم نے ان کو نصیحت کر کے رہا کر دیا اور کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ ان لوگوں نے جب مسلمانوں کو اس قدر رحم دل اور بردبار دیکھا تو ان کے دل پر اسلامی اخلاق کا بہت ہی گہرا اثر ہوا اور یہی عفو و درگزر کا سلوک تھا جس نے جاٹوں کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ بخوشی دین اسلام قبول کر لیں۔

سیوستان پر قبضہ | سیوستان میں راجہ داہر کا بھتیجا بھجرا (جے رائے) حکمران تھا جب محمد بن قاسم نے اس طرف کا عزم کیا تو وہ مقابلہ پر آمادہ ہوا لیکن باشندگان شہر نے جن میں بدھ مذہب کے بڑے بڑے عالم بھی تھے ایک جلسہ کر کے یہ طے کیا کہ چونکہ مسلمانوں سے جو شخص امان طلب کرتا ہے وہ اُس کو امان دیتے اور اپنے وعدوں کو ضرور پورا کرتے ہیں اس لئے ان سے لڑنا اور جنگ کرنا مفید نہیں ہے چنانچہ انھوں نے جے رائے کی خدمت میں عرض کیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیجئے اور صلح و آشتی سے کام لیجئے مسلمان درخواست صلح کو رد نہیں کرتے

اور کسی کے ذہب میں دخل نہیں دیتے لہذا کشت و خون کا ہنگامہ بپا کرنا فضول ہے مگر بچے رائے نے اُن کی بات کو نہ مانا اور فوج آراستہ کر کے مقابلہ پر آؤٹا کرتے ہوئے نکم لڑائی جاری رہی۔ ہی ایک روز بچے رائے نے اپنا ایک جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا اس جاسوس نے مسلمانوں کو نواز باجماعت پڑھے ہوئے دیکھا اور جا کر کہا کہ اگر یہ لوگ اس قدر متحد متفق ہیں کہ اُن کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے۔ بچے رائے سرعہ سر پہ کر دیا۔ ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا اور مسلمانوں کا سیوستان پر قبضہ ہوا۔ محمد بن قاسم نے یہاں کے باشندوں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور یہاں کے پٹنوں کو انعام و اکرام سے بہرہ ور کر کے ملک کے انتظامی عہدوں پر مامور کیا۔

فتح سیوستان کے بعد اسلامی لشکر مقام بدھیک کی طرف بڑھا یہاں کا حاکم آکاٹا بڑا بہادر اور سیاست داں تھا اس کے پاس جاٹوں کی ایک زبردست فوج تھی اس فوج کے سپہ سالار کا نام بہن تھا۔ آکاٹا کو مسلمانوں کی فتوحات اور اُن کے اخلاق و عادات کا بخوبی علم تھا۔ اُس نے ایک مجلس مشورت منعقد کر کے کہا کہ مسلمان ہندوستان کو ضرور فتح کر لیں گے جیسا کہ میں نے پُرانے نوشتوں میں ہندوؤں کی پیش گوئیاں دیکھی ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنا خطرات سے خالی نہیں تم کو معلوم ہے کہ میری بہادری اور جنگ جوئی مسلمہ ہے میں بہت سے بڑے بڑے معرکوں میں ناموری حاصل کر چکا ہوں میری رائے یہ ہے کہ ہم کھلے میدان اور دن کی روشنی میں اُن کا مقابلہ نہ کریں بلکہ اُن پر شجوں ماریں اسی طرح کامیابی کی اُمید کی جاسکتی ہے چنانچہ نہایت تجربہ کار اور بہادر جاٹ انتخاب کر کے ایک ہزار کا لشکر شجوں مارنے پر متعین کیا گیا یہ لشکر راستہ بھول جانے کی وجہ سے اسلامی لشکر گاہ تک نہ پہنچ سکا اور صبح تک ریگستان میں آوارہ رہا۔ اس ناکامی کو دیکھ کر اگلے دن کا کام اپنے سواروں اور امیروں کے لشکر اسلام کی طرف روانہ ہوا راستہ میں بنادہ بن ذقلہ سے جو اسلامی لشکر کے مقدمہ الجیش کا سردار تھا ملاقات ہوئی آکاٹا کی خواہش پر بنادہ آکاٹا کو محمد بن قاسم کے پاس لے گیا محمد بن قاسم بڑی عزت کے ساتھ آکاٹا سے ملا۔ اُس نے شجوں کا حال سنا کر کہا کہ اب میں آپ کی فرماں برداری کا اقرار کرتا ہوں۔

محمد بن قاسم نے آکاٹا کو ہمیر ہند کہہ کر مخاطب کیا اور کہا کہ تمہارے آکاٹا کو امیر ہند کا خطاب یہاں خلعت کا کیا دستہ ہے اس نے کہا کہ ہم لوگ قوم کے

جاٹ اور پندھ مذہب کے پیرو ہیں ہمارے یہاں کاؤستور ہے کہ جب راجہ کسی شخص کو معزز قرار دیتا ہے تو اس کو سر دربار پوشین لباس پہنا کر اور سر پر گڑھی باندھ کر کمری پر بٹھایا جاتا ہے محمد بن قاسم نے اسی طرح کا کاؤ خلعت پہنا کر کمری پر بٹھایا اور اس کی عزت کو بڑھایا اس کے بعد کا کا محمد بن قاسم کے ہمراہ بطور مشیر و مصاحب رہنے لگا۔ محمد بن قاسم نے انتظام ملک اور امور مہمہ میں کا کا کے مشورہ کو ضروری خیال کیا کا کا کو اسلامی لشکر کے ایک حصہ کی سپہ سالاری بھی عطا کی گئی کا کا کی تحریک سے بہت سے جاٹ اسلامی لشکر میں بھرتی ہو گئے کا کا کے بعد اور بھی چھوٹے چھوٹے رئیسوں نے اطاعت قبول کی اور محمد بن قاسم نے کا کا ہی کے مشورہ سے اُن پر زرخراج مقرر کیا۔ اس طرح محمد بن قاسم دہلیئے سندھ کے مغربی کنارے کا تمام ملک فتح کرتا ہوا شمال کی جانب دور تک چلا گیا۔

بجے رائے نے قلعہ سیم پر اپنی پوری طاقت کے ساتھ محمد بن قاسم کا مقابلہ کیا اور لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ابھی چونکہ راجہ داہر کا مقابلہ باقی تھا لہذا بجے سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم جنوب کی جانب واپس ہوا اور مقام نیروں میں آ کر قیام کیا جس قدر علاقہ فتح کر چکا تھا اُس کا بخوبی بندوبست کر دیا۔

سندھ میں پہلی مسجد نیروں میں مسلمانوں کے لئے ایک مسجد بڑائی اور باشندگان سندھ نے اسلام سے واقف ہو کر بخوشی اسلام میں داخل ہونا شروع کیا۔ ان نو مسلموں میں جاٹوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط پہنچا کہ اب دیا کو عبور کرو اور راجہ داہر سے فیصلہ کُن جنگ کرنے اور بے گناہ مظلوم مسلمانوں کا انتقام لینے میں پس دیش اور تامل نہ کرو چنانچہ محمد بن قاسم نیروں سے لشکر لے کر چلا دیا کہ کنارے ایک ہندو سپہ سالار موکا پسر بسایا اور اُس کے بھائی راسل پسر بسا یا نے مقابلہ کیا۔ اسلامی لشکر کو فتح حاصل ہوئی۔

راسل تو دیا کو عبور کر کے داہر کے پاس چلا گیا مگر موکا معہ تین سواروں کے محمد بن قاسم کے پاس چلا آیا۔ محمد بن قاسم نے اُس کی خوب خاطر مدارات کی اور جس حصہ ملک پر وہ حاکم تھا اُس کی سند حکومت لکھ کر اُس کو دے دی اور کا کا کی طرح موکا کو بھی خلعت عطا کر کے بہت سا نقد انعام بھی اپنے پاس سے دیا۔

مولانا اسلامی ادھر ذکر ہو چکا ہے کہ دیہل کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے وہاں کا حاکم اعلیٰ ایک پنڈت کو مقرر کیا تھا۔ اس پنڈت نے اگرچہ شروع ہی سے اپنے آپ کو مسلمانوں کا ہمہ روش ثابت کیا تھا۔ اب اسلام سے کماحقہ واقف ہونے اور مسلمانوں کی بلند حوصلگی کا معائنہ کرنے کے بعد اُس نے نیرون میں آکر محمد بن قاسم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور مولائے اسلام یا مولانا اسلامی کا خطاب پایا محمد بن قاسم نے مولانا اسلامی کو سفارت کے لئے منتخب کیا اور اُن کے ہمراہ ایک شامی سردار کو بھی راجہ داہر کے پاس روانہ کیا۔ یہ سفارت جب راجہ داہر کے دربار میں پہنچی تو داہر نے شامی سے تو کچھ نہ کہا مگر مولانا اسلامی سے کہا کہ تو نے قدیمی دوستوں کے موافق مجھ کو سلام کیوں نہیں کیا مولانا اسلامی نے کہا کہ میں اب سلمان ہو چکا ہوں ہم مسلمان نہ غیر اللہ کے سامنے جھکتے ہیں نہ کافروں کو سلام کرنا ضروری سمجھتے ہیں داہر نے کہا اگر تو ایچی بن کر نہ آیا ہوتا تو میں تجھ کو ابھی قتل کر دیتا مولانا اسلامی نے کہا کہ اگر تو مجھ کو قتل کرنا تو مسلمان تجھ سے ضرور میرے خون کا بدلہ لیتے آخر اس سفارت نے محمد بن قاسم کا پیغام سنایا کہ یا تو تم اپنا لشکر لے کر دریا کے اس طرف آ جاؤ یا ہم کو اجازت دو کہ ہم دریا کے اُس طرف عبور کر آئیں اور تم سے نہر داؤزا ہوں۔

اس پیغام کو سن کر راجہ داہر نے وزیر ساجی ساگر سے مشورہ کیا۔ ساجی ساگر نے کہا کہ مسلمانوں کو دریا کے اس طرف اتر آئے دو اُن کی پشت ہر دریا اور سامنے ہمارا لشکر ہوگا اس طرح سب کے سب مارے جائیں گے اور فرار ہو کر جان بچانے کا موقع نہ پاسکیں گے۔ راجہ داہر نے ساجی ساگر کے بعد محمد علانی سے مشورہ لیا تو اُس نے کہا کہ ساجی ساگر نے عربوں کی بہادری کا صحیح اندازہ نہیں کیا اور اُس کو شاید یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ملک سندھ کے تمام باشندے عربوں سے مرعوب و خائف ہو رہے ہیں ایسی حالت میں اگر یہ لوگ دریا کو عبور کر آئے تو تمام ملک میں بددلی پھیل جائے گی اور ان کا مقابلہ سخت دشوار ہوگا کیونکہ یہ لوگ میدان جنگ سے زار ہونا جانتے ہی نہیں اور مرنے کے اس طرح خواہشمند ہیں جیسے کہ دوسرے دُک زندگی کے باقی رکھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ دریا کے تمام گھاٹوں کا نورا انہ تمام کر دیا جائے اور ان کو ہرگز دریا کے اس طرف نہ آئے دیا جائے۔ راجہ داہر نے ان دونوں مشوروں کو سننے کے بعد محمد بن قاسم

سے ایلچیوں کو جواب دیا کہ ہم ہر طرح تم سے لڑنے کو تیار ہیں، چاہے تم اس طرف آ جاؤ ہم اس طرف آ جائیں۔
 موکان بسایا کا علاقہ چونکہ دریائے اس طرف تھا اور وہ محمد بن قاسم کا شریک دھرد بن
 چکا تھا لہذا راجہ داہر نے موکان کے بھائی راسل کو ایک زبردست فوج دے کر دریائے اس
 طرف فوراً بھیج دیا کہ دریائے متصل قلعوں پر قابض رہ کر مسلمانوں کی فوج کو عبور دریا سے
 روکے اور اپنے بیٹے جے سیہ کو ایک دوسری زبردست فوج دے کر دریائے اس طرف
 مقرر کیا کہ تمام گھاٹوں پر فوجی دستے مقرر کر کے مسلمانوں کو اس طرف آنے کا موقع نہ
 دے۔ راسل نے دریا پار ہو کر مسلمانوں سے جنگ شروع کر دی اور داہر نے اپنے ایک
 اور سردار چندریچن بالاکو بھیج کر سیوستان کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا ان تدبیروں
 سے راجہ داہر کا مدعا غالباً یہ ہو گا کہ محمد بن قاسم دریا پار ہی لڑائیوں میں مصروف ہے
 مگر محمد بن قاسم نے مصعب بن عبدالرحمن کو تین ہزار فوج دے کر سیوستان کی طرف
 روانہ کیا اور خود راسل سے مصروف جنگ ہوا۔ مصعب نے چندر کو مقابلہ کر کے قتل
 کیا اور سیوستان میں پھر اسلامی حکومت قائم کر دی اور محمد بن قاسم کے مقابلے میں
 راسل کو بھی شکست ہوئی مگر وہ دریائے اسی کنارے کشتیوں کو تباہ اور عبور دریا کے تمام
 سائوں کو برباد کرتا پھرا۔ محمد بن قاسم نے مصعب کو سیوستان سے بلوایا اور وہ اپنے
 ہمراہ نو مسلم جاٹوں کی بھی ایک فوج بھرتی کر کے لایا۔

عبور سندھ اور قتل داہر محمد بن قاسم نے موکان بسایا کو کشتیوں کے
 تلاش سے کشتیوں کی ایک مناسب تعداد فراہم کی۔ مگر ان کشتیوں پر بیٹھ کر دوسرے کنارے
 پہنچنا کسی طرح ممکن نہ تھا کیونکہ اس کنارے راجہ داہر کی فوج موجود تھی جو کشتیوں کو کنارے
 تک پہنچنے سے پہلے ہی غرق کر سکتی تھی۔ آخر یہ تدبیر عمل میں لائی گئی کہ دریائے مغربہ
 کنارے کے متصل پانی میں کشتیوں کو ایک دوسری سے باندھ کر ایک قطار بنائی گئی
 کشتیوں کی یہ قطار اس قدر طویل تھی جس قدر اس مقام پر دریائے چوڑائی تھی۔ یہ وہ
 مقام تھا جہاں دریا کا پاٹ بہت کم اور پانی کی روانی بہت تیز تھی۔ ان کشتیوں کی قطار
 میں بہاد اور تجربہ کار تیر انداز بٹھا دیئے گئے کشتیوں کی قطار کا نیچے کا سرا یعنی پانی سے
 بہاؤ کی جانب کا سر کنارے سے مضبوط باندھ دیا گیا اور اوپر کا سر اچھوڑ دیا گیا کشتی

نے کشتیوں کو دریا کی دھار کی جانب متحرک کیا اور اوپر کا سرکنارے سے کسی قدر جدا ہوا پھر پانی کے بہاؤ نے خود بخود اس قطار کو پرکار کے متحرک سرے کی طرح دریا کی چوڑائی میں شرفاً غزباً سیدھا کر دیا اور ایک سرامرکز کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہا۔ مگر وہ بندھا ہوا تھا جوں ہی دوسرا سرادر یا کے مشرقی ساحل تک پہنچا اگلی کشتی کے سپاہیوں نے کنارے پر اتر کر رستوں اور منجوں کے ذریعہ اس کو ساحل سے باندھ دیا اس طرح یکایک کشتیوں کا ایک پل قائم ہو گیا کشتی نشین سپاہی بڑی تیزی اور چٹا دستی کے ساتھ کنارے پر اترے ان کے پیچھے تمام فوج اس پل کے ذریعہ اترنا شروع ہو گئی۔

دوسرے کنارے پر جو تھوڑی سی فوج بے سیہ کی مقرر کی ہوئی موجود تھی اس نے مقابلہ کیا مگر بہت جلد شکست کھا کر بھاگی اور تمام اسلامی لشکر معہ سامان دریا کے اس طرف پہنچ گیا اس عہد میں صرف ایک مسلمان سپاہی دریا میں گر کر شہید ہوا۔ اس کے بعد ہی راجہ داہر کے بیٹے بے سیہ نے ایک زبردست فوج کے ساتھ حملہ کیا مگر شکست کھا کر اور بمشکل اپنے ہاتھی کو میدان جنگ سے نکال کر فرار ہوا۔ اور باپ کو جا کر اس لڑائی کا حال سنایا۔

داہر سے آخری لڑائی | ملائی کو بطور مقدمہ الجیش ایک مناسب فوج کے ساتھ آگے روانہ کیا۔ محمد ملائی کو بھی سخت مقابلہ کے بعد شکست حاصل ہوئی اور اسلامی لشکر آگے بڑھ کر مقام بے دار میں مقیم ہوا۔ یہاں راجہ داہر بھی اسلامی لشکر کے سامنے پہنچ کر نیمہ زن ہوا۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک جھیل جس کا نام کولاب کبیری تادینوں میں لکھا ہے حائل تھی۔ اسلامی لشکر کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی داہر کی فوج میں پچیس تیس ہزار زہ پوش سپاہی دس ہزار نیزہ بردار۔۔۔ اور ساٹھ جنگی ہاتھی تھے۔ اسلامی لشکر نے جھیل کو عبور کر کے دوسرے کنارے پہنچ کر ہنگامہ پیکار گرم کر دیا۔ محمد بن قاسم نے لڑائی شروع کرنے سے پیشتر کہہ دیا تھا کہ اگر میں مارا جاؤں تو عزیز بن ثابت کسیری جگہ سردار لشکر تسلیم کیا جائے اور وہ بھی مارا جائے تو سعید کو سپہ سالار سمجھا جائے مگر یہ دونوں بہادر اس لڑائی میں محمد بن قاسم کے سامنے شہید ہوئے تمام

تک لڑائی جاری رہی راجہ داہر کے ہاتھیوں نے اسلامی لشکر کو بہت نقصان پہنچایا۔ رات کی تاریکی نے لڑائی کو ملتوی کیا۔ اگلے دن صبح سے پھر میدانِ کارزار گرم رہا اور شام تک کوئی فیصلہ جنگ کا نہ ہو سکا۔ تیسرے روز بھی بڑے زور شور کی لڑائی شام تک جاری رہی، شام ہوتے ہوئے لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔ داہر کی فوج بہت سی مقتول اور بقیہ فرار ہوئی مگر راجہ داہر ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ میدان میں ڈٹا ہوا آخر معرکہ دادو گیو میں ایک عرب سے اس کا مقابلہ ہوا عرب نے تلوار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ سر کے سین وسط میں پڑا اور سر کے دو ٹکڑے کرتا ہوا ناک تک اتر گیا اس طرح روزِ پنجشنبہ وہم رمضان ۹۳۰ء وقت نماز مغرب داہر کے مارے جانے پر یہ ثابت ہو گیا کہ آئندہ سندھ کا ملک مسلمانوں کے زیر حکومت رہے گا۔

داہر کے مارے جانے پر بہت سے برہمنوں۔ ہندوؤں اور فوجی سرداروں نے آکر محمد بن قاسم کی خدمت میں درخواست کی کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں چنانچہ ان کو ان کی خوشی کے موافق اسلام میں داخل کیا گیا۔ اگلے دن محمد بن قاسم نے اعلان کر دیا کہ جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ جو اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے گا۔ اُس سے بھی ایک معمولی ٹیکس وصول کیا جائے گا جس کا نام جزیہ ہے اور جو مسلمان ہو جائے گا اُس کو بھی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ راجہ داہر کا وزیر سی ساگر۔ محمد علانی۔ راجہ کا بیٹا جے سیہ۔ راجہ کی بیوی مانی راجہ کی بھینجی بھی تھی، راجہ کے عزیز زاد قارب اور بقیۃ السیف سردار دھارم اسب قلعہ روتھری یا ہاتھ میں جمع ہوئے۔ جب راجہ کے مارے جانے کی خبر کی تصدیق ہو گئی تو راجہ کے بیٹے جے سیہ نے ارادہ کیا کہ اب ہم کو بھی میدان میں نکل کر اور لڑ کر سر رہنا چاہیے مگر وزیر سی ساگر نے کہا کہ آپ کی یہ رائے درست نہیں ہے ابھی ملک کا بڑا حصہ ہمارے زیر نگین ہے قلعہ برہمن آباد میں ہر قسم کا سامان اور خزانہ موجود ہے ملک کے دوسرے قلعوں اور شہروں سے فوج فراہم ہو سکتی ہے ہم کو یہاں سے برہمن آباد کی طرف جا کر وہاں قیام اور مقابلہ کی تیاری کرنا چاہیے۔ وہاں ہم کو ہر قسم کی طاقت حاصل ہو سکے گی، جے سیہ نے محمد علانی سے مشورہ کیا تو اس نے بھی اسی ساگر کی رائے کو پسند کیا مگر رانی مانی نے برہمن آباد جانے سے

انکار کیا اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ چٹا میں بیٹھ کرستی ہو گئی جسے سیدہ معہ لشکر و سالان و خزانہ قلعہ رآدر سے برہمن آباد کی طرف روانہ ہوا۔ محمد بن قاسم نے قلعہ اور کو فتح کیا۔ چھ ہزار آدمی جو رانی مائی کے ساتھ اس قلعہ میں رہ گئے تھے انھوں نے مقابلہ کیا اور مقتول ہوئے۔

برہمن آباد کی فتح | برہمن آباد میں پہنچ کر اپنے رشتہ داروں اور سرداروں کو جو ملک کے مختلف شہروں میں برسر حکومت تھے داہر کے مارے جانے کی اطلاع دی اور سب کو اپنی مدد اور مقابلہ کی تیاری میں شریک ہونے کے لئے برہمن آباد میں بلایا۔ ادھر محمد بن قاسم نے اپنے احکام و اعلانات برہمن آباد اور سندھ کے اُن تمام شہروں میں جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے بھجوا دیئے کہ جو شخص اطاعت قبول کرے گا اور پیرامن رہنے کا یقین دلانے گا اُس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اُس سے نہ ہوگی۔

وزیر سی ساگر کی ہوشیاری اور کمال اندیشی دیکھو کہ اُس نے اُن عورتوں اور بچوں کو جھوٹے بندر دیبل پر گرفتار ہوتے وقت یا حجاج اغثنی کہہ کر پکارا تھا اور جو دارالطنت الوریہ میں تھے اپنے زیر حفاظت رکھا اور جب قلعہ رآدر سے جے سیدہ کے ہمراہ برہمن آباد آیا تو ان قیدیوں کو بھی اپنے ہمراہ لایا۔ سی ساگر کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ اب دشوار ہے۔ اُس نے جب برہمن آباد میں محمد بن قاسم کے اعلان کا حال سنا تو اپنے بعض معتد خفیہ طور پر محمد بن قاسم کے پاس بھیجے اور لکھا کہ وہ عورتیں اور بچے جنھوں نے حجاج کی دہائی دیبل بند پر دی تھی میرے قبضے میں اب تک موجود ہیں اُن کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا بشرطیکہ آپ مجھ کو جان کی امان دیں اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں محمد بن قاسم نے فوراً سی ساگر کے نام کا امان نامہ لکھ کر اُس کے معتدوں کو سپرد کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مقام دہلیدہ کو فتح کیا اور نیوے پسر و ہارن کو جو یہاں کار نہیں تھا اپنی طرف سے حاکم مقرر کیا پھر برہمن آباد کی طرف لشکر اسلام روانہ ہوا جب قریب پہنچا تو وزیر سی ساگر چپکے سے مسلمان قیدیوں کے برہمن آباد سے نکل کر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جے سیدہ کو جب سی ساگر کے نکل جانے کا حال معلوم ہوا تو اُس نے دوسرے سرداروں

اور امیروں کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ برہمن آباد کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا اور خود تھوڑی سی فوج لے کر اس نے شہر سے نکل گیا کہ مسلمانوں پر باہر سے حملہ کرنے کے لئے امدادی فوجیں لے کر آئے گا۔ محمد بن قاسم نے سی ساگر کی آمد کا حال سن کر اس کے استقبال کے لئے امرا کو روانہ کیا اور جب وہ سامنے آیا تو اس کو نہایت عزت کے ساتھ اپنی برابر بٹھایا۔ اپنے تمام ارادوں اور رازوں سے اس کو مطلع کیا اور اپنی وزارت کا منصب جلیلہ اس کو عطا کیا اس وزیر بات دیر نے محمد بن قاسم کے عدل و انصاف اور رحم و کرم کی بہت تعریف کی اور کہا کہ آپ نے باشندگان ہندو کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا ہے اور مال گزاری ٹیکس کے معاملے میں اس قدر نرمی اختیار کی ہے کہ تمام ملک آپ کا گردیدہ ہو گیا ہے لہذا بہت جلد ملک کے باقی حصے بھی آپ کے قبضے میں آ جائیں گے۔

محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے مشرق کی جانب نہر چلوائی کے کنارے قیام کیا اور لشکر گاہ کے گرد خندق کھدوا کر برہمن آباد کی تعمیر کے رپے ہوا دل اس نے اپنا ایلچی بھیج کر شہر والوں کو اطاعت قبول کر لینے کی ترغیب دی مگر شہر والوں نے مقابلہ کی تیاری کی یہاں راجہ داہر کی دوسری رانی جس کا نام لاوتی تھا موجود تھی اس نے سردار ان لشکر کو معرکہ آرائی کی تاکید کی سلسلہ جنگ شروع ہوا شہر والے ڈھول بجاتے ہوئے شہر سے نکلے اور شام تک معرکہ آوار رہ کر قلعہ میں واپس چلے جاتے اور مسلمان اپنی لشکر گاہ میں آ کر آرام کرتے اس طرح چھ مہینے تک برہمن آباد نے مقابلہ کیا۔ برہمن باد کا قلعہ ہندوستان کے قلعوں میں بہت زبردست اور ناقابلِ تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا اسی لئے محاصرہ کو اس قدر طول ہوا کہ بڑے مہینے دوسرے شہروں سے امدادی فوجیں حاصل کر کے اسلامی لشکر گاہ پر چھاپتے بارے شروع کئے اور مسلمانوں کی ریسد بالکل بند کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی لشکر محاصرہ ہونے کے باوجود محصور کی حالت میں تبدیل ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے بنائے بن غطفانہ کلانی عطیہ ثعلبی صاتم بن ابی صادم ہدانی۔

عبدالملک مدنی سرداران لشکر کو معہ اپنے متعلقہ سواروں کے الگ کر کے ایک مخصوص فوج بنائی اور متوکا بن بسا یا کو اس فوج کا افسر اعلیٰ بنا کر بے سید کے مقابلہ اور تعاقب پر مامور کیا۔ بے سید کے ساتھ محمد علانی بھی موجود تھا۔ متوکا نے اس

شدت سے ان کا تعاقب کیا کہ بے سیہ اور محمد علانی دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور دو مختلف سمتوں کو فرار ہونے پر مجبور ہوئے۔ بے سیہ نے راجپوتانہ کے کسی مقام میں جا کر پناہ لی پھر وہاں سے وہ کشمیر کے راجہ کے پاس چلا گیا۔ کشمیر سے ملو پنجاب کا شمالی حصہ ہے نہ کہ موجودہ ریاست کشمیر۔ بے سیہ و محمد علانی کو آوارہ کر کے موکانے سامان رسد فراہم کیا اور اس طرح اسلامی لشکر کی مصیبت دور ہوئی۔

چھ مہینے تک محصور رہنے کے بعد
برہمن آباد کے باشندوں کی درخواست

سامان رسد کی نایابی سے پریشان ہو کر محمد بن قاسم کے پاس درخواست بھیجی کہ اگر آپ ہم کو جان و مال کی امان دیں تو ہم شہر کا دروازہ کھول دیں۔ یہ درخواست باشندگان شہر کی جانب سے تھی فوج اور فوجی سرداروں کی طرف سے نہ تھی لہذا محمد بن قاسم نے کہلا بھجوا یا کہ ہم اُن تمام لوگوں کو جان و مال کی امان دیتے ہیں جو ہتھیار بند نہ ہوں جو شخص سلع نظر آئے گا وہ گرفتار کر لیا جائے گا اور جو مقابلہ کرے گا وہ قتل ہو گا۔ شہر والوں نے موقع پا کر دروازہ کھول دیا اور مسلمانوں نے فصیل شہر پر چڑھ کر مغرہ تکبیر بلند کیا۔ اندرونی فوج نے دوسرا دروازہ کھول کر اُس طرف سے بھاگنا شروع کیا۔ اسلامی فوج نے چاہا کہ ان کا تعاقب کرے اور سب کو روک کر کینر کردار کو پہنچائے مگر محمد بن قاسم نے منع کیا اور کہا کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اس کو بھاگ جانے دو رانی لادی دراجہ دہر کی دوسری بیوی اپنے اپنے محل میں کچھ فوجی سرداروں کو جمع کر کے مقابلہ کیا بالآخر وہ بھی گرفتار ہو کر محمد بن قاسم کے پاس لائی گئی باشندگان شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سوداگر وکان دار اور اہل حرفہ پرستور اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔ رانی لادی نے اسلام قبول کر کے محمد بن قاسم سے نکاح کرنا قبول کیا۔

جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے اُن کو رہا کر دیا اِس کے بعد برہمن آباد کے برہمنوں کی ایک بڑی جماعت سروریش منڈوائے اور زرد کپڑے پہنے ہوئے محمد بن قاسم کے سامنے آئی اُس نے دریافت کیا کہ تم کس فوج کے سپاہی ہو اور تم نے کیوں ایسی صورت بنائی ہے۔

برہمنوں نے عرض کیا کہ اسے امیر عادل ہم سب برہمن اور راجہ داہر کے ہم قوم ہیں تو نے ہمارے راجہ کو قتل کر دیا ہے ہم نے اُس کے ماتم میں زرد لہاس پہنتا اور سروریش منڈوا یا ہے ہمارے لئے تیرا کیا حکم ہے محمد بن قاسم نے کہا کہ میں تم سب کو اماں دیتا ہوں۔ تم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ جو لوگ امر کے بطور سے تعلق رکھتے ہیں اُن سے چوڑا تولہ جو دوم درجہ کے خوش حال لوگ ہیں اُن سے سات تولہ اور عوام سے بلوئے چار تولہ چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی جو اسلام قبول کر لے گا وہ اس جزیہ سے معاف کیا جائے گا اُس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اُس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا نہ اُن کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی دخلت کی جائے گی۔ نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ مالکانِ آراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مال گزاری وغیرہ کی وصولی کا انتظام خود باشندگانِ سندھ ہی کے ہاتھوں میں رہے گا وغیرہ۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے شہر کے دروازوں پر اپنے سپاہی مقرر کر دیئے۔ شہر کے سمجھ دار اور با اثر لوگوں کی ایک انجمن بنا کر انفصال خصوصیات کا انتظام اُس کے سپرد کیا اور وہاں سے لوہا نہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور اُس کو منع کیا۔

الور کی فتح | محرم ۳۹۵ھ میں محمد بن قاسم لوہا نہ سے روانہ ہو کر مقام شہد کی جانب روانہ ہوا یہاں کے لوگوں نے آمد کی خبر سن کر ننگے سر اور ننگے پاؤں شہر سے نکل کر استقبال کیا اور رحم و عفو کی التجا کی جو منظور ہوئی۔ یہاں سے رہبر ہمراہ لے کر محمد بن قاسم الور کی جانب روانہ ہوا۔ اس جگہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دارالسلطنت الور میں راجہ داہر اپنے چھوٹے بیٹے فیوفی نامی کو حاکم مقرر کر کے لڑائی کے لئے نکلا تھا فیوفی ابھی تک وہاں حکمران تھا جسے سپہ نے اپنے چھوٹے بھائی فیوفی کو برہمن آباد سے روانہ ہوتے وقت لکھا تھا کہ تم فوج کی فراہمی اور لڑائی کی تیاری میں مصروف رہو۔ چنانچہ الور بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے پورے طور پر تیار ہو چکا تھا۔ الور کے قریب پہنچ کر شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر اسلامی لشکر نے قیام کیا۔ الور کے لوگوں کو ابھی تک راجہ داہر کے مارے جانے کا یقین نہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ راجہ

داہر میدان جنگ سے ہندوستان کی طرف چلا گیا ہے۔ وہاں سے بہت بڑی فوج لے کر آئے گا اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا ڈالے گا۔ بہر حال اب اہل اُور کو اس بات کا یقین ہوا کہ راجہ داہر ضرور مارا جا چکا ہے۔ شہر والوں نے آپس میں مشورہ کر کے شروع کئے کہ مسلمان اپنے دے دے کے بڑے پکے ہیں۔ ہر ہن آباد والوں کی طرح اگر ہم بھی امان طلب کر لیں تو ہم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر ہم نے لڑائی میں شرکت کی تو ممکن ہے کہ مسلمان پھر جان و مال کی اماں نہ دیں۔ ان پھسلیکے یوں کا حال فیونی کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ اور سر کر آرائی سے ہمت ہار بیٹھا۔ اُس نے یہی سہارا بھکا کہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر شہر سے نکل جائے چنانچہ وہ راتوں رات شہر سے نکل گیا اور اپنے بھائی بے سیہ کے پاس جو راجہ تانہ کے کسی مقام میں ٹھہرا ہوا تھا پہنچ گیا۔ شہر والوں نے اپنا قاصد محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور عرض کیا کہ ہمارا راجہ داہر مارا جا چکا ہے۔ داہر کا بیٹا فیونی بھی ہم کو چھوڑ کر شہر سے بھاگ گیا ہے۔ ہم نے آپ کے عدل و انصاف اور رحم دلی کی بڑی تعریف سنی ہے اسی امید پر ہم درخواست پیش کرتے ہیں کہ ہم کو جان و مال کی اماں دی جائے تاکہ ہم آپ کے لئے شہر کے دروازے کھول دیں۔ محمد بن قاسم نے کہا کہ میں نے ہر ایک مقام پر خود لوگوں کو اطاعت قبول کرنے کی ترغیب دے کر یہ وعدہ کیا کہ تم کو جان و مال کی اماں دی جائے گی مگر تم نے چونکہ میرے پیغام سے بھی پہلے اطاعت پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے لہذا میں تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بعد دروازہ کھل گیا اور محمد بن قاسم شہر آگئے داخل ہوا۔

الور کا بت خانہ | شہر میں داخل ہو کر محمد بن قاسم نے دیکھا کہ شہر کے سب سے بڑے بت خانہ میں جس کا نام تو دھار تھا۔ لوگ بت کے آگے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُس نے تعجب کے ساتھ دھیانت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے۔ جہاں بہت سے آدمی سجدہ کر رہے ہیں۔ اُس کو بتایا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان بت خانہ ہے اور یہاں یہ لوگ بت کے آگے سجدہ کر رہے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اُس بت خانہ کے اندر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مندر کا پجاری برہمن بطور رہبر ساتھ ہوا۔ محمد بن قاسم نے اندر داخل ہو کر دیکھا کہ ایک پتھر کی صورت گھوڑے پر سوار ہے۔ اس

مورت کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن یا قوت و جواہر سے مرصع پڑے ہوتے ہیں۔ اُس نے مورت کے قریب پہنچ کر ایک کنگن اتار لیا اور پجاری کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ تمھارا معبود ہے اُس نے کہا "ہاں" محمد بن قاسم نے کہا کہ پہلے اُس کے دونوں ہاتھوں میں کنگن تھے۔ اب ایک ہی ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ دوسرا کنگن کون لے گیا۔ پجاری نے گردن نیچی کر لی اور محمد بن قاسم نے منہس کر دہ کنگن پھر اُس کے ہاتھ میں ڈال دیا اور مندر سے نکل آیا۔ اس کے بعد شہر میں عام اعلان کر دیا گیا کہ اس شہر کے باشندے ہرم کے ٹیکس اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں۔ یہاں محمد بن قاسم نے رواج بن اسد کو حاکم مقرر کیا اور امور شرعی کے لئے مولیٰ بن یعقوب قاضی مقرر ہوا اور کے بہت سے بافندہ آکر محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے باقی اپنے آبائی مذہب پر نہایت آزادی کے ساتھ قائم رہے۔

محمد بن قاسم رواج اور مولیٰ کو رعیت پروری کی تاکید دی ہدایات کر کے الور سے قلعہ یا بیہ کی طرف روانہ ہوا جو دریائے بیاس کے جنوبی کنارے پر تھا۔ اس قلعہ میں کاگسا بن چندر بن سلاخ یعنی راجہ داہر کا چچا زاد بھائی مقیم تھا کاگسا بن چندر میدان جنگ میں راجہ داہر کے ساتھ موجود تھا۔ داہر کے مقتول ہونے پر وہ اس قلعہ میں آکر پناہ گزین ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا عالم فاضل اور نہایت عقلمند شخص تھا۔ جب محمد بن قاسم اُس قلعہ کے قریب پہنچا تو کاگسا ملا تامل محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم بڑی عزت اور محبت کے ساتھ پیش آیا۔ اُس کے خاندان اور علم و فضل سے واقف ہو کر محمد بن قاسم نے اُس کو اپنا مصاحب و وزیر و سپہ سالار بنایا اور تمام فوجی سرداروں کو حکم دیا کہ میرے بعد کاگسا تم سب کا افسر اعلیٰ ہے۔ ساتھ ہی اُس کو اپنی مہر اور خزانہ کا چارج بھی سپرد کر دیا اور دربار میں اُس کے لئے اپنے تخت کے برابر کرسی دی اور آئندہ اُس کے مشورے کو تمام معاملات میں مقدم اور قابل عمل سمجھا۔

فتح ملتان | سندھ کے مشہور مرکزی مقامات میں سے اب صرف ملتان فتح ہوئے

سے باقی رہ گیا تھا۔ یہاں سے محمد بن قاسم دریائے بیاس کے پار گیا قلعہ سکندہ پر پہنچ کر لڑائی شروع ہوئی اس قلعہ کا حاکم ملتان کے حاکم کا بھتیجا تھا اُس نے نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ سات روز تک لڑائی کا ہنگامہ برپا رہا۔ آٹھویں روز

حاکم اسلندہ فرار ہو کر ملتان پہنچا اور قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم قلعہ سکہ کی طرف گیا یہ قلعہ دریائے راوی کے جنوب میں واقع تھا یہاں کے حاکم کا نام بکچے رائے تھا۔ مقررہ روز تک اس قلعہ نے اسلامی لشکر کو روکا آخر یہ قلعہ بھی فتح ہوا اور محمد بن قاسم نے اہل قلعہ کو امان دے کر عقبہ بن مسلمہ شیبی کو یہاں کا حاکم مقرر کیا یہاں سے روانہ ہو کر دریائے راوی کو عبور کیا اور ملتان کا محاصرہ شروع ہوا۔ یہاں کا حاکم گورسیہ لہر چندر تھا جو کاسا کا حقیقی اور داہر کا چچا زاد بھائی تھا۔ دو مہینے تک اس نے ملتان میں محصور رہ کر لشکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ آخر وہ ملتان سے نکل کر راجہ کشمیر کے پاس چلا گیا اور مسلمانوں نے بنوہ کشمیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کے لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا تھا۔ اس نے اب تک صرف فوجی سامان اور سرکاری روپیہ پر ہی قبضہ کیا تھا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو جواہرات سے مرصع اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ برہمن آباد۔ الہ اور ملتان میں سرکاری خزانے اس کے ہاتھ آ سکتے تھے کیونکہ یہ مرکزی مقامات تھے۔ لیکن ان تمام شہروں میں ایک ہی صورت پیش آئی یعنی حاکم شہر تمام خزانوں کو لے کر پہلے فرار ہوا اور اس کے بعد شہر والوں نے شہر مسلمانوں کے سپرد کیا لہذا بچے کچے خزانے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ کچھ زیادہ نہ تھے۔

سندھ کی اس ہم میں حجاج نے بہت روپیہ خرچ کیا تھا جو اب تک اس ملک سے وصول نہیں ہو سکا تھا اور ممکن تھا کہ اس اعتبار سے محمد بن قاسم کو دارالخلافہ میں ملزم یا ناقابل سپہ سالار ٹھہرایا جاتا مگر اس کی نیک نیتی کا ثمرہ اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ ملتان کا ایک برہمن محمد بن قاسم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اب ہندوؤں کی سلطنت کا تو خاتمہ ہو چکا ہے لہذا میں آپ کو ایک خزانے کا پتا بتاتا ہوں جس کا کسی کو حال معلوم نہیں۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ قدیم زمانہ میں جسون نامی ایک راجہ تھا وہ برہمن اور جوگی تھا رات دن بتوں کی پرستش میں مصروف رہتا تھا اس کے خزانہ میں بے شمار روپیہ جمع ہو گیا تو اس نے ملتان کی شرقی سمت میں تنوگڑ لبھا اور تنوگڑ چوڑا ایک حوض بنوایا اس کے ارد گرد درخت لگوائے حوض کے نیچے میں پچاس گز لبھا اور پچاس گز چوڑا

ایک بُت خانہ بنایا اُس میں ایک بُت خالص سونے کا بنا کر رکھا اور اُس کے نیچے چالیس دیکھیں تین سو تیس من سونے کے ٹکڑوں سے بھر کر دفن کیں۔ یہ بُت خانہ اور خزانہ اب تک موجود ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اس خزانہ پر قبضہ کر لیں محمد بن قاسم اُس بہن کی رہبری میں اُس جگہ پہنچا سونے کا بُت موجود پایا جو دو سو تیس من وزنی تھا۔ پھر دیکھیں نکلوا تیں تو اُن میں سے تیرہ ہزار دو سو من سونا نکلا۔ یہ خزانہ دیبل بندر کی طرف روانہ کیا گیا جہاں سے جہاز کے ذریعہ وہ بصرہ اور بصرہ سے دمشق پہنچا۔ رعایائے ملتان کو ان کے اطمینان کے لئے محمد بن قاسم نے ایک فرمان جان و مال کی اماں کے متعلق لکھ دیا۔ داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور ایک مسجد یہاں تعمیر کرائی۔

جس طرح برہن آباد۔ آوارہ و دوسرے مقامات میں لوگ جوق در جوق اپنی خوشی سے اسلام میں داخل ہوئے اسی طرح ملتان میں بھی بہت سے لوگوں نے دینِ اسلام قبول کیا۔

محمد بن قاسم کی رواداریاں | ملتان کی فتح کے وقت محمد بن قاسم کے پاس پچاس ہزار فوج تھی حالانکہ حدودِ سندھ میں داخل ہوتے وقت اُس کے ہمراہ صرف بارہ ہزار شاہی و عاتی تھے۔ اب ہر شخص با سانی غور کر سکتا ہے کہ حجاج نے بعد میں فوجیں محمد بن قاسم کے پاس روانہ نہیں کیں۔ اس ملک میں محمد بن قاسم کے داخل ہوتے ہی لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا اور محمد بن قاسم نے بھی ان نو مسلموں پر ہر جگہ پورا پورا اعتماد اور بھروسہ کیا۔ فتح ملتان کے وقت زیادہ حصہ ان نو مسلموں ہی کا فوج میں شامل تھا۔ محمد بن قاسم نے مولانا اسلامی کا کا۔ موکا۔ سی ساگر، کا کسا وغیرہ ہندو سرداروں پر ایسا ہی بھروسہ کیا جیسا کہ وہ مسلمان سرداروں پر کرتا تھا اُس نے ان میں سے کسی کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا۔ ابھی تک یہ امر مشتبہ ہے کہ ان سرداروں میں سے مولانا اسلامی کے سوا اور کس کس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر یہ بالکل یقینی امر ہے کہ ان کو ذمہ داری کے عہدے اور سرداریاں دیتے وقت محمد بن قاسم نے ان کے غیر مسلم ہونے کی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ اگر مسلمانوں نے سندھ میں داخل ہو کر یہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنا لیا تھا اور ان مسلمان ہونے والوں نے اسلام میں کوئی خوبی اور صداقت نہیں دیکھی تھی اور ان کے دل اندر سے اسلام کے مخالف

تھے تو وہ عرب سے آئے ہوئے تھے۔ پھر مسلمانوں کے اس قدر باؤفا اور اپنے بھائیوں کے قتل میں اس قدر چست و چالاک کیسے ہو گئے تھے محمد بن قاسم نے جب ملتان کو فتح کر کے ملک سندھ کی فتوحات کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہے تو اس وقت عراقی و شامی لوگ جو اس کے ہمراہ تھے وہ یقیناً چار پانچ ہزار سے زیادہ ہرگز نہ ہوں گے کیونکہ ان دو موصائی سال کے پیچھے معرکوں اور خون ریز لڑائیوں میں یہ لوگ موزر شہید ہوتے رہے ہوں گے۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ محمد بن قاسم نے جس قدر نقد و جنس وغیرہ مال سندھ سے خزانہ خلافت میں روانہ کیا ہے وہ اس روپیہ کا جو خزانہ خلافت سے ہم سندھ کے لئے صرف ہوا نصف تھا یعنی اس ہم سے خزانہ خلافت کو کوئی نفع نہیں پہنچا بلکہ نقصان ہی ہوا۔ دوسرے نفعوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان جس قدر روپیہ اور مال سندھ میں لے کر آئے تھے وہ واپس نہیں بھیج سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فوج کے سپاہی خوب مال مال ہو گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک سپاہی نے خزانہ جمع کرنے تھے تو بھی سندھ سے عراق و شام میں روپیہ کا جانا ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ محمد بن قاسم کے ساتھ جو لوگ سندھ میں آئے تھے وہ سب کے سب محمد بن قاسم کے سامنے یا محمد بن قاسم کے بعد ملک سندھ ہی کی خاک میں مدفون ہوئے ان کا واپس جانا کسی طرح ثابت نہیں۔ لہذا مال و دولت کے حصول اور لوٹ مار کے شوق کو بھی فتح سندھ کا سبب ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

فتح سندھ کی تکمیل اور محمد بن قاسم کی معزولی | ملتان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے پنجاب و کشمیر کی طرف

رُخ کیا جہاں خاندان داہر کے کئی شہزادے راجہ کشمیر کے یہاں پناہ گزیں اور اس راجہ کی مدد سے سندھ کو واپس لینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ سندھ کے شمال کی جانب سلطنت کشمیر اور مشرق کی جانب سلطنت مالوہ و قنوج تھی ان سلطنتوں سے سندھ کی سلطنت اسلامیہ کے حدود کا تعین اور معاہدات کا جو جانا از بس ضروری تھا ورنہ ہر وقت لڑائی کا اندیشہ اور سندھ کی حکومت اسلامیہ کا خطرہ میں ہونا یقینی تھا۔ محمد بن قاسم بے حد عقلمند اور آل اندیش شخص تھا اس کے مشیر و صلاح کار ملک سندھ کے مسلمہ اہل الرائے

موکا د کا کسا وغیرہ تھے جن کے مشوروں کے بغیر وہ کوئی کام نہ کرتا تھا اور حجاج بن یوسف ثقفی مشہور سیاست داں و افسرائے عراق کی ہدایات اُس کے پاس مسلسل پہنچ رہی تھیں لہذا کشمیر و قنوج کی حکومتوں کے ساتھ حدود سلطنت کی تعیین پر محمد بن قاسم کا فتح ملتان کے بعد فوراً آمادہ ہو جانا کوئی ہمداز قیاس بات نہ تھی۔

محمد بن قاسم خود تو ملتان سے کشمیر کی طرف روانہ ہوا اور ابو حکیم شیبانی کو قنوج کی طرف روانہ کیا۔ راجہ پچھ نے اپنی شمالی سرحد پر صنوبر کے چند درخت لگا دیئے تھے اور ان درختوں ہی کو سندھ و کشمیر کی حد فاصل قرار دیا تھا محمد بن قاسم بھی صنوبر کے ان درختوں تک ہی گیا اور یہاں پہنچ کر یزید بن عمرو کلابی کو بطور سفیر قنوج کے راجہ ہر سی چند پسر راجہ جے مل کے پاس بھیجا۔ قنوج کے راجہ نے اس سفارت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا بلکہ مقابلہ اور مقاتلہ پیدا ہو گئی ظاہر کی لہذا محمد بن قاسم نے کشمیر کی طرف سے واپس ہو کر اور قنوج کے راجہ کا ارادہ معلوم کر کے اتمام حجت کے طور پر پھر ایک خط اپنی طرف سے روانہ کیا۔ یہ سلسلہ خط و کتابت ابھی کوئی نتیجہ پیدا کرنے نہ پایا تھا کہ محمد بن قاسم کی معزولی کا فرمان دربار خلافت سے آگیا اور وہ یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کی حکومت کا چارج دے کر عراق و شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

حجاج کا انتقال | ملتان کی فتح کے وقت شوال ۳۹ء میں حجاج کا عراق میں انتقال ہو گیا۔ حجاج نے فوت ہوتے وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن حجاج کو اپنی جگہ و افسرائے مقرر کر کے یزید بن ابی کبشہ کو انواع کوفہ و بصرہ کا سپہ سالار اور یزید بن ابی مسلم کو صیغۂ مال کا افسر مقرر کر دیا تھا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کو جب حجاج کی وفات کا حال معلوم ہوا تو اُس نے حجاج کے مقرر کئے ہوئے عہدہ داروں کو بحال رکھا محمد بن قاسم کے پاس بھی ملک سندھ کی سند گورنری بھیج دی۔ محمد بن قاسم کے پاس حجاج کے فوت ہونے کی خبر اور خلیفہ کی طرف سے سندھ کی حکومت کا فرمان ملتا ہی میں پہنچ گیا تھا۔ حجاج کے فوت ہونے کی خبر نے محمد بن قاسم کی اولوالعزمیوں

سے کشمیر سے مراد موجودہ ملک سندھ کا شمالی مقام کشمورہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اُس زمانہ میں موجود مقام کشمورہ کا کسی ریاست یا سلطنت کا صدر مقام ہونا قطعاً ثابت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کو ضرور صدمہ پہنچایا ہوگا۔

حجاج کی وفات کے بعد خلیفہ ولید بن عبد الملک نے ممالک مشرقیہ کے تمام گورنروں کے پاس احکام بھیج دیئے تھے کہ اب تم فتوحات اور پیش قدمیوں کو روک کر اپنے آپ کو کسی نئے خطرے میں ہرگز نہ ڈالو مشہور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے پاس بھی جو چین کی طرف فتوحات حاصل کر رہا تھا اسی قسم کا حکم پہنچا تھا اور وہ آگے بڑھنے سے ٹک گیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ولید بن عبد الملک اپنے بھائی سلیمان بن عبد الملک کو ولید عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولید بنانا چاہتا تھا۔ اس کام میں حجاج اور اُس کے گروہ کے تمام سردار ولید کے طرف دار اور سلیمان کی معزولی کے خواہاں تھے مگر سلیمان کے طرف دار بھی بہت سے سردار اور با اثر علماء تھے اس لئے ولید کو اپنے ارادے کے پورا کرنے میں حجاج کی وفات کے سبب خطرات نظر آنے لگے تھے اور وہ محمد بن قاسم اور قتیبہ وغیرہ ممالک مشرقیہ کے سرداروں کو ضرورت کے وقت کام میں لانے کے لئے فارغ رکھنا ضروری سمجھتا اور جب تک کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولید عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولید بنانا اُس وقت تک محمد بن قاسم اور حجاج کے گروہ کے تمام سرداروں کو کسی لڑائی میں مصروف ہونے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔ مگر حجاج کی وفات سے سات مہینے بعد جمادی الاول ۹۶ھ میں ولید بن عبد الملک فوت ہو گیا اور اُس کی جگہ سلیمان بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔

سلیمان بن عبد الملک خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ حجاج میرا سب سے بڑا دشمن تھا کیونکہ وہ مجھ کو تخت سے محروم رکھنے کی تدبیروں میں ولید بن عبد الملک کا معاون اور ہم خیال تھا۔ لہذا سلیمان نے تخت نشین ہو کر تمام حجابی سرداروں کو معزول کیا۔ قتیبہ بن مسلم بھی اسی سلسلہ میں قتل ہوا۔ سندھ سے محمد بن قاسم کو بھی معزول کر کے بلوایا۔ عراق کی گورنری پر صالح بن عبد الرحمن کو مقرر کیا جو حجاج کا جانی دشمن تھا صالح بن عبد الرحمن نے محمد بن قاسم کو داسط کے جیل خانے میں قید کر کے قتل کرا دیا۔ محمد بن قاسم نے اپنی معزولی اور عراق کی جانب روانگی سے پہلے ملتان واپس آ کر مقام کیرج کو جوا بھی تک ملک سندھ میں مفتوح ہوئے سے باقی رہ گیا تھا فتح کیا۔ یہاں کے راجہ کا نام دودھ راتے تھا۔ کیرج کو محمد بن قاسم کی آخری فتح سمجھنا چاہئے۔

مسلمانوں نے سندھ پر کیسی حکومت کی | محمد بن قاسم کی بہادری، دانائی اور سلامت روی صحت طرح مسلم

اور مشہور آفاق ہے اسی طرح اس کی یہ صفت خاص بھی معلوم عوام ہے کہ وہ اپنے محسن و مرئی حجاج بن یوسف ثقفی کے کسی حکم۔ کسی مشورے اور کسی ہدایت کی رتی برابر بھی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ اور اس نے اس معاملہ میں جبرت انگیز طور پر احتیاط سے کام لیا تھا۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان ہدایات و نصائح پر نظر ڈالنی چاہیے جو حجاج نے محمد بن قاسم کے پاس لکھ لکھ کر سندھ میں بھیجیں۔ فتح دیبل کی خوش خبری سن کر حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ

”جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رنج احتیاج کے بعد تمام اموال و خزان کو بہبود رعایا اور رفاہ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشت کاروں، کاری گروں، سودا گروں اور پیشہوروں کی خوش حالی و فارغ البالی سے ملک آباد و سرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تاکہ وہ تمھاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں۔“

محمد بن قاسم جب نیروں میں مقیم تھا تو اس کے پاس حجاج کا خط پہنچا کہ ”اہل نیروں کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا سلوک کرو ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو۔ کسی مقام کے اکابر و سردار تمھاری ملاقات کو آئیں تو ان کو قیمتی خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز کرو۔ عقل و دانائی کو اپنا رہبر بناؤ جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمھاری قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہو۔“

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا خط پہنچا کہ

”جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو نا اُمید نہ کرو۔ التجاؤں کو قبول کرو امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو سلطنت کے چار ارکان ہیں۔ اہل دار اور درگزر و محبت، دق و سخاوت و انعام۔ ستم

دشمنوں کی مزاح شناسی اور اُن کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہاں قوت و شہامت۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اُس پر قائم رہو۔ جب وہ مال گزاری دینے کا اقرار کر لیں تو ہر طرح اُن کی امانت و امداد کرو۔ جب کسی کو سفیر بنا کر بھیجو تو اُس کی عقل و امانت کو جانچ لو اور جو شخص تو جید الہی کا اقرار اور تمھاری اطاعت کرے اُس کے تمام مال و اسباب اور ننگ و ناموس کو برقرار رکھو لیکن جو اسلام قبول نہ کرے اُس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ وہ تمھارا مطیع ہو جائے۔ جو شخص بغاوت و سرکشی اختیار کرے اُس سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شریف اور رذیل میں امتیاز کرو۔ ایسا بھی نہ ہو کہ تمھاری صلح جوئی کو دشمن تمھاری کمزوری محسوس کریں ۛ

محمد بن قاسم نے جب دریا کو عبور کر لیا اور داہر کی فوجوں سے مقابلہ شروع ہو گیا تو اُس کے پاس حجاج بن یوسف ثقفی کا خط پہنچا کہ۔

”پہنچ وقت نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر و قرات۔ قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تضرع و زاری کیا کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الہی جاری رکھو کسی شخص کو شوکت و قوت خدائے تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً منظر و منصور ہو گے۔“

داہر کے مارے جانے کا حال محمد بن قاسم نے حجاج کو کو لکھا۔ قاصد حجاج کے پاس سے پہنچنے کے آگیا۔

”تمھارا اہتمام و انتظام اور ہر ایک کام شرع کے موافق ہے۔ مگر ہر خاص و عام کو امان دینے اور دوست و دشمن میں تمیز نہ کرنے سے ایسا نہ ہو کہ کام بگڑ جائے۔ جو لوگ بزرگ اور ذمی و تعیت ہوں اُن کو ضرور امان دو لیکن شیور اور بدعاشوں کو دیکھ بھال کر آؤ گویا کہ اپنے عہد مہمان کا ہمیشہ محاط رکھو اور اسن پسند و ناپسند کی استقامت کرو۔“

اس کے بعد برہن آباد سے محمد بن قاسم نے جو عربینہ بھیجا اس کے جواب میں حجاج نے لکھا کہ

”اے ابن عم محمد بن قاسم تم نے رعیت لوازی اور رنایہ عام ہیں جو کوشش کی ہے وہ نہایت تعریف کے قابل ہے“

مندروں کی مرمت | برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد بن قاسم جب وہاں کا تمام انتظام کر چکا تو بہت سے مندروں کے پجاری اس نوجوان عرب سپہ سالار کے پاس آئے اور کہا کہ اے محمد بن قاسم ہندوؤں نے مسلمان سپاہیوں کے ڈر سے بتوں کی پوجا کے لئے مندروں میں آنا کم کر دیا ہے جس سے ہماری آمدنی میں فرق آگیا ہے۔ مندروں کی مرمت بھی نہیں ہوئی۔ لڑائی کے ہنگاموں اور محاصرے کے ایام میں منجذیقوں کے پتھروں سے ہمارے بعض مندر کہیں کہیں سے شکستہ ہو گئے ہیں تو اپنے اہتمام سے ہمارے مندروں کو درست کرا اور ہندوؤں کو مجبور کر کہ وہ مندروں میں آکر بتوں کی پوجا کریں۔ تو نے کاشت کاروں، سوداگروں اور کاریگروں کے حال پر تو بڑی مہربانیاں کی ہیں۔ ہم لوگ جو مندروں کے متولی ہیں، تیری عنایات سے یکمیں محروم رہیں۔

محمد بن قاسم نے کہا کہ تمہارے مندروں کا اہتمام تو شہر اور سے متعلق ہے۔ میں کیسے دخل دے سکتا ہوں راگور ابھی فتح نہیں ہوا تھا، برہمنوں نے کہا کہ ان مندروں کے مالک دہتم ہم خود ہیں اور اب ہم تیری رعایا بن چکے ہیں تو نے مذہبی آزادی کا اعلان کیا ہے لہذا ہمارے مندروں کی تعمیر و مرمت اور ہماری آمدنی کے نقصان کی تلافی تجھ کو کرنی پڑے گی۔ محمد بن قاسم اس معاملے میں اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ اس نے فوراً حجاج کے پاس اپنی روانہ کیا اور برہمنوں کے مطالبہ کی تفصیل لکھ کر مشورہ طلب کیا کہ مجھ کو اس معاملے میں کیا کرنا چاہیئے؟ حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ

”تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انھوں نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ لہذا ان کو اپنے معبود کی عبادت میں آزادی حاصل ہونی چاہیئے اور کسی قسم کا جبر کسی پر مناسب نہیں ہے“

برہمنوں کے حقوق کی رعایت | یہ خط محمد بن قاسم کے پاس اُس وقت پہنچا جب کہ وہ برہمن آباد سے لوہانہ کی جانب

روانہ ہو کر برہمن آباد سے ایک منزل کے فاصلہ پہ مقیم تھا۔ اس خط کے پہنچنے پر محمد بن قاسم نے برہمن آباد واپس آ کر وہاں کے تمام اکابر و امار کو بلایا اور برہمنوں یعنی پنجابی کے حقوق و مراسم کی تحقیق کی اور راجہ داہر کے زمانہ میں سلطنت کی طرف سے کیا کیا رعایتیں برہمنوں کو حاصل تھیں سب کو معلوم کیا۔ اس کے بعد اُس نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو لوگ اپنے باپ دادا کی مراسم کے پابند ہیں اُن کو ہر قسم کی آزادی ان مراسم کے نبھالنے میں حاصل ہے کوئی شخص معترض نہ ہو سکے گا۔ برہمنوں کو دان پُن۔ وکشنا۔ بھینٹ۔ جس طرح پہلے دیتے تھے اب بھی دیں اپنے مندروں میں آزادانہ پوجا پاٹ کریں۔ محاصل ملکی یعنی سرکاری مال گذاری میں سے تین روپیہ فی صدی برہمنوں کے لئے الگ خزانے میں جمع کیا جائے گا۔ اس روپے کو برہمن جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور ضروری سامان کے لئے خزانہ سے ہر اندک کر سکتے ہیں۔ غرض محمد بن قاسم نے تین روپیہ فی صدی مندروں کے لئے خزانہ سرکاری میں حصہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے برہمنوں کے سب سے بڑے پنڈت کو رانا کا خطاب دے کر ان کے امور مذہبی کا مہتمم اور افسر مقرر کر دیا۔ محمد بن قاسم نے برہمنوں کو سمجھایا کہ شام و عراق و ایران میں مسلمانوں نے یہودیوں عیسائیوں اور آتش پرستوں کے معبودوں کو جس طرح کوئی نقصان نہیں پہنچایا اُسی طرح تمہارے عبادت خانوں کو بھی ہم کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ اس کے بعد محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا یہ خط آیا۔

”میں تمہارے ملکی انتظام سے بہت خوش ہوا ہوں۔ تم ایسے کام کرو کہ تمہارا نام روشن ہو اور تمہارے دشمن عاجز و پریشان ہوں تمہارا ہر ایک کام میں مجھ سے صلاح پوچھنا تمہارے حزم و احتیاط کی دلیل ہے۔ مگر فاصلہ اس قدر دُرا ہے کہ خط کا جواب پہنچنے میں دیر ہوتی ہے اور اس سے کاموں میں التوا ہوتا ہے لہذا تم اب بطریق خود رعیت نوازی اور عدل گستری کے طریقوں پر آزادانہ عمل درآمد کرو۔“

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ایک مقام کو فتح کر کے وہاں کے تمام حزنی اور غیر حزنی لوگوں کو امان دے دی اور ہر قسم کا محصول و لگان بھی ان کو معاف کر دیا اور تمام کیفیت حجاج کو لکھ کر بھیجی حجاج نے اس کے جواب میں لکھا کہ۔

”جو لوگ اہل حرب ہیں ان کو قتل کرو۔ جو مطیع ہوں ان کو امان دو متنازع و تاجر پر کوئی محصول یا ٹیکس عائد نہ کرو۔ جو شخص زراعت میں زیادہ توجہ اور جاں فشانی سے کام لیتا ہے اُس کی مدد کرو اور اُس کو تقاضی دو جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم ہیں ان سے دہی مال گزائی وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے“

ایفائے عہد | اُور کی فتح کے بعد محمد بن قاسم کے پاس کچھ لوگ ایسے پکڑے ہوئے آئے جو آخر وقت تک مسلمانوں سے لڑے تھے اور مہر ایک اعتبار سے کشتنی و گردن زدنی تھے۔ محمد بن قاسم نے ان کو جلاؤں کے سپرد کر دیا کہ ان کو قتل کر دو۔ ان کو جب قتل میں لے گئے تو ان میں سے ایک شخص نے مسلمانوں کے ایفائے وعدہ کی صفت سے فائدہ اٹھانے کی عجیب تدبیر سوچی اُس نے اپنے محافظوں سے کہا کہ میرے پاس ایک ایسی عجیب چیز ہے جو کسی نے کبھی نہ دیکھی ہوگی، جلاؤں نے کہا دکھاؤ۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے سردار محمد بن قاسم کو دکھا سکتا ہوں چنانچہ اس کی اطلاع محمد بن قاسم کو ہوئی۔ محمد بن قاسم نے اس کو اپنے سامنے طلب کیا اور کہا کہ تو کیا دکھاتا ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ ایک عجیب و غریب چیز ہے جو کسی نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ مگر میں اس کو اُس وقت دکھاؤں گا جب کہ محمد کو اور میرے سارے کنبہ کو امان دی جائے۔ محمد بن قاسم نے کہا کہ میں نے امان دی۔ اُس نے کہا کہ اپنا تحریر ہی اور دستخطی امان نامہ دو تو وہ دکھاؤں۔ محمد بن قاسم نے سمجھا کہ کوئی بڑی ہی بیش قیمت چیز ہوگی۔ لہذا امان نامہ پر دستخط کر کے اس کے حوالے کیا۔ امان نامہ لے کر اس نے اپنی مونچھوں کو تازہ دیا۔ سر کے بالوں کو بکھیر دیا۔ ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور پاؤں کی انگلیوں کو اپنے سر سے لگایا۔ پھر ناچنے لگا اور کہنے لگا کہ کسی شخص نے میرا یہ عجیب و غریب تماشا نہ دیکھا ہوگا۔ محمد بن قاسم اپنی غلطی پر حیران تھا۔ اور

لوگوں نے جو وہاں موجود تھے کہا کہ یہ کیا عجیب نما شاہ ہے جس کے لئے امان دی جائے اس نے ہم کو دھوکا دیا ہے اسے قتل کرنا چاہیے۔

محمد بن قاسم نے کہا کہ "قول مرداں جاں وارد" میں چونکہ اس کو امان دے چکا ہوں اس لئے اپنے عہدے نہیں پھر سکتا ہاں یہ مناسب ہے کہ اس کو قید رکھا جائے اور اس معاملے میں حجاج سے فتویٰ طلب کیا جائے جب حجاج کے پاس یہ تمام کہفیت سن لکھی ہوئی پہنچی تو اس نے خلیفہ ولید بن عبد الملک اور کوفہ و بصرہ کے علما کو لکھا اور اس معاملے میں فتویٰ طلب کیا۔ خلیفہ نے بھی اور علمائے کوفہ و بصرہ نے بھی حجاج کو لکھا کہ اس مجرم کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہونا چاہیے۔ چنانچہ حجاج کے پاس سے جواب آنے پر وہ شخص اور اس کے گنہگاروں کو بے رحمی سے قتل کر دیتے گئے (ماخوذ از تاریخ معصومی)

ملتان کا بت خانہ سندھ کے مرکزی بہت خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہاں سورج کا مندر تھا۔ جس میں ایک بت رکھا ہوا تھا جس کی آنکھوں میں لعل لگے ہوئے تھے۔ محمد بن قاسم نے اس بت خانے کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور ہر ہن آباد کی طرح یہاں بھی پجاریوں کو ہر قسم کی رعایت و آزادی حاصل رہی۔

مندروں کے لئے جاگیریں | محمد بن قاسم اور اس کے بعد کے مسلمان گورنروں نے ملک سندھ میں ہندوؤں کے مندروں

کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف کیں جیسا کہ مسجدوں کے لئے بھی انھوں نے اوقاف مقرر کئے مسلمان جو عراق و شام سے آئے تھے۔ مال غنیمت میں ان کا ایک حصہ مقرر تھا۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ سلطنت کے مرکزی خزانہ کا حق تھا۔ پانچواں حصہ رفاہ عام کے کاموں میں لازماً خرچ کیا جاتا تھا۔ اکثر اوقات مرکزی خزانہ کا حق بھی رفاہ رعایا کے لئے خرچ کر دیا جاتا تھا۔ نو مسلموں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں پر بہتر و قریب رکھا گیا تھا۔ ان سے عشر وصول کیا جاتا تھا۔ ان نو مسلموں میں سے جو لوگ فوج میں بھرتی ہو کر کام کرتے تھے ان کو اس خدمت کے عوض اور زمینیں دی جاتی تھیں۔ غیر مسلم جو مسلمانوں کی فوج میں بھرتی ہو کر کام کرتے تھے ان کو تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ نو مسلموں کو بھی اگر وہ خواہش کرتے تھے

تو نقد تنخواہیں ملتی تھیں۔ غیر مسلم جو اسلامی لشکر میں شامل ہوتے تھے اس کے صلے میں ان کا سرکاری لگان معاف کر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے جب کسی حصہ ملک کو فتح کیا تو عموماً وہاں کے پرانے حاکم ہی کو اقرارِ اطاعت لے کر اس ملک کا حاکم مقرر کر دیا۔ عام انتظام کی نگرانی اور عدل کے قائم رکھنے کے لئے مرکزی مقامات میں عرب سرداروں کو بھی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ مگر اس انتظامی پولیس یا فوج میں زیادہ تر سندھ کے نو مسلم ہوتے تھے۔ ہندو سرداروں کے علاوہ جن کا براہ راست سلطنت اسلامیہ کے انتظامی عہدوں سے تعلق تھا۔

ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاست کا قیام | سندھ میں مسلمانوں نے جا بجا ہندوؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں

قائم کر دی تھیں۔ اس طرح ملک کا تقریباً تمام حصہ راجاؤں کے ماتحت تھا۔ ان راجاؤں سے جو مال گزاری یا خراج وصول کیا جاتا تھا۔ وہ بہت ہی قلیل بلکہ برائے نام لیا جاتا تھا۔ زمین کی پیداوار اور آمدنی کی باقاعدہ تخمینیں نہیں کی گئی تھیں۔ زرعی اور خراج کے لئے عام طور پر مراسم قدیم کو معلوم کر کے اُس سے بھی کم روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس روپیہ کا بہت بڑا حصہ رفاہ رعایا کے لئے خرچ ہوتا تھا۔ ہندو راجاؤں کی حکومت میں سندھ کی رعایا کے اکثر طبقات بہت پست اور خراب حالت میں تھے۔ راجہ اور اس کے رشتہ داروں اور مصاحبوں کی گویا پرستش ہوتی تھی اور یہ اعلیٰ طبقہ مال و دولت اور عیش و راحت کا حقیقی وارث و مالک سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی حکومت کے شروع ہوتے ہی یہ طلسم ٹوٹ گیا۔ کیونکہ مسلمانوں کا اعلیٰ حاکم اور ایک ادنیٰ خادم دونوں ایک ہی حالت میں نظر آتے تھے۔ تہذیب و متانت اور عدل و انصاف کے ساتھ عام انسانی مساوات کا جو نقشہ مسلمانوں نے اہل سندھ کے آگے پیش کیا اس نے سب کو متاثر و مدہوش کر دیا۔ رعایا کے دل خوشی سے لبریز ہو گئے اور ہر طرف سے اسلامی سلطنت کی مدح و ستائش کے ترانے بلند ہونے لگے۔ عربی و شامی سرداروں اور سپاہیوں کو بھی کہیں کہیں جاگیریں اور قطععات زمین دیئے گئے تھے۔ مگر وہ تمام زمینیں اور قطععات ان کے اصلی مالکوں کے پاس بدستور رہے جو زرعی مال گزاری سرکاری خزانے میں داخل ہوتا وہ ان جاگیرداروں کو مل جاتا مگر چند

ہی روز کے بعد پڑنے مالک خود جاگیر دار بن گئے۔ اور عرب سردار کہیں سے کہیں تبدیل ہو گئے اور انھوں نے ان جاگیروں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

مسلمانوں نے اس بات کا حد سے زیادہ خیال رکھا کہ ہماری حکومت سے ملک سندھ کے کسی طبقہ اور کسی قوم کو بھی اذیت نہ پہنچے۔ انھوں نے پست لوگوں کو ابھارا تو سہی لیکن بلند رتبہ لوگوں کو پست کرنا نہیں چاہا۔ محمد بن قاسم نے شہروں کو مفتوح کرنے کے بعد دیکھا کہ اہل حرفہ، صناعتوں، سوداگروں اور کاشت کاروں کو جنگ کی وجہ سے نقصان پہنچا ہے تو اس نے حکم دیا کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک کو بارہ دیم دزن چاندی دی جائے۔ تاکہ اپنے کاموں کو جاری کر سکیں اور جس کا نقصان زیادہ ہوا ہے اس کو بعد تحقیق زیادہ امداد دی جائے۔

برہمنوں کا عہدوں پر تقرر | یہ سن کر کہ حکومت کی طرف سے یہ مہربانی عام لوگوں پر ہوئی ہے برہمنوں نے آکر درخواست کی کہ راجہ داسر ہمارا ہم قوم تھا اور ہم ہی سلطنت کے تمام معزز عہدوں پر مامور تھے سب ہماری حکومت کو مانتے اور ہم کو سب سے زیادہ معزز جانتے تھے۔ ہمارے لئے آپ نے کیا انتظام کیا ہے۔ محمد بن قاسم نے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ برہمن لائق ایک معزز اور امور سلطنت سے واقف قوم ہے۔ حکم دیا کہ برہمنوں کو سلطنت اسلامیہ کے معزز عہدوں پر مامور کیا جائے۔ چنانچہ محکمہ مال کا تمام انتظام برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا۔ محمد بن قاسم نے ان کو یقین دلادیا کہ مجھ کو تمھارے اوپر پورا پورا اعتماد ہے۔ اور امید ہے کہ تم بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دو گے۔ زیر مال گزاری کا وصول کرنا۔ اس کا حساب رکھنا۔ خزانہ کی حفاظت کرنا سب برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے زمانے سے لے کر آئندہ ہر ایک زمانے میں ملک سندھ کا مالی محکمہ برہمنوں ہی کے ہاتھ میں رہا۔

اس محکمہ میں مسلمانوں کو خلافت عباسیہ کے زمانے میں بھی دخل و تصرف حاصل نہیں ہوا۔ برہمن، محمد بن قاسم سے جس شخص کی سفارش کرتے وہ اس کے مرتبے کو بلند کر دیتا تھا۔ محمد بن قاسم نے برہمنوں کو تاکید کر دی تھی کہ کاشت کاروں سے محصول یا بٹائی وصول کرنے میں ہرگز کوئی سختی نہ کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو کاشت کاروں

کو سہولتیں دی جائیں جس کاشت کار کے یہاں پیداوار کم ہو اس کو سرکاری لگان منفا کر دیا جائے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ برہمن لوگ خود مواضعات میں جا جا کر سلطنت اسلامیہ کی خوبیوں کا وعظ کرنے اور رعایا کو حکومت وقت کی وفاداری کی ترغیب دینے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ میں عام طور پر اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور یہی سبب تھا کہ ارد گرد کے ہندو راجاؤں نے مسلمانوں کے ساتھ محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنا ضروری سمجھا۔

اوپر کے تمام حالات پڑھنے کے بعد جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم ہندوستان میں صرف ساڑھے تین سال رہا اور اسی قلیل مدت میں اس نے تمام ملک سندھ کو فتح بھی کیا اور ایسا اچھا نظام سلطنت قائم کیا تو حیرت ہوتی ہے اور یہ حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ تصور کیا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم کی عمر سندھ میں داخل ہوتے وقت سترہ سال کی تھی اور جب یہاں سے رخصت ہوا ہے تو بیس یا اکیس سال کی عمر رکھتا تھا۔ محمد بن قاسم کی قابلیت اور حقیقی کامیابی اور قبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ جب ملک سندھ سے رخصت ہوا ہے تو عام طور پر تمام ملک میں سبج و ملال کا اظہار کیا گیا۔ شہر کیرج کے ہندوؤں اور بدھوں نے اپنے شہر میں محمد بن قاسم کا ایک بت بنا کر رکھا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔

محمد بن قاسم کے ساتھ جو عراقی و شامی آتے تھے۔ ان میں سے کچھ شہید ہو چکے تھے جو باقی تھے انھوں نے محمد بن قاسم کے بعد اپنے وطن کو واپس جانا چاہا تو خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کا امتناعی حکم آگیا کہ تم کو سندھ سے واپس آنے کی اجازت نہیں ہے اگر آؤ گے تو ہلا تامل قتل کر دیتے جاؤ گے۔ اس کا سبب غالباً یہ ہو گا کہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں سے خلیفہ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ملک شام میں واپس آ کر کوئی شورش و بغاوت برپا نہ کریں۔ غرض یہ لوگ یہیں رہ پڑے، محمد بن قاسم چونکہ ایک ہرول عزیز سپہ سالار تھا اس لئے اس کے ہمراہیوں نے سلطنت کے کاموں اور انتظاموں میں بھی حصہ لینا ترک یا کم کر دیا۔ ان نو مسلموں اور ہندوؤں کو بھی محمد بن قاسم کے قتل کی خبر سے رنج ہوا۔ جن پر محمد بن قاسم نے احسانات کی بارشیں کی تھیں۔ نئے گورنر یزید

بن ابی کبشہ کا محمد بن قاسم سے چارج لینے کے بعد اٹھارہ سو میں روز انتقال ہو گیا اور اس خبر کے دارالخلافہ جانے اور وہاں سے نئے عامل کے مقرر ہو کر آنے میں دیر ہوئی۔ لہذا راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ نے اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر حکومت کے حاصل کرنے اور اپنے آبائی ملک پر قابض ہونے کی کوشش کی اور یکایک پہنچ کر برہمن آباد پر قابض ہو گیا۔ شامی و عراقی مسلمان دربار خلافت کی طرف سے چونکہ دایوس ہو چکے تھے۔ لہذا انھوں نے کچھ زیادہ کوشش ملک کے بچانے کی نہ کی اُدھر سردار کے نہ ہونے سے کافی مقابلہ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جے سیہ کی حکومت برہمن آباد میں قائم ہو گئی۔ مگر باقی ملک پر اسلامی قبضہ قائم رہا۔

محمد بن قاسم کے بعد عہد بنو امیہ
میں سندھ کی حالت

برہمن آباد پر قابض و متصرف رہا۔ ابھی برہمن آباد کی فتح کا کوئی بندوبست نہ کرے پایا تھا کہ عامر بن عبداللہ بھی فوت ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ سیامان بن عبد الملک نے حبیب بن مہلب کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا، حبیب بن مہلب اپنے ساتھ کافی فوج لے کر آیا۔ اس عرصہ میں جے سیہ کو کامیاب دیکھ کر اور بھی چند راجہ خود مختار ہو چکے تھے، ان کو حبیب نے آکر مطیع و منقاد بنایا۔ ابھی وہ جے سیہ کی طرف متوجہ نہ ہونے پایا تھا کہ کسی ضرورت سے واپس جانا پڑا۔ اس کے جاتے ہی وہ راجے جن کو اس نے ابھی مطیع کیا تھا پھر خود مختار ہو گئے اور برہمن آباد میں جے سیہ کی حکومت اونٹنی زیادہ مستحکم ہو گئی۔ یہ راجے جو جا بجا سندھ کے شہروں پر قابض ہو کر اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنالینے میں کامیاب ہوئے۔ عمواراجہ داہر کے بیٹے بھیتجے اور خاندان کے لوگ تھے۔ ان میں اکثر ایسے تھے جن کو محمد بن قاسم نے اقرارِ اطاعت لے کر حکومتوں پر قائم رکھا تھا۔ صرف ایک جے سیہ ایسا تھا جو باہر سے آکر برہمن آباد پر قابض ہوا تھا۔ سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اسلام کا اخلاقی اثر اس قدر قوی ہو چکا تھا کہ اس بغاوت و سرکشی کے زمانے میں بھی مسلمانوں اور نوز مسلموں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، نہ نوز مسلموں نے اسلام ترک کرنے اور مرتد ہونے کا ارادہ کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز | ہر ماہ صفر ۳۹ھ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ حضرت عمر بن

عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ محمد بن قاسم کے بعد سے اب تک دویس سے زیادہ مدت گذر چکی تھی۔ اس عرصہ میں سندھ کا نظام حکومت بہت ہی ابتر رہا یعنی جلد جلد گورنر آتے اور جاتے رہے کسی کو دیر تک نہا نصیب نہ ہوا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تخت خلافت پر متمکن ہو کر عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا اور ان تمام ہندو راجاؤں کے نام اس مضمون کے خطوط روانہ کئے کہ تم اسلام قبول کر لو۔ بت پرستی کی تاریکی سے نکل آؤ۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو ہم تم کو تمھاری ریاستوں پر بیستور قائم رکھیں گے تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ تمھارے ساتھ مسلمانوں کی مان۔ سلوک کریں گے اور اپنا بھائی سمجھیں گے۔

یہ خطوط جب روساء سندھ کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے بے سیدہ داہرنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ وہ اس عرصہ میں مسلمانوں کے اعمال و عبادات و اخلاق کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا لہذا اس کو اسلام کے قبول کر لینے میں کوئی تاثر نہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی باقی تمام راجاؤں نے بھی جو عموماً اس کے رشتہ دار تھے اسلام قبول کیا اور سب نے اپنے پرانے ناموں کو چھوڑ کر نئے اسلامی نام رکھے۔ ان راجاؤں کے مسلمان ہوتے ہی عام رعایا پر بھی بڑا اثر پڑا اور جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھ کے ملک کا ایک بڑا حصہ پھر مستقل طور پر پرانے حکمران خاندان کی حکومت میں چلا گیا یہ مسلمان راجہ خلیفہ کی سیادت و حکومت کو تسلیم کرتے اور اسلامی شریعت کے پابند تھے اور ان کو اپنی حکومت و ریاست میں ہر قسم کی آزادی و خود مختاری حاصل تھی۔ ایک حصہ ملک سندھ کا ایسا تھا جو براہ راست گورنر سندھ کے قبضہ میں تھا۔ اس علاقے میں بھی ہندو روسا رہا۔ بجا سلطنت اسلامیہ کی طرف سے ہر سر حکومت تھے اور باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت سندھ میں نہایت امن و امان اور شاعت اسلام کا زمانہ تھا۔ اس مبارک عہد میں ہزاروں نہیں بلکہ

لاکھوں سندھیوں نے اسلام قبول قبول کیا۔ سلسلہ میں ان کا انتقال ہوا۔
یزید بن عبد الملک | ان کی جگہ یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا۔ یزید بن عبد الملک
 نے جنید بن عبد الرحمن بن حارث بن خازم بن سنان
 بن ابی عارثہ مضر بنی کو سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔

جنید سلسلہ تک سندھ کا گورنر رہا۔ یہ ایک اولوالعزم اور واقعہ پسند شخص تھا۔
 اس نے ملک کے ہر حصے میں اپنا اقتدار قائم کرنے اور ماتحت راجاؤں کو مرعوب رکھنے
 کی کوشش کی۔ سندھ کے جنوب کی جانب کسی گورنر نے توجہ نہیں کی تھی۔ جنید نے
 گجرات کے راجہ کو بھی اطاعت قبول کرنے اور باج گزار بننے پر مجبور کیا۔ ادھر انھیں
 کے راجہ کو اپنا ماتحت اور خراج گزار بنایا۔ جنید کی ان کارروائیوں کو دیکھ کر بے سیہ
 اور دوسرے نو مسلم فرماں رواں کچھ تردد میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اتفاق کی بات کہ جنید نے
 برہمن آباد کے متصل دریائے سندھ کو عبور کر کے دوسری طرف یعنی حدوہ ریاست
 برہمن آباد میں جانے کا قصد کیا۔ ممکن ہے کہ وہ گورنر سندھ ہونے کی حیثیت سے
 ریاست برہمن آباد کو بھی اپنا ماتحت علاقہ سمجھ کر بہ تقریب دورہ جاتا ہو لیکن بے سیہ
 نے دریائے اس طرف آنے سے جنید کو روکا اور پیغام بھیجا کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز
 کی تحریک سے مسلمان ہوا ہوں۔ یہ ریاست انھوں نے مجھ کو دی ہے۔ تم کو میری
 ریاست میں قدم رکھنے اور بغیر میری اجازت کے یہاں آنے کا کوئی حق نہیں جنید
 نے لکھا کہ میں تمھاری ریاست میں کوئی مداخلت کرنے نہیں آتا ہوں۔ بے سیہ
 نے کہا کہ مجھ کو تمھاری بات کا اعتبار نہیں اور اندیشہ ہے کہ کہیں تم مجھ کو حکومت
 سے معزول نہ کر دو۔ جنید نے کہا کہ میں ضمانت دینے کو موجود ہوں کہ تم کو معزول نہ
 کروں گا۔ مگر ہاں تم سے بطور نشان اطاعت خراج ضرور وصول کیا جائے گا۔ غرض
 جنید کو دریائے پار جانے اور بے سیہ کو اس کے روکنے پر اصرار رہا آخر دواں طرف سے توت
 کا استعمال ہوا۔ ادھر سے روکنے کے لئے اور ادھر سے دریا کو عبور کرنے کے لئے کشتیاں لٹیں
 دریا کے پنج میں جنگ ہوئی۔ اس بحری لڑائی میں بے سیہ کو شکست ہوئی اور جنید
 دریا کے پار پہنچ گیا۔ وہاں بحری لڑائی میں بے سیہ مقتول ہوا بے سیہ کا بھائی اس واقعہ
 کے بعد دمشق کی جانب روانہ ہوا کہ وہاں پہنچ کر خلیفہ سے جنید کی شکایت اور اپنے بھائی کا

تیمم کی وفات کا حال سن کر عراق کے گورنر حاکم بن عبد اللہ نے حکم بن عوانہ کلبی کو سلاطین میں سندھ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ حکم بن عوانہ نے آکر دیکھا کہ سندھ کے اکثر علاقے میں بغاوت پھیلی ہوئی ہے اور تحریک ارتداد نے ان عراقی و شامی عربوں کو بھی جو یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے خطرے میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ تھوڑی تھوڑی تعداد میں مختلف شہروں اور قصبوں میں یکبصرے ہوئے آباد تھے اور اپنے محبوب سپہ سالار محمد بن قاسم کے مقتول ہونے کے بعد نہایت افسردہ خاطر ہو کر اور اپنے ہتھیار رکھ کر اپنی نو مسلم بیویوں اور بچوں کی پرورش کے لئے نو مسلموں کے ساتھ کھیتی باڑی کے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے سلیمان بن عبد الملک کے اس امتناعی حکم کے بعد جس میں ان کو ملک شام میں واپس جانے سے روکا گیا تھا۔ یہ طرز زندگی اختیار کر لیا تھا۔ حکم بن عوانہ کلبی نے سندھ میں آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان تمام عربوں کو مختلف و متفرق مقامات سے بلوا کر ایک جگہ فراہم کیا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک زبردست اسلامی طاقت اس اجتماع سے پیدا ہو جائے۔ اور یہ نشر و پراگندہ مسلمان خطرے سے بھی بچ جائیں۔ یہی لوگ چونکہ سندھ کے اولین فاتح تھے۔ اس لئے اس کو ان کی بہادری اور تدبیر پر بھی سب سے زیادہ اعتماد ہو سکتا تھا اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ محمد بن قاسم چونکہ دربار خلافت کی فوری طلبی پر بلا توقف سندھ سے روانہ ہو گیا اور اس کو پہلے سے سلیمان بن عبد الملک کی مخالفت و عداوت کا حال معلوم تھا لہذا وہ روانگی کے وقت اپنی بیوی رانی لاوی اور اپنے نو زائیدہ بچے کو جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا یہیں اپنے دوستوں کے پاس چھوڑ گیا تھا جو اپنی ماں اور اپنے باپ کے دوستوں کی نگرانی میں پرورش پاتا رہا تھا حکم بن عوانہ کلبی کی طلب پر عمر بن محمد بن قاسم بھی مع اپنے رفیقوں کے اس کے پاس آ گیا۔ عمر بن محمد کی عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔

حکم نے دریا کے مشرقی کنارے پر ان عربوں کو جو مختلف مقامات سے محفوظہ | آکر جمع ہوئے سلاطین میں آباد کر کے اس جدید بستی کا نام محفوظ رکھا اور اسی کو اپنا قیام گاہ بنا کر سندھ کا دارالصدر قرار دیا۔ اس کے بعد حکم بن عوانہ

نے عمر بن محمد کو سندھ کی اسلامی فوج کا سپہ سالار بنا کر باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ عمر نے جا بجا فتوحات حاصل کیں تمام سرکشوں کو مطیع و منقاد بنا دیا اور اپنے باپ کی روایات کو زندہ رکھنے کے لئے سب کو رضا مند بھی کر لیا۔

منصورہ | ملک سندھ میں حکومت اسلامیہ کے مستحکم کرنے کے بعد عمر بن محمد نے دریا کے مغربی کنارے پر محفوظہ کے بالمقابل ایک دوسرا شہر آباد کیا

جس کا نام منصورہ رکھا۔ ۱۲۱ھ میں حکم بن عوانہ بکلی فوت ہو گیا اور عمر بن محمد قاسم کے پاس دربار خلافت سے سندھ کی گورنر کا پر دانہ آ گیا۔ اس کے بعد محفوظہ کی رونق گھٹنے اور منصورہ کی آبادی بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ آئندہ منصورہ ہی سندھ کا حاکم نشین شہر رہا۔ ۱۲۶ھ میں عمر بن محمد کا بھی انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ منصور بن جمہور سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔ ۱۳۱ھ میں خلافت بنی امیہ کا چراغ کُل ہو گیا۔ اس کی جگہ خلافت عباسیہ قائم ہوئی۔ عباسی بنو امیہ کے دشمن تھے۔ سندھ کے گورنر منصور نے جو اموی خلیفہ کا مقرر کردہ حاکم تھا عباسی خلیفہ کی بیعت سے انکار کیا۔ اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہاں چونکہ شامی لوگ موجود تھے اور وہ سب امویوں کے طرفدار اور عباسیوں کے مخالف تھے۔ لہذا سب کے سب منصور کی حمایت و اعانت پر آمادہ ہو گئے۔ عباسیوں کے مشہور وائسرائے ابو مسلم خراسانی نے منصور کو معزول اور سندھ پر حکومت کرنے کے لئے عبدالرحمن نامی ایک سردار کو روانہ کیا۔ منصور نے مقابلہ کیا اور ایک خون ریز جنگ کے بعد عبدالرحمن مارا گیا اگر اس زمانے میں کوئی اموی شہزادہ عبدالرحمن الداخل کی طرح بچ کر سندھ کی طرف چلا آتا تو جس طرح عبدالرحمن الداخل نے اندلس میں ایک شان دار حکومت و خلافت قائم کی اسی طرح سندھ و ہند میں بھی ضرور ایسی ہی شان دار اموی سلطنت قائم ہو جاتی اور محمود غزنوی کو ہندوستان کی طرف آنے کی مطلق ضرورت پیش نہ آتی۔ مگر افسوس اس طرف کوئی ایسا باقبال متوجہ نہ ہوا ابو مسلم خراسانی نے عبدالرحمن کے مقتول ہونے کی خبر سن کر موٹی بن کعب تنہی کو جو محکمہ پولیس کا افسر اعلیٰ تھا ایک بہت فوج دے کر بھیجا۔ منصور نے سندھ کی مغربی سرحد پر آگے بڑھ کر موٹی کو روکا اور معرکہ آرا ہو کر مقتول ہوا۔ اسی لڑائی میں منصور بن جمہور کا بھائی منظور بن جمہور بھی مارا گیا۔ منصور

جس شخص کو اپنا نائب بنا کر منصورہ میں چھوڑ آیا تھا۔ اس نے منصورہ کے مقتول ہونے کی خبر سنتے ہی اپنے اہل و عیال اور خاندان بنو امیہ کے ہمدرد شاہیوں کو لے کر منصورہ سے کوچ کیا اور شہر کو دیران چھوڑ کر سندھ و بلوچستان کے درمیانی پہاڑوں میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ اس طرح علاقہ میں ملک سندھ بھی خلافت عباسیہ کے حدود حکومت میں داخل ہوا۔ خلافت بنو امیہ کے زمانے میں جس طرح تمام دوسرے ملکوں پر حکومت اسلامیہ کا رنگ خالص اسلامی تھا۔ اسی طرح سندھ میں بھی وہی عربی اسلامی رنگ غالب رہا۔ چالیس سال تک خلفائے بنی امیہ کے ماتحت مسلمانوں نے سندھ میں حکومت کی۔

اس چالیس سال میں اسلام کا اثر و اقتدار برابر رو بہ ترقی رہا۔ سندھ میں پہلے ہی سے ہندو اور بدھ مذہب کی مذہبی کشمکش جاری تھی۔ اسی مذہبی معرکہ میں اسلام بھی شریک ہو گیا اور شریک ہوتے ہی اس کو غلبہ حاصل ہوا۔ حکومت و طاقت نے اور بھی اس غلبہ کو پائیدار و تکمیل تک پہنچا کر ثابت کر دیا کہ آئندہ اس ملک کے ہر ایک باشندے کا مذہب اسلام ہو سکتا ہے۔ اسلام اس ملک میں اس طرح داخل ہوا کہ سندھ کے قدیم باشندوں کو اسلام سے کوئی رقابت یا عداوت پیدا نہیں ہوئی اگر رقابت یا عداوت تھی تو وہ محض قومی و نسلی اعتبار سے تھی کہ ہماری قوم سے نکل کر ایک عرب قوم میں حکومت کیوں چلی گئی۔ مذہب کی تبدیلی رقیبانہ جذبہ میں بہت ہی کم اثر انداز تھی کیونکہ اسلام کی مساوات و رواداری اور اسلام کا سادہ اور فطرت انسانی کے موافق ہونا ایک ایسی زبردست اور دل ربا یا نہ کشش رکھتا تھا جس کے آگے رقیبانہ و معاندانہ جذبات نشوونما ہی نہیں پاسکتے تھے۔ خلفائے بنو امیہ کے آخری عہد میں نظام سلطنت بہت ہی کمزور ہو گیا تھا اسی لئے بعض سردار تو یہ کوشش بھی کرنے لگے تھے کہ ہماری ماتحت رعایا اسلام قبول نہ کرے بلکہ غیر مسلم ہی رہے تاکہ اس کو تمام اسلامی حقوق حاصل ہو کر حکومت اسلامیہ میں ہماری ہمسری کا استحقاق حاصل نہ ہو سکے۔ خلافت عباسیہ کو خلافت بنو امیہ کے مقابلے میں جو جو امتیازات حاصل تھے وہ سب ملک سندھ میں بھی نمایاں اور اثر انداز ہوئے۔

سندھ خلافت عباسیہ میں | موسیٰ بن کعب نے سندھ پر قبضہ کر کے بہت جلد تمام ملک میں امن و امان اور انتظام قائم کر دیا اور سب سے پہلے دارالسلطنت منصورہ کی آبادی و رونق رفتہ کے بحال کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ چند روز میں منصورہ پھر آباد اور پُر رونق شہر بن گیا۔ موسیٰ نے سندھ کے نظام سلطنت میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں کی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ اُس نے عبداللہ سفاح عباسی خلیفہ کی اطاعت کا اقرار تمام ردو سار سندھ سے لیا امویوں کے طرف دار دور دراز کے ریکستانی مقاموں اور پہاڑوں میں ردپوش ہو گئے۔ ۱۳۱ھ میں موسیٰ بن کعب کا سندھ میں انتقال ہو گیا۔ اس سے پہلے ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں خلیفہ عبداللہ سفاح فوت ہو کر اس کی جگہ خلیفہ منصور عباسی تخت نشین ہو چکا تھا۔ موسیٰ کے بعد خلیفہ منصور نے موسیٰ کے بیٹے عبید بن موسیٰ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ سال ۱۳۷ھ کے بعد عبید بن موسیٰ کے عمر بن حفص بن عثمان بن قبیصہ بن ابی صفہ ملقب بہ ہزار مرو کو ۱۴۲ھ میں سندھ کا گورنر مقرر کیا۔

اس جگہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عباسیوں کی خلافت ایرانیوں کی مدد سے قائم ہوئی تھی۔ لہذا تمام ذمہ داری کے عہدوں پر ایرانی نو مسلم ہی ہر جگہ نظر آنے لگے تھے خاندان خلافت تو عربی قریشی تھا۔ مگر اپنے اثر۔ اخلاق اور نظام کے اعتبار سے عباسی خلافت کو ایرانی خلافت کہا جاسکتا تھا۔ یہ تغیر کوئی معمولی تغیر نہ تھا۔ اس کو نظر انداز کر دینے سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ خلافت عباسیہ کو قائم ہونے بارہ سال ہی گزرے تھے کہ علویوں یعنی سادات نے خروج کیا اور خلافت عباسیہ کے لئے موت اور زلیت کا سوال پیدا ہو گیا۔ علویوں کی بغاوتوں کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اور علویوں کی اس رقابت نے عباسیوں کی خلافت کا خاتمہ کرنے میں بڑا کام کیا۔ ایرانیوں نے برسرِ اقتدار ہو کر عربوں کو پیچھے ہٹائے اور نیچا دکھانے کی مسلسل کوششیں کیں اور اس کام میں خلفائے عباسیہ کی امداد ان کو حاصل رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو خاندان خلافت سے ہمدردی نہ رہی اور سلطنت اسلامیہ عربوں کی انتظامی قابلیت اور حقیقی اسلامی سادگی اور مساوات سے محروم ہو گئی۔

ایرانی تکلفات اور شاہ پرستی۔ نہ وصل پایا۔ خلیفہ منصور عباسی علم کا شائق تھا اور علماء کا تہذیب دان تھا۔ اس کے زمانے میں تصنیف و تالیف کتب کا سلسلہ جاری رہا۔ میں جاری ہوا۔ دارالترجمہ قائم رہا۔ یونانی علوم کو عباسی خلفاء نے عربی میں ترجمہ کرانے شروع کیا۔ فلسفہ، شریعت، علم کلام وغیرہ کی کرم بازاری ہوئی۔ حکومت کی طرف سے علماء کو آزادانہ مذہبی عقائد، اعمال پر اعتراض کرنے کا حق تسلیم کیا گیا۔ اس مذہبی آزادی کو جو سیر، بزرگبری طرح استعمال کیا اور اپنی محبوبہ سلطانہ کو باوجود قاتل کرنے اور سلطانہ کو اسلامیہ کشتہ آلت رچنے کی کوششوں میں منہر کرنے ہو کر نہایت ملامت لیا کر کے لگا۔ چنانچہ امتیاز میں۔ ابن تثنیخ بابک خرمی۔ قرآن حکم وغیرہ کا نامہ اس میں قجیل سے ہے۔ جعفری، سلطانیت اس۔ امیر کو تخت پر نشان رکھا۔ خلافت عباسیہ میں مذہب مارنے الرشیدیہ اور مادیہ اور شیعہ کا زمانہ جو سلطنت سے شروع ہو کر سلطنت تک ختم ہوتا ہے۔ نسبتاً اچھا اور امین، ان کا زمانہ تھا۔ جس میں یہ مذکورہ فتنہ نہیں اُچھا۔ بلکہ اور سلطانیت اسلامیہ کو زیادہ نقصان بھی نہیں پہنچا سکے اس کے بعد تو گویا فتنوں کا دروازہ کھل گیا تھا جس سے سبب سلطنت اسلامیہ پارہ پارہ ہو گئی۔ ان اشارات کو ذہن میں رکھ کر اس سلسلہ کو

سندھ کی مختصر تاریخ | ادبہ بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں میں شیعہ مذہب سے جو باسی سے نمبر
 بن مفسر کر سندھ کا گزیر کیا تھا یہ عمر بن حفص بن یزید
 شیعیت کی جانب سے رہا وہ فاضل تھا یعنی اس کی سادات و علمائین سے زیادہ ہی تھی۔ انہوں
 تک سادات کے کوئی قابل تذکرہ نگی اور اہم کارروائی خلافت عباسیہ کے خلاف نہیں ہوئی
 تھی۔ وہ اب تک حنفیہ پیروں میں معروف تھے۔ آخر میں اس میں عبد اللہ بن حسن بن علی
 بن ابی طالب کے بیٹوں محمد و ابراہیم نے خود راج کیا۔ حجاز و عراق میں ان کے ہزار ہا طرفدار
 اٹھ کھڑے ہوئے۔ پہنچا کہ اس قدر قوی اور خطرناک تھا کہ خود خلیفہ منصور کے دل پر ہرگز
 نا اُمید ہی نہ غالبہ پالیا تھا۔ ۱۴۱ رمضان ۱۷۵ھ کو محمد بن عبد اللہ جو محمد المہدی کے نام سے
 مشہور ہیں مقتول ہوئے۔ مگر ابراہیم بن عبد اللہ ان کے بھائی کئی برس بعد تک منصور کو پریشان
 کرتے رہے۔ محمد المہدی نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن محمد کو جو عبد اللہ اشتر کے نام سے مشہور تھا
 ۱۷۵ھ میں ملک سندھ کی طرف روانہ کر دیا تھا کہ وہاں جا کر خلافت عباسیہ کے خلاف

باری خلافت کی دعوت و عبداللہ اشتر بن سیرہ ہوتا ہوا ۱۱۷ھ میں جب عمر بن حفص
 نے پاس سندھ پہنچا تو عمر بن حفص نے فوراً اس کو دعوت کو قبول کر لیا۔ خود بھی محمد
 لہری کی بہت اغتیا کی وہ اپنے مائتہ اہل کان سے اہل بیت لی۔ عمر بن حفص نے
 دربارہ تمام عباسی علامات و نشانہ و دور رس کے مجوزہ لے لی تو خلافت کے لئے چھند
 لکھ دیا کہ اسی اثنا دہر عمر بن حفص نے پاس شہنا بدی کے مقتول ہونے کی
 رنجی۔ عمر بن عبداللہ اشتر کو یہ خبر نہ سنا کہ دعوت کی عبداللہ اشتر نے کہا۔ اب
 نہ اپنی جان کی فکر ہے نہ کسی طرح بچاؤ۔ عمر بن حفص نے کہا کہ سندھ کے
 عمر بن حفص نے کہا ہوں ایک رات جو سب سے زیادہ طاقتور ہے اور کافی فوج رکھتا
 ہے وہ آنحضرت کے ساتھ بڑی محبت رکھتا ہے۔ تم اس سے معاہدہ کر کے اس کے
 پاس چل جاؤ۔ عبداللہ اشتر نے اسی سے مذاکرات کی۔ اس نے فوراً اپنے یہاں
 ابالیا اور شہزادوں کی طرف تدبیر و تدبیر کے ساتھ رکھا اپنی بیوی کی سدا ہی بھی
 عبداللہ اشتر سے کر دی۔ رفتہ رفتہ چار سو آدمی اور ہزار ہرت آکر عبداللہ کے
 پاس جمع ہو گئے۔ یہ سب کے سب عرب اور مسلمان تھے۔

منصور کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے عمر بن حفص کو معزول کر کے
 اس کو حاکم ہشام بن عمرو ثمالی کو مقرر کیا۔ عمر بن حفص نے دے کر روانہ کیا اور روانگی
 کے وقت تاکید کی طور پر یہ ایس کی کہ عبداللہ اشتر کو گرفتار یا قتل کرنے کی ضرورت کو شش
 کرنا اگر سندھ کا راجہ اس کے دینے سے انکار کرے تو اس پر حملہ کر کے اس کا ملک
 پیڑی لینا۔ ہشام نے سندھ پہنچ کر اس راجہ سے عبداللہ اشتر کو طلب کیا۔ اُس نے
 دینے سے انکار کیا۔ ہشام نے اپنے بھائی سفیع بن عمرو کو فوج دے کر راجہ سے جنگ
 کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اتفاقاً عبداللہ اشتر مع دس سواروں کے دریا کے کنارے
 سیر کرتا ہوا سفیع کی نظر پڑا اس نے حملہ کیا۔ عبداللہ اشتر اور اس کے ہمراہی مقتول
 ہوئے۔ راجہ کے ملک پر حملہ ہوا لڑائی میں راجہ مارا گیا اور اس کا ملک مقبوضات
 خلافت میں شامل ہوا۔ عبداللہ اشتر کی بیوی اور اُس کا بیٹا جو شیر خوار بچہ تھا اولیں
 کا نام بھی عبداللہ ہی تھا گرفتار کر کے خلیفہ منصور کے پاس دوسرے قیدیوں کے
 ساتھ بھیجے گئے۔ منصور نے اس لڑکے عبداللہ بن عبداللہ اشتر کو اس کی ماں کے

ساتھ مدینہ بھیج دیا کہ عبداللہ اشتر کے رشتہ داروں کے سپرد کر دیا جائے۔
ابھی علویوں کا مذکورہ ہنگامہ پورے طور پر فروغ نہ ہونے پایا تھا کہ ۱۵۱۱ء میں
استمبلی میں رافراسیاب نے نبوت کا دعویٰ کر کے خروج کیا اور منصور کی تمام تر مہمت
اس فتنہ کے فرو کرنے میں صرف ہونے لگی۔ ۱۵۱۲ء میں منصور نے ہشام بن عمرو کو
سندھ کی حکومت سے معزول کر کے اس کی جگہ معبد بن خلیل کو سندھ کا گورنر مقرر کیا۔
ذالحجہ ۹۱۱ھ میں منصور کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ مہدی خلیفہ ہوا۔ ۹۱۲ھ میں خراسان
کے اندرابن مہم نے دعویٰ الہیت کے ساتھ ظہور کیا۔ یہ تنازع کا بھی قاتل تھا۔
اسی سال معبد بن خلیل گورنر سندھ کا انتقال ہوا۔ اور اس کی جگہ روح بن حاتم
سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔ ۹۱۶ھ میں خلیفہ مہدی کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ ہادی خلیفہ
مقرر ہوا۔

اسی سال حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن۔ ثنی بن حسن بن علی بن ابی طالب
نے مدینہ میں خروج کیا۔ اور کہہ ہیں آکر ساہ ذی قعدہ مقتول ہوئے۔ مکہ میں جب حسین
بن علی کا عباسی لشکر سے مقابلہ ہوا تو وہاں بعض ترکوں اور ہندی غلاموں نے حسین
کا ساتھ دیا تھا۔ سندھ کی گذشتہ لڑائی میں عبداللہ اشتر کے مقتول ہونے پر اس کی
بیوی سندھ کے مذکورہ راجہ کی بیٹی، اور بیٹے کے ساتھ بعض برہمن بھی جو راجہ کے
رشتہ دار تھے گرفتار ہو کر بطور جنگی قیدی کے منصور کے پاس پہنچے تھے۔ منصور نے
جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ ان کو مدینہ بھیج دیا تھا۔ یہ جنگی قیدی جو ہندی غلام کہلاتے
تھے حسین مذکور کے ساتھ ہو گئے تھے اور حسین بن علی بن مثلث مذکور کی کامیابی
کو بین اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔ حسین مذکور کے ساتھ ان میں سے بعض مقتول ہوئے اور بعض غلام
ہو کر کسی نہ کسی طرح پھر سندھ میں واپس پہنچ گئے تھے۔ انہیں لوگوں کی اولاد ہے جو اپنے
آپ کو حسینی برہمن کہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے کربلا کے میدان میں حضرت امام
حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا تھا۔ کربلا کے میدان میں ان کا موجود ہونا تو سر امر غلط اور
بے بنیاد ہے مگر ہاں حسین بن علی بن مثلث کو حسین بن علی بن ابی طالب سمجھ لیا گیا ہے
یہ لوگ راجہ داہریا اس کے قریبی رشتہ داروں کی اولاد ہیں اور آج تک سندھ و پنجاب میں
پائے جاتے ہیں اور ہندو مسلمانوں کے قدیمی ہمدردانہ تعلقات کا زندہ ثبوت ہیں۔ ۱۵۱۳ء

میں ہادی کا انتقال ہوا۔ اور اس کی جگہ ہارون الرشید خلیفہ ہوا۔ ابوتراب حاجی گورنر سندھ کے فوت ہو جانے پر ^{۱۸۱}ہجری میں ہارون الرشید نے ابوالعاص کو سندھ حکومت دیکر بھیجا۔ ^{۱۸۲}ہجری میں ابوالعاص کی جگہ اسحق بن سلیمان سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس طرح عباسیوں کی خلافت اپنے سراج کمال کو پہنچی اسی طرح سندھ کا گورنر بھی ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں میں سب سے بڑی طاقت سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ قنوج کے راجہ نے خود کوشش کر کے ابوالعاص گورنر سندھ کی معرفت دارالخلافہ بغداد سے اپنے نیاز مندانہ تعلقات قائم کئے۔ پنجاب و گجرات کے راجاؤں نے گورنر سندھ کے پاس خراج بھیجنا منظور کیا۔

سندھ کے علم و فضل و تہذیب کے اثرات | سندھ کا ملک علم و فضل و تہذیب

اس کی شعائیں بنگال و تبت تک پڑنے لگیں اور علم و علماء کی قدردانی نے ہندوستان کے بالکالوں کو عزت کے ساتھ بغداد تک پہنچا دیا۔ اس زمانے میں قنوج کے راجا کو بغداد میں ملک الہند کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ملک الہند کی طرف سے خلیفہ بغداد کے لئے سوغاتییں اور تحائف پہنچا کرتے تھے۔ قنوج کے اندر اسلام اور مسلمانوں کو بڑی عزت و تعظیم کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ اسحق بن سلیمان دس سال تک سندھ کا گورنر رہا ^{۱۸۵}ہجری میں اس کی جگہ داؤد بن یزید بن حاتم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ بڑا علم دوست اور عادل و مافل شخص تھا۔ اس کے زمانہ میں صوبہ سندھ کی رونق و آبادی اور شان و شوکت نے بڑی ترقی کی ^{۱۹۲}ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے مقام رقبہ بغداد آکر خراسان کے دورے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں ہارون الرشید کی طبیعت ناساز تھی۔ شاہی طبیب حکیم جبریل بن بختیشوع خلیفہ کے ہمراہ تھا۔ خلیفہ نے داؤد بن یزید گورنر سندھ کی معرفت قنوج کے راجہ کو خط لکھا کہ ہم ایک طویل سفر کے لئے دارالخلافہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔ ہماری طبیعت ناساز ہے لہذا تم اپنے خاص طبیب مانک چند کو ہمارے پاس بھیج دو کہ وہ اس سفر میں ہمارے ساتھ رہے۔ ہم جس وقت طبع پہنچ جائیں گے تو اُس کو تمہارے پاس بحفاظت روانہ کر دیں گے۔ اس واقعہ کو ابن جریر طبری نے جو صرف تینتیس سال

بعد ۲۵ھ میں پیدا ہوئے اپنی تاریخ میں دے کیا ہے۔ تاریخ طبری کا ترجمہ (ابو جعفر) بن منصور بن نوح سامانی کے زیر ابو علی محمد بن ۳۵ھ کے قریب فارسی زبان میں کیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”دھارون از نہروان، بیرون کرد براہ عمان بسوئے ملک ہندوستان فرستاد با خواستہ بسیار گفت مرا علت بسیار شدہ است و سفرے دراز و دور پیش آمدہ است آگ پر شک و حکیم، را کہ منکیہ (مانک چند) نام است بفرست تا بخراسان آمد چون ببلخ آہیم اورا بسوئے تو باز فرستیم و ملک ہندوستان منکیہ حکیم را نام است بفرست تا بخراسان و علا حبش کرد پس ہارون را آں بیماری بگردگان زیادت شد اورا گفتند از ہوا ما ہوائے طوس تندست۔ ہارون از گردگان برفت بجاہ صفربال لودوس۔ بطوس شد و آں جاہ سردو میاں سختیشو (جبرئیل بن جہتیشو) و منکیہ خلافت (اختلاف) افتاد ہارون ہا کہ ہارون را بدادند۔۔۔۔۔ و منکیہ باز بنزد ملکان خود بہ ہندوستان آمد“

طوس میں پہنچ کر خلیفہ ہارون الرشید بجاہ جمادی الثانی ۳۵ھ اسی مرض میں فوت ہو گیا مگر مرتے وقت یہ حکم دے گیا کہ ہندی طبیب کو حسب وعدہ قنوج ضرور پہنچا دیا جائے چنانچہ مانک چند کو طوس سے قنوج پہنچا دیا گیا۔ اس واقعہ سے کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہم پہنچتا ہے کہ اس زمانے میں ہندو راجہ مسلمانوں کے خلیفہ کی فرمائشوں کا پورا کرنا اپنا فرض جانتے تھے چاہے اس فرض کا نام اخلاقی فرض ہی رکھ لیجئے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ دربار خلافت کو ہندو درباروں کے طبیبوں تک کے نام بھی معلوم تھے جو تعلقات کے گہرے اور قوی ہونے کی ایک دلیل ہے۔ ہارون الرشید کے بعد اس کا بیٹا امین تخت نشین ہوا۔ مگر ایران و خراسان وغیرہ ممالک مشرقیہ دوسرے بیٹے امون کی حکومت میں رہے۔ پانچ سال تک دو علی اور دو نوں بھائیوں کی مخالفت رہی۔ مگر داؤد بن یزید گورنر سندھ کی قابلیت نے سندھ میں کوئی مضرت علامت پیدا نہ ہونے دی۔ داؤد بن یزید نے اس زمانے میں سندھ کا خراج بھی دربار خلافت کو روانہ نہیں کیا بلکہ تمام خزانہ اسی ملک کے انتظام اور رفاه رعایا کے کاموں پر

خرید کر کے اپنی قبولیت اور شوکت کو ترقی دی۔

۱۹۸ھ میں امین قتل ہوا۔ اور مامون الرشید خلیفہ بنا۔ مامون الرشید کے تحت انبیین ہوئے، اسی پھر مامون الرشید کے زمانے کی شوکت خلافت عباسیہ میں واپس آگئی۔ اور دین زید نے بھی مامون کے نام پر لوگوں سے بیعت لی، اپنی اطا کا اقرار نامہ بھیج دیا۔ مامون نے اس تجربہ کار اور لائق گورنر کو اس کی جگہ پر قائم رکھا اور سندھ کے نزاع کا بھی اس سے کوئی مصلحہ نہیں کیا۔ ۲۰۰ھ میں داؤد کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے بشر بن داؤد کے سندھ کی حکومت ملی اسی سال قوم زطے عراق میں بغاوت کی۔ عیسیٰ بن یزید اس زعم پر مامور ہوا۔ بغاوت ۲۰۱ھ تک تھوڑی بہت جاری رہی۔ بشر بن داؤد نے مقررہ رقم (چودہ سو) نہاد۔ درم سالانہ بھیجی دارالخلافہ کو نہیں بھیجی۔ لہذا ۲۰۲ھ میں حاجب بن صالح کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ مگر بشر نے حاجب کو چارج دینے سے انکار کیا اور متقابلہ پر آمادہ ہو گیا۔ دو برس تک حاجب پریشان زمانا کام رہ کر واپس ہوا تو خلیفہ مامون الرشید نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار غسان بن عباد کو فنی کو ۲۰۳ھ میں لشکر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بشر نے غسان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر نجد کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ اور خلیفہ کے پاس بغداد بھیج دو تو میں اپنے آپ کو تمھارے حوالے کرتا ہوں غسان نے اس شرط کو قبول کر لیا اور بشر کو خود ہمراہ لے کر بغداد گیا۔ خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بشر نے تمام روپیہ رعایا کی فلاح و بہبود میں خرچ کیا ہے تو اس کا قصور معاف کر دیا۔ غسان اپنی طرف سے سندھ میں موسیٰ بن یحییٰ کو حاکم مقرر کر گیا تھا خلیفہ نے اس تقرر کو پسند کر کے موسیٰ بن یحییٰ کے پاس سندھ کی حکومت بھیج دی۔ ۲۰۶ھ میں موسیٰ نے ایک ماتحت راجہ کو جس نے بغاوت و سرکشی اختیار کر لی تھی قتل کیا۔ ۲۰۸ھ میں خلیفہ مامون الرشید عباسی کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی معتصم بن ہارون تخت نشین ہوا۔ اور موسیٰ بن یحییٰ کو بدستور سندھ کی حکومت پر مامور رکھا۔ ۲۱۲ھ میں موسیٰ بن یحییٰ کا انتقال ہوا۔ اور مرتے وقت اپنے بیٹے عمران کو سندھ کی حکومت سپرد کر گیا۔ خلیفہ معتصم نے بھی عمران بن موسیٰ کے پاس سندھ کی حکومت بھیج دی۔ عمران کے زمانہ میں سرحد بلوچستان کے قریب رہنے والے جاٹوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ اس بغاوت کا سبب عراق عرب کے جاٹوں یعنی زطوں کی بغاوت

تھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ عمران نے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اور اس علاقے میں ایک شہر البیضا کے نام سے آباد کیا۔ یہاں سے ملتان گیا۔ پھر وہاں سے قندھار نامی شہر میں گیا جو پہاڑ پر آباد تھا۔ قندھار میں خلیل بن محمد گورنر سندھ کے ماتحت حکومت کرتا تھا اس سے آثار سرکشی معائنہ کر کے عمران نے اس کو قتل کر دیا۔ عمران کا دو سال کے بعد انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ فضل بن یامان سندھ کا فرماں روا ہوا۔ چند ہی روز کے بعد وہ بھی فوت ہوا تو اس کا بیٹا محمد بن فضل سندھ کا حاکم ہوا۔ محمد بن فضل نے ایک بیڑہ جہازوں کا تیار کر کے مہاراشٹر دلا بار کے ساحل پر چڑھائی کی۔ اس کی غیرو موجودگی میں اس کے بھائی یامان نے سندھ پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور خلیفہ معتمد کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ مجھ کو سندھ حکومت عطا ہو۔ مگر ماتحت راجاؤں اور رئیسوں نے مل کر اس کو قتل کر دیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ ۲۲۷ھ میں معتمد کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ واثق خلیفہ ہوا۔ معتمد کے زمانے میں بابک غرہی کا فتنہ برپا ہوا اور خلیفہ کی تمام تر توجہ اسی طرف منحرف رہی اُدھر ماوراء النہر میں سرکشیوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ خاص بغداد میں عربوں اور ترکوں کی رقابت کے ہنگامے نے خطرناک صورت اختیار کی اور سندھ کے صوبے کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت ہی دربار خلافت کو نہ مل سکی۔ سندھ کے صوبے کی یہ خود مختاری مرکزی حکومت یعنی دربار خلافت کے مصروفِ آلام ہونے کا لازمی نتیجہ تھا۔ نہ صرف سندھ بلکہ اور بھی صوبے جو بغداد سے زیادہ فاصلے پر تھے خود مختار رہنے لگے۔

سندھ کی خود مختاری | سندھ کی خود مختاری کی ذمیت یہ تھی کہ اس ملک کے چھوٹے چھوٹے قطعات پر کہیں مسلمان اور کہیں ہندو

گورنر سندھ کی ماتحتی میں حاکم تھے۔ ان تمام حاکموں نے خود مختار ہو کر زرخیز ادا کرنا بند کر دیا اور ہر ایک نے یہ کوشش کی کہ دربار خلافت سے میرا براہِ راست کچھ نہ کچھ تعلق قائم رہے اور گورنر سندھ کی ماتحتی سے آزادی حاصل ہو۔ چنانچہ ایک ملک سندھ میں کئی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ خلافت میں دم بدم ضعف آتا گیا دربار خلافت پر جاہل ترکی علاموں کا قبضہ ہو گیا۔ ایران و خراسان پر صفاریوں نے تسلط بٹھالیا۔ بحرین و کوفہ میں زنگیوں پھر قریطوں کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ سندھ

کے تعلقات حقیقتاً دربار خلافت سے منقطع ہو گئے۔ مگر بظاہر ۲۵۸ھ تک باقی رہے، ۲۵۸ھ تک سندھ پر باقاعدہ گورنروں نے حکومت کی۔ ۲۵۸ھ سے ۲۵۹ھ تک یہ حالت رہی کہ سندھ کے رئیسوں نے خلفائے بغداد کی سیادت کو برابر تسلیم کیا۔ باقاعدہ خراج تو سندھ سے جانا بند ہو گیا۔ مگر اس خوف سے کہ کہیں دار الخلافہ کے جھگڑوں سے فارغ ہو کر خلیفہ اس طرف فوجیں روانہ نہ کر دیے اور ہم کو ہماری خود مختاری کا مزہ نہ چکھائے۔ روسائے سندھ معمولی ہدیے اور تحفے روانہ کرتے خوشامد عرضیاں بھیجتے اور اپنی وفاداری و اطاعت کا یقین دلالتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کی شکایت بھی کرتے اور اپنے آپ کو مصروف پریشانی ظاہر کر کے زرخراج کے نہ بھیجنے کا عذر بھی پیش کرتے رہتے تھے۔ خلیفہ چونکہ کوئی مؤثر کارروائی اس ملک میں نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ اس زبانی اطاعت اور اقرار فرماں برداری ہی کو غنیمت سمجھ کر سندھ کو اپنا صوبہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ ۲۵۸ھ میں جب خلیفہ متوکل نے اپنے تینوں بیٹوں محمد۔ طلحہ اور ابراہیم کی بیعت دلی عہدی لے کر تینوں میں اپنے مقبوضہ ملکوں اور صوبوں کو تقسیم کیا ہے تو اس تقسیم نامہ میں صوبہ سندھ کا نام بھی موجود ہے۔ خلیفہ محمد علی اللہ کے زمانے میں یعقوب بن لیث صفار نے سندھ پر قبضہ کیا اور سندھ کے رئیسوں سے خراج وصول کر کے اقرار اطاعت بھی لیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد ۲۶۵ھ میں یعقوب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ممالک مشرق پر سامانیوں کا تسلط ہوا۔ وہ سندھ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملتان اور منصورہ میں دو بڑی خود مختار اسلامی ریاستیں قائم ہو گئیں اور انھوں نے اپنی ہمسایہ ہندو ریاستوں کے ساتھ دوستانہ و ہمدردانہ تعلقات قائم کر لئے۔

عہد عباسیہ میں ہندو مسلم تعلقات | ملک سندھ پر پورے چالیس سال خلفائے بنو امیہ کی حکومت رہی۔ ان کے بعد پورے نوے سال تک سندھ خلفائے عباسیہ کی شہنشاہی میں شامل رہا۔ جس پر خلفائے عباسیہ کے مقرر کئے ہوئے گورنر حکومت کرتے تھے۔ ۲۵۸ھ سے ۲۵۹ھ تک یعنی تینتیس سال سندھ میں چھوٹے چھوٹے رئیس خود مختار مگر خلیفہ بغداد کو اپنا آقا تسلیم کرتے رہے۔ ۲۵۸ھ سے ۲۶۵ھ تک یعنی سات سال بھلائے عباسی خلیفہ کے

لیتھو، بھارت، سیات و شہنشاہی مسلم، ہی اور اس کے غیر مقررہ طور پر کچھ خراج بھی وصول کیا۔ اس کے بعد سندھ کا ملک خلیفہ پاکستان دوسری شہنشاہی نے اترے بالکل آزاد ہو گیا جس میں ملتان و منصورہ کا راجہ وسیع اور طاقتور خود مختار اسلامی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ غلط فہمی انہی کے چالیس سال ایسے تھے کہ مسلمانوں نے سندھ پر خالص اسلامی اصول کے موافق حکومت کی۔ انہوں نے سندھی راہ کے مذہب میں قطعاً کوئی دخل نہیں دیا اور اس ملک کے پرانے مروجہ مذہب کے ساتھ اس قدر رواداری و مسالمت کا رونا دیکھا کہ اس سے بڑھ کر رواداری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس عرصہ میں سندھی لوگ اسلام کی خوبیاں دیکھ دیکھ کر بخوشی اسلام میں داخل ہوتے رہے یعنی اسلام کے بعض نمونے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا۔ خلیفہ عباسیہ نے شروع ہی سے تعریف و تالیف علوم کی تدوین اور یونانی علوم کے تراجم کی طرف توجہ مبذول کی حکمت و فلسفہ اور علم کلام کا زور شور ہوا۔ عقائد و اعمال مذہبی عقل کی کسوٹی پر کسے جانے لگے اور دلیل و برہان کے ذریعہ مذہبی عقائد و احکام کی خوبی ثابت کی جانے لگی۔ یہ علمی سرگرمی بجائے خود ایک اعلیٰ درجہ کی مذہبی رواداری تھی اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی رواداری کو اس طرح عباسیوں نے پہلے سے دگنا کر دیا تھا۔ محمد بن قاسم جب سندھ میں داخل ہوا تو یہاں برہمنی مذہب اور بدھ مذہب میں مقابلہ اور نفرت کا سلسلہ جاری تھا۔ دونوں مذہبوں کے پیرو ملک سندھ میں موجود تھے۔ اسلامی حکومت کے قائم ہونے ہی چونکہ مذہبی آزادی کا اعلان ہو گیا تھا اور برہمنوں کی مرادیں اسلامی حکومت میں خاطر خواہ عہدے پالینے سے پوری ہو چکی تھیں لہذا انہوں اور برہمنی مذہب کے عامیوں کا آپس میں مباغٹ کرنا اور ایک دوسرے کی تحریب کے لئے کوششیں کرنا بھی موقوف ہو گیا تھا۔ دونوں مذہبوں کے ماننے والے امن و امان اور صبر و سکون کے ساتھ اسلامی حکومت کے سایہ میں اپنے اپنے طریقوں پر قائم رہ کر زندگی بسر کرنے لگے۔

سندھ میں مذہبی مناظروں اور مباغثوں کا سلسلہ | عباسیوں کی خلافت میں

سے مذہب کی صداقت ثابت کرنے کا رواج ہو گیا تھا لہذا سندھ میں بھی مذہبی مباغثوں اور مناظروں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہندوؤں اور بدھوں کو اپنی اپنی سمجھ

اور قابلیت کے سوا فنِ ستقامتِ اسلامی پر آزادانہ اور علامہ غیر اعتراضات کرے۔ بانیِ ترمذی حاصل ہوئی۔ مسلمانوں نے ہر طرح ان کی تسکین کی اور سیاست میں نا جواب ہو کر ان کو اسلام کی صداقت کا اقرار کرنا پڑا۔ یہ گویا ہندوؤں اور بدھوں کے مسلمان ہونے کا ایک نہایت ہی عجیب و غریب غلط فہمی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ جہم بن صفوان سے جو علم کلام کے بانی مصل بن علی کا شاگرد اور نرترہ جہم کے بانی ہیں چند بدھ مذہب کے عالموں کا وجود باری تعالیٰ کے مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ بدھ مذہب والے ہستی باری تعالیٰ کے قائل نہ تھے۔ اس مباحثہ میں جہم اپنے حریفوں کو خاموش نہ کر سکا۔ اس نے بدھوں کے اعتراضات لکھکر قتل کے پاس بصرے میں بھیجے وہاں سے واصل نے ان کے جوابات لکھکر جہم کے پاس سندھ میں بھیج دیئے۔ جہم نے جب بدھوں کو ان کے اعتراضوں کے جواب سنائے تو انہوں نے کہا کہ جس شخص نے یہ جوابات لکھکر بھیجے ہیں ہم کو اس کو پتہ بتاؤ۔ تاکہ ہم خود اس کے پاس پہنچ کر تسکین حاصل کریں۔ آخر یہ بدھ علماء بصرہ پہنچے۔ واصل سے گفتگو کی اور اسلام کی صداقت کے دلائل سن کر مسلمان ہوئے۔ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں اس ملک کے ایک بدھ راجہ نے اسلام کی حقانیت کے دلائل سن کر اپنا میلان طبع اسلام کی طرف ظاہر کیا۔ درباری پنڈتوں نے راجہ کے خیالات کو اسلام کی طرف سے پھرنے کے لئے اسلام کے خلاف دلائل بیان کرنے شروع کئے۔ راجہ نے ہارون الرشید کو خط لکھا کہ آپ اپنے مذہب کے کسی عالم کو میرے پاس بھیج دیجئے تاکہ اس سے مباحثہ کیا جائے۔ اگر اس نے اپنے مذہب کی صداقت و حقانیت ثابت کر دی اور ہمارے پنڈت مباحثے میں ہار گئے تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ ہارون الرشید نے ایک محدث کو بھیج دیا۔ محدث صاحب چونکہ علم کلام سے ناواقف تھے اس لئے وہ بدھ پنڈتوں کے سوالات کا مسکت جواب نہ دے سکے۔ راجہ نے ہارون الرشید کو لکھا کہ کوئی ایسا شخص بھیجے جو دلائل عقلی سے بحث کر سکے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے مہر یا ابو غلہ نامی ایک شکم کو روانہ کیا جب وہ حدود ہندوستان میں داخل ہوا تو پنڈتوں نے اپنا ایک آدمی بھیج کر راستہ ہی میں اس کی قابلیت کا اعجازہ کیا اور جب ان کو معلوم ہوا کہ اس شخص سے مباحثے میں مقابلہ کرنا دشوار اور راجہ کا مسلمان ہونا یقینی ہے تو انہوں نے اس مسلمان عالم کو راجہ کے دربار تک پہنچنے سے پہلے ہی زہر دلو کر مروا ڈالا۔

سندھ کے طبیب اور عالم بغداد میں | اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ہارون الرشید نے قنوج کے دربار سے مانک چند کو طلب کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی ہندی اور سندھی طبیب بغداد میں جا چکے تھے جو اپنے اپنے آبائی مذہب کے پابند تھے سندھ کے بہت سے نو مسلموں نے قبول اسلام کرنے کے بعد مکہ و مدینہ کا سفر اختیار کیا۔ بعض تحصیل علم کے شوق میں وہاں بہت رہے۔ بعض وہیں رہ پڑے چنانچہ ابو معشر کبجہ جو مدینہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور فن مغازی و سیر کے امام سمجھے جاتے تھے ایک سندھی نو مسلم تھے جو سلاطین میں فوت ہوئے اور ہارون الرشید نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ رجا نامی ایک بزرگ چھ بھاء السندھی اس سفر آئینی مشہور ہیں۔ علم حدیث کے استاد اور سندھی نژاد تھے۔ اوپر مولیٰ بن یحییٰ اور اس کے بیٹے عمران بن مولیٰ گورنران سندھ کا ذکر آچکا ہے۔ جس زمانے میں عمران بن مولیٰ سندھ کا حاکم تھا۔ دواۓ سندھ ساگر میں ایک راجہ مدد مذہب کا پیر و حکمران تھا اس کی راجدھانی میں مدد کا ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اتفاقاً راجہ کا بیٹا بیمار ہوا۔ اس نے مندر کے پجاریوں کو بلا کر التجا کی کہ میرے بیٹے کے تندرست ہونے کے لئے اپنے بُت سے التجا کرو۔ پجاری مندر میں گئے اور پوجا پاٹ کے بعد واپس آکر راجہ سے کہا کہ بُت نے ہماری دعا قبول کر لی ہے۔ اب آپ کا بیٹا تندرست ہو جائے گا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد راجہ کا بیٹا مر گیا۔ راجہ اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے بُت خانہ کو مسمار کر دیا اور بُت کو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ اتفاقاً اس کی راجدھانی میں چند مسلمان سوداگر گئے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو بلوا کر کہا کہ میں اپنے مذہب کو تو جھوٹا اور غلط سمجھنے لگا ہوں۔ تم اپنے مذہب کے اصول بیان کرو۔ مسلمان سوداگروں نے خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور رسالت محمدیہ کا حال سنایا راجہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ یہ واقعہ ۲۲ھ کے قریب کا ہے جبکہ چند ہی سال بعد خلفائے عباسیہ کی باقاعدہ حکومت سے سندھ کا ملک کا آزاد ہونے والا تھا۔

مذکورہ بالا واقعات سے کم از کم یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ عہد عباسیہ کے ابتدائی نوے سال کی مدت میں اسلام کو سندھی اور ہندی لوگ اچھی طرح سمجھنے لگے تھے اور

اسلام کی طرف ہندی راجاؤں کی توجہ محض اس لئے نہیں تھی کہ مسلمانوں کی سلطنت دنیا میں سب سے بڑی سلطنت تھی، بلکہ وہ اسلام کی ذاتی خوبیوں سے واقف ہو کر مسلمانوں کو واجب التکرم اور متحق رعایت سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے قنوج و پنجاب تک مسلمان سوداگراور مسلمان سفر آمد و رفت رکھتے تھے۔ سندھ کا ایک اس عرصہ میں مسلمانوں کا وطن مالوف بن چکا تھا۔ سندھی نو مسلم اسلام اور علوم اسلامیہ سے واقف ہو کر عربی مسلمانوں کیلئے واجب التعظیم اور امام فن بننے لگے تھے۔ برہمنی مذہب کوئی با اصول اور علمی میدان میں آنے کے قابل مذہب نہ تھا بلکہ اس وقت تک وہ برہمنوں کی ایک قومی تحریک تھی جو بدھوں کی جگہ اپنا اقتدار محض ذات پات کی قیود کے ذریعہ قائم کرنا چاہتے تھے اور اپنے مذہب کے محکم اصول پیش نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بدھ مذہب ہی سر جگہ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان مناظرہ میں آیا جس کے پاس سب سے زبردستی اور حقیقتاً سب سے زیادہ کمزور ایک ہی تمہیارتھا یعنی اٹکا رہتی باری تعالیٰ۔ ہندوستان کے جس جس حصہ میں اسلام پہنچا۔ وہاں من حیث المذہب نہ اس کی قابل تذکرہ مخالفت ہوئی۔ نہ کوئی ہندوستانی مذہب اس کے مقابلہ میں ٹھہر سکا۔ مسلمانوں نے نہ اس ملک کے مندروں کو ڈھایا۔ نہ اس ملک کے رہنے والوں کو خوف یا لالچ کے ذریعہ مسلمان بنانا چاہا۔ جس قدر لڑائیاں ہندو اور مسلمانوں میں ہوئیں وہ ایسے اسباب کی بنا پر ہوئیں کہ ان اسباب کی بنا پر ہندو ہندوؤں اور مسلمان مسلمانوں سے لڑ سکتے تھے۔ لڑتے رہے تھے۔ لڑ سکتے ہیں اور لڑتے رہیں گے۔ غرض ان لڑائیوں کا سبب مذہبی اختلاف ہرگز نہ تھا۔ یا کم از کم مسلمانوں نے تو ہرگز کسی کو محض اس لئے نقصان نہیں پہنچایا کہ اس کا مذہب اسلام نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو سندھ میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے ماتحت وہ مذہبی آزادی اور ہر قسم کی مراعات کبھی حاصل نہ ہو سکتیں جن کا بالتفصیل اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

سندھ کی خود مختار
اسلامی ریاستیں

۶۵ھ سے ملتان و منصورہ کی مدلوں اسلامی ریاستیں
ہائل آزاد و خود مختار ہو گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ علویوں اور شیعوں کے طرف داروں نے عجیب عجیب چالاکیاں

اور نئی نئی ترکیبوں سے تمام عالم اسلام میں ایک لچل مچادی تھی۔ مصر و افریقہ و شام و عراق و خراسان غرض ہر ملک میں عباہیوں کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی تیاریاں

قرامطہ کے مناد دستر دہیں | ۱۲۸۷ء میں ذہب قرامطہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ان لوگوں نے بجائے خانہ کعبہ کے بیت المقدس کو اپنا کعبہ قرار دیا تھا۔ ۱۲۸۷ء میں ابو سعید قرمطی نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ ان لوگوں کی طاقت و شدت یہاں تک بڑھ گئی کہ انھوں نے حج بیت اللہ میں سخت رکاوٹیں پیدا کیں۔ ۱۲۹۱ء میں یحییٰ بن زکریا قرمطی لڑائی میں مارا گیا تو اس کے بھائی حسین نے اس کی جگہ تنکس ہو کر امیر المومنین مہدی اپنا لقب رکھا۔ ۱۲۹۴ء میں قرامطہ نے حاجیوں کو قتل کیا اور خلیفہ کو خود ان کے مقابلے کے لئے نکلتا پڑا۔ ۱۲۹۵ء میں قرامطہ بحرین یعنی ساحل خلیج فارس سے فلسطین تک اور بحرہ سے مکہ عظمیٰ تک چھا گئے۔ ماوراء النہر اور خراسان پر سامانی حکومت قائم ہو گئی۔ آذربائیجان و فارس پر علوی اور علویوں کے طرف دار مسلط ہو گئے۔ سامانیوں کو ثوعباسی خلیفہ کی روحانی سیادت تسلیم تھی۔ لیکن قرامطہ اور شیعہ عباسیوں کے سخت دشمن تھے۔ ان حالات میں قرامطہ کا مذہب کی اسلامی ریاستوں کی طرف متوجہ ہونا ضروری تھا۔ دربار بغداد کی طرف سے چونکہ مزاحمت اور طاقت کے استعمال کا سلسلہ قرامطہ کے خلاف جاری تھا۔ لہذا قرامطہ کوئی فوج اور جنگی مہم تو نہیں بھیج سکے لیکن ان کے مناد اس ملک میں آتے رہے۔ یہاں کے مرکزی مقاموں یعنی ملتان و منصورہ وغیرہ میں ان کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ لیکن مفصلات میں قرامطی تحریک کا چرچا ضرور کچھ نہ کچھ ہوا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ دربار خلافت سے تعلق منقطع ہونے کے بعد سندھ میں ملتان و منصورہ کی دوطاقتور ریاستیں قائم ہو گئی تھیں لیکن یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ان دونوں اسلامی ریاستوں کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں سندھ میں ان کے ساتھ ہی قائم ہو گئی تھیں جو مختلف سرداروں اور بعض ان لوگوں نے قائم کر لی تھیں جو محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کی اولاد اور زیادہ تر پہاڑی اور ریگستانوں کے دشوار گزار مقامات میں آباد تھے۔ سندھ جب خلافت عباسیہ کے دربار سے منقطع ہوا تو ان لوگوں نے بھی جو ہزامیہ کے طرف داروں کی اولاد تھے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی حالت کے مضبوط کرنے اور اولوالعزمی سے کام لینے

میں مصروف ہوئے۔

سندھ کی اسلامی ریاستوں کی اجمالی کیفیت

ان تمام اسلامی ریاستوں کی مجمل کیفیت جو سعودی کی کتاب مروج الذہب اور اسی کے قریبی زمانے کے سفرناموں سے مستفاد ہوتی ہے یہ ہے کہ ملتان سے جنوب کی جانب ساحل بحر تک یقیناً ملتان و منصورہ کی دولاں زبردست اسلامی ریاستیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان دولاں ریاستوں کی حدود مقام الود پر جو راجہ داسراہارا سلطنت تھا ملتی تھیں۔ شہر اکوڑ ریاست منصورہ میں تھا اور سے شمال کی جانب ریاست ملتان کی حد شروع ہو جاتی تھی۔ ان دولاں ریاستوں کی مشرقی اور مغربی حدود کا صحیح تعین اور پتہ اس وقت بتانا دشوار ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ ان ریاستوں کی مشرقی حدود پر چھوٹی چھوٹی ہندو ریاستیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اور یہ مشرقی ہندو ریاستیں سابقہ صوبہ سندھ کا جزو تھیں۔ ان ہندو ریاستوں کے رئیس وہی ہندو سردار تھے جن کو مسلمانوں نے اپنی ماتحتی میں حاکم مقرر کیا تھا۔ ان ریاستوں سے ملتان و سندھ کی ریاستوں کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ملتان و منصورہ کے مغرب کی جانب چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستیں تھیں۔ ان سے بھی منصورہ و ملتان کے اسی طرح دوستانہ تعلقات تھے جیسے ہندو ریاستوں سے تھے۔ سعودی سندھ میں داخل سندھ ہوا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ملتان کے اندر بنو سامہ بن لوی بن غالب کی حکومت ہے۔ سامہ بن لوی بن غالب قبیلہ قریش کا وہ شخص تھا جس نے آنحضرت صلعم کی ولادت سے پہلے بحرامان کے ساحل پر مقام اختیار کر لی تھی اسی شخص کی نسل سے ملتان کا فرماں روا تھا۔ سعودی کا بیان ہے کہ ملتان کی سلطنت میں ایک لاکھ کے قریب گائے آباد ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ملتان میں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا ثبوت خانہ ہے جس کی پرستش اور زیارت کے لئے دور دور سے جاتری آتے ہیں اور موتی۔ سونا۔ چاندی۔ زیئوں کا تیل اور خوشبودار چیزیں

چڑھاتے ہیں جب کوئی ہندو راجہ ملتان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ملتان کا امیر اس کو دھمکی دیتا ہے کہ میں تمھارے مندر کو تباہ کر دوں گا اس لئے وہ حملہ آوری سے رُک جاتا اور امیر ملتان سے دوستانہ تعلقات قائم رکھتا ہے۔ ابن حوکل کا بیان ملتان کی نسبت یہ ہے کہ ملتان بہت بڑا شہر ہے۔ اس میں ایک قلعہ بنا ہوا ہے۔ ملک سرسبز ہے اور غلہ ارزاں مگر منصورہ کی سرسبزی کو نہیں پہنچتا۔ منصورہ کھیتی باڑی کے معاملہ میں ملتان پر فضیلت رکھتا ہے۔ امیر ملتان شہر سے باہر اپنے قلعہ میں رہتا۔ اور جمعہ کے دن باققی پر سوار ہو کر شہر کے اندر جامع مسجد میں آتا ہے۔ یہاں کوئی خاص سکہ نہیں ہے۔ تمام ملکوں کے درہم و دینار یہاں چلتے ہیں۔ سندھی لوگ عراقیوں کا سا لباس پہنتے اور عراقی لوگ سندھی لباس استعمال کر لیتے ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لباس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ملتان اور منصورہ دونوں ریاستوں کے فرماں روا مطلق العنان ہیں ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا ماتحت نہیں ہے۔

منصورہ کی ریاست | منصورہ کی ریاست میں بھی ایک قریشی امیر فرماں روا تھا۔ ریاست منصورہ سمندر کے ساحل سے شہر اٹور تک

وسیع تھی۔ اس ریاست کا رقبہ ملتان کی ریاست سے بڑا تھا۔ اس میں تین لاکھ گائوں آباد تھے۔ زراعت خوب ہوتی تھی۔ باغات کی کثرت تھی۔ تمام ملک اپنی سرسبزی و آبادی کے اعتبار سے قابل رشک حالت میں تھا۔ یہاں کا امیر بہار بن اسود قریشی النسل تھا۔ بہار بن اسود کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ یہ ان اشخاص میں سے تھا جن کی نسبت فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ جہاں میں ان کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن بعد میں جبہار نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلعم نے اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا تھا۔ ریاست منصورہ کی فوج بھی زبردست اور بہرہ اوقات کیل کاٹنے سے درست اور مستعد مقابلہ رہتی تھی۔ ریاست منصورہ کو بلوچستان کی طرف سے حملہ آور ہونے اور لوٹ مار کرنے والے قبائل کا مقابلہ کرنا اور اپنی حدود کو محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ منصورہ کی فوج میں زرہ پوش جنگی ہاتھی بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ شہر اٹور میں امیر منصورہ کا ایک نائب رہتا تھا۔ شہر اٹور کی دوہری فصیل تھی اس کے علاوہ اور بھی کئی مضبوط قلعے اور بڑے بڑے شہر اس ریاست

میں موجود تھے۔ منصورہ اور ملتان کی ریاستوں میں عربی اور سندھی دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی یہ دونوں اسلامی ریاستیں اس قدر طاقتور تھیں کہ کوئی ہندو ریاست ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ ملتان کی ریاست منصورہ سے کسی قدر کمزور تھی۔ لیکن ملتان کے مندر کی اہمیت نے اس کمی کو پورا کر دیا تھا۔

مسلمانوں کی ایک ریاست مغربی سندھ میں توران نامی تھی۔ مسعودی کے زمانے میں یہاں کے امیر کا نام ابو القاسم تھا جو بصرہ کا رہنے والا تھا۔ کیکانان میں بھی ایک اسلامی ریاست تھی۔ جہاں کے حاکم کا نام معین بن احمد تھا۔ یہ اپنی ریاست میں خلفائے عباسیہ کے نام کا خطبہ پڑھواتا تھا۔

ایک اور ریاست قصدر تھی جو ملتان سے ہیں منزل کے فاصلہ پر شمال و مغرب کی جانب واقع تھی۔ اس ریاست میں خارجی لوگ زیادہ آباد تھے اور ملک میں ہر قسم کا امن و امان تھا۔

سندھ کی ہندو ریاستیں | سندھ کی ہندو ریاستوں میں بھی مسلمان آباد تھے مسلمانوں کی مسجدیں بھی آباد اور مسلمانوں کو ہر قسم کے ہمسایہ حقوق حاصل تھے اور ہندو راجہ ان کی بہت کچھ رعایت اور خاطر مدارات کرتے تھے۔ مثلاً میں پنجاب کے ایک راجہ نے جس کا نام تہرگ بن راگت تھا۔ ابو المنذر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز فرماں روا نے منصورہ کو خط لکھا کہ میرے پاس کسی ایسے مسلمان عالم کو بھیجے جو ہندی زبان جانتا ہو۔ اور اسلام کے اصول و عقائد مجھ کو سمجھا سکے۔ فرماں روا نے منصورہ کے عراق کے ایک عالم کو جو عرصہ سے ہندوستان کے شہروں میں سفر کرتا رہا تھا اور اس ملک کی زبان سے خوب اچھی طرح واقف تھا بلا کر اس خط کا مضمون سنایا اس نے تمام اسلامی عقائد و احکام کو اس ملک کی زبان میں نظم کر کے یہ نظم راجہ کے پاس بھیجوا دی۔ راجہ اس نظم کو پڑھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ اور ابو المنذر فرماں روا نے منصورہ کو لکھا کہ اس نظم کے مصنف کو میرے پاس بھیج دیجئے۔ حاکم منصورہ نے اس عراقی عالم کو راجہ کے پاس بھیج دیا۔ وہ ۳۲۳ھ تک راجہ کے پاس رہا۔ اس عرصہ میں راجہ مسلمان ہو گیا۔ مگر اپنی رعایا کے خوف سے اپنا اسلام

کافعالان نہیں کر سکا۔ عراقی عالم نے ایسے آکر بولوا کہ رجب اللہ عالم منہ درہ۔ سے بیان کیا کہ راجہ نے بعد سے قرآن مجید کا ترجمہ ہندی زبان میں شروع سے سورۃ الفاتحہ تک سنا جب یہ کہتے آئی کہ قَالَ مَنْ يُؤْتِي الْمِعْطَةَ وَبِهِمْ قَوْلٌ نَعْتِدُهَا اللَّهُ أَنْشَأَهُمْ آدَمَ مَثَلًا وَهُوَ يَكْفِي حَافِي عَالِمٍ تو اس کا ترجمہ سن کر راجہ نے کہا کہ مجھ کو دوبارہ سناؤ۔ میں نے دوبارہ ترجمہ سنا یا۔ راجہ اپنے تخت سے اٹھا اور پند قدم پھیل کر: اک پریم پانڈی چھڑکنے کی وجہ سے گیلی تھی اپنے کال اور پیشانی پر لہو سی اور زار و قطار روتار ہا اس کا پہرہ گل آلودہ تھا اور وہ بے اختیار کہتا تھا کہ جی وہ ازلی مجبور ہے جس کی مانند کوئی نہیں اس عراقی عالم نے یہ بھی کہا کہ راجہ مہر گیل نے ایک گھر بنا لیا ہے۔ اس میں جا کر وہ تنہائی میں نماز پڑھتا ہے اور لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ اس مکان میں تنہائی حاصل کرنے کے لئے چلا جاتا ہوں۔ اس واقعہ کو بزرگ بن شہر یار نے اپنے سفرنامہ عجائب الہند میں بیان کیا ہے۔

۳۸۰ کے قریب زمانہ کا حال بشاری مقدسی نے لکھا ہے کہ ملتان کے لوگ شیعہ ہیں مگر دوسرے شہروں اور منصورہ میں عام طور پر لوگ اہل حدیث اور واؤدی مذہب کے پیرو ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے پیرو اس ملک میں موعود ہیں۔ مگر یاکئی وحنبلئ نہیں ہیں۔ ۳۸۱ میں سعودی نے یہ مذہبی تفریق نہیں دیکھی تھی۔ مگر ۳۸۲ تک مسلمانوں میں مذہبی فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ اسی عرصہ میں ملتان کے اندر شیعوں کی کثرت ہوئی۔ ۳۸۵ میں قریباً تمام عالم اسلامی شیعہ طاقت سے مرعوب و مغلوب نظر آنے لگا تھا۔ حکومت بغداد و دلیوں کا تسلط تھا۔ انھیں کے ام کا خطبہ بغداد کے ممبروں پر پڑھا جاتا تھا۔ فارس و ایران اور مکران و بلوچستان سب پر دلیوں کی خود مختار حکومت تھی۔ بحرین و نجد و شام پر قرامطہ تسلط تھے۔ مصر و فلسطین و غیرہ سب عبیدلویں کے تسلط میں تھے۔ حجاز پر کبھی قرامطہ کبھی عبیدی قابض ہو جاتے تھے۔ عرب مادر النہر کی سامانی سلطنت کتنی مذہب رکھتی تھی۔ مگر سامانیوں میں ضعف و انحطاط پیدا ہو چکا تھا اسی زمانے میں غالباً دلیوں کے اثر سے شیعیت کا رواج تھا۔ مگر منصورہ کی ریاست نے اس اثر کو مطلق قبول نہیں کیا۔ اسی زمانے سے ملتان اور منصورہ اور تمام دوسری

سندھی مسلم ریاستوں کے درمیان نا اتفاقی پیدا ہوئی اور ایک دوسرے سے برسرِ جنگ رہنے لگے اس حالت کے پیدا ہوتے ہی سندھ میں مسلمانوں کے اثر و اقتدار اور اشاعت اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ اور پڑ کر آچکا ہے کہ قرامطہ کے واعظین نے اس ملک میں آکر بعض لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دی تھی۔ اب ملیہوں کے اقتدار اور قرامطہ کی فتح مندوں کے افواہوں نے اس ملک کے بہت سے جاہلوں کو گمراہ کیا اور قرامطہ کی ایک جماعت نے مکران و نوشکی کی ریاستوں میں داخل ہو کر اور بلوچوں کے غارت گریوں کو ابھار کر ریاست منصورہ کے مغربی حدود پر حملہ آوری شروع کر دی۔ اُسے ملتان کی ریاست حملہ آور ہوئی اس طرح منصورہ کے خلاف دوسری اردگرد کی ریاستیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور سب نے حملہ آور ہو کر ۳۸۵ھ میں منصورہ کی ریاست کا خاتمہ کر دیا۔

منصورہ کی ریاست کی
بربادی کا اثر

منصورہ کی ریاست کے برباد ہوتے ہی سندھ میں اسلامی رعب اور اسلامی طاقت کا زوال شروع ہو گیا قرامطہ نے منصورہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مسلمانوں کی نا اتفاقی نے سندھ کے اندر اسلامی حکومت کا گویا خاتمہ کر دیا۔ ریاست منصورہ کا اکثر حصہ ہندوؤں کے قبضہ میں چلا گیا اور ملتان کی ریاست جو منصورہ سے گزرتی تھی تنہا رہ گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امیر ناصر الدین سبکتگین نے غزنی میں اپنی ایک الگ مستقل سلطنت قائم کر لی تھی۔ ریاست منصورہ کی بربادی کے بعد قرامطہ کا زور شور بڑھ گیا اور پہاڑی قبیلوں میں اس مذہب بلکہ لاد مذہبی کی خوب ترقی ہوئی۔ سامانی سلطنت اور ان کے بعد غزنوی سلطنت قرامطہ کی سخت دشمن تھی اور اسی لئے کورہ یلیمان اور دریائے سندھ کے ساحل تک سامانی فوجیں اور ان کے بعد سبکتگین کی فوجیں قرامطہ کے تعاقب میں آتی رہتی تھیں۔ لہذا پنجاب کے راجہ جے پال کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہمیں میری حدود مملکت میں یہ فوجیں دست درازی نہ کویں۔ اس نے قرامطہ کی اس کوشش کو کہ انھوں نے ریاست منصورہ کو برباد کر دیا۔ بڑے اطمینان سے دیکھا۔ اور ملتان کی متصل ہندو ریاست بھاطنہ کے راجہ کو شریک مشورہ کر کے یہ تدبیر سوچی کہ سلطنت غزنی کے مشرقی سرحدی قبائل کو جو بلوچہ جہالت قرامطہ کی جانب مائل تھے ترغیب دی جائے

اور ملتان پر حملہ کرا کر ان کی حکومت ملتان میں قائم کرا دی جائے۔ چنانچہ جے پال اور بھٹا طنہ کے راجہ نے سرحدی قبائل کے سردار حمید خاں لودھی سے اول ایک معاہدہ لکھوایا اور پھر اپنی فوجوں کے ذریعے مدد دے کر شہر میں حمید خاں کے ہاتھوں ملتان کے قریبی عربی خاندان کی حکومت کا خاتمہ کرا دیا۔ حمید خاں کا تسلط ملتان پر اس لئے اور بھی جلدی قائم ہو گیا کہ ہندو راجاؤں کے علاوہ قرامطہ بھی اس کے دوست تھے اور وہ خود قرامطی مسلک کا پیرو تھا۔ جے پال نے حمید خاں لودھی کو حاکم ملتان بنانے میں محض اسی لئے دلچسپی لی تھی کہ وہ قرامطی تھا اور جے پال جانتا تھا کہ سبکتگین کے لئے اس طرح بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ مگر حمید خاں لودھی بھی یقیناً بہت بیدار مغز اور دور اندیش شخص تھا کہ اس نے ملتان کی فرمانبرداری حاصل کرتے ہی ایک درخواست سبکتگین کی خدمت میں بھیجی کہ میں مسلمان اور شریعت اسلام کا پابند ہوں مجھ کو قرامطہ سے کوئی تعلق نہیں اس لئے توقع رکھتا ہوں کہ آپ میرے علاقے کو اپنی فوجوں کا جولاں گاہ نہ بنائیں گے۔ سبکتگین نے حمید خاں کی اس درخواست کے جواب میں اس کو تسلی بخشی کا خط لکھا اور ملتان میں اس کی حکومت کو بے نظر استحسان دیکھا۔

مذہب قرامطہ | عباسیوں کی خلافت و حکومت کے خلاف علویوں نے جو عالمگیر جدوجہد جاری رکھی تھی اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے بعض ایرانی الاصل چالاک لوگوں نے تحریک قرامطہ جاری کر کے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس جگہ صرف یہ بتادینا ضروری ہے کہ قرامطہ کا مذہب اس قدر جلد اور سرعت کے ساتھ کیوں پھیل گیا تھا۔ قرامطہ کا مذہب درحقیقت کوئی خاص مذہب نہ تھا بلکہ ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد دنیا سے اسلام کو مٹانا اور عربوں کی فوقیت و برتری کو نیچا دکھانا تھا۔ اس تحریک کو مذہبی جامہ پہنایا گیا تھا۔ لوگوں کو نماز روزہ حج۔ زکوٰۃ اور نکاح ایف شرعیہ سے آزادی دے کر بتایا جاتا تھا کہ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ خدا کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی محمد بن حنفیہ کو خدا کا رسول منوایا جاتا تھا۔ حضرت علیؑ کی تکریم محض اس لئے رکھی گئی تھی کہ علویوں کے طرفدار تمام شیعہ ہمدرد بن جائیں اور مخالفت کا اظہار نہ کریں۔ مسلمانوں کا قتل کرنا موجب ثواب بتایا

جاتا تھا۔ قتل و غارت اور اپنے ہم مشربوں کے سوا دوسروں کو اذیت پہنچانا اور ستانا کوئی مجرم نہ تھا۔ حلال و حرام کی تمیز کو بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ غرض کہ اچھی خاصی لاندہی اور بد معاشری کا نام مذہب رکھا گیا تھا۔ چونکہ جاہل اور غارت گروگوں کے مزاج اور خواہشات سے اس مذہب کو خصوصی مناسبت تھی۔ لہذا ہر ملک اور ہر قوم کے جاہل و بد وضع لوگ اس مذہب کو بڑی آسانی سے قبول کر لیتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ فارس و خراسان تک کے شہروں میں یہ وبا پھیل چکی تھی۔ شیعوں نے قرامطہ کو عباسیوں کا دشمن دیکھ کر ان کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ علویوں کی سازشوں اور عباسیوں کی اس دار و گیر نے جو آنھوں نے بنو امیہ اور سادات کے مقابلہ میں کی، مذہب قرامطہ کے لئے پہلے سے زمین تیار کر دی تھی۔ لوگوں نے قرامطہ کو شیعہ مذہب کی ایک شاخ سمجھا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سخت بے دین۔ مسلمانوں کے جانی دشمن اور بدترین دشمن تھے۔

ہندوستان کی تاریخ لکھنے والے مورخین نے عام طور پر قرامطہ اور ان کے اس تعلق کی طرف جو ہندوستان کی تاریخ سے ان کیسے کوئی توجہ نہیں کی کیونکہ جس

محمود غزنوی کا سب سے نمایاں کارنامہ

زمانے میں یہ تاریخیں لکھی گئی ہیں قرامطہ کا اثر و اقتدار صفحہ ہستی سے فنا ہو چکا تھا لہذا بہت سے واقعات جن کا سبب قرامطہ کے سوا دوسرا نہ تھا ان مورخین نے غلط اور بے حقیقت اسباب سے وابستہ کر دیئے مثلاً امیر سلجوقی اور سلطان محمود غزنوی قرامطہ کے جانی دشمن تھے اور انھوں نے شروع ہی سے اس خطرے کو محسوس کر کے تمام ملک خراسان یعنی اپنی حدود سلطنت سے چُن چُن کر انارکسٹوں کے اس گروہ کو ناپید کیا اور اپنی تمام تر بہت ان کے استیصال میں صرف کر دی۔ لیکن تاریخوں میں قرامطہ کے خلاف سلطان محمود غزنوی کی کوششوں کو بہت ہی معمولی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور آج کل کی درسی تاریخوں میں تو سلطان محمود کو ہندوستان کا جانی دشمن ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ سلطان محمود کی زندگی کے اہم اور قابل تذکرہ کارناموں میں سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ قرامطہ کی مخالفت ہے۔ اس ایک بات کے سمجھ لینے سے محمود غزنوی کے بہت سے حلوں کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ بعض مورخوں نے ان قرامطہ کو جو قطیف و بحرین و ہجر میں اپنا مرکز رکھتے تھے فراموش کر کے حسن بن صباح کے قائم کئے ہوئے مرکز قلعہ الموت کے فدائیتوں کو

قراٹھ کا اولین دور محمد بیہشت اور جب حمید خاں لودی کے قریبی ہوئے کا حال وہ لکھتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ حمید خاں قلعہ الموت کی سلطنت سے وابستہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس زمانے میں حسن بن صباح اور قلعہ الموت کی حکومت کا کہیں نام، نشان بھی نہ تھا۔ حسن بن صباح ۷۷۷ھ میں سلطان محمود کی وفات سے سات سال بعد پیدا ہوا تھا۔ حسن بن صباح اور اس کی جماعت واقعی قراٹھ یا قراٹھ سے بہت ہی مشابہ اور خطرناک تر جماعت تھی۔ لیکن یہ قراٹھ بھڑین بھڑینوں نے ہزار ہا جاہلوں کو خانہ کعبہ میں قتل کیا۔ خانہ کعبہ کی بے حرمتی انتہا کو پہنچا دی اور حجر اسود کو بیٹے بائیس سال تک مقام تجر میں لا کر رکھا اور خانہ کعبہ بلا حجر اسود کے رہا۔ حسن بن صباح کی جماعت سے بہت زیادہ طاقتور اور عالم اسلام کے لئے بے حد موجب خطر تھے۔ سلطان محمود نے انھیں کے مٹانے کے لئے ہندوستان پر حملے کئے اور مرتے دم تک انھیں کی پیچ کئی میں مصروف رہا۔ محمود غزنوی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حمید خاں لودی خود قریبی ہو گیا ہے تو اس نے اس کی خراج گذاری کی بھی پروا نہیں کی اور اس پر چڑھائی کر دی۔ آخر حمید خاں نے قریبی ہونے سے توبہ کر کے اپنی جان اور حکومت بچائی اسی زمانے میں ہندوؤں نے موقتہ پاکستان ملک سندھ پر اپنی حکومتیں قائم کر لیں اور کسی مسلمان کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی مہلت نہ ملی۔ حمید خاں لودی کے بعد اس کا پوتا ابو الفتح داؤد بن نصر بن حمید ملتان کا حاکم بننے ہی قریبی ہو گیا اور قراٹھ کا ملتان میں اس قدر زور ہوا کہ ملتان کی جامع مسجد جو خلفائے نبی امیہ کے زمانے کی تعمیر شدہ تھی اس کو نمازیوں کے لئے بند کر دیا گیا اور اتحاد دینے دینی تمام ریاست میں پھیل گئی۔ یہ سن کر محمود غزنوی کو ملتان پر پھر چڑھائی کرنی پڑی اور ابو الفتح نے مسلمانوں کو قریبی بنانے اور خود بھی قریبی بننے سے توبہ کر کے اپنی جان بچائی۔ بہر حال اب ہم محمد بن قاسم کے زمانے سے لے کر محمود غزنوی کے زمانے تک پہنچ گئے ہیں محمود غزنوی کے حملوں کا حال آئندہ بیان ہونے والا ہے۔ اس وقت سندھ سے رخصت ہوتے ہوئے چند باتیں اور بھی سن لینی چاہئیں۔

عربوں کا اثر ملک سندھ پر | جس زمانے میں مسلمانوں کی فاطمہ آند ملک سندھ میں ہوئی ہے۔ یہاں عام طور پر بت پرستی رائج تھی

محرموں کی شناخت کے لئے ان کو جلتی ہوئی آگ میں سے گزرنے کا عام رواج تھا اگر آگ میں جل گیا تو مجرم اور بچ گیا تو بے گناہ تھا۔ کبھی لوہے کا گولا انکار سے کی مانند سرج کر کے مجرم کے ہاتھ پر رکھا جاتا تھا۔ کبھی گہرے پانی میں مشتبہ شخص کو اتنی دیر تک ڈوب رکھا جاتا تھا کہ ایک شخص تیر کمان میں یکمٹر چھوڑے اور وہ سر شخص جاکر اس تیر کو واپس اٹھا لائے اس عرصہ میں اگر پانی کے اندر دم نکل گیا تو مجرم تھا اور زندہ نکل آیا تو بے گناہ۔ جامہ کا عام طور پر رواج تھا۔ غیب کی باتیں اور شگون کی تاثیرات بتانے والوں کی بڑی گرم بازاری تھی۔ کثرت البہول اور محرمات ابدی کے ساتھ شادیاں کر لینے میں بھی تامل نہ تھا۔ چنانچہ راجہ داہرنے اپنی حقیقی بہن کے ساتھ پنڈتوں کے ایما سے شادی کی تھی۔ رانہرنی اکثر لوگوں کا پیشہ تھا۔ ذات باری تعالیٰ کا تصور معدوم ہو کر اعلیٰ و ادنیٰ پتھر کی سورتوں اور تیزوں کو حاجت روا سمجھتے تھے۔

مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان | مسلمانوں نے سندھ میں فاتحانہ داخل ہونے کے بعد اس ملک کے باشندوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ نہ ان کو اپنے مذہب کے تبدیل کرنے پر مجبور کیا۔ عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق کا نمونہ جو مسلمانوں نے پیش کیا اس کا یہ اثر ہوا کہ سندھیوں میں روشن خیالی پیدا ہوئی۔ انھوں نے مسلمانوں کے اخلاق۔ تمدن اور معاشرت سے بہت سے مفید سبق حاصل کر کے اپنے اخلاق و معاشرت میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ مسلمانوں سے محبت و دوستی کے تعلقات بڑھ گئے۔ مسلمان یہاں کے ہندوؤں اور بدھوں کے لئے اچھے دوست۔ اچھے ہمسایہ اور اچھے معلم ثابت ہوئے۔ انھوں نے بخوشی مسلمانوں کو اپنی بیٹیاں دیں اور تمام کاروبار خفی کہ سرکار و بار میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک رہے۔ اعلیٰ خیال اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ہر ہندو نے خود مسلمانوں کی تعریف میں تقریریں کیں اور ان کو اچھا حاکم بتایا۔ وحشیانہ سزائیں اور وحشیانہ طریق انصاف موقوف و معدوم ہوئے۔ مسلمانوں نے ہندی اور ہندوؤں نے عربی زبان سیکھی اس محبت و دوستی اور ہم آغوشی کا اثر آج بھی سندھی زبان کے رسم الخط اور خود سندھی زبان میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ سندھی زبان میں مال کو اُٹھ اور عربی میں اُٹم کہتے ہیں۔ سندھی زبان میں باپ کو اَبُو۔ اور عربی میں اَب بولتے ہیں۔ بیوی کو سندھی

میں صاحبانِ ادرعربی میں صاحبہ سندھی میں بات کو گھساک ادرعربی میں قائل کہتے ہیں۔ غرض اس طرح نہراہ الفاظ ہیں جو موجودہ سندھی زبان میں عربی کے بولے جاتے ہیں۔ سندھیوں کے لباس میں بھی عربی شان موجود ہے۔ سندھ کا جعبہ و عمامہ ہرگز ہندوستانی چیز نہیں ہے۔ سندھ کی جہاں نوازی بھی عربوں کی جہاں نوازی کا نمونہ ہے۔

سندھ کی قومیں | سندھ میں ایک قوم چاچڑ ہے جو اپنے آپ کو راجہ داسر کے وزیر کی اولاد بتاتے ہیں اور اسلام کے بڑے پابند ہیں۔ ایک قوم ڈاھر کہلاتی ہے جو راجہ داسر کی اولاد ہے اور مسلمان ہے۔ صدیقی۔ انصاری۔ فاروقی۔ عباسی رسادات وغیرہ خالص عربی قومیں بھی سندھ میں بکثرت آباد ہیں۔ ہزارہاں اور غیرہ خالص راجپوت قومیں بھی سندھ میں موجود ہیں۔ کچھ قومیں ایسی بھی موجود ہیں جو عام لوگوں کی ننگاہ میں ہندی قومیں سمجھی جاتی حالانکہ وہ خالص عربی قومیں ہیں ان میں سب سے زیادہ قابلِ تذکرہ اراتیں قوم ہے۔ اوپر کئی جگہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کا ذکر آیا ہے کہ وہ شامی و عراقی دو گروہوں پر مشتمل تھے شامی لوگ سب سے زیادہ با اعتماد اور خلافت بنو امیہ کے حامی و ہمدرد تھے انھیں لوگوں کو شاہی فوج اور شاہی قوم سمجھا گیا تھا۔ یہ عموماً بنی امیہ اور حجازی تھے جو حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں حجاز سے شام میں تبا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد ملک شام کے مقامِ اریحا میں آباد تھی۔ اور حجاج بن یوسف ثقفی نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو چھ نہراہ شامی فوج بھیجی تھی اس میں ایک معقول تعداد اریحاء کے باشندوں کی بھی تھی۔ ان شامی لوگوں کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ملک شام میں واپس جانا نصیب نہ ہوا اور ان کو مجبوراً یہیں اقامت اختیار کرنی پڑی۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں ان پر مصائب آئے۔ پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ منصورہ کی خود مختار ریاست کا قیام ان کے لئے پھر راحت و اطمینان کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی ان کے لئے پھر مصائب و زائب کا نزول تھا۔ کچھ کوہ سلیمان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ ملتان میں آکر آباد ہوئے اور جہاں جس کے سینک سائے پھلے گئے۔ ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیا اور اس طوفان میں ملتان کا مشہور مرکز دی مندر بھی قرامطہ کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ لیکن محمود غزنوی نے جلد اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ اور اس طرح ان عربی باقیات یعنی شام سے آئی ہوئی نسلوں کو زیادہ ملتان ہی کی ریاست میں جمع ہونا پڑا۔ چند ہی روز کے بعد پنجاب کا تمام ملک

سلطنتِ غزنی کا صوبہ بن گیا اور مستقل طور پر پنجاب میں محمود غزنوی نے اسلامی حکومت قائم کر دی۔ ملتان سے اکثر قبائل پنجاب کی طرف چلے آئے۔

انھیں قبائل میں ایک قبیلہ وہ تھا جو شام کے علاقہ اریحار سے آیا تھا اور ایچانی

ارائیں کہلاتا تھا۔ پنجابی بھجے اور پنجابی تلفظ نے اس کو ارائیں بنا دیا۔ ان تمام مذکورہ حواش اور تغیرات کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ یہ لوگ پنجاب کے سرسبز و شاداب علاقے میں آکر افغانی فاتحوں اور ہندو مفتوحوں سے بے تعلق رہ کر رراعت و کشت کاری کے کاموں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے ان تجربات کو کام میں لائیں جو ریا سنت منصورہ کی سرسبزی ٹکڑائی کے لئے وہ کام میں لاپچکے تھے۔ عرب کا ملک زرعی ملک نہیں ہے۔ لیکن عربی تو ہیں جب کبھی کسی زرعی ملک میں پہنچیں وہ سب سے بہتر کاشت کار اور نہایت قابل کسان ثابت ہوتے ہیں۔ عربی تو ہیں جب اندلس میں پہنچیں تو انھوں نے اندلس کو گلزار بنا دیا۔ اور ایک چپہ بھرزین ایسی نہیں چھوڑی جہاں کھیتی اور سبزی موجود نہ ہو۔ جب اندلس سے بنے دخل ہوئے تو وہ ملک پھر بنجر اور دیران نظر آنے لگا۔ آج تک بھی اندلس میں وہ سرسبزی واپس نہیں آئی جو عربوں نے وہاں پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح منصورہ کو عربوں نے گلزار بنا دیا تھا ان کے جاتے ہی وہ پھر بنجر اور غیر آباد علاقہ بن گیا۔ پنجاب میں اگر کبھی انھوں نے اپنی اسی قابلیت کا اظہار کیا۔ غالباً عربوں کے اسی ذوقِ کشت کاری اور آلات کشاوری کی نسبت بہت افزا الفاظ بیان نہیں فرمائے چنانچہ ان ہمراہیان محمد بن قاسم نے سیاسی زندگی سے دور رہے تعلق رہے اور کشتکاری میں ہمہ تن مصروف ہو جانے کی وجہ سے اپنی حیثیت کو بہت کچھ گھٹا اور مٹا دیا۔ ہندوستان کے سر صوبے اور سر حصے میں ایسی تو ہیں آباد اور موجود ہیں جو ملتان سے ان صوبوں میں جا کر آباد ہوئی ہیں ایک قوم جو پنجاب سے بہاؤ بنگال تک پائی جاتی ہے۔ ملتان تو قوم کے نام سے مشہور ہے اور اپنا کوئی دوسرا نام نہیں بتا سکتی۔ یہ ملتان لوگ عموماً پنجاب سے آئے۔ اہلگری اور محاسنی کا پیشہ کرتے ہیں۔ ملتان ہندوستان کی صد ہا قوموں کا مرکز و منبع ہے اور جس قدر تو ہیں ملتان سے تعلق رکھتی ہیں وہ سب کی سب عربی النسل سمجھی جاتی ہیں۔ اور یقیناً عربی بالوں، ہندو ماؤں کی اولاد ہیں۔ یہ عربی تو ہیں پنجاب کے سلطنتِ غزنی میں شامل ہو جانے کے بعد پنجاب میں آئیں۔ اور شہاب الدین غوری کے بعد جب مسلمانوں کی حکومت

خاندان قنوج میں اس وقت تک حکمران رہا جب تک کہ خلفائے بنو امیہ نے حکومت کی۔ جس سال خلافت بنو امیہ برباد ہوئی۔ اس سے ایک سال بعد یعنی ۷۵۰ء میں قنوج کے اندر ایک نئے خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ اس خاندان کا اول راجہ یا سوردر میں نامی تھا۔ ۷۵۰ء میں اس خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور راجہ ناگ بھٹ نے قنوج کے لک پر قبضہ کیا۔ اسی راجہ نے اپنے طبیب مانک چند کو ہارون الرشید کے پاس بھیجا تھا۔ اسی کی اولاد میں راجہ بھوج تھا جس نے ۸۲۶ء سے ۸۵۰ء تک حکومت کی اور شمالی ہند کا بڑا حصہ اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی راجہ بھوج کی نسل سے قنوج کا وہ راجہ تھا جس نے محمود غزنوی کی اطاعت قبول کی تھی اور جس کو کالہجر کے راجہ نے محمود کی داپسی کے بعد قتل کر دیا تھا۔ پنجاب کے ملک میں ترکوں یا مغلوں کے ایک خاندان نے جو بدھ مذہب کا پیرو تھا ساہل کی طرف سے آکر اپنی جہاد گاہ سلطنت دوسری صدی ہجری میں قائم کر لی تھی۔ اسی خاندان کے آخری راجہ جے پال اور انند پال تھے۔ جنھوں نے محمود غزنوی سے شکستیں پائیں اور ان کے بعد پنجاب حکومت اسلامیہ غزنوی کا صوبہ بنا۔

بنگال میں ۸۵۰ء میں راجہ گوپال نے اپنی حکومت قائم کی۔ گوپال کے بعد دھرم پال دھرم پال کے بعد دیو پال۔ غرض اسی طرح اس خاندان کے ہر ایک راجہ کے نام کا جزو لفظ پال ضرور ہوتا تھا۔ اور اسی لئے اس کو پال خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پال خاندان محمود غزنوی کے حملوں تک بنگال کا فرماں روا رہا۔ اس کے بعد سین خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ جن کے نام وجیا سین۔ بلال سین۔ لچھمن سین وغیرہ تھے۔ یہ دونوں خاندان بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ سین خاندان کے بعد بنگال پر مسلمانوں کی حکومت شروع ہوئی۔ کالہجر میں چندیل خاندان کی حکومت تھی جو محمود غزنوی کے زمانے تک قائم رہی۔ اس سے زیادہ توضیح و تفصیل کچھ نہیں کی جاسکتی۔ اس تین سو سال کی مدت یعنی محمد بن قاسم سے محمود غزنوی تک کے زمانے کا اندازہ کرنے کے لئے میں مسٹر کے ایم پاتیکار ایم۔ اے کی کتاب تاریخ ہند قديم سے ذیل کی عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں وہ لکھتے ہیں کہ

”ہندوستان کا نظم و نسق متزلزل ہو گیا۔ شمالی ہند کی مرکزی حکومت (خاندان گپتا کی حکومت) جاتی رہی۔ طوائف الملوک نے کشمیر سے آسام تک تسلط جما لیا۔ چھوٹے چھوٹے اضلاع خود مختار بن بیٹھے۔ چار سو برس

تک شمالی ہند کی یہی حالت رہی۔ اس عرصے میں چھوٹے چھوٹے غیر معروف خاندان جن کی بھول الذکر داستان تاریخ ہند کا عقدہ لایخل ہے اُٹھے اور فنا ہو گئے۔ جن میں سے ایک کو بھی شاہانہ عظمت نصیب نہ ہوئی۔

اسی زمانے کا ذکر کرتے ہوئے مصنف مذکور راہچوتوں کی نسبت رقم طراز ہے کہ۔
 ”آٹھویں اور نوویں صدی عیسوی (دوسری اور تیسری صدی ہجری) میں قوم راہچوت کا ستارہ چمکا۔ راہچوتوں کا نسب اور ان کی قومیت تاریخ ہند کا لایخل معہ ہے اور ان کی اصل ابھی تک سرستہ راز بنی ہوئی ہے غالباً زیادہ تر راہچوت قوم مغول یعنی تاتاری فاتحین کی نسل سے ہیں۔ قوم کش مرور ایام سے ہندو مذہب اور ہندو تہذیب اختیار کر کے آریہ ورت کے فرزندوں میں داخل ہو چکی تھی۔ بعد میں آنے والے تاتاری قبائل بھی جنھوں نے دولت گپتا کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا اور علاقہ پنجاب میں زبردست حکومت قائم کر لی تھی۔ آریہ مذہب اختیار کر چکے تھے۔ قیاس غالب ہے کہ یہی تاتاری قبائل آریہ مذہب میں داخل ہو کر راہچوتوں کے نام سے مشہور ہو گئے۔ راہچوت روایات کے مطابق یہ قوم اگنی کو لا یعنی آگ کی نسل سے پیدا ہوئی ہے پرتھوی پرتھو اور سولنکی چاروں مشہور راہچوت ذاتوں کا سلسلہ نسب آگ پر جا کر ختم ہوتا ہے شاید آگ سے پاک ہونا مراد ہے۔ پاک کرنے کی رسم راہچوتوں کو ہندو مذہب میں داخل کرتے وقت ادا کی گئی ہوگی۔ ان ذاتوں کے علاوہ کچھ ایسی ذاتیں بھی راہچوت قوم میں شامل ہو گئی ہیں جو نسلاً ہندوستان کے قدیم باشندوں سے تعلق رکھتی تھیں اس دور کی عام طوائف الملوکی اور بے ربطی سے فائدہ اُٹھا کر یہ ذاتیں ذی اثر اور ذی اقتدار ہو گئیں اور سیاسی اقتدار سے انھیں راہچوت بنادیا چڑیل گزٹھ دیر اور رتھور راہچوت اسی شاخ سے ہیں۔ یہ تینوں ذاتیں جونی راہچوت کہلاتی ہیں۔ شمالی راہچوت یعنی پرتھو پرتھو اور چہان جونی راہچوتوں سے ہمیشہ سرگرم پیکار رہتے تھے۔“

مندرجہ بالا اقتباس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے قوت سے راجپوتوں کا عروج شروع ہوا۔

راجپوت | راجپوت ہندی قوم نہیں ہے بلکہ مغول و تاتار ہیں جو مسلمانوں کی آمد کے وقت یا اس سے کچھ ہی پہلے ہندی قوم میں شامل ہوئے تھے۔ جنوبی راجپوت ہندوستان کی غیر آریہ قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں بدھوں کی حکومت و سلطنت کمزور ہو کر بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ تو برہمنی مذہب کے ماننے والوں یا یوں کہیے کہ برہمنوں نے بدھوں کی حکومت کے اس ضعف و اختلال سے فائدہ اٹھانے اور منوکے عہد کے برہمنی اقتدار کو پھروالیں لانے کی کوشش کی۔ اس کوشش کی کامیابی کا انحصار چونکہ بہت کچھ جنگی طاقت پر بھی منحصر تھا۔ منوکے زمانے کی تقسیم کے موافق چھتری لوگ طاقت کے وارث اور جنگی کاموں کے لئے مخصوص تھے اور برہمن۔ چھتری ویش۔ شودر کی تقسیم بالکل مہ آبادی مذہب کی تقسیم کے موافق تھی۔ چھتریوں کی نسل کو چونکہ پرہرام۔ تخم سوخت کر چکا تھا لہذا برہمنوں نے اب بدھوں کے مذہب اور حکومت کو مٹانے کے لئے ایک نئی جنگی قوم تیار کر کے اس سے وہ کام لیا جو چھتریوں سے لیا جاتا۔ یہ نئی قوم مغلوں اور تاتاریوں کے جنگجو قبائل اور غیر آریوں یعنی شودروں کے ذمی حوصلہ اور بہادر لوگوں کو اپنا ہمراہ اور مہا خواہ بنا کر تیار کی گئی اور ان کو راجپوت کا خطاب دیا گیا۔ یہ مغول و تاتار اور غیر آریہ یقیناً وہ لوگ تھے جو ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کا پیشہ رکھتے تھے ان کو برہمنوں نے اپنی سازش میں شریک کر کے باقاعدہ طور پر اپنی قوم و مذہب کا ایک رکن بنا لیا۔ اس جگہ لالہ لاجپت رائے صاحب مشہور ہندو لیڈر کی مصنفہ تاریخ ہند کے حصہ اول سے بھی راجپوتوں کی اصلیت کے متعلق عبارت کا نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ ہندو سوسائٹی کی ورن دوستھ میں بہت سے آدمی ایسے شامل ہیں جو خالص آریہ نسل سے نہیں جو مشرق یا مغرب سے ہندوستان میں آئے اور جن کو ہندوؤں نے اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی سوسائٹی کا معزز ممبر بنا لیا۔ اسی طریقہ

سے انھوں نے بہت سی ایسی قوموں کو بھی ہندو سوسائٹی میں داخل کر لیا جو اس ملک کے ابتدائی باشندوں کو نہ بھیل وغیرہ تھے نہ یہ طریقہ نہ آتا تھا۔ ہم زمانے سے جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ ہنوز سماج میں نئی جاتیاں روز بنتی ہیں اور ہمیشہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کہ بعضوں کو ادھنیا ورن اور بعضوں کو پیچھے ورن کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ امر بھی تاریخی طور پر ثابت شدہ سمجھ لینا چاہیے کہ شاک اور یوچی قوم کے بہت سے آدمی جو کہ ترکمانی نسل سے تھے۔ سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں اس ملک میں آئے اور ہندو سوسائٹی میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ یورپین محقق اقوام جات۔ اہیر اور گوجروں کو بھی ان ہی قبیلہ جات میں سے گنتے ہیں۔ لیکن یہ بحث بہت حد تک فضول ہے۔ راجپوتوں کو جاتوں کو۔ گوجروں اور اہیروں کو ہندو سماج اپنا رکن سمجھتی ہے اور یہ امر کہ وہ کب اور کس طرح ہندو سوسائٹی میں داخل ہوئے بالکل غیر متعلق ہے اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح عیسویوں خاندان برہمنوں کے اصلی آریہ نسل سے نہیں ہیں اور جس طرح سے بہت سی اور جاتیاں بھی اصلی آریہ نسل سے نہیں ہیں بلکہ مخلوط ہیں۔ اسی طرح سے موجودہ راجپوت بھی ہو سکتے ہیں۔

لالہ لاجپت رائے بھی راجپوتوں کی قوم کو برہمنوں کی ترتیب داد دہی قوم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے اور ان کا منقول و تاتاریا غیر آریہ نسل سے ہونا مانتے ہیں۔ بہر حال جس طرح یہ نئی قوم تیار ہوئی اسی طرح مذہب بھی بالکل نیا ترتیب دیا گیا۔ پورے برہمنی مذہب یا ویدک دھرم میں عناصر پرستی کا زور شور تھا۔ جس کو عمریتوں کے عہد اور منوکے زمانے میں متغیر اور تبدیل کیا گیا۔ اس کے بعد بدھ مذہب نے اس کو بالکل مٹا ڈالا اور ذات پات کی قیود کو جو منوکے زمانے میں بہت ہی سخت ہو گئی تھیں بالکل اٹھا دیا۔ بدھ مذہب میں بت پرستی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اب برہمنوں نے چونکہ مغلوں اور تاتاریوں کو جو بدھ مذہب کے پیرو تھے اپنی سازش میں شریک کیا۔ لہذا بہت سی باتیں بدھ مذہب کی بھی اپنے اس جدید مذہب میں شامل کر کے ان کے بہت سے بتوں کی پرستش کو جائز رکھا اور بدھ کو بھی دشمن کا اوتار تسلیم کر لیا۔ اسی طرح غیر آریوں کی بھی بہت سی باتوں کو اپنے جدید مذہب میں

شامل کر لیا۔ یہ سلسلہ غالباً مسلمانوں کی آمد سے نمودار ہے ہی دلوں پہلے جاری ہوا ہوگا۔
 مسلمانوں کا مذہب چونکہ سب سے پہلے جنوبی ہند۔ لنکا اور ملائیشیا، آریا تھا لہذا
 کما۔ یلا برہمن اور شنکراچاریج نے اسلامی لائٹ بھی بہت، کچھ فائدہ اٹھا کر شرابی، ہند کی طرف
 شریعت، آریا اور بدھوں سے مباحثوں اور مناظروں کا سلسلہ جاری کیا جس نے فاسٹ پی رینڈ
 پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں شنکراچاریج یقیناً پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔
 شنکراچاریج غالباً خلافت عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں پیدا ہوا ہے۔ شنکراچاریج سے
 پہلے راجپوتوں کی اس نوزائیدہ قوم میں جان پڑنے لگی تھی اور وہ بعض چھوٹے چھوٹے
 قطعات پر قابض ہوئے لگے تھے۔ شنکراچاریج نے جب بدھوں کے خلاف جہاد شروع
 کیا۔ اور نوزائیدہ جدید برہمنی مذہب کی تائید شروع کی تو راجپوتوں کی اس جدید قوم اور جدید
 طاقت نے شنکراچاریج کی خوب امانت کی اور شنکراچاریج نے راجپوتوں کی طاقت سے
 فائدہ اٹھانے میں خوب مستعدی دکھائی۔ قنوج، بنارس، وسط ہند۔ اور دامن کوہ ہمالہ تک
 برہمنوں اور راجپوتوں کو نمایاں غلبہ حاصل ہو گیا۔ اس جدید مذہب اور جدید قومیت کی تعمیر میں
 چونکہ شنکراچاریج سب سے پہلا صنف اور مضمین تھا۔ لہذا اس کی تعلیمات مخصوصی وقعت و عزت
 کی نظر سے دیکھی گئیں۔ چونکہ برہمنوں کی مجوزہ یہ تحریک ایک سیاسی تحریک تھی۔ لہذا جاہل
 نئے نئے مذہبی اصول قائم ہوئے۔ کہیں وشنو کو سب سے بڑا اوتار مانا گیا کہیں برہما کو اور
 کہیں ہمیشہ کو اس طرح ہندو مذہب کے نام سے ہزار ہا فرتے پیدا ہو گئے جن میں کوئی اصولی
 اتفاق، بجز لفظ ہندو کے نہیں پایا جاتا۔ غرض مسلمانوں کی آمد اور حملہ آوری کے وقت بدھوں
 کی قومیت، مذہب اور حکومت پر برہمنوں اور راجپوتوں نے حملہ آوری شروع کر رکھی تھی اور
 ملک میں ضرور ایک الجھل مچی ہوئی تھی۔ اس کشمکش اور زود و خورو کا سلسلہ محمد بن قاسم کے حملہ
 سے شہاب الدین غوری کے حملوں یعنی قریباً پانچ سو سال تک ملک کے کسی نہ کسی حصے
 میں جاری رہا۔ اس طویل مدت میں کوئی علامت ایسی ظاہر نہیں ہوتی جس سے قطعی طور پر
 یہ حکم لگایا جاسکے کہ اگر مسلمان اس ملک میں نہ آتے تو جدید ہندو مذہب بدھ مذہب پر
 غلبہ پا کر اپنی حکومت قائم کر لیتا کیونکہ سندھ میں مسلمانوں کو بدھوں کی حکومت کا
 مقابلہ کرنا پڑا۔ سندھ کے فرماں روا کی قوم تو برہمن تھی لیکن مذہب اس حکومت کا بدھ
 ہی تھا۔ پنجاب کو فتح کرتے ہوئے محمود غزنوی کو بھی بدھوں کی حکومت کا مقابلہ کرنا پڑا۔

کیونکہ راجہ جے پال اور اس کے بیٹے انند پال کی قوم مغول یا تاتاری تھی اور مذہب بدھ تھا۔ بنگال اور آسام کو بھی مسلمانوں نے بدھ حکومتوں سے پھینکا۔ علاء الدین خلجی نے دکن کا ملک بھی بدھ حکومت کو شکست دے کر فتح کیا۔ صرف قنوج و کانپور کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کے راجہ جدید برہمنی مذہب کو اختیار کر چکے تھے۔ لیکن پنجاب و سندھ کے راجاؤں نے جس بہادری کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا ہے قنوج و کانپور سے اس ہمت کا اظہار نہیں ہوا۔ قنوج کے راجہ نے محمود غزنوی کی بلا تامل اطاعت قبول کر لی۔ جس پر کانپور کے راجہ کو بہت غصہ آیا۔ لیکن اگلے ہی سال خود اس نے بھی محمود غزنوی کی فرماں برداری کا جوا اپنے کندھے پر رکھا اور محمود غزنوی کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی لکھا۔

پس موجودہ ہندو مذہب یا جدید برہمنی مذہب جس کام کو پانچ سو سال میں بھی پورا نہ کر چکا تھا۔ اس کو مسلمانوں نے باسانی انجام دیا۔ اگر مسلمان اس ملک میں نہ آتے تو بہت زیادہ ممکن بلکہ یقینی تھا کہ بدھ مذہب اپنی قوت کو مجتمع کر کے اس جدید مذہب اور جدید طاقت کو جو بدھوں کے مقابلہ میں پیدا ہو رہی تھی بالکل کچل ڈالتا اور ان مظالم کا انتقام لیتا جو قنوج، بنارس و آلہ آباد وغیرہ میں برہمنوں اور راجپوتوں نے بدھوں پر شکر اچارج وغیرہ کی رہبری میں کئے تھے۔ لیکن سندھ کی اسلامی حکومت اور کابل و خراسان و ماوراءالنہر میں مسلمانوں کی فتوحات نے ہندوستان کے بدھ حکمرانوں کو شدید و حیران بنا کر قنوج وغیرہ کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا اور انہیں پال فرماں روئے پنجاب کو مجبور کیا کہ وہ تمام ہندو اور بدھ راجاؤں کو متحد ہونے اور متفقہ طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دے اگر فرض کر لیا جائے کہ ہندوستان کی بدھ حکومت کے خلاف برہمنوں اور راجپوتوں کی تحریک کامیاب ہو جاتی اور وہ تمام ملک ہندوستان پر قابض و متصرف ہو جاتے تو غیر ممکن تھا کہ کابل و خراسان و کشمیر و تبت وغیرہ کے بدھ خاموش بیٹھے ہوئے تماشا دیکھتے۔ بلکہ کابل و خراسان و بخارا کے جنگجو لوگ جو بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ یقیناً ہندوستان پر حملہ آور ہوتے اور جس طرح ان لوگوں نے کشک کے زمانے میں اپنی شہنشاہی اس ملک میں قائم کر لی تھی پھر قابض و متصرف ہوتے اور تمام ملک میں بدھ مذہب کا دور دورہ ہوتا۔ لیکن مسلمانوں نے چونکہ پہلے ہی کابل و خراسان و ماوراءالنہر کو فتح کر کے

بیرونی بدوہوں کے حملوں کے ڈیر نکل بنا دیا اور اس کے بعد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ لہذا برہمنوں کو لگائی کو لا راہچہ توں کے پرید کر کے اور جو بد قوم و مذہب کے ترقیب دینے کی نرغیب ہوئی۔ گروہ اپنی ۳۱ کرشش میں کافی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔
 آئم مسلمانوں سے ان ملک کو فتح کر کے ہندوؤں کے اس جدید مذہب کو باقی رہنے دیا اور برہمنی کے خطرے سے بچا لیا۔ مسلمانوں کے فتح ہونے کے بعد موجودہ ہندو مذہب اور موجودہ ہندو قومیت بالکل محفوظ و امن ہو گئی اور اس سے مسلمانوں کے سامنے اس نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے قومی و مذہبی اصول مرتب کئے چنانچہ موجودہ ہندو مذہب کی تہذیب اور مذہبی اصول کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اسلامی عہد حکومت میں تیار ہوا اور بڑے بڑے عظیم الشان مذہبی فرسے جو آج اپنی آفتوں میں تہہ پہتا تمام ہندو آبادی کو لئے ہوئے ہیں سب کے سب اس زمانے میں مرتب و تدوین ہوئے جب کہ اسلامی شہنشاہی ہندوستان میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ قائم تھی۔ اسلامی مسلمانانہ اسلامی مسلمانانہ اسلامی و اسلامی اسلامی مذہبی آزادی کا غائب اس سے بڑھ کر اور کوئی شہوت لا کر نہ کر سکتی ضرورت نہیں۔ اب ہم کو یہ باتیں ختم کر کے ملک مسند سے رخصت ہو جانا چاہیے اور آخر میں مسٹر کے ایم پارٹیکر کی رائے کو اپنی چاہیے جو انہوں نے جدید ہندو مذہب کو نسبتاً برکری ہے وہ لکھتے ہیں کہ

”شکرا چارہ۔ یہ ہے کہ ہندو مذہب کی تعلیم و تلقین کی وہ اس بھینٹ و قربانی واسطہ مذہب سے بالکل جدا تھا جس کے خلاف گوتم بدھ صدارتے احتجاج بلند کر چکا تھا۔ سر آرڈی بھنڈارکر نے ایک فاضلانہ تصنیف میں بتلایا ہے کہ کرشنا اور شیوا فرقوں نے کس طرح بتدریج ہندو مذہب کی شکل اختیار کی اور یہ فرقے ابتدا میں کس قدر مرکب اور مخلوط نظر آتے تھے اور مدرسوں میں ماہرین مذہب مخالف فرقوں پر نکتہ چینیوں کر رہے تھے اور عوام میں عام پسند مذہب کے عقائد پختہ پڑ رہے تھے۔ مذہب کے فنا ہو جانے سے شکرا چاریہ کو بد کے فلسفہ پر عام مذہب کے ڈھالنے میں آسانی ہوئی۔ نئے مذہب کا بانی شکرا چاریہ پدینی برہمن والا بار کا رہنے والا تھا۔۔۔۔۔ شکرا چاریہ

ہیں ایک، خاص مقام اور دیر تادار کی پوجا ہائز قرار دے کر چھوٹے چھوٹے
مقامی مخلوق خداوندوں کو بڑا ان کے ایک نہ ایک دیر تادار ہے ملاویہ
دوسری طرف ایسے فلسفہ کی بنیاد رکھے جسے حدائیت سے فقہ پر کر سکتے ہیں
اس باب پہلے باب میں تار تار لکھا ہوا ہے ام اور ہوا ہے کہیں کہیں میں وہ ہیں کہیں
اس باب کے مندرجہ تمام مطالب تار تار اسلام تار تار ابن خلدون تار تار زرنی
پہلے نامہ تار تار سندھ مسعودی تار تار التواریخ تار تار ابن خلدون تار تار
روضۃ الصفا سے ماخوذ ہیں جو بطور حاصل مطلب تہ تیغ دے کر پیش کر کے گئے ہیں
جن نتائج کو میں نے اخذ کیا ہے یا جو میری ذاتی رائے ہے وہ ہر شخص پر مدلل ہے کہ
وقت الگ معلوم کر سکتا ہے اور اس کتاب کے پڑھنے والے خود فیہ عمل کریں گے کہ
میں نے کہاں کہاں نتائج کے اخذ کرنے میں غلطی کی ہے۔ میں انسان ہوں مجھ سے
غلطیاں بہت ہو سکتی ہیں لیکن میری نیت نہ کہ ہے اور کسی کے دل کو رنج پہنچانا
میرا منشا ہرگز نہیں ہے

مخفی خواہم کہ دعوالم دے ازمین غیبی باشد
ز فیض دوستی آگاہ گرداں دشنام را

باب دوم

عربوں کا سندھ پر حملہ آور ہونا اور تین سو سال تک سندھ میں حکومت کرنا اور مسلمان ہو چکا ہے۔ جس میں مندروں کے ٹوٹے ہوئے۔ سورتیوں کے توڑے اور ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے یا ناجائز طور پر نقصان پہنچانے کا کوئی واقعہ نظر نہیں آتا۔ خود سندھ کے راجہ نے مسلمانوں کو حملہ آوری پر مجبور کیا تھا اور مسلمانوں نے سندھ پر قابض ہو کر یہاں محل و داد اور مہربانی و انصاف قائم کیا۔ جہالت کی تاریکی دور کر کے علم و تہذیب کی روشنی پھیلانی اور ہندوؤں پر احسانات کی بارشیں کیں۔ اس باب میں مسلمانوں کے ان حملوں کا ذکر ہوگا۔ جو انھوں نے ہندوستان کے شمالی و مغربی پہاڑوں یعنی افغانستان کی طرف سے کئے۔ مسلمانوں کی اس حملہ آوری کی مغربی داستانوں نے ہمارے زمانے میں حیرت انگیز طور پر ہندوؤں کو معترف سوگوار بن دیا ہے۔ تعجب ہے کہ مغول و تاجاں استعصین۔ بہن۔ آتش پرست ایرانی سکندر یونانی سب ہی ان شمالی و مغربی پہاڑوں کے دروں سے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور بڑی بڑی ہمدردیاں اور تباہیاں ہندوستان کے باشندوں پر وارد کیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی مجرم نہیں بتایا جاتا۔ مسلمانوں ہی نے کچھ ایسے ستم ڈھائے ہوں گے کہ ان کی یاد کا تازہ ہو جانا اور قریباً ایک ہزار سال کے بعد پڑنے لگے زخموں کا سرا ہو جانا ضروری تھا۔ غم آریہ یعنی شورو قوموں کی تو کیا محال ہے کہ وہ سب سے پہلے حملہ آوروں یعنی آریوں کے ان مظالم کا ذکر نہ باتیں لاسکیں جنہوں نے نسل انسانی کے ایک بہت بڑے حصے یعنی ہندوستان کی تمام قدیمی آبادی کو حقوق انسانی سے محروم کر کے ان کو دندلوں کی طرح قتل کیا اور بقیۃ السیف کے گلے میں دولت و عمارت کا ایسا طوق ڈالا کہ وہ آج تک بھی چو پائیوں کے درجے سے کچھ ہی بلند

نظر آتے ہیں۔ آریوں یعنی دو جنموں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے۔ کا تو خیال بھی شاید اپنے دل میں نہیں آسکتے۔ ہر حال ہم کو اس وقت مسلمانوں کے اس جرم عظیم کی کینہ اور غلطی کرنی ہے۔ پہلا مسلمان رسول آرمہد بن قاسم تو اپنی برائت کا نہایت پیش کر چکا ہے اب دوسرے سے پہلے ہم نے جرم محمود غزنوی کی باری آئی ہے۔

امیر ناصر الدین سلطان محمود غزنوی کے تخت نشین ہونے سے پہلے بن گیا تھا۔ اس نے ہم کو سلطان محمود غزنوی سے کو باپ سبکتگین اور پنجاب کے راہبے پال کی طرف متوجہ ہونا پڑے۔

پال بن ہمت بن کتہ بن کتہ میں پہلا شخص جس نے ترکیت و سلطنت کی بنیاد ڈالی اس کا نام کتہ یا درقان تھا۔ وہ قوم سے مغول تاتاری اور بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ اس نے غالباً ہون الرش کی تخت نشینی سے پہلے اور خلافت بنو امیہ کی مبادی کے بعد یعنی دوسری صدی ہجری کے درمیانی زمانہ میں پنجاب و کشمیر کے راہبے چند پیدیا کی اولاد میں کسی راہب سے پنجاب کا ملک چھین کر اپنی حکومت قائم کی اور چند پیدیا کی اولاد صرف کشمیر پر قابض رہ گئی تھی۔ بے پال بڑا اولوالعزم اور چالاک شخص تھا۔ اس کی دور بینی اور مال اندیشی کا ثبوت اس کے اس کارنامے سے دستیاب ہوتا ہے کہ اس نے حمید خاں لودی کو ملتان پر قابض ہونے اور قریشی خاندان کا خاتمہ کرنے میں مدد پہنچائی اور اس طرح سبکتگین کے لئے قرامطہ کی مسلم کش طاقت کی ہمت افزائی کر کے خود سبکتگین کی رعایا میں سے مضبوط سرحدی قبائل کو حریف بنا کر کھڑا کر دیا۔ جو دلیل اس بات کی ہے کہ بے پال غزنی کی نوزائیدہ سلطنت کو کچل ڈالنے اور اپنی اولوالعزمی کے سبب مملکت غزنی پر جو سلطنت سامانیہ اسلامیہ کا ایک حصہ تھا، خود قابض ہونے کا خواہاں تھا۔

الپتگین ایک سامانی سردار علاقہ غزنی کا صوبہ دار تھا اور موقعہ پاکر اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے اپنی خدا خود مختار سلطنت قائم کر چکا تھا۔ ۳۶۵ھ میں الپتگین فوت ہوا تو اس کا بیٹا ابوالفتح غزنی کا فرماں روا ہوا۔ وہ بھی چند ہی عرصے کے بعد فوت ہوا تو امارت نے ایک ترکی امیر بلکاتگین کو اپنا

حاکم منتخب کیا چند روز کے بعد وہ بھی فوت ہوا تو سلطان نے اس کے بیٹے کو اپنا حاکم بنا دیا۔ سلطان نے بہت وقصدار کی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ یہ ریاستیں مسلمان حاکموں کے قبضے میں تھیں جے پال کے حدود مملکت میں اس نے قطعاً کوئی دخل نہیں دیا۔ بعض مورخین نے جے پال کے ملک کی مغربی سرحد کو دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے بھی آگے جلال آباد و لغمان تک بڑھا دیا ہے۔ مگر یہ سراسر غلط اور حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ یہ دھوکا محض اس لئے لگا ہے کہ جے پال کے دوسرے حملے کو سکبتگین کا جوابی حملہ تصور کر لیا گیا ہے حالانکہ جے پال دوسری مرتبہ بھی شکر نے کر سکبتگین کے ملک میں دد تک داخل ہو گیا تھا اور لڑائی لغمان کے قریب یعنی سلطنت غزنی کے وسطی علاقے میں ہوئی تھی۔ اس میدان کو غلطی سے پنجاب و غزنی کی حد فاصل سمجھ لیا گیا ہے۔ کابل کی ریاست کو جس کے حاکموں کا لقب رتبیل تھا مسلمان پہلے ہی فتح کر چکے تھے رتبیل کی حکومت دریائے سندھ کے مغربی کنارے تک وسیع تھی یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ کابل و غزنی کا علاقہ سامانی سلطنت میں شامل ہو اور سامانی سلطنت جلال آباد تک کا ملک پنجاب کے راجہ کو فتح کر لینے سے یہ بات بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ دریائے سندھ یا زیادہ سے زیادہ درہ خیبر اور اس کے پہاڑی سلسلہ کی قدرتی حدود کو چھوڑ کر پنجاب کی ریاست اور اسلامی سلطنت کی غیر قدرتی حد لغمان کے میدان میں قائم ہوئی۔

درہ خیبر اور کابل کے لوگ سب مسلمان ہو چکے تھے۔ حالانکہ جے پال کی رعایا میں کسی مسلمان گروہ یا مسلمان آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ لہذا کسی طرح فرض نہیں کیا جاسکتا کہ موجودہ سرحدی علاقہ جے پال کے پاس تھا۔

فرض اس بلا دلیل اور بے اصل دروغ بے فروغ کی تردید میں کہ جے پال کی مغربی حد مغربی دروں کے اندر تک پھیلی ہوئی تھی ہم کو زیادہ وقت صرف کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ **سلطنت غزنی کی ابتدا** امیر ناصر الدین سکبتگین نے غزنی کا فرماں دے جانے کے بعد بہت وقصدار پر قبضہ کر لیا تھا اس کے بعد وہ سلطنت بخارا کے خرخشوں میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے لئے کبھی یہ موقع نہ آیا کہ وہ پنجاب کو فتح کرنے کا ارادہ کرتا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلطان میں ابو الغوارس عبدالملک بن لاج سامانی

نیشاپور بخارا چوتھاں کیلئے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔ اور اس سلطنت بخارا میں ۶۰
 امیر رہے۔ انھوں نے ان بڑے بڑے سرداروں کے پاس جو مختلف دیوبوں کی حکومت
 پر امور سنبھال رہے تھے، انھیں گھوڑے کرانے طلب کی کہ تمہاراں شاہی سے کس لشکر سے کونسا
 نشین کیا جائے۔ اس منہنوں کا خراج کے حامل الپتگین کو نام نہ پایا، الپتگین نے اپنی لڑائی کو بخارا
 جانب رہا۔ الپتگین کا بیٹا چھوٹا سے پہلے وہاں ابو صالح منصور بن نوح سے ملا
 تخت نشین ہوئے۔ تمام الپتگین کا اس کے ہاتھ میں پہنچا۔ میں ابو صالح منصور
 کے خلاف رائے ظاہر کی گئی تھی۔ اب الپتگین کو اپنی جان کے واسطے پڑ گئے اور اس سے
 اپنی حفاظت اسی میں دیکھی کہ غزنی اور کابل کے علاقے پر قابض رہ کر خود مختاری کا اعلان
 کر دے۔ چنانچہ ابو صالح منصور الپتگین کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور ملک کا یہ صوبہ سلطنت
 سامانی سے جدا ہو گیا۔ ابو صالح منصور کے بعد اس کا بیٹا ابو القاسم نوح بن منصور تخت
 نشین ہوا۔ چند روز کے بعد اسی سال الپتگین بھی فوت ہو گیا اور دو سال تک غزنی کا انتظام
 ابو اسحق اور بلگتگین کے جلد جلد فوت ہوئے۔ یہ سب کتبہ رہا اس زمانے میں نوح
 بن منصور سامانی غزنی کو ضرور فتح کر لیتا۔ لیکن سلطنت بخارا کے دواستیر یعنی نیشاپور اور
 ہرات کے عامل باغی ہو گئے اور دوبارہ بخارا غزنی کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ سبکتگین کا
 اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ سلطان بخارا ضرور غزنی پر چڑھائی کرے گا۔ اس خطر
 اور اندیشے میں وہ کسی بڑی سلطنت سے لڑائی چھیڑنے کی جرات ہی نہیں کر سکتا تھا
 نیشاپور کے عامل ابو علی نے ہرات کے عامل فائق کو شکست دے کر بھاگایا اور ہرات
 خراسان پر قبضہ کر کے اپنی ایک جداگانہ سلطنت قائم کر لی۔ فائق ابو علی سے شکست پا کر
 دہلیوں کے پاس پہنچا۔ فخر الدولہ دہلی نے اپنا لشکر اس کے ساتھ بخارا پر چڑھائی کرنے کے
 لئے بھیج دیا اور دوسری طرف غزخاں حاکم ترکستان نے بخارا پر چڑھائی کر دی۔ اس
 طرح نوح بن منصور تین زبردست دشمنوں میں گھر گیا۔ اس نے اس پریشانی اور مجبوری
 کے عالم میں سبکتگین کو خط لکھا کہ میری مدد کو پہنچو۔ سبکتگین نے اس کو اپنے لئے تائید بھیجی
 اور غزنی سے نوح کے بخارا کی طرف چلا۔ شاہ ترکستان تو خود ہی پیار ہو کر فوت ہو گیا اور
 کی فوج اپنے ملک کو واپس چلی گئی۔ اب دو دشمن باقی رہ گئے جو آپس میں نوح بن منصور کے
 خلاف متحد ہو چکے تھے ہرات کے متصل نوح بن منصور اور سبکتگین نے مل کر ابو علی اور

[illegible]

مسکینوں کے لیے چھپنے پر دولاں بادشاہوں نے اس صلح ہو گئی۔ اور یہاں پہنچا ہوا کہ انہیں
میں فرار ہلے گا ہست زور تھا اور مسکینوں کے لیے اسلحہ اور ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔
ایک طرف تو انہیں کسی خفیہ سازشوں کا اندیشہ دوسری طرف وہیںوں کی مخالفت تھی جس سے نائن
والہ علی کے مذکورہ خرم خستہ ہوئے، خود ہی اپنے خاندان کی سلطنت کا بانی اور دنیا پادشاہ
ہونے کی وجہ سے اندرونی بغاوتوں کا شکار، ان حالات میں اس کی قوت محدود ہندوستان
کی طرف صرف اسی قدر تھی کہ وہ اپنے مشرقی و جنوبی سرحد کی طرف جہاں
واسطہ کا چرچا تھا، توجہ ہو کر، دشمن کی احتیاط اور مضبوطی سے کام لے کر اس مسلم کش بلکہ انسانیت
کش تحریک کا استیصال کرے۔ پنا چھ اس نے کوہ سیلان کے پہاڑی قبائل میں قرامطہ کو
چھن چن کر پکڑا، اور لوگوں کو ہمارے وہ ہے کی تاکید کر کے مسجد میں بٹوا کر ان کے آباد رکھنے کا
انتظام کیا۔ اسی سال یعنی ۳۵۷ھ کے اوائل میں، فہید خاں لودی نے متوہم ہو کر امیر سبکتگین
کو اپنے مسلمان ہونے کے یقین دلا کر اطمینان حاصل کیا۔ ابھی سبکتگین پورے طور پر اپنی مغربی
حدود کے انتظام سے فارغ نہ ہوا تھا کہ نوح بن منصور سامانی کی طلب پر اس کو
ایک خاں کے مقابلے کے لیے بخارا کی سمت روانہ ہونا پڑا، صلح پر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا
ہے اس ہم کا خاتمہ ہوا۔

اب سوچنا اور غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ اس وقت تک سکاگین نے بجز اس کے کہ اپنی سرحد کے قرامطہ کا قطع قمع کیا اور لوگوں کو نماز روزے کا پابند بنایا۔ راجہ جے پال یا اس کے ملک سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ مگر راجہ جے پال نے یا تو اپنے دوستوں یعنی قرامطہ کے انتقام میں یا اولوالعزمی اور ملک گیری کے شوق

میں سکبتگیں کی اس جدید سلطنت کو ایک ترلقہ سمجھ کر نہایت عظیم الشان اور جزار لشکر کے ساتھ اس وقت چڑھائی کی، جب کہ باغیوں اور دیلیوں کے لشکر نے سیف الدولہ محمود بن سکبتگیں کو نیشاپور میں تنہا پا کر چڑھائی کر دی تھی اور یہ خبر سنکر سکبتگیں اپنے بیٹے کی حفاظت و امداد کے لئے غزنی سے گیا ہوا تھا۔ وہاں طوس کے قریب سکبتگیں نے دشمنوں کے ساتھ میدان کارزار گرم کر رکھا تھا اور اس کا بیٹا محمود بھی نیشاپور سے اسی میدان میں پہنچ کر باپ کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کر رہا تھا اور یہاں راجہ جے پال لاہور سے پشاور اور پشاور سے جمروہ ہوتا ہوا سلطنت غزنی میں داخل ہو کر سیلاب کی طرح سیکڑوں میل سفر طے کر چکا تھا۔ سکبتگیں نے اس کے میدان میں فتح پا کر اس غیر مترقبہ مصیبت کا سال سنا کہ پنجاب کے راجہ نے عظیم الشان لشکر کے ساتھ داخل ہو کر ملک کر روہڑ ڈالا ہے اور غرقرب شہر غزنی پہ بھی قابض ہوا چاہتا ہے سکبتگیں بلا تامل اپنے اہل و عیال کی محبت اور دارالسلطنت کے بچانے کے خیال میں دیوانہ وار دو منزلہ، اور سہ منزلہ لٹیا کرتا ہوا طوس سے غزنی کی جانب چلا اور شہر غزنی کے متصل جزیب کی جانب جے پال کے لشکر کے مقابل پہنچا۔ یہاں پہنچتے ہی لڑائی کا سلسلہ شروع کر یا تمام مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ لڑائی ایک ایسے چشمے کے قریب ہوئی جس میں اگر نخواست ڈال دی جائے تو فوراً برف باری شروع ہو جاتی تھی۔ اور یہی چشمہ راجہ جے پال کی شکست کا موجب ہوا۔ ہم کو اس وقت اس چشمے کی پائی اور برف باری کے اسباب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس بات پر غور کرنا ہے کہ ایک عجیب الافر چشمہ کا اس نزاع میں ہونا تمام ہندو مسلمان مؤرخین نے بالاتفاق بیان کیا ہے۔ اگر اس چشمے کا محل وقوع معلوم ہو جائے تو پھر اس بات کا فیصلہ بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے کہ اس سب سے پہلی معرکہ آرائی میں جے پال سکبتگیں پر حملہ آور ہوا تھا۔ یا سکبتگیں بلا وجہ جے پال پر چڑھ کر آیا تھا۔ اس سب سے پہلے وقوع معلوم کرنے کے لئے ایک ایسے ہندو کی گواہی ضرور قابل قبول ہونی چاہیے جس نے افغانستان کا جغرافیہ بھی لکھا ہے اور جو آج سے ڈھائی سو سال پیشتر ایک ایسی تاریخ کی کتاب لکھ کر چھوڑ گیا ہے جو آج تک مؤرخین کے زیر مطالعہ چلی آئی ہے اور ہمارے زمانہ میں خاص اہتمام کے ساتھ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ نئے نئے المناشی سبحان رائے بھنڈاری بٹالوی سلالہ میں جب کہ کابل و غزنی ہندوستان

کی سلطنت میں شامل تھے اس عجیب الاثر چشمہ کا حال اس طرح لکھتا ہے کہ۔

”طوابع غزنوی و سپہ گنہ غزنوی کہ آنرا زابل گوہند دران پاستان تخت سہا و سلاطین خراسان بود و خصوصاً ہستے تخت سلطان ناصر الدین سبکتگین و سلطان محمود غزنوی و سلطان شہاب الدین غوری و نیز خواب گاہ حکیم سنائی و بیارے اولیاست از کثرت ہرب و شدت سرما آنرا بہا بہر ہر ہر و سر قند نشان و ہند۔ در آن عہد و در سیر، فراوان پیدا شود بہ ہند وستان رود نہ نزدیک آن چہ، ایست کہ اگر قافہ درات پلیدی و بچاست) دران افستہ شود برف پیدا گردد۔“

پس معلوم ہوا کہ وہ چشمہ پر گنہ غزنوی میں تھا جیسا کہ منشی سبحان رائے کے بیان سے ثابت ہے۔ پھر یہی منشی سبحان رائے۔۔۔ ہمالوی اپنی تاریخ خلاصۃ التواریخ میں راجہ جے پال کے حملہ آور ہونے کا حال ان الفاظ میں لکھتا ہے کہ

”راجہ جے پال بابیارے لشکر و فیلان صفدر ہر سر غزنوی رفعت سلطان بدر یافت این خبر لشکر بسیار و مہارباں جرار و در حدود ولایت غلش رسیدہ آمدہ بیکار گردید۔“

لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے سبحان رائے کہتا ہے کہ جے پال کے لشکر کو فتح اور سلطان کے لشکر کو شکست ہونے والی تھی۔ مگر سلطان نے یہ تدبیر کی کہ اس چشمے میں پلیدی ڈلا دی جس سے برف باری شروع ہو گئی اور ہندی لشکر سردی کی شدت کا متحمل نہ ہو سکا بہت سے آدمی اکر کر رہ گئے۔ باقیوں کے ہاتھ پاؤں بیکار تھے۔ سبکتگین اور اس کے لشکر سردی کے عادی تھے لہذا جے پال نے اپنی شکست کا اعتراف کر کے سلطان سے جان بخشی چاہی۔ اس جگہ سبحان رائے کے الفاظ اس چشمے کی نسبت یہ ہیں۔

”سلطان چوں دید کہ کار شمشیر پیش نہیرو و خود را پیشوائے دلیری و تدبیر را رہنمائے نظامی ساخت یعنی در آن لڑائے چشمہ بود کہ اگر بحسب اتفاقات چرک با قافہ درات در دین آن افتادے برف عظیم باریدے سلطان فرمود تا در آن چشمہ قافہ درات انداختند۔“

غرض راجہ جے پال نے سلطنت غزنوی پر حملہ آور ہو کر توقع کے خلاف شکست و ذلت حاصل کی۔ راجہ نے یہ حملہ پوری تیاری اور بڑی قوت کے ساتھ کیا اور تاک کرایے اچھے

واقع سے کیا تھا کہ اس کی کامیابی اور سلطنت غزنی پر قابض ہو جانے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ کیونکہ سبکتگین دوسری جانب دشمنوں کے فوج کرنے میں مصروف اور اپنے دارالسلطنت سے دور تھا۔ مگر ہندی فوج شدت سے کامیاب نہ کر سکی۔ جب راجہ پال نے اپنے اپنے آپ کو مجبور دیکھا۔ تو سبکتگین کے پاس درخواست بھیج کر کہہ دیا کہ ہندی فوج اپنے آپ کو مجبور دیکھ رہی ہے اور وہ ہمیشہ آپ کا فرمان بولتا رہا ہے۔ اور پنجاب پہنچ کر بہت سا چاندی سونا بطور جہیز آپ کے پاس بھیجوں گا۔ آپ اپنے آدمی میرے ہمراہ بھیج دیجئے۔ میں اُن کے ہمارے خزانہ اور قیمتی تحفے معہ پچاس ہاتھیوں کے بھیج دوں گا۔ سبکتگین کے فوجی سرداروں نے اس صلح کو ناپسند کیا اور قائلو میں آئے ہوئے دشمن کو رہائی دینا قتل کے خلاف بتایا۔ مگر سبکتگین نے اسلامی تعلیم یعنی وان جنو اللہ منہ جہنم لہا پر عمل کرنا ضروری سمجھا۔ اور فوج دشمن کی درخواست صلح کو روک کر نامردانگی کے خلاف سمجھ کر راجہ کو پنجاب کی طرف مراجعت کرنے کی اجازت دی اور اس کی درخواست کے موافق اپنے چند مستعد اس کے ہمراہ کر دیئے۔

بے پال کی بد عہدی | بے پال نے دریائے سندھ کو عبور کرتے ہی ہندوستان کے تمام راجاؤں کے پاس ایچی روانہ کر دیئے کہ سبکتگین پنجاب پر حملہ کرنے والا ہے۔ اگر ہنس اس کو روک نہ سکا تو پھر پنجاب پر قابض ہو کر وہ تم کو بھی سلامت نہ چھوڑے گا۔ اس وقت آپس کے تمام جھگڑوں کو طاق میں رکھو اور سب متحد ہو کر غزنی کی سلطنت کا خاتمہ کر دو تاکہ آئندہ کے خطرے سے سب کی حفاظت ہو جائے۔ یہ چٹھیاں راجہ بے پال نے ایسے الفاظ میں لکھیں اور اس طرح سب کو اپنی مدد کے لئے بلایا کہ اجمیر و قنوج ہی نہیں بلکہ گجرات و کانچنرک کے راجہ یتاب ہو گئے اور فوراً اپنی اپنی فوجیں بے پال کی مدد کے لئے روانہ کیں۔ بے پال نے لاہور پہنچ کر سبکتگین کے آدمیوں کو گرفتار کر کے اپنے عہد اقرار کو پورا کرنے سے انکار کیا تو اس کے درباریوں نے اس بد عہدی سے اس کو روکنا چاہا۔ مگر راجہ نے کسی کا کہنا نہ مانا۔ اس واقعہ کو فرشتہ نے تو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ۔

”گویندہ صاں زماں قاعدہ چناں بود کہ ہنگام دیوان داری راجہ ہا چندیں
از دانا یان برہمن برہمن سے نشستند و جیسے از کھتریان برہما رو ہر گاہ

ہے عہدہ رونمو دے ایشان را جان را مانے دادند نہ چوں دیدند کہ
 بے پال چنان کارے ناشاتے می خواہد کہ کہند باتفاق در خدمت مانے
 محروض داشتند کہ در آئین حزم و باقیات ایرانی چنان مشاہدہ می کنند
 کہ از شام بے نقض عہدہ باد و ناس بہر تا خدمت بریں دیار آورده و مارا ز کوفہ
 با برآمد باید کہ این ترک شیرہ نموده بار سال انچه کہ مقرر گشته خود و خلق را
 در مہمانی و امان نگاہداری بے پال را چون رقتہ اوبار رسیدہ بوقت قبول کرد
 مگر سباق مانے صرف اس قدر کھتا ہے کہ

"میں از رسیدن بمسکن خود از قرار داد برگشتہ کہن سلطان را کہ ہر لے
 سپہوں فعلی و مالی ہمراہ آورده بود بہ مبادلہ مردم خود کہ نزد سلطان گذاشتہ
 آمدہ گرد بندہ کرد"

سبکتگین کا رد عمل | سبکتگین کے پاس بے پال کی بد عہدی کی خبر پہنچی۔ اس کو
 یقین نہ آیا اور سمجھا کہ یہ جھوٹی افواہ ہے۔ لیکن جب اس کا
 آدمیوں کے واپس پہنچنے کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے اس خبر کی تردید
 کے لئے جاسوس روانہ کئے۔ اس عرصہ میں ہندوستان کے دوسرے بادشاہوں کی نہیں
 جن میں کالنجرو گجرات کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ سبکتگین نے ان سے مل کر
 جاکر سبکتگین کو اطلاع دی کہ بے پال کا عہدہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس نے اپنے
 مقصدوں کو اس نے قید کر لیا ہے۔ سبکتگین نے اس خبر کو سن کر بہت متوجہ ہوا اور
 پر حملہ کر کے اپنے آدمیوں کو قید سے بچھڑا دیا۔ اس نے حملہ کر کے لیکن بے پال
 کی تیاری بہت زبردست اور نہایت تیز تھی۔ سبکتگین نے بھی غزنی ہی میں تھا کہ اس کے
 پاس خبر پہنچی کہ بے پال نے اس کے "قہوں کو ہارم شہادت پلا کر دریائے سندھ کو عبور
 کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ غزنی سے چلا اور انان کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔
 اس جگہ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ لغمان کس مقام کا نام ہے اور وہ کہاں واقع ہے کوئی
 تو لغمان کو جلال آباد کے متصل بتاتا ہے۔ کسی کا بیان ہے کہ لغمان وادی ہامیان کا دوسرا
 نام ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کا نام ازلام تھا ان کو الملک بھی
 کہتے تھے۔ ان کا مزار ہامیان میں ہے۔ وہاں کے آدمی کاف کو یمن کہتے ہیں اس لئے

الملک کو الملق کہتے ہیں لہذا اس علاقے کو المغان کہنے لگے کثر منہ استعمال سے المغان رہ گیا۔ ترک بابر ہی اور دوسری تاریخوں میں المغان کی جمع المغان استعمال ہوئی ہے جو دلیل اس بات کی ہے کہ یہ نام کئی متصلہ مقامات پر بولا جاتا ہے۔ المغانات سہرا علاقے پر بولا گیا ہے وہ ایک وسیع علاقہ ہے جو جلال آباد۔ کابل اور غزنی کے درمیان پھیلا ہوا ہے بعض مورخوں نے وہ خورک متصل جلال آباد کا نام المغان بتایا ہے۔ بہر حال اس لڑائی کا مقام جلال آباد کے جنوب اور غزنی کے شمال میں سمجھنا چاہیے۔ یہ مقام بھی سلطنت غزنی کا وسطی مقام تھا۔ سبکتگین بچا را اب بھی اپنی سلطنت کے اندر حملہ آور دشمن کو روکنے اور مدافعت کرنے کا گنہگار ہے۔ کس قدر جہرت ہوتی ہے کہ اس دوسری لڑائی کو جو بے پال کا دوسرا حملہ تھا۔ سبکتگین کا دوسرا حملہ بتایا جاتا ہے۔ اور بعض یورپی مورخوں نے تو اس کو محمد وغرنوی کا دوسرا حملہ قرار دیا ہے۔

بسوخت عقل ز جہرت کرایں چہ بولاجی ست

زینت التواریخ میں لکھا ہے کہ اس سرتبہ المغان کے میدان میں بے پال کے ہمراہ تین لاکھ جہاز فوج اور بہت سے جنگی ہاتھی تھے۔ سبکتگین کی کل فوج ساٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی بلکہ صاحب نے بھی فوجوں کی یہی تعداد بتائی ہے۔ سبکتگین جب سامنے پہنچا تو اس نے ایک اونچے ٹیلے پر بٹھ کر بے پال کے لشکر کا معائنہ کیا اور اس کی کثرت دیکھ کر گھبرایا۔ لیکن پھر اپنے دل کو قوی کر کے یہ تصور کیا کہ کلنگوں کی کثرت سے باز کو اور گو سفندوں کی کثرت سے قصاب کو جس طرح خوف نہیں ہوا کرتا۔ اسی طرح مجھ کو بھی خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ آخر لڑائی ہوئی اور بے پال شکست کھا کر بھاگا۔ سبکتگین نے دریائے سندھ کے کنارے تک تعاقب کیا اور ہندی لشکر کو دریا پار بھاگ کر دس ہزار لشکر کے ساتھ ایک سردار کو لپٹا دے میں متعین کیا کہ ہمیشہ سرحد کی حفاظت کرتا رہے۔ اس لڑائی میں بے پال اس قدر سامان اور زور و زلف رات سراپگی کی وجہ سے میدان میں چھوڑ آیا تھا کہ سبکتگین کے تمام مصارف جنگ پورے ہو گئے۔ ہندوستان کی متفقہ افواج کو یہ ایسی شکست فاش ہوئی کہ پنجاب سے بہار و بنگال اور گجرات و دکن تک جہرت و حسرت چھا گئی اور تمام ملک میں برہمنوں اور بدھوں کے جو مہاٹھے اور مناظر جاری تھے۔ وہ سب یک لخت ملتوی ہو کر غزنی کی اس نئی ریاست کی قوت کو منسا

کرنے کی تدبیروں کا سوچنا ایک دلچسپ اور ضروری مسئلہ بن گیا۔ لیٹان کی لڑائی کا تمام ہندوستان پر اس لئے زیادہ اثر پڑا کہ اس لڑائی میں ہندو سحنان کے قریباً ہر حصہ اور ہر ریاست کی فوج شامل تھی اس شکست کو ہر ایک راجہ نے اپنی شکست تصور کیا اور نہریت خود سب پاہیوں نے اپنے اپنے وطن میں پہنچ کر رو مداد جنگ سُنائی۔ جس سے سبکتگین کی حیرت انگیز قابلیت سچا لاری کا سکتہ بیچ گیا۔ سبکتگین کا حق تھا کہ وہ راجہ بے ہال کے ملک پر حملہ کرتا اور کم از کم اس کو اپنے اس وعدے کے ایفا پر مجبور کرتا جو وہ پہلی مرتبہ فرماں برداری اور خیران گنداری کا کر آیا تھا۔ مگر اس نے اپنی اسی فتح ہی کو غنیمت سمجھا اور اپنے مقتدروں کے مطلوبانہ خون کا بدلہ بے پال کی فوج کے ان مقتولوں کو تصور کر لیا جو لیٹان کے میدان اور دوران فرار میں غرق ہوئے تھوڑوں سے ہلاک ہوئے تھے۔ اس کے بعد سبکتگین کو فوراً شمال کی جانب سامانی سلطنت کے جھکڑے سلجھانے کے لئے جانا پڑا اور ابھی اپنے دار السلطنت غزنوی میں واپس نہیں آئے بایا تھا کہ بلخ کے متصل علاقہ میں فوت ہو گیا۔

سلطان محمود غزنوی | جن وقت امیر ناصر الدین سبکتگین کا انتقال ہوا ہے تو اس کا چھوٹا بیٹا امیر اسماعیل جو سبکتگین کی بیٹی کے سپہ سے پیدا ہوا تھا اس کے ہمراہ موجود تھا اور بڑا بیٹا محمود نیشاپور میں تھا۔ ہمراہی سرداروں نے اسماعیل کو بلخ میں لے جا کر تخت نشین کیا۔ محمود نے نیشاپور سے بھائی کو لکھا کہ میں بڑا ہوں تم چھوٹے ہو مناسب یہ ہے کہ تخت مجھ کو ملے اور تم میری اطاعت کرو۔ تاکہ ملک میں فتنہ برپا نہ ہو سکے۔ تم نا تجربہ کار ہو۔ امور سلطنت کا بار تم سے نہ اٹھ سکے گا۔ میں تمھارے لئے یہ رعایت روا رکھتا ہوں کہ تم کو بلخ و خراسان کا مستقل حاکم بنادوں گا لیکن دار السلطنت غزنوی اور بقیہ تمام ملک میرے تصرف میں ہوں گے۔ اسماعیل نے اس سے اتفاقاً تو نہ اور ملک کی تقسیم کو نا منظور کیا اور لڑائی پر آمادہ ہو گیا۔ آخر لڑائی ہوئی اور اسماعیل گرفتار ہو کر محمود کے سامنے پیش ہوا۔ محمود نے اس کو عزت و آرام کے ساتھ نظر بند کر کے ایک قلعہ میں رکھا اور خود باپ کے ملک کا مالک ہوا۔ محمود اسماعیل کے تنازعے میں چھ مہینے سے زیادہ مدت صرف ہوئی اسماعیل کی طرف سے مطمئن ہو کر اور سلطنت غزنوی کا فرماں روا بننے کے بعد اگر محمود کو بے ہال سے لڑنے کا شوق ہوتا تو وہ سب سے پہلے دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب

پہر تلہ آور ہوتا۔ لیکن اس کو قین سال تک یہ پال کا خیال بھی نہ آیا جب تک کہ بچہ پال ۸
 ہی اس کے ہاں رہا۔ حملہ آور نہ ہوا۔ بچہ پال یہاں سلطنت غزنوی پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں
 میں مصروف تھا۔ وہاں محمود نے تخت نشین ہوئے ہی بخارا کے سامانی سلطان منصور سے
 اس امر کی شکایت کی کہ بلخ و خراسان کی زمین لافرائی میراثی ہے۔ آپ نے خراسان میں
 طرف سے بکتوزن نامی سردار کو کیوں امیر الامرا مقرر کیا۔ اس کا جواب منصور سامانی کی طرف
 سے محمود کے سبب انتشار نہ آیا تو محمود نے لشکر فراہم کر کے خراسان کو بزرگ شیر اپنے قبضے
 لانا چاہا۔ بکتوزن نے محمود کے مقابلہ کی ہمت اپنے اندر نہ دیکھ کر منصور سامانی کو لکھ
 منصور سامانی خود بخارا سے فوج لے کر خراسان کی حفاظت اور محمود کے مقابلے کو
 ہوا۔ محمود اس خوف سے کہ لوگ مجھ کو نیک حرام کہیں گے منصور سامانی کے مقابل
 ہوا۔ اور نیشاپور میں قیام کر دیا۔ بکتوزن نے یہ کوشش کی کہ منصور سامانی کو جو اس کا
 اداوے کے لئے آیا تھا موقعہ پا کر قتل کر دیا اور اس کی جگہ ایک نا تجربہ کار نزعہ لڑکے
 عبدالملک کو تخت نشین کر کے خود بخارا کی سلطنت کا دارالہمام بن گیا۔ محمود نے یہ
 سن کر حملہ کیا۔ بکتوزن شکست کھا کر بھاگا اور دوسرے سردار عبدالملک کو لے کر
 بخارا پہلے گئے وہاں ترکستان کے پادشاہ ایک خاں نے بخارا پر حملہ کر کے عبدالملک
 سامانی کو قتل کیا اور اس طرح سامانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ محمود نے خراسان پر
 قابض ہو کر ہرات و بلخ وغیرہ کا انتظام کیا۔ ان تمام ہنگاموں میں تین سال ختم ہو گئے۔
 سولہ برس میں محمود ہرات سے سیستان کی جانب آیا۔ جہاں صفاری خاندان
 آخری بادشاہ خلف بن احمد جو یعقوب بن لیث صفار کا نواسا تھا فرماں روائی کر رہا
 خلف بن احمد کے قبضے میں سیستان و مکران کے صوبے تھے۔ اس نے اپنے بیٹے کو
 اس کی فوج کا سپہ سالار اور رعایا میں ہر دل عزیز تھا۔ بغاوت کے شبہ پر
 نہایت ظالمانہ طور پر قتل کیا تھا۔ لہذا سیستان کی رعایا نے محمود غزنوی کے پاس خلف
 بن احمد کے مظالم کی شکایت اور اس کے قسطنطینی ہو جانے کا حال لکھ کر درخواست کی
 آپ اس ملک پر چڑھائی کریں محمود نے سیستان پہنچ کر خلف کو محصور کر لیا۔ اس نے
 اپنے آپ کو محمود کے حوالے کیا اور رحم کی درخواست کرتے ہوئے محمود کو سلطان کہہ
 مخاطب کیا۔ محمود کو سلطان کا لفظ بہت پسند آیا اور اسی روز سے اپنے آپ کو سلطان

سکہ انتہب سے بلقب کیا۔ مختلف چو نکہ تبر منڈی پر چکا ہوا انہماک کو اپنے ہر طرف لاکر نظر بند کیا۔ جہاں وہ چار ہر کسی کے ہمارے ہی نظر بند ہو نہ سکا۔ با اس طرح سامانی خانہ داران کے بغیر ہی خاندان صفاریہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ یہ تمام راقہ کے حکام اعمام بے نہشت انوارِ منج کے حوالے سے ایک ہیں۔

بخارا ایک خاں کے قبضے میں آچکا تھا۔ فارسی و آذربائیجان اور بغداد کے دربار خلافت پر دہلی مہتممی تھے۔ اور محمد کو یہ فکر درپیش تھی کہ تاتاریوں اور دہلیوں سے خطرے سے محفوظ رہنے کا کوئی انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک خاں کے پاس ایلی بیج کر اس سے مصالحتانہ دوستی قائم کر لینے مناسب سمجھے مگر یہ دوستی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی ایک خاں سے دوستی پیدا کرنے کے بعد سلطان محمود نے خلیفہ بغداد قاوہ باللہ عباسی کی خدمت میں درخواست بھیج کر اقرار اطاعت کیا اور خلیفہ سے سجدہ حکومت کی استدعا کی خلیفہ نے سلطان کے پاس ایک گراں بہا خلعت بھیجا اور "امین الدولہ بین الملک" کا خطاب عطا کیا۔

بے پال کا تیسرا حملہ | سلطان محمود ابھی اپنے ملک کے محفوظ رکھنے کی تدبیروں سے فارغ نہ ہوئے پایا تھا کہ محرم ۱۱۹۱ء میں اس کے پاس عامل پشاور کی عرضداشت پہنچی کہ پنجاب کا راجہ بے پال ایک عظیم الشان لشکر فراہم کر کے سلطنتِ غزنوی پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ اور جو واقعات درج ہو چکے ہیں ان سے اس بات کا سمجھ لینا کچھ بھی دشوار نہیں ہے کہ محمد غزنوی کی تمام تر توجہ بخارا و آذر بایجان و فارس کی طرف منحرف تھی۔ وہ جانتا تھا کہ صفاریں اور دہلیوں نے کس طرح دوبار خلافت پر اپنا تسلط قائم کر کے رعب و اب قائم کیا۔ اس کو ترکستان کی طرف سے بھی خطرہ تھا۔ وہ اپنی تمام اولوالعزمی اور ہمت اس بات میں صرف کرتی چاہتا تھا کہ دہلیوں کو جن کا آفتاب اقبالِ نزال پذیر ہو چکا تھا اور جو مذہب و عقیدے کے اعتبار سے محمود کے مخالف تھے ہٹا کر خلیفہ کو جو محمود کا ہم عقیدہ اور مخدوم تھا آزادی دلائے اور دوبار خلافت میں اپنا رسوخ قائم کر کے تمام عالمِ اسلامی میں شہرت و عظمت حاصل کرے۔ یہ کام محمود کے لئے کچھ دشوار بھی نہ تھا۔ وہ یقیناً افغانستان۔ خراسان و ایران و آذربائیجان و عراق و شام و حجاز و ایشیائے کوچک وغیرہ پر اپنی حکومت و سطوت قائم

کر سکتا تھا۔ جیسا کہ اس کے بعد ملوث قیوں نے کیا۔ لیکن راجہ جے پال نے ان کا وہ
 کی طرف سے اس کی توجہ مرکب دہستی اپنی جانب منطقت کی اس کو ٹھہرا کر دیا کہ وہ
 کے کر ایک ایسے بدعہد۔ انہی۔ ہندی مزاج دشمن کی گوشمالی دے لئے روانہ ہوا جو اس سے
 دو مرتبہ سخت ذلت اٹھانے کے بعد بھی سلطنت غزنی کے رجم و درکفر۔ نے نارہنر قائم ہوا
 کر اب تیسری مرتبہ پھر بلا در کلمہ آور ہوا ہے۔ محمود نے غزنی میں بیٹے پال کی تیاریوں کا حال
 ۱۱۹۱ء میں سنا۔ لیکن وہ فوراً ہی مقابلہ کر دیا نہ ہوا۔ کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرف
 غلط ثابت ہو جائے۔ اس نے اس خبر کو عامل پشاور کی بہگانی اور غیر ضروری احتیاطی تدابیر سے
 تحقیق حالات کے لئے ہاسوس روانہ کئے۔ وہ اُس وقت تک اس خبر کو غلط ہی نہ تھارہا جب تک
 کہ ماہ شمال ۱۱۹۱ء میں اس کے پاس یہ خبر نہ پہنچ گئی کہ جے پال اپنی فوجوں کو دریائے سر
 کے کنارے لے آیا ہے۔

اب ہندوستان کا حال سننے یہاں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے جے پال اور ہندوستان
 کی متحدہ افواج کے میدان لڑائی میں شکست یاب ہو کر بھاگنے کے بعد سکستان کی تحریک
 پور سے زور شور سے راتھ شروع ہو گئی تھی نیز بدھ عالم اور ہندو پٹنوں کے مناظرے ہوتی
 دھارت، لڑائیوں کو محنت و یک جہتی کی نصا میں متفق ہو کر سلطنت غزنی کے نفع کرنے کو
 تیاریوں کا نہایت زریں موقع حاصل ہو چکا تھا۔ سکستان کی وفات نے جے پال کی ہمت
 میں ایک نئی جان ڈال دی تھی۔ اُس نے گذشتہ ہزیمتوں کے تجربہ سے فائدہ اٹھانے میں
 نہیں کی اور اسی لئے وہ کئی سال تک محمود کو غزنی سے باہر لے و ہرات و سیستان کے منصوا
 میں مبتلا دیکھ کر اُس کے زوال و اضلال کا متوقع رہا اور رات دن فوجی تیاریوں میں مصروف
 کر اپنے آپ کو خوب طاقتور بناتا رہا۔ جے پال پنجاب جیسے وسیع و بڑے فیض ملک کا راجہ، ہندوستان
 کے راجاؤں میں سب سے بڑا اور مشہور و معزز راجہ تھا۔ اُس کو دو مرتبہ سکستین سے شکست
 پانے کی سخت ندامت تھی وہ عیب سے زیادہ اس بات کا خواہاں تھا کہ کسی طرح کھوئی ہوئی
 عزت واپس حاصل ہو اور دو مرتبہ کی کھائی ہوئی شکست کی کافی تلافی ہو جائے۔ اُس کی ہمت
 اس لئے بھی ترقی کر گئی تھی کہ سکستین جیسا تجربہ کار سپہ سالار مرچا تھا اب ایک نوجوان تجربہ
 کار کا یعنی محمود اس کا مقابل تھا۔ فرض جے پال نے اس مرتبہ دو دروازے کے راجاؤں سے
 مدد لئے بغیر انہی ہی زبردست قوت سے افغانستان کو فتح کر کے ناموری حاصل کرنا چاہی تھا

ڈیڑھ لاکھ سوار و پیادہ اور تین سو جنگی ہاتھی لے کر دریائے سندھ کو عبور کیا اور محمود غزنوی بھی غزنی سے پشاور کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔ پشاور کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہوئے۔ نظام الدین احمد ہروی نے اپنی جگہات میں بے پال کی فوج کے سرداروں کی تعداد تو دس ہزار بتائی ہے مگر سپہ سالار کے لئے انتظام کیا ہے اور ہاتھیوں کی تعداد تین سو گناہر کی ہے۔ فرشتہ بے پال کے سپہ سالار کی تعداد تین ہزار بتاتا ہے اور سوار بارہ ہزار۔ سچان رائے فوج کی تعداد کچھ نہیں بتاتا۔ سیرا متاخرین والے نے اپنی کتاب میں سچان رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ کو حرف بحرف نقل کر دیا ہے۔ روسی میجر جنرل سیٹولف اپنی کتاب میں بے پال کے سپہ سالار کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار بتاتا ہے۔ پشاور کے میدان میں بے پال کی فوج کس قدر تھی اس میں اختلاف ہے مگر بیالیس ہزار سپاہی اور تین سو ہاتھیوں سے کم ہرگز نہ تھی محمود کی فوج کو تمام مورخین نے ایک زبانی ہو کر سرفہرہ ہزار بتایا ہے۔ جس میں سوار اور پیدل سب شامل ہیں بے پال کی فوج کی تعداد بیان کرنے میں اختلاف کیوں ہوا؟ اس کا جواب راجہ صاحب کی تاریخ حالات ہند کے ان الفاظ میں تلاش کرنا چاہیے کہ

اس لڑائی کے بعد محمود نے اُن سرحدی قبائل کو سزائیں دیں جن کو راجہ بے پال نے سازش کر کے پہلے سے اپنا شریک بنا لیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جو فوج لاہور سے راجہ بے پال کے ساتھ اٹک کی جانب روانہ ہوئی وہ صرف بیالیس ہزار سپاہی اور تین سو ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ لیکن دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد سرحدی قبائل جن کو الزام و اقسام کے لالچ دیئے گئے ہوں گے اُس کے لشکر میں شامل ہوئے ہوں گے۔ محمود جب بے پال کے مقابل پہنچا تو دشمن کے لشکر کی کثرت اور اپنی قلت سے مطلق مرعوب نہ ہوا۔ لڑائی شروع ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ بے پال کی فوج دس ہزار محمودی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکی پانچ ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر اور بے پال کو معہ پندرہ سرداروں کے گرفتار کر لیا۔ باقی فوج لاہور کی جانب بھاگ آئی۔ محمود غزنوی نے اس فتح کے بعد سرحدی چوکیوں کا انتظام کیا اور بے پال کو معہ پندرہ بے پالی سرداروں کے لئے ہونے والی پہنچا۔ غزنی پہنچ کر اُس نے بے پال سے پوچھا کہ تم نے کیوں ہم کو بار بار دق کرنے کا ارادہ کیا۔ بے پال نے کہا کہ

اس مرتبہ میری خطا اور معاف کی جائے اور مجھ کو چھوڑ دیا جائے میں اب تازلیست فرماں برداری سے انحراف نہ کروں گا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھ کر آپ کی جانب سے حکومت کروں گا اور سالانہ خراج بلا عذر و حیلہ بھیجتا رہوں گا۔

محمود کی شرافت | محمود نے انتہائی شرافت کو کام میں لا کر راجہ کی اس اسناد عاکو قبول کر لیا اور غزنی سے لاہور کی جانب رخصت کرویا۔ پشاور کے میدان میں ۲۶ نومبر ۱۸۹۲ء مطابق ۵ اگست ۱۲۹۹ھ کو محمود نے فتح پائی تھی اور شعبان ۱۲۹۲ء مطابق مارچ ۱۲۹۹ھ میں بے پال کو غزنی سے رخصت کیا۔ اس طرح راجہ بے پال قریباً آٹھ مہینے محمود کے ہمراہ رہا۔ لاہور میں بے پال کا بیٹا اند پال جو سرکرہ جنگ سے فرار ہو کر اپنی جان سلامت لے آیا تھا ملک کا بندوبست کرتا رہا۔ اب سوچئے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ راجہ بے پال تیسری مرتبہ سلطنت غزنی پر حملہ آور ہوتا ہے اس کی رعایا کو سازش کے ذریعہ باغی بنا کر اپنے ساتھ شامل کرتا ہے اور محمود کی مٹھی بھرفوج سے شکست پا کر دوسری مرتبہ گرفتار ہوتا ہے محمود نے ابھی تک دریائے سندھ کے اس اندیشہ قدم نہیں رکھا ہے۔ لیکن اس لڑائی کو محمود کا تیسرا حملہ قرار دیا جاتا ہے اور ای مارٹن صاحب، بی سی الین صاحب، ایلوڈ ویوٹر صاحب، لیتھمرن صاحب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سر جان ملکم صاحب بھی ایک زبان ہو کر دیتے اور ہمارے بچوں کو مدرسوں اور کالجوں میں یقین دلاتے ہیں کہ وہ غزنوی نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنائے اور ہندوستان کی دولت سمیٹ کر غزنی لے جانے کے لئے راجہ بے پال کے بیچارے ہندوؤں پر حملے کئے اور وہ ہندوؤں کا بلا سبب قتل کرنا ثواب کا کام سمجھتا تھا۔ ای مارٹن صاحب اپنی طرف سے محمود کے اس فحش حملہ کا ایک سبب یہی تصنیف فرماتے ہیں کہ

”محمود ابھی بچہ ہی تھا کہ اس نے اکثر اوقات گراں بہا مال و منال سے لدی ہوئی اونٹوں کی لمبی لمبی قطاریں اپنے باپ کے ملک میں سے بارہوتی دیکھی تھیں وہ سوداگروں سے بات چیت کیا کرتا تھا جو بڑے بڑے شہروں اور پُر از دولت مندروں کا کل حال سناتے تھے اس پر وہ کہتا کہ جب میں بڑا ہو کر بادشاہ بنوں گا تو ہند کے راجاؤں کے ساتھ

لڑوں گا امداد ان سے سارا سونا چاندی اور بیش قیمت مال و اسباب
چھین کر غزنی لے آؤں گا۔

دوسرے صاحب یعنی لیتھبرج صاحب فرماتے ہیں کہ
”محمود کا ہند کی دولت پر تو دانت تھکا ہی مگر ساتھ ہی یہ بھی آرزو تھی
کہ بڑے بڑے بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے مسلمان کرے۔“
تیسرے صاحب جے سی ایلن صاحب لکھتے ہیں کہ

”محمود لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے شہروں کو برباد کر دیتا تھا جو مسلمان
ہونے سے انکار کرتا اس کو قتل کر ڈالتا تھا۔ اس نے شہروں کو برباد کیا۔
مندروں کو گرا دیا۔ متبرک برہمنوں کو جن کی ہندو عزت کرتے تھے قتل کر ڈالا۔
گاؤں اور قبیلوں کو اُجاڑ دیا۔ پختہ غلوں کے کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا اور
خوش و خرم گھروں کو برباد کر دیا۔ ... راجہ جے پال والی لاہور نے اپنے
ملک کو بچانے کے لئے سخت کوشش کی۔ سلطان محمود ایک جزار فوج لے کر
کوہستانی علاقوں سے گذرنا ہوا ہندوستان کے میدانیوں پر حملہ آور ہوا
اور شہر پشاور کے نزدیک اپنے ڈیرے ڈال دیئے راجہ جے پال راجپوت
سوار۔ پیدل اور بہت سے ہاتھی لے کر حملہ آور فوج کو پسپا کرنے کے
لئے آگے بڑھا لکھنؤ کی لڑائی ہوئے لگی مسلمان سپاہیوں نے تلواروں
سے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ ڈالیں اور تیروں سے اُن کی ٹانگیں زخمی
کر دیں۔ مسلمانوں نے مذہب کے جوش میں متاثر ہو کر ہندوؤں پر اس
زور سے حملہ کیا کہ اُن کی فوج تتر بتر ہو کر بھاگ گئی محمود کے سپاہی ہی راجہ
جے پال کو رسیوں سے باندھ کر اپنے بادشاہ کے سامنے لے گئے اور نیزا اٹھائے
بہت سے ہندوؤں کو قید کر لیا کچھ قیدیوں کے ہاتھ اُن کی کمرے باندھ
دیئے بعضوں کو آبی کے کات پکڑ کر اور بعضوں کی گردن پر چھڑ مارنے ہوئے
لے چلے۔“

اب بڑے سنجیدہ مزاج مورخ ملکم صاحب کی مضمون آفرینی بھی ملاحظہ ہو اُن کو
اپنے مقصد کے پورا کرنے میں اس قدر جلدی تھی کہ جو کچھ اوروں نے محمود کے سر پہ پڑھا

انھوں نے اُس کو سبکتگین کا حال لکھتے ہوئے اُسی سب سے یعنی محمود سے باپ کے سر پر لاد دیا چنانچہ وہ سبکتگین کی نسبت لکھتے ہیں کہ

اس نے ہندوستان پر اس لئے حملہ کیا تھا کہ ہندوستان کی دولت کا حال وہ دیکھ چکا تھا اور لٹ کی چارٹ اُس کو بے حد پسند آئی تھی اور علاوہ اس کے بڑی غرض یہ تھی کہ بت پرستوں نے دین و مذہب کو خاک میں ملا دے اور اپنے پیغمبر کی تدبیر آجائے چنانچہ اُس نے پہلے پہل رائے جے پال کو شکست فاش دی جو اُن دنوں شمالی ہندوستان کا راجہ تھا اور کابل پر قبضہ کیا اور پنجاب کو لوٹا کھسوا اور دوسری مہم میں پہلی مہم کی یہ نسبت بڑی کامیابی حاصل ہوئی یعنی ہندوستان کے راجہ پر پڑے محرکہ میں غالب آیا۔

تاریخ ایران سہ دوم مسند ملکہ صاحب

جے پال سبکتگین کی دد لڑائیوں اور بے پال د یورپی مورخوں سے ایک سوال | محمود کی ایک پہلی لڑائی کا سال اوپر بیان ہو چکا ہے اُس کو پڑھو اور ان یورپی مورخوں کے بیان کو پڑھو اور تحقیق کرو کہ آج تک کسی نے اُن عالی جاہ مورخوں سے یہ دریافت کرنے کی بھی جرأت کی کہ جناب آپ کے محمود کو اپنے باپ کی سلطنت میں سودا گروں سے باتیں کرتے اور ہندوستان کے راجاؤں سے لڑتے اور ہندوستان کی دولت غزنی لے جائے گا اور وہ ظاہر کرتے ہوئے خود سنا تھا اور جے پال کو رسیوں سے باندھتے اور اُس کے ہمراہیوں کو کان پکڑ کر لے جاتے اور دھولیں مارتے ہوئے دیکھا تھا یا محض زینت کلام کے طور پر آپ کے دماغ کا اختراع ہے اور یہ حالات داسباب جو آپ نے بیان کئے ہیں کہ تاہن یا کس ماخذ سے آپ کو معلوم ہوئے ہیں۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ انھیں یورپی مورخین کی لکھی ہوئی کتابوں کے حوالوں کو اثبات مدعا کے لئے تمام ہندو مسلمان مسنین اس طرح پیش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ گویا انھوں نے اپنی تحقیق حد کمال تک پہنچا دی اور اب ان کے مخاطب کو علم الیقین اور عین الیقین کے مدارج سے گذر کر حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جانا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان یوں کی نفسیات سے واقف ہو چکے ہیں اُن کو موقعہ حاصل ہے کہ وہ بلا تکلف ان کو احسن اور اکتاہنا کر اپنا اکتاہنا کر میں اور ان کی جہالت سے آبیوں اور حماقت پناہیوں کا تماشا دیکھ دیکھ کر لطف اٹھائیں

اور قہقہہ لگائیں۔

آدم برسرِ مطلب محمود غزنوی اگر واقعی لوگوں کو مسلمان بنانے اور جو انکار کرے اُس کو قتل کر ڈالنے کا شوقین تھا تو قہقہہ ہے کہ بے پال آٹھ بیٹے تک اُس کے پاس رہا اور مسلمان نہ ہوا بلکہ ہندو کا ہندو ہی بنا ہوا صحیح و سلامت داپس آیا محمود نے اُس سے خراج گزاری اور فرماں برداری کا اقرار تو لیا مگر مسلمان ہونے کی فرمائش نہ کی اگر فرمائش کی تھی تو اُس کے انکار پر اُس کو قتل کیوں نہیں کیا جے پال تو اُس کے باپ سے بھی دو مرتبہ پہلے لڑ چکا تھا۔ اُس نے پہلی مرتبہ اقرارِ اطاعت اور خراج گزاری کے وعدہ پر رہائی پا کر دوبارہ حملہ کیا اور اب سے بارہ حملہ آور ہو کر محمود کے پنجہ میں گرفتار ہوا تھا۔ ایسے بد عہد و دروغ گو اور فتنہ برپا کرنے والے کو سوائے عمود کے اور کون ہے جس نے اس طرح رہائی دی ہو اور عزت کے ساتھ اُس کے ملک کی طرف رخصت کیا ہو۔ کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی سفید جھوٹ ہو سکتا ہے کہ محمود کو ظالم اور بے پال کو مظلوم بتایا جاتا ہے اور بے پال کی یورش کو محمود کا حملہ قرار دیا گیا ہے؟ محمود نے بے پال کو قول و قرار سے کرغنی سے ہندوستان کی طرف رواد اور خود چند بیٹے بعد یعنی محرم ۳۹۳ھ میں سیستان کی طرف گیا اس تو مفتوحہ ملک میں آثارِ بدامنی پیدا ہوئے تھے جن کو محمود نے جا کر رفع کر دیا اور وہاں سے کرغنی واپس آ کر دو تین سال تک کرغنی میں مقیم رہا اس عرصہ میں اُس کے کیا کیا کام کئے اور کن مشاغل میں مصروف رہا اُن کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں مگر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا اُس کو کبھول کر بھی خیال نہ آیا حدودِ ہند کی جانب سے وہ بالکل مطمئن اور بے فکر تھا کیونکہ سلطنتِ پنجاب سے اُس کی صلح تھی اور برہمے نام خراج جس کا وعدہ بے پال سے اُس نے لیا تھا سالانہ کرغنی پہنچ رہا تھا۔

ولینومت کی ایجاد | راجہ بے پال جب کرغنی سے لاہور پہنچا تو اُس نے اپنے بیٹے کو اند پال کو فرماں روا کے پنجاب پایا بیٹے نے باپ کے لئے تخت خالی کرنا چاہا مگر بے پال نے انکار کیا اور اند پال کو محمود کی مخالفت نہ کرنے اور سالانہ خراج بھیجتے رہنے کی وصیت کر کے خود اپنے مذہبی عقیدے کے موافق آگ میں جل دیا اس واقعہ کو تمام مورخین نے متفقہ طور پر اس طرح لکھا ہے کہ مال

ایک مذہبی عقیدے کے موافق کہ ہوراجہ دومرتبہ دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے اُس کو آگ میں جل کر مچانا چاہیے آگ میں جل کر مرا تھا۔

راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند نے اپنی کتاب آئینہ تاریخ نامی ایک سنسکرت زبان کا لفظ تشاثل استعمال کر کے بتایا کہ تشاثل پھوس کی آگ کو کہتے ہیں اور بے پال پھوس کی آگ یعنی تشاثل میں جل کر مرا تھا۔ ظاہر ہے کہ بے پال کے اس طرح مرے لئے ہندوستان کے مذہبی گروہوں پر خاص اثر کیا ہو گا اور مذہبی پیشواؤں یعنی برہمنوں نے راجہ کے اس حین عمل کا حال سن کر اُس کو یقیناً ایک مذہبی شہید کا مرتبہ دیا ہو گا۔ جس کے ساتھ ہی محمود غزنوی سے نفرت و عداوت اور بے پال کے جانشین انند پال سے محبت و ہمدردی کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ ہندوستان کی آب و ہوا کے مخصوص اثر اور تمام مذکورہ واقعات کو ذہن میں رکھ کر غور کرو کہ اُس زمانہ کے ہندوستان میں کس طرح سلطان محمود کے متعلق نفرت و انتقام کے جذبات مشتعل ہوئے ہوں گے۔ اور نولائیہ برہمنی مذہب اور پُرسے مسخ شدہ بدھ مذہب کے مناقشات کو دونوں مذہبوں کے پیٹنٹوں نے فراموش کر کے کس طرح اپنی تمام تر توجہ اتفاق و اتحاد اور دونوں مذہبوں کے درمیان ایک مشترکہ راہ اختیار کر کے تمام باشندگان ہند کو سلطنت غزنی کے خلاف آمادہ ہو جانے کی کوششیں کی ہوں گی۔

چنانچہ راجہ بے پال کی خودکشی کے بعد ہندوستان میں فوراً ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی گئی جس میں بدھ اور برہمنی مذہب کے ماننے والے دونوں شریک کئے جاسکتے تھے۔ افسوس ہے کہ بادشاہوں اور لڑائیوں کی تاریخ لکھنے والے جب واقعات پر رائے زنی کرتے ہیں تو وہ مذہبوں اور قوموں کی تاریخ کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور حقیقت اصلیہ کا چہرہ بے نقاب کرنے میں کما حقہ تلاش و جستجو سے کام نہیں لیتے سبے پال کے بار بار سلطنت غزنی پر حملہ کرنے اور تین مرتبہ شکست پانے کے بعد خودکشی کرنے اور اس کے بعد انند پال کے بھی باپ کے نقش قدم پر چلنے کا جہاں ایک طرف یہ نتیجہ ہوا کہ پنجاب کا ملک سلطنت غزنی میں شامل ہو گیا وہاں دوسری طرف اس سے بھی زیادہ اہم ایک یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہندوستان کے دو ترتیب مذہبوں یعنی بدھ اور برہمنی مذہب کے حاملوں اور پیشواؤں میں ایک زبردست صلح قائم ہو کر آئندہ کے لئے یہ مذہبی کشمکش بالکل ناپویدہ گئی اور پنجاب کی بدھ

حکومت کے برباد ہونے پر بد مذہب کے پیرو اکثر اُس جدید مذہب میں جذب ہو گئے جو ہندوستان کے پنڈتوں نے پنجاب وغیرہ کی حکومتوں میں مذکورہ سلسلہ جنگ قائم ہونے کے سبب تجویز کیا تھا اور جس کا نام ویشنومت رکھا تھا۔

ویشنوپران کی تدوین | اس مذہب کے ایک الگ مستقل مذہب بننے کی صلاحیت شکر اچارج کی تعلیمات نے مہیا کر دی تھی جو محمود غزنوی

سے تھوڑے ہی دنوں پہلے برہمنی مذہب کو بہت کچھ مرتبہ مدد و ن کر چکا تھا۔ آئریبل ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر صاحب جنھوں نے ہندوستان کا گزٹڈ مرتب کیا ہے اپنی کتاب "تاریخ اہل ہند" میں ویشنوپران کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"ویشنوپران کی تاریخ تصنیف ۱۲۴۵ء (مطابق ۱۸۳۳ء) سے شمار کرنی

چاہیے اس پران میں جیسا کہ اُس کے نام سے مترشح ہے قدیم روایتیں

قلبنہ ہیں جو شیوا اور بدھ کے متوں کے ساتھ ساتھ چلی آتی تھیں اس

پوران کے مسائل براہ راست دید سے نہیں لئے گئے بلکہ دو مشہور نظم

رزمیہ کی وساطت سے حاصل ہوئے ہیں یہ اٹھارہ پوراؤں یعنی علم الہی

کی سنسکرت کتابوں میں سے ایک ہے جس میں برہمنوں نے ویشنواور

شیو کے مخالف مذہبوں کو یکجا جمع کیا ہے "

ویشنوپوران کے متعلق ہنٹر صاحب جیسے ہندو لٹریچر مورخ کا بیان ذہن میں رکھ کر

غور کرو کہ بنے پالی ۱۲۹۵ء کے آخر یا ۱۲۹۵ء کے شروع میں ہلاک ہوا اور اسی زمانہ میں

ویشنومت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ۱۲۲۱ء میں سلطان محمود کا انتقال ہوا اور ۱۲۳۳ء

میں ویشنومت کی سب سے پہلی کتاب ویشنوپوران لکھی گئی یعنی وہ مذہب جس کی بنیاد

۱۲۹۳ء میں رکھی گئی تھی پینتالیس سال کے بعد اس قابل ہو گیا کہ اُس کے عقائد و

احکام کو کتابی شکل میں مدون کیا جاتے۔ ویشنوپوران کی تصنیف کا حال لنگ پوران

کی ادھیائے چوٹھ میں بیان ہوا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لنگ پوران کے اس

ادھیاء کو اس جگہ درج کر دیا جائے۔

رشی لوگوں نے سوت جی سے دریافت کیا کہ بشٹھ جی کے بیٹوں کو

راکشش نے کیوں کھا لیا۔ سوت جی نے جواب دیا کہ دشو امتر کی بددعا

سے زود ہر نام راکھشش نے کلمہ کھ پا دنام، باپ نے جسم میں ملول کر کے
 بششٹہ جی کے سوہیلوں کو کھایا۔۔۔ لیشٹہ جی بیڑہ بننے ہی عش کھا کر گر پڑے
 جب ہوش آیا تو اپنے خاندان کے تخم سوخت ہونے کا تصور کر کے خودکشی پر آمادہ
 ہو گئے مگر ان کے ایک بیٹے شکنت نامی کی بیوی اور شہینتی نے یہ کر کہا کہ ہمارا
 آپ خودکشی نہ کریں میرے رحم میں ایک لڑکا ہے جو آپ کا ہوتا ہے۔۔۔ یہ کام
 درست کر دے گا لیشٹہ جی نے خودکشی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی اثنا میں
 شکنت کی بیوی سے پیٹ میں بچہ نے یہ کہی ایک رچا پڑھی لیشٹہ جی سے کہا
 کہ اے بر خوردار لیشٹہ یہ رچا تیرے پوتے نے پڑھی ہے جو ہمارے برادر
 طاقت والا ہو گا۔ یہ کہہ کر ویشٹہ جھکوان غائب ہو گئے۔ دسویں پہینے لڑکا
 پیدا ہوا جس کا نام پراشر رکھا گیا۔ پراشر نے ایک روز اپنی ماں سے کہا کہ
 میرا باپ کہاں ہے اُس کی ماں نے کہا تیرے باپ کو راکشش نے کھالیا، پراشر نے کہا کہ میں
 راکششوں کو ہلاک کر بیگا اور بیویوں کو کھلاؤنگا لیشٹہ جی نے کہا کہ بڑیا تم راکششوں کا سنیاناں
 کرنے کیلئے تو مجاہدہ کرو مگر تیز رو، لوگ نے تمہارا کیا بیگاڑا ہے۔ دادا کا یہ کلام سن کر پراشر رنج
 رخصت ہوا اور تنہا رہا، بااثر مٹی کا شیلونگ بنا کر وید منستروں کے دور میں نبیو جی
 کا پوجن کرنے لگا پارتی جی نے مہادیو جی سے پراشر کی غناش کی جہانچہ
 مہادیو جی اور پارتی جی دونوں ہر اشتر کے سامنے آگئے اور پراشر کو فیہ معمولی
 روحانی طاقت عطا کر کے غائب ہو گئے۔ اس کے بعد پراشر راکششوں
 کو ہلانے لگا لیشٹہ جی نے پوتے سے کہا کہ بیٹا تم اب خدامہ کو محوک کر
 راکشش لوگوں پر رحم کرو وہ بے قصور ہیں یہ سن کر پراشر جی نے راکششوں
 کو مارنا چھوڑ دیا۔ اسی اثنا میں پلست منی آئے لیشٹہ جی نے ان کو
 بڑی عزت سے بٹھایا پلست منی نے پراشر جی سے کہا کہ بیٹا تم نے لیشٹہ جی
 کے کہنے سے بڑی بھاری عداوت کو فراموش کر دیا اور ہمارے بیویں یعنی
 راکششوں کو مارنا چھوڑ دیا لہذا ہم تم سے بہت ہی خوش ہیں اور ہم تم کو
 یہ کرامت عطا کرتے ہیں کہ تم کو پوران تصنیف کرنے کی قوت حاصل ہوگی
 اور دیوتا تم سے بہت خوش ہوں گے اور تمہاری عقل بالکل صاف

اور روشن ہو جائے گی۔ یہ سن کر لبشٹہ جی نے بھی کہا کہ اسے براشر جیسا پلست جی نے فرمایا ایسا ہی ہو گا۔ پٹنا نچہ پراشر جی نے لبشٹہ جی اور پلست جی کی مہرائی اور امداد پاکر ویشٹہ پوران تصنیف کیا جو ہر قسم کی طاقت مند بنا کر سننے والا ہے اور وید کے اتھ سمیت ہوتھا پوران شمار کیا گیا ہے۔ ۱۰:۱ میں چھ ہزار اشلوک ہیں۔ ہم نے شکنت کے بیٹے پراشر کا حال سنا دیا۔ اب تم کیا سنا چاہتے ہو بتاؤ۔ ختم شد اوصیائے چونٹھ۔ (لنگ پوران)

ویشنو پوران کی تدوین کی وجہ | لنگ پوران کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس سے کوئی تاریخی سندی جاسکے۔ لنگ پوران کے مذکورہ ترجمہ اور اقتباس سے صرف یہ مدعا ہے کہ ویشنو پوران کی تصنیف کا سبب جو لنگ پوران نے بیان کیا ہے اس سے نہایت صاف اور نمایاں طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو مخالف و معاند گروہوں میں صلح قائم ہونے کی تقریب ویشنو پوران کی تصنیف کا سبب ہے لبشٹہ جی اور پلست جی دو مذہبی پیشوا ہیں جن میں ایک راکھششوں کا بزرگ ہے اور دوسرا شیوں کا۔ ممکن ہے کہ لبشٹہ جی برہمنی مذہب کے پنڈت ہوں اور پلست جی بدھ مذہب کے یا اس کے برعکس ہوں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو راکھشش کے نام سے یاد کرتا ہو گا۔ لیکن اب حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ دونوں مذہبوں کے پنڈتوں نے آپس کی عداوتوں کو فراموش کر دیا اور ایسا مذہب اختیار کیا جس میں دونوں متفق و متحد ہو گئے۔

ویشنو مت کی خصوصیت اور سب سے زیادہ قابل تذکرہ بات یہ تھی کہ اُس میں انسان کو خود کشی کرنے اور اپنی جان کو قربان کر دینے کی ترغیب دی جاتی تھی اور جو لوگ مرنے سے ڈرتے تھے اُن کی تحقیر کی گئی تھی جو دلیل اس بات کی ہے کہ بے پال کی خود کشی کے بعد ہی یہ مذہب ایجاد ہوا تھا جو درحقیقت ایک سیاسی تحریک تھی اور بدھ مذہب کی مذہب کے سنگمٹن سے پیدا ہوئی تھی جس کا مقصد اصلی یہ تھا کہ تمام ملک کو لڑنے اور سلطنت غزنی کے برباد کرنے پر آمادہ کر دیا جائے۔ بعد میں جب حالات تبدیل ہو گئے اور اس تحریک کا منشاے اصلی حاصل ہونے سے مایوسی ہو گئی تو اس مذہب

کی شکل بہت کچھ تبدیل ہو گئی مگر وہ ایک مستقل مذہبی فرقہ کی حیثیت سے ہندوستان میں باقی رہا۔ اس مذہب کے عقیدہ خود کشی کے متعلق ہنٹر صاحب کہتے ہیں کہ ”وہ روایتیں جو جگن ناتھ کی رتھ جاترا سے عموماً منسوب کی جاتی ہیں کہ پرستار خود اپنے تمیں ہلاک کرتے ہیں محض بے بنیاد ہیں۔“

ہنٹر صاحب کے ان الفاظ سے کم از کم یہ تو ثابت ہے کہ اس مذہب کے متعلق اپنے آپ کو خود ہلاک کرنے کی روایتیں ضرور موجود ہیں گو آج کل وہ عمل درآمد میں نہ ہوں لیکن جگن ناتھ جی کی رتھ جاترا کے چشم دید حالات جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے زمانہ میں انگریز سپاہیوں نے قلم بند کئے ہیں وہ ہنٹر صاحب کے بیان کی تردید کرتے ہیں اور اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ جگن ناتھ جی کی سواری کے رتھ کے نیچے اپنے آپ کو کچلا کر ہلاک کرنا موکش حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور یہ رسم ماضی قریب تک جاری تھی اور انگریزوں کے صوبہ اڑیسہ پر قابض ہونے کے بعد تک بھی لوگ اپنے آپ کو خود ہلاک کرتے تھے۔ اور میں نے خود سپاہوں کی وہ تفصیلی رپورٹیں پڑھی ہیں جن میں پرستاروں کے اس طرح خود ہلاک ہونے کی نہایت مفصل کیفیت درج تھی۔ افسوس کہ اس وقت وہ رسالے باوجود تلاش دستیاب نہ ہو سکے۔

ریاست ملتان اور ریاست
بھٹانہ پر محمودی حملو

انندپال نے ایک طرف تو بے پال کا تسلیم کردہ خراج روانہ کر کے محمود کو مطمئن رکھا اور دوسری طرف باپ کی بے عزتی کا انتقام لینے کی آرزو میں ہندوستان کے دوسرے راجاؤں، برہمنوں اور پنڈتوں سے خواہاں امداد و اعانت رہا۔ ملتان کی ریاست کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ رئیس ملتان نے امیر سکبتگین کو اپنی دوستی و ہمدردی کا یقین دلا کر اطمینان حاصل کیا تھا وہ سکبتگین کی وجہ سے اپنے قریبی ہونے کو چھپاتا تھا تاہم ملتان میں قرامطہ کو پناہ ملتی رہتی تھی۔ محمود جو قرامطہ کا دشمن اور اُن کو بد معاشوں اور انارکسٹوں کی جماعت یقینی کرتا تھا جب سیستان سے اُن کو خارج کر چکا تو اُس کے پاس اطلاع پہنچی کہ قرامطہ نے بحرین سے ایک ہم ہذریعہ جہازات ہند گاہ دیبل اور ٹھٹھہ میں بھیجی ہے۔ اُن قرامطہ نے سندھ میں وارد ہو کر ہو کر سندھ کے راجاؤں سے محمود کے خلاف معاہدے اور ہر قسم کی امداد پہنچانے کے وعدے کئے جس کا نتیجہ یہ

ہوا کہ اند پال کی حمایت پر اس طرف کے تمام راجہ آمادہ ہو گئے اور حمید خاں نوہی کا پوتا یا نواسا داؤد بن نصر والی ملتان بھی قرامطہ اور اند پال کے معاہدوں میں شریک ہو کر قرامطہ کیلئے ملجاؤادہ بنگیا۔ ملتان کی ریاست کے قتل کوئی ہندو ریاست تھی اس کا نام بھاطنہ۔ بھٹنیر۔ بھٹنڈا۔ دیہندہ۔ بجیرہ وغیرہ بتایا جاتا ہے جس طرح اس ریاست کا نام ہر مورخ جدا جدا بیان کرتا ہے اسی طرح اس کے محل وقوع میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی اس ریاست کو پشت در کے شمال میں بتاتا ہے کوئی اس کو شمشہ یا کراچی کا دوسرا نام سمجھتا ہے کسی نے اس کو موجودہ ریاست پٹیالہ کا مقام بھٹنڈا سمجھا ہے کوئی اس کو متھرا اور قنوج کے قریب بیان کرتا اور کوئی اس کو راجپوتانہ میں جگہ دیتا ہے۔ غالباً نام کے اختلاف نے محل وقوع میں بھی اختلاف پیدا کر دیا ہے مگر واقعی کی تفصیل سے کم از کم اس ریاست کی حدود ریاست ملتان کی حدود سے ملتی تھیں اور غالباً اس کا محل وقوع ملتان سے جنوب و مغرب اور دریائے سندھ و بلوچستان و ریاست کران کے درمیان تھا۔

بجے رائے سے جنگ | ایک قرینہ یہ بھی موجود ہے کہ یہ ریاست ملتان کے جنوب اور دریائے سندھ کے مشرقی جانب تھی۔ یہ ریاست یقیناً ریاست منصورہ کی سرحدی کے بعد قائم ہوئی تھی۔ اس ریاست کے فرماں روا کا نام بجے رائے تھا۔ ۳۹۵ء میں محمود کو معلوم ہوا کہ بجے رائے نے کی ریاست میں قرامطہ کا اجتماع ہو رہا ہے۔ محمود کے بارہ یا سترہ حملوں کی شہرت نے ہندوستانیوں کو محمود کے دوسرے حالات اور واقعات سے بالکل غافل و بے خبر رکھا ہے اور اسی لئے وہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ محمود اپنا سب سے بڑا دشمن قرامطہ ہی کو سمجھتا اور اپنی تمام ہمت اسی گروہ کے استیصال میں صرف کرنا چاہتا تھا۔ قرامطہ اس سے پہلے سنگ اسود کو خانہ کعبہ سے اکھیر کر بحرین لے آئے تھے انھوں نے ہزار ہا بلکہ لکھو کھا حابیوں کو قتل کیا تھا۔ انھوں نے خلافت بغداد کی بڑی بے عزتی کی تھی اور بڑی بڑی تباہیوں اور نالائقیوں کے مرتکب ہوئے تھے۔ قرامطہ کے استیصال میں کوشاں رہ کر محمود اپنے آپ کو خلیفہ بغداد کی نگاہ میں بھی محبوب بنا سکتا تھا۔ جس کی اس کو بڑی آرزو تھی۔ نیز اس کو اپنی سلطنت و حکومت کے محفوظ رکھنے کے لئے بھی قرامطہ کے متناہل کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ قرامطہ کے لئے سندھ و بلوچستان اور سلسلہ کوہ سلیمان کے

رہنے والے قبائل میں اثر و نفوذ کی سب سے زیادہ گنجائش تھی آج تک بھی اس کے اثرات دشواہد موجود ہیں سلسلہ کوہ سلیمان کے قبائل میں بکثرت ایسے قبائل اب بھی موجود ہیں جو قرامطہ کے اعمال و عقائد کا بہت سا حصہ اپنے اندر موجود رکھتے ہیں۔ اسی مذکورہ علاقہ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی اب بھی آباد ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا سے بڑا یا خدا کی برابر ہی ماننے اور کسی رسول کی کوئی تکریم ضروری نہیں جانتے ہیں۔ نماز روزہ سے بالکل نااہلہ اور ارکان اسلام کی بجا آوری سے قطعاً بے تعلق ہیں یہ تمام لوگ اسی زمانہ کی یادگار اور قرامطہ کی باقیات طالحات ہیں۔ غلطی سے لوگ اُن کو شیعہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ شیعہ حضرات ان کے نام سے بنی ران کی صورت پر لعنت بھیجتے ہیں میں نے خود ایک شیعہ عالم کو ان بلوچی اور سرحدی لوگوں کی نسبت جن کو عام لوگ شیعہ خیال کرتے ہیں نہایت بُرائی اور بیزاری کے کلمات کہتے ہوئے سنا ہے۔ محمود کو قرامطہ سے کس قدر نفرت تھی اس کا اندازہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ سنہ ۳۰۵ھ میں فرماں روئے مصر کی جانب سے جو قرامطہ کو مشرق میں خلیفہ بغداد کے خلاف اپنا آلہ کار بنانے میں مصروف تھا ایک سفیر دوستی و محبت کا پیغام لے کر محمود کے پاس غزنی میں آیا۔ محمود کا فرض تھا کہ وہ اس سفارت کا عزت کے ساتھ استقبال کرے اور مصر کی طاقتور عبیدی سلطنت کے اس سفیر کو اپنا مہمان عزیز سمجھے مگر چونکہ یہ سفیر قرامطی عقیدے کا آدمی تھا لہذا محمود نے حکم دیا کہ سفیر کو نہایت ذلت کے ساتھ شہر میں تشہیر کر کے نکال دیا جائے اور زیر حراست رکھ کر حدود سلطنت سے باہر کیا جائے۔ غرض سنہ ۳۰۵ھ میں محمود نے بجے رائے کے پاس پیغام بھیجا کہ تم ہمارے دشمنوں یعنی قرامطہ کو اپنے یہاں جگہ نہ دو ورنہ ہمارے ہتھیارے درمیان حالت جنگ قائم ہو جائے گی۔ بجے رائے نے اس پیغام کا جواب سختی کے ساتھ انکار میں دیا۔ محمود فوراً بجے رائے کی ریاست پر حملہ آور ہوا بجے رائے نے جو پہلے سے آمادہ تھا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا تین دن تک برابر لڑائی ہوتی رہی آخر راجہ میدان چھوڑ کر محمود کے مقابلہ سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے محمودی بہادری کے ہاتھ میں گرفتار ہو جانے کے بعد خودکشی کر کے مر گیا۔ اُس کی فوج میں جس قدر قرامطہ تھے اُن میں سے کچھ تو مارے گئے جو باقی بجے وہ فرار ہو کر ملتان پہنچے بجے رائے

کو شاید کوئی شخص قومی شہید اور مستحق تکریم مجھے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ایک ہندو ہی کے الفاظ نقل کر دیئے جائیں جو اُس نے بکے رائے کی نسبت متحال کئے ہیں۔ بھان راستہ اپنی کتاب خلاصۃ التواریخ میں لکھتا ہے۔

”سلطان درجوالی تمہارے رسید راجہ بکے رائے باوجود کثرت لشکر و نیلان کوہ پیکر و متانت قلعه و صوبہ بیت جلتے ازو تے بے ہمتی و بے تدبیری لشکر خود را بمقابلہ سلسلہ گداشته بجا نب سندھ رواں شد لشکر بانی سلطان بستانہ اس خبر تعاقب کردہ اور دستگیر نمودہ راجہ بے حمیت با سردارے گلو گرفتہ پنچیر آسا بر خاک ہلاک انداخت۔“

فرشتہ نے اس رٹائی کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور وہ بکے رائے کو بے حمیت کا خطاب نہیں دیتا بلکہ اُس کی بہادری و شجاعت کا اقرار کرتا اور بگرفتاری اپنے ہاتھ سے اپنے سینے میں خنجر با کر ہلاک ہونا بیان کرتا ہے۔ محمود غزنوی کو اس رٹائی کے بعد معلوم ہوا کہ تمام قرامطہ ملتان میں جا جا کر فراہم ہوئے ہیں۔ ملتان کا حاکم داؤد بن نصر اب تک اپنے آپ کو محمود کا مطیع و منقاد ظاہر کرتا رہا تھا۔ لیکن اب محمود کو معلوم ہوا کہ داؤد لودی قرامطی ہو گیا ہے اور اُس نے اب تک ہم کو دھوکے ہی میں رکھا ہے بکے رائے کی شکست و ہلاکت کے بعد ملتان پر حملہ کرنا اور داؤد کو سزا دینا بہت آسان تھا مگر چونکہ محمود کو قرامطہ کا استیصال منظور تھا لہذا وہ ملتان پر اس طرح اچانک پہنچنا چاہتا تھا کہ قرامطہ بچ کر نہ نکل سکیں۔ پس وہ ملتان اور اُس کے حاکم داؤد کی طرف متوجہ ہوئے بغیر سیدھا غزنی کو واپس چلا گیا۔

اگلے سال ۹۹۶ھ میں محمود نے ملتان پر اس طرح حملہ کرنا چاہا کہ داؤد بن ملتان پر حملہ | نصر یا قرامطہ کو پہلے سے اس حملہ کی مطلق اطلاع نہ ہو سکے۔ اس جگہ یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ پشاور سے محمود جس وقت بے پال کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا تھا تو بے پال کے ساتھ پندرہ سردار اور بھی گرفتار ہوئے تھے ان میں ایک بے پال کا لڑا سہ سکھ پال بھی تھا جس وقت محمود نے بے پال کو غزنی سے رخصت کیا تو سکھ پال نے محمود کے ایک سردار ابو علی سجوری کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے غزنی ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ اس نو مسلم سکھ پال کو موخین نے عام طور پر لڑا سہ نقاہ کے نام سے یاد

کیا ہے یہ نام اس کا غالباً اسلام قبول کرنے کے بعد مشہور ہوا ہوگا۔ بچے رائے کی مذکورہ ہم میں سکھ پال یا نواسہ شاہ محمود کے ہمراہ تھا محمود نے سکھ پال کو بچے رائے کی ریاست کا فرماں روا بنا کر غزنی کی طرف مراجعت کی۔ محمود درہ گول کی راہ سے آیا اور اسی راستہ سے واپس گیا تھا۔ غزنی پہنچ کر اس نے ملتان پر حملہ کرنے کے لئے درہ خیبر کی راہ اختیار کی جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہر سات کی وجہ سے دریائے سندھ کو جزبی گھاٹوں سے عبور کرنا دشوار تھا۔ سبحان رائے نے اس طویل اور پیچیدہ راہ اختیار کرنے کی وجہ یہی لکھی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

”سلطان راجہ دین پراں داشت کہ براہ ملتان متوجہ شدہ آن ملک را از داؤد بن نصر اتزاع نماید دریں صورت بعزیمت ملتان راہ راست از دست دادہ براہ مخالف بنا بر آنکہ حاکم آنجا خبردار نشود و ناگہاں ہر سر راو برسد سواری کرد راجہ انند پال بن راجہ بے پال کہ بر سر راہ بود و متعام مخالف شدہ فرشتہ نے بھی زمین الاخبار کے حوالہ سے یہی وجہ بیان کی ہے جو سبحان رائے نے لکھی ہے۔ چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے کہ

”در آن زمان کہ لشکر اسلام بمحاصرہ بلدہ بھاطنہ اشتغال داشت از داؤد بن نصر او ہائے خارج از عقل سرزدہ مصدر اعمال ناشایستہ شد سلطان محمود در آن سال بنا بر صلاح وقت اغماض عین نمودہ ہیچ نگفت و سال دیگر عازم انتقام گردیدہ بروایت زمین الاخبار از ملاحظہ آنکہ دو واقف نشود براہ مخالف رواں شد و انند پال بن بے پال کہ بر سر راہ بود در مقام ممانعت شد و شکست خوردہ جانب کشمیر گریخت“

غرض کوئی بھی وجہ ہو محمود نے درہ خیبر کی راہ سے پنجاب میں ہو کر یعنی انند پال کے علاقہ میں سے گذر کر ملتان پر حملہ کرنا چاہا۔ انند پال محمود غزنوی کا باج گزار تھا لہذا محمود پنجاب کے علاقے کو اپنے ایک ماتحت اور باج گزار دوست کا ملک سمجھ کر گذرنا چاہتا تھا اس کی یہ خواہش ضرور ٹھنایا مجبوراً تھی۔ اس کو اس امر کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ انند پال میرا مقابلہ کرے گا مگر خلاف توقع انند پال نے اس کو دریائے سندھ کے کنارے روکا اور پر بیان ہو چکا ہے کہ محمود اور سلطنت غزنی کے خلاف ہندوستان میں ایک عام

تحریر شروع ہو چکی تھی اور ملک کے ہر حصہ میں مذہبی پیشواؤں کے زیرِ اہتمام تبلیغی کام زور شور سے جاری تھا۔ قرامطہ ہندوؤں کی ہمدردی حاصل کر چکے تھے انھوں نے مصلحت و وقت سمجھ کر حضرت علی کو ویشنو کا دھواں اوتار بنا کر اپنے آپ کو اس سنگٹھن میں شامل کر لیا تھا۔ انہی قرامطہ کو جب مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کو شامل کرنے کی ضرورت شام و ایشیا کے گوشے گوشے میں پیش آئی تو انھوں نے حضرت علی کو فار قلیط کا مظہر بیان کیا۔ ٹی ویو اور نلڈ اپنی کتاب پر کچنگ آف اسلام میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”یہ لوگ جب ہندوستان میں اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے آئے تو انھوں نے اُس کی صورت ایسی بنادی کہ ہندو اُس کو فوراً تسلیم کر لیں۔ حضرت علی کو ویشنو کا دھواں اوتار بتایا جو مشرق سے آئے گا اور ایک مہدی پوران لکھا اور واماچار یوں کے انداز پر بھیج سکھے بن میں راز افد مہموں کی باتیں اس انداز سے بیان کیں کہ ہندوؤں کو ان کا مسلک اختیار کرنے کی ترغیب ہوئی۔“

دوسری جگہ اسی مصنف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے ویشنو کے باقی اوتاروں کی صداقت کو تسلیم کر لیا تھا ہندوستان میں ان دلوں مذہبی عقائد کی جو نازک حالت تھی اُس کا اندازہ گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ نئے نئے فرقے بن رہے تھے۔ نئی نئی توہیں تیار کی گئی تھیں نئی نئی تحریکیں جاری تھیں اسی طوفانِ بے تیزی میں قرامطہ بھی آکر شامل ہو گئے جو مذہبی رنگ میں بھی ہندوؤں کے دوست بن سکے اور سیاسی اعتبار سے بھی وہ ہندوؤں کے معین و مددگار ہوئے کیونکہ ہندوستان والوں کو محمود سے جو عداوت تھی اُس سے بدرجہا زیادہ قرامطہ اُس کے دشمن تھے۔ انہند پال شاید ابھی محمود سے لڑنے کو تیار نہ تھا۔ لیکن جب محمود نے اُس کو اطلاع دی کہ ہم تمھارے علاقے میں سفر کرتے ہو۔ اے گدڑ جاتیں گے ہمارا مقصد وینفر ملتان پر حملہ آور ہونا ہے تو انہند پال نے اپنا فرض سمجھا کہ وہ داؤد بن نصر کو جو انہند پال کا حلیف اور قرامطی مسلک اختیار کر کے دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا تھا اس طرح ہلاک ہونے اور اپنے سنگٹھن کو نقصان پہنچنے سے بچائے۔ اُس نے فوراً دریائے سندھ کے کنارے محمود کو روکنے کے لئے فوج روانہ کی اور داؤد بن نصر کو آنے والے خطرے سے

اطلاع دی اور خود بھی پشاور کی طرف روانہ ہوا۔ محمود کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جس طرح حاکم ملتان اُس کا باج گذارتھا اس طرح انند پال بھی اُس کا خراج گزار تھا۔ اُس نے مجبوراً انند پال کی فوج کا مقابلہ کیا۔ یہ خلاف توقع لڑائی ہوئی۔ ناکوار و ناپسند تھی۔ وہ انند پال سے ہرگز لڑنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ غزنی سے ملتان کا ارادہ کر کے روانہ ہوا تھا۔ انند پال کی فوجیں محمود کو دریائے سندھ پر نہ روک سکیں اور شکست کھا کر بھاگ گئیں۔ انند پال بھی جلد مقابلے پر پہنچ گیا اور فراریوں کو سمیٹ کر خود حملہ آور ہوا۔ اُس کی قہر میں بھی شکست ہی لکھی تھی چنانچہ بھاگتا ہوا لاہور آکر دم لیا۔ محمود نے دو آبہ سندھ ساگر کو طے کر کے دریائے جہلم کو عبور کیا اور دو آبہ چچ کو بھی بلا روک ٹوک طے کر کے دریائے چناب پر آپہنچا۔ یہ سن کر کہ محمود نے دریائے چناب کو عبور کر لیا ہے انند پال لاہور چھوڑ کر کشمیر کی طرف بھاگا۔ کیونکہ اس سرانگمی اور عجلت میں وہ نہ دوسرے راجاؤں سے امداد طلب کر سکا نہ محمود کے مقابل ٹھہر سکا۔ محمد دیہ سن کر کہ انند پال لاہور چھوڑ کر کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا ہے اُس کے دارالسلطنت لاہور میں نہیں آیا بلکہ انند پال کے تعاقب میں خود بھی دریائے چناب کے کنارے کنارے کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ سن کر کہ انند پال پہاڑوں کے دروں میں داخل ہو گیا ہے محمود واپس ہو کر سیدھا ملتان کی جانب روانہ ہوا۔ کیونکہ وہی اُس کا مقصود سفر تھا۔ اگر محمود کو لوٹ مار کرنے۔ ہندوؤں کو زیر دستی مسلمان بنانے اور مندروں کے ڈھانے کا شوق ہوتا تو وہ لاہور کو لوٹے بغیر ہرگز نہ چھوڑتا۔ پنجاب کا تمام ملک اُس کے لئے بلا کسی مزاحمت کرنے والے حاکم کے بے ضرر شکار گاہ تھا۔ وہ اس سرسبز و شاداب ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کیے یہاں اپنی فوج اور اپنا نائب مقرر کر سکتا تھا۔ وہ ملتان کی مہم کو ملتوی کر کے پنجاب ہی کے بندوبست میں مصروف ہو جاتا اور ایک رگیتانی ریاست پر حملہ کرنے کو زیادہ ضروری نہ سمجھتا مگر اُس نے نہ پنجاب کو لوٹا۔ نہ یہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا نہ یہاں کے مندروں کو ڈھایا نہ اور کسی قسم کا نقصان پہنچایا بلکہ سیدھا ملتان کی طرف روانہ ہو گیا جو دلیل اس بات کی ہے کہ وہ قرامطہ کے امن سوز اور ہمدرد انگیز گروہ کو سزا دینا اور اُن کی بیخ کنی کرنا سب سے زیادہ ضروری کام سمجھتا تھا۔ داؤد بن نصیر کو انند پال کے دربار پہلے ہی اطلاع ہو چکی تھی اور وہ اپنی فوجیں

انندپال کی مدد کے لئے روانہ کرنے والا تھا کہ انندپال کے شکست کھا کر
کشمیر کی طرف بھاگنے کی خبر پہنچی اس خبر سے داؤد کی ہمت پست ہو گئی
اور وہ اپنا خزانہ اور قیمتی اسباب اونٹوں پر لاد کر دکن کی جانب فرار ہونے
کی تیاری کرنے لگا وہ ابھی سامان سفر ہی میں مصروف تھا کہ اندھی
اور بگولے کی طرح محمودی فوج ملتان کے سامنے نمودار ہوئی۔ داؤد
نے محسوس ہو کر مقابلہ کی تیاری کی تا رہنمائی فرشتہ اور تاریخ نظامی
دونوں نے دکھایا ہے کہ محمود نے دریا سے چناب سے کنارے پہنچ کر
انندپال کے کشمیر کی جانب بھاگ جانے کا حال سن کر اس کا تعاقب
نہیں کیا بلکہ ملتان کی جانب روانہ ہو گیا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔
”انندپال ہر اسان شدہ بکوہ ہائے کشمیر کی نسبت سلطان لونبالش
نہ کردہ براہ بہندہ جانب ملتان کہ نہیں اصلی انازاں یورش تسخیر آں
لمود رواں شد۔“

اسی کے قریب نظام الدین احمد ہروی کے الفاظ میں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمود
نے انندپال کی اس گستاخی کی سزا دینی اس قدر ضروری نہیں سمجھی جس قدر کہ وہ داؤد
بن نصر کو مزادینا ضروری سمجھتا تھا اور اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ محمود ہندوؤں کا
زیادہ دشمن تھا یا قرامطہ کا۔ محمود نے ملتان کا محاصرہ کر لیا سات روز تک محاصرہ
جاری رہا آخر محمود کی خدمت میں داؤد نے عاجزانہ التجا کی کہ میں مذہب قرامطہ سے
توبہ کرتا اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔ ساتھ ہی اس بات کا اقرار کیا کہ آئندہ
قرامطہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا اور بیس ہزار درہم سالانہ خراج دارالسلطنت غزنوی
کو روانہ کرتا رہوں گا۔

محمود کے ملتان کی جانب آنے کا حال سن کر ۳۹۶ھ میں ایک خاں حاکم ماہر لوہار
نے اپنے سپہ سالار سیاوش گیلین کو فوج دے کر خراسان پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔
دوسرے سردار جعفر گیلین (چچر گیلین) کو بلخ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا تھا جعفر گیلین نے بلخ
پر قبضہ کر لیا اور سیاوش گیلین نے خراسان میں لوٹ مار مچا دی۔ یہ حال دیکھ کر
اور تاب مقابلہ نہ لاکر محمود کے عامل ارسلان جاذب نے جوہرات میں مقیم تھا ایک تیز رفتاری

قاصد ملتان کی جانب محمود کے پاس روانہ کیا اور ہرات میں تاب مقاومت نہ لاکر غزنی کی جانب چلا آیا۔ ارسلان جاذب کا یہ قاصد محمود کے پاس اُس وقت پہنچا جب کہ وہ ملتان کے محاصرہ میں مصروف تھا۔ لہذا محمود نے داؤد کی توہ بہ کو غنیمت سمجھ کر اُس کی التجا قبول کر لی اور سکھ پال (دلا سہ شاہ) کو جو ریاست ملتان کی متصلہ ریاست کی حکومت پر مامور تھا داؤد بن نصر کے افعال و حرکات کانگراں مقرر کر کے اور داؤد سے سکھ پال کے احکام کی تعمیل کا اقرار کر لیا یعنی سکھ پال کو اپنا قائم مقام بنا کر غزنی کی جانب روانہ ہو گیا واپسی میں کوہ سلیمان کے کسی جنوبی درے سے گذرا اور اند پال کے ملک کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوا غزنی پہنچ کر اور ارسلان جاذب سے تمام حالات سن کر ایک زبردست لشکر مرسل کیا اور اُن ہاتھیوں کو بھی ہمراہ لیا جو اُس نے بچے رائے کی جنگ میں بطور مال غنیمت حاصل کئے تھے۔ ایک خاں نے چپوں کے حاکم قدر خاں کو بھی اپنا شریک کار بنا لیا تھا اور خود مع قدر خاں کے ایک جہاز اور بے شمار فوج لے کر بلخ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ محمود نے ارسلان جاذب کو ایک حصہ فوج دے کر سیادش تلگین کے مقابل خراسان کی جانب بھیجا اور خود بلخ کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک خاں اور قدر خاں نے سخت مقابلہ کے بعد شکست کھائی اور محمود نے دریائے جیحون کے کنارے تک اُن کا تعاقب کیا۔ اس لڑائی میں ہاتھی بہت کار آمد ثابت ہوئے اور اُسی روز سے محمود ہاتھیوں کو جنگ کے لئے نہایت ضروری چیز سمجھنے لگا۔ سیادش تلگین کو بھی ارسلان جاذب نے خراسان سے بھگادیا۔ محمود اس ہم میں ایک سال سے زیادہ مصروف رہا اور ماہ ربیع الاول ۳۹۵ھ میں غزنی واپس آیا یہاں پہنچ کر سنا کہ سکھ پال جس کو وہ ہندوستان میں اپنا قائم مقام اور ریاست ملتان کانگراں مقرر کر آیا تھا اپنے مامون اند پال کی ترغیب و سازش سے مرند ہو کر باغی ہو گیا ہے اور بجائے اُس کے کہ داؤد بن نصر کے پاس قرامطہ کو جمع نہ ہونے دے اور اُس کے اوضاع و اطوار کانگراں رہے خود قرامطہ کو اپنے گرد فراہم کر رہا ہے یہ سنتے ہی وہ غزنی سے روانہ ہو کر سکھ پال کے سپرد اس طرح پکایک پہنچا کہ وہ کچھ بھی ہاتھ پاؤں نہ ملا سکا چنانچہ اُس کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور وہاں نظر بند کر دیا۔

ہندوؤں کا سلطنت غزنی پر چڑھا حملہ | اند پال جو پہلے سلطان محمود کا خراج گذار اور ملتان کے وقت سے باغی ہو کر

علامہ برسر مخالفت تہ استحق سزا ٹھہر چکا تھا لیکن چونکہ محمود کو ترکستان، خراسان اور آذربائیجان کی طرف سے خطرات درپیش تھے اور وہ اندھپال کے مقابلہ میں شمالی و مغربی سرحدوں کو زیادہ سخت اور اہم سمجھتا تھا لہذا اُس نے اندھپال کے متعلق جو اس سے پہلے فرار کی عار گوارا کر چکا تھا چشم پوشی و درگزر ہی مناسب سمجھی مگر ہندوستان میں مذہبی پیشواؤں اور پنڈتوں نے جو تحریک شروع کی تھی وہ محمود کی مذکورہ لڑائیوں کے سبب اس طرح مشتعل اور ترقی پذیر رہی جیسے آگ ہوا کے جھونکوں سے مشتعل ہوا کرتی ہے۔ اندھپال اپنی گد مشد گستاخیوں اور سرکشیوں کی وجہ سے بخوبی جانتا تھا کہ محمود غزنوی خود مجھ سے انتقام لینے کے لئے پنجاب پر حملہ آور ہو گا۔ اُس کے پاس مقررہ قوتوں اور سندھ و گجرات کی طرف سے برابر بہت افزا خبریں پہنچ رہی تھیں چنانچہ اُس نے اب زیادہ تامل مناسب نہ سمجھ کر ہندوستان بھر کے تمام راجاؤں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے اور لکھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب اپنے ملک کی حفاظت اور محمود غزنوی کی ہلاکت کے لئے متفقہ طور پر میلن میں نکل پڑیں اور اس امر اہم کو اختتام تک پہنچائیں چنانچہ ان خطوط اور سفیروں کو ہر جگہ بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ کوہ ہالنا قلعہ پر نندو یا نند نہ نام ایک شہر تھا۔ وہاں کا راجہ ندر بھیم اور بردایت سمان رائے رنوجپال نامی تھا جو اندھپال کا باج گزار اور خواہ تھا اُس نے سب سے پہلے اپنی فوج اندھپال کے پاس بھیجی۔ ملک گجرات کا دار السلطنت اٹھوآڑہ تھا وہاں کے راجہ کا نام پرتم دیو تھا اُس نے بھی ایک زبردست فوج لاہور کی جانب روانہ کر دی۔ بھٹنڈہ کے راجہ کا نام بھی پرتم دیو تھا اُس نے بھی فوج بھیج دی۔ دہلی و دکن کے راجہ راتم دیو۔ سوتی پت کے راجہ دیپال ہری۔ برتن کے راجہ ہر دت اور جہان و مقرر کے راجہ کچندر نے بھی اپنی اپنی فوجیں اور خزانہ اندھپال کے پاس روانہ کیا۔ اتوئی ر ضلع فتح پور کا راجہ چندیل بھور مقام شرفا (ہندلیکھنڈ) کا راجہ چند رائے۔ سرسوا گڑھ کا راجہ بھیم پال بھی اپنی اپنی فوجوں اور خزانوں کے ساتھ اندھپال کی امداد کے لئے مستعد ہو گئے۔ تنوچ کے راجہ کنور رائے اور کاتھیر کے راجہ نند رائے بھی زبردست اور باساؤ سامان فوجیں روانہ کیں۔ سچان رائے نے تنوچ کے راجہ کنور رائے کا نام اپنی تاریخ میں کوٹہ لکھا ہے جو غالباً کنور رائے کی تصحیر ہے۔ اسی طرح اُجین۔ گوالیار۔ اجمیر۔ دہلی۔ تھانیس۔ نگر کوٹ اور کشمیر کے راجاؤں نے بھی اپنی اپنی فوجیں لاہور کی طرف

روانہ کر دیں۔ مانوہ کے راجہ سنج اور پیرکھ کے راجہ دھرم دست نے جی ادا دی مدد پیہ اور فوجیں روانہ کیں۔

ان میں پچیس راجاؤں کے نام جو اوپر درج ہوئے مختلف تاریخوں سے قتل کئے گئے ہیں کسی تاریخ میں چند راجاؤں کے نام ہیں اور چند کے نہیں دوسری تاریخ میں دوسرے چند راجاؤں کے نام ہیں اور ان میں سے بعض کے نہیں۔ ہر ایک مورخ منقوڑے سے نام لکھتا اور آخر میں یہ نعرہ کہتا ہے کہ ہندوستان کے تمام راجہ شریک تھے۔ جو جو نام تاریخوں میں بیان ہوئے ہیں میں نے وہ سب اوپر درج کر دیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اور راجہ مندر شریک ہیں گئے اور یہ تعداد صرف یہ پچیس ہی تک ضرور نہ ہوگی۔ تاہم اگر انھیں پر عصر کر لیا جائے تو گجرات سے بہار تک اور کشمیر سے قنوج تک کے تمام راجہ مزد شامل ہیں اس قدر راجاؤں کا ایک آواز پر متفقہ لبیک کہنا۔ فوج اور رو پیہ روانہ کرنا اور بعض بعض کاغذ بھی فوج کے ساتھ روانہ ہو کر لاہور پہنچنا اور انند پال کی سپہ سالاری میں داد و فضاہت دینا کوئی اتفاقی اور فوری واقعہ نہیں ہو سکتا۔ راجہ زمانے میں نہ ریل و تار بہرتی تھی نہ ڈاک کا انتظام تھا نہ اخبارات تھے۔ اس کام کو سرانجام دینے اور تمام ہند کو جنگ پر آمادہ کر دینے کے لئے مزد کافی وقت اور زبردست کوشش صرف کرنی پڑی ہوگی سلطنتوں اور بادشاہوں کی رتلتیں سر زمانے اور ہر ملک و قوم میں یقیناً رہی ہیں۔ غزنی کی سلطنت پر حملہ کرنے اور محمود غزنوی کو بچھا دکھانے کے لئے ان تمام رفاقتوں کا فراموش ہو جانا اور کالنجہ ہند بلیکھنڈ اور گجرات تک کی فوجوں کا متحد ہو کر پشاور کے میدان میں پہنچنا ہرگز سرگز معمولی واقعہ اور ایک اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا اس سے پیشتر بچے پال اس سنگٹھن کی بنیاد رکھ چکا تھا اس کے بعد وہ خود کشی کر کے قوی فہمید کا مرتبہ بھی حاصل کر چکا تھا جس سے ہندوستان بھر میں ایک انقلاب پیدا ہوا اور مذہبی و اخلاقی نے سیاسی خدمات انجام دینے کے لئے اپنے مذہبی جھگڑوں کو اتحاد و اتفاق کے سانچے میں ڈھال کر تمام ہندوستان کو اپنے دیا کمیا لال اور دھواں و عمارتوں سے مشتعل بنا دیا تھا یہ کام کسی ایک یا چند راجاؤں کے بس کا نہ تھا۔ ہندوستان اور تمام ایشیائی ملکوں میں اس قسم کے کام ہمیشہ مذہبی پیشواؤں ہی نے انجام دیئے ہیں۔ گوتم بدھ نے منوکے قوانین اور قدیم برہمنی مذہب کی حکومت کو پارہ پارہ کر کے اس کی دھجیاں ہوا میں اڑا دیں اور چند

روز کے بعد مہدھ نہر سب کی شہنشاہی ہندوستان میں قائم ہو گئی۔ راجپوتوں کی قوم کے بنائے اور بھولہ کی حکمرانی کے طے کرنے کی کوشش بھی مذہبی پیشواؤں یعنی پنڈتوں ہی نے شروع کی تھی اور اس کام میں ان کو کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ جے پال کی بہیم شکستوں اور پھر غوث گنجی نے اسے جو بارہوی ہندو سب کے پنڈتوں اور مہدھ مذہب کے پیشواؤں کو بڑی آسانی سے اس مسلم لشکر کے لئے متحد و متفق کر دیا اور ان مذہبی پیشواؤں کے اتفاق نے تمام راجپوتوں ہی کو متفق نہیں بنایا بلکہ عام رعایا میں بھی مذہبی رنگ کا جوش اور قتل و خون ریزی کے شوق کا غمہ خرا پیدا کر دیا۔ یہ بات نفس شناس اور مذہبوں آفرینی پر مبنی نہ سمجھنی چاہیے۔ بلکہ اس کے لئے ناقابل تردید ثبوت اور زبانتہ شہادتیں موجود ہیں۔ شاید کسی تاریخی مسئلہ میں مورخین کا اس قدر عظیم الشان اتفاق موجود نہیں جس قدر اس مسئلہ میں ہے کہ اس لڑائی میں انداد پہنچانے کے لئے ماؤں نے اپنے بیٹوں کو اور بیٹیوں نے اپنے شوہروں کو لڑائی میں جانے اور مارنے مرے کی ترغیب دی۔ خوش حال اور امیر گھروں کی عورتوں نے اپنے سونے چاندی کے زیور اتار کر مصارف جنگ کے لئے پیش کر دیئے۔ غریب عورتوں اور بیواؤں نے سوت کات کات کر پیسے جمع کئے اور جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے اس قومی جنگی نعرے میں شامل کئے۔

اب سوچئے اور غور کرئے کہ بڑا عظیم ہندوستان کے طول و عرض میں عورتوں تک کا یہ جوش و ایثار سوائے مذہبی پیشواؤں کی کوششوں کے کیا اور کسی طرح بھی ممکن تھا۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں کئی سال صرف ہوئے کیونکہ ایک دن یا ایک دو مہینے میں عام لوگوں کو اس قدر مشتعل اور آمادہ قتال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کوئی ہندو اگر چاہے تو فرشتہ نظام الدین ہردی بھینی، بھتی، روضۃ الصفا، تاج المآثر وغیرہ کو ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات قرار دے سکتا ہے مگر وہ راجہ شیو پرشاد کی گواہی کو کس طرح رد کرے گا جو اپنی تاریخ آئینہ تاریخ نامی ہندو عورتوں کے سوت کات کات کر جنگ میں مدد کرنے اور اپنے شوہروں اور بیٹوں کو لڑائی میں بھیجنے کی تصدیق فرماتے ہیں۔ مگر یہ۔ سی۔ ایلن صاحب سے بڑھ کر مسلمانوں سے ناراض مورخ اور کون ہو سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

”راجہ انند پال نے جو ایک بہادر سپاہی تھا راجہ قوام کو اپنی مدد کے لئے بلایا تمام راجپوت راجہ اپنی اپنی فوج لے کر جمیع جہگٹے بہندو عورتوں نے اپنے زلیخہ رطلانی اتار اتار کر اس لئے گلوٹا ڈالے کہ وہ اپنے اُن بھائیوں اور خاندانوں کی روپیہ سے مدد کریں جو لڑائی میں شریک ہوں۔ راجپوتوں کی فوج اس قدر ہار گئی کہ بہت دلوں تک سلطان محمود کو اس سے مقابلہ کرنے کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔“

کمزور بل واکٹر و لیوڈ ہینڈ صواب سے بڑھ کر اور کون بہندو لٹاؤز مورخ ہو سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ۔

”ہندوؤں نے ایسی حب الوطنی ظاہر کی کہ شریف ورتوں نے اپنا گھنا پاتا گلوٹا ڈالا اور غریبوں نے سوت، کات کر لڑائی میں اپنے خاندانوں کی مدد کی۔“

یہی مورخ آگے چل کر اسی لڑائی کے ذکر میں لکھتا ہے کہ

”محمود نے اس خوف سے کہ جملہ راجاؤں نے صوبہ مالوہ سے لے کر ملک اودھ تک ایک کر لیا تھا اپنا اور میں مورچے ڈالے اور ایک مرتبہ جو ان مورچوں میں سے برآمد ہو کر حملہ کیا تو سخت زکامٹھائی یہاں تک کہ گھسٹہ قوم کے وحشی لوگ محمود کے لشکر میں گھس پڑے اور چار ہزار مسلمانوں کو قتل کیا۔“

ان شہادتوں کے موجود ہوتے ہوئے ہم غریبستان کے بیان کو کیسے رد کر سکتے ہیں۔ جس نے اب سے قریباً تین سو سال پہلے جب کہ ہندو مسلمانوں کی اس موجودہ کشمکش کا کسی کو دم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا اپنی تاریخ میں درج کیا کہ

”بقصد ثواب جمیع راجہائے ہندو اطراف سے آکر راجہ اجین و گوالیار و کانویر و قنوج و دہلی و ماجھور و مقام مدو شند و قنوج لشکر روئے بجانب پنجاب نہادند و زیادہ اڑا نچہ در زمان امیر ناصر الدین سبکتگین بقلم آمدہ بدو امیں دفعہ عرض لشکر گرفتہ بسر کردگی انند پال متوجہ حرب سلطان شند و مدھوئے پشاور سلطان محمود نزدیک گشتہ قریب چہل روز در مقابل ہم خمہ زود

پچ کہ ام بربنگ اقدام نہی نمودند ۱۱ روز ہر روز لشکر کفار زیادہ تری گشت و
از اطراف مدد با ایشان می رسید تا آنکہ کفار گھمگن نیز دریں سفر با ایشان ملحق
گشتہ و محشرے عظیم ہر انگشتہ در حرب مسلماناں بنوے سامعی گردید نہ
کہ زنان زلفہر خود فروختہ خرج از جاسے دور دست نزد شوہران خودی
فرستادند تا صرف مصالح سفر کردہ در حرب مسلماناں بکوشند و ز نانیکہ
دشمنس نداشتند چہ زنی دہر دوری نمودہ چیزے برائے مردم لشکر اہل
می داشتند

اب سوچئے اور خود کرنے کے قابل یہ بات ہے کہ راجاؤں کی باقاعدہ فوج کے علاوہ
عام رعایا بھی بطور رضا کار بھرتی ہو کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئی تھی اور ان لوگوں
کو جو جنگ کے جوش اور شوق میں گھروں سے نکل پڑے تھے انہیں پال یا دوسرے راجاؤں
کی طرف سے سامان رسد اور ضروری اخراجات نہیں دیئے جاسکے تھے اس لئے ان کی
بھولیوں اور بہنوں کو سوت کات کات کر دوپیمے اُن کے لئے بھیجنا پڑتا تھا۔ یا یہ کہ تمام
لوگوں کو مرکزی خزانہ سے خرچ ملتا تھا اور مرکزی خزانہ کو قابل اطمینان حالت میں رکھنے
کے لئے تمام ملک کو چندوں سے امداد کرنی پڑتی تھی جس میں غریب اور بیوہ عورتوں تک
کو بھی حصہ لینا پڑتا تھا۔ کیا یہ صورت پندتوں اور مذہبی پیشواؤں کی کوششوں کے بغیر
بھی پیدا ہو سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ان افواج کے پنجاب میں فراہم
ہونے کے لئے جہیز اور برس صرف ہوئے ہوں گے۔ اور یہ سلسلہ دیر تک جاری رہنے
کے بعد پٹنا در کے میدان میں لڑائی ہوئی ہوگی کیونکہ عورتوں کو بار بار خرچ بھیجتے رہنے کی
مزدورت پیش آتی رہی تھی۔

بہر حال یہ حملہ ہندوؤں کی طرف سے خاص اہتمام کے ساتھ کیا گیا۔ اس حملہ کی
تیاریوں اور ترغیہوں کا کام مذہبی پیشواؤں نے بڑی سرگرمی اور مستعدی سے انجام دیا گاؤں
گاؤں اور شہر شہر میں مناد بچے اور آنکھوں نے رضا کاروں کو میدان جنگ کی طرف روانہ
کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ دیودھاز مقامات کی فوجوں نے جب لاہور کی طرف سفر کیا تو
راستے کے شہروں قصبوں اور گاؤں میں قدرتنا جوش پیدا ہوا ہو گا اور فوجوں کے اسس
مظاہرے نے پندتوں کے کاموں میں یقیناً بڑی کامیابی اور عوام میں شرکت جنگ کی

آبادی پیدا کی ہوگی۔ انند پال نے لاہور میں متحدہ فوج کی عظیم الشان تعداد کے فراہم ہونے پر پشاور کی طرف کوچ کیا۔ یہ فوج جو پشاور کے میدان میں پہنچی اگرچہ ہندوستان کی پوری فوج کو ہار سکتی تھی مگر لڑائی میں شہریک ہو کر ٹوٹا ہوا حاصل کرنے والے گروہوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا جن کو پٹنٹ لوگ مشہوروں اور قبیلوں سے مسلسل روانہ کر رہے تھے۔ پشاور کے میدان میں پہنچ کر انند پال نے پیام کیا تا کہ آگے والے جنگجو گروہوں کی آمد کے سلسلے سے فوج کی تعداد میں قدر زیادہ ہو سکتی ہے ہو جائے۔

پشاور کے قریب جہنگ

عمود کے پاس، بسبب خبر نہی کہ انند پال کی مسیہ سالاری اس ایک فوجی سمندر موجیں مارتا ہوا پشاور کی جانب روانہ ہوا ہے تو وہ اس حملہ کو بے پال کے حملہ کا فتنی سمجھ کر بلا تامل دار السلطنت کی موجودہ فوج سے کر روانہ ہوا۔ پشاور کے قریب پہنچ کر اس نے ہندوؤں کے لشکر عظیم اور ہندوستان بھر کے تمام سواروں کو پہلے سے خیمہ زن اور مقابلہ پر مستعد پایا۔ عمود سے بھی توقع ہو سکتی تھی کہ وہ آگے ہی ہندوؤں کے لشکر پر حملہ آور ہو کر میدان کا رزار گرم کر دے گا مگر اس نے جب ہندوؤں کے لشکر کو توقع کے خلاف لا تعداد اور بے اندازہ پایا اور اپنی قلیل فوج کو بے حقیقت دیکھا تو قبل ملک صاحب اس کے حواس بانتہ ہو گئے اور بجائے حملہ آور ہونے کے وہ اپنی حفاظت کی تدبیریں سوچنے لگا اس کی عجیب حالت فتنی نہ وہ ہندو لشکر کے سامنے آکر بھاگ سکتا تھا نہ حملہ آور ہونے کی جرأت کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے حواس بجا کر کے فوراً اپنے لشکر گاہ کے گرد خندق کھدوانی شروع کر دی تاکہ ہندو یکا یک حملہ آور ہو کر اس کے لشکر کو باسانی نہیں نہ ڈالیں۔ ادھر انند پال کو اطمینان تھا اور اس کا شکار جس کی تلاش میں وہ نکلا تھا اس کے سامنے پہنچ کر مقیم ہو چکا تھا۔ عمود نے اپنی طرف سے کوئی حملہ نہیں کیا اور خانہ طق سامانوں کے بڑھانے میں مصروف رہا۔ اس طرح دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل چالیں روز تک خیمہ زن رہے اور کسی نے کسی پر پیش قدمی اور پیش دستی نہیں کی۔ عمود کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہندو قلعہ کی تعداد ہر روز ترقی کر رہی ہے اور نئے نئے فوجی دستے روانہ آ کر شریک ہو رہے ہیں تو وہ اپنے اس تامل اور وقت کے گزارنے پر متاسف ہوا آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اسی میدان میں لڑ کر جام شہادت نوش کرنا چاہیے چنانچہ اس نے ایک خبر تیز اندازوں کے ایک دستے کو اول آگے بھیجا کہ ہندوؤں کے قریب پہنچ کر تیز اندازی کریں اور پیچھے ہٹتے ہوئے ہندو حملہ

آدروں کو اپنی خند قبول کے قریب لے آئیں اس کا مدعا اس سے یہ تھا کہ اپنی لشکر گاہ کے قریب ایک اچھے موقع پر افغانی لشکر ہندوستانی لشکر کا مقابلہ کرے تاکہ چاروں طرف سے دشمنوں کے زور میں نہ آجائے کھیلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے سے مسلمان جن کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی چاروں طرف سے گھیر لئے جاسکتے تھے۔ انڈیا پال بھی اس جنگی واؤں پہنچے سے واقف تھا اس نے تیس ہزار گھڑوں، ایک سو کھروں کی جمعیت کو جو پنجاب ہی کے شمالی اضلاع کی ایک قوم تھی محمود کے لشکر کی مدد ساری جانب پہنچ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ادھر ان ایک ہزار تیراندازوں نے نکل کر لڑائی شروع کی ادھر ان تیس ہزار گھڑوں نے دوسری طرف سے محمودی کیمپ میں داخل ہو کر تیامت سمپا کر دی اور چشم زدن میں چار پانچ ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ محمود کو بھڑا خود سوار ہو کر اور اپنی رکابی فوج لے کر ان گھڑوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور شکل لڑنے کو مار کر اپنے لشکر گاہ سے بھاگایا۔ ادھر ہندوؤں کا لشکر ایک بھر مواج کی مانند حرکت میں آچکا تھا اور محمودی فوج کا بڑا حصہ اپنی خندق کے سامنے مصروف جنگ ہو چکا تھا۔ بظاہر محمود کی فتح کسی طرح ممکن نظر نہ آتی تھی مگر مسلمانوں کے جوش شجاعت اور شوق شہادت نے ان کو پہاڑ کی طرح استوار اور فولاد کی طرح سخت و صوبت کش بنا دیا۔ محمودی سرداروں میں عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب نے حیرت انگیز شمشیر زنی اور عمیر العقول کا زمانہ دکھائے۔ محمود گھڑوں کو بھاگ کر خود بھی اس ہنگامہ زور و خور میں آکر شامل اور صفِ قتال میں شریک ہو کر اپنے بہادری کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوا۔ صبح سے قریب شام تک شمشیر زنی جاری رہی۔ لڑائی کے شروع ہونے پر ہر ہندو کو اپنی فتح کا یقین اور مسلمانوں کو مصداق شہادت کے حصول کی آرزو تھی مگر وہیں وہیں وقت گزرتا گیا ہندوستانی لشکر میں نتیجہ جنگ کے متعلق شک و شبہ کو دخل ملتا گیا۔

انڈیا کی شکست | انڈیا پال جو باپ کے انتقام اور فتح مندی کے ہم غور یقین کے جوش میں اپنے ہاتھی کو سپاہیوں کا دل بڑھانے کے لئے صفِ قتال میں بڑھا لایا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب اسلامی لشکر کو پیچھے ڈھکیلے اور پالال کرنے سے بازو سس ہو کر خود پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھی کا منہ موڑا سپاہیوں کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر ہندو سپاہی جو مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی تمام طاقتوں اور کوششوں کو بیکار و پلانیتھ پانچے تھے صفوں کو توڑ توڑ اور لڑائی سے منہ موڑ کر ایسے پتہ توڑ بھاگنا شروع ہوئے کہ پھلوں کو ان

الگوں سے کچھ بھی دریافت کرنے کا موقع نہ ملا اور یہ فوجی سمندر اس تیز رفتاری سے ہزار ہا شاخوں میں نشیب ہو کر مشرق کی سمت پھیل کر بہنے لگا کہ تاریکی کے پھیلنے سے پہلے پہلے ہندوستانی افواج کا کیمپ (شکر گاہ) بالکل خالی اور سنسان ہو گیا۔

اس جگہ یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ بعض مورخین نے اندھ پال کے فرار کو اُس کے ہاتھی کے بے قابو ہو جانے پر محمول کیا ہے۔ یعنی ہاتھی کسی وجہ سے مہادت کے قابو میں نہ رہا اور خود ہی اپنی فوج کو کچلتا ہوا پیچھے کو بھاگا ہندو شکر نے یہ سمجھا کہ ہمارا سپہ سالار بھاگا جاتا ہے لہذا وہ سب کے سب بھاگ پڑے۔ ملکم صاحب نے تو ایک انگریز مورخ کے حوالے سے کسی کا یہ بیان بھی مکھ دیلے کہ اندھ پال کا ہاتھی توپ کی آواز یا توپ کے گولے کے گرنے سے بھاگا تھا۔ مگر خود ہی اُس کی تردید بھی کر دی ہے اور لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں توپ لڑائیوں میں کہاں استعمال ہوتی تھی۔ بعض نے جلتی ہوئی رال کے گولے اور تھلے باروت کی وجہ سے ہاتھی کا بھاگنا بیان کیا ہے۔ مگر چونکہ صبح سے شام تک دونوں لشکروں کا مصروف جنگ رہنا ثابت اور سب کو تسلیم ہے لہذا ہندوؤں کی اس شکست کو محض اتفاقی شکست نہیں کہا جاسکتا کیونکہ طرفین کو اپنے حوصلے پورے کرنے اور لڑنے کا کافی موقع مل چکا تھا۔ فرشتہ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لڑائی دو روز تک جاری رہی۔ بہر حال یہ لڑائی ہندوستان کی مجموعی طاقت کا ایک زبردست مظاہرہ تھا۔ ہندوستان کی اتنی بڑی جنگی طاقت اب تک کسی ایک میدان میں جمع نہیں ہوتی تھی۔ اس فتح کے بعد سلطان محمود نے وقت کو ضائع کئے بغیر صرف دو دن فوج کو آرام لینے کا موقع دے کر اندھ پال کا تعاقب شروع کیا کیونکہ اُس کو اندیشہ تھا کہ کہیں پھر ان فراریوں کو فراہم کر کے دوبارہ اندھ پال حملہ نہ ہو۔ اندھ پال سلطان محمود کو اپنے متعاقب آتے ہوئے سن کر لاہور میں نہیں آیا بلکہ نگر کوٹ یا قلعہ جتیم کے راجہ کی معیت میں نگر کوٹ پہنچا کیونکہ وہ پہاڑی مقام ہونے کی وجہ سے بہت مضبوط اور ناقابلِ تعمیر مقام تھا۔ محمود بھی اندھ پال کا سراغ لگاتا ہوا نگر کوٹ پہنچا۔ اول اندھ پال نے اس قلعہ میں ٹھہرنا اور مقابلہ کرنا چاہا مگر یہ دیکھ کر کہ محمود کی فوج کے افغان سپاہی پہاڑی اور پہاڑی اور پہاڑی لگدر لگہوں کو خاطر میں نہ لا کر ہر طرف پہاڑوں پر چھپاتے جاتے ہیں وہ وہاں سے کھسک کر اندرونِ کوہ کے دھندلے مقامات میں پناہ لینے لگا۔

نگرکوٹ کی فتح | سلطان محمود نے آتے ہی نگرکوٹ کا محاصرہ کیا اور قلعہ کی فوج نے معمولی مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور جان بخشی کی درخواست کی سلطان

محمود قلعہ میں داخل ہوا اور یہاں کے مندر کو جو مجمع الاصنام تھا دیکھا پجاریوں نے جان کی امان طلب کر کے مندر کے متعلقہ خزانہ کا پتہ بتایا۔ یہاں سے اس قدر سونا چاندی محمود کے ہاتھ آیا کہ اس سے بیشتر نہ سلطان محمود نے اس قدر خزانہ دیکھا تھا نہ ہر وہن و خراسان کے کسی دوسرے بادشاہ کی نظر سے ایسے ایسے زہرات سونے چاندی کے گندے ہوں گے۔ اس جگہ دراندہ ہی پیشواہی اور اُس زمانے کے پجاریوں کی اس اخلاقی حالت کا بھی تصور کیجئے کہ ان ہی لوگوں نے محمود غزنوی کے خلاف تمام ہندوستان کو لڑائی پر آمادہ کیا۔ ان ہی لوگوں کے وعظ و ہند کا اثر تھا کہ عدوتوں نے اپنے مردوں کے لئے سوت کات کات کر روپیہ جمع کیا مگر ان لوگوں کے دل مال و دولت کی محبت سے خالی نہ ہوئے اور انھوں نے اتنے بڑے بڑے خزانوں کو اپنی ملکیت اور قبضہ میں رکھتے ہوئے خرچ کرنا نہ چاہا۔ محمود غزنوی کو نگرکوٹ سے جو خزانہ ملا وہ اُس کی زحمت سفر اور ضیاع نفوس کا کافی معاوضہ تھا۔ سلطان محمود نے ۱۱۹۱ء کے آخر یا م میں پشاور کے قریب اندپال اور ہندوستان کی متحدہ طاقت کو شکست دی اور سندھ کے شروع میں نگرکوٹ سے فارغ ہو کر غزنی کی جانب روانہ ہوا۔

اندپال کی درخواست معافی | سلطان محمود ابھی نگرکوٹ ہی میں مقیم تھا کہ اندپال نے جو پہاڑوں کے اندر جا چھپا تھا پینچام بھیجا کہ جس طرح

آپ نے اس سے پہلے بھی بار بار میری اور مہرے باپ کی خطائیں معاف کی ہیں ایک مرتبہ اور میری گستاخی سے درگزر فرمائی جائے۔ میں دھدھ کرتا ہوں کہ اب شرائط فرماں برداری کے بجا لائے اور سالانہ ذریعہ راج ادا کرنے میں کوئی کوتاہی عمل میں نہ آئے گی۔ نگرکوٹ کے ماحم نے بھی اسی طرح عفو و تقصیرات کی درخواست بھیجی اور برہمنوں کی سازش و کوشش سے آدہ جنگ ہو جانے پر اظہارِ مال کیا۔ سلطان نے اس درخواست کو بلا تاویل منظور کر لیا۔ چونکہ سلطان کو معلوم ہو چکا تھا کہ برہمنوں اور پنڈتوں کی کوششوں سے یہ ہنگامہ برپا کرنے اور ہندوستان والوں کے دلوں میں نفرت و عداوت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لہذا اُنہیں نے اندراو مال اندیشی عام اعلان کر دیا کہ جو ہندو بھائی فوج میں لوکر ہونا چاہے وہ خوشی سے بھر کر ہو سکتا ہے ہم اُس کو مثل مسلمانوں کے تمام حقوق عطا کریں گے پشاور کی مذکورہ

شکست نے چونکہ عام لوگوں کے دلوں میں ایک زبردست مایوسی پیدا کر دی تھی لہذا دریائے سندھ کو عبور کرنے سے پہلے پہلے مختلف مقامات سے آکر دس ہزار ہندو سلطانی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اور سلطان نے انھیں میں سے ایک ہندو کو سب سالاری کا عہدہ دے کر ان دس ہزار ہندوؤں کی ایک الگ مستقل فوج قائم کر دی۔ ہندوؤں کی اس فوج کے قائم کرنے سے سلطان کا یہ تھا کہ اس نفرت کو جو ہندوؤں کے دلوں میں سلطنت غزنوی کی طرف سے قائم ہوئی تھی دور کر دیا جائے اور اس بات کا یقین دلایا جائے کہ ہم ہندوؤں پر بخوبی اعتماد کر سکتے ہیں۔ جامع التواریخ میں پشاور اور نگر کوٹ کی لڑائی کا حال لکھ کر لکھا ہے:

”ملوک ہند اطاعت و خراج قبول ساختہ وہ ہزار سوار ملازم سلطان گردانیدند۔“

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان نے انند پال و فیروہ سے یہ فرمائش کی ہوگی کہ تم ہماری فوج میں ہندوؤں کو بھرتی کرادو۔ انند پال اور نگر کوٹ کے راجہ نے دس ہزار سوار ملوک کو سلطان کے لشکر میں بھرتی کرادیا ہوگا۔ بہر حال سندھ سے سلطنت غزنوی کے لشکر میں ہندو شامل ہوئے اور ان کی تعداد برابر سلطانی فوج میں ترقی کرتی رہی اور خسرو ملک یعنی خاندان سبکتگین کے سب سے آخری بادشاہ کے زمانہ تک مسلسل یہ ہندو فوج قائم رہی جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آتی ہے۔ سلطان نے غزنوی کو جاتے ہوئے نہ کسی شہر کو لوٹا نہ کسی کو زیرکستی پکڑا نہ کسی کو گرفتار کر کے غلام بنایا بلکہ نہایت امن و امان اور خاموشی کے ساتھ پشاور و جھروہ و خیبر کے راستے غزنوی چلا گیا۔ اگر محمود واقعی ایسا ہی ہوتا جیسا کہ گمراہ کن تاریخوں میں ہمارے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے تو نگر (کانگرہ) سے پشاور تک وہ نہایت آہستہ سرسبز علاقے میں سفر کرتا ہوا گذرا اس آباد علاقے کے شہروں اور قصبوں کو لوٹتا اور خاک سیاہ بناتا ہوا گذرتا اور خون کی ندیاں بہا کر پنجاب کے دریاؤں کا پانی سُرخ کر دیتا۔ انند پال محمود کے چلے جانے کے بعد اپنے دار الحکومت لاہور میں آیا تھا اس وقت یہ ملک بالکل بے والی وراثت پٹا تھا محمود کو کسی مزاحمت اور کسی کے مقابلے کا بھی اندیشہ نہ تھا مگر اس نے نگر کوٹ سے پشاور تک کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے لاہور کو بھی دیکھنا مناسب نہ سمجھا۔

ملتان اور غور میں قرامطہ کا استیصال | غزنوی پنج کر اس کو معلوم ہوا کہ غور و ہرات کے علاقے میں قرامطہ نے شورش برپا کر دی ہے

اور وہاں کا حاکم محمد بن سوری قمرمطی ہو کر علم بغاوت بلند کر چکا ہے۔ اس جگہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس زمانے میں مصر کے اندر عبیدیوں کی حکومت بڑے دور شور سے قائم تھی ان ہی عبیدیوں کو فاطمیین بھی کہتے ہیں یہ لوگ خود خلافت کے مدعی اور بغداد کی عباسیہ خلافت کے رقیب اور جاتی دشمن تھے محمود غزنوی عباسیوں کا طرف دار اور اپنے آپ کو عباسی خلیفہ کا خادم جانتا تھا۔ مصر کا فرماں روا حاکم بن عزیز عبیدی ہوتا۔ حاکم بن عزیز عبیدی کو محمود کی روز افزوں طاقت و شہرت کے مٹانے اور نقصان پہنچانے کا بہت خیال تھا۔ قرامطہ کی بیخ کنی اور بربادی کے لئے محمود نے سندھ و سیستان و خراسان وغیرہ میں جو جو کوششیں کی تھیں ان سب کا حال سن کر حاکم عبیدی محمود غزنوی کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ محمود نے مصر کے ایلچی کو قمرمطی ہونے کی وجہ سے ذلیل کر کے نکلوادیا تھا۔ حاکم بن عزیز عبیدی اگرچہ قمرمطی نہ تھا لیکن اس کو قرامطہ سے اس لئے ہمدردی تھی کہ قرامطہ کے مذہب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تکریم موجود تھی۔ نیز یہ کہ اب تک قرامطہ کی تمام کوششیں خلافت عباسیہ اور اس کے متوسلین کو نقصان پہنچانے میں صرف ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کے قرامطہ بھی حاکم بن عزیز عبیدی کو اپنا سردار و حری ماننے لگے تھے کیونکہ حاکم عبیدی نے ان کی ہمت افزائی کی تھی۔ ہندوستان میں جو تحریک برہمنوں کی کوشش سے نشو و نما پا رہی تھی اس میں شروع سے قرامطہ شریک تھے اور انہوں نے حاکم بن عزیز عبیدی سے امداد و طلب کی تھی۔ حاکم عبیدی کو انند پال کی تیاری اور حملہ آوری کا بخوبی علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ملک گجرات کی فوجیں تو پشاور کے معرکہ میں شریک تھیں مگر کسی قمرمطی بہکر پشاور میں اسد پال کے لیر علم موجود ہونا ثابت نہیں۔ قرامطہ نے اپنے لئے دوسرا میدان تجویز کر لیا تھا اور ہندوؤں کو اس کا علم تھا اس لئے انہوں نے قرامطہ کو پشاور کی طرف آنے کی تکلیف نہیں دی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مصر سے کچھ جہاز امدادی فوج اور منادے کو بھیل کے بندر گاہ پر آئے۔ داؤد بن نصر حاکم ملتان کے پاس حاکم بن عزیز عبیدی کے سفیر پہنچے اور اس کو خلیفہ مصر یعنی حاکم عبیدی کی بیعت پر آمادہ کر کے محمود غزنوی کے خلاف جنگ پر مستعد کیا۔ مصری فوج ملتان میں پہنچی اور قرامطہ کا بھی ملتان میں خوب اجتماع ہوا۔ ایک حصہ سفارت مصر اور قرامطہ کا فورے کے جاہل اور پہاڑی علاقے میں خفیہ طور پر پہنچ چکا تھا۔ ادمر انند پال نے لاہور سے پشاور کی جانب کوچ کیا اور مصری سفیروں اور قمرمطی منادوں نے محمد بن سوری اور اس نواح کی

جابل رعایا کو محمود کی مخالفت اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ٹھیک اُس زمانے میں جبکہ
پشاور کے میدان میں محمودہ اند پال آمادہ پیکار تھے ملتان اور غور میں بیک وقت علم
بغاوت بلند کئے گئے سلطان محمود نے غزنی پہنچتے ہی غور پر حملہ کیا اور محمد بن سوری دس
ہزار جنگ جوئے کر مقابلہ پر آیا۔ آخر گرفتار ہوا اور گرفتار ہوتے ہی خودکشی کر کے مر گیا۔
جس وقت سلطان محمود محمد بن سوری سے معروف جنگ تھا اُس وقت داؤد بن لطفی
فوج لے کر محمودی علاقہ میں دست درازی کر رہا تھا۔ سلطان نے محمد بن سوری سے فارغ
ہوتے ہی ملتان پر فوج کشی کی داؤد بن نصر نے سلطان محمود کا نہایت سختی سے مقابلہ
کیا مگر انجام کار شکست پا کر گرفتار ہوا۔ بہت سے قرامطہ تہ تیغ ہوئے بعض ہاتھیوں کے
پاؤں میں کھلوائے گئے۔ قرامطہ کو سلطان محمود نے نہایت تلاش و تجسس کے ساتھ
گرفتار کر کر قتل کیا۔ غور ملتان کی شورشوں کا بیک وقت ہرپا ہونا اور اند پال کی چڑھائی
کے ساتھ ہی ان مقامات میں بھی علم بغاوت بلند ہونا صاف بتا رہا ہے کہ یہ کیسی عظیم الشان
سازش تھی۔ اس قسم کی خطرناک سازشوں کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہرپا ہونا کوئی عجیب
اور غیر معمولی بات نہیں۔ خلافت راشدہ کے آخری زمانے سے ایسی ہی خطرناک اور بڑی بڑی
سازشوں کا سلسلہ جو سلطنت اسلامیہ کے خلاف شروع ہوا ہے وہ آج تک بھی ختم ہونے
میں نہیں آیا۔ جن لوگوں کو ان مخالف اسلام سازشوں کی مفصل تاریخ سے واقفیت حاصل
کرنی منظور ہو وہ میری کتاب تاریخ اسلام کی پہلی۔ دوسری۔ تیسری جلد ملاحظہ فرمائیں جن
کا مسودہ تیار کر کے میں صوفی گہنی کو اشاعت کے لئے دے چکا ہوں۔ اگر محمود غزنوی کو
پشاور کے میدان میں شکست حاصل ہوتی تو سندھ سے لے کر آذربائیجان و بخارا تک
تمام ملکوں میں قرامطہ یا عبیدین مصر کی حکومت کا قائم ہو جانا یقینی تھا اور اس کے
ساتھ ہی خلافت عباسیہ کا بھی خاتمہ تھا۔ غور ملتان کی لڑائیوں میں محمود کو آسانی کے
ساتھ فتوحات حاصل نہیں ہوتی تھیں یہ لڑائیاں پشاور کی لڑائی سے ہرگز کم خطرناک نہ تھیں
بخوف طوالت ان کی تفصیل سے اعراض کیا گیا ہے۔ جنگ پشاور کے بعد پورے ایک سال
سلطان محمود کو نگر کوٹ غور اور ملتان کی لڑائیوں میں صرف کرنا پڑا۔ سندھ کی ابتدا میں سلطان
ان لڑائیوں سے فارغ ہوا۔

تھانیسر پر حملہ | اب بظاہر سلطان محمود کے لئے کوئی خطرہ موجود نہ تھا لیکن اُس کے اصلی دشمنوں کا ایک حصہ ابھی تک پس پردہ اور محفوظ تھا جس سے

سلطان بخوبی واقف و آگاہ ہو چکا تھا قرامطہ کو وہ شروع ہی سے جانتا اور اُن کے امتیصال کے درپے رہا تھا لیکن اب اُس کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے برہمن جو مذہبی پیشوا ہونے کے سبب عوام پر بڑا اثر رکھتے ہیں وہ بھی قرامطہ کے ہم نوا اور قرامطہ سے کچھ کم خطرناک نہیں ہیں۔ انند پال اب سلطان کا پھر فرماں بردار و باج گزار بن چکا تھا۔ ملتان کی ریاست جو عرصہ سے قرامطہ کے زیر اثر چلی آتی تھی اب باقاعدہ طور پر سلطان کی مملکت میں شامل ہو گئی تھی اور سلطان نے وہاں اپنی طرف سے ایک عامل مقرر کر دیا تھا۔ مگر سلطان کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ جس طرح پنجاب و ملتان کے صوبے پہلے کئی مرتبہ مطیع ہونے کے بعد باغی ہو چکے ہیں اب پھر باغی نہ ہو جائیں لہذا اُس نے اس بات کا سراغ لگایا کہ انند پال کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے کون کون سی طاقتیں محرک ہو سکتی ہیں تاکہ پہلے سے اُن کا علاج کر دیا جاسکے اور انند پال کو دوبارہ باغی ہونے کا موقع نہ دیا جائے چنانچہ اُس کو معلوم ہوا کہ تھانیسر، قنوج اور مہا بن کے راجہ اس لئے زیادہ موجب فساد ہو سکتے ہیں کہ انہی مقامات پر ہنوں اور سازشی لوگوں کے بھی مرکز ہیں۔ یہاں کے بہت خانے سازش خانے بنے ہوئے ہیں اور نہ صرف اپنے اپنے مقامی راجاؤں پر بلکہ تمام ہندوستان پر اثر ڈال سکتے ہیں اور یہی وہ زبردست راجا ہیں جو انند پال کی مدد کو سب سے پہلے پہنچ سکتے ہیں۔ دوسری طرف اٹھارہ رگجرات، اور اُجین کی ریاستیں ملتان کے صوبہ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں مگر چونکہ ملتان میں سلطان ایک مسلمان حاکم مقرر کر چکا تھا لہذا اُس کو پنجاب ہی کا سب سے زیادہ خیال تھا اور اسی سے اُس نے مشورہ میں تھانیسر پر حملہ کرنا مناسب سمجھا تاکہ تھانیسر کے راجہ کا وہ قرضہ بھی ادا کرے جو اُس نے اس سے پہلے ایک سے زیادہ مرتبہ انند پال سے پال کا معاون بن کر اور سلطنت غزنی پر حملہ آور ہو کر محمد کے ذمہ چڑھا دیا تھا۔ نیز وہاں کے سازشی لوگوں کو بھی جو قرامطہ سے ہرگز کم نہ تھے سزا دے۔ تھانیسر اور دہلی کی ریاست انند پال کے ملک یعنی پنجاب کی مشرقی سرحد سے ملتی تھی اس ریاست پر حملہ کرنا بغیر اُس کے ممکن نہ تھا کہ انند پال کے ملک میں ہو کر سلطانی لشکر گزرے سلطان کو اس امتحان کا بھی موقع مل گیا کہ انند پال

سلطانی لشکر کو اپنے علاقے میں ہو کر گزرنے دیتا ہے یا پہلے کی طرح پھر بغاوت
آمادہ ہو کر ستریاہ بنتا ہے۔ چنانچہ سلطان نے اپنی روانگی سے پیشتر انندپال کو لکھا کہ ہمارا
ارادہ تھا غیر دہلی پر حملہ کر سنا کا ہے لشکر سلطانی تمہارے علاقے میں ہو کر گزرے گا مگر
یہ ہے کہ تم اپنے آدمی ہمارے ساتھ متعین کرو کہ وہ تمہارے ملک کی حدود سے ہم کو آگ
گرمیں اور تمہارے علاقہ میں سلطانی لشکر سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ انندپال نے فوراً
اپنے بھائی کی سرداری میں دو ہزار سواروں کا ایک لشکر نشاہ کے مقام پر بھیج دیا کہ سلطان
کے ہمراہ اس سفر میں رہے اور لشکر سلطانی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دے۔ معلوم ہوتا ہے
کہ اب انندپال کے سرے سلطان محمود کے مقابلہ اور مخالفت کا سودا درہو چکا تھا اور
اس نے مطلع و فرماں بردار رہنے ہی میں اپنی فلاح و بہبود دیکھی تھی۔ فرشتہ کہتا ہے کہ

”سلطان غازی چوں داخل ممالک پنجاب شد خواست کہ بنا بر عہد و شرطیکہ
میانہ او با انندپال شدہ تخلف نہ نمود آریسے در اثنا راہ عہد و حکومت وہ نہ برد
از ان سبب کس پیش انندپال فرستادہ اعلام نموده کہ عہد و حکومت تھا غیر سردار ہم
باید کہ جیسے از معتدلان خود را ملازم کو کب ہمایون ماگردانی تا ہر پر گند کہ تعلق
بتو داشتہ باشد از صدمہ سپاہ گردوں ہشتبہاد مصنون و محفوظ ماند انندپال
اتصال امر را موجب بقائے دولت خود دانستہ بسرعت اسباب ضیانت ہمایون
کرد و تیار و بقالان مملکت خویش را فرمودہ تا استعدہ دروغن و غلہ و میجہ مایحتاج
باردوستے لشکر سلطان بردہ نوزے نمایند کہ رفاہیت وہ لشکر پیدا آید و دو ہزار
سوار لہر کردگی براہ خود بخود خدمت سلطان فرستادہ عریضہ نوشت کہ بندہ
مطلع و منقاد است۔“

لکم صاحب انندپال کی اس اطاعت و فرماں داری اور سلطانی لشکر کی ضیانت وہاں
غازی کے حال کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

”محمود نے دوسری یورش تھا غیر ہنگی جو بڑی مشہور پرستش گاہ ہے اور دلی
سے شمال کی جانب کوئی ستر میل کے فاصلہ پر واقع ہے معلوم ہوتا ہے کہ انند
پال نے اس یورش میں اس کا مقابلہ نہ کیا مگر چونکہ وہ اب ایک سردار خدمت گزار
کی برابر رہ گیا تھا اس لئے اپنی دارالحکومت لاہور ہی میں رہا اور بڑے صبر و تحمل

سے اس حملہ کو دیکھتا رہا جس کی روک تھام کی تاب اُس میں نہ رہی تھی۔
 اسی پر جن لڑائیوں اور یورشوں کا ذکر سوانح میں ایک بھی ایسی نہیں ہے جس کو محمود کی
 ملک گیری کے شوق یا ہندوستان والوں کو لوٹدی غلام بنانے اور مندروں کو نقصان
 پہنچانے کی خواہش کا نتیجہ کہا جاسکے بلکہ ہر مرتبہ قرامطہ یا ہندوستان کے راجاؤں کی پیش
 قدمی نے اُس کو لڑائی کی دعوت دی۔ وہ اگر دشمن تھا تو قرامطہ کا دشمن تھا۔ ہندو یا بدھوں
 سے من حیث القوم اُس کو کوئی عداوت و پہ خاص نہ تھی۔

تھا نیسر ہر حملہ کی وجہ | تھا جس کا نام سوتم جگ یا جگ سوم رکھا گیا تھا اور

جہاں سلطنت غزنی کی بربادی کے لئے ہر بہنوں نے سازشی مرکز قائم کیا تھا لہذا اس
 سیاسی مرکز کو جو قرامطہ کے مرکزی تمام سے کم خطرناک نہ تھا تو وہ بالآخر ناجائز کافر
 تھا۔ محمود نے پنجاب میں پہنچنے اور تھا نیسر کی جانب ہلہ بولنے کا حال سن کر یہاں کے
 راجہ نے اپنی اہل و عیال کو ہٹا دیا۔ ہرن اور قنوج کے راجاؤں کو بلایا لیکن ان راجاؤں
 نے تھا نیسر پہنچنے سے پہلے نہ وہ تھا نیسر پہنچ گیا۔ تھا نیسر کا راجہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا
 محمود نے مندر کو توڑا اور سازشی گروہ کے جس شخص کا ہتھ چلا اُس کو گرفتار کیا۔ اُس کو
 دلوں ہوا کہ مندر میں بوبت رکھا ہے اُس کی نسبت عوام کو برہمنوں کے یقین دلا رکھا
 ہے کہ جو شخص اس بت کے سامنے خودکشی کر کے لپٹے آپ کو ہلاک کرتا ہے وہ غنیمت کی بجائے
 حاصل کر لیتا ہے۔ یہ سن کر محمود نے اُس بت کے توڑنے کا حکم دیا تاکہ اس خیال فاسد اور
 ہلاکت آفریں عقیدے سے عوام کو نجات ملے فرشتہ کی روایت کے موافق سوتم جگ کا
 بت توڑا نہیں گیا بلکہ اُس کو محمود بجنسہ اٹھا کر اپنے ہمراہ غزنی لے گیا مگر نیک صاحب لکھتے
 ہیں کہ بت کو توڑ کر اُس کے ٹکڑے غزنی لے گیا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ

سوتم جگ را کہ در تھا نیسر رود بغزنی بردند۔ سلطان فرمود کہ آں بت را بردگاہ

نہادہ پے سپر خلائق سازند

خلاصۃ التواریخ میں سمان رائے لکھتا ہے کہ

"بت چکر سوم را بغزنی بردہ بفرمودہ سلطان بردگاہ نہادند تا پے سپر خلائق گردد"

جتنے بچوں پر آگد مہاراجہ کس

کہ متوانہ از خوش راندن کس

نہ نیروست و تنش زرقاں چلنے

وگر بنگنی ہر نہ خیزد راجا سے

دور غور کرنا کہ ایک چار اس سے کاڈ کر کستے ہوئے کیسے لطیف و شمر کشتا ہے اور کوئی
ماقی نقرہ اس کی زبان سے نہیں نکلتا۔ محرو کا ہی علم ہے جس میں ہمت کے ٹوڑنے یا یہاں
سے اٹھا کر غزنی سے لیا۔ اور ہندوؤں کو بھی گرفتار کر کے لے جانے کا ذکر پہلی مرتبہ آتا ہے۔
اور لطف یہ ہے کہ اسی حملہ میں محمود کے ساتھ بارہ ہزار ہندو فوج بھی موجود تھے۔ جس میں
سے دس ہزار ہندو تو باقاعدہ اس کی فوج میں نوکر ہیں اور دس ہزار کا ہندو لٹ کر اند پال کے
بھائی کی سپہ سالاری میں بطور معاون اور بطریق میزبان موجود ہے۔ محمود نے جب
خالص اسلامی لشکر لے کر اس ملک میں راجاؤں کا مقابلہ کیا تو کسی ہندو کو ڈھکیا نہ کسی
مورت کو توڑا لیکن جب ہندو اس کی فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں تو ہندو اور مورت کے
ٹوڑنے اور ہندوؤں کو قید کر کے غزنی لے جانے کا واقعہ ظہور میں آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان
ہندو سپاہیوں اور ہندو سرداروں ہی نے جو محمود کی فوج میں لا کر تھے محمود کو ان سازشی
مرکزوں سازشی لوگوں اور سازشی کارروائیوں کا پورا پورا حال بتایا اور سنا یا ہو گا۔ اور اسی
لے محمود نے تھا نیسر میں وہ کارروائیاں جن کا ذکر اب ہوا آزادی کے ساتھ کہیں اس نے
جس طرح قرامطہ کو قتل و گرفتار کیا تھا اسی طرح تھا نیسر کے سازشی مرکز سے سازشی
ہندوؤں کو گرفتار کیا۔ اس کی فوج کے ہندوؤں اور اند پال کی دس ہزار ہندو فوج سے بھی جو اس
کے ہمراہ موجود تھی کوئی اظہار ناراضی نہیں کیا۔ نہ ہندوؤں نے محمود کی ملازمت کو ترک کیا۔
یہ جو کچھ بھی ہوا ہندوؤں ہی کی راہبری میں ہوا۔ پس اس کارروائی کو مذہبی تعصب کا نتیجہ قرار دینا
سیاسی ضرورت اور سیاسی تقاضے کو فراموش کر دینا عقل و عدل کے سرسبز خلاف ہے۔ محمود
کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس کے لئے بھی یہ تمام کارروائیاں جائز اور ناگزیر تھیں۔ ایک
بادشاہ اور ایک سلطان کے اخلاق اور اس کی ضرورتوں کو ایک سادھو کے اخلاق اور ایک
سادھو کی ضرورتوں پر تکیا کرنا پرے درجے کی حماقت اور ناہیانی ہے۔

محمود جب کہ ہندوستان آیا ہوا تھا اس کی غیر معمولی میں خراسان کی جانب
کشمیر پر حملہ کچھ بدامنی اور بغاوت پیدا ہوئی لیکن محمود کے غزنی پہنچتے پہنچتے اس کے
سپہ سالار ارسلان جاذب سے اس بغاوت و بدامنی کو فرو کر دیا تھا۔ اسی سال یعنی ۱۰۰۰ء

میں (ہوا انبار میں) ہیں ہم امداد و بلجی اپنے بھائی بھائی کے پاس سے مجبور ہو کر سلطان محمود کے پاس آیا اور اعانت طلب کی۔ سلطان نے اس سے کہا کہ تمہاری حالت معلوم ہو کر اسے خط لکھ کر بھیج دو۔ صلح کر دی۔ سلطان نے اپنے وزیر داکم انند پال سے کہا کہ تمہاری ہوا انند پال مرتے دم تک، سلطان محمود و قافریاں پر جاری رہے۔

بے پال ثانی [اس کے آئینہ وفات کے بعد اس کا بیٹا بے پال ثانی تخت نشین ہوا۔ بے پال ثانی نے تخت نشین ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان اور محمود کی فرماں برداری و خراج گذاری سے انکار کیا۔ منہ دے اس کی تادیب کے لئے لشکر کشی کی۔ بے پال ثانی نے مقام نندونہ (ضلع جہلم) میں اس سے مقابلہ کیا۔ تیاری کی کہ وہ نہایت مضبوط اور مستحکم مقام تھا محمود نے قلعہ نندونہ کا محاصرہ کیا۔ بے پال ثانی عاجز ہو کر نندونہ سے نکل بھاگا اور کشمیر کے دروں میں جا چھپا محمود اس کے تعاقب میں کشمیر گیا مگر وہ کشمیر کے راجہ کی پناہ اور کشمیر کے اندرونی علاقے میں پہنچ گیا۔ سلطان نے کشمیر کے دروں میں پہنچ کر کئی قلعے فتح کئے اور نندونہ میں اپنا ایک عامل مقرر کر کے نندونہ کو واپس چلا گیا۔ بے پال ثانی نے کشمیر سے لاہور واپس آ کر پھر پنجاب میں حکومت شروع کی اور سلطان کی خدمت میں خراج سالانہ کے ساتھ درخواست بھیجی کہ میری ناخبری کا راجہ و نو عمری پر نظر فرما کر میری گستاخی معاف فرمائی جائے آئندہ اپنے باپ کے زمانہ کا مقررہ خراج بلا غنہ و حیلہ روانہ کرتا ہوں گا اور اطاعت و فرماں برداری کے شرائط بجالائے میں کوتاہی سبب گزر عمل میں نہ لاؤں گا۔ سلطان نے جس طرح اس کے باپ اور دادا کو بار بار معاف کیا تھا اسی طرح بے پال ثانی کی خطا کو معاف کر کے پنجاب کی سند حکومت اس کے پاس بھیج دی۔ سلطان محمود نے ایک غزنی اور خراسان کے اندرونی معاملات کی اصلاح میں مصروف رہا۔ وہاں سے فارغ و مطمئن ہو کر اس نے ضروری سمجھا کہ کشمیر کے راجہ کی تادیب کی جائے تاکہ وہ بے پال ثانی کے گمراہ کرنے اور سلطان کی مخالفت میں اس کو امداد پہنچانے کی جرات نہ کر سکے۔ سلطان کے آخر ایام میں وہ فوج لے کر کشمیر پر حملہ آور ہوا اور بے پال ثانی سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ وہ کوٹ کے قلعہ پر کشمیری لشکر نے سلطانی لشکر کا مقابلہ کیا۔ سلطان نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ چند روز جاری رہا۔ قریب تھا کہ یہ قلعہ فتح ہو جائے کہ اسی اثنا میں خیرپوئی کہ حاکم خوارزم کو جو سلطان کا رشتہ دار تھا وہاں کے لوگوں نے بغاوت کر کے اس کو قتل کر دیا۔

سلطان تلعہ لوہ کوٹ سے ششہ میں محاصرہ اٹھا کر غزنی اور غزنی سے خوارزم پہنچا وہاں کے
 باغیوں کو سزا دی اور اس ملک میں امن و امان قائم کر کے غزنی واپس آیا ششہ میں سلطان محمود
 غزنی سے ایک زبردست لشکر لے کر اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ تمام سرکشوں کو قہراً واقعی سزا
 دے کر ملک پنجاب کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کر دے۔ چنانچہ وہ غزنی سے چل کر اول کشمیر
 پہنچا کیونکہ اس کے پہلی مرتبہ لوہ کوٹ سے چلے جانے پر کشمیر کے راجہ کی نخوت اور بھی بڑھ گئی
 تھی۔ اس مرتبہ محمود جب سرحد کشمیر میں داخل ہوا تو کشمیر کے راجہ نے اطاعت و فرما برداری
 کی درخواست بھیج کر امان طلب کی اور اپنی خدمت گزاری و خراج گنداری کا وعدہ کر کے محمود
 کے غصہ کو فرو کیا۔ سلطان نے کشمیر کے راجہ کی درخواست منظور کر کے اس کے ملک کو کسی قسم کا
 نقصان نہیں پہنچایا اور اس کو حکم دیا کہ تم اپنی مناسب فوج لے کر بطور مقدمہ ابھیش ہمارے
 لشکر کے آگے آگے چلو۔

قنوج و متھرا وغیرہ پر حملہ | کشمیر کا راجہ سلطانی حکم کی تعمیل میں حاضر ہو کر خلعت و خطا
 سے سرفراز اور محمودی لشکر کے ساتھ بطور مقدمہ ابھیش
 روانہ ہوا۔ سلطان نے اس کو اٹھادیا تھا کہ ہم قنوج و بہان دہرن وغیرہ پر حملہ آور ہو کر وہاں
 کے سازش خانوں کو برباد اور سازشی لوگوں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں تم ہم کو اس طسرج
 پہاڑوں ہی پہاڑوں سفر کرنا چاہو کہ انا نہ کہ وہ مقامات میں پہلے سے خبر نہ پہنچ سکے کشمیر
 کے راجہ نے رہبری کر کے سلطان اور اس کے لشکر کو پنجاب کے دریاؤں اور گنگا جمن کے
 دھانوں سے کوہ ہمالہ کے اندر عبور کراتے اور گھائیوں ہی گھائیوں گزارتے ہوئے رام گنگا کے
 دہانے تک پہنچا دیا اس سفر میں صرف ہندو سیما ہیوں کو جو سلطان کی فوج میں لڑ کر تھے کسی
 قدر تکلیف ہوئی باقی سرحدی افغانوں خراسانیوں غوریوں اور ترکوں کو کوئی اذیت نہیں پہنچی
 کیونکہ یہ لوگ پہاڑوں کے رہنے والے اور پہاڑی سفر کے عادی تھے۔ ملا محمد قاسم ہندو شاہ
 نے بھی کشمیری لشکر کے مقدمہ ابھیش ہونے کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ

مچوں محمود کشمیر رسید والی آغا تحفہ و ہدایا لائق پیش کش نمودہ بعنا یات
 پادشاہانہ منقرا و دیدہ حسب الحکم در مقدمہ لشکر ظفر اثر و اس سند و

سلطانی لشکر کوہ ہمالہ سے میدان میں اتر کر اس طرح یکایک قنوج کے سامنے پہنچ گیا کہ
 قنوج کا راجہ کنوہ رائے لشکر سلطانی کی لڑت و شوکت دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔ سلطان محمود کے

اس محلے اور پہاڑی سفر کا حال روسی میجر جنرل ایل آئن سہولوف نے اپنی کتاب "ہندوستان پر حملے" میں اس طرح لکھا ہے کہ

"محمود مکر کشمیر پر حملہ آور ہوا پھر قنوج پر چڑھائی کا ارادہ کیا جو اس زمانے میں ہندوستان کا دارالسلطنت تھا شالہ کے موسم بہار میں محمود ایک لاکھ سوار اور تیس ہزار پیدل سپاہ سے کشمیر و پشاور کے راستے سے ہندوستان آیا۔ ایچ پیچ کی راہ اختیار کرنے سے اس کی یہ غرض تھی کہ دشمن کو اس کی آمد کا علم نہ ہو اور وہ ذمہ اس کے سر پر جا پڑے۔ محمود اس پُرصوبیت سفر میں کامیاب ہوا۔ یہ اس کے استقلال اور بے نظیر قوت ارادہ ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ ایسے دشوار گزار راستے سے اپنی فوج سلامت لے گیا چونکہ وہ غیر معمولی قوت ارادی رکھتا تھا اس کی سپاہ اور انصروں کو اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اور اس وجہ سے اس نے وہ اہم کام انجام دیئے جن کی اردوں کو بمشکل جرات ہو سکتی تھی بہت سے بلند و مرتفع کو ہی سلسلے محمود کی فوج کو عبور کرنے پڑے فوج مذکور کو انتہا درجہ کی کٹھن گھاٹیوں برف پوش بہت ناک دروں اور خطرناک کو ہی آبشاروں اور ندی نالوں کو عبور کرنا پڑا اور وہ ان تمام رکاوٹوں اور مشکلات پر غالب آئی۔ یہ ساری مصیبتیں اس لئے بھیلی گئی تھیں کہ اس کی یورش کا راز مخفی رہے۔ محمود اپنی فوج کو کشمیر سے تیبے لے گیا جو سطح سمندر سے ۱۱۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ پھر لداخ اور وہاں سے بتدریج شو شول و ہرودہ کے دروں میں پہنچا جو ۱۳۰۰۰ فٹ سطح سمندر سے بلند ہیں بعد سلسلہ ہمالہ کو ڈینگور جو ۱۵۱۰۰ فٹ بلند ہے یا ٹکور (جو ۱۶۰۰۰ فٹ بلند ہے) کے قریب سے طے کیا۔ اس قسم کا سفر جاری رکھنے کے لئے آہنی ارادے کی ضرورت تھی۔ نقشہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کو ان راستوں سے مسلمانوں کے تہر الہی کی طرح نازل ہونے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ لیکن جب غزنی کا لشکر نیپال کی مغربی سرحد پہنچ گیا تو انھیں معلوم ہوا کہ خوفناک سپاہ لارٹنر لشکر کے ساتھ ہندوستان کے قلع میں معرکہ آرا ہونے کے لئے بگولے اور آندھی کی طرح تیزی سے

چلا آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی گیارہویں اسکولے اب وقت لہاں تھا۔ محمود
اپنے شان دار سانس کے ساتھ قنوج پہنچا وہاں گنگا میں دھوبہ رہا
صاف نہ دیکھ سکتا تھا۔

محمود کی صفات و خط انجش | محمود کا راجہ کنور راجے محمود کی صفات و خط انجش
وہ سلطان کا یہ اتبازی نشان ہے کہ وہ ہر سعادتی حالت میں دیکھ کر ہر سعادتی
لہذا اس کے یہی سبب سمجھ کر اس کے یہی درپٹے والے کر اور اپنے ہاتھ پر لایا۔
بندھو کر رہا ہے۔ اس کے بیٹوں اور فرزندوں کے کنور کے ساتھ آکر آکر ہوا۔ محمود
یہ دیکھ کر فرزا اس کے ہاتھ کھو۔ وہ اپنے سے لگا ہوا۔ اور اپنے برابر تخت پر بٹھا یا اور ہرگز
نسلی و تشقی و رہے کر رخصت کیا۔ اس کے اس شہنشاہ اور اس جاوہر و فرشی و مصیبت
ساتھ کیا گیا تھا وہ راجہ کے معاف مانگ لینے سے ایک منٹ کے اندر ختم ہو گیا۔ اب
اس کے محمود کی ہندو کشی کہہ لویا۔ اسے لوازی تھہ لور راجہ کنور راجے والی قنوج کے
سلطان محمود اور اس کے لشکر کی تیاری کی۔ جو سلطان غزنی سے اس کی سازش کا
ارادہ کر کے چلا تھا وہ اب اس کا ہاں عزیز بن کر قنوج میں داخل ہوا۔ اور تین روز یا
آٹھ روز تک راجہ کا مہمان رہا۔ محمود اور اس کی قنوج کے سردار قنوج میں اس طرح میر
کرتے ہوئے پھرتے تھے جیسے اپنے وطن اور بھائیوں میں ہوتے۔ راجہ کی بے بسی کی
پوشیدہ بات نہ تھی اس نے نہایت بھوری کے عالم میں محمود سے امان طلب کی محمود اگر
دلیا ہی ہوتا جیسا کہ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے طالب علم اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں
تو وہ ہرگز راجہ کو معاف نہیں کر سکتا تھا بلکہ اس کو نہایت زبردستی موقع ملا تھا کہ وہ راجہ
کو قید یا قتل کر کے قنوج میں تہنکی عام کا حکم دیتا۔ قنوج کے مندروں کو ڈھاتا اور وہاں
کا تمام مال و اسباب گاڑیوں، چمکڑوں اور ادنیوں پر لا کر غزنی کو لے جاتا۔ قنوج اس
زمانہ میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ جس قدر مال و دولت قنوج سے ہاتھ آ سکتا تھا ہندوستان
کے دوسرے شہروں سے ہرگز اس قدر مال و دولت کے حصول کی توقع نہیں تھی مگر محمود کی
وجہ سے قنوج میں کسی کی تکسیر تک نہیں پہنچی۔ محمود نے راجہ کنور راجے کی دوستی کو بہت
قیمتی چیز سمجھا اور اس سے دوستی و محبت کے پیمان مستحکم کر کے اور مخالفانہ سازشی تحریکوں

بچے رہنے کا اقرار لے کر اور ارد گرد کے سارے مرکزی مرکزوں کا پتہ لگا کر قنوج سے روانہ ہوا۔ اس جگہ ایک ہندو مورخ لالہ بانو رام صاحب خلف لالہ احمد دھیا پرشاد صاحب کے الفاظ بھی ملاحظہ ہوں جو انھوں نے اپنی تاریخ ”موسومہ مختصر سیر گلشن ہند“ میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:-

”محمود اس مرتبہ اپنا لشکر اپنا نیک قنوج کے سامنے لے آیا ہوا راجہ قنوج سے کچھ نہ ہو سکا تو راجہ عیال و اطفال کے دربار سلطانی میں حاضر ہوا اور اطاعت بادشاہ کی قبول کر لی محمود نے راجہ قنوج کی بڑی عزت اور توقیر کی اور بیس روز تک قنوج میں ”تیم“ رہ کر راجہ قنوج کا مہمان رہا وقت نصرت کے بادشاہ نے راجہ سے اقرار کیا کہ اگر تم اور تمھارے وارث ہم سے سرکش نہ ہوں گے تو جب تم یا تمھارے وارث مدد سلطانی چاہیں گے فوراً غزنی سے ملے گی۔ چنانچہ راجہ قنوج کو ہر طرح سے تسلی دے کر شہر میں داخل ہوا۔

یہ وہی قنوج ہے جس کے راجہ نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنا طلبہ بھیجا تھا اور جہاں مسلمانوں کی آمدورفت سیکڑوں برس پہلے پائی جاتی تھی مگر اُس زمانہ میں کوئی عام مسلم کش تحریک ہندوستان میں موجود نہ تھی قنوج کا راجہ محمود کے خلاف اندھال اور اُس کے باپ کی امداد کر کے نتیجہ دیکھ چکا تھا اُس نے اب محمود کے آگے سپر ڈال کر اور تعلقاً دوستی پیدا کر کے اپنی دانائی اور عقلمندی کا ثبوت دیا۔ تاریخ فرشتہ کی روایت کے موافق محمود قنوج سے رخصت ہو کر اول میرٹھ پھر مہارن اور اُس کے بعد متھرا گیا لیکن طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ قنوج سے بلند شہر (برن) اور بلند شہر سے مہارن اور متھرا گیا۔ بہر حال قنوج کی طرف سے مطمئن ہو کر محمود نے قریب قریب کے تمام سرکشوں کو ٹھیک بنانا اور مرعوب کرنا ضروری سمجھا۔

چنانچہ وہ راجہ ہردت پر حملہ آور ہوا۔ ہردت اپنے مختلف راجاؤں کی طاعت | سرداروں کو مدد قنوج قلعہ میں چھوڑ کر اور خود فسرار ہو کر

جنگل میں جا چھپا۔ ہردت کے سرداروں نے قیس باغی اور ہردت سارو سپہ بطور خندانہ سلطان کی خدمت میں پیش کر کے امان طلب کی سلطان نے یہ خندانہ قبول کر کے وہاں سے مہارن کے راجہ کلندر پر حملہ کیا اُس نے اول مقابلہ کیا پھر شکست کھا کر بھاگا اور اپنے باغی کو

جسنا کے پارے جانا چاہا کہ اتنے میں سلطانی لشکر نے اُس کو گرفتار کر لیا کچھ دنوں اسی حالت میں خودکشی کر کے اپنی جان گنوائی۔ محمود نے مہا بن سے اُن لوگوں کو جو مایہ نثرات تھے گرفتار کر کے متھرا پر حملہ کیا۔ یہاں اُس نے ایک مندر کو توڑا باقی سیکڑوں مندر جو یہاں موجود تھے اُن کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یہاں سے بھی اُس نے خاص خاص آدمیوں کو اپنے بندہ ہمراہیوں کی ہدایات و اطلاعات کے بموجب گرفتار کیا۔ یہاں اُس نے بعض بتوں کو بھی توڑا اس جگہ چند روز قیام کرنے کے بعد وہ مشرق کی جانب مقام اسوقی (ضلع فتحپور) کے راجہ چنڈیل بھور یا چندرپال کی طرف متوجہ ہوا اس راجہ نے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر اوپر اذیت کی اور جنگلیوں میں جا چھپا لیکن سلطان کے پاس تحفہ و ہدایا اور اطاعت و فرماں برداری کا اقرار نامہ بھیج دیا جس سے سلطان کا طیش و غضب فرو ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان راجہ چندر رائے کی طرف متوجہ ہوا اُس نے بھی چندرپال کی روش اختیار کی۔ سلطان نے اُس کا قصور معاف کیا اور ایک مشہور ہاتھی جو اُس کے پاس تھا لے کر واپس لایا یہ تمام راجہ جن پر اس مرتبہ سلطان نے حملہ کیا وہی تھے جو سلطان محمود کا مقابلہ انندپال کے حامی بن کر پشاور کے میدان میں کرچکے تھے۔ انندپال نے تو اطاعت قبول کر لی تھی اور اب اُس کا بیٹا بے پال ثانی بھی ملحق و فرماں بردار تھا۔ پس ان راجاؤں کو ملحق و منقاد بنانا اور ان سب سے بھی اقرار طاعت لینا یا کم از کم اُس حملہ پشاور کا عوض لینا سلطان محمود کا حق تھا۔ لیکن اگر یہ نظر غور دیکھا جائے تو سلطان کو درحقیقت اُس سازش کا نشانہ مقصود تھا۔ جس نے ہندو مسلم منافرت پیدا کر کے بد امنی اور ہنگامہ آرائی کے ذریعہ قرامطہ کو تقویت پہنچانی تھی۔ سلطان محمود بھائے اس کے کہ ہندو راجاؤں کو قتل و ذلیل کرے اُن سے صلح کرنے کا زیادہ شائق تھا۔ اس حملہ میں کشمیر کا راجہ معہ اپنی فوج کے سلطان کی ہمراہی میں موجود تھا۔ سلطان کی فوج میں بھی کافی ہندو ملازم تھے۔ ان ہندو دوستوں کی موجودگی میں محمود کیا کوئی بھی تھوڑی سی عقل رکھنے والا بادشاہ کوئی ایسی کارروائی نہیں کر سکتا تھا جو اُس کے دوستوں کی دل شکنی کا موجب ہوتی۔ حالانکہ محمود تو ہر ایک ہندو راجہ کی طرف مصالحت اور دوستی کا ہاتھ بڑھانے کو ہمیشہ مستعد رہتا اور کسی پیغام صلح کو کبھی رد کرنا نہ چاہتا تھا متھرا مہا بن وغیرہ میں اُس نے جو کچھ کیا وہ یقیناً مصالح ملی اور عدل و استحقاق کے عین موافق تھا اور ان تمام کارروائیوں کا سبب ہرگز کوئی مذہبی منافرت

اور بے جا تعصب نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو محمود اپنی ہندو فوج اور ہندو سرداروں پر ہرگز وہ اعتماد نہ کرتا جو اس نے ہمیشہ کیا، اور نہ ہندو اس کے لئے وہ ہمدردی اور جانفشانی دکھاتے جو انہوں نے دکھائی اور جس کا بیان آگے آئے گا۔

سبحان رائے اپنی کتاب خلاصۃ التواریخ میں تمام نذرانوں اور اس تمام مال غنیمت | مال و اسباب کی میزان لکھتا ہے جو سلطان محمود اور اس کی فوج کو اس سفر میں حاصل ہوا اور جس کا غزنی پہنچ کر جائزہ لیا گیا سبحان رائے کے الفاظ اس مال و دولت کی نسبت یہ ہیں کہ

”چوں بغزنی رسید غنائم سفر قنوج بشمار در آمد پنج لک و بہت نہزار درم و سی صد و پنجاہ فیصل بقلم در آمد“

پانچ لاکھ بیس نہزار درم آج کل کے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے برابر ہوتے ہیں اس کے علاوہ ساڑھے تین سو لاکھ تھی ہیں۔ اس مال غنیمت اور خراج کے مجموعہ کو دیکھو اور اس بات کو سوچو کہ سلطان محمود کس قدر فوج لے کر آیا ہے سات آٹھ لاکھ اور اس کے شکست دی ہے کئی شہروں کو لوٹا اور کئی راجاؤں سے خراج و نذرانہ وصول کیا ہے اور سب کی میزان وہ ہے جو سبحان رائے کے الفاظ میں اوپر نقل کی گئی ہے کیا یہ کسی بہت بڑی لوٹ مار کی میزان ہو سکتی ہے؟ اس میزان میں متھرا و مہابن کے سونے چاندی کے مہت اور ان شہروں کی لوٹ مار کا مال سبھی کچھ شامل ہے اور یہی محمود کا وہ حملہ ہے جس کی سب سے زیادہ ہندوؤں اور یوپی مورخوں کو شکایت ہے اور اسی حملہ کو اس کی غارت گری کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اوپر جو تعداد مال غنیمت کی لکھی گئی ہے وہ ایک ہندو مورخ کی روایت ہے مگر فرشتہ نے اس تعداد کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔

”چوں بغزنی رسید غنائم سفر قنوج را شمار کردند بہت نہزار دینار و نہزار ان نہزار درم بشمار در آمد“

اس طرح پندرہ لاکھ روپے کے دینار اور بہتر ادا درم ہوتے ہیں۔ اس تعداد کو کتنا ہی بڑھا لیجئے پھر بھی بیس لاکھ روپے سے زیادہ فرض نہیں کر سکتے میرے وطن بنجیب آباد کی نسبت تاریخ امیر نامہ میں لکھا ہے کہ جب نواب امیر خان بائی ریا سست ٹھٹھک لے انگریزوں کو پریشان کرنے کے لئے روہیلکھنڈ میں آکر لوٹ مار مچائی اور

جزل اسکاٹ کو پریشان و مبہوت رکھنا اسی زمانہ میں نواب امیر خاں اپنی تمام فوج کو نگینہ میں چھوڑ کر صرف چار پانچ ہزار سواروں کے ساتھ نجیب آباد گئے اور دو کروڑ روپیہ یہاں سے لوٹ کر لے گئے یہ وہ زمانہ تھا کہ نجیب آباد کا بڑا حصہ وسیع ہو چکا تھا کوئی نواب یا حاکم موجود نہ تھا اس واقعہ کو اس قدر بھولی اور ناقابل تذکرہ واقعہ سمجھا جاتا ہے کہ نجیب آباد والوں کی زبان پر بھی اس کا پیرچھا نہیں۔ ہجرت ہوتی ہے کہ نواب امیر خاں کے دو کروڑ روپے کے مقابلے میں لاکھ محمود غزنوی کے ڈیڑھ لاکھ یا نیا دہ سنہ زیادہ ہیں کیسے لاکھ روپے کی کیا قیمت ہے یہ سن لے رہے ہوں میں ایک ٹرور پر پاس ہے۔

جنگلی قبیلوں کی تعداد | بہانہ اسے سننے کی بھی تھا کہ اس حملہ میں محمود غزنوی تسلیم کرنی جائے تو محمود غزنوی سے بڑی غلطی ہوئی کہ وہ ان تیرہ ہزار آدمیوں کے سال بھر کے کھانے کا خرچ بھی ہندوستان سے لے کر نہ گیا۔ بات صرف یہ ہے کہ وہ فساد اور شہرت پیشہ لوگوں کو یہاں سے گرفتار کر کے لے گیا تھا اور وہاں سے جا کر اُس نے اُن کو قلعہ غزنی اور شہر غزنی میں آباد کر دیا تھا یہ ایک بہت بڑی سیاسی تدبیر اور لاکھاری کا تقاضا تھا۔ آج کل بھی حکومتوں کو جب ضرورت پیش آتی ہے تو وہ جرائم پیشہ لوگوں کو ایک جگہ سے ترک سکونت کر کر دوسری جگہ آباد کر دیتے ہیں اور اس طرح یہ جرائم پیشہ لوگ بہت ہی مفید گروہ بنتا ہو جاتے ہیں اگر محمود کو محض ہندوستان کی وجہ سے ہندوؤں کے پکڑنے اور لے جانے کا شوق ہوتا تو وہ تھا نیسیر متھرا اور جہان پور ہی کو اس کام کے لئے انتخاب نہ کرتا بلکہ پنجاب کے شہروں سے جو نسبتاً بہت قریب تھے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لے جاتا۔ بات یہ ہے کہ اُس نے چن چن کر جرائم پیشہ اور فسادی لوگوں کو معاہل و میال اپنے ساتھ غزنی چلنے پر مجبور کیا تھا اور آئندہ چل کر ثابت ہو گا کہ ان لوگوں کو وہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی سلطان محمود کی عرض قنوج و متھرا وغیرہ کے حملے سے صرف یہ تھی کہ ان راجاؤں کو جنھوں نے اُس کے خلاف فوج کشی کی تھی سزا دے کر اپنا رعب قائم کرے اور سازشی لوگوں کو جو اصلی خطا وار تھے گرفتار و قتل کرے ملک گیری اُس کا مقصد نہ تھا وہ صرف ملک پنجاب کو ایک ایسی ریاست بنا کر رکھنا چاہتا تھا جس کا راجہ محمود کا بھائی خواہ رہے۔ اور سلطنت غزنی پر ہندوؤں کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہو سکے۔ حملہ قنوج کے بعد اُس کی یہ غرض حسب دل خواہ پوری

ہو چکی تھی اور اب اس کو پنجاب کی طرف سے ہار کا کوئی خطرہ نہ رہا تھا اس کے بعد وہ ملتان و سندھ کی جانب اس طرف کے خطرہ کو ہٹانے کے لئے متوجہ ہوا لیکن کالنجہر کے راجہ نے اس کو پھر مشرقی ہندوستان کی طرف ہٹانے کے لئے مجبور کیا۔

سکا لنجہر پر حملہ پنجاہ کے سلطان
سکا لنجہر کی اطاعت

برلن وغیرہ کے راجاؤں کو ان کے اپنے اپنے اور محمود کے اس بارے میں ارکامیہا، واپس پھلے جلے تو ان راجاؤں کی بڑی داناوڑی پر محمول کر کے غیروں دلائیں۔ قنوج کاٹا کنور نے اس قول و قرار پر جو اس نے محمود سے کیا تھا، اہم رہا لیکن باقی راجاؤں نے ملتان کی بلندی اور عالیٰ خدائی کو اپنے آئندہ کیلئے مستعد بننے اور نندائی بہری میں کام کرنے کا وعدہ کیا، نند نے ان راجاؤں کو اپنے موافق اور مستعد دیکھ کر قنوج پہنچنے والی کی اور ساتھ ہی پنجاہ کے راجہ جیپا لائی کو نند کے واسطے ایک لشکر بھیج دیا۔ پر مستعد ہونے کی ترغیب دی۔ قنوج کے راجہ نے اپنے آپ کو خطرہ میں مبتلا دیکھ کر غزنی کی جانب قاصد روانہ کیا اور سلطان سے امداد طلب کی۔ سلطان محمود اس حادثہ سے مطلع ہو کر لشکر میں فوراً قنوج کی جانب روانہ ہوا۔ جے پال ثانی چونکہ نند کی ترغیب اور تمام راجاؤں کے متحد ہو کر مستعد مقابلہ ہونے کا حال سننے سے بغاوت پر آمادہ ہو چکا تھا اس نے سلطان کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر روکنا اور مقابلہ کرنا چاہا کہ اس طرح باپ دادا کی کھوئی ہوئی عزت و شہرت کو باسانی حاصل کر سکے۔ مگر سلطانی لشکر نے ایک ہی حملے میں پنجابی لشکر کو بے گناہ دیا اور بھگڑوں کا تعاقب کئے بغیر قنوج کی طرف تیز رفتاری سے سفر کو جاری رکھا تا کہ قنوج کے راجا کنور رائے کو جلد از جلد امداد پہنچائی جاسکے مگر سلطان محمود کے پہنچنے سے پہلے ہی قنوج کا راجا نند کے مقابلے میں مارا جا چکا تھا۔ سلطان جب قنوج پہنچا ہے تو نند قنوج سے کالنجہر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ سلطان نے اس کو حدود کالنجہر میں جالیا۔ نند اپنے چھتیس ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی لے کر مقابلہ پر ڈوٹ گیا۔ سلطان کے ہمراہ بہت ہی تھوڑی سی فوج تھی جو اس دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار میں بے شکل سا متحہ دے سکتی تھی۔ نند کے مقابل سلطانی لشکر نیمہ زن ہوا اور سلطان نے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر نند کے لشکر کو دیکھا تو اس کی کثرت و شوکت دیکھ کر اس قدر

دور و دراز مقام ہر اتنی تھوڑی فوج کے ساتھ آنے سے پشیمان ہوا اور خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اس رخصت آنے پر اس کی دھڑ سے لڑائی نہیں چھیڑی۔ رات کو لشکر نے خیمہ زن ہو کر آرام کیا صبح ہوئے پر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نندا کے دل پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ وہ اپنا تمام سامان وہیں چھوڑ کر اور اپنی جان بچا کر صبح ہوئے سے پہلے ہی فرار ہو گیا ہے سلطان نے جب نندا اُس کے لشکر کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو اول کمین لگا ہوں کی دیکھ بھال اور جان بچنے پر تال کا حکم دیا کہ کہیں ہندوؤں نے کوئی جنگی چال تو نہیں چلی۔ جب راجہ کے بھاگ جانے کا یقین ہو گیا تو سلطان نے اپنی فوج کو تعاقب کرنے اور مال غنیمت حاصل کرنے کی اجازت دی۔ تھوڑی دور تک نندا کا تعاقب ہوا اور اس تعاقب میں پانچوڑا سی جنگی ہاتھی سلطانی فوج نے نندا کے آدمیوں سے پھینے۔ بہت سا سامان اور خزانہ جو نندا متزوج سے لایا تھا سب سلطان کے قبضہ میں آیا مگر نندا تیز رفتاری سے جان بچا کر نکل گیا اور سلطان نے اس کا زیادہ تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اسی فتح کو کافی سمجھ کر وہاں سے غزنی کی جانب واپس ہوا کیونکہ اُس کو اب بے پال ثانی کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

پنجاب کا حکومت اسلامی میں شمول | غزنی پہنچ کر سلطان نے ارادہ کیا کہ پنجاب کو حکومت اسلامیہ میں شامل کر لیا جائے۔

بے پال ثانی کی حرکات ناشائستہ نے اُس کو اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ اُس کے ساتھ کوئی رعایت مرعی رکھی جائے۔ مگر سلطان کو قریباً دو سال تک سوات اور پونیر کی طرف معروف و متوجہ رہنا پڑا۔ وہاں سے مطمئن ہو کر اُس نے میں سلطان نے پنجاب و لاہور کا قصد کیا۔ بے پال ثانی تاب مقاومت نہ کر لایا اور اسے امیر کی جانب فرار ہوا کیونکہ اب وہ کشمیر کی جانب ہٹنا نہ گزیر نہیں ہو سکتا تھا جہاں کا راجہ پہلے ہی سلطان کا حلقہ گوش بن چکا تھا۔ سلطان نے لاہور میں داخل ہو کر قیام کیا پنجاب کے اضلاع میں عامل مقرر کر کے اپنے نام کا سکھ خطبہ جاری کیا اور اس وقت سے پنجاب سلطنت غزنی میں شامل ہوا۔ یہ کام سلطان اب سے بہت پہلے بھی کر سکتا تھا مگر اُس نے نہ چاہا کہ یہاں کے مذہبی حکمران خاندان کو محروم و متاثر کرے۔ اُس نے بار بار خطا تیں دیکھ کر بار بار معافی دی اور عفو و درگزر سے کام لیا۔ اس عفو و درگزر کی مثالیں دوسری قوموں کی تاریخ میں ہرگز دستیاب نہیں ہو سکتیں مگر حیرت ہے کہ محمود کو ظالم اور ڈاکو کا خطاب دیا جاتا ہے۔ محمود لاہور میں اپنے عزیز غلام آواز کو پنجاب کا صیغہ

ہنا کر غزنی کی جانب چلا گیا۔ پنجاب کے اس پہلے مسلمان گورنر کی درجہ کشمیری النسل تھا) قبر لاہور کی کنک منڈی کے متصل آج تک موجود ہے۔

والی کالنجر کی اطاعت | سلطنت میں سلطان نے ایک زبردست لشکر ہمراہ لے کر ننداکہ سرکوبی کے لئے غزنی سے کوچ کیا۔ راستے میں گوالیار کے راجہ نے محمود کے لشکر کو روکا اور منفا بلکہ ہر مستعد ہوا لیکن اس کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ محمود کی اطاعت ہی موجب فلاح و بہبود ہے چنانچہ اس نے پینتیس ہاتھی سلطان کی خدمت میں بطور نذرانہ بھیج کر امان طلب کی اور آئندہ مطیع و منقاد رہنے کا وعدہ کیا۔ گوالیار سے سلطان کالنجر کی طرف روانہ ہوا۔ کالنجر کا راجہ ننداقلعہ بند ہو بیٹھا۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا چند روز کے بعد راجہ نے عاجز ہو کر بعد راجہ نے عاجز ہو کر درخواست بھیجی کہ تین سو ہاتھی مجھ سے بطور نذرانہ قبول فرما کر میری جان بخشی اور تاج بخشی فرمائی جائے۔ سلطان محمود کبھی کسی کی درخواست صلح یا اقرار اطاعت کو رد نہیں فرماتا تھا چنانچہ اس نے راجہ کی یہ درخواست منظور کر لی۔ راجہ نے تین سو ہاتھی خالی بلا ہاتھ و تول کے قلعہ کے دروازے سے باہر نکال دیئے سلطان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کو پکڑ لو چنانچہ سلطانی بہادران نے بلا خوف و خطر ان ہاتھیوں کو قابو میں کر لیا اور قلعہ والے جو اوپر سے تماشا دیکھ رہے تھے محمودی سپاہیوں کی چابک دستی و مستعدی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اگلے دن راجہ نے سلطان محمود کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا سلطان نے یہ قصیدہ اپنے ان ہمراہیوں کو جو ہندی زبان جانتے تھے دکھا اور ہندی زبان کے مسلّم افشاہ و ازوں سے ننداکہ کی شاعری کا مرتبہ دریافت کیا۔ ان لوگوں نے سلطان کو قصیدہ کا ترجمہ سنایا اور ننداکہ کی شاعری کی تعریف کی۔ سلطان نے خوش ہو کر اس مدحیہ قصیدے کے سبلے میں پندرہ قلمے ریاست کالنجر میں اپنی طرف سے شامل کئے راجہ نندا نے اس گراں سنگ انعام سے مفتخر ہو کر بہت سے قیمتی تحائف اور نذرانے سلطان کی خدمت میں بھیجے۔ بھان رائے لکھتا ہے کہ

”راجہ نندا شعر ہندی بجا بہت متین و استعرا رات رنگین کہ پسندیدہ شعر فہان
خرد گزیدہ، دگرزیدہ سخن دان دانش آئیں بودہ باشد در مدح سلطان نوشہ
ارسال داشت زبان دانان ہند مضمون آں را بعرض رسانیدند سلطان مسرت
اند و ز گشتہ تحسین نمود و بجلد وئے آں منشور حکومت پانژدہ قلعہ ضمیمہ کالنجر

نہ رہے یا تحفہ دلچیز، قیمت قدر اور اجرت ان کی ہر ایک چیز پر جو اس پر ہوتا تھا اور بعض اوقات بہت سی مال و دولت کے ساتھ، وہ سلطان بعد کے بغوزی سردار کو دیتا تھا۔ اس کے بعد سلطان محمود کو پنجاب کے اکثر تمام ملکوں میں آگے کی طرف متنبہ کیا گیا اور اس کی اور بہت سی چیزیں بھی دیاں گئیں۔ دفرالہ، پروار اور ہمدرد و راجہ، انہوں کو بھی دیا گیا اور اس قدر انعام و تحفا کہ وہ ہر سال کے بعد سلطان محمود میں بے حد شوق پیدا ہو گیا۔ اس کے پاس کا لشکر میں بیچ دیا کہ اس کو اپنے قلعہ میں نظر بند رکھو۔ اسرائیل بن سلجوق سات برس تک کا لشکر کے قلعہ میں نظر بند رہا اور اس کے بعد سلطان محمود کی وفات کے بعد سلطان محمود بن محمود کے حکم سے رہا ہو کر غزنی اور وہاں سے اپنے قبیلہ میں گیا یہ وہی اسرائیل بن سلجوق ہے جس کی اولاد میں سادات ہیں، وہی بھڑی، کئے آخر تک انشاہ کے کوچ کی حکومت و سلطنت رہی اور ان کے جانشین، سلاطین عثمانیہ ہوئے۔ ایک مسلمان اور زبردست سلجوقی سردار کا کا لشکر کے قلعہ میں قید رکھنا دلیل اس بات کی ہے کہ محمود کو کا لشکر کے راجہ کی فرماں برداری پر پورا پورا اعتماد تھا اور کا لشکر کا راجہ نہ صرف محمود بلکہ اس کے بیٹے کا بھی فرماں پذیر رہا۔ جس سال اسرائیل بن سلجوق کو گرفتار کر کے کا لشکر میں قید رہنے کے لئے بھیجا ہے اسی سال ماوراءالنہر کے حاکم علی بن یحییٰ کو بھی گرفتار کر کے اسی قلعہ میں بھیجا گیا تھا چنانچہ علی بن یحییٰ کا لشکر بھی قید رہا۔ اسی سال احمد بن حسن ہمدردی وزیر اعظم بھی اسی قلعہ میں قید کیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود نے کا لشکر کو لانا پانی بنا رکھا تھا۔

سومناٹ پر حملہ

علی تگین کے فتنے سے فارغ ہو کر سلطان غزنی میں آیا تو اس کے پاس خیر بچی کہ متھرا و مہابن اور تھانیسر کے برہمنوں نے اپنے دوسرے مرکز سومناٹ (ملک گجرات) میں جہاں پناہ لی ہے اور گجرات کے راجہ کی سرپرستی میں انواع و اقسام کی فریب دیئے والی باتیں شائع کر رہے ہیں نیز سندھ و فارس و گجرات کے بقیہ السیف و قرامطہ بھی اسی جگہ فراہم ہو گئے ہیں اور انھوں نے فرماں روا سے مصر سے خط و کتابت شروع کر دی ہے۔ سومناٹ کا ذکر حملہ محمودی سے پہلے ہندوستان کی ملکی و مذہبی تاریخ میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ اس جگہ پہلے سے کوئی معمولی اور غیر مشہور مندر ہو لیکن وہ کوئی مرکزی بت خانہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو چینی سیاح بھی اس کا ذکر کرتا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے

کہ تھا نسر کے بت سوم جگ کی بجائے سومات کو قائم کیا گیا تھا۔ یا یہ کہ سوم جگ اور سومات دونوں کی بنیاد سائنس پر ہے۔ اتھو دو مختلف مقامات میں رکھی گئی تھیں۔ ان دونوں بتوں یا بت خانوں کے نام میں لفظ سوم موجود ہے جو دلیل اس بات کی ہے کہ یہ مندر یا یہ بت چاند سے منسوب ہے۔ سورج کو بتی اور چاند کو بتی کے موقع پر سوم جگ اور سومات دونوں مندروں میں ایکساں پرستش ہوتی تھی۔ اٹھواٹھ عرب کے تمام مشرکوں میں چاند کے بت کو عام طور پر فضیلت حاصل تھی۔ قرآن میں بھی رعایت یہی سوم چاند کے بت میں مد نظر رکھی گئی ہو تو تعجب نہیں سومات کی نسبت بھان رائے لکھتے کہ

”گر ہندو زمان پہنچے رکھی بت را از خاۃ کعبہ بر آرد وہ درآں جاگذاشته اند“

برہمنوں نے تمام ملک میں اس بات کو شہرت دی تھی کہ سومات کا بت تھا نسر اور تھل کے بتوں سے ناراض تھا لہذا اس نے موقع دیا کہ محمود ان بتوں کو توڑ دے اور اسی لئے سومات نے نسر کی مخالفت میں کوئی کام نہیں کیا۔ لیکن اب سومات ایک چشم زدن میں محمود کا کام تمام کر دے گا کیونکہ وہ تمام بتوں کا بادشاہ ہے اور سمندر اس کی عبادت کے لئے مقررات میں حاضر ہوتا ہے چونکہ سومات بالکل سمندر کے کنارے گجرات کے جنوبی ساحل پر واقع ہوا تھا لہذا بحار بھائے کے وقت سمندر کا پانی کبھی مندر کی دیواروں سے آکر ٹکراتا اور کبھی میلوں فاصلے پر چلا جاتا تھا۔ ہوا بھٹا سمندر میں چاند کی گردش سے قمری مہینے کی مقررہ تاریخوں میں چونکہ آٹھ اس لئے مقررہ اوقات میں سمندر کے پانی کا سمندر تک آنا سمندر کا بت کی عبادت کے لئے آنا بیان کیا گیا اور شمالی ہند اور دروازے رہنے والوں کو یہاں لاکھ اور سمندر کے اس طرح برائے عبادت آنے کا تماشا دکھا کر متقاعد کیا گیا۔ یہ لوگ چونکہ ساحل سمندر کے رہنے والے نہ تھے انھوں نے اس نظارہ کو دیکھ کر بت کی عظمت بلا تامل تسلیم کر لی اور اپنے اپنے شہروں میں جا کر دوسروں کو یہ حال سنایا اور سومات پہنچنے کی ترغیب دی۔ شمالی ہند کے لوگوں کا اتنا بندھ گیا کہ لوگ ہر دھارے گنگا کا پانی لے لے کر سومات کے بت پر چڑھانے کے لئے پہنچ گئے چنانچہ راجہ شید پرشاد ستارہ ہند نے اپنی کعبہ میں صاف طور پر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ہر دھارے گنگا کا پانی سومات پر چڑھانے کے لئے پہنچا تھا۔ اب قیاسی کر لیجئے کہ ہر دھارے سومات تک کتنے میدان و ریگستان و کوہستان ہیں اور کتنے راجاؤں کی حکومتیں راستے میں پڑتی ہوں گی۔ یہی وہ تھی کہ یک جہت تمام ہندوستان میں سومات کی شہرت ہو گئی اور سومات کو محمود سے انتظام

پینے والا ظاہر کر کے اس سازش مردہ میں جس کو عمود فنا کر چکا تھا از سر نو جان ڈالنے کی کوشش کی گئی اور سومات کی نسبت عجیب عجیب قسم کے عقیدے تراشے گئے۔ ابوالقاسم فرشتہ لکھنؤ ۳۰۰ سال پہلے سال کے خمس و عشر وار بجائے باشندہ ہر من محمود رسانیدند کہ اہل ہنود میگویند کہ ارواح بعد از مفارقت ابدان بخدمت سومات می آئند و او ہر یکے را از ارواح بہدے کہ لائق می داند و الہ نماید اما بطریق تنازع و ہم چنین مقتداے شان در حق سومات آنست کہ مدو جزو دریا از ہر اے عبادت اوست و ہر اہم می گویند کہ پوپ سومات ازاں بہا کہ سلطان محمود شکستہ اسدیت رنجیدہ بود حمایت ایشان نہ کرد والا در یک چشم زدن ہر کرا بخوابد ہلاک می تواند براخت۔

غزائنامہ مسعودی مصنفہ عنایت حسین بلگرامی میں جملہ سومات، کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”ایک روز سلطان نے جہاد سومات میں پہلوان لشکر سالار ساہو سے پیشہ لیا کہ سیکھ میں ہمارے جہاد کرے۔ سے ہنود نے یہ بات بنائی کہ سومات کی فطرت سے ہمان ہند پر آفت آئی ورنہ سومات لشکر شاہ کوتاہ کرنا فوج کو خاک سیاہ کرتا اس وجہ سے ہم کو زعم ہنود بالکل کرنا منظور ہے بت سومات کو توڑنا ضرور ہے۔“

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سومات کا مندر کوٹن کے زمانہ سے قائم تھا اور اسی لئے متھرا و ٹمنا بیرو مہابن کے لوگوں کو اس مندر سے قدیمی تعلق تھا کیونکہ یہ لوگ، دارکار گجرات، کی عظمت ہر دور و متھرا سے کم نہ سمجھتے تھے۔ اس مندر میں پانسو لہواں لڑکیاں سومات کی خدمت کے لئے ایسی موجود رہتی تھیں جو اجاؤں اور بڑے بڑے ہندو سرطوروں کی بیٹیاں تھیں۔ دو ہزار ہر ہن اس مندر کے پجاری تھے جو رات دن وہیں مصروف جس لازمی رہتے تھے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سومات میں کس قدر لوگوں کا ہجوم رہتا ہوگا۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جب محمود غزنوی سومات کے قریب پہنچا ہے تو مندر اور شہر میں ایک نہایت زبردست فوج کو مقابلہ پر مستعد پایا۔ یہ فوج اور جنگی سامان کسی مندر یا عبادت گاہ کے لئے جزو لازم نہیں ہو سکتے تھے۔

سومات میں ایک نہایت زبردست جنگی طاقت کا موجود سومات پر حملے کی وجہ ہونا کافی دلیل اس بات کی ہے کہ یہ کوئی نہایت اہم

سازشی مرکز تھا اور اسی سے سلطان محمود غزنوی کے حملہ آور ہونے کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ملکم صاحب نے سومنات کے مندر کی نسبت ایک اور بھی نئی بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ

” یہ مندر وہ تھا جس کے پجاری سومنات کے زور و قوت پر فخر کرتے تھے اور شمالی ہندوستان کے باشندوں کی ستم شعاری بدکرداری اور وہاں کے دیوتاؤں کے ضعف و ناتوانی کو وہاں کی آفتوں اور مصیبتوں کا باعث بتاتے تھے۔“

اگر ملکم صاحب کے اس بیان کو صحیح سمجھ لیا جائے تو سلطان محمود کے اس حملہ کی ایک نئی وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ خود شمالی ہندوستان کے ہندوؤں ہی نے سلطان محمود کو سومنات پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ہوگی اور انھوں ہی نے سومنات کی نسبت ایسی ایسی خبریں سلطان تک پہنچائی ہوں گی کہ وہ حملہ آور ہونے پر مجبور ہو جائے اور شمالی ہند کے بتوں کی تحقیر کر کے سومنات والے جو فخر و غرور کرتے اور ڈینگیں لاتے تھے وہ بھی اپنے بت کی بے بسی و بے چارگی دیکھ کر سیدھے ہو جائیں۔ روضۃ الصفا کی روایت کے موافق سلطان محمود نے دہم ماہ شعبان ۴۸۵ھ کو مدہ لشکر غزنی سے کوچ کیا اور ۵ رمضان ۴۸۵ھ کو ملتان پہنچا۔ ملتان سے سلطان گجرات کی طرف روانہ ہوا یہ حملہ درحقیقت سلطان محمود کو گجرات کے راجہ پر کرنا ضروری تھا۔ سومنات کی جدید شہرت اور سازشی مرکز ہونے کا حال سن کر اس نے یہاں کے جنگی اجتماع کو منتشر اور سازشی گروہ کو ہلاک کرنا ضروری سمجھا جو گجرات کے راجہ کی سرپرستی میں مصروف کار تھا۔ محمود نے بین ہزار اونٹوں پر پانی کی مشکیں لاد کر ملتان سے کوچ کیا وہ اول انھلواڑہ (نہر ووالہ) دارالسلطنت گجرات پہنچا۔ گجرات کا راجہ اس اچانک حملہ سے سراپیمہ ہو کر اور شہر چھوڑ کر کسی طرف کو بھاگ گیا محمود نے اس شہر میں قیام کرنے یا اس کے لوٹنے کا مطلق خیال نہیں کیا بلکہ نہر ووالہ سے سومنات کی طرف روانہ ہوا سوچتا والوں کو بھی اس اچانک حملے کی پہلے سے اطلاع نہ تھی۔ محمود کو فسیل شہر کے نیچے دیکھ کر شہر والوں نے فسیل کے اوپر سے کہا کہ تمھاری موت تم کو یہاں کھینچ کر لائی ہے یاد رکھو کہ اب تم یہاں سے بچ کر ہرگز نہیں جا سکتے اور سومنات اب تم سب کو ضرور

آئینہ حقیقت نما

ہلاک کر ڈالے گا۔ محمود نے اس کے جواب میں اپنے سواروں کو تیر اندازی کا حکم
 فڑا کی شروع ہو گئی۔ سومنات میں دس ہزار سے زیادہ بہادر راہبوتوں کی فوج
 اور اب تو شہر کے باشندے بھی مسلح ہو کر مقابلے پر مستعد ہو گئے تھے۔ محمود
 تیس ہزار سپاہی تھے شہر سومنات کے تین طرف سمندر اور ایک سمت خشکی تھی
 خشکی کی جانب سے محمودی لشکر حملہ آور ہوا تھا۔ سلطان نے سب سے پہلا کام
 کہ ساحل سمندر پر جس قدر کشتیاں دستیاب ہو سکیں ان سب پر قبضہ کر کے ان
 ایک حصہ فوج بٹھا کر جو عموماً ہندو سپاہیوں پر مشتمل تھا حکم دیا کہ تم سمندر کی جا
 سے شہر کا محاصرہ جاری رکھو اور کوئی بحری امداد شہر والوں کو نہ پہنچے۔ دو۔ سلطان کو
 احتیاط اور اس ادلیں کا روایتی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ضرور یہ اندیشہ تھا کہ
 والوں کے لئے خلیج فارس اور بحر عمان سے قرامطہ کی امداد پہنچ سکتی ہے ورنہ کسی
 ریاست سے تو جہازوں کے ذریعہ فوجی امداد کے آنے کا احتمال ہی نہ تھا۔ سومنات
 نے دو دن تک بڑی بہادری اور جاں فروشی کے ساتھ مقابلہ کیا تیسرے دن نہرو
 کے راہ پر دم دیو اور اسی نواح کے دوسرے راہہ دابشلیم نامی نے اپنی فوجوں کو فوج
 و آراستہ کر کے سومنات کے بجائے اور سومنات کی فوج کو امداد پہنچانے کے لئے
 چالیس ہزار فوج سے حملہ کیا۔ ادھر محمود سومنات کی فوج سے مصروف پیکا رہتو
 ادھر پیچھے سے یہ زہرہ دست فوج آئی اور محمودی لشکر دونوں فوجوں کے بیچ میں گھر
 یہ دقت بڑا نازک تھا لیکن محمود نے اپنے خدا سے مدد طلب کی دعا مانگی اور فوج
 دو حصہ کر کے ایک حصہ کو سومنات کی جانب مصروف جنگ رکھا اور دوسرے
 ان راہوں کی حملہ آور فوج پر خود حملہ آور ہوا۔ شہر والے بھی اب بہت دلیری اور جرات
 کے ساتھ لڑنے لگے۔ لیکن محمود نے تھوڑی ہی دیر میں ہرم دیو اور دابشلیم کی فوج کو شکست
 دے کر بھاگ دیا اس فتح کے ساتھ ہی سومنات کی فوج نے ہمت ہار دی۔ اور محمود
 لشکر فیصل شہر پر قابض ہو کر شہر میں داخل ہوا۔ پانچ ہزار کے قریب راہبوت لڑائی
 مارے گئے پانچ ہزار کے قریب سمندر کی جانب کشتیوں میں سوار ہو ہو کر بھاگے اور
 سپاہیوں نے جو پہلے سے کشتیوں میں سوار تھے ان کو غرق کیا۔

سومناٹ کی فتح کے بعد

سومناٹ کی فتح اور جیت شکنی کے بعد سلطان محمود نے پرم دیو راجہ نہرو والہ کو سزا دینا ضروری سمجھا۔ لیکن وہ پہلے ہی نہرو والہ سے تمام خزانہ اور زر و جواہر لے کر ساحلِ گجرات کے قریب کسی جزیرہ میں چلا گیا تھا۔ محمود نے اُس جزیرہ میں پہنچ کر اُس کو محصور کیا وہ وہاں سے بھیس بدل کر اور چھپ کر نکل بھاگا اور اپنی جان بچا کر لے گیا۔ مگر اُس کا مال و اسباب سب محمود کے قبضہ میں آیا اُس کے بعد محمود نے نہرو والہ میں آکر قیام کیا اور ملکِ گجرات کو فساد دی اور شر انگیز مادہ سے پاک کیا۔ پھر محمود نے سومناٹ کے لوگوں کو بلایا کہ تم کس کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہو۔ انھوں نے اپنے مندر کے ایک پجاری کا نام لیا جو راجہ وانشلیم کا بھائی تھا اُس نے وانشلیم سے خوف ظاہر کیا محمود نے حملہ کر کے وانشلیم کو گرفتار کر لیا اور وانشلیم کے بھائی کو گجرات و سومناٹ کا فرماں روا بنا کر وانشلیم کو اپنے ہمراہ غزنی لے گیا جب دوسرے سال وانشلیم کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو اُس نے وانشلیم کو گجرات و سومناٹ کی حکومت پر مامور کر کے غزنی سے روانہ کیا۔ اس حملہ سومناٹ میں محمود کے ڈھائی سال صرف ہوئے اور وہ حاکمہ میں غزنی واپس پہنچا۔ اسی حملے میں واپس جاتے ہوئے اُس نے اجمیر کے راجہ کی بھی گوشمالی کی اور اُس سے اقرارِ اطاعت لے کر اور قریباً تمام راجپوتانہ کو اپنی حکومت میں شامل کرنے غزنی پہنچا۔ پنجاب، ملتان، سندھ اور گجرات کے صوبے براہِ راست غزنی کی سلطنت میں شامل ہو چکے تھے۔ کالنجرتک کے راجہ محمود کے پاس خسرانِ بھیجے اور اُس کی فرماں برداری کو موجبِ فخر جانتے تھے۔ محمود نے سومناٹ میں داخل ہو کر سومناٹ کی صورت کو ضرور توڑا لیکن شہر کے باشندوں کا قتل عام نہیں کرایا۔ بلکہ گجرات والوں کے ساتھ بے حد رعایت و محبت کے ساتھ پیش آیا۔ تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان محمود گجرات ہی میں مستقل سکونت اختیار کرنے اور نہرو والہ کو اپنا دارالسلطنت بنانے پر آمادہ تھا مگر اُس کے وزیروں اور سرداروں نے اس رائے کی مخالفت کی اور اُس کو غزنی لے گئے۔ غالباً محمود گجرات میں اسی لئے رہنا چاہتا ہو گا کہ یہاں رہنے سے قرامطہ بحرین کا بخوبی استیصال ہو سکتا تھا۔ سلطان محمود کی ساری عمر قرامطہ کی بیخ کنی میں صرف ہوئی۔ چنانچہ گجرات سے غزنی پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ رے میں قرامطہ نے مادہ فساد فراہم کر دیا ہے ساتھ ہی صوبہ طوس کے عامل کی عرض داشت پہنچی کہ اس طرف قرامطہ کی لڑائی کا قہقہہ

آپ کے آئے بغیر فرو نہ ہو گا چنانچہ اول سلطان طوس کی طرف گیا وہاں سے فارغ ہو کر پہنچا اور قرامطہ کی بیخ کنی کی۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ

”امیر طوس بعد از جنگہائے عظیم سلطان لاشت کہ تدارک فساد بجز آنکہ سلطان بذات خویش حرکت فرماید ممکن نیست۔ سلطان بذات خویش توجہ نمودہ استیصال ترکمانان نمود از انجا برے رفتہ خزائن و دفائن رے کہ حکام آنجا بسالہائے دراز اندوختہ بودند بے محنت و مشقت بدست آورد و از باطل مذہبان و قرامطہ آنجا بسیار بودند ہر کہ ثابت شد بقتل رسید و ایں ولایت رے و اصفہان را بامیر مسعودادہ خود بغزنی مراجعت نمود۔“

روز پنجشنبہ ۲۳ ربیع الآخر ۴۳۲ھ کو سلطان محمود نے وفات پائی۔ اُس کی تمام فوج کشیوں کا حال جو اُس ہندوستان پر کہیں اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہر ایک شخص خود ہی غور کر کے سلطان محمود کا متعلق رائے قائم کر سکتا ہے کہ اُس کی لوٹ مار اور ظلم و ستم کے افسانے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ میں اس وقت سلطان محمود غزنوی کی علم دوستی۔ علم پروری۔ منصف مزاجی۔ رعیت نوازی کی شان و رسوائی بھی نقل نہیں کرتا ہوں جو تاریخوں کے صفحات کی زینت اور مسلم فرمان رواؤں کے لئے موجب افتخار ہیں۔ میں اس وقت صرف الفسٹن صاحب کا یہ قول اور سننا چاہتا ہوں کہ

”یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس نے (سلطان محمود نے) ایک ہندو کو بھی مسلمان بنایا ہو۔“

پھر یہی مورخ آگے کہتا ہے کہ

”سوائے لڑائی کے اُس نے کسی ہندو کو قتل نہیں کیا۔“

اس باب کے ختم کرنے سے پہلے ہم کو سلطان محمود غزنوی کی اولاد اور اُس کے ہندو سپہ سالاروں اور ہندو لشکروں کا بھی مجمل طور پر کچھ بیان کر دینا چاہیے تاکہ ہمارے ہندو دوستوں میں مسلمانوں کی حملہ آوری کی کیفیت کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہو سکے۔

سلطنت غزنی کا ہندو لشکر | جب سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوا ہے تو اُس کا بیٹا مسعود اصفہان میں اور دوسرا بیٹا محمد گرگان میں تھا

اور سلطان محمود کی اولاد |

محمد بن محمود اول غزنوی پہنچا اور باپ کی جگہ تخت

نشین ہوا۔ امرائے سلطنت مسعود بن محمود کی جانب زیادہ مائل تھے اُن کو محمد بن محمود کی تخت نشینی کچھ پسند نہ تھی۔ پچاس روز تک سب خاموش رہے پچاسویں روز امیر ایاز نے جولاہور سے غزنی آیا ہوا تھا دوسرے شاہی غلاموں کو اپنا ہم خیال بنا کر اور سب سے قسمیں لے کر ایک دوسرے امیر ابو الحسن علی بن عبد اللہ معروف بہ علی دایہ کو بھی اپنا شریک کار بنایا اور دونوں امیر اپنی اپنی جمعیت لے کر اور شاہی طویلہ سے زبردستی گھوڑوں پر چڑھ کر امیر مسعود کی طرف روانہ ہوئے سلطان محمد بن محمود کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے سوندیرائے ہند و سردار کو ان دونوں امیروں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ طبقات اکبری کے الفاظ یہ ہیں۔

”امیر محمد سوندیرائے ہند و را بالشرک بسیار بہ تعاقب ایشان فرستاد چوں سوندیرا
و جمع کثیر از ہند و اں کشتہ شدند و از غلامان نیز جمع کثیر بقتل آمدہ سرہائے
ایشان را نزد امیر محمد فرستادند و ایاز و علی دایہ ہم چنان با اتفاق غلامان
بہ تعبیل مہر فتند تا با امیر مسعود در نیشاپور رسیدند“

سوندیرائے سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے ہندو لشکر کا سپہ سالار تھا۔
سلطان مسعود | امیر مسعود نے غزنی پر حملہ کر کے امیر محمد بن محمود کو گرفتار کر کے اندھا کر لیا
اور ایک قلعہ میں محبوس و نظر بند کر دیا اور تخت سلطنت پر جلوس کر کے ہندوؤں کی سپہ سالاری
سوندیرائے کی جگہ ناٹھ نامی ہندو کو عطا کی۔ مسعود میں کچھ دکران کا صوبہ براہ راست سلطنت
غزنوی میں شامل ہوا اور سلطان مسعود کے نام کا سکہ خطبہ دہاں جاری ہوا سلطان محمود غزنوی
نے اپنی وفات سے پہلے احمد بن حسن بہمنی کو معزول کر کے کالجبر کے قلعہ میں قید کر دیا تھا اور
اُس کی جگہ احمد بن حسین بن میکاتیل کو اپنا وزیر بنایا تھا جو سلطان محمود کی وفات تک وزارت
کے عہدے پر مامور رہا۔ سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد احمد بن حسین بن میکاتیل حج کے لئے
چلا گیا تھا وہاں ملک حجاز پر چونکہ عبید یوں کا تسلط تھا لہذا حجاز سے اس وزیر کو عبیدی فرمانروا
نے مصر بلوایا اور خوب خاطر مدارات بجا لاکر اپنی طرف مائل کیا۔ احمد بن حسن نے عبیدی فرمانروا
کی بیعت کی اور سلطنت غزنوی کے خلاف اشاعتی مقصد کو پورا کرنے کے ارادے سے واپس گیا
یہاں اُس کے آنے پر قرامطہ اس کے پاس آئے جائے گئے۔ یہ حال سلطان مسعود کو معلوم ہوا اُس

نے بلاتامل ۲۳ھ میں احمد بن حسن بن میکائیل کو بلخ میں بچھانسی دے کر مار ڈالا۔ اسی سال احمد بن حسن یمندی نے وفات پائی اور اسی سال سلطنت غزنی کا سپہ سالار اعظم التونتاش جو بڑا تجربہ کار شخص تھا فوت ہوا۔ ۲۴ھ میں سلطان مسعود نے قلعہ سرتی پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ کشمیر کے کسی درہ میں واقع تھا یہاں حملہ کرنے کی یہ وجہ ہوئی تھی کہ کچھ مسلمان سوداگر اس طرف آئے تھے قلعہ والوں نے ان سوداگروں کو پکڑ کر ان کا تمام مال و اسباب چھین لیا اور ان کو قلعہ میں قید کر دیا۔ یہ خبر سن کر سلطان مسعود نے قلعہ سرتی پر حملہ کیا اور قلعہ والوں کو سزا دے کر سوداگروں کو آزاد کرایا اور ان کے اموال ان کو واپس دلانے یہ سلطان مسعود بن محمود کا ہندوستان پر پہلا حملہ تھا۔ سلطان محمود کا غلام آواز پنجاب کی حکومت عبداللہ قرانگین یا قاضی شیراز کے سپرد کر کے غزنی چلا گیا تھا اور آواز ہی کی کوشش و پامروئی سے سلطان مسعود کو تخت ملا تھا۔ لہذا سلطان مسعود نے آواز کو اپنی مصاحبت میں رکھ لیا تھا۔ اب ۲۵ھ میں سلطان مسعود کو ہندوستان آنا پڑا تو اُس نے پنجاب کے صوبے کی حکومت کا یہ مستقل انتظام کیا کہ احمد نیا تلگین کو ہندوستان کا سپہ سالار بنایا اور قاضی شیراز کو ہندوستان کے عہدہ قضا پر مامور رکھا۔ اُس زمانہ میں ملک کے انتظام کا یہ قاعدہ تھا کہ کسی ملک یا صوبہ کا ایک سپہ سالار ہوتا تھا جس کا کام فتوحات حاصل کرنا، فوج پر اقتدار قائم رکھنا اور ماتحت رئیسوں سے خراج وصول کرنا تھا۔ دوسرا بڑا افسر قاضی ہوتا تھا قاضی تمام مالی اور اندرونی انتظام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ سلطان مسعود نے جب احمد نیا تلگین کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا تو قاضی شیراز نے جولاہوں میں قاضی ہندوستان کی حیثیت سے مقیم تھا احمد نیا تلگین کی سپہ سالاری کو ناپسند کیا۔ احمد نیا تلگین سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں سلطنت کے نہایت اہم اور ذمہ دارانہ عہدوں پر مامور رہ چکا تھا۔ سلطان محمود کا بڑا مزاج داں اور سلطان اُس پر بے حد مہربان تھا۔ احمد نیا تلگین اپنی فوج لے کر لاہور سے مشرق کی جانب روانہ ہوا اور کالنجری تک کے تمام راجاؤں سے مقررہ خراج وصول کرتا ہوا چلا گیا۔ راستہ میں وہ بنارس بھی گیا اور وہاں کے راجہ کو مطیع بنا کر خراج وصول کیا جو چھوٹے چھوٹے راجہ اور ٹھاکر ایسے رہ گئے تھے کہ ان پر نہ سلطان محمود غزنوی نے حملہ کیا تھا نہ کوئی اقرار فرماں برداری ان سے لیا گیا تھا ان کو احمد نیا تلگین نے اقرار اطاعت اور خراج گذاری پر مجبور کیا اور اس طرح شمالی ہند میں صوبہ بہار تک سلطنت غزنی

کی باقاعدہ شہنشاہی اور سیادت قائم ہو گئی۔ ہر ایک چھوٹے بڑے راجہ نے خراج گزاری اور سلطنت غرنی کی فرماں برداری اپنا فرض سمجھا۔ قاضی شیراز نے احمد نیا لتگیں کی غیر حاضری میں اس کی شکایتیں لکھ لکھ کر سلطان مسعود کے پاس بھیجی شروع کہیں اس نے سلطان کو لکھا کہ میرے خالص مختار احمد نیا لتگیں کے ہمراہ، میں انہوں نے مجھ کو لکھا ہے کہ احمد نیا لتگیں بغاوت اور اپنی خود مختاری کے اعلان کی تیاری کر رہا ہے اس قسم کے شکایتی خطوط قاضی شیراز نے سلطان کے پاس ہمیں کے قریب روانہ کئے۔ ہر خط میں سلطان کو احمد نیا لتگیں کی بغاوت اور عزم فاسد کا یقین دلایا جاتا تھا۔ اُدھر احمد نیا لتگیں کے خطوط ٹھا کروں سے خراج وصول ہونے اور شاہی خزانے کی حالت درست ہونے کی خوشخبری پر مشتمل براہ راست پہنچ رہے تھے۔ سلطان مسعود حیران تھا کہ ایک طرف احمد نیا لتگیں کے خطوط سے خلوص کی خوشبو آتی ہے دوسری طرف قاضی کے خطوط سے اس کی بغاوت و سرکشی کی تیاریوں کا حال ظاہر ہوتا ہے۔ آخر احمد نیا لتگیں اضلاع مشرق سے فارغ ہو کر لاہور واپس آیا تو قاضی شیراز نے اس کو لاہور میں داخل نہ ہونے دیا اور سلطان کو لکھا کہ وہ لاہور پر قابض ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے والا ہے۔ سلطان مسعود نے تفتیش احوال اور ضرورت ہو تو احمد نیا لتگیں کے گرفتار کر لینے کے لئے نائنہ نامی سپہ سالار کو مامور کیا کہ اپنی ہندو فوج لے کر جاؤ۔ نائنہ نے پنجاب آتے ہی قاضی شیراز کی باتوں میں آکر احمد نیا لتگیں پر حملہ کر دیا احمد نیا لتگیں کو مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا۔ اس لڑائی میں نائنہ مارا گیا۔ نائنہ کے مارے جانے کا حال سن کر سلطان مسعود کو احمد نیا لتگیں کے باغی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا مگر دوسرے تمام سردار احمد نیا لتگیں کو بے گناہ جانتے اور قاضی شیراز کی شرارتوں سے واقف تھے مگر سلطان کے خوف سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ سلطان مسعود باغ صد نہراہ میں فردکش تھا تمام سرداروں، سپہ سالاروں، امیروں، وزیروں اور مصاحبوں کو بلا کر مجلس مشورت منعقد کی اور کہا کہ بناء احمد نیا لتگیں کے فتنے سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔ ان ایام میں وزیر اعظم خٹان و طخارستان کی طرف گیا ہوا تھا۔ سپہ سالار اعظم موجود تھا اس نے کہا کہ مجھ کو حکم دیجئے میں لاہور جا کر سب بندوبست کر دوں گا۔ سلطان نے کہا کہ تجھ کو خراسان کی طرف بھیجنے کی سخت ضرورت ہے اگر میں خود اس طرف گیا تب بھی تجھ کو میرے ہمراہ چلنا ضروری ہے۔ سپہ سالار نے کہا کہ اس مجلس میں اور بھی بہت سے سردار

موجود ہیں جس کو آپ حکم میں گئے وہ تعمیل کرے گا چونکہ تمام سردار احمد نیا تلگین کی بے گناہی اور قاضی کی شرارت سے واقف تھے اس لئے سب یہی چاہتے تھے کہ سپہ سالار اعظم یا وزیر اعظم جائے اور وہاں پہنچ کر اصلیت یعنی قاضی کی شرارت سے سلطان کو آگاہ کرے۔ احمد نیا تلگین پر چونکہ بغاوت کا الزام لگ چکا تھا اس لئے اس کی سفارش کرنا اب کوئی آسان کام نہ تھا۔ خود سپہ سالار اعظم بھی باوجود واقف ہونے کے اس وقت سلطان سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا اور اسی لئے وہ خود لاہور جانا چاہتا تھا۔ غرض اس مسئلہ کی پیچیدگی سے تمام سردار ابھی خاموش اور سلطانی حکم کے منتظر تھے کہ یکایک ملک نامی ہندو نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ میں لاہور جائے اور خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہوں اور چونکہ میں ہندوستانی ہوں اس لئے ہندوستان کے گرم موسم کی سختی بھی باسانی برداشت کر سکوں گا۔ یہ ہم مجھ کو سپرد فرمائی جاوے۔ سلطان مسعود ملک کی اس پیش قدمی اور جرأت سے بہت خوش ہوا اور اس کو ہندوستان کی جانب روانہ کیا۔ ملک نے ہندوستان آکر احمد نیا تلگین کو قتل کیا اور سلطان کی خدمت میں واپس پہنچ کر مورو و تحسین و آفریں ہوا۔ یہ واقعہ یعنی احمد نیا تلگین کا قتل ۱۰۲۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

قلعہ ہالنسی کی فتح | ذالحجہ ۱۰۲۶ھ کو ملک ہندوستان سے بہ مقام سرو سلطان کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ ہندوستان میں ایک قلعہ ہالنسی کا ایسا باقی رہ گیا ہے جہاں ابھی تک اسلامی لشکر کا قدم نہیں پہنچا اور ہندوستان میں اس کی نسبت شہرت ہے کہ مسلمان اس قلعہ پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ سلطان مسعود جانتا تھا کہ اس قسم کی شہرتوں کا کیسا مضراثر پیدا ہو سکتا ہے اور اسی مضراثر سے محفوظ رہنے کے لئے سلطان محمود کو سومنات پر حملہ کرنا پڑا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان مسعود سلجوقیوں کی معرکہ آرائیوں میں مصروف تھا اور خراسان و ماوراءالنہر و خوارزم کا علاقہ سلطنت غزنی کے قبضہ سے نکلنے والا تھا۔ آخر ذالحجہ ۱۰۲۸ھ کو سلطان مسعود نے وربار مشعقد کیا اور ارکان و دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں ہندوستان میں قلعہ ہالنسی کو ضرور فتح کروں گا اگرچہ آج کل ترکباتوں نے ہر طرف سے زور باندھ رکھا ہے اور تلخ و تروڑ سے وغیرہ کی طرف میرے پہنچنے کی ضرورت ہے لیکن میں تلخ کی جانب اپنے بیٹے مودود کو اور مرو کی جانب سپہ سالار کو بھیجتا ہوں اور خود ہندوستان کی طرف جاتا ہوں۔ وزیر اعظم

میری جگہ اس ملک میں رہے گا۔ بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر تمام اہل دربار نے اس رائے کی مخالفت کی اور مؤدبانہ عرض کیا کہ ہانسی کا قلعہ تو کوئی معمولی سردار یہاں سے جا کر اور لاہور کی فوج کو ہمراہ لے کر فتح کر سکتا ہے لیکن سلطان کے مرو کی جانب جانے کی اس وقت سخت ضرورت ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ ترکمانان سلجوقی تمام ملک پر چھا جائیں گے اور پھر تدارک محال ہوگا۔ سلطان نے کہا چاہے کچھ ہو میں قلعہ ہانسی کی فتح میں اب دیر نہ کرنا نہیں چاہتا۔ سلطان کو بضد اور مصردیکھ کر سب خاموش ہو گئے لیکن دربار سے نکل کر سب نے سلطان کی رائے کو ہلاکت آفریں بتایا۔ ۲۲ ذی الحجہ ۷۴۵ھ کو سلطان مسعود غزنی سے کابل کی جانب روانہ ہوا یکم محرم کو کابل سے چلا اور ۲۵ محرم ۷۴۵ھ کو دریائے جہلم کے کنارے دیتارگوٹہ کے مقام پر پہنچ کر قیام کیا یہاں بیمار ہو کر چودہ روز مقیم رہا۔ شراب سے توبہ کی۔ تمام شراب دریائے جہلم میں پھینکوا دی، شراب کے تمام برتن تڑوا دیئے۔ ابھی اسی جگہ مقیم تھا کہ کشمیر کے راجہ کے مرنے کی خبر پہنچی۔ ۱۷ رجب ۷۴۵ھ بروز شنبہ دریائے جہلم کو عبور کیا اور چہار شنبہ ۹ ربیع الاول کو قلعہ ہانسی کے سامنے پہنچ کر فصیل قلعہ کے نیچے قیام کیا۔ قلعہ کا محاصرہ کر کے لڑائی شروع کی۔ ۲ ربیع الاول ۷۴۵ھ کو بزور شمشیر قلعہ پر قبضہ کیا۔ ۲۷ ربیع الاول ۷۴۵ھ کو ہانسی سے روانہ ہو کر قلعہ سوئی پت فتح کیا پھر لاہور میں اپنے بیٹے محمد کو چھوڑ کر ایاز کو اس کے ہمراہ بطور اتالیق مقرر کیا۔ اور شروع جمادی الاول ۷۴۵ھ میں غزنی پہنچ گیا۔

سلطان کی اس غیر حاضری میں ترکمانوں نے بہت زور پکڑ لیا اور پھر اس مصیبت کا کوئی تدارک سلطان مسعود سے نہ ہو سکا۔ ۳۱ شعبہ میں ہیلیان

سلجوقیوں سے کشمکش اور سلطان مسعود کی شکست

سرخس کے اندر سلجوقیوں سے سلطان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں پانچ سو ہندو بھی سلطان کے ہمراہ موجود تھے۔ سلجوقیوں کے مقابلہ میں سلطان مسعود کو یہ ایسی شکست ہوئی کہ پھر اُس نے ہمت ہار دی۔ غزنی پہنچ کر اُس نے تمام اموال و خزانہ فراہم کئے اور سب کو اونٹوں پر بار کر کے ہندوستان کی جانب روانہ کیا۔ سرداروں اور امیروں نے ہر چند روکا لیکن سلطان مسعود نہ مانا غزنی سے تین ہزار اونٹ صرف سولے چاندی اور چار سہرت کے خزانوں سے لدے ہوئے لے کر ہندوستان کی جانب اس ارادے سے چلا کہ لاہور کو

دارالسلطنت قرار دے کر اور ہندوستان میں فوج مرتب کر کے سلجوتیوں کا مقابلہ کروں گا۔ اُس کا بیٹا محمود و ہندوستان میں پہلے ہی سے تھا تمام خزانہ ہندو لشکر کی نگرانی میں لئے ہوئے ہندوستان آیا۔

ہندو لشکر کی غدری | غزنی سے چلتے وقت اپنے بھائی محمد کو بھی جو اندھا ہونے کے بعد قید خانہ میں تھا اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔ دریائے جہلم کے کنارے پہنچ کر ہندو لشکر نے بغاوت اختیار کر کے تمام خزانہ لوٹ لیا اُس وقت سلطان مسعود کو اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس ہندو لشکر نے یہ چالاکی کی کہ سلطان مسعود کو فوراً گرفتار کر کے اُس کے بھائی محمد کو جو قید میں تھا۔ آزاد کر دیا۔ اور اُس کو زبردستی تخت نشین کر کے مسعود کو اُس کے سامنے بطور مجرم پیش کیا۔ محمد نے مسعود کو قید کیا۔ اور محمد کے بیٹے احمد نے اپنے باپ کی اجازت کے بغیر اپنے چچا مسعود کو قید خانے میں قتل کر دیا۔ اس جگہ یہ اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ سلطان محمود غزنوی سے اس لئے بہت ناخوش ہیں کہ وہ ہندوستان سے سونا اور چاندی وغیرہ لوٹ کر غزنی لے گیا تھا اُن کو خوش ہونا چاہیے کہ سلطان محمود کا بیٹا مسعود غزنوی سلطنت غزنی کا تمام خزانہ جس میں ہندوستان کی لوٹ کے علاوہ خراسان و ماوراءالنہر وغیرہ کے صوبوں کا خراج بھی شامل تھا سب کا سب ہندوستان واپس لے آیا اور دریائے جہلم کے کنارے ہندو لشکر نے وہ سب کا سب دھڑی دھڑی کر کے لوٹ لیا۔ یعنی جو سونا چاندی ہندوستان سے گیا تھا وہ معہ سود ہندوستان میں واپس آ گیا غزنی میں کچھ نہیں رہا۔ سلطان مسعود کے قتل کا حال سن کر مودود بلخ سے غزنی پہنچا اور خزانہ کو بالکل خالی پایا۔ سلطان مسعود نے یہاں تک مبالغہ سے کام لیا تھا کہ سرکاری عمارتوں کے قیمتی پردے تک بھی اُتر کر اپنے ہمراہ لے لئے تھے اور کوئی قیمتی چیز غزنی میں نہیں چھوڑی تھی۔ غزنی سے مودود باپ کا انتقام لینے کی غرض سے روانہ ہوا دھڑی دھڑی سلطان محمد بھی مقابلے پر مستعد ہو گیا۔ محمد اور اُس کا بیٹا احمد لڑائی میں مارے گئے۔ لاہور میں محمود اور ایاز پہلے سے قابض و متصرف تھے اب مودود نے لاہور پر قبضہ کرنا چاہا تو ایاز اور محمود دے مقابلہ کی تیاری کی اور مودود واپس غزنی چلا گیا۔ یہ واقعہ ۳۳۲ھ کے آخر یا ۳۳۳ھ کے شروع ایام کا ہے۔ ۳۳۳ھ کے آخر یا ۳۳۴ھ میں مودود لشکر لے کر لاہور پر حملہ آور ہوا۔ ابھی دونوں لشکروں

کا مقابلہ نہ ہونے پایا تھا کہ ۹ ماہ و ۱۳ دن کو نہایت پُر اسرار طریقے سے مجدد اپنے خیمہ کے اندر مردہ پایا گیا اور اسی قریبی زمانے میں ایاز بھی فوت ہو گیا۔ اس طرح پنجاب کا تمام ملک باسانی مودود کے قبضے میں آ گیا۔ سلطان محمود کے زمانے میں ایک ہندو سپہ سالار بچے رائے تھنا جو باغ کاہ محمودی میں رتبہ عالی رکھتا تھا اور مدیم خاص سمجھا جاتا تھا وہ سلطان محمود سے احادیات لے کر کشمیر چلا آیا تھا۔ طبقات اکبری کی روایت کے موافق ناراض ہو کر کشمیر آ گیا تھا۔ سلطان مودود نے بچے رائے کو شکستہ میں کشمیر سے اپنے دربار میں بلوایا اور بڑی تکریم و قدر دانی کے ساتھ پیش آیا۔ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے تاریخ بیہقی، تاریخ فرشتہ اور طبقات اکبری سے بطور خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ تاریخ بیہقی کا مصنف ابو الفضل بیہقی ہے جو سلطان مسعود بن محمود کا میرمنشی اور مصاحب خاص تھا اس نے ۷۵۳ھ میں اپنی تاریخ بیہقی لکھی ہے پس ظاہر ہے کہ تاریخ بیہقی سے زیادہ معتبر دوسری کتاب سلطان محمود غزنوی اور مسعود غزنوی کی نسبت ہم کو دستیاب نہیں ہو سکتی۔ میں اس جگہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تاریخ بیہقی سے ملک کا مفصل حال ترجمہ کر کے ذیل میں درج کروں یہ وہی ملک ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور جس نے احمد نیا لنگیں کو قتل کیا تھا۔

راجہ ملک سپر بے سنگھ کا حال | ملک ایک ہندو حجام کا لڑکا تھا۔ خوش گفتار و خوش سیرت تھا۔ ہندی اور فارسی بہت خوش خط لکھتا تھا۔ ایک مدت تک کشمیر میں رہ چکا تھا۔ وہاں کی شاگردین کربا و دگری اور بازی گری بھی سیکھ چکا تھا۔ کشمیر سے روانہ ہو کر قاضی شیراز ابوالحسن کی خدمت میں آیا اور اُسی کے پاس رہنے لگا۔ قاضی ابوالحسن جو قاضی شیراز کے نام سے شہرت رکھتا تھا اُس میں اور وزیر اعظم احمد بن حسن میں آن بن تھی قاضی شیراز نے ملک کو نامناسب طور پر نظر بند کر دیا اس کا حال وزیر اعظم کو معلوم ہوا تو اُس نے تین خیانتا شوں کے ہاتھ شاہی حکم بھجو کر ملک کو اپنے پاس بلوایا اور سلطان محمود سے قاضی کی شکایت کی چنانچہ قاضی پر سلطان نے عتاب نازل ہوا۔ ملک وزیر اعظم کے پاس رہنے لگا اور چند روز کے بعد وزیر اعظم نے اُس کو اپنا میرمنشی اور مترجم مقرر کر لیا۔ تاریخ بیہقی کا مصنف ابو الفضل لکھتا ہے کہ میں نے بارہا ہمیشہ خود ملک کو دیکھا ہے کہ وہ وزیر اعظم کے دربار میں دبیری و مترجمی کے علاوہ باہر کے پنچایات لاتا اور وزیر اعظم تک پہنچاتا تھا اور کام سلیقہ سے کرتا تھا جس طرح وزیر اعظم کا میرمنشی ملک

تھا اسی طرح شہزادہ ولیعہد یعنی مسعود ابن محمود کامیرونی بھی ایک ہندو تھا جس کا نام ہیرپال تھا۔ ایک روز سلطان محمود غزنوی نے وزیر اعظم خواجہ احمد بن حسن کے تمام لوگوں اور نشیوں کو بلا کر سب کی قابلیتوں کا اندازہ کرنے کے لئے امتحان لیا تاکہ جو لوگ سلطانی دربار کے قابل ہوں ان کو انتخاب کیا جائے۔ اس امتحان میں ملک سب سے زیادہ قابل ثابت ہوا۔ چنانچہ سلطان محمود نے ملک کو وزیر اعظم سے مانگ لیا اور ملک سلطانی ترجمان بہرام کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا۔ جب سلطان محمود نے اپنے بیٹے مسعود کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے دوسرے بیٹے محمد کو ولیعہد بنایا تو امرار کے دوفریق ہو گئے ایک فریق محمد کا طرف دار تھا اور دوسرا مسعود کا۔ ملک اس فریق میں شامل تھا جو مسعود کا طرفدار تھا اور سپہ سالاران ہندوان یعنی سوزنی نے اس فریق میں شامل تھا جو محمد کا غیر خواہ تھا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ سوزنی نے سلطان محمد بن محمد کے طرف سے لڑنا ہوا مارا گیا اس کے بعد ہی امیر محمد اندھا ہوا کر قید ہوا اور سلطان مسعود نے تخت نشین ہو کر سوزنی کے لئے کی جگہ ناٹھ کو ہندو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ جب ناٹھ احمد نیا تنگین کے مقابلے میں مارا گیا تو اس کی جگہ ملک کو ہندو فوج کا سپہ سالار بنایا گیا۔ سلطان مسعود نے اس کو خلعت زر عطا کیا۔ زریں طوق جس پر پے موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اپنے ہاتھ سے ملک کی گردن میں پہنایا گھوڑے عطا کئے سراپہ اور پتھرے سرفراز کیا۔ اس عزت افزائی کے موقع پر پل جس کا ہند کے راجاؤں میں دستور ہے جتا تھا۔ ایک جھنڈا جس کے اوپر طاس زریں آویزاں تھا عطا کیا۔ سرداران اعظم کے برابر بیٹھنے کی اجازت دی۔ خلوت اور خاص الخاص مشوروں میں شامل کیا جانے لگا۔ اس موقع پر ابو الفضل بھٹی کے الفاظ یہ ہیں۔

”خرد مندان چنین اتفاق بار غریب ندارند کہ کس از مادر و چہ نژاد و پد مردمانی رسد
اما شرط آنست کہ نام نیکو یادگار ماند و این ملک مردے آمد و اخلاق تنودہ نمود و آن
مدت کہ عمر یافت زیانیش نداشت کہ پسر حجامے بود و اگر باں نفس و خرد و ہمت
اصیل بودے نیکو تر نمودے کہ غطامی عصامی ہن نیکو باشد لیکن غطامی بریکشہ پشیزد
چون فضل و ادب نفس و لیاقت درس ندارند و ہمہ بخش آن باشد کہ پدرم چنین بود و شاعر سے گفت
ما بالہم نسباً و قلت فی الحسب لہذا صدقت و لکن نفس ما ولد و

یہ ذکر بھی اوپر آچکا ہے کہ کس طرح احمد نیا تنگین کی سزا دی کے لئے سلطان مسعود نے ملک کو سپہ سالار ہند بنا کر بھیجا تھا۔ تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ سلطان مسعود کو ملک کی پیش قدمی بہت پسند آئی۔ دربار برقا ست ہوا۔ سلطان نے عمل میں جا کر اپنے دیر ابو الحسن

عراقی کو تلک کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ تم کو تمام سرداروں پر فوقیت و برتری دینا چاہتے ہیں تم کسی کی رقابت سے ہرگز نہ گھبرانا جس قسم کے سامان کی ضرورت ہوگی تم کو دیا جائے گا اور کل اس مہم پر تم نامزد کر دیتے جاؤ گے تلک نے ابو الحسن عراقی کے ذریعہ چند خواہشات سلطان کی خدمت میں پیش کیں چنانچہ دربار سلطانی سے یہ فرمان جاری ہوا کہ

”جب تلک مقام برغوزک سے گذر جائے تو اس کے بعد وہ خود مختار ہے اپنے

اختیار سے جو چاہے کرے اور ہندوں کی تمام فوجیں تلک کے ہمراہ جاتیں شاہی

دبیر تلک کے ہمراہ رہے گا اور وہ تلک کے احکام اسی طرح کھیا کرے گا جیسے

کہ شاہی فرامین لکھے جاتے ہیں تلک کے تمام ہمراہی تلک کی فرماں برداری

اسی طرح کریں گے جیسے صاحب تخت بادشاہ کی کی جاتی ہے۔“

اہل دربار کو یہ تمام کارروائیاں بہت ہی شاق گذریں مگر چونکہ احمد نیا تلگین کی موت

آچکی تھی اس کے قدرتی سامان ہونے ضروری تھے۔ سلطان نے تلک کو بے قیاس اموال

و خزان اور ذخائر زر و جوہر عطا کئے۔ جب تلک کا تمام ساز و سامان درمست ہو گیا اور وہ

روانگی پر آمادہ ہوا تو سلطان نے اس کو نہایت اعلیٰ درجہ کا خلعت پہنایا نقارہ و علم عطا

کیا۔ بڑی محبت کی باتیں کیں۔ دوسرے روز سلطان قصر فیروزہ میں آکر بیٹھا۔ ہندوؤں

کا لشکر سوار و پیادہ اس کے سامنے سے گذرنا شروع ہوا۔ تلک جب سلطان کے سامنے

پہنچا تو قریب آکر گھوڑے سے اتر پڑا۔ زمین خدمت چومی اور بھر سوار ہو گیا۔ یہ منگل کا دن

جہادی الفخر کی پندرہویں تاریخ تھی۔ ڈیڑھ چھینے کے بعد تلک لاہور کے قریب پہنچ گیا اس

نے دیکھا کہ شہر پرتقاضی شیراز قابض ہے اور شہر کے قریب تھوڑے فاصلے پر احمد نیا تلگین

اپنے ہمراہیوں کو بٹھے پڑا ہے۔ تقاضی شیراز نے تلک کے پہنچنے پر بڑی خوشی اور مسرت کا

اظہار کیا۔ باشندگان لاہور کا اکثر حصہ احمد نیا تلگین کا ہوا خواہ تھا اور اس کے لشکر کو شہر

لاہور سے سامان رسد پہنچاتا رہتا تھا۔ تقاضی شیراز نے سب سے پہلے لاہور کے ان لوگوں کے

نام تلک کو بتائے جو احمد نیا تلگین کی ہمدردی کا دم بھرتے تھے تلک نے ان تمام لوگوں کو

گرفتار کر کے اپنے سامنے بلوایا اور سب کے داہنے ہاتھ کٹوا ڈالے۔ اس سخت سزا کو دیکھ کر

تمام شہر کانپ گیا اور کسی کو اتنی جرأت نہ رہی کہ احمد نیا تلگین کی ہمدردی کا دعویٰ کرے

یا اس کے لشکر کو رسد پہنچائے۔ اس کے بعد تلک اور احمد نیا تلگین میں لڑائیوں کا سلسلہ

جاری ہوا۔ تلک نے انواع و اقسام کے لالچ دے کر احمد نیا تلگین کے ہمراہیوں کو توڑنا اور اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا۔ احمد نیا تلگین کی جمعیت دن بدن کم ہونے لگی اور تلک نے اس کو کوئی ایسا موقعہ نہیں دیا کہ وہ اپنی بے گناہی کا یقین سلطان مسعود کو دلا سکتا۔ آخر چند روزہ معرکہ آرائی کے بعد احمد نیا تلگین صرف دو سو ہمراہیوں کے ساتھ لاہور سے ملتان و سندھ کی جانب چل دیا۔ تلک نے منادی کرادی کہ جو شخص احمد نیا تلگین کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو پانچ لاکھ درم انعام دیا جائے گا۔ جٹوں کی قوم اس گراں سنگ انعام کے لالچ میں اٹھ کھڑی ہوئی آخر تمام منصوبہ کے قریب دریا نے سندھ کو عبور کرتے ہوئے جٹوں نے جالیا اس وقت احمد نیا تلگین کے ہمراہ صرف چند آدمی باقی رہ گئے تھے اس نے اپنا ہاتھی دریا میں ڈالا۔ دوسرے ہاتھی پر اس کا خرہ سال بیٹھا سوار تھا عین دریا کے اندر ایک ہزار جٹوں نے اس کو گھیر لیا۔ سخت معرکہ آرائی اور بڑے کشت و خون کے بعد احمد نیا تلگین مارا گیا جٹوں نے اس کا سر کاٹ لیا اور اس کے چھوٹے بچے کو گرفتار کر لیا ماہ ذالحجہ ۱۱۸۷ھ کو تلک احمد نیا تلگین کا سرے کر سلطان مسعود کی خدمت میں بھجوا کر کہ وہ مرو میں مقیم تھا پہنچا تلک ہندوستان سے ہندوؤں کا ایک نہایت شاندار لشکر لے کر پہنچا اور یہاں کے کھاکروں اور جٹ سرداروں کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ ان کھاکروں میں ایک دوسرا تلک بھی تھا سلطان اس دوسرے تلک کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ تلک ہندوستان سے بچپن ہاتھی بطور خراج وصول کر کے لے گیا تھا وہ بھی سلطان کی خدمت میں پیش کئے۔ محرم ۱۱۸۷ھ میں سلطان بلخ کی طرف آیا یہاں ایک بڑا دربار منعقد کیا ابو الفضل بیہقی کے الفاظ یہ ہیں۔

”روز دوشنبہ یازدہم صفر دیگر دربار عظیم منعقد فرمودہ تلک را خلعت دادند
بہا لاری ہندوان خلعت سخت نیکو۔ چون پیش سلطان آمد و خدمت کرد
سلطان خزینہ دار را گفت طوقے بیار مرصع بجوہر کہ ساختہ بودند بیا و ردند
سلطان بستہ و تلک را پیش خواند و آن طرف را بدست عالی خویش برد۔
گردن تلک انگند و نیکو بیا گفت بزبان بختیہ کہ نمودہ بود در کار احمد نیا تلگین
و باز گفت“

اس کے بعد سلطان مسعود نے ایک بہت بڑی ضیافت تلک کی تکریم میں ترتیب

دی تمام ارکان سلطنت اور شرفائے ملک کو بلایا اور کھانا کھلایا۔ احمد نیا لشکر کے قتل کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ارکان سلطنت سلطان سے بدول ہو گئے اور دم بدم سلطنت کے کاموں میں اختلال پیدا ہوتا گیا۔ چونکہ ملک کو اول ٹھاکر اور پھر راجہ کا خطاب سلطان مسعود نے دیا تھا اسی لئے پنجاب میں آج تک حجاموں کو ٹھاکر اور راجہ کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔

ہندو فوج کا کرمانی کا نامہ | ایک مرتبہ سلطان مسعود نے احمد علی نوشنگین کو سپہ سالار بنا کر کرمان کی جانب روانہ کیا کہ وہاں کی بغاوت کو

فرو کر دے۔ چار ہزار ہندو سپاہی اس کے ہمراہ گئے اور دو ہزار سکزی پیادے سیستان سے احمد علی نوشنگین کے ہمراہ ہوئے اس طرح یہ چھ ہزار کا لشکر کرمان پہنچا۔ ہرما شیر کے مقام پر دشمنوں سے مقابلہ ہوا تو ہندوؤں نے بڑی بزدلی دکھائی اور سلطانی لشکر نے شکست پائی۔ اس غم و شرمندگی میں احمد علی نوشنگین کی جان گئی۔ ہندو لشکر کی بزدلی جب ثابت ہو گئی تو سلطان نے فوج سے اُن کا نام کاٹ دینے کا حکم دیا۔ اپنی موقوفی و برطرفی کا حکم سن کر چھ ہندو سردار خودکشی پر آمادہ ہو گئے اور اپنے پیٹ میں کٹار مارنے لگے سلطان نے سن کر کہا کہ یہ کٹار کرمان میں چلائی جا رہی تھی۔ بہر حال یہ واقعہ زبردست دلیل اس بات کی ہے کہ ہندو لوگ غزنوی سلطنت کے لشکر میں بڑی آرزو اور خواہش کے ساتھ بھرتی ہوتے تھے اور جب اُن کو موقوف کیا جاتا تھا تو وہ غم کے مارے خودکشی پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ مندرجہ بالا واقعہ کو ابو الفضل بیہقی نے اپنا چشم دیدان الفاظ میں لکھا ہے کہ

”اما ہندوان سستی کردند و پشت بہر زیہمت بردند و گدا را دل بشکست و احمد علی نوشنگین را بصورت بہایست رفت مے با فوجے از خواص خویش و لشکر سلطان از راه قائن بنیشا پور باز آمدند و فوجے بکراں افتادند و ہندواں بیستان آمدند و از آنجا بغزنی من کہ بو انضلم با سلطان بخد مت رفتہ بودم بہارغ صدر ہارہ مقدمان ایں ہندواں را دیدم کہ آنجا آمدہ بودند و امیر فرمودہ بود تا کہ ایشان را در خانہ بزرگ آنجا کہ دیوان رسالت دارد بہ نشان دہ بردند و بو سعید مغرب پینا ہارشت می آورد و سوائے ایشان از سلطان و کار ہماںجا رسید کہ پیناے آمد کہ شمارا جواب فرمودہ آید شش

تن مقدم ترایشان خوشنشین را بکٹارہ زد چنانکہ خون درآں خانہ رواں شد من و
 بسعید و دیگران ازاں خانہ بر قہیم و این خہر سلطان رسانید نگفت این کٹارہ
 بکران بایست زد و بسیار بمالید شان و آخر عفو کرد۔ احمد علی نوشنگین نیز پاد
 و چون نجلہ و منذورے بود پس روزگار بر نیامد کہ گذشتہ شد۔

خاندان محمود کا زوال | اوپر ذکر آچکا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلاطین
 دی۔ سلطان مسعود کے بیٹے مودود نے ۲۴ رجب ۴۸۷ھ میں وفات پائی۔ اُس کے
 بعد تین چھینے علی بن مسعود نے حکومت کی اُس کے بعد عبدالرشید بن مسعود نے چار
 سال حکومت کی اُس کے بعد فرخ زاد بن مسعود چھ سال فرماں روا رہا اُس کے بعد
 ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا۔ ابراہیم بن مسعود نے تخت نشین ہو کر سلجوقوں سے صلح
 کی اور ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔ کئی بار حملے کئے یہاں کے سرکشوں کو درست
 کیا بعض کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا سیاوش گرد عرف چاندی کا قلعہ فتح کیا ابو حصن
 یا پاک پٹن کو فتح کر کے وہاں کے باغیوں کو راہ راست پر لایا اور اُس مقام سے تحم بغاوت
 مٹایا۔ ۵۸۷ھ میں سلطان ابراہیم بن مسعود نے وفات پائی۔

اُس کے بعد اُس کا بیٹا مسعود بن ابراہیم تخت نشین ہوا اور سولہ سال حکومت کی۔
 اُس نے بعد اُس کا بیٹا ارسلان شاہ بن مسعود تخت نشین ہوا اُس کا بھائی بہرام شاہ
 بھاگ کر سلطان سنجر سلجوقی کے پاس گیا اور اُس سے اعانت خواہ ہوا۔ سلطان سنجر نے غزنی
 پر فوج کشی کی۔ ارسلان شاہ شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگ آیا۔ سنجر نے بہرام
 شاہ کو تخت نشین کر کے خود غزنی سے خراسان کی جانب مراجعت کی۔ ارسلان شاہ نے
 ہندوستان سے بہت بڑا لشکر لے کر غزنی پر چڑھائی کی مگر بہرام شاہ کے ہاتھ سے مارا گیا کیونکہ
 ہندی فوج نے کوئی بہادر نہیں دکھائی بلکہ میدان کارزار گرم ہوتے ہی پیٹھ دکھائی اور ارسلان
 شاہ نے غیرت کی وجہ سے اپنی جان گنوائی۔ اس کے بعد بہرام شاہ نے ہندوستان پر کئی مرتبہ
 حملے کئے اور یہاں کے تمام سرکشوں کو مطیع و منقاد بنایا اور ہر قسم کے مادہ فساد کو مٹایا۔
 ۶۴۷ھ میں بہرام شاہ نے وفات پائی اُس کے بعد اُس کا بیٹا خسرو شاہ بن بہرام شاہ
 تخت نشین ہوا چونکہ وہ علاء الدین حسین غوری کا مقابلہ نہ کر سکا لہذا لاہور چلا آیا اور یہاں

۵۵۵ھ میں فوت ہوا اُس کے بعد اُس کا بیٹا خسرو ملک لاہور میں تخت نشین ہوا اور ۵۵۷ھ میں خاندان محمود کا خاتمہ ہو گیا۔ خاندان محمود کے نعال کا سبب سلجوقیوں کے حملے اور سلطان غزنی کا ہندوؤں پر سب سے زیادہ اعتماد کرنا بتایا جاتا ہے خاندان محمود کا آخری بادشاہ خسرو ملک تھا جس کو سلطان شہاب الدین غوری پنجاب سے گرفتار کر کے لے گیا تھا۔

محمود غزنوی ہندوؤں پر کس قدر مہربان تھا
اُس نے کس قدر عفو و درگزر
سے کام لیا اُس کی اولاد نے

خاندان غزنی کے عہد حکومت میں ہندوؤں کی حالت

ہندوؤں کی کیسی قدر دانی کی اور کیسے کیسے اعلیٰ عہدے ہندوؤں کو سلطنت غزنی میں حاصل ہوئے اس کا ذکر بطور نمونہ اوپر ہو چکا ہے۔ اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم کو ہندوستان پر پھر ایک نظر ڈالنی چاہیے کہ محمود کی وفات سے خسرو ملک تک ہندوستان میں ہندوؤں کی حالت کیا رہی اور اُن میں کون کون سے تغیرات پیدا ہوئے پنجاب کے راجہ جے پال کی خودکشی کے بعد ملک ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف جو جوش پیدا ہوا تھا اُس کو سلطان محمود غزنوی نے اپنی زندگی ہی میں فرو کر دیا اور جنگ سومنات کے بعد ہندوؤں نے مسلمانوں کے مقابلے کا خیال ترک کر دیا یا یوں کہتے کہ تمام ملک پھر مسلمانوں کے مقابلے پر متحد نہیں کیا جاسکا اس یاس اور بار بار کی نہایتوں نے جدید برہمنی اور مسیح شدہ مذہب کے اُس اتفاق و اتحاد کو جو مسلمانوں کی مخالفت میں عارضی طور پر ہوا تھا پائیدار و استوار اتفاق میں تبدیل کر دیا اور دونوں مذہبوں کے ہندوؤں نے اپنے راجاؤں اور اپنی فوجوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ضعیف و بیکار و کمج کر اور مایوس ہو کر آپس کی پُرانی رقابتوں کے بیدار کرنے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں مستعد ہونے کے خیال کو ترک کر کے آپس میں ایک ہی ہو جانے کو مناسب سمجھا۔ اس اتفاق کی ابتدا اگرچہ جنگی تیاریوں کے لئے کی گئی تھی مگر اب جنگی تیاریوں میں ناکامی دیکھ کر مذہبی تعمیر اور مذہبی انتزاع ایک دوسرے نقطہ نظر کی بنا پر عمل میں آنا شروع ہوا۔ جیدانیت اور جدید تصوف کی بنیاد پڑی۔ شیوی مذہب کی ترقی ہوئی اور اس موضوع پر خیالات کی نشوونما شروع ہوئی۔ دوسری طرف لوزائیدہ ویشنو مذہب کے بہت سے اعمال و عبادات میں مناسب تاویلیں ہونے لگیں یہ تمام حالات اب کسی نظام کسی سازش اور باقاعدہ مرکز کے ماتحت اور محتاج

دیتے بلکہ ایک فطری تقاضا تھا اور اسباب و نفل کی لہر سے ہندو نسلوں کو بلا ارادہ اس جانب بہا دیا تھا۔ پنجاب، ملتان اور سندھ کے سو پے برابر راستے سلطنت غزنوی کا بز و بن رہ گئے۔ گجرات، مالوہ، اجمیر، دہلی، ہما، برن، قنوج، سیر، گوالیار، کاننور و تیسرہ ریاستیں، سلطنت غزنوی کو باقاعدہ خراج ادا کرتی تھیں۔ سرار، مسعودی کے زمانہ میں سونی پور اور جٹان کے رسم، ہونے علاقے بھی مفتوح اور خراج گزار بنائے گئے تھے۔ ہندوستان میں خواجہ، ایاز، دفات تک کسی قسم کا کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا۔ ایاز کی دفات اور سلجوقیوں کے مقابلے میں سود و د کے شکست پاب، اور مبتلا کے آلام ہونے سے بعد جب کہ خراسان و ماہرا، انہر و خوارزم وغیرہ بڑے بڑے، سو بے سلطنت غزنوی سے سلجوقیوں نے چھین لئے تھے دہلی کے راجہ انگ پال اول نے مذہبی جذبے سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھانے اور عجیب و غریب چالاکی کو کام میں لانے کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔

من گھڑت خواب | تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ دہلی کے راجہ انگ پال اول نے ایک پنڈت کے مشورے سے یہ مشہور کیا کہ میں نے اُس بُت

کو جسے محمود غزنوی اپنے ہمراہ غزنی لے گیا ہے خواب میں دیکھا ہے۔ بُت نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میں اتنے دنوں غزنی میں اسی لئے رہا کہ سلطنت غزنوی کو برباد کر سکوں، چنانچہ میں اس سلطنت کو اب بہت کچھ کمزور کر چکا ہوں یقین ہے کہ چند روز میں یہ سلطنت خود بخود مٹ جائے گی اب میرے غزنی میں رہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ لہذا میں ہندوستان واپس آنے والا ہوں تم کو چاہیے کہ اپنا تمام وہ مالک جو مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا ہے اُن سے چھین لو اور میرے منتظر ہو۔ اس اعلان کے بعد راجہ نے اپنے معتمد سنگ تراش کو بلا یا اور کہا کہ جس قسم کا وہ بُت تھا اُسی قسم کے پتھر کا بالکل ویسا ہی ایک بُت پوشیدہ طور پر تیار کرو۔ سنگ تراش نے حسب فرمائش بُت تیار کر لیا۔ راجہ نے ہانسی اور تھانیر کا علاقہ جو صوبہ پنجاب کا مشرقی حصہ تھا سلطنت غزنوی کے مالوں سے چھین لیا اور عوام میں اپنے خواب کو خوب شہرت دی۔ ہندوؤں کو دوبارہ مستعد بنانے اور مسلمانوں کے مقابلہ پر آمادہ کرنے کی اس سے بہتر کوئی دوسری تدبیر نہیں ہو سکتی تھی جو راجہ نے ایک پنڈت کی رہبری میں انجام دی۔ ہانسی اور تھانیر کی فتح کے بعد نگر گٹ پر چڑھائی کی غزنوی سلطنت کے عامل کو

نکال کر قبضہ کیا اور اُس علاقہ میں ایک بارغ کے اندر اُس بستکورات کے وقت رکھوا دیا۔ بارغ کا مالی صبح کو بیدار ہوا تو اُس نے بت کو بارغ میں موجود پایا۔ راجہ کے خواب کی پہلے سے شہرت تھی اور بت بھی ویسا ہی تھا ایک دم شور مچ گیا کہ غزنی سے بت واپس تشریف لے آیا جیسا کہ اُس نے خواب میں راجہ سے کہا تھا۔ اس کے بعد وہ پنڈت جو اس تجویز کا بانی تھا راجہ کو ہمراہ لے کر بت کے سامنے پہنچا خوب خوشیاں منائی گئیں۔ آخر وہی پنڈت جی ہاراج بت کے پجاری اور خادم قرار دیئے گئے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ بت کہتا ہے کہ میں ایک شب میں غزنی سے چل کر یہاں تک پہنچا ہوں اس لئے کسی قدر تھک گیا ہوں مجھ کو ذرا آرام کرنے دو اور بہت جلد نگر کوٹ کو مسلمانوں سے خالی کر دو۔ چنانچہ نگر کوٹ پر ہندوؤں کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ اس واقعہ کی شہرت تمام ہندوستان میں ہوتی اور بہت سے راجہ دہلی کے راجہ کی امداد و اعانت کو پہنچ گئے اور بت کی نیا رت سے مشرف ہوئے یہ تمام واقعات اور بت کے خواب میں دیکھنے اور غزنی سے واپس آنے کا قصہ بالتفصیل تاسخ فرشتہ میں درج ہے۔ سلطان عبدالرشید کے زمانہ میں ایک مسلمان سردار نے حملہ کر کے اس علاقہ کو دہلی کے راجہ سے چھین لیا۔

لیکن ۶۳۳ھ میں ہندوؤں نے پھر زور پکڑ کر تھا نیسرو ہانسی پر قبضہ کر لیا۔ یہ حال سن کر ۶۳۷ھ میں سلطان ابراہیم بن محمود نے حملہ کیا اور ہندوؤں سے اس علاقہ نفع کیا۔ ہندو راجاؤں نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا اُن سے خراج وصول کر لیا اور سلطان محمود کے زمانہ کی عظمت و شوکت پھر ہندوستان میں قائم کر دی۔ ۶۵۵ھ میں جب کہ ارسلان شاہ اور بہرام شاہ کی مخالفت کے سبب سلطنت غزنی کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تھی خود سلطنت غزنی کے ایک سپہ سالار نے جو ہندوستان میں مامور تھا اپنی بغاوت کو کامیاب بنانے کے لئے تھا نیسرو ہانسی پر قبضہ کیا علاقہ کو دہلی کے راجہ کی سپرد کر دیا مگر چند ہی روز کے بعد بہرام شاہ نے ہندوستان آکر اس علاقہ کو سلطنت غزنی میں شامل کیا اور پھر سلطنت غزنی کا تسلط اور رعب اس ملک کے راجاؤں پر قائم کیا معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت غزنی اگرچہ بے حد کمزور ہو کر موت اور زیت کی کشمکش میں مبتلا تھی لیکن پھر بھی اُس کا اس قدر رعب ضرور قائم تھا کہ پنجاب و سندھ وغیرہ کی طرف ہندو نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ ہانسی و تھا نیسر کے علاقے کو جب کبھی موقتہ ملتا تھا ہندو

دبا لینا چاہتے تھے مگر جب کبھی سلطنت غزنی کا کوئی سلطان یا سردار اس طرف فوج کشی کرتا تھا فوراً چھوڑ کر الگ ہو جاتے تھے۔

بہرام شاہ کے بعد جب کہ خسرو شاہ غوریوں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا تو دہلی کے راجہ نے پھر اس علاقے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور خسرو ملک کے ہند میں وہ اس پر قابض ہو گیا۔ اس علاقے کو سلطنت غزنی نے پنجاب کا جزو بنا دیا تھا لیکن دہلی کا راجہ اس کو اپنی ریاست کا جزو اور پنجاب سے جدا سمجھ کر اس پر قابض ہونا اور اس علاقے کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتا تھا۔ اس نیکم یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ ^{۱۱۳۵ھ} ۱۱۳۵ھ میں تو ارقم کے ایک راجپوت راجہ نے دہلی کو آباد کیا تھا جو پٹھانوں کا راجہ تھا۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی کے خلاف تمام ملک میں ایک عام تحریک پھیل گئی اور سلطان محمود کو پٹھانوں وغیرہ ہارنے لگا کر پڑے اور پٹھانوں کے راجہ نے دہلی میں قیام کیا۔ سلطان مسعود کی فوج کشی اور ہانسی و سونی پت کی فتح کے بعد پٹھانوں کا راجہ جو پٹھانوں سے بے دخل ہو کر دہلی میں رہنے لگا تھا بہت ہی زیادہ ذلیل و بے اعتبار ہو گیا تھا مگر سلطان مودود کے زمانے میں جب کہ سلطنت غزنی کے وقار کو سلجوقیوں نے سخت نقصان پہنچا، یا تھا تو اسی تواریخانہ کے ایک نو عمر راجہ انگ پال اول نے جو اپنے باپ کی تنہا ذلیل حالت دیکھ چکا تھا اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنی چاہی اور ^{۱۱۳۵ھ} ۱۱۳۵ھ میں پٹھانوں اور کانگڑہ کا علاقہ مصنوعی خواب کے ذریعہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے فتح کر لیا۔ اس کے بعد انگ پال نے ^{۱۱۳۵ھ} ۱۱۳۵ھ میں دہلی کے اندر سنگین عمارتیں اور قلعہ تعمیر کیا۔ ^{۱۱۳۵ھ} ۱۱۳۵ھ میں سلطان ابراہیم غزنوی نے انگ پال اول کی اچھی طرح گوشمالی کی اور دوسرے راجاؤں کو بھی درست بنایا۔ ^{۱۱۳۵ھ} ۱۱۳۵ھ میں سلطان ابراہیم غزنوی کا انتقال ہوا اور ہندوستان کے راجاؤں کو پھر اپنی حالت مضبوط کرنے کا خیال آیا۔ مسلمانوں کی حملہ آوریوں کا یہ نتیجہ ضرور ہوا تھا کہ بعض راجپوت جو پہلے طاقتور تھے کمزور اور بعض جو پہلے کمزور تھے وہ طاقتور ہو گئے تھے۔ چنانچہ ^{۱۱۳۵ھ} ۱۱۳۵ھ میں بنارس کے راجہ چندر دیو نے قنوج پر حملہ کر کے راجہ کنورائے کی اولاد کو بچن چن کر قتل کیا اور اس خاندان کا جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں قنوج کا حکمران تھا خاتمہ ہو کر چندر دیو اور اس کے خاندان کی حکومت قنوج میں شروع ہوئی۔ چندر دیو راٹھور خاندان کا راجپوت تھا اسی کی

اولاد میں فتوح کا راجہ ہے چند تھا جو سلطان شہاب الدین غوری کے مقابلے میں قطب الدین ایبک کے تیرے مارا گیا تھا۔

حسن بن صباح عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جس سال فتوح میں راتھور خاندان کی حکومت شروع ہوئی اسی سال سیستان کے قلعہ الموت میں حسن بن صباح نے باطنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ حسن بن صباح بھی ایک خاص مذہب کا بانی تھا اس کی جماعت کے لوگوں کو باطنی فدائی اور حشاشین وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے غلطی سے قرامطہ اور باطنی فرقہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا۔ حالانکہ یہ دو جدا جدا فرقے ہیں لیکن دشمن اسلام اور قاتل مسکین ہونے میں دونوں ایک دوسرے کے شبیل و مماثل ہیں جس طرح قرامطہ نے سلطان محمود غزنوی کے خلاف ہندوؤں کی طرح طرح سے امداد کی اسی طرح ان باطنیوں نے سلطان شہاب الدین غوری کے خلاف ہندوؤں کو امداد پہنچائی۔ ان باطنیوں نے قرامطہ سے بھی زیادہ عالم اسلام کو نقصان پہنچایا۔ قرامطی سرگرمیوں کے کم ہوتے ہی باطنی گروہ میدان میں نکل آیا حسن بن صباح نے اس گروہ کو پیدا کر کے الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی کو اپنے ایک شاگرد ابو طاہر فدائی کے ہاتھ سے بمقام نہادندہ شہ ۴۸۸ھ میں قتل کر دیا۔ یہ باطنیوں یا لمحدوں کا سب سے پہلا شکار تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مسعود بن ابراہیم غزنوی کا فرماں روا تھا۔ سلجوقیوں کی سلطنت میں بھی زوال پیدا ہو چکا تھا۔ ادھر یورپی عیسائیوں نے کروسیڈ یعنی صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ ادھر باطنیوں نے چین جن کر مسلمان سرداروں اور بہادر بادشاہوں کو قتل کرنا شروع کر رکھا تھا ۴۹۲ھ میں باطنیوں نے عراق میں ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر ڈالا لوگ خوف کے مارے کپڑوں کے نیچے ہمہ اوقات زرہ پہنے رہتے تھے عسائیوں نے سروج، جینھا، ارسوف، قیساریہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کیا اور باطنیوں نے اصفہان، سلماؤں سے چھین لیا ۵۱۲ھ میں باطنیوں نے شیراز پر قبضہ کیا اور ۵۱۵ھ میں طرابلس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا، موصل کے بادشاہ مودود کو جو عیسائیوں سے لڑنے کے لئے نکلا تھا ۵۱۸ھ میں ایک باطنی نے جامع مسجد دمشق میں قتل کر دیا۔

عالم اسلام کی پریشانی غرض یہ زمانہ عالم اسلام کے لئے بڑی پریشانی اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ سلاطین غزنوی کوئی طاقت نہ رکھتے تھے۔۔۔

ہندوستان میں اگرچہ اُن کا رعب ہندوؤں پر چھایا ہوا تھا مگر حقیقت وہ برائے نام فرماں روا تھے۔ ترکان غزنو غارت گرد قبائل ترک، نے تمام خراسان و ایران کو پامال کر ڈالا تھا اور سلاطینوں کا رعب مٹ چکا تھا۔ غور کے حاکم جو سلطان غزنی کے محکوم تھے سلطان غزنی کے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے۔ ادھر ۱۱۹۸ء میں چندر دیو کے پوتے گوہند چند نے قنوج میں تخت نشین ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور ۱۲۵۵ء تک قنوج میں خوب زور و شوم سے حکومت کرتا رہا۔ اسی گوہند چند کے زمانہ میں غزنی کے ایک سپہ سالار نے جو ہندوستان میں مامور تھا بغاوت اختیار کی اور تھانیسور سوتی پت کا علاقہ دہلی کے راجہ انگ پال ثانی کے سپرد کر دیا تھا۔ اجمیر کے راجہ کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ سومنات کی فتح کے بعد ۱۱۹۸ء میں سلطان محمود غزنوی نے اس کو سزا دے کر سلطنت غزنی کا باقاعدہ خراج گزار بنایا تھا۔ بنارس کے راجہ راجہ پر فتح مند ہو کر احمد نیا بتگین نے اس کو سلطنت غزنی کا باج گزار بنایا تھا۔ یہی بنارس کا خاندان اب قنوج میں حکمران تھا۔ غرض یہ سارے کے سارے راجہ سلطنت غزنی کے خراج گزار و ماتحت تھے، لیکن اب سلطان غزنی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے باقاعدہ خراج بھیجا بند کر دیا تھا۔ انگ پال ثانی فرماں روا دہلی کی مدد بیٹیاں تھیں کوئی بیٹا نہ تھا، اُس نے ایک بیٹی کی شادی اجمیر کے راجہ مسٹی سومیشور یا سومیر جی سے اور دوسری کی شادی قنوج کے راجہ گوہند چند سے کی تھی۔ اجمیر کا راجہ قوم سے چوہان تھا اور قنوج کا راجہ طور۔ انگ پال کی ان دونوں لڑکیوں سے ایک ایک لڑکا پیدا ہوا۔ انگ پال کے قنوجی لڑا سے کا نام جے چند اور اجمیری لڑا سے کا نام پر تھی راج تھا۔ جے چند عمر میں بڑا تھا وہ ۱۲۵۵ء میں قنوج کا راجہ ہوا۔ پر تھی راج جو چھوٹی بیٹی کا بیٹا اور عمر میں بھی چھوٹا تھا انگ پال کو زیادہ محبوب تھا۔ انگ پال نے پر تھی راج کو اپنا متنبی بنا کر اپنا وارث و جانشین قرار دیا پر تھی راج انگ پال کی وفات کے بعد دہلی اور اجمیر دونوں ریاستوں کا مالک اور فرماں روا قرار پایا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سلاطین غزنی جب کہ بے حد کمزور ہو چکے تھے یعنی خسرو شاہ اور خسرو ملک کے زمانے میں بھی کسی ہندو راجہ کو یہ جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ پنجاب پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہندوؤں نے پنجاب کے ملک کو سلطنت غزنی کا صوبہ اور مسلمانوں کا ملک تسلیم کر لیا تھا۔ اس عرصہ میں دیشنودھب کی جگہ شیو کے مذہب کا رواج زیادہ ہو گیا تھا اور راجپوت تو میں جن کی

برہمنوں نے چھترلوں کا قائم مقام بنایا کھانا اب اپنی ریاستیں قائم کر کے برہمنوں کی اطاعت سے بہت کچھ آرام بچکی تھیں ہندوؤں میں مسلمانوں کی مصاحبت و ہمسائیگی کے اثر سے بہت کچھ روشن خیالی اور تہذیب و شائستگی پیدا ہونے لگی تھی۔ وہ مذہبی نفرت و دلالت جو محمود غزنوی کے ابتدائی زمانے میں برہمنوں نے مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں میں پیدا کر دی تھی سلطنت غزنی کے آخری ایام حکومت میں بہت کچھ مٹ چکی تھی اور برہمنوں کی گزشتہ انقلابی کوششوں اور ہندوؤں میں ہندو ریاستوں اور راجاؤں کو اپنے مشیروں اور منصوبوں کے موافق متحرک اور معمول بنائے رکھنے کا یہ قدرتی اثر تھا کہ ہندوستان کی محکوم و مغلوب ہندو قوم نے برہمنوں کو اپنا رہبر پیشوا اور دیوتا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے سلطان شہاب الدین غوری بلکہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے تک ہندو ریاستیں متزلزل اور ہندو طاقت دبا خطا رہی۔ لیکن اس عرصہ میں برہمنوں کا اثر و اقتدار ہندو اقوام میں براہرتی کرتارہ۔ مسلمانوں کو برہمنوں سے اگر مخالفت ہو سکتی تھی تو محض اس لئے کہ وہ قرامطہ اور ملاحہ کی سازشوں میں شریک ہو کر سلطنت اسلامیہ کی بربادی کے خواہاں رہتے تھے۔ لیکن جب قرامطہ اور ملاحہ کا خاتمہ ہو گیا یا برہمنوں نے اُن سے تعلق نہ رکھا تو مسلمانوں نے بھی ان کے اس اثر و اقتدار کو جو وہ ہندو اقوام میں حاصل کر رہے تھے قطعاً کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہا اور نہ اُن کو اس کی ضرورت تھی کہ وہ ہندو اقوام کے مذاہب و معتقدات میں دخل دیتے اور ہندوؤں کو برہمنوں کی سیادت و پیشوائی سے نکالنے کی کوشش کرتے۔ برہمنوں نے اسی زمانے میں نئے نئے مذاہب اور نئے نئے عقیدے ایجاد کئے۔ پوران تصنیف ہوئے، اور برہمنوں کی ہستی ایک مافوق الانسانیت ہستی سمجھی جانے لگی۔ ہندو اقوام میں برہمنوں کا یہ درجہ ابھی ماضی قریب تک بدستور باقی رہا۔ لیکن اب بہت جلد جلد اُن کا اثر و اقتدار فنا ہو رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہندوستان کے ہندو مذاہب اور پوراؤں کی عمر ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے زمانے سے زیادہ پرانی نہیں ہے اور خاندان

ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہونے کا اثر

غزنی کے عہد حکومت میں ہندو مذاہب و اقوام کا ایک بڑا حصہ تعمیر و مرتب ہوا تھا، یہ بات بھی فراموش نہ ہونی چاہیے کہ مسلمانوں نے اگرچہ ہندوؤں کے مذہبی و قومی اور اندرونی معاملات میں کوئی دخل نہیں دیا تاہم ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قائم ہونے

کا یہ اثر ضرور ہوا کہ غیر آریوں یعنی ہندوستان کے قدیم باشندوں پر بدھوں کے زوال سے جو مصائب کے پہاڑ اسی طرح ٹوٹنے والے تھے جیسا کہ بدھوں کی حکومت سے پیشتر منو شاستر کے موافق ٹوٹ چکے تھے اُن میں ضرور تخفیف ہوئی۔ برہمنوں نے اگرچہ جدید برہمنی مذہب میں برہمنوں کی تکریم اور شودروں کو حقوقِ انسانیّت سے محروم رکھنے کے اصول کو فراموش نہیں کیا لیکن مسلمان حاکموں کے ماتحت وہ آزادہ شودروں کو چوپاؤں کی طرح ہدفِ مظالم بنانے کی جرأت نہیں کر سکے اگرچہ معتقدات اور معاشرتی تعلقات میں شودروں کی ذلت و تحقیر بخوبی موجود رہی۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ میں جہاں مسلمانوں کی حکومت سب سے پہلے قائم ہوئی برہمن اور شودر کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ پنجاب میں جہاں سندھ کے بعد مگر باقی تمام صوبجات ہند سے قریباً دو سو سال پہلے سلطان محمود نے اسلامی حکومت قائم کر دی تھی، برہمن اور شودر کا امتیاز موجود تو ہے مگر دوسرے صوبوں کے مقابلے میں اُس کی کوئی حقیقت نہیں۔ دکن کو مسلمانوں نے سب سے بعد کو فتح کیا لہذا دکن میں یہ امتیاز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے اور آج بھی وہاں برہمنوں اور غیر برہمنوں کا ہنگامہ برپا نظر آتا ہے۔ جن جن صوبوں یا ضلعوں میں اسلامی حکومت کے قائم ہونے میں دیر ہوئی اُن ہی صوبوں اور ضلعوں میں برہمنوں کو غیر آریوں یعنی شودروں کے ذلیل کہنے اور اپنا اقتدار قائم کر کے شودروں کو حقوقِ انسانیّت سے محروم رکھنے کا زیادہ موقع ملا۔ اور اسی لئے آج ہندوستان کے مختلف حصوں میں مختلف مراسم اور مختلف طرزِ عمل نمایاں ہیں۔ پس اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کا اس ملک میں آنا اور اپنی حکومت قائم کرنا غیر آریہ قوموں اور شودروں کے لئے ایک ابرِ رحمت تھا۔

یہ دو سرا باب کسی قدر طویل ہو گیا مگر اظہارِ رویان کے قابل بہت سی باتیں ابھی باقی رہ گئی ہیں جن کی طرف اشارہ انشاء اللہ آئندہ ابواب میں کیا جائے گا۔ اس دوسرے باب میں بھی جس حقیقت کو بے پردہ کیا گیا ہے اُس کا یہ نشا ہرگز نہیں کہ اس ملک کی کسی قوم کو رنج پہنچایا جائے بلکہ اُس شرارت سے ہم وطنوں کو آگاہ کرنا ہے جو تاریخ کے نام سے اس ملک میں شائع اور سلطان محمود غزنوی کو بلاوجہ بدنام و ملعون کرنے کا باعث ہوئی ہے۔

باب سوم

پہلے اوروں کے باب میں سندھ اور پنجاب کے صوبوں کی فتح اور ان کے سلطنت اسلامیہ میں شامل ہونے کا حال بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ اس باب میں یہ بیان ہونے والا ہے کہ پنجاب کے علاوہ باقی شمالی ہند۔ یعنی پنجاب کی مشرقی سرحد سے ہنگال کی مغربی حدود تک کا علاقہ کس طرح سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوا اور تمام شمالی ہند پر قابض ہوتے ہی مسلمانوں نے ہندوستان میں ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس ملک کو اپنا وطن قرار دے کر کسی دوسرے ملک کی سیادت اور کسی دوسری مرکزی حکومت کی ماتحتی سے ہندوستان کو آزاد اور ہندوستانی سلطنت کو خود مختار بنا دیا اور اس طرح ہندوستانی مال و دولت کو خود ہرات و بخارا و کابل و بغداد و خوارزم و غیرہ کہیں بھی جائے کا موقع نہیں ملا اور نہ مغولان و چنگیزی ہندوستان کو کوئی نقصان پہنچا سکے پہلے باب کا مرد میدان (ہیرو) محمد بن قاسم اور دوسرے کا سلطان محمود غزنوی تھا۔ اس تیسرے باب کا ہیرو سلطان شہاب الدین غوری کو سمجھنا چاہیے۔ اور اسی لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول خاندان غوری کے مختصر حالات بیان کر دیئے جائیں۔

غوری خاندان کا تذکرہ شروع کرنے سے پیشتر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس باب کو شروع کرتے وقت تاریخ فرشتہ، تاریخ بدایونی، خلاصۃ التواریخ، مفتاح التواریخ، طبقات ناصری، تاریخ ہند، تاریخ الغنیۃ وغیرہ پچیس سے زیادہ تاریخیں ہیں جنہوں نے اپنے سامنے الماریں بے نکال کر رکھی ہیں۔ لیکن میں سب سے زیادہ طبقات ناصری پر اعتماد کروں گا اور واقعات

کی نگارش میں اسی کو زیادہ پیش نظر رکھوں گا۔ کیونکہ سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت سے قریباً پچاس سال بعد طبقات ناصری لکھی گئی ہے۔ طبقات ناصری کا مصنف ابو عمر منہاج الدین عثمان بن سلج الدین جو جانی جو منہاج سراج کے نام سے مشہور ہے سلاطین غوریہ سے خصوصی تعلق رکھتا اور اکثر اپنے چشم دید حالات قلمبند کرتا ہے۔ اس تیسرے باب کے لئے طبقات ناصری اور نتائج الماثر سے بڑھ کر کوئی اور کتاب قابل التفات اور لائق اعتماد نہیں ہو سکتی جیسا کہ وہ سرے باب کے لئے تاریخ بہمنی سب سے زیادہ مفید اور قابل اعتماد کتاب تھی۔

غوری خاندان کے مختصر حالات | اوپر دو سرے باب میں محمد بن سوری حاکم غور کا ذکر آچکا ہے کہ اس نے قرامطہ کی سازش و تحریک

سے سلطان محمود غزنوی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور بالآخر سخت معرکے کے بعد گرفتار و مقتول ہوا تھا۔ اس محمد بن سوری کا خاندان عرصہ دراز سے غور کے پہاڑی علاقے میں برسرِ حکومت چلا آتا تھا۔ پٹھانوں یا افغانوں کی دو مشہور قومیں ہیں ایک شنبی دوسری قیس بن عمیر المعروف بہ عبدالرشید کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور افغانستان واپس آکر اپنے قبیلے کو مسلمان بنایا۔ انھیں کو آنحضرت صلعم نے بتان رہٹھان کا خطاب دیا تھا۔ قیس عبدالرشید کی اولاد افغانستان و صوبہ سرحدی کی غالب آبادی ہے۔

شنسب بن حرلیق جو علاقہ غور کا رئیس تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں مسلمان ہوا اس کی اولاد افغانہ شنبی کہلائی۔ انھیں میں لودھی و سوری وغیرہ پٹھان شامل ہیں۔ محمد بن سوری مذکور اسی شنسب بن حرلیق کی اولاد میں تھا۔ عباسیوں اور علویوں نے مل کر جب بنو امیہ کے خلاف سازشیں اور کوششیں شروع کیں تو علاقہ غور کا یہ شنبی خاندان جو اس علاقے میں حکومت و سرداری بھی رکھتا تھا ابو مسلم خراسانی کا شریک کار بن گیا۔ خلافت عباسیہ کے قائم ہو جانے پر اس خاندان کی عزت افزائی کی گئی اور اس کو علاقہ غور کی سند حکومت خلیفہ کی طرف سے مل گئی۔ چند ہی روز کے بعد جب علویوں نے عباسیوں کے خلاف سرگرمی شروع کی تو غور کا یہ خاندان محبِ اہل بیت ہونے کی وجہ سے علویوں کی خفیہ سازشوں میں شریک ہو گیا۔ جب قرامطہ نے خراسان و افغانستان نے اپنی تحریک شروع کی تو سب سے پہلے یہی خاندان قرامطہ کا ہم نوا ہوا اور ناقابلِ تسخیر پہاڑی علاقہ ہونے کی

وجہ سے قرامطہ نے اس علاقے اور اس شہنشی خاندان کو اپنی خصوصی کوششوں کا محل و معمول بنایا۔ حتیٰ کہ محمد بن سوری نے سلطان محمود غزنوی کا زہرہ دست مقابلہ کیا۔ سلطان محمود غزنوی نے محمد بن سوری کے بعد اس کے بیٹے ابو علی کو غور کا حاکم مقرر کر دیا۔ ابو علی سلطان محمود کا ہم عقیدہ اور قرامطی مسلک سے سخت متنفر تھا۔ امیر ابو علی کے بعد اس کا بھائی شیش (شیش) غور کا امیر مقرر ہوا۔ شیش کے بعد اس کا بیٹا عباس امیر غور ہوا۔ عباس کے بعد اس کا بیٹا امیر محمد اور امیر محمد کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین حسن اور قطب الدین حسن کے بعد اس کا بیٹا عز الدین حسین غور کا امیر مقرر ہوا۔ یہ سب کے سب اپنے مورث اعلیٰ محمد بن سوری کی تقلید میں مذہب قرامطہ کے پیروگر سلاطین غزنی کے مطیع رہے۔ سلطان محمود غزنوی اور سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے بعد عبدالرشید بن مسعود اور فرخ زاد بن مسعود کے عہد حکومت میں مصر کے عبیدی فرماں روا مستنصر باللہ نے اپنے معتمد خاص اور مرید با اختصاص حکیم ناصر خسرو علوی خراسانی کو جو اسماعیلیہ عقیدہ کا پیرو اور عبیدی سلطنت کا بدل ہوا خواہ تھا۔ ممالک مشرقیہ کی طرف اس ہم پر روانہ کیا کہ غزنوی و سلجوقی و عباسی حکومتوں کے خلاف کوششیں عمل میں لائے اور عبیدی خاندان کی اسماعیلیہ سلطنت کو مذہبی سلطنت اور فرماں روا مصر کا خلیفہ برحق ہونا ثابت کرے چنانچہ حکیم موصوف مصر سے گجرات ہوتا ہوا ملتان اور ملتان سے لاہور پہنچا لاہور سے افغانستان و خراسان پہنچ کر اسماعیلیت کی اشاعت میں مصروف رہا اور غوریوں نے سب سے زیادہ اثر قبول کیا۔ حکیم ناصر خسرو نے اپنے سفر نامے میں واضح طور پر اپنے مقصد سفر کو بیان نہیں کیا اور نہ کر سکتا تھا۔ لیکن خواجہ الطاف حسین صاحب حالی نے موصوف کی زندگی کے حالات لکھتے ہوئے بہت کچھ حقیقت کو نمایاں کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ

”باید دانست کہ خلفائے فاطمین (عبیدین) ہمارہ داعیہ آن داشتند کہ سایہ صولت و اقتدار خویش بر ممالک آسیا اندازند و عظمت و بزرگی خلفائے بغداد را از قلوب اہالی شرق محو کردہ ایشانرا بجوئے خویش مائل سازند خاصۃً مستنصر باللہ کہ شصت سال متصدی امر خلافت، لودہ فرصت اہل کار بیشتر از خلفاء ماضیہ اوراد دست وادہ بود و ہمارہ از طرف او جو ایس و دعاۃ درہن صفحات میر رسیدہ تا مردم را بروش اسماعیلیت دعوت کنند و حکومت مصر را در لباس مذہب نفی و نہی

حکیم نامر خسرو نے ۷۷۷ھ سے ۷۸۵ھ تک افغانستان و نراسان میں نہایت سرگرمی سے اسماعیلیہ مذہب اور عبیدی سلطنت کی خدمات انجام دیں اور اپنے آپ کو کبھی صوفی باصفا کبھی شاعر غرا اور کبھی علم العلماء کی حیثیت سے پیش کیا اور سلاطین غزنویہ کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ غرض ملک عزالدین حسین جس زمانے میں غور کے علاقے پر حکومت کرتا تھا اس زمانے میں غزنی کی سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی کی وفات کے بعد بہت کمزور ہو چکی تھی ملک عزالدین حسین نے سلطان خنجر سلجوقی سے نیاز مندہ مراسم پیدا کر کے سلطنت غزنی کی اطاعت سے عملی طور پر کامل آزادی حاصل کر لی تھی۔ مسعود بن ابراہیم اور اس کے بیٹے ارسلان بن مسعود نے بھی چشم پوشی اور بے التفاتی سے کام لے کر عزالدین حسین کی آزادی کو تسلیم اور گوارا کر لیا تھا۔ عزالدین حسین جب فوت ہوا تو اس کے سات بیٹے تھے جو سب کے سب جوان اور مردانہ کار تھے۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) فخر الدین مسعود (۲) قطب الدین محمد (۳) سیف الدین سوری (۴) بہاؤ الدین سلم (۵) علاؤ الدین حسین (۶) شہاب الدین محمد (۷) شجاع الدین علی۔ سب سے بڑا فخر الدین مسعود اور اس سے چھوٹا قطب الدین محمد تھا۔ یہ دونوں ترکیہ پرستانوں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ باقی پانچ بیٹوں میں سب سے بڑا سیف الدین سوری تھا لہذا عزالدین حسین کی وفات کے بعد سیف الدین سوری باپ کا جانشین اور غور کی ریاست کا جو عزالدین حسین کے زمانے میں بہت وسیع ہو چکی تھی فرماں روا مقرر ہوا۔ لیکن سیف الدین سوری نے تنہا فرماں روا بن کر باقی بھائیوں کو حکومت و فرماں روائی کے لطف سے محروم رکھنا گوارا نہ کر کے غور کی ریاست کو سات چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک بھائی کو ایک ایک ریاست کا خود مختار فرماں روا بنا دیا۔ اپنے پاس بھی یہ حصہ مساوی ایک چھوٹی سی ریاست رکھی۔ اتفاق کی بات قطب الدین محمد کی باقی بھائیوں سے ان بن اور ناچاتی ہو گئی۔ اور اس آپس کی مخالفت نے یہاں تک نزہت پہنچائی کہ قطب الدین محمد اپنی ریاست چھوڑ کر غزنی چلا آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ غزنی میں بہرام شاہ بن مسعود فرماں روا تھا۔ بہرام شاہ قطب الدین کے ساتھ بہت خاطر اور عزت سے پیش آیا۔ قطب الدین محمد غزنی میں رہنے لگا۔ چند روز کے بعد حاسدوں اور واقعہ پسند لوگوں نے بہرام شاہ سے قطب الدین کی شکایت کی کہ وہ آپ کو قتل اور غزنی کے تخت پر قبضہ کرنے کی سازش اور کوشش کر رہا ہے۔ بہرام شاہ نے قطب الدین کو قتل کر دیا اور وہ غزنی میں مدفون ہوا۔

پہلا غوری بادشاہ | قطب الدین محمد کے حادثہ کا حال سن کر سیف الدین محمد سوری نے فوج لے کر اور اپنی ریاست اپنے بھائی بہاؤ الدین سام کی نگرانی میں چھوڑ کر غزنی پر اتفاقاً چڑھائی کی۔ بہرام شاہ غزنوی نے مقابلہ کر کے شکست کھائی اور ہندوستان کی طرف چلا آیا سیف الدین محمد سوری نے غزنی پر قبضہ کر کے تخت سلطنت پر بٹوس اور اپنے نام کے ساتھ سلطان کے لقب کا اضافہ کیا۔ خاندان غوری میں سیف الدین سب سے پہلا سلطان، ہوا سیف الدین نے غزنی میں نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی بائیس سال غزنی نے بھی اس کی اطاعت و فرما برداری میں کوتاہی نہ کی۔ جب موسم سرما آیا اور برف باری سے غور و غزنی کے درمیان آمد و رفت کا راستہ بند ہو گیا تو بہرام شاہ نے ہندوؤں کی فوج اور ہندو ماتحت راہاؤں اور ٹھاکروں کو ہمراہ لے کر غزنی پر حملہ کیا۔ سیف الدین مقابلہ کے لئے غزنی سے باہر نکلا۔ اہل غزنی جو سیف الدین کی فوج میں شامل تھے میدان جنگ میں پہنچے ہی بہرام شاہ سے جلے اور سیف الدین آسانی گرفتار کر لیا گیا۔ بہرام شاہ نے سیف الدین سوری کو نہایت ذلت کے ساتھ ایک سربیل بیل کے اوپر سوار کر کر شہر میں قشہیر کرایا اور پھر قتل کر دیا۔ سیف الدین سوری کے وزیر سید محمد الدین موسوی کو بھی اسی ذلت کے ساتھ قتل کیا گیا۔ یہ حال سن کر بہاؤ الدین سام نے غور کی ریاست اور اپنا تمام علاقہ اپنے چھوٹے بھائی علاؤ الدین حسین کے سپرد کیا اور خود فوج لے کر اپنے دونوں مقتول بھائیوں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے غزنی کی جانب روانہ ہوا۔ لیکن ابھی راستے ہی میں تھا کہ فوت ہو گیا۔

علاء الدین جہان سوز | یہ فہرٹن کر علاؤ الدین حسین نے ایک زبردست لشکر فراہم کیا اور علاؤ غور کے جنگجو لوگوں کو اپنے مقتول بھائیوں کی مظلومی کے

حالات سننا سنا کر انتقام پر مستعد اور بے حد ہرجوش بنا دیا۔ علاؤ الدین کی فراہمی لشکر اور غزنی پر فوج کشی کے ارادے کا حال سن کر بہرام شاہ نے ہندی غازیوں اور راناؤں کو ہمراہ لے کر غور کی طرف پیش قدمی کی مقام زمیند اور کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن ہوئے، بہرام شاہ نے علاؤ الدین کے پاس پیغام بھیجا کہ تم غور کی وسیع ریاست پر تنازع کر دو اور ہماری مخالفت کا خیال ترک کر دو تو ہم تم سے مطلق تفرض نہ کریں گے۔ علاؤ الدین نے جواب دیا کہ میں اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے نکلا ہوں اس لئے مجھ کو ہتین ہے کہ میں ضرور فتح مند ہوں گا۔ آخر لڑائی ہوئی اس لڑائی میں بہرام شاہ کا بیٹا دولت شاہ جو بہرام شاہ

کی فوج کا سپہ سالار بھی تھا مارا گیا۔ اس کے مارے جانے سے بہرام شاہ اور اس کی فوج بدول ہو گئی۔ چنانچہ غوری لشکر نے غزنوی فوج کو بھٹکا دیا۔ لیکن آباء میں آکر بہرام شاہ نے اپنی فوج اور مفروز ہندو سرداروں کو سمیٹ کر پھر ایک مقابلہ کیا مگر اس مرتبہ بھی شکست کھائی۔ یہاں سے فرار ہو کر خاص شہر غزنی کی دیواروں سے پہنچے ایک مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور ہندوستان کی طرف بھاگ آیا۔ علاؤ الدین حسین نے غزنی میں داخل ہو کر سات شبانہ روز قتل عام کرایا اور شہر میں آگ لگا کر ایک ایک عمارت کو جلا یا حتیٰ کہ سلاطین غزنی کے مقبروں کو آؤ پیڑ کر لاشوں اور ٹھیلوں کو نکلوا یا اور آگ میں جلا یا۔ صرف سلطان محمود غزنوی سلطان محمود غزنوی اور سلطان ابراہیم غزنوی کی قبروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا یا۔ غزنی کا کوئی گھر اور کوئی خاندان جلنے اور قتل ہونے سے نہیں بچا اسی لئے علاؤ الدین کو جہاننوز کا خطاب ملا۔ علاؤ الدین جہاننوز غزنی کو مبراہ ذکر کے اپنے بھائیوں کے تالوت لے کر غور کی جانب چلا گیا اور اس کی ہیبت و شوکت کا دور دورہ تک سکھ بیٹھ گیا۔ بہرام شاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ علاؤ الدین غزنی سے غور چلا گیا ہے تو وہ ہندوستان سے پھر غزنی پہنچا اور چند روز کے بعد فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو شاہ غزنی میں نہ ٹھہر سکا اور لاہور آ کر قیام پذیر ہوا۔ بیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ علاؤ الدین جہاں سوز نے غزنی کی فتح کے بعد ایک فخریہ نظم لکھی تھی جس کے بعض اشعار اس طرح ہیں :-

آنم کہ دست فخر ز عدلم زمانہ را	آنم کہ دست جو ز بزم خسرا نہ را
انگشت دست خویش بندان کند عدو	چو برزہ کماں نہم انگشتوانہ را
بہرام شہ بہ کینہ من چوں کماں کشید	کندم بہ کینہ از کمر او کمانہ را
پشتی خصم گر چہ ہمہ رائے درانہ بود	کردم بہ گرز خورد سر رائے درانہ را
کیں تو خشن بہ تیغ در آموختم کیں	شاہان روزگار و ملوک زمانہ را

ان اشعار میں چوتھے شعر کے اندر رائے اور رانا خاص طور پر قابل توجہ ہیں جس محمود غزنوی کو آج کل ہندوؤں کا سب سے بڑا دشمن بنایا جاتا ہے اسی محمود غزنوی کی اولاد کے طرف دار ہیں۔ ہندوؤں کے رائے اور رانا غریبوں سے لڑنے کے لئے نہ صرف غزنی بلکہ حدود غور تک پہنچے تھے۔ پس سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زمانہ کے ہندوؤں کی یہ حالت تھی تو آج کل کے ہندوؤں کو کس چیز نے غزنویوں کا مخالف و معاند بنا دیا ہے ! علاؤ الدین جہاننوز نے غزنی سے علاقہ غور کے

شہر فیروز کوہ میں آکر تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اپنے آپ کو سلطان کے لقب سے ملقب کر کے وہ نذرانہ جو عز الدین حسین کے زمانہ سے سلطان سنجر سلجوقی کی خدمت میں بھیجا جاتا تھا، بھیجنا بند کر دیا اور اپنے دو لڑکے بھیج دیے، بہاؤ الدین سام کے بیٹے شمس الدین اور شہاب الدین کو ایک قلعہ میں قید کر کے ان کا روزیہ مقرر کر دیا۔ سلطان سنجر نے علاؤ الدین جہانسوز کی سرکشی و سرتابی دیکھ کر شک و خدائے ان کے ساتھ غور پر حملہ کیا۔ علاؤ الدین نے مقابلہ کیا مگر شکست یاب ہو کر گرفتار ہوا سلطان سنجر علاؤ الدین جہانسوز کو باہر پھیر اپنے ہمراہ خراسان کی جانب لے گیا۔ یہاں تخت فیروز کوہ پر اُمرارے ریل کر علاؤ الدین کے پیچھے ناصر الدین حسین ابن شجاع الدین علی ابن عز الدین حسین کو بٹھا با۔ چند روز کے بعد ترکان غزنے خراسان پر حملے شروع کر دیئے۔ سلطان سنجر نے ترکان غزنے کے خطرات کو محسوس کر کے علاؤ الدین حسین جہاں سوز پر احسان کرنا مناسب سمجھا اور اس کو غور کے علاقے پر حکومت کرنے کے لئے آزاد کر دیا۔ علاؤ الدین جہاں سوز کے آنے کی خبر سن کر اُمرارے ناصر الدین حسین ابن شجاع الدین علی کو قتل کر دیا۔ علاؤ الدین نے فیروز کوہ میں آکر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ انھیں ایام میں ترکان غزنے سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا اور انھیں کی ایک جماعت نے آکر غزنی پر بھی قبضہ کر لیا یہی وہ زمانہ تھا کہ حسن بن صباح کی جماعت یعنی فدائیوں یا ملحدوں نے ممالک اسلامیہ میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا اور اسی لئے ترکان غز کو ممالک اسلامیہ میں دست درازی کا موقع مل گیا تھا۔ حسن بن صباح کے جانشین محمد بن کیا بزرگ امید فرماں روائے الموت (فہستان) نے علاؤ الدین جہاں سوز کے دوبارہ غور میں آکر تخت نشین ہونے کے بعد اپنے ایلچی اس کے پاس بھیجے اور اپنے کیش و مذہب میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ علاؤ الدین جہاں سوز اور اس کے باپ دادا چونکہ عرصہ دراز سے قرامطہ عقائد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے مگر اول غزنیوں اور اب بعد میں سلجوقیوں کی وجہ سے اپنے خیالات و عقائد کی تشہیر و اشاعت میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ فرماں روائے الموت کی ترغیب و تبلیغ سے علاؤ الدین جہاں سوز کو فدائی مذہب کے قبول کرنے میں کوئی تاثر نہ ہوا کیونکہ سلطان سنجر ترکان غزنے کے ہاتھ میں جن کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا گرفتار ہو چکا تھا۔ فدائی مذہب قرامطہ مذہب سے مشابہ اور اسی کا ثنی تھا۔ علاؤ الدین نے نہ صرف خود ہی ملاحظہ کے عقیدے کو قبول کیا بلکہ محمد بن کیا بزرگ امید کے بھیجے ہوئے منادوں کو جا بجا اپنی حدود حکومت

میں تبلیغ کرنے اور لوگوں کو بے دین بنانے کا آزادانہ موقع عطا کیا۔ منہاج سرماج کے الفاظ یہی
 و باخر عمر رسل ملاحده الموت بز نزدیک سلطان علاء الدین آمدند و ایشان را
 اعزاز کرد و بہر جا از مواضع غور و سر دعوت کردند و ملاحده الموت طمع بشمیت
 و التیاد اہل غور و رہت بند و این معنی غبار بدنامی شد بر فیہل دولت علاء الدین

۱۵۵۰ء میں سلطان علاء الدین جہاں سدر کا انتقال ہوا۔ اور اس کی
سیف الدین محمد جگہ اس کا بیٹا سیف الدین تخت نشین ہوا۔ سیف الدین محمد نے
 تخت نشین ہوتے ہی اپنے دو لڑکے چچا زاد بھائیوں قمس الدین و شہاب الدین کو قید و نظر بندی
 سے آزاد کر دیا۔ چنانچہ آزاد ہو کر شہاب الدین تو اپنے چچا خضر الدین مسعود کے پاس بامیاں
 چلا گیا اور قمس الدین دارالسلطنت فیروز کوہ میں سلطان سیف الدین محمد کی خدمت میں
 رہنے لگا۔ سیف الدین بن علاء الدین نہایت پاک طبیعت اور باخدا سلطان تھا، وہ اپنے
 باپ کے خلاف اسلامی عقائد کا سختی سے پابند اور ملاحده الموت سے سخت متنفر تھا۔ اُس نے
 تخت نشین ہو کر ملاحده کے ان تمام منادوں اور مبلغوں کو جو حدود سلطنت غور میں پھیلے
 ہوئے لوگوں کو بے دین بنانے میں مصروف تھے دارالسلطنت میں طلب کیا اور جب سب
 کے سب فیروز کوہ میں آگئے تو سب کو قتل کرا دیا اور اپنی سلطنت سے ملاحده کی تعلیمات
 کے اثر کو مٹانے کی موثر کوشش کی۔ منہاج سرماج کے الفاظ یہ ہیں :-

"وَال رسل را کہ از ملاحده الموت آمدہ بودند و مدد سر کس را بہطان و بدعت
 و ضلال دعوت می کردند باز طلب فرمود و جملہ را فرمان داد تا بزیر تیغ آوردند
 و ہلاک کردند و بہر موضع کہ از روانی فتنہ ایشان بود یافت فرماں داد تا در کل
 بلاد متحد کشی کردند و ہمہ را بہ دوزخ فرستاد"

سلطان سیف الدین نے صرف ایک سال اور چند ماہ سلطنت کی۔ ترکان غر جو خراسان
 و غزنی پر مستولی ہو چکے تھے حدود سلطنت غور پر حملہ آور ہونے لگے۔ سلطان سیف الدین نے لشکر
 فراہم کر کے ترکان غر پر حملہ کیا۔ دو بار مرو کے قریب لڑائی ہوئی جس وقت معرکہ کارزار تیزی
 سے گرم تھا سلطان سیف الدین کے سپہ سالار ابو العباس شمس نے پیچھے سے آکر سلطان
 کے پہلو میں نیزہ مارا۔ سلطان کو اس طرح مقتول دیکھ کر تمام فوج ترکان غر کے مقابلہ سے فرار
 ہو گئی اور سلطان کی لاش کو اسی طرح میدان میں چھوڑ آئی۔ سپہ سالار ابو العباس کو سلطان

سیف الدین سے اس لئے ولی عناد تھا کہ وہ ملاحدہ الموت کی تعلیمات سے متاثر اور ان کا خفیہ ابیجٹ تھا۔

سلطان غیاث الدین غور کی یہ بھاگی ہوئی فوج جب شہر نشین سے بھی گذر کر ایک قصبہ میں پہنچی تو سپہ سالار ابو العباس شیش کی فمس الدین ۱۰۱۰ ہجری میں ہوا والدین سام سے ملاقات ہوئی جو سلطان سیف الدین مرحوم کی فوج میں شامل تھا۔ ابو العباس نے اسی جگہ تمام سرداران لشکر کو جو فراہم ہو سکتے تھے فراہم کیا اور شمس الدین کے بادشاہ تسلیم کر لینے پر سب کو رضا مند کر لیا۔ چنانچہ اسی جگہ شمس الدین کو تخت نشین کر کے سب نے بیعت کی۔ اور شمس الدین کا لقب غیاث الدین تجویز ہوا۔ اور اسی جگہ ہر قسم کا انتظام کر کے ترکان غز کو شکست دے کر پسپا کیا۔ فیروز کوہ میں آکر سلطان غیاث الدین بن بہاؤ الدین سام نے مراسم تخت نشینی ادا کئے۔ یہ واقعہ ۵۵۲ھ یا ۵۵۳ھ میں وقوع پذیر ہوا شہاب الدین نے باہیاں میں جب بھائی کے تخت نشین ہوئے اور سلطان بن جانے کا حال سنا تو وہ اپنے چچا فخر الدین مسعود سے رخصت ہو کر فیروز کوہ میں بھائی کے پاس پہنچا۔ سپہ سالار ابو العباس نے چونکہ غیاث الدین کو تخت نشین کیا تھا اس لئے وہ بہت قابو یافتہ تھا اور غیاث الدین اپنے سلطانی اختیارات پورے طور پر کام میں نہ لا سکتا تھا۔ ابو العباس کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان غیاث الدین بھی سلطان سیف الدین کی طرح ملاحدہ الموت کا دشمن اور ان سے سخت متنفر ہے تو اس نے غیاث الدین کے خلاف غور کے لوگوں میں شورش برپا کرادی اور خود اس شورش کو بغیر اطمینان دیکھتا رہا۔ غیاث الدین کے بھائی شہاب الدین بھائی سے کہا کہ ہم کو اپنے چچا زاد بھائی سیف الدین کے خون کا بدلہ ابو العباس سے ضرور لینا چاہیئے۔ چنانچہ سردار ابو العباس کو قتل کیا گیا۔ اس کے بعد تمام شورشیں فرو ہو کر سلطان غیاث الدین کی حکومت و سلطنت خوب مستحکم ہو گئی۔

سلطان شہاب الدین سلطان غیاث الدین نے اپنے بھائی شہاب الدین کو تلگین آباد اور گرم سیر کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا۔ شہاب الدین تلگین آباد سے بار بار غزنین پر جو ترکان غز کے قبضے میں تھا حملہ آور رہتا تھا۔ آخر سلطان غیاث الدین نے فرشتہ کی روایت کے مطابق ۵۶۷ھ میں اور منہاج سراج و نظام الدین ہروی کی روایتوں کے موافق ۵۶۹ھ میں غزنی کو فتح کر کے اپنے بھائی شہاب الدین کو

غزنی کے تخت پر بٹھا کر اس کا لقب سلطان معز الدین قرار دیا اور خود اپنے وار السلطنت فیروز کوہ کی جانب چلا گیا۔ اس طرح دونوں بھائی مستقل سلطان ہو گئے مگر چھوٹے بھائی شہاب الدین نے اپنے بڑے بھائی کی بزرگی کو ہمیشہ ملحوظ رکھ کر اپنے آپ کو ہر ایک کام میں اس کا تابع فرمان رکھا اور دونوں بھائیوں نے بڑی یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ حکومت کی سلطان شہاب الدین کو سلطان غیاث الدین کا وزیر بھی کہہ سکتے ہیں اور سپہ سالار بھی جس طرح بڑا بھائی شمس الدین اپنے لقب غیاث الدین کے نام سے مشہور ہوا اس طرح چھوٹا بھائی شہاب الدین اپنے لقب معز الدین کے نام سے مشہور نہیں ہوا بلکہ عام طور پر اس کو شہاب الدین غوری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سلطان غیاث الدین غوری نے ۵۹۹ھ تک حکومت کی اس نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی جانب فتوحات حاصل کر کے اپنے حدود ملک کو بہت وسیع کیا۔ سلطان غیاث الدین ابتداءً مذہب اہل حدیث رکھتا تھا مگر آخر عمر میں شافعی مذہب کا پابند ہو گیا تھا۔ سلطان غیاث الدین غوری نے ترکمان غز کو بھی اپنا مطیع بنایا۔ اُمرائے منجر کو شکست دے کر ہرات و بلخ وغیرہ کا علاقہ فتح کیا اور خوارزم شاہی سلطنت کو شکست دے کر اپنا لوہا منوایا۔ اور ملاحدہ الموت کے اثر کو اپنی حدود حکومت سے مٹایا۔ سلطان غیاث الدین نے ۶۳ سال حکومت کر کے بعد ۶۳ سال ۵۹۹ھ میں وفات پائی اور سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت ۵۹۹ھ میں ہوئی یعنی سلطان غیاث الدین کے بعد سلطان شہاب الدین صرف تین سال تنہا مطلق العنان سلطان رہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان غیاث الدین کے زمانے میں بھی سلطان شہاب الدین غوری بہ طور خود مختار فرما رہا برسر حکومت تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری اپنے بھائی غیاث الدین غوری سے تین سال چھوٹا تھا اور تین ہی سال بعد شہید ہوا۔ یعنی دونوں بھائیوں نے برابر عمر پائی۔

سلطان شہاب الدین غوری کی حملہ آوری کے وقت ہندوستان کی حالت

مسلمانوں نے ۵۹۰ھ سے ۵۹۱ھ تک سندھ و لٹان اور پنجاب تک ہی اپنی سلطنت کو محدود رکھا حالانکہ ان کی فوجیں سومنات سے کالنجر تک ہندوستان کے وسیع صوبوں کو پامال کر چکی تھیں۔ وہ اگر چاہتے اور ان کے داخلی و اندرونی جھگڑے ان کو اپنی طرف متوجہ نہ رکھتے

تو جنوب میں اس کماری اور مشرق میں آسام تک ہندوستان کو فتح کر کے اپنی حکومت و سلطنت میں شامل کر لینا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ سندھ و پنجاب پر پانسو سال تک قابض رہنا اور مشرق کی جانب آگے نہ بڑھنا دلیل اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے نہ کوئی خصوصی عداوت تھی نہ مسلمان ہندوستان پر قابض ہونے اور اس کو اپنی حدود سلطنت میں شامل کر لینے کے زیادہ شائق تھے۔ ان کو ہندوؤں سے کوئی خطرہ و اندیشہ نہ تھا کہ وہ خواہ مخواہ ان کے استیصال اور بربادی کے خواہاں ہوں گے۔ ہندو مودی اور گپت خاندانوں کی حکومت کے زمانے اور بدھ مذہب کے عروج و رواج کے زمانے میں ضرور کسی شائستہ تمدن اور مناسب و موزوں معاشرت کے مالک ہوں گے لیکن بدھ مذہب کے زوال اور گپت خاندان کی بربادی کے بعد تو ہندوؤں میں مذہبی اخلاقی سیاسی تمدنی اور معاشرتی پستی اس قدر داخل ہو چکی تھی کہ وہ مسلمانوں کی آمد اور ان کی صحبت کے بغیر کسی طرح بھی کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اہم پائیدار اپنی تاریخ ہند قدیم میں ہندوؤں کی ناقص حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

۱۰۔ اسی پراگندگی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی آمد سے پیشتر ہندوستان میں سیاسی نظام کی ترقی ناپید ہو چکی تھی۔

پہلے باب میں کسی قدر بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کی آمد کے وقت سندھ میں اخلاق و معاشرت کی پستی کا کس قدر دور دورہ تھا۔ مسلمانوں کے سندھ میں داخل اور قابض ہو جانے کے بعد ان کی صحبت سے سندھ کے ہندوؤں کی اخلاقی پستی نہ صرف رک گئی بلکہ انھوں نے مسلمانوں کی صحبت سے متاثر ہو کر نمایاں ترقی کی اسی طرح سندھ کے ملحقہ علاقوں پر مسلمانوں کا اثر پڑا۔ یہی حال محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد پنجاب کا ہوا۔ لیکن ہندوستان کے جن صوبوں اور جن حصوں میں مسلمانوں کا اثر نہیں پہنچ سکا وہاں ہندوؤں کی اخلاقی و معاشرتی حالت، برابر رو بہ تنزل رہی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے تمام ہندوستان پر حکومت قائم کر کے ہندوؤں کی رو باخطاط قوم کو سنبھالا اور اس کے اخلاق و معاشرت میں ایک نوحش گوار تبدیلی و ترقی پیدا کی۔ ہندوؤں کے تنزل کی رفتار کا اندازہ کر سنے کے لئے سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے سے چند روز پہلے کی حالت کا معائنہ اگر ممکن ہو تو از بس ضروری ہے۔ دوسرے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ سلطان سلطان غزنوی میں دشمن پوران تصنیف ہوا تھا۔ و ثنومت کی

ایجاد کا مقصد اعلیٰ جب پورا نہ ہوا تو نو برس کے بعد ۱۵۴۵ء مطابق ۱۵۴۵ء میں راماچ نامی ایک شخص نے دکن میں وشن مت کی تجدید و اصلاح کر کے اس کو بالکل ایک جدید قالب میں ڈھال دیا اور وشن پوران میں بھی تحریف و تبدیل و تجدید کا سلسلہ حسب دستور جاری رہا۔ مگر اسی زمانے میں شیو مت کی خوب گرم بازاری ہو گئی تھی۔ چلا یا چلو کیہ خاندان کے ایک راہب نے شیو مت کی سرپرستی اختیار کر کے راماچ کو جو وشن مت کا پیرو تھا اپنی حدود حکومت سے خارج کیا۔ راماچ نے بیسویں صدی کے راہب کی پناہ میں جا کر جو جینی مذہب کا پیرو تھا اس کو وشن مت کا پیرو بنالیا ۱۵۴۵ء مطابق ۱۵۴۵ء میں چلو کیہ نبس کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کی جگہ کالا گھوریا نبس حکمران ہوا۔ اس خاندان کے عہد حکومت یعنی ۱۵۴۵ء مطابق ۱۵۴۵ء میں جب کہ شمالی ہند میں شہاب الدین غوری اور پرتھی راج نیر دآز ماتھے۔ دکن کے ایک پنڈت نے شیو مت کے اندر لنگ کی پوجا کو اصل عبادت قرار دے کر ایک نیا فرقہ جاری کیا۔ نیز شیو کے لنگ کی مورت کے ساتھ شیو کی بیوی کی شرم گاہ کی پرستش بھی ضروری قرار دی گئی۔ دکن میں آج تک بھی لنگ اور بھگ کی پوجا کر کے دامے بہ کثرت موجود ہیں۔ انھیں شیوی فرقوں میں گھوڑیوں کا بھی ایک فرقہ ہے جو انسان کے گوشت کو کھانا جائز سمجھتا اور ناقابل تصور افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ مہا دیو کی لنگ کی پوجا کر کے والوں کا معاصر ایک دوسرا گروہ اگم نامی پیدا ہوا اس گروہ کے عقیدے میں ناقابل بیان بے حیائیاں موجب ثواب سمجھی جاتی ہیں اور ان بے حیائیوں کو اس فرقے متفقین قرار دیا۔ اس گروہ کے عقیدے میں پرش مید یعنی انسان کا قتل کرنا اور اس کے گوشت کو آگ میں بھون کر کھانا ثواب کا کام ہے۔ تا بیخ مالوہ میں لکھا ہے کہ ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو وہی کا پجاری ہے اور جب کوئی شخص ان میں مرتب ہے تو وہ مردے کو زمین میں دفن کر دیتے ہیں جب اس کا گوشت پھول کر پھٹتا ہے تو اس کو سب مل کر کھا جاتے اور اس کو بڑانیک کام سمجھتے ہیں یہ فرقہ بھی اسی مذکورہ زمانہ کی پیداوار ہے، اسی زمانے میں ایک فرقہ ہندوؤں میں پراگ بنتھی پیدا ہوا۔ ان کے مذہب میں کوئی چیز حرام نہیں اگوری فرقے کے عقیدے میں جس کا ذکر ابھی ہوا پیشاب اور پاخانہ ملا کر پارچہ بن کر کے پینا اور جس دم کو عبادت قرار دیا گیا دیکھو تا بیخ مالوہ، اسی زمانے میں ایک فرقہ پرتمنس نامی پیدا ہوا جنھوں نے ڈارمی مونچھو سر کو منڈانا۔ ماور زاد سنگھ پھرنا اور عورتوں سے بوجا کرنا حسن عمل قرار دیا۔ سنا ہے کہ ان لوگوں کو نانگے کہتے ہیں اور ہر در کے بعض مہلوں میں وہ آتے اور مذکورہ پوجا بھی کراتے ہیں۔ ایک

فرقہ ایسا پیدا ہوا جس نے اپنے اندر اس رسم کو لازمی قرار دیا کہ جو شخص لولد مر جائے اس کی بیوہ عورت کا گھر کے ایک ستون سے عقد کر دیا جائے اور عزیز و اقارب میں سے جو شخص اس گھر میں تعزیت کے لئے جائے وہ اس طرح جولا کا پیدا ہو وہ اس فوت شدہ مردہ بیٹا سمجھا جائے اور اس کی میراث اپنے تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ مالوہ بطور مشتبہ نمونہ از خرواری یہ چند محش باتیں مجموعہ انہا بیعت انیسویں کے ساتھ بیان کرنی پڑی ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کی تہذیب اخلاق اور جذبات کس قدر پست و ذلیل ہو چکے تھے یہ تمام فرقے اور پتھ برہمن لوگ ہی ایجاد کرتے اور کسی نہ کسی راہچہ کی سرپرستی سے ادا دیتے اور مذکورہ بے حیائیوں کو رواج دیتے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہندوستان میں ظلم و عسیان اور بے شرمی و طغیان کا وہ عظیم الشان طوفان آچکا تھا کہ بالیوں، عادیوں، لوطیوں، بزدلیوں وغیرہ اقوام کی طرح ہندوؤں کی قوم بھی صفحہ ہستی سے ناپید و بے نشان ہو جائے اور عذاب الہی کی تلوار اس قوم کو تھیں نہیں کر پڑے لیکن ہند اور اہل ہند کی خوش نصیبی تھی کہ پرستان الہی یعنی مسلمانوں کے قدم اس سرزمین پر پہنچ چکے تھے انھوں نے جلد جلد تمام شمالی ہند اور دکن پر بھی قابض و متصرف ہو کر ان بھی کا روائتوں، حیا سوز بد اخلاقیوں اور انسانیت کس مظلوم کی تیغ لگی میں کوتاہی نہیں کی اور ہندو قوم کو اپنے شریفانہ نمونہ سے تہذیب و متانت اور آدمیت و انسانیت کی تعلیم دے کر برباد ہونے سے بچا لیا۔ مذکورہ اقسام کے قریباً تمام فرقے اور تمام بد اعمالیاں اس بد تہذیبی و بد اخلاقی کے طوفان کا پتہ بتانے کے لئے آج بھی ہندوؤں کی قوم میں غالباً تلاش کرنا ممکن ہے لیکن اسلامی عہد حکومت میں یہ تمام فرقے ٹھٹھہرے سکڑنے اور اپنے اعمال و عقائد کو عیب سمجھ کر چھپانے لگے اور تہذیب و متانت و انسانیت کا رواج ترقی پانے لگا۔ اسلامی حکومت کے ٹٹنے کے بعد پھر سننے میں آتا ہے کہ بعض جدید مذہبی فرقے نیوگ جیسی حیا سوز مراسم پر عمل درآمد کرانا ضروری سمجھنے لگے ہیں۔

محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کا درمیانی زمانہ ایسا ہے کہ سندھ و پنجاب کے علاوہ ہندوستان کے تاریخی حالات نہایت گہری تاریکی میں روپوش و مدفون ہیں اور کسی طرح بھی ہم اس زمانہ کے تفصیلی حالات معلوم نہیں کر سکتے۔ حالانکہ محمود غزنوی سے پہلے کے حالات بہت کچھ معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے اندر قومی و مذہبی نظامات تمام درہم برہم ہو چکے تھے۔ برہمنوں کی مطلق العنانی اور ان کی اغراض

نفسانی نے اخلاق و تہذیب و معاشرت کو تباہ کر دیا تھا اور ان کی پیدا کردہ راجپوت قوم نے خوب قابو یافتہ سہوکر برہمنوں کے حقیقی اقتدار کو فنا کر کے بے دست و پا اور اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے لئے مذہبی تائید حاصل کرنے کا آلہ بنالیا تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ بد اعمالیوں کا ہر طرف پھیرا دورہ ہو۔ اور یہی خواہشات و جذبات نے عام طور پر لوگوں کو مغلوب کر کے اخلاق و تہذیب کو مفلوج کر دیا ہو نہ کسی کو کسی تصنیف کا موقع مل سکتا ہے۔ نہ ایسے زمانے کی یاد تازہ رکھنے کا کوئی سامان کیا جاسکتا نہ کوئی یادداشت رکھی جاسکتی ہے اس زمانے کی تصانیف میں شاکت مت اور بام مارگوں کی تصانیف کا خصوصیت سے نام لیا جاسکتا یا چند ایسی دور از عقل باتوں سے ملوکہا بنوں کا پتہ بتایا جاسکتا ہے جن سے انسان کو کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور کوئی مفید واقفیت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

سلطان شہاب الدین غوری | اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ۵۹۹ھ میں سلطان غیاث الدین غوری نے اپنے بھائی شہاب الدین غوری کو غزنی کے تخت پر بٹھا کر سلطان معز الدین کا لقب یا خطاب دیا تھا، سلطان شہاب الدین نے تخت سلطنت پر جلوس کر کے سب سے زیادہ اپنی توجہ ملاحہ الموت کا اثر مٹانے میں صرف کی۔ علاؤ الدین جہاں سوز ملاحہ کے مسلک پر عامل ہو چکا تھا۔ اس کے زمانے میں ملاحہ الموت کے منادوں اور مبلغوں نے سلطنت غور کے قصبوں شہروں اور گاؤں میں اپنے مسلک کی خوب تبلیغ کی تھی علاؤ الدین جہاں سوز کے بیٹے سلطان سیف الدین نے ملاحہ کے اثر کو مٹایا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین غوری بھی چونکہ ملاحہ الموت کا دشمن تھا ان کے اثر کو مٹانے اور شریعت اسلام کو رواج دینے میں مصروف رہا۔ اب جب کہ سلطان شہاب الدین غوری غزنی کا بادشاہ بنا تو اس نے بھی اپنی تمام تر توجہ اسلام کے رواج دینے اور اتحاد کفر کے مٹانے میں صرف کی۔ دو سال تک سلطان شہاب الدین نواح غزنی کے انتظام اور ارد گرد کے ملاحہ کو خراج کرنے میں مصروف رہا۔ ۶۰۵ھ میں اس کو اطلاع پہنچی کہ ملاحہ نے ملتان پہنچ کر اپنی حکومت قائم کر لی ہے۔ چونکہ اس سے پہلے ملتان قرامطہ کا مسکن و لجارہ چکا تھا اس نے ملاحہ الموت کو ملتان پر قابض ہونے اور ہندوؤں کی امانت حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ غوری خاندان چونکہ غزنوی خاندان کا جانشین اور اپنے آپ کو محمود غزنوی کی قائم کی ہوئی

سلطنت کا وارث و مالک سمجھا تھا لہذا غزنی پر قابض و متصرف ہونے کے بعد سلطان فیاض الدین غوری کے حسب الایما سلطان شہاب الدین کا مصمم ارادہ تھا کہ پنجاب پر چڑھ کر کے خسرو ملک سے پنجاب کا صوبہ چھین لیا جائے۔ کیونکہ غزنی پر قابض ہونے کے بعد سلطنت غزنی کے تمام صوبوں کو اپنے قبضے میں لائے کا حق خاندان غور کو حاصل ہو چکا تھا۔ مگر چونکہ اپنی حدود حکومت سے ملاحہ الموت کا استیصال زیادہ ضروری تھا لہذا دو سال تک کسی دوسری جانب متوجہ ہونے کا موقع نہیں مل سکا۔ اب ملتان پر ملاحہ کے قابض ہونے کی خبر نے پنجاب کی طرف متوجہ ہونے سے باز رکھا اور ملتان کو پنجاب پر ترجیح دینا ضروری سمجھا گیا۔ کیونکہ ملتان بھی پنجاب کی طرح سلطنت غزنی کا ایک جزو تھا۔

پنچائے شہدہ میں سلطان شہاب الدین غوری نے ملتان پر حملہ کیا ملاحہ نے سخت مقابلہ کے بعد شکست کھائی اور اکثر گرفتار و مقتول ہوئے۔ سلطان شہاب الدین غوری

سلطان شہاب الدین کا ملتان پر حملہ

نے اپنے سپہ سالار علی کرمانخ کو ملتان کا حاکم و عامل مقرر کیا اور ملتان کے انتظام سے فارغ ہو کر مقام آج پر حملہ کیا، جہاں ملتان کے مفرد ملاحہ نے پناہ لی تھی۔ آج کا راجہ مقابلہ پر آمادہ ہوا اور قلعہ بند ہو کر مدافعت کرنے لگا، راجہ کی بیوی نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر میری خوبصورت جوان بیٹی سے نکاح کرنے کا وعدہ کرو اور میرے مال و زیور و جواہر وغیرہ کو نقصان نہ پہنچاؤ تو میں راجہ کا کام تمام کئے دیتی ہوں۔ اس طرح تمھارا کام بہت ہلکا ہو جائے گا۔ سلطان نے جواباً راجہ کی کماری سے نکاح کر لینے کا وعدہ کیا۔ رانی نے راجہ کو ہلاک کر دیا جو خود ہی مغلوب ہو کر ہلاک ہوئے والا تھا۔ سلطان نے قلعہ آج پر قابض ہو کر اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ راجہ کی کماری سے نکاح کر کے اس کو اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔ دو برس کے بعد یہ لڑکی فوت ہو گئی تھی۔ سلطان ابھی آج سے فارغ نہ ہوا تھا کہ اس کے پاس مقام سنقران میں بغاوت برپا ہونے کی خبر پہنچی۔ قلعہ الموت میں ملاحہ کا بادشاہ محمد بن علی ذکرہ تخت نشین تھا جو تمام سلاطین ملاحہ میں سب سے زیادہ مستعد و چالاک اور سب سے زیادہ اپنے مسلک کی اشاعت میں سرگرم تھا۔ سنقران کے لوگ سلطان محمد بن علی ذکرہ کے ہواخواہ اور فدائی بن کر اسی کے اشارے سے باغی ہوئے تھے کہ ملتان کی فتح معرض التوا میں پڑ جائے۔ مگر سلطان شہاب الدین نے ملتان و آج کو بھی فتح کر لیا اور وہاں سے سنقران کے محمد باغیوں

کا بھی قتل عام کیا ملتان کی فتح کو شہاب الدین غوری کا ہندوستان پر پہلا حملہ سمجھنا چاہیے۔ محمد بن علی نوکرہ فرماں روا کے الموت اور راجہ بھیم دیو حاکم نہرو والہ (ملکہ گجرات) کے درمیان سلطان شہاب الدین کے خلاف سلام و پیام کا سلسلہ جاری ہو کر دوستی کا عہدہ ہو چکا تھا۔ راجہ بھیم دیو نے ملاحدہ سے امداد پا کر سندھ و ملتان کو علی کرمان سے چھین لینے کی تیاری کی اور ایک عظیم الشان لشکر اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے مرتب کیا اس خبر کو سن کر شاہہ کے آخر ایام میں سلطان شہاب الدین غازی سے روانہ ہو کر ملتان پہنچا اور یہاں سے نہرو والہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس سفر میں سلطان سے ریگستان کی صعوبات اور پانی نہ ملنے کا صحیح اندازہ کرنے اور بھیم دیو کی جنگی طاقت کا تمہینہ لگنے میں غلطی ہوئی۔ نہرو والہ کے قریب سلطان اس وقت پہنچا جب کہ اس کی فوج کا بڑا حصہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے راتے میں ہلاک ہو چکا تھا۔ بھیم دیو نے فدائی لشکر کے ساتھ سلطان کی تنگی ماندی اور نہایت قلیل فوج کو آرام لینے اور ستانے کی مہلت نہ دی۔ سلطانی لشکر کو ہندوؤں اور لمحدوں کی تازہ دم اور کثیر التعداد فوج کے مقابلہ میں ناکامی تو ہوئی مگر دشمنوں کے دل پر اس ٹھہری فوج کی شمشیر زنی و جاں بازی دیکھ کر ہیبت ضرور چھا گئی سلطان کو بے حصول مقصد نہرو والہ سے شاہہ میں واپس آنا پڑا۔ اور واپسی میں بھی ریگستانی سفر بڑی دشواریوں سے طے ہوا۔ اس سفر کے تجربے نے سلطان پر ثابت کر دیا کہ گجرات سے پہلے پنجاب پر قبضہ کرنا ضروری ہے سلطان کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا۔ کیونکہ بھیم دیو کو بھی سندھ و ملتان پر چڑھائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

پشاور اور پنجاب کے مغربی اضلاع کی فتح

سلطان نے شاہہ میں غازی سے پشاور کی طرف کوچ کیا اور شاہہ پشاور کو فتح کر کے پنجاب کے مغربی اضلاع کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

ان اضلاع کے انتظام و استحکام سے فارغ ہو کر شاہہ میں لاہور پر حملہ آور ہوا۔ خسرو ملک تاب مقابلہ نہ لاکر لاہور میں محصور ہوا۔ اور اپنے عجز کا اقرار کر کے ایک ہاتھی بہ طور پیش کش سلطان کی خدمت میں بھیجا اور اپنے بیٹے کو بھی بطوریرغمال سلطان کے پاس بھیج دیا۔ سلطان لاہور سے محاصرہ اٹھا کر غازی پہنچا اور اپنے بھائی سلطان غیاث الدین کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ مغربی پنجاب کے شامل سلطنت اور خسرو ملک کے مطیع ہو جانے کے بعد پنجاب کی طرف سے اطمینان حاصل

ہو چکا تھا۔ لہذا گجرات کے راجہ اور ملحدہ الموت کے خطرہ کا انتظام ضروری تھا۔ سلطان نے اس خطرے سے مطمئن ہونے کے لئے بہترین تدبیر سوچی اور پنجاب سے غزنی پہنچ کر آرام کئے بغیر فوراً دیبل (کراچی) کی طرف فرج کشی کی۔ ساحل سمندر اور دریائے سندھ کے مغربی کنارے کا علاقہ فتح کر کے اپنی طرف سے دیبل میں ایک عامل مقرر کر دیا۔ اس فتح اور اس انتظام سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ ملحدہ الموت اور حاکم گجرات کے درمیان فوجی امداد کے آنے جانے کا راستہ مسدود ہو جائے۔ چنانچہ یہ مقصد بخوبی حاصل ہو گیا اور بظاہر سلطان کے ہندوستان پر حملہ آلود ہونے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔ لیکن خسرو ملک نے لاہور میں پنجاب کے ہندوؤں کی مشہور جنگجو قوم لگھڑوں کی بھرتی شروع کی اور ان کو اپنی طرف مائل کر کے مغربی پنجاب کو فتح کرنے کی تیاری شروع کی۔ سلطان کو جب خسرو ملک کے اس ارادے کا حال معلوم ہوا تو وہ سندھ میں فوج لے کر پنجاب آیا۔ خسرو ملک لاہور میں محصور ہوا جہاں وہ مدافعت کی پوری تیاری کر چکا تھا۔ سلطان نے لاہور کو چھوڑ کر راوی و چناب کے دو آبہ میں سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کیا اور پنجاب کے ایک بڑے علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے قلعہ سیالکوٹ میں اپنی طرف سے اپنے ایک سردار حسین خرمیل کو متعین کیا کہ تمام مفتوحہ ملک پر قبضہ رکھو اور خسرو ملک کی تادیب پر مستعد رہو۔ اس انتظام کو کافی سمجھ کر اور خسرو ملک کے قبضے سے ایک بڑا علاقہ نکال کر سلطان غزنی واپس چلا گیا۔ سلطان کے جاتے ہی خسرو ملک نے لگھڑوں اور بقول بعض کھوکھڑوں کی جنگجو اور جرائم پیشہ ہندو قوم کو ہمراہ لے کر سیالکوٹ پر حملہ کیا اور حسین خرمیل کو محصور کیا۔ حسین خرمیل نے بھی محصور ہو کر حق مدافعت ادا کر دیا اور بڑی جوانمردی کے ساتھ خسرو ملک کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ خسرو ملک قلعہ سیالکوٹ کو فتح نہ کر سکا اور مجبور ہو کر لاہور چلا آیا مگر اس تمام علاقے پر جو سلطان شہاب الدین نے دوسری مرتبہ آ کر فتح کیا تھا قبضہ کر لیا یہ خبریں سن کر سندھ میں سلطان شہاب الدین نے لاہور پر حملہ کیا اور خسرو ملک کو گرفتار کر لیا۔ اس طرح تمام ملک پنجاب سلطان شہاب الدین غوری کے قبضے میں آ گیا۔ سلطان نے ملتان سے علی کرمان کو لاہور طلب کر کے پنجاب و ملتان دونوں صوبوں کی حکومت اس کو سپرد کی اور طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج کے باپ مولانا سراج الدین کو شکرپور و ہندوستان کا قاضی اور امام مقرر کیا۔ خسرو ملک کو اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔ غزنی سے سلطان غیاث الدین کی خدمت میں بمقام فیروز کوہ روانہ کیا۔ جہاں پانچ سال قید

رہ کر شہنشاہ میں خسرو ملک اور اس کا بیٹا دونوں فوت ہوئے یا ہلاک کئے گئے۔

خسرو ملک کی نسبت اور بیان ہو چکا ہے کہ اس نے اپنے ایام حکومت میں پنجاب کے مشرقی علاقے پر دہلی کے راجہ کو قبضہ کر لینے دیا تھا اور کوئی تدارک اس کا نہ کر سکا تھا۔ اب جب کہ سندھ و ملتان و پنجاب کے صوبے بھی سلطان کے قبضے میں آچکے تھے تو یہ کسی طرح جائز نہ تھا کہ سلطنت محمودی کا ایک حصہ دہلی کے راجہ کو غصب کر لینے دیا جائے اور اس سے واپس نہ مانگا جائے جس پر کہ اس نے خسرو ملک کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ سلطان نے رائے پتھورا (پرتھوی سلج) حاکم دہلی و اجمیر کو **پرتھوی راج کے نام خط** خط لکھا کہ سلطنت غزنی کے علاقہ کو خالی کر دو اور جس طرح

سلطان محمود غزنوی کے خاندان کی سیادت کو تسلیم کرتے تھے اسی طرح اب ہماری سیادت کو تسلیم کر دو۔ پرتھوی راج نے بجائے اس کے کہ وہ منصوبہ علاقہ سے دست بردار ہو جاتا سلطان کے خط کا جواب سختی سے دیا اور مقابلہ و مقاتلہ پر آمادگی ظاہر کی سلطان شہاب الدین غوری نے شہنشاہ میں لاہور آ کر حالات کی تحقیق کی۔ اس کو معلوم ہوا کہ کرناٹ و تنہا نیرنگ کا علاقہ پرتھوی راج کے قبضے سے نکالنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے لاہور سے روانہ ہو کر سریندر کے قلعہ کو پرتھوی راج کے آدمیوں سے چھین لیا اور قلعہ سرہند میں طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج کے ایک قریبی رشتہ دار قاضی ضیا الدین نوکی کو بارہ سو آدمی دے کر قلعہ دار مقرر کیا اور اسی تصرف کو کافی سمجھ کر اور قلعہ سرہند پر قبضہ قائم رکھنے کا انتظام کر کے لاہور کی طرف واپس ہوا۔ طبقات ناصری، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، خلاصۃ التواریخ وغیرہ اکثر کتابوں میں قلعہ سرہند لکھا ہے لیکن تاریخ فرشتہ میں اس قلعہ کا نام بھٹنڈہ بتایا گیا ہے۔ اس قلعہ سے لاہور کی جانب روانہ ہونے کے بعد سلطان نے سنا کہ پرتھوی راج اور اس کا بھائی کھانڈے رائے معہ بہت سے راجاؤں کے دو لاکھ سپاہی اور بہت سے جنگی ہاتھی نے سلطان کے مقابلے کو آرہے ہیں۔ سلطان اگرچہ اس وقت سرگز پرتھوی راج کے مقابلہ کی استعداد اور لڑائی کا ارادہ نہ رکھتا تھا کیونکہ اس کے ہمراہ تین چار سو سے زیادہ فوج نہ تھی۔ مگر یہ سن کر کہ پرتھوی راج لڑائی کے ارادے سے نکلا ہے غیرت سلطانی نے گھوڑے کی باگ موڑنی اور دشمن کے استقبال کو تنہا نیرنگ کی جانب روانہ ہوا۔ پرتھوی راج خود اجمیر میں رہتا تھا اور دہلی میں اپنی طرف سے اپنے ایک رشتے کے بھائی کھانڈے رائے کو بطور نائب السلطنت مقرر کر رکھا

تھا یہ کھانڈے رائے پرتھی راج کی فوج کا سپہ سالار اعظم اور ہندوستان کا مشہور بہادر سردار سمجھا جاتا تھا۔

شہاب الدین اور پرتھی راج کا پہلا معرکہ | موغلی نرائن میں جس کو آج کل تراوری کہتے ہیں غزوانہ لشکروں کا مقابلہ ہوا۔

یہ مقام دریائے سرتھی کے کنارے تھا دوسرے سات کوں اور دہلی سے چالیس کوں کے فاصلے پر تھا۔ سلطان اپنے بھائی بھراہیوں کو مہمند و میسرہ و قلب میں تقسیم کر کے ہندو فوج کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ سلطانی لشکر کی صحیح تعداد تو کسی مورخ نے نہیں لکھی لیکن اس میدان میں سلطانی لشکر تین چار ہزار سے زیادہ نہ تھا۔ ایک فروگذاشت یہ بھی ہو گئی تھی کہ بارہ سو کی تعداد میں جو سب سے بہتر انتخابی لشکر میں شامل نہ تھے۔ ہندو لشکر نے بڑے جوش و خروش سے حملہ کیا۔ سلطان قلب لشکر میں موجود اور مصروف قتال تھا کہ ایک مصاحب نے آکر سلطان کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہا کہ مہمند و میسرہ کی فوجیں فرار ہو چکی ہیں آپ کا اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے اس وقت یہاں سے جان سلامت لے جانا ہی مصلحت ہے۔ تاکہ دوسرے وقت پوری تیاری اور مضبوطی کے ساتھ آکر ہندوؤں کا مقابلہ کر سکیں۔ سلطان نے کہا کہ میں میدان جنگ سے منہ موڑنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اسی اثناء میں ہندو لشکر نے اسلامی لشکر کے دونوں بازوؤں کو مغرور دیکھ کر اور زیادہ دلیر ہو کر پوری شدت سے حملہ کیا اور قلب کی قلیل جمیعت کو جس میں سلطان بھی موجود تھا چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سلطان نے پہلے سے چوگنی شمشیر زنی شروع کی، کھانڈے رائے جو ہاتھی پر سوار تھا اس نے سلطان کو سب سے زیادہ مصروف شمشیر زنی دیکھ کر اپنا ہاتھی اس پر دھیل دیا سلطان نے بھی چابک دستی و حملہ آوری میں مطلق کوتاہی نہیں کی کھانڈے رائے اور سلطان کے وارا ایک دوسرے پر پہلے ہوئے۔ سلطان کا نیزہ ہودہ کو سوراخ کرتا ہوا کھانڈے رائے کے چہرے تک پہنچا اور اس کے دودانت اس نیزے کی ضرب سے ٹوٹ کر اس کے منہ میں گر گئے۔ کھانڈے رائے کے نیزے نے سلطان کے بازو کو زخمی کیا اور ساتھ ہی دوسرے ہندو سرداروں کے وار سلطان پر پڑے جس سے سلطان سخت زخمی ہو کر چہوش ہو گیا اور قریب تھا کہ گھوڑے سے گر پڑے اتنے میں پیچھے سے ایک غلیبی بچے نے سلطان کی اس نازک حالت کو دیکھ کر جرات و ہمت اور بے حد قابلِ تعریف ہوشیاری سے کام لیا کہ اچھل کر فوراً سلطان کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اور سلطان کو کولی میں بھر کر گھوڑے کو ہمیں کر دیا۔ گھوڑے کی جھانکشی و شہ زوری اس غلجی بچے کی چابک دستی سے بھی زیادہ قابل تعریف ہے کہ دوا دیموں کو لے کر اس ہجوم میں سے اس طرح بھاگا کہ کسی کو تعاقب کی جرأت نہ ہوئی۔ میدان جنگ سے بیس میل کے فاصلے پر جا کر سلطان کو گھوڑے سے اتارا گیا جہاں بعض مفورین پہلے سے پہنچے ہوئے تھے۔ سلطان کی حالت بہت نازک تھی۔ سہا ہیوں نے اپنے نیزے توڑ کر اور نیزے کے بالنوں کو جوڑ کر سلطان کے لئے ایک ڈولی بنائی اور اس میں ڈال کر لاہور کی جانب لے چلے۔ سلطان لاہور سے غزنی کی جانب گیا۔

یہاں پر تھی راج نے تراوری کے میدان میں فتح مند ہو کر قلعہ سرہند پر حملہ کیا اور قاضی ضیا الدین کو محصور کر لیا۔ قاضی ضیا و الدین نے قلعہ بند ہو کر اس خوبی کے ساتھ مدافعت کی کہ پر تھی راج کی زبان پر بھٹی کا دودھ آ آ گیا۔ تیرہ مہینے تک محاصرہ جاری رہا مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ آخر تیرہ مہینے کے بعد قاضی ضیا و الدین نے خود ہی صلح کے ساتھ قلعہ خالی کر دیا اور تمام سامان لے کر لاہور پہنچ گیا۔ جب کہ سلطان بھی غزنی سے فوج لے کر ہندوستان واپس آ چکا تھا۔ لاہور اور ملتان کے عالموں نے یہ بڑا کام کیا کہ مذکورہ قلعہ سرہند کے علاوہ ہندوؤں کو اور کسی سمت سے قدم آگے نہیں بڑھانے دیا۔ سلطان شہاب الدین کے زخمی ہونے اور میدان جنگ سے زندہ بچ کر نکل آنے کا جو حال درج ہوا اس میں بہت ہی خفیف اور ناقابل التفات اختلاف کے ساتھ تمام مورخ متفق ہیں۔ لیکن تاریخ دین الماٹر کا یہ بیان یقیناً قابل التفات ہے کہ سلطان جب زیادہ زخمی ہوا تو بیہوش ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ چونکہ سلطان کے جسم پر کوئی امتیازی لباس اور مخصوص شاہی نشان نہ تھا اس لئے کسی نے نہ پہچانا کہ یہ سلطان شہاب الدین غوری ہے اور کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اسلامی لشکر کے بغیتہ السیف مفورین نے سلطان کو شہید سمجھا۔ جب رات ہوئی تو سلطان کے چند غلام جو میدان کے قریب کسی جگہ چھپ گئے تھے میدان جنگ میں آئے اور سلطان کی لاش کو تلاش کر لے گئے۔ چنانچہ انہوں نے سلطان کو لاشوں میں پڑا ہوا نہایت نازک حالت میں پایا۔ وہاں سے اٹھا کر لوہے کی بوتل سے کاندھوں پر بٹھاتے ہوئے رات بھر سفر کر کے بیس کوس چل کر صبح ہوتے اس مقام پر پہنچے جہاں لشکر کے مفورین جمع تھے وہاں نیزوں کی ڈولی بنا کر اور اس میں سلطان کو ڈال کر لاہور کی جانب لے گئے۔

پر تھی راج کا اکثر حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس جگہ یہ ظاہر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے کے

بعض ہندو اور یورپی مورخین نے پر تھی راج اور بے چند کے متعلق بعض ایسی باتیں لکھی ہیں جن کا اس زمانے کے قریب الجہد مورخین نے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ہندوؤں کی نسبت ہر شخص جانتا ہے کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کے صحیح حالات کبھی نہیں لکھے اور ہمیشہ فرضی کہانیوں اور جھوٹے افساؤں ہی سے دل بہلاتے رہے۔

تاریخ کی طرف سے اس بے التفاتی کا افسوس جس قدر خود ہندوؤں بے سرو پا باتیں

اور ہندو رہبروں کے حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں اور کہیں بھی حسب ضرورت سامان نہیں پاتے ہندو انتھاس کی کتابوں میں اگر کسی شخص کی عمر چودہ لاکھ سال بتائی جائے یا کسی مرد کو کسی جگہ کی آب و ہوا باجاد کی تاثیر سے عورت بنا کر اس کے پیٹ سے بہت سے بچے بھی جنا کر پھر اس کو مرد بنا دیا جائے۔ یا کسی شخص کے جسم میں کثیر التعداد عورت کی شرم گاہیں پیدا کر دی جائیں یا کسی کی تھیلی پر سیکڑوں میل مکعب پہاڑ رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیا جائے یا کسی ایک شخص کے دو پاؤں پر ایسا جسم بتایا جائے جس میں ہیں ہاتھ اور دس گیارہ سر ہوں تو ہم کو نہ کوئی تعجب ہونا چاہئے نہ شکایت کرنا چاہیے۔ مگر تعجب اس بات پر ہے کہ ٹاڈ صاحب، ہنٹر صاحب، لیتھبرج صاحب، الفنسٹن صاحب وغیرہ یورپین مؤرخ اگر کہیں ان دور از عقل ہندو انتھاس کی کتابوں اور عقل سوز فرضی کہانیوں کو پالیتے ہیں تو اس بات کی کوشش کرنے لگتے ہیں کہ ان ناقابل قبول باتوں کو لوگ وحی و الہام سمجھ کر ان پر ایمان لے آئیں اور کسی قسم کے شک و شبہ اور خدشہ کو پاس نہ دیکھنے دیں اسی قبیل کی باتوں میں سے ایک بے چند کی بیٹی کا سوہرہ و مجلس شوہر پسندی، اور پر تھی راج کا اس تقریب کے موقع پر اس کو زبردستی قنوج کے محل شاہی سے اٹھا لانا ہے۔ اسی طرح شہاب الدین غوری کا ایک دو مرتبہ نہیں سات مرتبہ پر تھی راج کے ہاتھ میں گرفتار ہونا اس قسم کی بیہودہ اور دور از حقیقت باتوں کو درست اور صحیح یقین کر لینے کے لئے ہم کو پر تھی راج کے کسی بھاٹ کی بنائی ہوئی نظم کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے ہندو مصنفین کی تاریخی تصانیف ہی کو کسی قابل اعتماد اور لائق قبول ہیں کہ ایک بھاٹ کے کہت پر ایمان لانے کی فرمائش

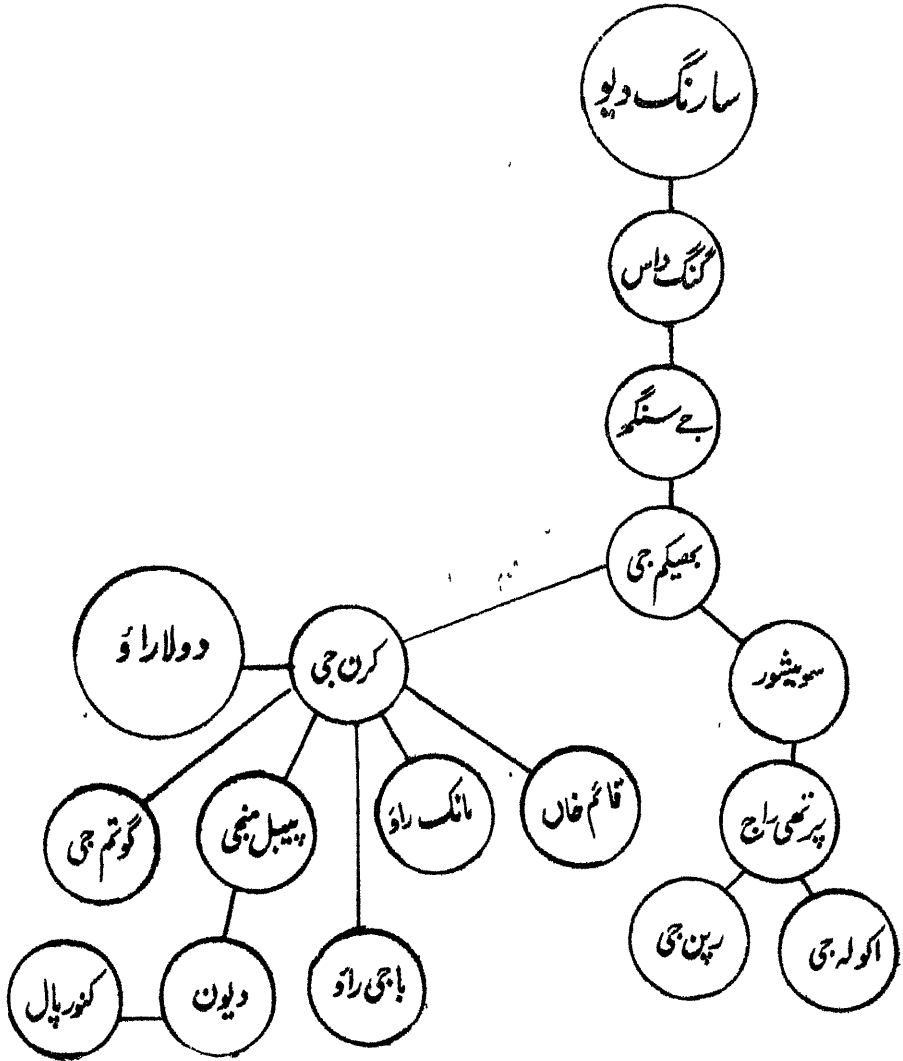
کی جاتی ہے۔

پرتھی راج اور بے چند کی نسبت ایک طرف تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔ دوسری طرف یہ بتایا جاتا ہے کہ پرتھی راج بے چند کی بیٹی بنجوگنا کو زبردستی قنوج سے اٹھالایا اور اپنی بیوی بنا لیا۔ لیکن ہندوؤں اور چہان راجپوتوں میں تو خالہ زاد بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی کو بیوی بنانا سخت معیوب سمجھا جاتا ہے چہ جائیکہ اس زبردستی اور دھینگا مشتی کی بد اخلاقی کا ارتکاب کیا جائے اور اس کو متحسب سمجھا جائے۔ ہاں اگر سندھ کے راجا داسر کا طرز عمل ملحوظ رکھا جائے تو پرتھی راج پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ لیکن ہم تو اپنے اعتراض کا جواب موجودہ زمانہ کے ہندوؤں سے لینا چاہتے ہیں۔ زمانہ حال کے چالاک اور ہوشیار ہندوؤں نے ایک یہ ڈھکوسلا بھی تراش لیا ہے کہ بے چند نے سلطان شہاب الدین غوری کو پرتھی راج پر دوبارہ حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی اور اسی نے سلطان کو دوبارہ بلا کر اور خود پرتھی راج کی اعانت سے محترز رہ کر پرتھی راج کو ہلاک کر دیا۔ لیکن وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ پہلی لڑائی میں جو ۸۷۵ھ میں ہوا تھا اور اسی ہی بے چند پرتھی راج کے ساتھ تھا۔ اس وقت تک بنجوگنا کا سر نہبر نہیں ہوا تھا اور بے چند پرتھی راج کے درمیان نا اتفاقی و عداوت کا پیدا ہونا تراوری کی پہلی لڑائی کے بعد بتایا جاتا اور اسی کو دوسری لڑائی میں پرتھی راج کے مغلوب ہونے کی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔ بابو جلال سہائے صاحب اپنی تاریخ وقائع لچھنؤ میں لکھتے ہیں کہ پرتھی راج کو گرفتار کر کے سلطان شہاب الدین غوری اپنے ہمراہ غزنی لے گیا تھا۔ وہاں ایک روز موقع پا کر پرتھی راج نے شہاب الدین کو قتل کر دیا۔ یہی مؤرخ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ شمس الدین التمش سلطان شہاب الدین غوری سے پہلے فراں روانہ چکا تھا۔ مگر قدیم زمانے کے مسلمان مورخوں میں سے کسی نے بھی پرتھی راج اور بے چند کے متعلق ان مذکورہ باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ پھر لطف یہ کہ ۸۷۵ھ کی لڑائی کے بعد اور ۸۷۵ھ کی دوسری لڑائی سے پہلے جن واقعات کا ظہور پذیر ہونا ہندو مورخ بیان کرتے ہیں ان کا ذکر ہونا کسی طرح فرض بھی کیا جاسکتا۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ شہاب الدین غوری کے شکست پانے کے بعد بے چند نے اپنی بیٹی کی مجلس شوہر پسندی متعقد کی اور پرتھی راج کو درباری کی خدمت پر طلب کیا۔ پرتھی راج نے اس مجلس میں شریک ہونے سے انکار کیا تو بے چند نے پرتھی راج کی شکل کا ایک سونے کا بت دربان کی جگہ نصب کر دیا، قنوج سے اجیر دعوت بھیجی وہاں سے انکاری جواب آئے پھر سونے کا بت بنوانے میں یقیناً ہتھے نہیں کئی جینے صرف ہوئے ہوں گے۔ پھر پرتھی راج کو اپنی

مورت کے دربان کی جگہ افسب ہونے کا حال معلوم ہوا اور وہ اپنی اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا اور عین وقت پر قنوج پہنچ گیا۔ بھری مجلس کے سامنے بھوگتا کو جب کہ وہ اس سونے کی مورت کے گلے میں ہار ڈال رہی تھی اٹھا کر چل دیا۔ جے چند نے تعاقب بھی کیا۔ لڑائی بھی ہوئی مگر پرتھی راج بھوگتا کو دئی لے آیا اور اس کو اپنی بیوی بنا لیا۔ حالانکہ اس کو بجائے دہلی کے اجمیر لے جانا چاہیے تھا تاہم ان ہنگاموں اور بھوگتا سے شادی کر کے کسی دوسری ہم کی طرف متوجہ ہونے میں بھی کافی زمانہ صرف ہوا ہوگا بھوگتا سے شادی کر نیچے بعد پرتھی راج نے بندلیکھنڈ کے راجہ پرچڑھائی کی اور تمام بندلیکھنڈ فتح کر لیا۔ تعجب ہے کہ پینج میں قنوج کا ملک چھوڑ کر بندلیکھنڈ کو کیسے فتح کر سکا اور جے چند جو بندلیکھنڈ کا زیادہ حق دار تھا خاموش رہا۔ یہ کام بھی مہینوں اور برسوں کا تھا۔ اس کے بعد دہلی یا اجمیر میں آکر اور اپنے رشتہ داروں کو میرٹھ دلی گڑھ وغیرہ کے تلعوں میں نامزد کر کے اس علاقہ کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد ملک مالوہ پر چڑھائی کی۔ مالوہ میں کئی راجاؤں سے معرکہ آرائیاں ہوئیں اس میں بھی بڑا وقت صرف ہوا۔ اس کے بعد پرتھی راج اور جے چند کے درمیان بعض خیر خواہوں نے صلح کی تحریک کی۔ آخر دونوں میں صلح ہو گئی۔ اس صلح کی تحریک اور صلح ہونے میں بھی کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف ہوا ہوگا۔ صلح کے بعد پرتھی راج تو بے چند کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ لیکن جے چند نے کور باطنی اور دغا بازی کی راہ سے خفیہ سلطان شہاب الدین سے خط و کتابت شروع کی اور اس کو ترغیب دی کہ پرتھی راج پر چڑھائی کیجے۔ چنانچہ قنوج وغرنی کے درمیان خط و کتابت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۷۸۵ھ میں سلطان شہاب الدین قنوج لے کر پرتھی راج پر چڑھ آیا اور پرتھی راج کا کام تمام ہوا۔

۱۱۷۱ تمام مذکورہ باتوں پر غور کرو اور سوچو کہ یہ سب کچھ ۷۸۵ھ اور ۷۸۶ھ کی لڑائیوں کے درمیان ہوا۔ ان دونوں لڑائیوں میں صرف پندرہ یا سولہ مہینے کا فاصلہ ہے۔ اس قلیل مدت میں مذکورہ بالا سلسلہ واقعات کو انسانی عقل کسی طرح فرض نہیں کر سکتی۔ ساتھ ہی جب اس طرف توجہ کی جاتی ہے کہ پرتھی راج کو تیرہ مہینے تک قلعہ سرہند کے محاصرہ میں مصروف رہنا پڑا تھا تو سرے سے اس سلسلہ واقعات کا ہر ایک واقعہ غائب ہو جاتا ہے۔ مسلمان مؤرخین کے بیان پر اس قسم کی کوئی حرج اور کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے بیان کی بے ساختگی خود ان کی صداقت کی زبردست دلیل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا کہانی محض فرضی اور من گھڑت افسانہ ہے جس کو اصلیت سے اس قدر بعد ہے جن قدر مغرب اور مشرق میں فاصلہ ہے۔

ہندو مورخین کے دراز عقل بیان کا تذکرہ کرے کے بعد
 پر تھی راج کا خاندانی شجرہ | مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر تھی راج کے خاندان
 کا شجرہ بھی درج کر دیا جائے۔



اس شجرہ کے اندر پر تھی راج کے چچا زاد بھائیوں میں ایک نام قائم خان بھی موجود ہے۔
 کرن جی کا یہ بیٹا مسلمان ہو گیا تھا اور اس کا اسلامی نام قائم خان رکھا گیا تھا۔ چنانچہ
 ہندوستان کے مسلمانوں میں قائم خانی مسلمانوں کی ایک قوم اب تک موجود ہے جو اسی قائم خان
 کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

پرتھی راج کا مفروضہ ہو کر گرفتار و قتل ہونا | سلطان شہاب الدین نے غزنی پہنچ کر اپنی فوج کے ان لوگوں کو جنھوں نے

شہرہ کی جنگ تزاری میں اپنی جان بچا کر مجبوراً نہ فرار کی عار گوارا کی تھی نہایت سخت اور ذلت آفریں سنائیں دیں۔ یعنی جس طرح گھوڑوں کو دانہ کھلایا جاتا ہے اس طرح توہمیں میں جو بھڑکان کی گردلوں میں لٹکا دیئے اور غزنی کے گلی کوچوں میں گشت کرایا۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ ان میں سے جو شخص جو نہ کھائے اس کی گردن اڑادی جائے۔ غرض اس طرح گھوڑوں کی طرح جو کھلا کر اندہ ذلیل کر کے چھوڑ دیا اور نئی فوج کی بھرتی اور ترتیب و تہذیب میں مصروف ہوا۔ جن لوگوں کو یہ سزا دی گئی تھیں۔ وہ عموماً غور و خلیج و خراسان کے لوگ تھے۔ افغان ان میں کوئی نہ تھا یعنی افغانوں نے تزاری کے میدان میں سلطان کے ہر کاہ رہ کر اپنی جانیں قربان کر دیں مگر فرار کی عار گوارا نہ کی۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:-

”با افغانان ایچ نہ گفت و امرائے غور و خلیج و خراسان را معاتب و مواخذ گردانید
و توبرہ ہائے پیرجو بہ گردن ایشان در آویختہ گرد شہر بہ گردانید و حکم کرد کہ ہر آنچہ در
توبرہ ہست نخورد سرش از تن جدا کنند۔“

اس سزا دہی کے واقعہ سے بھی صاف ثابت ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری نے خود اپنے گھوڑے کی باگ میدان جنگ سے نہیں موڑی تھی بلکہ وہ بیہوشی کی حالت میں میدان جنگ سے باہر لایا گیا تھا۔ اگر اپنی جان بچانے کے لئے سلطان اپنے گھوڑے کی باگ موڑتا تو یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کو اس قسم کی سزائیں دیتا۔

بہر حال سلطان نے نہایت غموشی کے ساتھ چند چھینے غزنی میں قیام کیا اور کسی کو اپنے عزم و ارادے سے مطلع نہیں کیا۔ آخر ایک طاقتور لشکرے کر غزنی سے روانہ ہوا اور پشاور پہنچا۔ پشاور سے روانہ ہو کر اول ملتان آیا۔ ملتان کے عامل اور وہاں کی فوج کا تحسین و آفرین کے ذریعے دل بڑھایا۔ کیونکہ ان لوگوں نے ملتان کے علاقے کی حفاظت نہایت عمدگی سے کی تھی اور لڑاچی ہندو راجاؤں کے حملوں کو جو انھوں نے تزاری کی سابقہ جنگ کے بعد دلیر ہو کر ملتان پر کئے تھے نہایت دلیری کے ساتھ دھکا تھا۔ ملتان کی جانب سے مطمئن ہو کر لاہور آیا یہ وہ زمانہ تھا کہ ضیا الدین تو لکی سرہند سے لاہور پہنچ چکا تھا اور پرتھی راج اجمیر جا کر شہاب الدین غوری کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ لاہور پہنچ کر سلطان نے اپنی

فوج خاصہ کے سردار توام الملک رکن الدین حمزہ لاسفیر یا لہمی ہنا کر پہنچی، راج کے نام خط لکھا کر اجمیر کی جانب روانہ کیا۔ رکن الدین حمزہ نے سلطان کا خط پڑھتی راج کے پاس اس پر پہنچایا اس خط کا مضمون یہ تھا کہ :-

’ہے راہ روی چنور در اور سر جہنم و تھا فیہ سر کا علاقہ جو قدیم سے سلطانیت کا مہم کا ایک حصہ ہے خالی کر دو اور جس طرح اجمیر سے راجہ سلطان مسعود غزنوی اور اس کی اولاد کے متعلق رہے تھے اسی طرح ہماری سیادت کو تسلیم کرو۔ ورنہ پھر تلوار میدان جنگ میں اپنا فیوضہ ہمارے گرد سے لے گی؛

پڑھتی راج کو پہلے ہی سے سلطان کے پنجاب و ملتان میں آنے کا حال معلوم تھا اور وہ تراوری کی پہلی جنگ میں کامیاب ہوئے کے بعد ہی سے بخوبی جانتا تھا کہ سلطان شہاب الدین یقیناً انتقامی یورش کرے گا اور مسلمان اپنی اس شکست کی تلافی کے لئے ضرور دوبارہ حملہ آور ہوں گے۔ محمود غزنوی، اور اس کی اولاد کے زمانے میں چونکہ ہندو براہمنی فوج میں کام کرتے رہے اور مسلمانوں کے طولانی جنگ سے ہر طرح واقف و آگاہ ہو کر اپنے اندر جنگی قابلیت پیدا کر چکے تھے اور اب حال ہی میں وہ مسلمانوں کو ایک شکست دے کر اور بھی زیادہ جبری ہو چکے تھے۔ لہذا پڑھتی راج کی فوج کو اس ہندو فوج پر قیاس نہیں کرنا چاہیے جس نے محمد بن قاسم اور محمود غزنوی سے شکستیں کھائی تھیں۔ پڑھتی راج پہلے ہی سے جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس نے ہندوستان کے دوسرے راجوں کو اپنی امداد و اعانت پر آمادہ کر لیا تھا اور چھوٹے بڑے ڈیڑھ سو راجہ بذات خود اپنی اپنی انتخابی فوجیں لے کر پڑھتی راج کے ساتھ میدان جنگ میں مسلمانوں کے مقابل داؤنجا عت دینے پر آمادہ ہو چکے تھے۔

لہذا پڑھتی راج نے بڑی نچوٹ کے ساتھ نہایت غنت و درشت جواب سلطان کے پاس بھیجا اور لکھا کہ تمہاری خیر اسی میں ہے کہ ٹھنڈے ٹھنڈے غزنی کی طرف سدھار جاؤ ورنہ ہم اچھی طرح تم کو مزا چکھائیں گے اور اس مرتبہ زندہ بچ کر بھاگنے کا موقعہ بھی نہ دیں گے اس خط و کتابت کے بعد پڑھتی راج نے تراوری کے میدان جنگ کو جہاں وہ پہلے ایک مرتبہ فتح حاصل کر چکا تھا۔ مبارک سمجھ کر اسی جگہ اپنی فوجیں فراہم کرنا شروع کیں اور قرارداد کے موافق دوسرے راجا بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر آنا شروع ہوئے، سلطان نے بھی اس بات کو غنیمت سمجھا کہ جس میدان میں اس کو ایک مرتبہ شکست ہو چکی تھی اسی میدان میں حریف کو شکست دے کر

سرخ روئی حاصل کرے۔ چنانچہ زلیف کے فوجی اجتماع کا حال سن کر وہ بھی لاہور سے تلواری کی جانب روانہ ہوا۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر یہ بات یاد دلادی جائے کہ جے چند کی دختر بنوگتا کے اٹھا کرے جاسے کی کہانی بالکل فرضی اور از مرنہ پانچاٹ ہے۔ اس قسم کی نثر یا فرضی کہانیاں قدیم ہندو لٹریچر میں موجود ہیں جن کو کوئی بھی مجدد و شخص صحیح سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کوئی مسلمان مورخ قویٰ کہ فرشتہ تک بھی اس کا ذکر نہیں کرتا۔ مسلمان مورخوں کو چھوڑو۔ سجان رائے کو کسی نے مجبور کیا تھا کہ وہ بھی اس کا ذکر نہ کرے اگر یہ فرضی کہانی کوئی تاریخی حیثیت اور ذرا سی بھی اصلیت اپنے اکتی تو مسلمانوں کا کیا ہرج تھا کہ وہ اس کا ذکر کرتے اور ہندو مورخوں کو بھی مجبور کرتے کہ اس کا ذکر زبان تک نہ لائیں۔ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ وہ خوب مزے لے کر اس کا ذکر کرتے کیونکہ اب سے سو یا دو سو برس پہلے تک کسی کو ان حالات اور ان نیالائ و جذبات کا وہم و گمان بھی نہ تھا جو آج کل ہندو مسلمانوں کے درمیان ہوتا ہے۔ پیدا ہو چکے ہیں۔ پرتھی راج نے جنگ تیراوری کے بعد تیرہ مہینے تک قلعہ سرہند کا محاصرہ جاری رکھا۔ طبقات ناصری میں منہاج سراج لکھتا ہے کہ ”رائے پتھورا ہپائے قلعہ آمد و جنگ بیوست و مدت سیزدہ ماہ دیر سے جنگ ہوا“ سجان رائے لکھتا ہے کہ:

”رائے پتھورا بعد فتح در سرہند آمد قلعہ را از کسان سلطان بن محاصرہ یک سال و یک ماہ تاخیر نمود و کسان خود سپرد؛
فرشتہ کشاے کہ:

”رائے پتھورا آمد قلعہ بمحصرہ را کہ ضیاء الدین توکی در انجا بود یک سال و یک ماہ محاصرہ نمود و آخر بمصلح گزشت۔“

فرض تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ پرتھی راج تیرہ مہینے قلعہ کے محاصرہ میں مصروف رہا اس قلعہ پر قبضہ پاتے ہی یا قبضہ پانے سے بھی پہلے ہی اس کو شہاب الدین غوری کے آنے کا حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً ہجیر آیا اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ تیراوری کی پہلی جنگ سے دوسری جنگ تک کا زمانہ ایک سال اور چند مہینے ہے۔ اس میں سے ابتدائی تیرہ مہینے جو قلعہ سرہند کے محاصرے میں صرف ہوئے نکال دیئے جائیں تو پھر بنوگتا والی کہانی لکھنؤ بیضا والوہ کی فتوحات وغیرہ کے لئے کون سا وقت بچتا ہے۔

دوسرا حملہ | قصہ مختصر دونوں طرف کی فوجیں تراوری کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل چند کوس کا فاصلہ اور سرستی ندی کو بیچ میں حامل چھوڑ کر غنیمت ہوئیں۔ اسلامی لشکر کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ جس میں اسی ہزار پیادے اور چالیس ہزار سوار تھے یہ ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد تو طبقات ناصری میں درج ہے۔ لیکن سوار و پیادے کی تقسیم اس میں نہیں بتائی گئی۔ سواروں اور پیادوں کی الگ الگ تعداد منتخب التواریخ سے معلوم کی گئی ہے۔ پرتھی راج کے لشکر کی تعداد تانچہ فرشتہ اور دوسرے مؤرخین نے تین لاکھ سوار اور تین ہزار سے زیادہ جنگی ہاتھی بتائی ہے۔ پیادوں کی صیغ تعداد کسی نے نہیں لکھی۔ بلکہ لا تعداد اور بے قیاس کے الفاظ سے پیادوں کی کثرت کو ظاہر کیا ہے۔ سرستی ندی کے کنارے پہنچ کر سلطان نے اتمام حجت کے لئے پھر ایک خط پرتھی راج کے پاس بھیجا اور وہاں سے وہی درشت و نادرست جواب آیا جس میں اپنی فوج کی کثرت اور جنگی ہاتھیوں سے ڈرایا گیا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے لئے اس مرتبہ بھی خطرات موجود تھے کیونکہ ہندو لشکر کی کثرت کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ پرتھی راج کو اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی فتح کا یقین تھا۔ سلطان کے لشکر میں کسی اضافہ کا کوئی امکان نہ تھا اور ہندو فوجیں ہر روز برابر آکر شامل ہو رہی تھیں۔ ہندو راجاؤں نے پرتھی راج کے سامنے جمع ہو کر بہادرانہ انداز میں قہیں کھائیں کہ جب تک مسلمانوں کو شکست دے کر فائدہ کر دیں گے۔ دم نہ لیں گے اور کسی کو منہ نہ دکھائیں گے۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں :-

”راجہ ہائے راجپوت کہ یک صد و پنجاہ فہری شہندہ تشقہ شجاعت برجیں کشیدہ

بقاعدہ ددش سو گندائے غلیظ و شہید یاد نمودند کہ رقم نہریست از صحیفہ خاطر

محو سازند و تا دفع خصم نمایند دست از کارزار ہر ندارند :-

پرتھی راج نے کھاندڑے را کے کو ہندو افواج کا سپ سالار عظیم قرار دیا اور خود ڈیڑھ سو راجاؤں اور ان کے انتظامی سوراٹوں کے ساتھ قلب لشکر میں قائم ہوا۔ ان راجاؤں میں فوج کا راجہ ہے چند موجود نہ تھا۔ جس کا سبب یا تو پرتھی راج سے ایک قسم کی رقابت کا ہونا تھا جو اپنے نانا انگ پال ثانی کی ریاست سے حصہ نہ پانے اور پرتھی راج کے متنبی ہونے کی وجہ سے قرین قیاس ہے یا کوئی بیماری یا کسی دوسری مجبوری نے اس کو تراوری کے میدان میں پہنچنے سے باز رکھا ہوگا۔ لیکن پرتھی راج اور بے چند کے درمیان ایسی عداوت ہرگز نہ تھی

ہرگز ہندو حملہ آوروں کو اپنی طرف توجہ کرے اور پہلے سوار کی طرح تھوڑے (ویرم کرنا بلکہ لڑنے کے بعد وہ بھی پیچھے ہٹنے لگے۔ اس کے بعد تیسرا اور چارویں طرح یہ سخت سوار حملہ آور اور پیچھے ہٹ کر دم نہ ہٹے بلکہ پھر اپنی رعیت کو درست کر کے اور نہانہ دم ہزار بار آور چھوڑنے کے لئے متعدد ہونہاروں سلطان نے بارہ ہزار انتخابی سوار بھیجا کر کے اپنے ہمراہ و نہانہ ہٹنے کے لئے مختصر میں کر لئے۔

اس انتظام اور معدود احکام کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اسلامی لشکر نے ہندوئی ندی کو چھوڑ کیا اور ہر حصہ فوج نے اپنی اپنی جگہ متعین کر لی۔ سلطان اپنے بارہ ہزار سوار سے کر ایک بلند مقام پر چلے گئے اور کھڑے ہو کر لڑائی کا تماشہ دیکھنے اور تیسرا سواروں کے ہاتھ سرداران لشکر کے پاس انجام بھیجے لگا۔ سلطانی حکم کے مطابق اول ایک حصہ فوج نے حملہ کیا۔ اس کے پسپا ہونے پر دوسرا حصہ حملہ آور ہوا۔ ہر مرتبہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو مغرور و مغلوب یقین کرنے ان کا تعاقب کیا اور اس طرح ہندو لشکر و ایک ٹھوس اور مضبوط پہاڑ کی طرح قائم تھا۔ مختلف سمتوں میں پھیل کر کھڑے لگا اور اسلامی لشکر نے نہایت خوبی کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا۔ طلوع سورج سے لڑائی شروع ہوئی تھی۔ یہ پہاڑک سیدان ہندو لشکر کی بھی ہوئی بسا لہر سلطان نے حسب غنائم سے حرکت کی۔ یہ پہاڑ اور ہندوؤں کی کثرت مسلمانوں کی قلت پر غالب نہ آسکی۔ سلطان نہایت ہوشیاری کے ساتھ میدان جنگ کے اظہار و کیا کی تبدیلیوں کو سنا کر رہا تھا۔

پرتھی راج کی شکست | معر نے غریب سلطان سے فیصلہ کیا کہ اب میرے علاؤد
ہوئے کا رشتہ آگیا ہے چنانچہ اس نے اپنے بارہ ہزار
سواروں کو اب تک سلطان کے ہمراہ خاموش کھڑے تھے۔ یہ ہندو لشکر یہ کہہ کر یہاں
پرتھی راج ڈیڑھ سوار جاؤں اور انتخابی سواروں کے درمیان موجود تھا۔ طلوع نظر قرار دیا کہ
حملہ کیا۔ سلطان اور اس کے بارہ ہزار ہمراہیوں نے ہوشیارانہ ہوش سوار تھے اپنے نیزے
گھوڑوں کی کنوٹیوں پر رکھ کر اس طرح حملہ کیا کہ چشم زدن میں ہزیمہ راہ کو مٹاتے اور پال کرتے
ہوئے قلب ہر تباہ سے حریف افگنی میں وہ چابک دستی دکھائی کہ پرتھی راج کو فرار ہی میں
ماہیت نظر آئی اور کھانڈے رائے بھی بصد و شوارہ میدان سے بھاگ کر اپنی جان بچائی
سرداروں کی سب یہ حالت ہوئی تو دوسروں کا کیا و صلہ تھا کہ میدان میں قدم ہلاتے

ایں تہذیب اور ہلہ تے۔ ایک آنحضرتی تھی کہ ہندو لکھنؤ کے خلیفہ پتوں اور ریت کے
نیزوں کو طرح اڑا کر لے گئی۔ غروب آفتاب سے پہلے متوڑوں کی لٹاریں اور مسلمان
نیزوں کے سوا نراوری کا مہمان ہندوؤں سے شالی تھا۔ یہاں توڑنے بھانگنے والوں
کا ثقافتیہ کہا اس آفتاب میں ہر کسی رات کو تلبہ دیتی کے قریب رہا یا اور نہ نہ کر تیار
کر کے غروب آفتاب کے ساتھ ہی اس کی شعلہ بھات کو کل کر دیا۔ کھانڈے سے رائے بھی
بھاگتا ہوا۔ تم کھا کر ارا گیا لیکن جہان رائے کہنا ہے کہ وہ گرفتار نہیں ہوا بلکہ زبردست
پیچ کر نکل گیا۔ چنانچہ جہان رائے کے الفاظ لائنٹل ہوا۔

کھانڈے رائے ہوا۔ راستہ پتھور کہ سچہ سالار ہو تو قیمت رائیہیت رائے بعد

سستی و تلاش جان خود را از آن مملکت سلامت بردہ

چنانچہ ہناک بہر سال گونہ

کہ زار سا از کرائی گشت

جہان رائے۔ زار رائے کے بھاگنے کا کلیل نقشہ ایک شہر میں جس عوبی کے

ساتھ بیٹھ گیا ہے اس کی لطافت متحتی آفریں ہے۔

اس فتح عظیم کے بعد سلطان نے سستی رائی

رامانہ کہرام وغیرہ قلعوں کو فتح کیا۔ اس کے

بعد برقی راج کے دار السلطنت اجمیر کی

مشرقی اضلاع کی فتوحات اور

سلطان شہاب الدین کی شہادت

لکھ گیا۔ شہر اجمیر کو سلطان نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور برقی راج کے بیٹے اولہ جی

کو اجمیر کا راجہ بنا کر اور اقرار اطاعت لے کر واپس چلا آیا۔ وہلی میں برقی راج کا دوسرا بیٹا

جن جی موجود تھا۔ وہ کمانڈے رائے کی غیر موجودگی میں اس کا قائم مقام تھا۔ جب اجمیر سے

واپس ہو کر سلطان وہلی کے قریب پہنچا تو رہن جی نے سلطان کے پاس عاجزانہ درخواست

کیج کر جان کی امان پائی سلطان اس کو وہلی کا راجہ بنا کر شہر وہلی میں داخل ہوئے۔ اخیر

باہر سے اجمیر واپس چلا آیا اور قلعہ کہرام میں اپنے غلام قلوب الدین ایکب کو اس کو مفتوحہ

ملاقہ کا جو پہلے بھی سلطنت اسلامیہ میں شامل تھا۔ مل بنا کر غزنی کو واپس چلا گیا۔ یہ

واقعہ ۷۵۵ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ مہرٹھ کے قلعہ میں برقی راج کا رشتہ دار کوئی راجہ حکومت

کرتا تھا۔ اس سے سلطان نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ سلطان کے واپس چلے جانے کے بعد

ہی میرٹھ کے راجہ نے دہلی کے راجہ پر تھی راج کے بیٹے کو سرکشی کی ترغیب دے کر خود اس کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی اور بے چند نے پر تھی راج کا انتقام لینے پر آمادگی ظاہر کر کے ان دونوں کی ہمت افزائی کی۔ چنانچہ میرٹھ و دہلی کے یہ دونوں راجہ قطب الدین ایبک کے خلاف متحد ہو گئے۔ قطب الدین ایبک نے یہ سنتے ہی بلا تامل چڑھائی کر دی اور یکے بعد دیگرے دہلی و میرٹھ دونوں کو فتح کر کے اپنے قبضے میں لے آیا۔ قلعہ علی گڑھ بھی پر تھی راج کے کسی رشتہ دار کی حکومت میں تھا اس نے بھی علامات نامستودہ اور متاہلہ کی تیاری کا اظہار کیا۔ قطب الدین نے علی گڑھ بھی بلا تامل فتح کر کے اس نواح کے تمام علاقے کو قبضے میں لا کر کچا کے کھراکھ کے دہلی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ کولہ جی پسر پر تھی راج اپنے عہد پر قائم رہا اس لئے قطب الدین ایبک اس کو نقصان پہنچانے کا خیال تک بھی دل میں نہ لایا۔ مذکورہ علاقے قطب الدین نے ۷۸۵ھ میں فتح کئے۔

ان فتوحات سے بے چند اور قطب الدین ایبک کے مقبوضات کی حد مل گئی بے چند جو اپنے بھائی پر تھی راج کے مقتول ہونے کی خبر سننے کے بعد ہی سے کانٹوں پر لوٹ رہا تھا اور مسلمانوں کی طرف سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ قطب الدین کی ان فتوحات کو نموشی سے نہ دیکھ سکا۔ اس نے پر تھی راج کا انتقام لینے کی تیاری کی اور قطب الدین کو مار کر نکال دینے پر آمادہ ہوا اور راجہ گوالیار و راجہ بدایوں کے علاوہ اودھ و بہار تک کے راجاؤں کو امداد کے لئے بلایا۔ قطب الدین نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہی احتیاطاً سلطان کو اطلاع دی اور سلطان یہ اطلاع ہاتھ ہی بلا توقف ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ دہلی پہنچ کر تونج کے راجہ بے چند کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ قطب الدین ایبک کو ایک دستہ فوج کے ساتھ بہ طور ہراول چند کوس آگے آگے چلنے کا حکم دیا۔ بے چند نے مقام چند داڑھ میں جو اٹاودہ سے جانب شمال ہے اپنی فوجیں آراستہ کر کے میدان کارزار گرم کیا۔ سلطان فی لشکر کے ہراول بیٹھے قطب الدین ایبک نے بے چند کے مقابل پہنچتے ہی سلطان کا جو چند میل پیچھے لشکر لئے آتا تھا۔ انتظار کئے بغیر حملہ کر دیا اور سلطان کے میدان جنگ تک پہنچنے سے پہلے ہی بے چند کے لشکر کو شکست دے کر بھاگ دیا۔ بے چند اس لڑائی میں قطب الدین ایبک کے تیرے مارا گیا سلطان تونج پر قبضہ کر کے بنارس پر بھی جو بے چند کا مقبوضہ تھا حملہ آور ہوا۔ بنارس کے بعد گوالیار اور بدایوں وغیرہ کئی قلعوں کو فتح کیا اور سب جگہ اپنے عامل مقرر کر کے اسلامی

حکومت قالم کی اس طرح شمالی ہند کا ایک بڑا حصہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ پنجاب و ملتان و سندھ تو پہلے ہی سے اسلامی حکومت کے صوبے تھے۔ اب وہ ملک بھی جس کو آج کل صوبہ متحدہ کہتے ہیں سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔

قطب الدین بختیت گورنر ہندوستان | قطب الدین ایبک کی قابلیت سرکاری چونکہ اب اچھی طرح ثابت ہو چکی تھی

لہذا قطب الدین کو تمام مقبوضات ہند کا حاکم اور ولیرائے بنا کر ۱۲۰۶ء میں سلطان غزنوی کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس سال سلطان کے غزنی چلے جانے کے بعد پرستھی راج کے کسی رشتہ دار مہمراج نے مہم سے راجپوتوں کو اپنے ساتھ لاکر پرستھی راج کے بیٹے کولہ جی کے خلاف خروج کیا اور اس کو شکست دے کر اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ کولہ جی نے قطب الدین ایبک سے فریاد و استمداد کی۔ قطب الدین فوراً دہلی سے فوج لے کر اجمیر گیا۔ مہمراج نے زبردست مقابلہ کیا۔ آخر لڑائی میں مارا گیا اور قطب الدین ایبک نے کولہ جی کو پھراجمیر کی گدی پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد ۱۲۰۷ء میں قطب الدین ایبک نے ایک زبردست فوج لے کر گجرات کے راجہ بھیم دیو پر چڑھائی کی۔ یہ وہی بھیم دیو ہے جس پر شہاب الدین غوری نے بھی حملہ کیا تھا۔ قطب الدین ایبک کو فتح حاصل ہوئی اور گجرات کے راجہ سے اقرار اطاعت اور خراج لے کر واپس ہوا۔ ۱۲۰۸ء میں راجپوتوں نے کولہ جی کے خلاف متفق ہو کر پھراجمیر پر قبضہ کر لیا۔ قطب الدین ایبک نے پھر جا کر راجپوتوں کو سزائیں دیں اور کولہ جی کو پھراجمیر کا راجہ بنا دیا۔ اس سال کے آخری ایام میں بمانہ گوالیار میں بغاوت و سرکشی نمودار ہوئی اور راجپوتوں نے ان دونوں قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبریں سن کر ۱۲۰۹ء میں سلطان خود ہندوستان آیا اور قلعہ بمانہ فتح کر کے اپنے ایک سردار بہاؤ الدین خلجی کو بمانہ میں مقرر کر کے اس طرف کے علاقہ کا مستقل گورنر مقرر کیا اور گوالیار کے قلعہ کی فتح اس کے سپرد کر کے خود غزنی کی جانب چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہاب الدین بڑی باریک بین اور دقیقہ رس نظر رکھتا اور انتظام مکی سے خوب واقف و آگاہ تھا۔ اسی لئے اس نے بمانہ کا ایک الگ صوبہ بنا دینا ضروری سمجھا تا کہ قطب الدین ایبک کو کسی قدر سہولت ہو۔ بہاؤ الدین خلجی نے گوالیار کا قلعہ فتح کر لیا۔ مگر اس کے چند روز بعد وہ فوت ہو گیا اور یہ علاقہ پھر قطب الدین ایبک ہی کے زیر حکومت آگیا۔ قطب الدین ایبک نے اس کے بعد نینا نیش ملک گیری کا ثبوت دیا۔ یعنی قلعہ نیش

کرنے پر اس بلے تاج خیز بیخندہ سے ایک حکایت کا نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ غیر شہرہ
 اٹھتا ہے کہ ان گنت کھڑوں ہاتھ لکھڑوں کی قوم اس وقت تک اپنے گھرانوں اور تفریق پرستی کا
 ہمیشہ بڑی نفا اور مسلمانوں پر کھڑی کھڑی کوٹا رہا تھا۔ اس لئے کہ ان کے اندر
 غریب و مسکین کو حاصل تھا۔ ایک مسلمان آقا یا ان کے اقتدار میں ہوا ہر ایک کو ان کے
 سب سے بڑی دولت کے تہہ پہلے اس مسلمان فقیہ کے اوصاف و اطوار اور عادات و سننات
 اسی شخص کو بہت پسند آئے ہیں کہ یہاں وہ مسلمان قید تھا۔ قیدی بننے سے موت پر اگر اسے سلام
 کی تبلیغ نہ ملتی تھی تو اس کی بیخود ہوا نہ ٹکھڑے اسلام قبول کرے نہ ہر آدمی کی نظر ہر کی رعایت
 نے سلطان کے پاس یہ خبر بھجوائی۔ سلطان شہاب الدین غوری نے اس کو مسلم ٹکھڑے کو اس
 دلائے گا تا کہ وہ خود اپنی قوم کا جزو بن کر سکے اور قتل و غارت سے یہ قوم
 باز آئے۔ اس پر مسلم ٹکھڑے کو شہر کی کھڑی سے کسی ناٹھ ٹکھڑے اور اسلام میں داخل ہو کر بہت
 شہرہ مند کی خبر کرنے لگے۔ اور اس سے پیشتر ان میں کثرت انہول اور غریبی وغیرہ کا عام
 راج تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندو قوموں میں اسلام کس طرح پھیلا ہے
 اور مسلمان باور دہا ہوں نے کہاں تک لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا ہے۔

سلطان شہاب الدین کی شہادت | سلطان شہاب الدین غوری نے زکوٰۃ نظام
 سے فارغ ہو کر خطبہ الدین ایکہ۔ کو لاہور
 سے دہلی کی جانب روانہ کیا تا کہ خود لاہور سے غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ لامعدہ انہول کی سرکاریا
 اس زمانے میں اپنے حوارج انگلی کی پہنچی ہوئی تھیں۔ سلطان شہاب الدین کے لشکر میں
 حضرت امام غزالی (رازی) دو تارہ دس دیتے اور غزنی کی امانت غریبے تھے۔ ان کے دس
 دس مسلمان بڑی عقیدت اور شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے ان میں بعض لامعدہ بھی
 شامل تھے۔ یہ ہے امام صاحب ہاتھ لکھڑے تھے۔ یہ لامعدہ جب مسلمانوں میں شامل تھے
 تو اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا بڑا ہڈا ہڈا کرتے بعض اوقات مسلمانوں کے اعلیٰ مہدوں پر بھی
 غارت ہو جاتے تھے اور کسی کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ یہ بعد اور مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں۔ سلطان
 شہاب الدین لامعدہ کا سخت دشمن اور ان کی بیخ کنی پر ہمیشہ آمادہ رہتا تھا۔ مگر ان غلاموں کا ہوش
 اس کے لشکر میں موجود تھا اور سلطان کیا ہر ایک مسلمان اس سے بے خبر تھا سلطان ناہور
 سے روانہ ہو کر جس وقت مقام دمیک میں پہنچا کہ صلیح جہلم میں بتایا جاتا ہے پہنچا اور

دریائے جہلم کے کنارے سلطانی لشکر خیمہ زن ہوا تو رات کے وقت ان ملاحدہ نے جو سلطانی لشکر میں موجود اور ان میں سے بعض درہانی کی خدمت پر بھی مامور تھے موقع پا کر سلطان کے قتل کی قرارداد پر عمل کیا اور خنجر سے سلطانی خیمہ کو جاک کر کے دس ہیں ملاحدہ اندر داخل ہوئے اور سوتے ہوئے سلطان کو چھپڑوں سے شہید کر ڈالا اور خیمہ کے اسی خشکاف سے نکل کر بھاگ گئے۔ ان میں سے بعض بھاگتے ہوئے پکڑے اور پچانے گئے تو وہی اشخاص تھے جو حضرت امام فخر الدین رازی کی مجلس میں بڑے شوق اور گرویدگی سے شامل ہوا کرتے اور اسی لئے امام صاحب کے مقرب و خدام خاص سمجھے جاتے تھے۔ لوگوں نے یہ قیاس کیا کہ امام فخر الدین رازی کا ملاحدہ سے تعلق ہے اور انھوں نے ہی سلطان کو شہید کرایا ہے۔ لہذا امام صاحب کو امیر و دستگیر کر لیا اور سلطان کے جنازے کو لے کر غزنی کی جانب روانہ ہوئے۔ امام صاحب نے بڑی مشکل سے اپنی برات ثابت کر کے جان بچائی۔ سلطان شہاب الدین غوری سرشعبان ۷۸۵ھ کو شہید ہوا۔ اس وقت سندھ و گجرات سے لے کر بنگال و آسام تک تمام شمالی ہند مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا۔ بہار و بنگال کو اسی قریبی زمانے میں بختیار خلجی فتح کر کے آسام پر چڑھائی کر چکا تھا۔

بہار و بنگال کا فتح ہونا | اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بہار و بنگال کی فتح کا تفصیلی حال درج کر دیا جائے۔ غور کے نواح میں جو قبائل آباد تھے ان میں ایک قبیلہ خلجیوں کا بھی تھا۔ قبیلہ خلجی کے اکثر افراد سلطان شہاب الدین غوری اور ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں لڑ کر تھے۔ اسی قبیلہ کا ایک شخص محمد محمود خلجی ہندوستان آیا اور فتح قنوج کے بعد قنوج کے علاقے میں ایک جاگیر حاصل کر سکا۔ جب محمد محمود کا انتقال ہوا تو اس کے بھتیجے محمد بختیار خلجی کو وہ جاگیر مل گئی۔ محمد بختیار نے یہاں اپنے لئے ترقی کی راہیں مسدود دیکھ کر اس جاگیر کو چھوڑ دیا اور اودھ کے حاکم ملک حسام الدین افلیک کے پاس پہنچا۔ اس نے محمد بختیار کو اس کی خواہش کے موافق ایک جاگیر اودھ کے مشرقی حصے میں عطا کر دی۔ وہاں محمد بختیار نے ملک حسام الدین کو کئی معرکوں میں اپنی بہادریاں دکھا کر اپنے اوپر اس قدر مہربان کر لیا کہ اس نے اس چھوٹی سی جاگیر کے عوض اودھ کے ایک پورے ضلع کی حکومت سہر دی۔ اب محمد بختیار نے موقع پا کر ملک بہار کے علاقے پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا اور اس ملک کے ہندو راجہ سے کئی قلعے چھین لئے۔ جس سے محمد بختیار

کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور اس کی قوم کے آدمی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے ہر طرف سے آکر محمد بختیار کے پاس جمع ہو گئے۔ محمد بختیار کی اولاد العزیز اور بہادری کی خبر جب ملک قطب الدین ایبک دلیسرا نے ہند کے پاس پہنچی تو اس نے بہادر سپاہی کی قدردانی اور عزت افزائی ضروری سمجھ کر دہلی سے اس کے لئے خلعت و انعام بھیجا اور ملک حسام الدین اعلیٰک عامل اودھ کو لکھا کہ اس بہادر کی قدردانی و عزت افزائی کا ضرور خیال رکھو۔ اس طرح صاحب عزت اور صاحب طبل و علم ہو کر محمد بختیار نے بہار کے علاقے پر باقاعدہ حملہ شروع کیا اور صرف ایک سال کے اندر بہار کا ملک فتح کر کے قلعہ بہار پر بھی قبضہ کر لیا۔ قلعہ بہار کی تسخیر کے وقت محمد بختیار غلجی کے ساتھ کل در سو آدمیوں کی فوج تھی اور یہ قلعہ ملک بہار میں سب سے زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر مقام سمجھا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بہار کی سلطنت عہد مذہب رکھتی تھی کس قدر کمزور تھی اور مسلمانوں نے اس کو کتنے تھوڑے آدمیوں سے فتح کیا تھا۔ یہ بد حکومت مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ ہندوستان میں شروع ہونے کے سبب راجپوت ریاستوں کی حملہ آوری سے بچی ہوئی تھی۔

بہار کا گورنر فتح بہار کے بعد قطب الدین ایبک نے محمد بختیار غلجی کو اپنے پاس دہلی بولایا اور خلعت و خطاب دے کر بہار کا گورنر مقرر کیا۔ بختیار غلجی نے واپس آکر دہلی کا دارالسلطنت اس زمانہ میں مشہور لڑویہ پاندیہ تھا۔ ندیہ کا راجہ کشن سین جو کھنہیہ کے نام سے مشہور تھا۔ محمد بختیار غلجی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ محمد بختیار جب ندیہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی فوج پیچھے چھوڑی اور صرف اٹھارہ آدمی لے کر شہر ندیہ کے اندر داخل ہوا۔ شہر کے دروازہ پر محافظوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی سوداگر یا مسافر یا سفیر ہے جو اس طرح بے تکلف شہر میں داخل ہو رہے ہیں ان کو نہ روکا ان اٹھارہ بہادروں نے راجہ کی محل سرائے کے دروازے پر جا کر محل سرے کے دروازوں کو قتل کرنا شروع کیا اس وقت کشن سین رسوئی میں کھانا کھاتے بیٹھا تھا۔ شور و غل کی آواز سن کر معلوم ہوا کہ مسلمان آچہنچے۔ اس قدر حواس باختہ ہوا کہ فوراً اٹھ کر سرنگ کے راستے محل سے بھاگا اور ندیہ سے فرار ہو کر اڑیسہ کے شہر کٹاک میں پہنچ کر وہاں کے مندر میں پناہ لی اور پجاریوں میں شامل ہو کر بقیہ چند روزہ زندگی بسر کی محمد بختیار نے داخل ہو کر دیکھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانا چھنا ہوا رکھا ہے جس کو چھپو کر راجہ بھاگ گیا تھا۔ غرض اس طرح بلا کشت و خون بڑی آسانی سے مسلمانوں کا بنگالہ پر بھی قبضہ

ہو گیا۔ محمد بنظیر نے ندیہ چھوڑ کر مقام کھنوتی کو ہنگالہ کا دار الحکومت قرار دیا۔ کھنوتی کا خراب
 آج کل ضلع مالہ میں موجود اور سیاحوں کے لئے جائزہ توجہ مقام ہے (دیکھئے سفرنامہ مغربی)
 اسی کھنوتی کا نام گورکھی تاریخوں میں لیا گیا ہے اور اسی کا نام ہالیوں نے جنت آباد رکھا ہے۔
 کھنوتی میں محمد بنظیر راجا ناٹھ مقرر کیے خود اس کا کاش کرے کر آسرام کی بنیاد
 لئے روانہ ہوا۔ آسرام (کامروپ) کے راجہ نے اطاعت قبول کی، طمقات، نامری کی سلطنت کے
 موافق ملک کامروپ میں کونج، ایچ، تھاتو تین قومیں آباد تھیں ان میں سے کوئی اور تہیج
 کامروار جو تہیج قوم سے تعلق رکھتا تھا محمد بنظیر خلی کے ہاتھ پر بے مضام و غبت مسلمان ہو گیا تھا
 چنانچہ منہاج سرسج کے الفاظ یہ ہیں:-

”درا طرف آں کو ہما کہ میاں تہمت دہلاو کھنوتی است سہ ضیں خانی اندیکے راکوتی
 گویند دوم رایتی دسوم راتھارو۔ ہم ترک چہرہ اندہ ایشان راز بانے دیگر است
 میاں لغت، ہندو تہمت، یکے از رے سائے قبائل کونج ویتج کو اورا علی۔ سچ
 گفتندے ہر دست محمد بنظیر اسلام آور دہ بود“

اس کے بعد محمد بنظیر نے دیائے برہمپتر کو عبور کر کے ملک تہمت پر حملہ کیا، وہاں کو عبور
 کرنے کے بعد پندرہ روز تک برابر پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں لشکر اسلام کو سفر کرنا
 پڑا۔ سو طویر، روز تہمت، کے میدانی علاقے میں پہنچے۔ ساتھ ایک منسوب قلعہ آباد ہاں کے
 لوگوں نے مقابلہ کیا، سخت لڑائی کے بعد اس قلعہ کو فتح کیا، وہاں سے پندرہ کوس کے فاصلہ
 پر کرم پٹن نامی شہر تھا جس میں دشمنوں کی نہایت زبردست فوج موجود تھی۔ محمد بنظیر نے
 فوج اس طویل فاصلت رساں سفر اور اس لڑائی میں بہت سی ضائع ہو چکی تھی، سلطنت یہی
 سمجھی گئی کہ اس وقت آگے نہ بڑھیں اور اگلے سال پوری تیاری کے ساتھ آکر اس ملک
 کو فتح کریں۔ چنانچہ وہاں سے واپس ہونے میں دیکھا کہ پہاڑی لوگوں نے تمام
 درختوں اور سنہریوں کو جو اس پہاڑی راستہ میں مل سکتی تھیں نکال دیا ہے۔ پندرہ روز تک
 زیاہ داری کے جالوں اور سواری کے گھوڑوں کو گھاس ملی نہ سکا ہوں کو کوئی سامان
 رسد ہاتھ آیا۔ بہت سے آدمی اور جانور ہلاک ہوئے۔ وریا کے برہمپتر کے کنارے پہنچے تو اُس پہل
 کو جس کی حفاظت کے لئے ایک دست فوج کا چھوڑ گئے تھے شکستہ اور فوجی دستے کو غیر موجود
 پایا۔ ایک جگہ یہاں کو پایاب سمجھ کر عبور کرنا چاہا مگر پانی زیادہ نکلا تمام آدمی غرق ہوئے، صرف

سوا آدمیوں کے ساتھ محمد بن تیمار دہا کے پار پہنچا علیؑ بھیج اور دوسرے اسامی سردار استقبال کر آئے اور (غوری) فاداری کا ثبوت پیش کیا۔ لیو کرٹ پہنچ کر محمد بن تیمار دہا کو گیا۔ اس بیماری کے عالم میں بار بار اُس کی زبان سے یہ کلمات نکلے کہ ایسا معلوم ہوا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کو کوئی آسیب پہنچا ہے اسی لئے محمد بن تیمار دہا نے یہ بیعت آئی ہے چنانچہ وہ اس بیماری سے جان برد ہو سکا اور سلاطین میں فوت ہو گیا۔ ان ہی ایام میں سلطان شہاب الدین غوری شہید ہوا تھا۔ خلیفہ غازی کے بعد اُس کے جانشینوں نے بنگال میں حکومت کی۔ غرض سلطان شہاب الدین غوری کی زندگی میں تمام شمالی ہند سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا۔

سلطان شہاب الدین کے
کارناموں پر ایک نظر

اگر محمد بن قاسمؑ سندھ پر حملہ آور ہونا ہندوستان اور ہندو قوم کے لئے نقصان رسا نہ تھا تو اس نقصان کی فمداری محمد بن قاسم پر نہیں بلکہ راجہ دھرم پور عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح سلطان محمود غزنوی کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا اگر برا ٹھہرے تو اس برائی کا باعث محمود غزنوی نہیں بلکہ راجہ جے پال اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا اندھ پال تھا جیسا کہ باب اول اور باب دوم میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کی حالت بھی ان پہلے ہر دو قہمبندوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اگرچہ میسر وغیرہ کے علاقہ کو جو پنجاب میں شامل اور سلاطین غزنوی کی حدود سلطنت میں داخل چلا آتا تھا پر تھی راج زبردستی اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش نہ کرتا تو سلطان شہاب الدین غوری کے لئے خواہ مخواہ شاہیوں سے نبو آزار رہنے اور خراسان و ترکستان وغیرہ کی طرف اپنی حکومت کے وسیع و مستحکم کرنے کے کافی مشاغل موجود تھے۔ جس طرح سلطان محمود قرامطہ کی وجہ سے ہندوستان کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا اسی طرح سلطان شہاب الدین کو قرامطہ کے سبب اس طرف آنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

ہندوؤں کی ایک غلطی

ہندوؤں کی ایک اس غلطی کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے مسلمانوں کے دشمن قرامطہ اور قرامطہ کو اپنے پہلو میں لیا اور ان کے حامی بن کر مسلمانوں کو لڑائی کا چیلنج دیا۔ گذشتہ پانچ سو سال کے تجربات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی تھی کہ ہندو بہت اخلاقی میں ترقی کر رہے ہیں اور موقع پا کر باعث

تکلیف بن گئے ہیں۔ پس وقت آچکا تھا کہ مسلمان ہندوستان کو فتح کر کے یہاں ایک مستقل سلطنت قائم کریں اور ہندوستان میں بسنے والی کثیر امتداد و عظیم اثنان نسل انسانی کو تہذیب و انسانیت سکھا کر بد امنی و بد تہذیبی کا شکار ہونے سے بچائیں اور ترقیات کے رستے دکھائیں محمود غزنوی کی ہندو کشی اور بت شکنی کی حقیقت اور پریان ہو چکی ہے تاہم اگر وہ بت شکن تھا تو بچا رے شہاب الدین پر تو یہ الزام بھی نہیں لگا یا جاسکتا کیونکہ اُس نے مندروں اور مورتیوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ شہاب الدین غوری ہندوستان کے اہم جنوب میں بھی اور مشرق میں بھی وہاں تک نہیں پہنچا جہاں تک محمود اپنی نعمند فوجوں کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔ محمود دکن میں سومناٹ تک پہنچا۔ لیکن شہاب الدین نہروال سے بھی ادھر ہی رہا۔ محمود نے کائنات فتح کیا لیکن شہاب الدین بنارس سے آگے نہیں بڑھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ محمود نے باوجود اس قدر عظیم اثنان فتوحات حاصل کرنے کے ہندوؤں کو اُن کے ملک واپس کر دیئے کہ وہ آنکھیں کھولیں اور مسلم آزاری سے باز رہیں۔ لیکن شہاب الدین غوری کے لئے دوبارہ اس تجربہ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب شہاب الدین غوری فوت ہوا ہے تو بنگال و آسام تک شمالی ہند سلطنت اسلامیہ میں شامل تھا اور اُس کے چند ہی روز بعد جنوبی ہند بھی سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔ تمام براعظم ہندوستان کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لینا مسلمانوں کے لئے نہ محمود کے زمانے میں مشکل تھا نہ شہاب الدین کے زمانے میں اتمام کو پہنچا دینا ضروری ہو گیا تھا ہندوؤں کی حکومت برطرف ہو کر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے اسباب سب کے سب بے ساختہ اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والے واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہندوؤں کو صرف اس لئے ذبح کیا جا رہا ہو کہ وہ ہندو کیوں ہیں یا کوئی نعمند مسلمان محض اس لئے ہندوؤں پر فوج لے کر چلے گا ہو کہ وہ اسلام میں کیوں داخل نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی کوئی بھی چڑھائی یا ایک بھی لڑائی ایسی نہیں جس کا کوئی ایسا سبب نہ ہو کہ اُس سبب کے واقع ہونے سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر اور ایک ہندو دوسرے پر چڑھائی کر سکتا تھا۔ محمود غزنوی پر ایک یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان سے ہندوؤں کو پکڑ پکڑے گیا۔ لیکن شہاب الدین غوری پر اس غلط الزام کے لگانے کا بھی کوئی موقع کسی کو نہیں مل سکتا۔ سلطان شہاب الدین کی وفات کے وقت تمام شمالی ہند اسلامی سلطنت میں شامل ہو چکا تھا جس کا بڑا حصہ سلطان شہاب الدین کے آخری

ایام حیات میں فتح ہوا تھا۔ سلطان کے فوت ہوتے ہی نہ صرف نومنتصرحہ سو بے بلکہ معہ پنجاب و سندھ تمام شمالی ہند غزنی کی ہوم گورنمنٹ سے آزاد ہو کر ایک مستقل خود مختار سلطنت بن گیا اور مسلمان فرماں رواؤں نے ہندوستان ہی کو اپنا وطن بنالیا اور کبھی بھول کر بھی افغانستان و خراسان کی طرف جلتے یا وہاں کے لوگوں کو ہندوستان کی دولت سے الما مال کرنے کا خیال نہ کیا۔ جس طرح محمود غزنوی نے جے پال کے خاندان کو حکومت و سلطنت سے محروم کرنا نہ چاہا تھا اسی طرح سلطان شہاب الدین نے بھی پرتھی راج کے بیٹوں کو حکومت و سلطنت سے محروم نہیں کیا مگر چونکہ ہندوستان کے ان فرماں روا خاندانوں سے قابلیت فرماں روائی قدرتی طور پر جاتی رہی تھی۔ لہذا وہ مسلمانوں کی اس شفقت سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے اور خود ہی اپنی ناقابلیت کے سبب گمنامی کے فقر و زلت میں روپوش ہو گئے۔ سلطان شہاب الدین غوری کے جانشین اس کے غلام ہوئے اور وہی ہندوستان کے ابتدائی خود مختار مسلم فرماں روا قرار پائے۔ انھوں نے اس ملک میں کیسی حکومت کی اور ہندوستان کو کس طرح بربادی سے بچایا اور ان کا اخلاق کیسا تھا۔ یہ آئندہ بیان ہونے والا ہے۔ اس وقت صرف اس طرف توجہ دلائی مقصود ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری بھی ہرگز ایسا محرم ثابت نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ ہمارے ہندو دوست اس بے گناہ کو سمجھ رہے ہیں حقیقت اصل یہ قارئین کرام کے سامنے ہے اور وہ خود ہی بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں۔

ہنٹر کی غلط بیانی | اس جگہ یورپی مورخین کی ابلہ فہمی اور چالاک کی نسبت کچھ لکھنا فضول ہے کیونکہ ان کا منشا ہے تاسیخ فلیسی اور نقطہ نظر کچھ اور ہی

ہے۔ تاہم ہنٹر صاحب کی ایک دیدہ دلیری کی طرف اشارہ از بس ضروری ہے۔ ہنٹر صاحب اپنی تاسیخ میں سلطان شہاب الدین غوری اور پرتھی راج کا حال درج کرتے ہوئے مجلس شوہر پسندی کا حال۔ پرتھی راج کا زبردستی قنوج کے محل خاص ہی میں گھس کر بھوگتا کو اٹھا لانا بے چند کا افغالاں کو حملہ آوری کی ترغیب دینا۔ بھوگتا کا پرتھی راج کے قتل کی خبر سن کر سستی ہونا وغیرہ باتیں لکھ کر آئندہ میں لکھتے ہیں کہ:-

”تاسیخ ہند کے یہ خاص واقعات فارسی مورخوں کے بیان سے لئے گئے ہیں“

اس موقع پر فارسی کی یہ ضرب المثل شاید سب سے زیادہ خوبی کے ساتھ چسپاں

ہو سکتی ہے کہ چھ دلاور مست و زوے کہ بکف چراغ دارد۔ فارسی مورخوں کے بیانات ان لغویات سے قطعاً پاک ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ہنٹر صاحب کے زمانے میں کسی نے فارسی زبان میں کوئی غیر معروف و ناقابل التفات کتاب لکھی ہو اور اس سے ہنٹر صاحب نے ان باتوں کو نقل کر کے اپنی اسورخانہ تحقیق کا سکہ جانے کی کوشش کی ہو جو درحقیقت اُن کے مورخانہ مرتبہ کی پردہ دری کا موجب ہے۔

باب چہارم

سلطنتِ غلامان | سلطنت شہاب الدین غوری کے فوت ہوتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں کا تعلق غزنی کی سلطنت سے منقطع ہو کر ہندوستان کی ایک الگ خود مختار سلطنت قائم ہو گئی تھی جس کا سب سے پہلا شہنشاہ قطب الدین ایبک تھا۔ اور قطب الدین ایبک ہندوستان کا سلطان و فرماں روا بنا اور شہاب الدین غوری کے خاندان والے خوارزم شاہیوں کے لڑائی، جھگڑوں میں مصروف ہوئے جن کا ذکر اس تصنیف کے مقصد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ سلطان شہاب الدین کا کوئی بیٹا نہ تھا اُس نے اپنے غلاموں ہی کو بیٹوں کی طرح تربیت کیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد قطب الدین ایبک تاج الدین یلدوز، ناصر الدین قباچہ و غیرہ جو شہاب الدین غوری کے غلام تھے سب حکومت و سلطنت کے مرتبے تک پہنچے۔ قطب الدین ایبک سے ہندوستان میں جس خاندانِ سلطنت کی بنا پڑی وہ غلاموں کا خاندان کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں قطب الدین ایبک، آرام شاہ، شمس الدین اتش، رکن الدین، رضیہ بیگم، بہرام شاہ، علاؤ الدین محمود، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، کیتقاو، سل وں بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ اس خاندان نے ۶۰۳ھ سے ۶۸۹ھ تک چھیالیس سال حکومت کی، اس خاندان کو غلاموں کا خاندان صرف اسی لئے نہیں کہا جاتا کہ قطب الدین ایبک غلام تھا بلکہ شمس الدین اتش اور غیاث الدین بلبن نے بھی غلامی کے مرتبے سے ترقی کر کے شہنشاہی حاصل کی تھی اسی زمانے میں مکر

اندر بھی اسی قسم کے غلاموں کی حکومت تھی۔ ہندوستان اور مصر کے غلاموں کی شہنشاہی پھر غور کرنے سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھتے تھے اور غلاموں کے لئے اسلام نے کہاں تک ترقی کی راہیں کشا دہ رکھی ہیں۔ ہندوستان میں غلاموں کے اس خاندان میں شمس الدین اتمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن تین بادشاہوں نے ہیں جن میں سال یا اس سے زیادہ مدت تک حکومت کی ان تینوں بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ مل کر ستر سال ہوتا ہے۔ باقی سولہ سال میں سات بادشاہوں کی حکومت پوری ہوئی۔ اس خاندان نے صرف شمالی ہند کو اپنے قبضے میں رکھ کر امن و امان کے قیام اور سلطنت کے استحکام کی کوشش کی اور ملک دکن کی جانب نئی فتوحات حاصل کرنا نہ چاہیں۔ یہ بات کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرتے ہی ہندوؤں کو تہذیب سکھانے اور ترقی دے کر ابھارنے کی کوشش شروع کر دی تھی ایک الگ مستقل باب میں بیان ہوگی۔ اس وقت نہایت محل طوسہ پر خاندان غلامان اور خاندان خلجی کا ذکر اور ملک دکن کی فتح کا تذکرہ مد نظر ہے تاکہ مسلمانوں کی ہندوؤں پر حملہ آوری کا بیان ختم ہونے پر اس داستان کو شروع کیا جاسکے کہ مسلمان فرماں رواؤں نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا تھا۔ لہذا اس باب میں نہایت مختصر طور پر طرز حکومت اور ملک دکن کی فتوحات کا ذکر کیا جائے گا۔ اس کتاب کے قاری کو مطمئن رہنا چاہیے کہ وہ آئندہ ابواب میں ان چیزوں کو مطالعہ کر سکے گا۔ جن سے واقف ہونے کا شوق اس باب کو پڑھتے ہوئے اُس کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔

۱۲۱۰ء سلطان قطب الدین ایبک کا حال خواجہ صدر نظامی نے اپنی کتاب تاج المآثر میں اور قاضی منہاج سرخ نے اپنی کتاب طبقات ناصری میں تفصیل سے لکھا ہے لیکن میں اس جگہ صرف اُس خلاصہ کو درج کرتا ہوں جو اخوند شاہ نے اپنی کتاب روضۃ الصفا میں سلطان قطب الدین ایبک کے ابتدائی حالات کی نسبت لکھا ہے۔ اخوند شاہ کے الفاظ یہ ہیں۔

”بازرگکے قطب الدین را از ترکستان بہ نیشاپور آورد و قاضی نحر الدین مہارغیر
گوئی کہ از اولاد امام اعظم بود و قضاے نیشاپور تعلق پادوی داشت را بخرید و داد
و خدمت فرزند قاضی قرآن بخواند و بعد ازان تیر اندازی و سواری تعلیم گرفت

و در آن مابہر گشت۔ آنکھ باز رکائے اور الزامی بخزید و بغزین بر دہ سلطان
شہاب الدین بفروخت گویند کہ شہ سلطان شہاب الدین غلامان خود را با نعلات
ناخرہ اختصاص داد و قطب الدین حصہ خود را از نقد و خیس ہم در آن مجلس بفراش
بخشید و چون این معنی لمیع سلطان رسید اورا ہمزید عنایت و قرب مخصوص
گردانیدہ سرخیل سائر ممالک ساخت و کار اور ظل حمایت سلطان تغتغاف
می پذیرفت تا امیر آخور شد۔

سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد اس کے بھتیجے سلطان محمود نے سلطان
فیروز کوہ سے قطب الدین کے پاس ایک شفقہ اور چتر شاہی بھیجا۔ شفقہ میں لکھا تھا کہ آپ شوق
سے اپنے آپ کو سلطان کے لقب سے ملقب کریں اور ہندوستان میں عدل و انصاف کے
ساتھ حکومت کریں۔ اس سند حکومت اور چتر شاہی کے آنے پر سلطان قطب الدین نے
دہلی سے لاہور جا کر ماہ ذیقعد ۷۷۲ھ میں مراسم تخت نشینی ادا کئے۔ جس طرح سلطان
قطب الدین ایک کے پاس ہندوستان کی سند حکومت بھیجی گئی تھی اسی طرح غزنی کی حکومت
تاج الدین یلدوز کو سپرد ہوئی تھی۔ تاج الدین یلدوز نے صوبہ پنجاب کو غزنی کی سلطنت میں
شامل رکھنا چاہا۔ اور سلطان قطب الدین ایک نے پنجاب کو ہندوستان کا صوبہ ہونے کی
حیثیت سے اپنے قبضہ میں رکھنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ دونوں میں جنگ ہوئی اول تاج الدین
یلدوز نے لاہور کو فتح کیا پھر قطب الدین ایک نے تاج الدین یلدوز کو پنجاب سے نکال کر
غزنی پر چڑھائی کی اور شہر غزنی سے بھی تاج الدین یلدوز کو بھگا دیا۔ چالیس روز تک غزنی
کے تخت پر جلوس کر کے وہاں سے لاہور واپس چلا آیا۔ اس کے بعد سلطان تاج الدین یلدوز
پھر غزنی پر قابض ہو گیا۔ سلطان قطب الدین ایک کی شادی تاج الدین یلدوز کی بیٹی سے
ہوئی تھی۔ سلطان قطب الدین ایک کی ایک بیٹی کی شادی سلطان شہاب الدین غوری کے
غلام ناصر الدین قباچہ سے اور دوسری بیٹی کی شادی قطب الدین ایک کے غلام شمس الدین
اتمش سے ہوئی تھی، ناصر الدین قباچہ کو سلطان قطب الدین ایک نے سندھ کا حاکم مقرر کیا تھا، اور
شمس الدین اتمش کو بلایوں کا۔ بلن دونوں داماؤں میں شمس الدین اتمش سے قطب الدین ایک کو دنیا
محبت تھی اور اس کو مثل بیٹے کے سمجھتا تھا۔ چونکہ تاج الدین یلدوز بار بار پنجاب پر حملہ آور ہوتا
تھا اس لئے اس کا مقابلہ کرے سکے لئے قطب الدین ایک کو بھجائے دہلی کے لاہوری میں رہا چلا۔

وفات شہنشاہ میں دوکان کھلتے ہوئے قطب الدین ایبک کا گھوڑا سکندری کھا کر اس طرح گرا کہ سلطان گھوڑے کے نیچے دب گیا۔ گھوڑے کی زین کا پیش کوہر سلطان کے سینہ میں گرا اور فوراً مرغِ روح غالبِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ سلطان قطب الدین نے فتح دہلی کے بعد سے اپنی وفات تک بیس سال ہندوستان میں حکومت کی لیکن ابتدائی سولہ سال میں وہ نائب السلطنت کی حیثیت سے تھا۔ آخری پچاس سال خود مختار اور مستقل شہنشاہ ہند رہا۔ اتنے بڑے جنگی کارنامے میں اس نے راجپوتوں اور ہندوؤں کو بار بار شکستیں دیں۔ نائب السلطنت ہونے کے زمانے میں وقوع پذیر ہوئے۔ ہندوستان کا خود مختار سلطان ہونے کے بعد اس کی کوئی قابل تذکرہ جنگ کسی ہندو راجہ سے نہیں ہوئی۔ اس نے دستِ سخاوت کو اس قدر کشادہ کیا کہ حاکم ہند مشہور ہوا۔ اس جگہ یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ دھر ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک الگ مستقل سلطنت قائم ہونے والی تھی اور دھر مغولستان میں چنگیز خاں اپنی بادشاہت قائم کر چکا تھا۔ ماہِ رجب ۶۰۲ھ میں چنگیز خاں نے جس کا اصلی نام تنوچین تھا اپنا لقب چنگیز خاں یعنی شہنشاہ تجوئز کیا اور ۱۸۰۰ھ میں قلعہ سندھ کو قطب الدین ایبک نے لاہور میں تخت نشین ہو کر تاج شاہی سر پہ رکھا دو سرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ چنگیزی سلطنت اور ہندوستان کی مستقل اسلامی سلطنت ساتھ ہی ساتھ قائم ہوئی تھیں۔

۱۱۱۱ آرام شاہ ابن قطب الدین ایبک قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے بیٹے آرام شاہ کو دہلی میں تخت سلطنت پر بٹھایا۔ آرام شاہ میں سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔ ناصر الدین قباجہ نے سندھ و بلتان پر قبضہ کر کے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ اُدھر بنگالہ میں حسام الدین عوض غلجی نے خود مختار ہو کر تاج شاہی سر پہ رکھا اور اپنے آپ کو سلطان کے لقب سے ملقب کر کے بہار و بنگالہ میں اپنی سلطنت قائم کی۔ تاج الدین بلدوز نے غزنی سے پنجاب پر حملہ آور ہو کر لاہور اور تمام ملک پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ جس ملک کو آج کل صوبہ آگرہ و اودھ کہا جاتا ہے یہ آرام شاہ کے قبضہ میں رہا۔ اس طرح سلطان قطب الدین کے فوت ہوتے ہی ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ چار حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مسلمانوں کی حیرت انگیز بہادری اور اودھ و بہار و بنگالہ و آسام تک کی فتوحات دیکھ کر اس ملک کے راجپوت اور ہندو لوگ اس قدر مرعوب ہو چکے تھے کہ مالوہ و روہیلکھنڈ و راجپوتانہ کے بعض مضبوط مقامات مثلاً گوالیار و اجین اور جھوپور و قنوج و منندو

زمین پر جہاں کوئی اسلامی فوج موجود نہ تھی خود مختار اور قبضہ کرنے کے سوا کوئی ایسی موثر کوشش نہ کر سکے کہ اس اضطراب کے زمانے میں مسلمانوں کو ہندوستان سے خارج کر دیتے۔ آرام شاہ اس پٹھانی کا کوئی تذکرہ نہ کر سکا، امرائے سلطنت نے یہ حالت دیکھ کر شمس الدین اتمش حاکم ہدایوں کو دہلی بلوایا اور آرام شاہ کو معزول کر کے اسے تخت سلطنت پر بٹھایا۔ آرام شاہ نے دہلی سے نکل کر اور اپنے ہوا خواہوں کو فراہم کر کے اتمش کا مقابلہ کیا مگر گرفتار ہو کر قید خانہ میں فوت ہوا۔ آرام شاہ نے ایک سال سے بھی کم مدت تک سلطنت کی۔

شمس الدین اتمش شمس الدین اتمش ترکانِ قراخانی میں سے تھا اس کا باپ اپنے قبیلہ کا ایک نامور اور امیر آدمی تھا چچا زاد بھائیوں نے حضرت بوسف کے بھائیوں کی طرح اُس کو باہر لے جا کر ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس سوداگر نے بخارا میں لاکر فروخت کیا یہاں جس نے خریدا تھا اُس نے اس کی بد ورشیں اور تعلیم پنے بچوں کی طرح کی پھر حاجی جمال الدین چغتیا نے خریدا۔ حاجی جمال الدین چغتیا سے قطب الدین ایبک نے ایک لاکھ چیل (دوہائی ہزار روپیہ) کے عوض خرید کر اپنے بیٹے کی طرح تربیت کی اور میر شکار کا عہدہ عطا فرمایا۔ پھر گوالیار کا حاکم بنایا پھر برن راجہ شہر کا حاکم مقرر کیا۔ اُس کے بعد ہدایوں کا ناظم بنایا۔ جب سلطان شہاب الدین غوری آخری مرتبہ لکھنؤ کا فساد رفع کرنے پنجاب میں آیا اور قطب الدین ایبک دہلی سے سلطان غوری کی خدمت میں حاضر ہوا تو شمس الدین اتمش بھی قطب الدین ایبک کے ہمراہ گیا تھا اُس نے لکھنؤ کی لڑائی میں ایسی بہاوری دکھائی کہ سلطان شہاب الدین غوری بہت ہی خوش ہوا اور اتمش کو خلعتِ فاخرہ عطا کر کے قطب الدین سے سفارش کی کہ اتمش کو غلامی سے آزاد کر کے اُس کے مرتبہ کو بڑھانا چاہیے۔ چنانچہ قطب الدین ایبک نے اتمش کو سندِ آزادی عطا کی اور اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کر دی۔

تخت نشینی ۶۰۷ھ میں شمس الدین اتمش تخت نشین ہوا۔ اُس کی تخت نشینی کے بعد بعض اُمراء نے مخالفت پر کمر باندھی۔ تین چار سال اس خانہ جنگی کے فرو ہونے میں صرف ہوئے اور جو صوبے سلطنت دہلی سے جدا اور خود مختار ہو گئے تھے پستور خود مختار رہے۔ دہلی اور نواح دہلی کی لڑائیوں سے فاسد ہو کر سلطان اتمش پنجاب کو تاج الدین یلدوز کے قبضے سے نکالنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ تاج الدین یلدوز نے خود ہی دہلی کی جانب

فوج کشی کی۔ التمش نے آگے بڑھ کر مقام تراوری میں اُس کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں تاج الدین ٹنڈو شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ التمش نے اُس کو بدایوں میں قید کیا۔ جو چند روز کے بعد بحالت قید فوت ہو کر بدایوں میں مدفون ہوا۔ اس عرصہ میں موقعہ پا کر ناصر الدین قباچہ نے پنجاب پر حملہ کر کے لاہور کو فتح کر لیا۔ التمش نے اس کو بھی شکست دے کر سندھ و ملتان کی طرف بھگا دیا۔

یہاں یہ لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ دوسرے سلطان خوارزم نے غور و غزنی کو فتح کر کے خاندان غوری کا خاتمہ کر دیا اور اب اُس کی فوجیں ہندوستان کی طرف بڑھیں اور ملتان کے قریب ناصر الدین قباچہ سے جو التمش کے مقابلے میں ابھی شکست کھا چکا تھا۔ شکست پاکر واپس لوٹ گئیں۔ ۶۸۴ھ میں سلطان شمس الدین التمش نے ناصر الدین قباچہ کو شکست دے کر گجرات کی طرف بھگا دیا اور مقام دیبل یعنی ساحل سمندر تک سندھ کا ملک اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مگر چند روز کے بعد ناصر الدین قباچہ نے پھر سندھ و سیوستان پر قبضہ کر لیا۔ ۶۸۵ھ میں سلطان جلال الدین خوارزمی چنگیز خاں سے شکست کھا کر ہندوستان کی طرف آیا اور پنجاب کے ایک حصہ پر قابض ہو گیا یہ سنتے ہی سلطان التمش لاہور گیا۔ سلطان جلال الدین پنجاب سے سندھ کی طرف اور وہاں سے کچھ مکران کی جانب روانہ ہوا۔ اسی سال سلطان التمش نے بنگال کی جانب فوج کشی کی اور حسام الدین عوض ظہبی سے اقرار اطاعت اور تیشہ اٹھتی بطور نذرانہ لے کر اور اپنے بیٹے ناصر الدین کو بہار و بنگال کا ناظم مقرر کر کے واپس ہوا۔ سلطان کے چلے آئے کے بعد ناصر الدین اور بنگالے کے خلیجی سلطان میں لڑائی ہوئی جس میں خلیجی سلطان مارا گیا اور بنگالہ کا ملک بھی براہ راست سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا۔ ۶۹۳ھ میں قلعہ و تمبھور کو چند مہینے کے محاصرے کے بعد سلطان نے فتح کیا۔ ۶۹۴ھ میں قلعہ مندور یا قلعہ منڈا اور کوئٹہ کیا اس فتح کی خوشی میں امیر روحانی بخاری نے قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

خبر باہل سہا بردہ جہر نیل امین	ز فتنہ ماہ سلطان عہد شمس الدین
کہ از بلا و ملاحہ شہنشاہ اسلام	کشاد بار و گر قلعہ سپہر آیین
شہ مجاہد و غازی کو دست و تیغ را	روان حیہ کرار می کند تحسین

اسی زمانے میں ناصر الدین قباچہ نے آج اور ملتان پر قابض ہو کر مخالفت شروع کی۔

۶۲۵ء میں سلطان التمش نے ناصر الدین قباچہ کی سرکوبی کے لئے سندھ و ملتان کی طرف فوج کشی کی، ناصر الدین قباچہ نے اپنے وزیر کو فوج دے کر قلعہ اُچ میں چھوڑا اور خود خزانہ لے کر قلعہ بھکر میں چلا گیا۔ ایک مہینے کے محاصرے کے بعد بروز سہ شنبہ ۲۸ ماہ جمادی الاول ۶۲۵ء کو قلعہ اُچ فتح ہوا اور ناصر الدین قباچہ اُچ کی فتح کا حال سن کر دریا کے سندھ میں ڈوبا کر مر گیا۔ سلطان نے ہند گاہ دیبل یعنی سمندر کے کنارے تک تمام ملک قبضے میں لا کر اپنے عامل مقرر کئے اور دہلی کی طرف واپس ہوا۔ مقام اُچ سے طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج کو جو چند ہی روز پہلے وارد ہند ہو کر اُچ میں مقیم تھا اپنے ہمراہ لے گیا۔ ۶۲۶ء میں خبر پہنچی کہ شہزادہ ناصر الدین بنگالہ میں فوت ہو گیا۔ سلطان شمس الدین التمش نے اپنے چھوٹے بیٹے کو ناصر الدین کا خطاب دے کر ہدایوں کا حاکم مقرر کیا۔ یہی وہ ناصر الدین محمود ہے جس کے نام پر منہاج سراج نے طبقات ناصری اپنی کتاب کا نام رکھا۔ اسی سال یعنی ۶۲۶ء میں بغداد کے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ نے سلطان شمس الدین التمش کے پاس خلعت روانہ کیا اور سلطان شمس الدین التمش نے اس خوشی میں شہر کو آئینہ ہند کر کے جشن ترتیب دیا۔ اسی سال ملک ملک خلجی نے بنگالہ پر قبضہ کر کے علم بغاوت بلند کیا۔ یہ سن کر سلطان بنگالہ کی طرف روانہ ہوا اور ۶۲۷ء میں ملک ملک کو گرفتار اور اڑیسہ کا ملک بھی بنگال میں شامل کر کے ملک علاؤ الدین جانی کو وہاں کا حاکم بنا کر دہلی واپس آیا۔ ۶۲۹ء میں قلعہ گوالیار کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔ ماہ صفر ۶۳۰ء میں گوالیار فتح ہوا۔ اس سفر میں منہاج سراج سلطان کے ہمراہ موجود اور نمازوں کا امام تھا۔ قلعہ گوالیار کی فتح پر دیر الملک تاج الدین ریزہ نے یہ رباعی لکھی ہے

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت از عون خدا و نصرت دیں بگرفت

آں قلعہ گوالیار و آل حصن حصین در سنہ ستہ و ثلاثین بگرفت

۶۳۲ء میں سلطان مالوہ کے باغیوں کو سزائیں دیں اور پھیلے کو فتح کیا اُس کے بعد آجین فتح ہوا۔ یہاں مہاکال دیو کا بت تھا اس بت خاد میں راجہ بکربا جیت کی بہت بڑی مورت پتھر کی بنی ہوئی براجمان تھی اُس کے ارد گرد چند چھوٹی چھوٹی مورتیں تانبے اور پتیل کی بنی ہوئی نصب تھیں یہ بت خانہ چونکہ مالوہ کے تمام باغیوں کا مرکز اور بغاوت کی سازش کا دفتر تھا لہذا سلطان نے اس مندر کو مسمار کیا اور دھات کی مورتیوں کے ساتھ پتھر کی مورت کو بھی

دہلی سے گیا۔ اس طرح تمام ملک الوہ میں اسلامی سلطنت مستحکم ہو گئی۔

وفات | دہلی آکر سلطان کو پھر ایک سفر پیش آیا۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ یہ سفر بہت اہم تھا۔ مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری، منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ بلتان کی طرف روانہ ہوا۔ بہر حال اس سفر میں سلطان بیمار ہو کر دہلی واپس آیا اور بہراہ شعبان ۷۳۳ھ بروز دوشنبہ فوت ہوا۔ اُس کا مقبرہ پُراقی دہلی میں مسجد قوۃ الاسلام کے متصل غیر مستطاف آج تک موجود ہے۔ یہ سلطان بڑا خدا ترس، رحم دل، عابد، زاہد، سخی، بہادر اور شب زندہ دار شخص تھا۔ بیچ وقتہ نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتا اور درویش خدا آگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا تھا۔

قطب مینار کی تعمیر | سلطان قطب الدین ایبک نے دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوۃ الاسلام اور قطب مینار کی تعمیر شروع کی تھی۔ قطب مینار کے صرف

دو بیچے کے درجے قطب الدین ایبک کے زمانے میں تیار ہوئے تھے سلطان التمش نے باقی اوپر کے درجے تعمیر کرا کر اس مینار کو پختگیل تک پہنچایا اور مسجد قوۃ الاسلام میں بھی تین دروازے اضافہ کئے۔ عوض شمسی بھی جس کو تالاب شمسی کہتے ہیں اُس کی یادگار ہے۔ اس سلطان پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اُس نے مہاکال کے بت خانے کو توڑا لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ کیا دریائے سندھ کے ڈیلٹا سے برہم پتر کے ڈیلٹا تک تمام شمالی ہند جس میں اڑیسہ کا ملک بھی شامل ہے مندروں سے بالکل خالی تھا۔ شمس الدین التمش مذہب کا پابند اور خود مذہب سے بخوبی واقف ہونے کے علاوہ علماء کی صحبت میں رہتا تھا وہ اسلامی تعلیم کے خلاف غیر مذہب والوں کی عبادت گاہوں کو بلا سبب ہرگز نقصان پہنچانے اور مسمار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ مہاکال کا مندر توڑنے اور پتھر کی مورت دہلی لانے کا حال جس نے بھی لکھا ہے طبقات ناصری سے لکھا ہے۔ ہندوؤں کی کسی قدیم کتاب سے اس مندر کے آجین میں ایک مرکزی عبادت گاہ ہونے کی حیثیت سے سمار ہوئے کا ثبوت نہیں ملتا۔

ملاحدہ کا فتنہ | ہندوؤں کے ساتھ ملاحدہ الموت کے خصوصی تعلقات قائم تھے ملاحدہ کو ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کا سخت

ملاں تھا۔ وہ چند روز پہلے سلطان شہاب الدین غوری کو پنجاب میں شہید کر چکے تھے، بلتان و سندھ کو وہ اپنا ملک سمجھ کر اُس پر قبضہ کرنے کی کوششوں میں مسلسل مصروف

رہے تھے۔ گجرات میں جہاں سومنات کا مندر تھا وہ کافی رسوخ حاصل کر چکے تھے۔ گجرات میں سنہ ۱۰۰۰ء سے اُنھوں نے ہندوؤں کو اپنے مسلک میں باقاعدہ طور پر شامل کرنا شروع کر دیا تھا اسی زمانے میں ملاحدہ الموت کے ایک واعظ لورسٹا گرنامی نے گجرات کے راجہ سدھارج کے عہد میں وارد گجرات ہو کر اپنا نام ہندوؤں کا سا ظاہر کیا اور کبئی۔ لکھا رو۔ اور کوری قوموں کو باقاعدہ اپنے مسلک میں شامل کر لیا تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک کو سلطان بننے کے بعد دہلی میں قیام کرنے کا بہت ہی کم موقع ملا تھا۔ سندھ و راجپوتانہ کے ہندو ملاحدہ کے دھوکے میں اب اس لئے کم آتے تھے کہ وہ اسلامی طاقت کا ابھی طرح اندازہ کر چکے تھے غمخس الدین التمش ہی کے زمانے میں دہلی بھد رستان کی سلطنت اسلامیہ کا دار السلطنت اور مرکز حکومت بنی تھی لہذا ملاحدہ کی تمام تر دہلی کی جانب منعطف ہوئی اُنھوں نے گجرات و سندھ سے آگے بڑھ کر مالوہ کے ہندوؤں کو اپنا مہمول بنایا اور اُجین و بھیلے کو بجائے گجرات کے اپنا ساتھ یا بنگاہ قرار دے کر پیش رو دتے دو آہ گنگ و جمن میں پھیلا دیئے۔ برنج کے دو آہے اور وہ ہیلکھنڈ میں جو راجپوت موجود تھے وہ فوراً اسلام کش سازش میں شریک ہو گئے۔ منڈا اور کے مقام کو کسی نے مندو اور کسی نے مندور لکھا اور مالوہ کا مقام سمجھا ہے لیکن تحقیقاً یہ مقام گنگا اور مالن ندی کے درمیان ضلع بجنور میں آج تک منڈاؤں کے نام سے موجود ہے۔ یہ بدھوں کے زمانے میں ایک مرکزی مقام تھا جیونگ شیانگ پینی سیاح بھی یہاں آیا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں فتح قنوج سے پہلے قطب الدین ایبک نے اس کو پہلی مرتبہ سلطنت اسلامیہ میں شامل کیا تھا۔ ملاحدہ نے اس مقام کو بھی اپنا مرکز بنا کر تمام راجپوتوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا اور کوہ ہمالہ تک جا بجا مضبوط قلعوں اور دشوار گزار کوئی دروں میں امن بنائے گئے تھے۔ ۱۲۰۶ء میں سلطان نے جب قلعہ منڈاؤں کو فتح کیا ہے تو دو ہفتے تک منڈاؤں میں قیام کر کے یہاں سے فوجیں بھیج بھیج کر کوہ ہمالہ تک تمام سرکشوں کو سزائیں دینے کے بعد امن و امان قائم کیا تھا پھر منڈاؤں میں ایک عامل کو مناسبت ہدایات کے ساتھ امور کر کے دہلی کی جانب واپس ہوا تھا منڈاؤں کے قلعہ کا تو اب نام و نشان کبھی موجود نہیں ہے لیکن سلطان شمس الدین التمش کے قدوم مہمنت لزوم کی یادگار کے طور پر منڈاؤں جامع مسجد آج تک موجود ہے فتح منڈاؤں کی تہنیت میں امیر روحانی بخاری نے جو قصیدہ لکھا تھا

اُس کا ذکر اوپر آچکا ہے اُس میں بھی صاف مذکور ہے کہ سلطان نے اس قلعہ کو جو ملاحدہ کے قلعوں میں سے تھا بارگرفتح کیا دوا بہ گنگ و جمن میں تو رنامی لمحہ نے دہلی کا تختہ الٹ دینے کی خفیہ ہی خفیہ پوری تیاری کر لی تھی۔ چنانچہ تانچ فرشتہ کی روایت کے موافق سلطان شمس الدین اتمش کے زمانے میں ایک ہزار محدود کی فوج جو تمام ہتھیاروں سے مسلح تھی ٹھیک اُس وقت جبکہ تمام مسلمان جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کر رہے تھے جامع مسجد میں داخل ہو کر مسلمانوں کو بے محابا قتل کرنے لگی مدعا یہ تھا کہ سلطان بھی مع تمام سرداروں کے آسانی قتل ہو جائے۔ ہزار ہا مسلمان اس طرح جامع مسجد میں قتل ہوئے اور پھر بعض سرداروں نے موقعہ پا کر صلح جمعیت کے ساتھ باہر سے جامع مسجد میں داخل ہو کر ان ملاحدہ کو محصور کر لیا۔ جو مسلمان مسجد کے اندر تھے اور بچ گئے تھے انھوں نے معہ سلطان مسجد کی چمکت پر چڑھ کر جان بچائی اور تمام ملاحدہ ایک ایک کر کے مسجد ہی میں قتل کئے گئے۔ یہ ملاحدہ خدا جلنے کیا کیا مصائب ہندوستان کی سلطنتِ اسلامیہ پر لائے مگر خیریت گندی کر تھوڑے ہی دنوں بعد یعنی ۶۵۵ھ میں مغلوں کے سیلاب نے ملاحدہ کے مرکز الموت کو غارت کر کے ان کے آخری بادشاہ خورشاہ کو گرفتار کر لیا اور ملاحدہ کے تختے سے عالمِ اسلامی نے نجات پائی۔

سلطان شمس الدین اتمش کے عہدِ حکومت میں دہلی اور دہلی کے متصل اضلاع میں ملاحدہ کی اس قوت و شوکت و اثر و نفوذ کا اندازہ کرو پھر ملاحدہ و قرامطہ کے ان تمام کارناموں پر جو اوپر کے ابواب میں بیان ہو چکے ہیں خود کرو تو بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ سلطان شمس الدین اتمش کے زمانے میں ملاحدہ کے ذریعے اسی قسم کے تختے سراٹھانے والے تھے جو قرامطہ کے ذریعہ رونما ہو کر سلطان محمود غزنوی کے لئے موجب تکلیف ہوئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ بھیلہ اور آجین کو جو ملاحدہ اور اُن کے شریک کار ہندوؤں کے مرکزی مقام تھے سلطان اتمش نے نقصان پہنچایا اور اُن کے سازش خاؤں کو جو ہمیشہ حفاظت کی غرض سے ہندو ہی میں قائم کئے جاتے تھے مسمار کیا۔ اگر ان مندروں کو اس امن سوز اور انسانیت کش مقصد کے لئے استعمال نہ کیا جاتا تو سلطان اتمش ان کو کبھی ہاتھ نہ لگاتا اگر مندروں کے مسمار کرنے ہی کا اُس کو شوق تھا تو متھرا، جہان پور، الہ آباد، بنارس، تھانہ، سرگاندھ، تنوچ، گوالیار، جگن ناتھ پوری (اڑیسہ) میں اُس وقت مندروں کی کمی نہ تھی وہ ان تمام مقامات کے مندروں کو بھی مسمار کرتا اور اپنا شوق پورا کر کے خوش ہوتا۔ پھر لطف یہ کہ آجین میں جہاں کال کے مندر کے سوا اور بھی مناد

موجود تھے مگر اس نے صرف ایک ہی مندر کو توڑا باقی کو ہاتھ نہ لگایا۔ اس کی غرض صرف یہ تھی کہ آئندہ ہندو اپنے مندروں کو سازش خانہ اور بغاوت خانہ نہ بننے دیں بلکہ عبادت خانہ ہی رہنے دیں اگر کسی مندر کو سازش خانہ بنایا جائے گا تو وہ عبادت خانہ نہ رہے گا اور اس کو مسمار کر دیا جائے گا۔ یہ صاف اور سیدھی بات اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اسی کے فہم کا قصور ہے۔

گر نہ جیند میر غز شیرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

سلطان شمس الدین اتمش نے ہندوؤں کو بھی اپنی مصاحبت میں داخل کر کے ان کی دل دہی اور عزت افزائی کو ملحوظ خاطر رکھا تھا مگر اس جگہ سلطان اتمش کے تذکرہ کو اس سے زیادہ طول نہیں دیا جاسکتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ سلطان اتمش نے شمالی ہند میں اسلامی شہنشاہی قائم کر کے قطب الدین ایبک کے زمانے سے بھی زیادہ طاقتور اور ہر قسم کے خرخشوں سے پاک و پرامن سلطنت چھوڑی۔

رکن الدین فیروز شاہ ابن اتمش | سلطان شمس الدین اتمش جب چھٹیئیں سال کی حکومت

سلطنت کے بعد فوت ہوا تو اُمراء سلطنت نے اس کے بیٹے رکن الدین کو فیروز شاہ کے لقب سے تخت سلطنت پر بٹھایا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی انعام و اکرام میں تمام خزانہ لٹا دیا۔ اپنی ماں کو جو ایک ترکی کنیز تھی امور سلطنت سپرد کر کے خود عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔ رکن الدین کی ماں نے سلطان اتمش کے سب سے چھوٹے بیٹے قطب الدین کو اول اندھا بچہ قتل کرایا۔ ان مظالم اور بدانتظامیوں کو دیکھ کر اودھ، بدایوں، بانسی، لاہور، ملتان وغیرہ کے عامل باغی ہو گئے اور سب نے آپس میں خط و کتابت کرنے کے بعد متحد ہو کر سلطان رکن الدین کے معزول کرنے کا تہیہ کیا۔ رکن الدین دہلی سے فوج لے کر لاہور کی جانب روانہ ہوا کہ وہاں کے حاکم ملک علاء الدین شیر خانی کو اوّل راہ راست پر لائے ابھی منصور پور تک ہی پہنچا تھا کہ اس کے ہمراہی سواروں اور امیر ہل میں سے بہت سے اس سے جدا ہو کر دہلی واپس آئے اور آتے ہی سلطان اتمش کی سب سے بڑی لڑکی رضیہ سلطانہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ رضیہ سلطانہ نے تخت نشین ہوتے ہی رکن الدین کی ماں کو جو مختار کل سمجھی جاتی تھی گرفتار کر کر قید کر دیا۔۔۔ رکن الدین منصور پور سے دہلی کی طرف واپس ہوا رضیہ سلطانہ نے دہلی کے متصل رکن الدین کا

تقابلہ کر کے اُس کو بتاریخ ۱۸ ربیع الاول ۷۵۷ھ گرفتار کر کے مجبوس کیا۔ چند روز کے بعد ید خانہ میں رکن الدین فوت ہوا۔ اُس نے سات بیٹے سلطنت کی۔

رضیہ سلطانہ | بعض امیروں نے اُس کی بادشاہی کے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور متفق ہو کر مقابلہ پر مستعد ہوئے۔ رضیہ سلطانہ نے سب کو شکست دی۔ پھر کسی کو قید، کسی کو قتل اور کسی کو معاف کر دیا۔ چند ہی روز میں بنگالہ، دارلہند سے پشاور و کراچی تک تمام ملک میں اُس کی سلطنت مسلم اور خوب مستحکم ہو گئی۔ رضیہ سلطانہ امور ملک داری سے خوب واقف اور تعلیم یافتہ عورت تھی وہ گھوڑے پر سوار ہوتی اور صفِ قتال میں شمشیر زنی کرتی تھی۔ چھوٹے بڑے تمام امرا اُس کی اطاعت کرتے اور اُس کے احکام کی تعمیل میں چون و چرا کی حرأت نہیں کر سکتے تھے۔

ایک غلطی | اگر رضیہ سلطانہ سے ایک لغزش نہ ہو جاتی تو وہ یقیناً عرسہ دراز تک نہایت کامیابی اور نیک نامی کے ساتھ سلطنت کرتی اُس سے غلطی یہ ہوئی کہ اُس نے جمال الدین یا قوت نامی ایک غلام کو اُس کی قابلیت سے بڑھ کر امیر الامرا کا عہدہ عطا کر دیا بڑے بڑے ترک و افغان امرا جو اس غلام کو اپنی نگاہ میں کمتر و کمتر سمجھتے تھے اُس کی امیر الامرا سے برا فروختہ ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور لاہور کے صوبہ دار ملک اعز الدین سے علامات سرکشی نمایاں ہوئے۔ رضیہ سلطانہ لشکر لے کر لاہور پہنچی ملک اعز الدین نے خائف ہو کر عفو تقصیر کی درخواست کی۔ چنانچہ اُس کی خطا معاف کر کے لاہور سے دہلی واپس آئی۔ اسی عرصہ میں امیر الامرا جمال الدین یا قوت کی زیادتی سے تنگ آ کر بھٹنڈے کے عامل ملک التونیہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ رضیہ سلطانہ اُس کی سرکونی کے لئے فوج لے کر بھٹنڈے کی جانب روانہ ہوئی اس سفر میں جمال الدین یا قوت بھی ہمراہ تھا۔ امرائے لشکر نے موقع پا کر بھٹنڈے پہنچنے سے پہلے ہی یا قوت حبشی کو قتل کیا اور رضیہ سلطانہ کو گرفتار کر کے ملک التونیہ کے پاس بھیج دیا وہ خود سب کے سب دہلی کی جانب واپس آئے۔ یہاں آتے ہی معز الدین بہرام شاہ ابن سلطان التمش کو تخت پر بٹھایا۔ وہاں بھٹنڈے میں ملک التونیہ نے سلطانہ رضیہ سے نکاح کیا اور دونوں نے جاٹوں اور گکھڑوں کی ہندو فوج بھرتی کر کے دہلی پر چڑھائی کی۔

وفات | دوسرے سلطان معز الدین بہرام شاہ نے فتح مقابلہ پر بھیجی۔ مقام کیتھل کے قریب ۷۶۸ھ میں لڑائی ہوئی۔ رضیہ و التونیہ کی فوج تھوڑا سا مقابلہ کر کے فرار ہوئی رضیہ

والتونیر بمشکل میدان سے اپنی جان بچا کر بھاگے۔ راستے میں کسی گاؤں کے ہندو کاشتکاروں نے ان دولوں کو قتل کر دیا۔ رضیہ سلطانہ کی لاش دہلی میں لا کر دفن کی گئی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ خود رضیہ کی ہندو فوج نے رضیہ والتونیر کو گرفتار کر کے بہرام شاہ کی فوج کے سپرد کر دیا تھا اور جب یہ دولوں گرفتار ہو کر دہلی آئے تو بہرام شاہ نے ان کو قتل کرایا۔ طبقات ناصری کے الفاظ یہ ہیں :-

سلطان معز الدین لشکر دہلی را بدفع ایشان بیرون برد و سلطان رضیہ والتونیر منہزم شدند و چون بہر کشتل رسیدند شکریے کہ با ایشان بود ہمہ تخلف نمودند سلطان رضیہ والتونیر بدست ہندوان گرفتار شدند و ہر دو شہید گشتند و نہایت ایشان بست و چہارم ماہ ربیع الاول ۷۳۵ھ بود و شہادت سلطان رضیہ روز سہ شنبہ میت و پنجم ماہ ربیع الآخر ۷۳۵ھ بود

معز الدین بہرام شاہ | سلطان معز الدین بروز دوشنبہ ۲۴ رمضان ۷۳۵ھ دہلی میں تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے بعد ہی امرائے سلطنت میں اس نے بددلی پیدا ہو گئی کہ اس نے بعض سرداروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا چند روز کے بعد سلطنت ہند کی بد نظمی کا حال سن کر مغلوں نے پنجاب پر حملے شروع کر دیے لاہور کے صوبہ دار ملک قراقش نے ان کا مقابلہ کیا لیکن وہ پنجاب کے ہندوؤں یعنی لگھڑوں وغیرہ غارت گروں کو بھی مغلوں کا معاون اور اپنی جمیعت کو قلیل دیکھ کر لاہور سے دہلی کی جانب روانہ ہوا مغلوں نے ۷۳۹ھ میں لاہور پہنچ کر ملک قراقش کا تعاقب کیا مگر وہ ہاتھ نہ آیا صحیح سلامت دہلی پہنچ گیا۔ لاہور پر قابض ہو کر مغلوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور بڑی بربادی پھیلائی۔ سلطان معز الدین بہرام نے ایک زبردست فوج مرتب کر کے مغلوں کے مقابلہ کو پنجاب کی جانب روانہ کی۔ یہ فوج دریائے بیاس کے کنارے قصبہ سلطان پور تک جو اسی زمانے میں آباد کیا گیا تھا پہنچی۔ یہاں سواران لشکر نے بجائے اس کے کہ پنجاب کو مغلوں سے پاک کر کے سلطان معز الدین بہرام کے معزول کرنے کی سازش کی اور سب نے آپس میں عہد و پیمان محکم کر کے سلطان کے خلاف دہلی کی جانب مراجعت کی۔ سلطان نے اس واقعہ سے مطلع ہو کر شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا کہ ان باغیوں کو بھٹکا کر راہ راست پر لائیں مگر ان ہر خواجہ صاحب رحمہ کی نصیحت کا کوئی اثر

نہ ہوا اور انہوں نے آتے ہی دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ انھیں ایام میں قاضی منہاج سراج مصنف طبقات ناصری کو دہلی اور کل سلطنت اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا۔ قاضی صاحب مددوح نے بھی بہت کچھ ان باغیوں کو سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے۔ ساڑھے تین مہینے تک دہلی کا محاصرہ رہا اور طرفین سے بہت سے آدمی مارے گئے۔

وفات آخر سلطان معز الدین بہرام کو گرفتار کر کے باغی اُمراء نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور روز شنبہ ۱۸ ذیقعدہ ۷۳۷ھ کو بہرام شاہ قتل کیا گیا۔ اس نے دو سال ایک مہینہ پندرہ روز سلطنت کی۔ اس کے بعد اُمراء نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بیٹے علاء الدین مسعود کو قید خانہ سے نکال کر تخت نشین کیا۔ علاء الدین مسعود کے علاوہ دو شہزادے اور بھی قید تھے یعنی ناصر الدین محمود اور جلال الدین پسران سلطان اتمش۔ مگر اُمراء نے سلطان اتمش کے ان دو لڑکوں بیٹوں پر اُس کے پوتے علاء الدین مسعود کو ترجیح دی۔

سلطان علاء الدین مسعود سلطان علاء الدین مسعود نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے مغلوں کو پنجاب سے نکالا اور اپنے دونوں چچاؤں کو قید خانہ سے نکال کر جلال الدین بن اتمش کو قوزج کا اور ناصر الدین محمود کو بہرائچ کا حاکم مقرر کیا۔ ۱۷ شوال ۷۳۷ھ میں مغلوں نے اس رات سے کہ جس سے محمد بن تغتیار خلجی نے ملک ثبت پر حملہ کیا اور ملک بنگالہ کے ایک حصے کو تاخت و تالیج کر ڈالا۔ یہ سُن کر علاء الدین مسعود نے اپنے ایک سردار تھور خان قیراں کو ایک زبردست فوج دے کر بھیجا کہ صوبہ دار بنگالہ کے ساتھ مل کر مغلوں کو بنگالہ سے نکالے چنانچہ مغلوں کو شکست دے کر جہلم سے آئے تھے اور وہی کو بھیجا دیا گیا۔ ۱۷ رجب ۷۳۷ھ میں منکوۃ نامی مغل نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ آج و ملتان پر حملہ کیا اور اس نواح کے بہت سے مسلمان مغلوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ سلطان علاء الدین مسعود نے یہ سُن کر فوجیں تمام صوبوں سے طلب کیں اور ایک نہایت عظیم لشکر لے کر خود مغلوں کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ اس لشکر کی کثرت و شوکت کا حال سُن کر مغل اس قدر مرعوب ہوئے کہ ابھی سلطانی لشکر دیا تے ہی اس کے کنارے پہنچا تھا کہ وہ آج و ملتان کو چھوڑ کر خراسان کی جانب بھاگ گئے اور سلطان مظفر و منصور دہلی کی جانب واپس آیا۔ اس سفر میں بعض نااہل لوگوں کو سلطان کی خدمت میں تفریب حاصل ہوا اور ان کی صحبت کا یہ افرہوا کہ یہ لوزجان سلطان لہو و لعب اور عیش و عشرت میں اپنا وقت گزارنے

رگا اور سلطنت کے کاموں کی طرف سے توجہ ہٹائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام سلطنت مضبوط ہونے کے بعد پھر کمزور ہو گیا اور اُمراء نے سلطنت تخت سلطنت کے معاملے میں مشورے کرنے لگے۔ شہزادہ ناصر الدین محمود ابن امتش نے بہرائچ کی حکومت پر فائز ہو کر اپنی اعلیٰ قابلیت اور پاک باطنی کا اظہار کیا تھا وہاں کی رعایا اُس سے بہت خوش تھی۔ آخر اُمراء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شہزادہ ناصر الدین محمود کو بہرائچ سے بلا کر تخت سلطنت پر بٹھایا جائے۔ چنانچہ ۱۲۳۳ء محرم ۶۴۴ھ کو اُمراء نے متفق ہو کر سلطان علاء الدین مسعود کو قید خانہ میں مجبوس کر دیا۔ اُس نے چار برس ایک ماہ سلطنت کی۔

سلطان ناصر الدین محمود ۱۲۳۳ء محرم ۶۴۴ھ کو سلطان ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں مغلوں نے دریائے سندھ

کو عبور کر کے ملتان وغیرہ علاقوں پر پھر قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان ناصر الدین محمود نے ۱۰ رجب ۶۴۴ھ میں لشکر لے کر مغلوں کے دفع کرنے کے لئے دہلی سے کوچ کیا۔ ۱۰ ماہ ذیقعدہ ۶۴۴ھ میں دریائے راوی کو عبور کر کے مقام سوہدرہ میں قیام کیا اور غیاث الدین بلبن مخاطب برائے خاں کو فوج دے کر وہاں سے سندھ ساگر کی طرف روانہ کیا۔ خاں نے مغلوں کو خارج کر کے دریائے سندھ کے پار بھگایا اور گھڑوں وغیرہ کو مناسب سزائیں دے کر مطیع و منقاد بنا دیا۔ سلطان نے واپس ہو کر عید الضحیٰ کی نماز جائیداد میں پڑھی اور محرم ۶۴۵ھ میں دہلی واپس آیا۔ جمادی الثانی ۶۴۵ھ میں سلطان دہلی سے پانی پت آیا مگر پھر یہیں سے فوج کے ہندوؤں کی بغاوت کا حال سن کر واپس ہوا اور قنوج کے قریب ایک مضبوط قلعہ کا جس میں ہندوؤں نے مقابلہ اور مدافعت کا سامان فراہم کیا تھا محاصرہ کیا آخر سخت معرکے کے بعد یہ قلعہ فتح کر کے باغیوں کو سزائیں دیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر ۱۰ ماہ ذیقعدہ ۶۴۵ھ میں سلطان کڑہ مانک پور کے علاقہ میں پہنچا۔ اس طرف ایک ہندو راجہ جس کا نام دلی ملکی تھا باغی ہو گیا تھا اُس کو گرفتار کر کے اس فتنہ کو فرو کیا۔ اسی سال کے آخر ایام میں سلطان دہلی واپس پہنچا۔

۱۰ ذالحجہ ۶۴۵ھ میں سلطان نے قلعہ رنچبور کو جہاں ہندوؤں نے پھر شورش و فساد برپا کیا تھا فتح لیا۔ ۱۰ شوال ۶۴۵ھ میں دو آب گنگا جمن اور روہیلکھنڈ میں ہندوؤں نے پھر شورش برپا کی اور سلطان نے دہلی سے روانہ ہو کر اس فساد کو مٹایا اور اسی سال کے ۱۰

ذی الحجہ میں دہلی واپس آیا۔ مغلوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان پر پھر چڑھائی کی اور ملک اختیار الدین گریز نے اُن کو شکست دے کر بھٹکایا اور بہت سے مغلوں کو ہلاک کر فتنہ مچا رہے تھے دہلی بھیجا۔ یہ واقعہ ماہ شوال ۹۴۵ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بعد ملتان کی صوبہ داری غیاث الدین بلبن المخاطب بدائع خاں کے چچا زاد بھائی شیر خاں کو سپرد ہوئی۔ اس شیر خاں نے مغلوں کے حملوں کو بار بار روکا۔ تاریخ ہند میں مغلوں کے حملات کو بار بار دہکن اور مغلوں پر چہرہ دست رہنے کی وجہ سے شیر خاں بہت بڑا آدمی سمجھا جاتا اور اُس کا ذکر نمایاں طور پر بیان ہوتا ہے۔ گوالیار۔ چندہری اور مالوہ وغیرہ میں پھر ہندوؤں نے علامات سرکشی کا اظہار کیا اور ماہ شعبان ۹۴۹ھ میں سلطان ناصر الدین محمود نے ہندوؤں کے سردار جاہر دلو کو جس نے دولاکھ پیا دے جمع کر لئے تھے شکست دے کر گرفتار کیا اور ماہ ربیع الاول ۹۵۰ھ میں دہلی واپس آیا۔ الف خاں کو ۹۵۰ھ میں سلطان نے وزارت سے معزول کر کے عماد الدین سیحانی کو قلمدان وزارت سپرد کیا اس تبدیلی کو لوگوں نے پسند نہیں کیا۔ کیونکہ الف خاں کی وزارت سے سب خوش تھے ۹۵۰ھ میں شیر خاں نے مغلوں کے تعاقب میں دریائے سندھ کو عبور کیا اور غزنی تک اُن کے متعاقب پہنچا۔

بروز پنج شنبہ ۱۳ ماہ محرم ۹۵۲ھ کو سلطان ناصر الدین محمود نے دریائے گنگا کو ہیاکو کے گھاٹ پر عبور کیا اور پہاڑ کے دامن میں سفر کرتا ہوا دریائے رام گنگا کے کنارے تک پہنچا۔ اثنائے سفر میں کئی جگہ ہندوؤں نے چھاپے مارے مقام تکیہ پانی کے قریب ہندو ایک شنبہ ۱۵ صفر ۹۵۲ھ کو پیش رو دوسنہ کے سردار رضی الملک عز الدین درمشی نے ہندوؤں کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ اگلے دن بروز دو شنبہ ۱۶ ماہ صفر کو سلطان ناصر الدین نے کھیریا کا ٹھہر کے ان ہندوؤں پر حملہ کر کے اُن کو ایسی سخت سزا دی کہ پھر عرصہ دراز تک اُن کو کان ہلانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس کے بعد ہدایوں کی جانب کوچ کیا اور ۱۹ ماہ صفر ۹۵۲ھ کو لشکر شاہی ہدایوں پہنچا۔ یہاں نو روز قیام کر کے بادشاہ کول دلی گڑھ کی جانب روانہ ہوا۔ اور کول میں ۲۰ ربیع الاول ۹۵۳ھ کو طبقات ناصری کے مصنف شہاب سراج کو جو اس سفر میں ہمراہ تھا "صدر جہاں" کا خطاب عطا کیا اور ۲۶ ربیع الاول کو دہلی واپس آیا۔ بھٹنڈہ دناگور کے عاملوں نے دوسرے اُمرا کو بھی اپنا شریک کر کے آئناہ بغاوت نمایاں کئے۔ سلطان نے دہلی سے روانہ ہو کر عید الفطر کی نماز مقام سنام میں ادا کی۔ سنام سے ہالنسی کی طرف روانہ ہوا۔ ان

باغی سرداروں کا کھرام و کمنٹھل میں اجتماع ہوا۔ یہ بغاوت درحقیقت سلطان کے خلاف بغاوت نہ تھی بلکہ ایک قسم کا احتجاج تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ عماد الدین ریحانی کو بادشاہ دہار سے نکال دے اور انٹخ خاں کو پھر وزیر بنائے چنانچہ بعد غور و تحقیق اس مطالبے کو درست سمجھ کر بادشاہ نے عماد الدین کو بدایوں کا عامل بنا کر دہار سے رخصت کر دیا اور انٹخ خاں کو قلمدان وزارت عطا ہوا۔ امرائے اقرار فرماں برداری کیا۔

۶۵۳ء میں سلطان نے بعض عمال کی گوشمالی اور حالات کا معائنہ کرنے کی غرض سے اودھ اور بالچتر تک کا سفر کیا۔ ۶۵۴ء میں قتلخ خان نامی ایک سردار نے بغاوت اختیار کر کے اُس علاقے پر قبضہ کیا جو آج کل ضلع دہرہ دون کے نام سے مشہور ہے اور پہاڑی ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر مقام سرسور میں سامان جنگ فراہم کیا۔ سلطان نے ۶۵۵ء میں دہلی سے فوج لے کر سرسور پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں ہندوؤں کی فوج کو شکست ہوئی اور سرسور پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ یہ فتح ماہ ربیع الاول ۶۵۵ء میں حاصل ہوئی اور ۲۶ ربیع الثانی ۶۵۵ء کو بادشاہ دہلی واپس پہنچا۔ قتلخ خاں کو ہستان ہمالہ سے نکل کر قلعہ چتور میں چلا گیا۔ اسی سال کے آخر میں مغلوں نے آج و ملتان کی طرف حملہ کیا اور سلطان ناصر الدین محمود اُن کے مقابلے کے لئے خود لشکر لے کر ہر وزیک شنبہ ۶ محرم ۶۵۶ء دہلی سے روانہ ہوا اور سرداران لشکر کو مناسب مقامات پر تعینات کر کے بماء رمضان دہلی میں واپس آیا۔ اسی سال کے ماہ صفر میں ہلاکو خاں نے بغداد کو برباد اور خلیفہ متعصم باللہ عباسی کو شہید کیا اور خلافت بغداد کا خاتمہ ہوا۔ ماہ محرم ۶۵۶ء میں ہندوؤں نے بیانہ و گوالیار کی طرف پھر سراٹھایا اور سلطان ناصر الدین محمود نے اُس طرف جا کر اس فتنے کو فرو کیا۔ ماہ صفر ۶۵۷ء میں علاقہ سموات میں میواتیوں نے لوٹ مار اور رہزنی شروع کر کے اس فتنے کو فرو کرنے پر مامور کیا۔ انٹخ خاں نے میواتیوں کو خوب اچھی طرح درست کیا۔ اسی سال چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں دہلی آیا۔ اس سفیر کی آمد پر دہلی میں شان و شوکت کے اظہار کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ خان اعظم انٹخ خاں وزیر سلطنت پچاس ہزار سوار با ساز و براق اور دو لاکھ پیادے زرعی برقی لباس اور مجلسی تھمیا روں سے آراستہ و مسلح اور دو ہزار جنگی ہاتھی اور تین ہزار عراوہ آتش بازی ہمراہ لے کر دہلی سے استقبال کے لئے نکلا۔ اس تمام فوج کو شہر سے باہر قریب کے ساتھ استادہ

کیا گیا طبل و دہل اور زفری و بگل وغیرہ جنگی باجے سرپٹن اور رساے میں بچ رہتے تھے اس فوج کی دو طرفہ قطاروں کے بیچ میں سفیر مذکور کو استقبال کر کے لایا گیا۔

جب یہ سفیر دربار سلطانی میں داخل ہوا تو وہاں اور بھی زیادہ مرغوب کن نظارہ پیش نظر ہوا تمام دربار جگمگا رہا تھا سوئے چاندی اور ہوا ہرات کے آرائشی سامان اور تخت شاہی کی عظمت سے دلوں پر سمیت طاری ہوتی تھی سلطان تخت پر جلوہ افروز تھا۔ تخت کے ایک پہلو پر سادات و مشائخ و قضاۃ عظام کی صف تھی۔ دوسری جانب اُن پچیس شہزادوں اور بادشاہوں کی قطار تھی جو خراسان و ایران و عراق و آذربائیجان وغیرہ ممالک سے اپنی سلطنتوں کو مغلوں کے ہاتھوں پر باد کر کر ہندوستان میں بطور ہنہ گزین آئے ہوئے تھے اور شاہی مہمان تھے۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے امرائے نامدار سپہ سالار، عامل سلطنت ایک صف میں مودب کھڑے تھے ایک قطار ہندو راناؤں، راجاؤں اور رائے زادوں کی تھی جو دست بستہ تخت شاہی کے گرد کھڑے تھے منہاج سراج نے اس موقع پر یہ اشعار موزوں کے نظم کیے۔

زہے جتنے کراں اطراف چوں غلہ بکشتہ	خنے بزمے کز اداکناف مدن راتیں گشتہ
زرتیب نہاد و رسم و آفتن و نشاط او	تو گفتی عرصہ دہلی بہشت ہشتیں گشتہ
زفر ناصر الدین شاہ محمود ابن آتش	ملک نزدش دعا خواند فلک شیش زمین گشتہ
شہنشاہ ہے کہ در عالم بہ فیض فضل ربانی	سزلے چہر شاہی لائق تخت و ہمیں گشتہ
چو خاقانان کیوں آور چو سلطانان دیں پور	بدل حاجی کفر است بجاں ہای دین گشتہ
مبارکباد ہر سلام اہل بزم شہ عالم	کزین ترتیب ہندوستان بسے خوشتر نہیں گشتہ
مہین از حملہ شاہان بادہر بندہ زہر گاہش	چو منہاج سراج ازجاں دعا گئے کیوں گشتہ

ہلاکو خاں کے سفیر پر اس شان و شوکت کے معائنے سے بڑی ہیبت طاری ہوئی ہلاکو خاں نے اس سفیر کے واپس جانے کے بعد ہندوستان پر حملہ کرنے کے خیال کو ترک کر دیا اور اپنے سرحدی امیروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ آئندہ ہندوستان پر سرگز کوئی فوج حملہ آور نہ ہو اس سفارت کے آنے سے یہ بڑا فائدہ ہوا کہ چند روز کے لئے مغلوں کے حلوں کا سلسلہ رک گیا۔ سلطان ناصر الدین محمود کی سلطنت کے آخری چھ سال یعنی ۷۵۷ھ سے ۷۶۲ھ تک نہایت امن و امان اور اطمینان کے ساتھ گزرے اور کوئی اہم قابل تذکرہ واقعہ نہیں ہوا۔

سلطان ناصر الدین محمود ایک طرف شجاع و جفاکش اور ہمہ اوقات مستعد رہنے والا

بادشاہ تھا تو دوسری طرف عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار بھی تھا۔ چھ مہینے میں ایک قرآن مجید اپنے ہاتھ سے پورا لکھ لیتا تھا۔ سال بھر میں دو قرآن مجید اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فروخت کر کے اسی سے سال بھر تک اپنی گذر کرتا تھا۔ اُس کے ایک ہی بیوی تھی وہی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ ایک مرتبہ اس سلطان نے عرض کیا کہ کوئی خادم روٹی پکانے کے لئے نوکر رکھ دیجئے۔ سلطان نے کہا کہ میری آمدنی میں اس قدر گنجائش کہاں ہے کہ کوئی خادم رکھ سکوں۔ رہا شاہی خزانہ تو وہ سب رعایا کا مال ہے۔ میں اُس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کے لئے نہیں لے سکتا۔ چنانچہ یہ شہنشاہ بیگم اپنے ہاتھ ہی سے روٹی پکاتی رہی۔ اسی ایک واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود کس قدر نیک اور باخدا شخص تھا۔

وفات | ۱۱ جمادی الاول ۱۲۶۷ھ کو بیس سال کی سلطنت کے بعد اس پاک باطن سلطان نے وفات پائی۔

سلطان غیاث الدین بلبن | سلطان ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد شمس الدین کو ۱۶

قابل نہ تھا لہذا اُس نے سلطنت کے وزیر السلطنت الفخ خاں کو سلطان غیاث الدین بلبن کے لقب سے تخت سلطنت پر بٹھایا۔ سلطان بلبن شمس الدین التمش کا غلام اور اُس کا ہم قوم بھی تھا۔ سلطان التمش کی وفات کے وقت اُس کے چالیس غلام جو اُس کے چہلگانی کہلاتے تھے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ سلطان التمش کی وفات کے بعد قریباً دس سال تک اُس کے کئی بیٹے بیٹی اور پوتا تخت نشین ہوئے جو سب کے سب ناخبرہ کار اور بار سلطنت کے اٹھانے کی پورے طور پر اہلیت نہیں رکھتے تھے اس دس سال کے عرصے میں اُس کے چہلگانی کا اثر و اقتدار اور بھی ترقی کرتا رہا اور ان کی خود سری و خود مختاری دن بدن بڑھتی رہی سلطان ناصر الدین محمود نے اپنی شجاعت و مستعدی سے سلطنت کے کاموں کو سنبھالا اور اُس نے چہلگانی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا، اچانک اس کا نتیجہ ہوا کہ بار بار صوبوں میں بغاوتیں برپا ہوئیں اور سلطان ناصر الدین کو یہ بغاوتیں خود جابجا کر فرو کرنی پڑیں۔ ان بغاوتوں میں اُس نے چہلگانی بڑی آسانی سے ماتحت ہندو را جاؤں کو اپنا شریک کر لیتے تھے جیسا کہ قتلغ خاں نے سر مور کے راجہ دیپال سنگھ کو بغاوت میں اپنا شریک کر لیا تھا۔ یالوہ اور وہیلکھنڈ وغیرہ

صوبوں میں ہندو راجاؤں نے بار بار سرکشی کا اظہار کیا۔

سلطان غیاث الدین بلبن نے ۶۴۷ھ میں تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے اپنی توجہ ان امراء کے چہلگانی کا اثر و اقتدار مٹانے میں صرف کی حالانکہ وہ خود بھی امرائے چہلگانی میں شامل تھا۔ مگر وہ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے سے جانتا تھا کہ جب تک یہ سرکش امرائے چہلگانی باقی رہیں گے اُس وقت تک نظام سلطنت معرض خطر ہی میں رہے گا۔ چنانچہ اُس نے ایک ایک کر کے سب کا اثر و اقتدار مٹا دیا۔ بعض فوت ہوئے جو باقی رہے وہ بے دست و پا ہو کر رہے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں ہندوؤں کو برابر سلطنت کے اعلیٰ عہدے، سلطان کی مصاحبت و راجائی کے خطاب۔ اور بڑے بڑے اضلاع کی حکومتیں سب کچھ میسر تھا۔ سلطان بلبن نے اپنے عہد سلطنت میں اس بات کی بھی کوشش کی کہ ہندوؤں کو بار بار بیجا و تہمتیں برپا کرنے اور امن و امان کے سربا و کرنے کا موقع نہ ملے وہ تخت و تاج کا مالک ہونے سے پہلے بھی امارت اور سرداری کے مرتبے پر فائز اور مختلف صوبوں کی حکومت پر قریباً بیس سال مامور رہ چکا تھا۔ بے حد عقلمند، ذی ہوش اور باریک بین شخص تھا اُس کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ ہر ہندوؤں نے کس کس طرح سازشوں اور چالاکیوں کے ذریعہ سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے لے کر اب تک ملک کے امن و امان کو بار بار معرض خطر میں ڈالا اس نے اُس کو ہر ہندوؤں سے سخت نفرت تھی اور بار بار اُس کی زبان سے ہر ہندوؤں کے طبقے کی بُرائی سنی گئی۔ لیکن ہندوؤں میں جو راجہ اور شریف سردار الملک و حکومت کا مستحق تھا اُس کو سلطان بلبن نے ضرور حکومت و امارت کے مرتبے پر قائم رکھا۔ ہندوؤں کے اخلاق و معاشرت کی پستی چو نکہ انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اس نے اُس کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ مسلمانوں میں اس قسم کی بد اخلاقیوں اور بے حیائیاں پیدا نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی اس خطرہ کی طرف سب سے زیادہ توجہ مبذول کی۔

وہ حسب و نسب اور قوم و خاندان کی شرافت کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھتا تھا اور اجلاف و کم قوم لوگوں کو اعلیٰ عہدے نہیں دیتا تھا۔ اس قسم کی بہت سی حکایتیں ضیا بہرنی کی تاریخ فیروز شاہی میں سلطان بلبن کے متعلق مندرج ہیں جو بخوف طوالت نظر انداز کی گئی ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش کے بعد اُس کی اولاد کے ایام حکومت میں گجرات اور ماوہ کا کچھ حصہ سلطنت دہلی سے نکل گیا تھا اور وہاں کے ہندو راجہ خود مختار ہو گئے تھے سلطان

بلبن سے اُس کے اُمراء بار بار تقاضا کیا کہ گجرات پر چڑھائی کیجئے۔ لیکن سلطان بلبن نے ہمیشہ انکار کیا اور کہا کہ اگر میں دوسرے ملکوں پر چڑھائی کروں اور دارالسلطنت سے بہت دُور غیر حاضر ہوں تو اندیشہ ہے کہ مغل ہندوستان پر حملہ کر کے سلطنتِ اسلامیہ کو درہم برہم نہ کر ڈالیں اُس کی تمام تر توجہ منعلوں کے دفع کرنے اور ہندوستان کو اُن کے حملوں سے محفوظ رکھنے میں صرف ہوئی اُس نے بائیس سال سلطنت کی اس بائیس سال میں وہ صرف ایک مرتبہ لکھنؤ کی یعنی بنگالہ تک گیا اور بہت دُور دہلی سے غیر حاضر رہا۔ اُس نے بنگالہ کے بانی سردار ظفر کو جو منیٹ الدین کے لقب سے بنگالہ کا خود مختار پادشاہ بن چکا تھا قتل کیا اور اپنے بیٹے ناصر الدین محمود المعروف بدایا خاں کو بنگالہ کی حکومت پر مامور کر کے واپس ہوا۔ یہی اُس کا سب سے بڑا سفر تھا۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ وہ چناب و جہلم کے دو آبے تک بھی گیا۔ سلطان بلبن نے خود بھی شان دار عمارتیں بنا کر دہلی کی رونق اور شان و شوکت میں اضافہ کیا اور اُمراء کو بھی ترغیب دی کہ وہ عالیشان عمارتیں بنائیں۔ موسمِ سرما میں ہر روز سلطان پھلی رات سے بغرض شکار روانہ ہوتا اور پندرہ کوس کے فاصلے پر پہنچ کر شکار رکھ لیتا اور بعدِ عشا دہلی میں واپس آتا۔ اس شکار میں کئی ہزار فوج بھی ہمراہ ہوتی معا اس کا اس شکار اور سفر سے صرف یہ تھا کہ فوج اور گھوڑے جفا کش رہیں اور ضرورت کے وقت میدانِ جنگ میں خوب کام کر سکیں۔ اس کے علاوہ روہیلکھنڈ اور دوآبہ گنگ جمن کے سرکشوں کو وہ خود کئی مرتبہ سزا دینے آیا۔

عدل و انصاف | عدل و انصاف کے قائم رکھنے کا اُس کو سب سے زیادہ خیال تھا۔ اس معاملے میں وہ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور محبتیوں کی بھی مطلق

پر وہ نہیں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نہایت عالی جاہ امیر نے جو بدایوں کا صوبہ دار اور چارنہار اپنے ذاتی سوار رکھتا تھا ایک پیش خدمت کو کسی بات پر ناراض ہو کر تازیانہ سے پٹوایا۔ تازیانہ کی ضربات سے وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ اس خدمت گار کے اس طرح مرنے کا حال سلطان بلبن کو معلوم ہوا تو اُس نے امیر کو اسی طرح کوڑوں سے پٹوایا۔ یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا۔ پھر اُس کی لاش کو شہر کے دروازے پر لٹکا دیا تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ اپنے ضعیف ماتحتوں پر ظلم روا رکھنے اور میدانِ سزائیں دینے کی جرأت نہ کر سکیں۔

ملکِ ہند خاں حاکم اودھ نے ایک شخص کو ناجائز طور پر قتل کیا مقتول کی بیوی نے

بادشاہ سے فریاد کی بادشاہ نے ہیبت خاں کے پاس کوٹے لگوائے اور مقتول کی بیوہ سے کہا کہ یہ آج تک ہمارا غلام تھا اب تیرا غلام ہے اس کو جان سے مار ڈال اور چاہے زندہ سب سے دے ہیبت خاں نے بہت سے لوگوں کو منت سماجت کر کے اپنا سفارشی بنایا اور بیس ہزار روئے دے کر اس عورت سے دستاویز لکھا کر اس کی غلامی سے آزادی حاصل کی اور پھر گوشہ نشین ہو کر کسی کو اپنی صورت نہ دکھائی چند روز اسی حالت میں رہ کر فوت ہو گیا۔ ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان بلبن کس مزاج اور کس قماش کا آدمی تھا اور اس نے ملک کی اخلاقی حالت کو کس قدر سدھار دیا تھا رفسق و فجور اور بے حیائی کے کاموں کا اُس نے بالکل قلع قمع کر دیا تھا۔ نہایت عامہ زائد اور متقی شخص تھا۔ نیک لوگوں اور عالموں کی مجلس میں عام لوگوں کی طرح شریک ہوتا اور غلط فہمی کی باتیں سن کر اکثر زار و قطار روئے لگتا تھا۔ باوجود اس کے رعب و ہیبت کی یہ حالت تھی کہ ہندوستان کے راجہ اور دوسرے ملکوں کے سفیر اُس کے دربار میں آتے تو رعبِ سلطانی سے لرزہ بر اندام ہوتے ضیاء برنی لکھتا ہے کہ وہ اگر دریاں محلِ رسولان و در دستِ وراپاں و رائے زادگان و مقدمان آمدہ و گا را خاک یوس کنا نندے بیشتر آں بودے کہ ایشان مدہوش و بے خبر شدند و از پادرا فتادندے ۔

سلطان بلبن کا قول تھا کہ ۔

رعایا در عصر بادشاہے حشمت و ہیبت زندہ بار آرد و تہرود و طغیان نہ نماید

ہندوان سترابی ہاکند و مسلمانان از کثرت فتح و غور بد بخت شوند

دورانِ دیشی | ایک مرتبہ سلطان بلبن سے اُس کے امیروں نے کہا کہ ملک و کن بھی ہندوں سے فتح کر لینا چاہیے سلطان نے جواب دیا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ ہندوں کے پاس مجموعی طور پر شاید ایک لاکھ فوج لڑنے والی ہوگی جس کو میرے لشکر کے صرف چھ سات ہزار آدمی بآسانی مغلوب کر سکتے ہیں لیکن بعد فتح اگر میں اُن نو مفتوحہ علاقوں کے انتظام کے لئے تجربہ کار اور لائق آدمیوں کو مامور کرتا ہوں تو دارالسلطنت اور پڑاے مقبوضہ صوبوں میں کام کے آدمیوں کی کمی واقع ہوتی ہے جس سے ملکی انتظام و امان و امان کی اس خوبی کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے اور اگر ان نو مفتوحہ علاقوں میں لائق اور تجربہ کار اشراف و بیچے گئے تو نالائق عمال امن و امان قائم نہ رکھ سکیں گے اس لئے میں اپنے حلقہ حکومت

کو رسیخ کرنے کے عوض اس میں ہر قسم کی خوبیاں پیدا کرنا اور نقائص کو دور کرنے میں مصروف رہنا زیادہ اچھا جانتا ہوں۔ تاریخ فیروز شاہی میں اس موقع پر سلطان بلبن کے یہ الفاظ بھی درج ہیں کہ

”پیش از مایا و شایان پختہ و گرم و سرد روزگار چشیدہ گفتہ اند کہ مملکت خود را مضبوط و مستقیم دارند و حق آن بگذاری بہتر از آن بود کہ در اتلیم و گیراں دست نی و آن را توانی داشت“

سلطان بلبن پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے روہیلکھنڈ اور موجودہ ضلع فرخ آباد کے علاقے میں بہت سے میواتیوں کو جو اس زمانے میں ہندو تھے قتل و غارت کیا۔ لیکن ان میواتیوں کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے رہنری اور لوٹ مار کا پیشہ اختیار کر کے لواچ دہلی تک کے علاقے کو ویران اور راستوں کو بند کر رکھا تھا۔ کئی مرتبہ ان کی تادیب کی گئی لیکن وہ اپنی حرکات سے باز نہ آئے آخر سلطان بلبن نے کٹھیر پٹیلی، بھوجپور، کمپل وغیرہ میں جہاں میواتیوں نے اپنی مضبوط پناہ لگاہیں بنا رکھی تھیں خود پہنچ کر میواتیوں کو قرار واقعی سزائیں دیں اور ان تمام علاقوں میں قلعے بنا کر اور تھانے قائم کر کے ان علاقوں میں افغانوں کو مامور کیا کہ آئندہ کسی قسم کی بدامنی و رہنری وقوع پذیر نہ ہو۔ یہ انتظام اس قدر مفید ثابت ہوا کہ عرصہ دراز تک ان علاقوں میں امن و امان قائم رہا۔ ضیاء رہنری لکھتا ہے کہ

”آں قصبات را بہ جمعیت افغاناں چنان مستحکم گردانید کہ شر رہنری نہ رہاں و بلائے قطاع طریق از را و ہندوستان را دود و بہار دفع شد والی یو مناد (۱۵۵۷ء) کہ از بہر آوردن آن حصار ہوا استقامت آں تھا تھا قریب ستر قرن (۱۷۵۷ء) گذشتہ است راہ ہندوستان مسلوک گشتہ است و رہنری بجلی مرتفع شد و ہم در آن نہفت ہا حصار علالی عمارت فرمود و آن حصار را ہم با افغاناں داد“

سلطان بلبن کا چچا ناو بھجائی شیر خاں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ملتان و پنجاب میں مغلوں کے حملوں کو سد سکندری بن کر روک رہا تھا۔ جب شیر خاں کا انتقال ہوا تو سلطان نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان المعروف بہ خان شہید کو شیر خاں کی جگہ مامور کیا اور خان شہید نے بھی بڑی بہادری اور شجاعت کے ساتھ مغلوں کو ہر مرتبہ شکست دے دے کر واپس بھگایا۔ جب بنگالہ کے باغی حاکم کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی گئی اور اس سلطانی فوج کو شکست ہوئی تو راستے

کے ہندو ریسوں نے اس منہزم شدہ لشکر کو تباہ کیا آخر فرخ و سلطان کو بنگالے کی طرف جانا پڑا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے اس موقع پر ہندو راجہ مسٹی بھوج رائے یا ورنج رائے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے اس سے صرف اس بات کا اقرار لیا کہ بنگالے کے باغی حاکم کو اس کے فرار ہو کر جان بچانے میں کسی قسم کی مدد نہ دے گا اور کسی قسم کا مواخذہ اس ہندو راجہ سے نہ ہوا۔ اور اس باغی حاکم کے متعلقین کو جو سب مسلمان تھے لکھنوتی کے بڑے بازار میں بڑی بے دردی سے قتل کرایا گیا۔ سلطان بلبن نے کبھی کسی ہندو کو ہندو ہونے کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچایا وہ مذہب اسلام کا سختی سے پابند تھا اور مذہب اسلام کسی کو محض اختلاف عقائد کی بنا پر نقصان پہنچانے یا قتل کرانے کی اجازت نہیں دیتا جب تک کہ مخلوق خدا کو اس سے جان و مال کا نقصان نہ پہنچے اور ملک کا امن و امان اس کی وجہ سے برباد نہ ہونے لگے۔

بغرا خاں کو نصیحتیں | سلطان بلبن نے اپنے چھوٹے بیٹے ناصر الدین بغرا خاں کو بنگالہ کا حاکم بنا کر جب وہاں سے دہلی کی جانب کوچ کیا تو بغرا خاں کو چند نصیحتیں کی تھیں منجملہ اُن نصائح کے ایک یہ بھی تھی کہ

”ہر گاہ کہ خلق ایں دیار پادشاہ راداعون و انصار پادشاہ را و شتم و خدم پادشاہ را و شراب و شامہ مشغول خواہند دید ہر ہمہ خود و بزرگ و زن و مرد و مسلمان و ہندو و در فساد مستغرق خواہند شد و با چندین کفر و شرک کہ ہندوان ایں دیار راست زندہ و اباحت در مسلمانان ہم از بسیاری فسق و فجور پیدا خواہد آمد و چنانچہ ہندوان مشرک بت پرست از خدائے فراموش کردہ اند مسلمانان ہم فراموش خواہند کرد و نام خدا پاک کی و صدق بر زبان کسے نخواہد رفت و بلاط اک من و تو در عذاب بد گرفتار خواہم ماند“

سلطان بلبن کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ کس قدر خدا ترس پادشاہ تھا اور اس کو عقبی کا کس قدر خیال تھا ایسے پادشاہ سے ممکن نہ تھا کہ ہندوؤں پر کوئی بے جا ظلم کرتا مذکورہ الفاظ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس زمانے میں ہندوؤں کے اندر مذہب کی پابندی اور خدائے تعالیٰ کی عظمت اور اس کا خوف بالکل جاتا رہا تھا اور اسی لئے سلطان بلبن کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ ہندوؤں کی صحبت سے مسلمانوں میں اعمالِ ایاں

پیدا نہ ہونے پائیں۔ اس کے لئے اس نے یہ تدبیر اختیار نہیں کی کہ وہ ہندوؤں کو قتل کرتا اور ان کا نام و نشان مٹا دینے پر آمادہ ہو جاتا بلکہ اس نے اپنے اور اپنے اُمراء کے اعلیٰ نمونے دکھا کر مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اگر وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے شمالی ہند کو ہندوؤں سے پاک اور صاف کر دیتا۔ کیونکہ ہندوؤں کی کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی تھی جو اس کام میں اس کی مزاحمت ہو سکتی۔ اس کو ہر ایک بدچلن اور فاسق و فاجر نے نفرت تھی خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان اگر ہندوؤں سے محض ہندو ہونے کے سبب نفرت ہوتی تو اس کے دربار میں ہندو راجاں و راجے زادگان کو ہرگز بار نہ مل سکتا۔ قسم کھانے کو ایک بھی ایسا واقعہ تلاش نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے کبھی کسی ہندو درباری کو مسلمان بننے اور اپنا مذہب تبدیل کرنے کی ترغیب دی ہو۔ سلطان بلبن جب بنگالہ سے دہلی کی جانب واپس آیا ہے تو راستے میں جا بجا ہندو سرداروں یعنی راجوں اور راناؤں نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر فتح کی مبارکباد دی اور سلطان سے قیمتی خلعت حاصل کئے۔ پھر جب سلطان دہلی میں پہنچ گیا تو ملک کے ہر حصے سے سرداروں نے آ کر تہنیت و مبارکباد پیش کی۔ ضیاء برنی کے الفاظ تاریخ فیروز شاہی میں یہ ہیں کہ

”سہ کراز مسلمان و ہندو، و ترک، و تاجیک، عزتے و شہرتے و ملکہ و انعامے
داشت ہر ہم بہ تہنیت فتح بدرگاہ آمدند و شرائط ہائے خاک بوس، بجا آورد
و اسپاں و شتراں و تحف و ہدایا خدمتے درگاہ گذرانیدند و خلعت ہا و لوازشہا
یافتند“

سلطان بلبن کے وزیر اعظم خواجہ ذکی تھے جو حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ
وزیر اعظم علیہ کے ہمیشہ زادے تھے۔ دہلی میں بڑے بڑے علما اور علم و فن کے ماہر و اہل کمال
استاد موجود تھے۔ حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ صدر الدین
پسر حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ بدال الدین غزنوی رحمۃ
اللہ علیہ و خلیفہ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ وغیرہ مشائخ اس سلطان کے ہم عصر تھے۔
مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور مذہب طرز زندگی کو دیکھ کر ممکن نہ تھا کہ ہندو اسلام سے
واقف ہونے کی کوشش نہ کرتے چنانچہ اسی زمانے میں ٹوانہ قوم کا موثر اعلیٰ ہندو راجپوت
خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر برضا و رغبت مسلمان ہوا جس کی اولاد

آج تک پنجاب کے ضلع شاہ پور وغیرہ میں آباد ہے۔ اسی زمانے میں سیال، گجیب، گکھر، کھوکھر، بھٹی، جاٹ وغیرہ قویمیں انھیں مشائخ عظام کی خدمت میں حاضر ہو ہو کر پنجاب میں مسلمان ہونے لگیں۔ جو اہر فریدیہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کی سولہ قویمیں حضرت بابا صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں۔ سلطان بلبن کے عہد میں ہندوؤں کے اندر اسلام کو قوتی طور پر رسوخ حاصل کرنا چاہیے تھا کیونکہ سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان بلبن دو ہی بادشاہ ایسے گذرے تھے کہ نئے ملکوں کی فتوحات کا سلسلہ بند ہو کر پہلی سرتبہ شمالی ہند میں سلطنت اسلامیہ نے ایک سکون کی حالت قائم کر کے تمام تر محنت رعایا میں امن و سکون پیدا کرنے کے لئے صرف کی، سلطان بلبن نے ماغوں کی وحشت و پریشانی کا ازالہ کر کے اس یقین کو پائدار بنایا کہ اب تمام شمالی ہند کو اسی نظام سلطنت یعنی اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ اس حالت کے پیدا ہوتے ہی ہندو مسلمان دونوں نے ایک دوسرے کے اعمال و عقائد یعنی مذہب کے سمجھنے اور جاننے کی مہلت پائی جس کا لازمی نتیجہ ہندوؤں کا اسلام میں داخل ہونا تھا۔ سلطان بلبن کے عہد کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسلمان سردار اور بڑے بڑے اُمرا سخاوت اور سیر چشتی کے معاملے میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنا چاہتے اور اسی لئے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ سب کے سب ہندو سا ہو کاروں سے قرض لیتے اور اپنی جاگیر یا تنخواہ کا روپیہ ملنے پر ترضہ معہ سود ہندو سا ہو کاروں کو ادا کرتے تھے۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ سلطان بلبن ہی کے عہد میں ہندوؤں سے مسلمان اُمرا کے سودی روپیہ قرض لینے کا ذکر آتا ہے اور شاید اسی زمانے سے ہندی مسلمان سود دینے کو سود لینے کے برابر بُرا نہیں سمجھتے تھے جس چیز کو سلطان بلبن کے اُمرا کی سخاوت بہان کیا جاتا ہے وہ حقیقت اُن کا اسراف تھا۔ قرآن کریم میں صاف موجود ہے کہ اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ اس اسراف کے گناہ سے ایک دوسرا گناہ پیدا ہوا اور اس نے ممتد ہو کر آج تک مسلمانوں کو سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کابھی مسلمان اب بھی سمجھ جاتیں اور سودی روپیہ قرض لینے کی لعنت سے اپنے آپ کو بچائیں۔ دی الحجہ ۷۸۵ھ میں سلطان بلبن کا بڑا بیٹا خان شہید مغلوں کی مڑائی میں شہید ہوا اس کے بعد بمشکل دو سال زندہ رہ کر دی الحجہ ۷۸۷ھ میں بائیس سال کی سلطنت کے بعد اسی سال کی عمر میں سلطان بلبن کا انتقال ہوا۔

سلطان بلبن کے تخت نشین ہونے سے پہلے پچیس فرماں روا جن کی سلطنتیں مغلوں کے ہاتھ سے براعظم ایشیا میں برباد ہوئی تھیں ہندوستان میں پناہ گزین تھے اور سلطان ناصرالدین محمود کے دربار میں مصاحموں اور امیروں کی طرح حاضر رہتے تھے سلطان بلبن کے زمانے میں اُن پچیس کے علاوہ پندرہ ایسے ہی شہزادے اور آگے تھے اور سب کے سب دست بستہ تخت کے گرد کھڑے ہوتے تھے۔ صرف دو شہزادوں کو جو عباسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے بیٹھنے کی اجازت تھی اس سلطان کی راجہ شیو پرشاد صاحب نے بھی اپنی تاریخ میں تعریف و توصیف بیان کر کے یہ فقرہ لکھا ہے کہ ”وہ اپنا نام اور کام دونوں یادگار چھوڑ گیا۔“

سلطان غیاث الدین بلبن کی وفات کے وقت اُس کا بیٹا ناصرالدین بغراخان بنگال میں تھا۔ اُمرائے اُس

سلطان معزالدین کی قباد

کے پوتے یعنی ناصرالدین بغراخان کے بیٹے قباد کو جس کی عمر اُس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھی تخت سلطنت پر بٹھایا۔ قباد نے تخت نشین ہوتے ہی تمام کاروبار سلطنت خود مطلب امیروں کے سپرد کر دیا اور خود عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ قباد کی اس غفلت و عیش پرستی کا حال سن کر اُس کا باپ ناصرالدین جو بنگالہ کا خود مختار حاکم تھا۔ بیٹے کو نصیحت کرنے کے لئے چلا اور معزالدین کی قباد بھی باپ کے استقبال کو دہلی سے روانہ ہوا۔ دریا بے سرو کے کنارے اور قول بعض دریا نے گنگا کے کنارے بمقام کڑہ دو لڑائی کی ملاقات ہوئی باپ نے بیٹے کو سلطنت کے کاموں کی طرف توجہ دلائی اور اچھی اچھی نصیحتیں کیں اس کے بعد دو لڑائی اپنے اپنے دار الحکومتوں کو واپس ہوئے قباد اس کے بعد بھی لہو و لعب میں مصروف رہا اور کاروبار سلطنت کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ پادشاہ کی نالائقی سے سلطنت اسلامیہ معرض خطر میں ہے اور سلطان کی اصلاح بظاہر غیر ممکن نظر آتی ہے تو انھوں نے اس نالائق سلطان کو تین سال سے زیادہ مہلت نہ دی اور ۶۸۸ء میں جب کہ وہ شراب خواری کی وجہ سے بیمار بھی ہو گیا تھا قتل کر ڈالا۔ چونکہ سلطان بلبن یا سلطان الشمس یا سلطان ایبک کی اولاد میں کوئی لائق شخص موجود نہ تھا لہذا غلامی خاندان کے ایک امیر ملک جلال الدین کو جو سامانہ کا نائب ناظم اور ستر برس کی عمر کا تجربہ کار شخص تھا تخت پر بٹھایا گیا۔ اس طرح غلاموں کے خاندان کا راجہ قوم سے ترک تھے، خاتمہ ہو کر خلیجی

خاندان کی رجوافغانی تھے، سلطنت شروع ہوئی۔

غلام خاندان کی حکومت پر ایک نظر | سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں تمام شمالی ہند پر اسلامی حکومت

قائم ہو چکی تھی۔ غلام سلاطین میں سے قطب الدین ایبک اور قسّم الدین اُتیش نے شمالی ہند کے بعض بچے ہوئے خطوں کو بھی فتح کر کے سلطنت اسلامیہ کو مضبوط و مکمل بنا دیا۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ غلام سلاطین نے مفتوحہ علاقے پر حکومت قائم رکھ کر امن و امان اور رعایا کے فلاح و بہبود میں زیادہ ہمت صرف کی اور نئے ملکوں کے فتح کرنے کا خیال نہیں کیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس خاندان کے دس پادشاہوں نے پچاسی یا چھیالیس سال تک نو مفتوحہ ہندوستان کی جدید اسلامی حکومت کے مستحکم و باآئین بنائے۔ میں اپنی تمام تر توجہ صرف کی

اس خاندان کی ایک یہ خصوصیت بھی قابلِ التفات ہے کہ ان کے عہدِ حکومت میں مسلمانوں کے اندر بحیثیت مجموعی صحیح اسلامی جذبات بہت نمایاں تھے اور یہی وجہ تھی کہ جو بادشاہ ان میں سلطنت کی قابلیت اور لیاقت زیادہ رکھتا تھا اُس کو حکومت کرنے کی زیادہ جہلت ملی اور کوئی اُس کی مزاحمت یا مخالفت پر آمادہ نہ ہوا۔ لیکن جب کوئی بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد نالائق ثابت ہوا تو فوراً مسلمان سرداروں نے اُس کو سلطنت سے محروم کر کے دوسرے کو تختِ سلطنت پر بٹھا دیا اور اس طرح کسی نالائق سلطان کو تا دیر حکمرانی و فرماں روائی کی جہلت نہیں مل سکی۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ غلاموں کے عہدِ سلطنت کی بے اختیار تعریف کرنی پڑتی ہے۔

اس عہد کی خوبیوں میں سے ایک یہ خوبی بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ سلطنت کو کسی خاندان کے ساتھ مخصوص و مختص نہیں سمجھا گیا۔ شہاب الدین غوری کے بعد اُس کا غلام قطب الدین ایبک ہندوستان کا مطلق العنان پادشاہ بنا قطب الدین ایبک کے بعد جب اسکی اولاد کو نالائق دیکھا تو قسّم الدین اُتیش کو سب نے بادشاہ تسلیم کر لیا جو قطب الدین ایبک کا غلام تھا، سلطان اُتیش کی اولاد جب نالائق ثابت ہوئی تو اُس کے غلام بلبن کو جو ایک لائق شخص تھا پادشاہ بنایا، جب بلبن کی اولاد کو نالائق دیکھا تو سلطنت خلجی قوم کے ایک شخص کو سپرد ہوئی۔ ہندوستان پر ایک نامعلوم نرطے سے شمالی و مغربی ملکوں میں نہنے والی توپیں مسلسل حملہ آور ہوتی رہی ہیں مسلمانوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا تو اُس کے بعد سلاطین اور ترکانِ شہ

کے دوزبردست سیلاب وسط ایشیا سے اٹھے جن کا رخ حسب دستور قدیم یقیناً ہندوستان ہی کی طرف ہوتا اور یہ لوگ یقیناً سابقہ حملہ آوروں سے زیادہ طاقتور ہونے کے سبب تمام ہندوستان کو خاک سیاہ بنا دیتے، لیکن سلطان محمود غزنوی کی اولاد نے سدراہ ہو کر اگرچہ اپنے آپ کو تباہ کر لیا مگر ان وحشیوں کو ہندوستان کی طرف قدم نہ بڑھانے و یا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا رخ ایران و عراق و ایشیائے کوچک کی طرف پھر گیا اور ان اسلامی ملکوں کو ان سے نقصان پہنچا۔ لیکن مسلمانوں نے بہت ہی جلد ان کو اپنے رنگ میں رنگین کر کے ہند و شائستہ اور خادم اسلام و پاسان انسانیت بنا لیا اور دوسری طرف شمالی ہندوستان کے وسیع میدانوں میں تہذیب و انسانیت کے دریا بہا کر اس ملک میں ایک مضبوط سلطنت قائم کر لی۔

غلام خاندان کا احسان عظیم | یہ شمالی ہند کی اسلامی سلطنت جو غلاموں کے خاندان تھی کہ تیسرا عظیم الشان سیلاب چین کے پہاڑوں سے اٹھا۔ اُس کا رخ بھی لازماً ہندوستان کی طرف ہوتا۔ لیکن شمالی ہند کی سلطنت نے سد سکندر بن کر اس کو روکا۔ بار بار اس کی موجیں آ کر ہندوستان کو بہا د کرنے پر آمادہ تھیں مگر ان کو ملتان و لاہور سے ٹکرا کر واپس ہونا پڑا۔ یہ عظیم الشان اور برباد کن انسانیت سیلاب چنگیزی مغلوں کا سیلاب تھا جن کا کام نسل انسانی کے بہا د کرنے اور خون کے دریا بہانے کے سوا اور کچھ نہ تھا اگر غلاموں کی اسلامی سلطنت مغلوں کو ہندوستان میں داخل ہونے سے نہ روکتی تو یقیناً ہندوستان کی موجودہ بتیں کروڑ آبادی کے اکثر آباد اجداد اب سے سات سو سال پہلے ہی دنیا سے تحم سوخت ہو چکے ہوتے۔ غلام سلاطین کے اس احسان عظیم میں ہر ایک ہندی انسان کا ذرہ ذرہ دیا ہوا ہے کہ انھوں نے مغلوں کو پنجاب و ملتان کی جانب بھی اور بنگال و آسام کی جانب بھی ہندوستان کے اندر قدم رکھنے سے بار بار روکا اور اس ملک میں آزادی سے قتل و غارت کے ہنگامے برپا کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان وحشی مغلوں نے ایران و عراق و شام و آذربائیجان وغیرہ اسلامی ممالک کو بہا د کر کے خلافت عباسیہ کا چراغ بھی بغداد میں گل کر دیا اور لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمانوں کو خاک و خون میں ملا کر روس اور وسط یورپ تک کی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا۔ و نہا میں آج تک چنگیزی مغلوں کی مانند انسانوں کے قتل

کرنے اور آبادیوں کو خاک سیاہ بنانے کی شوقین اور طاقتور قوم ظاہر نہیں ہوئی اگر سلطان شمس الدین اہمیش چنگیز خاں کو ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع دے دیتا اور منغل اپنی ہوس خوں ریزی ہندوستان میں پوری کر سکتے تو اُن کو ہرگز صالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ اور آج دنیا میں رام دکرشن کے نام کی سمرن۔ چینی والا ایک متفنس بھی موجود نہ ملتا۔ مغولان چنگیزی کی نسلوں سے ہندوستان کی بستیوں پر ہوتیں اور چنگیز خاں کی مورثیں ایک سب سے بڑے اوتار کی صورتوں کی مانند ہندوستان کے مندروں میں براجمان نظر آتیں۔ مغولان چنگیزی نے تمام تمدن دنیا کو غارت و برباد کر دیا اور اُن کی چیرہ دستی نے یورپ و ایشیا کو پتے کی طرح لرزادیا۔ مغولان چنگیزی کا سیلاب مسلمانوں کے لئے ایک تازیانہ غفلت تھا کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور تعلیمات اسلامی سے دو رو مجبور ہونے کی سرائیں پا کر پھر اعمال اسلامی کی پابندی میں اپنی نجات و نلاح تلاش کریں کیونکہ انھیں مغولان چنگیزی کو جن سے ساری دنیا لرزاں و ترساں تھی مسلمانوں کے غلاموں سے جو احکام اسلام کے پابند تھے جب مصر و ہندوستان میں واسطہ پڑا تو انھوں نے دو لڑن جگہ بار بار نہایت ذلت کے ساتھ شکستیں کھائیں تاہم کایہ ایک نہایت عبرت آموز سبق ہے اگر کوئی اہل دل چاہے تو اس پر بار بار غور کرے اور لطف اٹھائے۔

مغولان چنگیزی کے ظلم و ستم اور قتل و غارت کے شوقین ہونے کا راجہ شیو پرشاد صاحب ستارہ ہند نے بھی صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے وہ ایک حکمہ اپنی تاریخ میں جلال الدین خوارزمی کے دریائے اٹک کے پار آنے اور اُس کے تعاقب میں مغلوں کی ایک فوج کے اس طرف پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”وہ (جلال الدین خوارزمی) سندھ سے ایران کی طرف روانہ ہوا تب اُن مغلوں کی فوج بھی اُلٹی پھر گئی۔ لیکن نمودہ اپنے ظلم کا اتنے ہی عرصے میں دکھا گئی کہ دس ہزار ہندو غلام بنانے کے واسطے قید کر کے لے گئے اور جب اُن کے لشکر میں رسد کی قلت ہوئی تو بے تکلف ان سب غلاموں کے سر کاٹ ڈالے۔ چنگیز خاں اور اُس کے ساتھ کے منغل لوگ مسلمان نہ تھے

بلکہ ایک قسم کے بدھ کا دین رکھتے اور مردوں کو پوجتے تھے۔“

سرڈی۔ میکنزی ولس یورپی مصنف اپنی کتاب تاریخ روس میں لکھتا ہے کہ

ملک روس پر فرقہ پلا فسطی صاحب اقتدار تھا اس فرقے نے سلسلہ میں مستمل
 حاکم گلشیا کے پاس سفیر بھیجا کہ ہمارے ملک پر ایک ستم پیشہ اور قوی دشمن یعنی
 تاتار نے تاخت کی ہے جنوب سے بھی اور شمال سے بھی یہ لوگ دیکھنے میں
 عجیب نظر آتے ہیں۔ گندم رنگ، کوچک چشم، موٹے موٹے ہونٹ، چوڑے
 چوڑے شانے کالے کالے بال۔۔۔ ان سفیروں نے یہ بھی کہا کہ آج ہمارے
 ملک پر حملہ ہے۔ کل تمہارے ملک پر ہو گا۔ مستمل جانتا تھا کہ پلا فسطی
 ہمارے ملک پر حملہ کیا کرتے، میں لیکن اس جدید دشمن سے چونکہ ہم کو اور ان کو
 مساوی اندیشہ ہے، لہذا مدد پر آمادہ ہو گیا اور گرد و نواح کے امیروں کو بھی
 ہمراہ لیا۔ مقابلہ ہوئے پر سب نے تاتاریوں سے شکست کھائی۔ تاتاریوں
 نے پولینڈ، ہنگری، سربیا تک کے ممالک کو بر باد و غارت کر کے دریائے دانگا
 کے جنوبی ملکوں میں آکر روس کے اُمرار کو پیغام بھیجا کہ ہمارے خان کی خدمت
 میں آکر حاضری دو۔ روسیوں کو اول معلوم نہ تھا کہ یہ قوی دشمن کون ہے کہاں سے
 یہ لوگ آئے ہیں اور کہاں رہتے ہیں نہ صرف کشور روس میں انہوں نے استیلا پایا
 بلکہ اُن کی وجہ سے مغربی یورپ اور انگلستان میں خوف سے زلزلہ پیدا ہو گیا۔
 یہ گروہ جو تمام براعظم ایشیا میں پھیلا ہوا تھا اور جو وسط یورپ تک پہنچ گیا
 تھا دراصل چین کے شمالی پہاڑوں میں دریائے امور کے منبع کے قریب رہتا
 تھا۔ بارہویں صدی عیسوی چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر ان میں ایک
 آدمی پیدا ہوا جس کا قد مثل دیو کے تھا اور بہادری میں مشہور تھا، یہ دیوہیکل
 آدمی چنگیز خاں تھا۔ گرد و نواح کی قوموں کو شکست دے کر اپنے لشکر میں
 داخل کر کے شمالی چین کے بڑے ملک پر قابض ہو گیا اور اپنا ایک سواروں
 کی فوج کے لئے نامزد کر کے خود جانب مغرب روانہ ہوا، چنگیز خاں نہ صرف ظالم
 و سفاک تھا بلکہ ایک عظیم الشان ناظم و مقنن بھی تھا، چنگیز خاں کے پوتوں
 میں سے ایک نے سرحد روس پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی کہ عام طور
 پر اُس کا نام جماعت طلانی مشہور تھا۔ دانگا کی جانب جنوب ایک دارالسلطنت
 آباد کیا جس کا نام سرائی تھا اب وہ آباد نہیں بلکہ ویران ہے ۛ

جس زمانے میں مغلوں کی خوں آشامی کے سبب تمام دنیا میں قتل و غارت کے ہنگامے برپا اور خون کے فواروں کے ساتھ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اُس زمانے میں ہندوستان کے اندر غلام سلاطین کی ہندو رعایا امن و امان کے ساتھ انند کے ستارہ بجا رہی تھی اور سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی شیر خاں اور سلطان کا بیٹا خان شہید ہندوستان کی مغربی سرحد پر مغلوں کے حملوں کو روکنے اور بار بار اُن کو شکست دے دے کر کھجکا دینے میں مصروف تھے۔ اس طوفانی زمانے میں غلاموں نے جس طرح ہندوستان میں امن و امان قائم رکھا اُس زمانے کی دنیا میں اُس کی کوئی نظیر تلاش نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ تھی کہ چالیس کے قریب تباہ شدہ فرماں رواؤں نے براعظم ایشیاء کے مختلف ملکوں سے فرار ہو کر ہندوستان میں پناہ لی تھی اس جگہ یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے سلاجقہ اور ترکان غز کو بالآخر مسلمان بنا کر مہذب و شائستہ بنا لیا تھا، اسی طرح وہ مغولان چنگیزی کو بھی مسلمان بنا کر مہذب اور شفیق علی خلق اللہ بنالینے میں کامیاب ہوئے اور وہی مغول جو انسانوں کا خون بہانے میں لذت محسوس کرتے تھے مسلمان بن کر نہ صرف مسلمانوں بلکہ انسانوں کے خادم اور شفیق بن گئے۔

نظم سلطنت غلام خاندان کے عہد حکومت میں نظام سلطنت بہت ہی سادہ اور راحت رساں تھا، صرف بڑے بڑے راجاؤں سے جو موجودہ زمانے کے موبوں اور کشنوں پر حکمران تھے حکومتیں چھین گئی تھیں مگر ان بڑے راجاؤں کے مات جو چھوٹے چھوٹے رانا اور رائے ضلعوں اور پرگنوں پر حکمران تھے اُن کو پست و ادائے خراج کے اقرار پر قائم رکھا گیا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں مسلمان صوبہ دار قاضی اور سپہ سالار مامور تھے، لیکن چھوٹے چھوٹے قصبات یا دیہات میں قاضیوں اور مفتیوں کی مطلق ضرورت نہ تھی کیونکہ دیہات و قصبات میں تمام تر آبادی ہندو ہی کی تھی۔ اور وہ حسب دستور اپنے ہندو راجاؤں۔ راناؤں اور رایوں کے زیر حکومت زندگی بسر کرتے تھے۔ جب کبھی کوئی سلطان یا خان یا امیر یا سپہ سالار ان چھوٹے قصبوں یا گاؤں کے قریب ہو کر گذرتا اور اُس کے لشکر کی آمد کا حال معلوم ہوتا تو ان مقامات کے ہندو سردار اُس کی ملاقات کو اتنے اور تحف و ہایا پیش کر کے خلعت و انعام پاتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ تمام شمالی ہند میں چھوٹی چھوٹی باختیار ہندو ریاستیں اسلامی شہنشاہی کے ماتحت موجود تھیں

اسلامی شہنشاہی کا یہ اثر تھا کہ ہندو ریاستوں کی حالت اُس حالت کے مقابلے میں جو مسلمانوں کی آمد سے پہلے تھی بدتر تھا اور ہندو رعایا بڑی تیز رفتاری کے ساتھ جہالت و پست خیالی سے نکل کر تہذیب و متانت سے ہمکنار ہوتی جاتی تھی۔ انھیں چھوٹے چھوٹے ہندو رئیسوں میں بعض اوقات بغاوت و سرکشی کا مادہ پیدا ہو کر سلطنت کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی تھیں۔ پنجاب کے ہندو راجا بعض اوقات مغلوں سے ساز باز کر کے اُن کے حلوں کو کامیاب بنائے کا موجب ہو جاتے تھے چنانچہ ۱۵۳۷ء میں جو حملہ مغلوں نے پنجاب پر کیا وہ ضلع جہلم کے ایک ہندو رانا کی سازش سے کیا تھا اور اگلے سال اُس کو اس جسم بغاوت کی سرکھلتی پڑی تھی ۱۵۴۱ء میں کالجیہ کے راجہ جاہر اچاریہ یا جاہر دیو نے علامات سرکشی ظاہر کئے اور اُس کو مرزا دی گئی۔ اسی طرح ۱۵۵۰ء میں رنجیت پور کے راجہ باہر دیو نے ارد گرد کے دوسرے راناؤں کو شریک کر کے سرکشی پر کمر باندھی اور اسلامی لشکر نے اُس کی گوشمالی کر کے پھر اُس سے اقرار اطاعت لیا۔ جب قتلغ خاں صوبہ دار باغی ہوا تو ملک اودھ کے بہت سے ہندو سردار اس کے لشکر میں شامل ہو گئے جب وہاں اُس کی دال نہ لگی اور شاہی فوج نے اُس کو نہایتیں دیں تو وہ بھاگ کر کوہستان سرسور میں چلا آیا یہاں کے راجہ نے اُس کی خوب خاطر مدارات کی۔ ۱۵۵۸ء میں مہک نام ہندو راجہ نے نہپور سرکشی پر کمر باندھ کر کوہ ہمالہ تک کے تمام ہندو سرداروں کو شریک کار بنالیا اور اسلامی لشکر کو اس طرف متوجہ ہو کر اس کی سرکونی کرنی پڑی۔ سلطان بلبن کے عہد حکومت میں میوا کے علاقے میں ہندوؤں نے بد امنی پیدا کی اور اس بد امنی کو شاہی لشکر نے رفع کیا۔ اسی طرح کپہل و بھوج پور کے ہندوؤں کو راہ راست پر لایا گیا۔ سہیل گڑھ میں اکثر ہندو راجپوتوں نے بے راہروی اختیار کی۔ اور ان کو سہا کیا گیا۔ سلطان بلبن کی فوج جب بنگالہ کے مسلمان باغی صوبہ دار سے شکست کھا کر واپس ہوئی تو انھیں ہندو رئیسوں نے راستے میں اُس کو پریشان کیا۔ سلطان بلبن جب بنگالہ سے کامیاب واپس ہوا تو لکھنؤ سے دہلی تک برہمہ ہرنل پر ہندوؤں نے اور رانا آکر بادشاہ کو سلام کرتے مبارکباد دیتے اور خلعت و انعام سے سرخ رو ہو کر اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے جب سلطان بلبن نے بنگالہ سے دہلی واپس آ کر دربار کیا تو شہر دہلی کے ہندوؤں نے دربار میں حاضر ہو کر سلطان کو مبارکباد دی اور خلعت و انعام پایا۔ سلطان بلبن کے اکثر امیروں کا روپیہ سود کے ذریعہ انھیں

ہندو ساہوکاروں کے گھروں میں چلا جاتا تھا۔ ملتان کے ہندوؤں نے دہلی میں آکر ساہوکاروں کی دوکانیں کھول لی تھیں۔

جب سلطان معز الدین کہمباد دہلی سے ملک اودھ کی طرف باپ کی ملاقات کو روانہ ہوا ہے تو انھیں ہندوؤں راجاؤں اور راناؤں نے ہر ایک منزل پر حاضر ہو کر بادشاہ کی خدمت میں اُس کے ذوق کے موافق گویئے سازندے اور پاتریں پیش کیں اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوئے۔ میرٹھ اور کول دہلی گروہ کے کالوں نے شراب کا نذرانہ پیش کر کے اس شہزادی سلطان سے انعامات حاصل کئے۔

ان تمام واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے میرزا عا یہ ہے کہ جس طرح آریوں نے فرمانروا ہو کر غیر آریوں کا قتل عام کیا تھا اور بقیہ السیف کو انسانیت کے مرتبے سے گرا کر اور چوپایوں کا ہم مرتبہ بنا کر اپنی خدمت گزاری کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ غلام سلاطین اور ہندوستان کے اولین فرماں روا یا ان اسلام نے ہندوؤں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا بلکہ اُن کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ اس قدر سیریشی اور کشادہ دلی کا تھا کہ حقوق انسانیت کے ہر ایک شعبے میں وہ اس حالت سے بہتر و فائق حالت میں تھے جو ان مسلمانوں کی آمد سے پیشتر حاصل تھی۔ قسم کھانے کو کوئی ایک بھی واقعہ ایسا نہیں بتایا جاسکتا کہ اسلامی لشکر نے کسی ہندو آبادی کو محض اس لئے تاراج کیا ہو کہ وہ ہندو کیوں ہے۔ اگر مسلمان ایسی زیادتی سے کام لیتے تو یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ آج ہندوستان کی آبادی میں صرف تہائی یا چوتھی مسلمان اور باقی ہندو ہوتے۔

سلاطینِ خلجی | غلام سلاطین اگرچہ سب ایک ہی خاندان سے تعلق نہ رکھتے تھے لیکن سب کے سب تاتاری النسل اور غلام یا غلاموں کے بیٹے تھے اس لئے ان سب کو ایک ہی خاندان سمجھا گیا ہے ان کے بعد خلجیوں کی حکومت شروع ہوئی۔ خلجی قبیلہ غور و ہرات کے علاقے میں قدیم سے آباد تھا۔ لہذا ان لوگوں کو افغانی ہونے کے سبب پٹھانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ بعض مؤرخوں نے تو ان کو پٹھانوں کی قوم غلزنئی قرار دیا ہے اُن کے نزدیک خلجی اور غلزنئی ایک ہی چیز ہے سلطان شہاب الدین غوری کے آخری عہد حکومت میں اسی قبیلے کے ایک شخص تختیار خلجی نے بنگالہ کو فتح کیا تھا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خلجی قبیلے کے لوگ سلطان شہاب الدین

اور سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے سے ہندوستان میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ان کی بہادر و صف شکنی کے آثار تاری سرور بھی قائل تھے۔ اس خاندان میں صرف تینتیس سال سلطنت رہی ۱۲۰۶ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ خاندان ہندوستان کی خود مختار اسلامی سلطنت کا دوسرا فرمان روا خاندان تھا اسی خاندان کے عہد حکومت میں ملک دکن سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوا اور سلطنت اسلامیہ کی حدود کو وہاں سے اس کماری تک اور سندھ و گجرات سے بنگال و اڑیسہ تک وسیع ہو گئیں۔ ملک دکن کی فتح اور اس خاندان کے تذکرے پر یہ چوتھا باب ختم ہو جائے گا جس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی جدید فتوحات اور ابتدائی حملہ آوریوں کے اسباب تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ آئندہ صرف اس موضوع پر تیز روشنی ڈالی جائے گی کہ مسلمان فرماں رواؤں کا اپنی ہندو رعایا کے ساتھ کس قسم کا سلوک تھا اور ہندو رعایا اپنے مسلمان فرماں رواؤں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا۔ اس جگہ یہ بھی بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برہنی کی تاریخ فیروز شاہی ۱۵۱۶ء میں تصنیف ہوئی۔ ضیاء برہنی نے ۱۵۱۶ء سے ۱۵۱۷ء تک پورے سو برس کے واقعات اپنی تاریخ میں لکھے ہیں۔ اس کا باب اور چچا اور دوسرے رشتہ دار سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر مسلسل مامور رہے ہیں اس نے خاندان خلجی کے تینتیس سالہ واقعات کو دہلی میں رہ کر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے لہذا چوتھے باب کے اس نصف آخر میں تاریخ فیروز شاہی کی روایت کو میں دوسری تاریخوں پر ترجیح دوں گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسری تاریخوں سے بے نیاز رہوں گا۔

سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی | ۱۵۱۶ء اور بہ روایت دیگر ۱۵۱۷ء میں سلطان جلال الدین خلجی نے ستر سال کی

عمر میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اس سلطان نے سلطنت سے پہلے برسوں مغلوں کے مقابلے میں شمشیر زنی کا حق ادا کر کے شہرت و ناموری حاصل کی تھی بڑا بہادر بڑا پاک باطن اور صاف طینت شخص تھا رفیق القلوب اور خدا ترس بھی انتہا کا تھا مغلوں سے جب میدان جنگ میں لڑتا تھا تو گشتوں کے پشتے لگا دیتا تھا۔ لیکن ویسے کسی شخص کے پھوڑے کو جراح ننگاف دیتا تھا تو اس نغارے کو نہیں دیکھ سکتا تھا رحم و عفو و درگزر کا مادہ اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اپنے دشمنوں پر ہمیشہ احسان کر کے ان کو اپنا

دوست بنالیتا اور خطا کاروں کو ہمیشہ معاف ہی کر دیتا تھا۔ قیامت کے دن کو یاد رکھتا اور ہر ایک خلاف شرع کام سے بچتا تھا۔ مسجد میں عام نمازیوں کی طرح جا کر نماز باجماعت ادا کرتا اور اکثر خوفِ خدا سے چشم پر آب رہتا تھا۔ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی لوگوں پر اس قدر احسانات کئے کہ سب اُس کے ہوا خواہ بن گئے، اُس نے تخت نشین ہوتے ہی سلطان بلبن کے بھتیجے ملک چھو المصاطب بہ کشیل خاں کو کرڑہ کی صوبہ داری پر مامور کر کے بھیجا۔ سلطان بلبن کے بیٹے ناصر الدین بغرا خاں کو گلشنوتی یعنی بنگال کی حکومت پر برقرار رہنے دیا تخت نشین ہوئے کے بعد ایک بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے علاء الدین خلجی سے اور دوسری بیٹی کی شادی دوسرے بھتیجے الماس بیگ سے کی، یہ دونوں بھائی سلطان جلال الدین خلجی کے بھائی شہاب الدین مسعود خلجی کے بیٹے تھے۔ شہاب الدین خلجی کے فوت ہونے کے بعد سلطان جلال الدین ہی نے ان کو اپنے بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ سلطان کا ہشیر زادہ اچھو بیب خلجی بڑا عقلمند اور دو مانند لشی شخص تھا اُس کو سلطان نے وزارت و ندیمی کا رتبہ عطا کیا تھا عہدِ یمنی کے معززین کو اُن کے مرتبوں پر قائم رکھا تھا سلطان کے تین بیٹے تھے۔ ان میں منجھلا بیٹا ارکیخان بڑا شہ زور بہادر اور اعلیٰ درجے کا سپہ سالار تھا۔ سلطان بلبن کا مولا زادہ امیر علی المصاطب بہ حاتم خاں اودھ کا صوبہ دار تھا۔ کرڑہ اور اودھ کے علاقے کے ہندو روسا پہلے ہی سے زیادہ چالاک اور دہاں کے مسلمان صوبہ داروں کے دربار میں زیادہ جلیل تھے۔ سلطان بلبن اور سلطان معز الدین کی قیادت میں اس نواح میں آتے تو ان ہندو رسیوں راہیوں اور مقصدوں نے حاضر ہو کر بند لے اور تحفے پیش کئے اور خلعت پائے اس لئے اور بھی ان کی عزت و رسوخ نے صوبہ داروں کے دربار میں ترقی کر لی تھی۔

اب جبکہ سلطنتِ خاندانِ یمنی سے نکل کر ایک دوسرے خاندان میں پہنچی اور ان صوبوں میں سلطان بلبن کے متعلقین صوبہ دار مقرر ہوتے تو ان ہندوؤں نے ان کے درباروں میں قدیم خدمت گزاری و اطہار و فاداری کے ساتھ زیادہ رسوخ حاصل کیا اور ملک چھو المصاطب بہ کشیل خاں کی مصاحبت میں داخل ہو کر اُس کو بار بار توجہ دلائی کہ سلطنت اور تختِ حکومت کے حقیقی مالک تو آپ ہیں خلجیوں کا کیا حق ہے کہ وہ ہندوستان کی شہنشاہی حاصل کریں اور آپ کو اپنا لڑکر سمجھیں۔ یہ باتیں بالطبع ملک چھو کو اچھی معلوم ہوئیں کسی دوسرے مسلمان مصلحتاً کو ان کی تردید کی جرات نہیں ہو سکتی تھی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ملک چھو اور حاتم خاں صوبہ دار

اودھ دولوں متفق ہو گئے اور ملک چھوڑنے کوڑہ میں تاج شاہی اپنے سر پر رکھ کر سلطان مغیث الدین اپنا لقب تجوینہ کیا۔ انھیں ہندوؤں کے ذریعے جو فساداری و بہادری کی لافنی کرتے تھے ہندوؤں کی فوجیں بھرتی کیں۔ تمام ملک اودھ اور علاقہ کوڑہ میں سلطان مغیث الدین کے نام کا سکھ اور خطبہ جاری ہوا۔ ۱۸۱۷ء میں ملک چھوڑتی سلطان مغیث الدین ہندوؤں کی لاقعد فوج لئے ہوئے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ یہ کیفیت سن کر سلطان جلال الدین بھی اپنی انتخابی فوج لئے کدہلی سے روانہ ہوا۔ اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ایک دستہ فوج کے ساتھ بطور ہراول سلطانی لشکر سے دس بارہ کوس آگے چلنے کا حکم دیا۔ بدایوں سے آگے بڑھ کر ارکلی خاں کا ملک چھو کے ہندو لشکر سے مقابلہ ہوا۔ مقابلے سے پہلے ہندو پاک اور راوت جن کو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا ملک چھو کے دربار میں پان کے بیڑے اٹھا اٹھا کر دعویٰ کر چکے تھے کہ ہم سلطان جلال الدین کو گرفتار کر کے آپ کے سامنے لائیں گے۔ جب غلطی لشکر سے مقابلہ ہوا تو ان لوگوں نے خوب شور مچایا اور سلطان مغیث الدین کی جے کے فخرے لگائے مگر ارکلی خاں کے پہلے ہی حملے کی تاب نہ لا کر اس طرح فرار ہوئے جیسے شیر کے حملے سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ چند مسلمان سردار تھوڑی سی مسلمان فوج نے جو ملک چھو کے ہمراہ تھے، تھوڑی دیر ہاتھ پاؤں مارے۔ کچھ قتل اور کچھ گرفتار ہوئے۔ ملک چھو میدان جنگ سے نکل کر قریب کے کسی گاؤں میں پناہ گزین ہوادہاں کے ہندو مقدم نے اُس کو گرفتار کر کے اگلے روز سلطان جلال الدین کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ اس لڑائی کا حال لکھتے ہوئے ضیاء الدین برنی رقم طراز ہے کہ

”ارکلی خاں بال لشکر مقدمہ آب کلاب نگر عمرہ کر دند و ازان طرف لشکر ملک چھو پیشتر آمد و در لشکر ملک چھو راوت و پاک ہند و ستانی مانند سور و لمح گرد آمدہ بود و راوتان و پاکان معروف از پیش ملک چھو بیڑہ تنبول برگرفتہ بودند و دعویٰ کردہ کہ ہر چیز سلطان جلال الدین خواہم زد و چوں لشکر مقدمہ سلطان جلال الدین بر لشکر ہندوان تیر اندازی کر دند ہندوان آب گرفتہ سست مزاج و برنج و ماش خوار کہ شورے و شبنج می کر دند و دست و پائے گم کر دند و شیراں و شیر افگنان لشکر مقدمہ سلطان جلال الدین تنجہ باز نیام بر کشیدند و بر لشکر ملک چھو حملہ کر دند۔ ملک چھو و امرائے اور ہمہ ہندوان کہ در صف محاربہ مقابل لشکر مقدمہ ایستادہ کردہ بود و شکستند و منہزم گشتند و پشت و اوندہ

سلطان جلال الدین نے ملک چھجو کو ملتان بھیج دیا کہ وہاں نظر بند رہے اور اُس کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے ملک احمد حبیب نے کہا کہ آپ نے اس لڑائی کے تمام اسیروں کو آزاد کر دیا اور کسی کو بھی قتل نہ کیا اس سے رعبِ شاہی میں فرق آئے گا سلطان نے جواب دیا کہ "من بعد ہفتاد سال در مسلمان پیر شدہ از دین اعراض نمی توانم کرد و خود را جبار و تہارے نمی توانم ساخت"

اس فتح کے بعد سلطان بدایوں سے دہلی کی جانب آیا اور اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین کو ملک چھجو کی جگہ کڑہ کا حاکم بنا کر کڑہ کی جانب رخصت کیا علاء الدین نے اپنی بیوی اور ساس سے ناراض رہتا تھا اور اپنی ساس یعنی سلطان کی بیوی سے تو بہت ہی خائف تھا اس نے اس نے دارالسلطنت سے دور چلے جانے کو بہت غنیمت سمجھا۔ یہ خانگی جھگڑا اس قدر طول کھینچ چکا تھا کہ علاء الدین کو ہمہ اوقات اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا کہ اُس کی خوشدامن کہیں اُس کو قتل نہ کر دے سلطان جلال الدین کو اس کی پوری اطلاع نہ تھی بہر حال علاء الدین دہلی کی سکونت سے ہر واسطہ خاطر اور اپنی ساس سے جو ملکہ جہاں تھی سخت ناراض و مخالف مزور تھا۔ کڑہ میں جب پہنچا تو وہی ہندو سردار جو ملک چھجو کو گھیرے رہتے تھے اور جو میدان سے بھاگ کر یا تہدے آزاد ہو کر آگئے تھے اس کے گرد جمع ہو گئے ملک چھجو کی لڑائی اور شکست کے حالات بیان کرتے ہوئے اُنھوں نے علاء الدین کو یقین دلادیا کہ ملک چھجو کے پاس اگر خزانہ ہوتا اور روپیہ کی کمی نہ ہوتی تو اس کو ہرگز شکست نہ ہوتی یہ معلوم کرنے کے بعد کہ علاء الدین اپنی ساس اور بیوی سے ناراض ہے اور سلطان جلال الدین سے مطمئن نہیں ہے ان لوگوں نے اور بھی آزادی کے ساتھ اس قسم کی باتیں کہنی شروع کیں کہ کڑہ کے لشکر سے دہلی کا فتح کرنا ممکن ہے اور پہلے ہی سال میں اُس کو بغاوت پہ آمادہ کر کے اُس کے رازدار بن گئے۔ ضیاء برنی کہتا ہے کہ

• ہمدان سال کہ علاء الدین متقطع کڑہ شد و آنجا رفت بے کار و امان و مفیان
ملک چھجو کہ ماتیہ آن فتنہ شدہ بودند و سلطان جلال الدین ایشان را آزاد کردہ
چاکر علاء الدین شدند وہم در سال اول آں بلخا کیان (باغیان) و مشططان در
دماغ سلطان علاء الدین رساندند کہ در کڑہ لشکر پیار و مستعد و مرتب می توان
کرد و ممکن است کہ از کڑہ دہلی بہرست آید زدی باید کہ اگر سر ملک چھجوری بود

ملک دہلی بہت ادا و ادے اگر انجائے زرفا خود دست آید ملک دہلی گرفتار
آسان است ۛ

۶۹۱ء میں ہلاکو خاں مغل کے پوتے نے ہندوستان پر ایک بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ سلطان جلال الدین خلجی اس کے مقابلے کے لئے خود پنجاب پہنچا۔ مسلمانوں کو مغلوں پر معمولی ابتدائی معرکوں میں فتح حاصل ہوئی اور کئی مغل سردار گرفتار ہو کر سلطان جلال الدین کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آخر ایسی صورت پیدا ہوئی کہ طرفین کے سرداروں نے کوشش کر کے دونوں میں صلح کرادی۔ ہلاکو خاں کا پوتا خود سلطان جلال الدین کی ملاقات کے لئے اس کے لشکر میں آیا سلطان نے اس کو بیٹا کہہ کر اور اس نے سلطان کو پدر بزرگوار کہہ کر مخاطب کیا اس صلح کے بعد مغل واپس چلے گئے مگر چنگیز خان کا ایک پوتا جس کا نام الغو خاں تھا معہ چند بڑے بڑے سرداروں کے سلطان جلال الدین کی خدمت میں رہ گیا۔ یہ منسل سلطان کے ہمراہ دہلی آئے یہاں آکر وہ سب کے سب بہ خوشی مسلمان ہو گئے۔ سلطان نے الغو خاں کو مسلم کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی باقی نو مسلم مغلوں نے اپنے بیوی بچوں کو یہیں بٹوایا۔ سلطان نے ان سب کے روزینے مقرر کر دیئے اور انھوں نے ٹکیلو گڑھی۔ غیاث پور اور اندر پرست میں اپنے مکانات بنائے ایک دو سال کے بعد ان میں سے بعض کو یہاں کی آب و موافق نہ آئی اس لئے وہ اپنے ملک کو واپس چلے گئے باقی یہیں رہے اور یہاں کے مسلمانوں میں ان کے بیاہ شادی ہونے لگے۔ لوگ ان کو نو مسلم کے نام سے پکارتے تھے ۶۹۱ء کے آخری ایام میں مندور کے ہندوؤں نے پھر زور پکڑا اور سلطان نے ملا توتف وہاں پہنچ کر ان کو سزا دی اور دہلی واپس آیا اسی سال جب کہ سلطان مندور گیا ہوا تھا علاء الدین حاکم کوڑے سلطان سے بھیلے پر فوج کشی کرنے کی اجازت لی۔ سب سے پہلے بھیلے کو سلطان شمس الدین اتیش نے فتح کیا تھا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، اب بھیلے میں ہندوؤں نے پھر فساد کا مواد جمع کر لیا تھا۔ علاء الدین کے معراجوں نے اس کو بھیلے پر فوج کشی کرنے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہاں سے بہت کچھ مال و دولت لٹنے کی توقع ہے۔ علاء الدین بھیلے کو فتح کر کے وہاں کے بڑے بہت کو جو کالشی کا بنا ہوا تھا اور جس کو شمس الدین اتیش نے علی حالہ رہنے دیا تھا گاڑی پر لہدا کر دہلی لایا جے دہلی کے بدایوں دروازہ کے سامنے زمین پر گاڑ دیا گیا۔ سلطان جلال الدین نے اس مرتبہ علاء الدین کو کوڑے کی جانب رخصت کرتے ہوئے اودھ کا ملک

بھی اُسی کی حکومت میں دے دیا۔ علاء الدین نے سلطان کو اپنے اچھر مہربان دیکھ کر عرض کیا کہ چندیری کا علاقہ آج کل سلطان دہلی سے قریباً بے تعلق اور آزاد ہو گیا ہے۔ وہاں سرکشوں کا اجتماع ہو رہا ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دو سال تک کڑھ وادھ کا خراج سلطان کی خدمت میں نہ بھیجوں اور اس روپیہ کو جنگی طاقت کے بڑھانے میں صرف کر کے چندیری کے سرکشوں کو مزادوں اور اس علاقہ کو فتح کر کے حدود سلطنت میں شامل کرنے کے بعد کڑھ وادھ کا تمام خراج بے باقی کروں۔ سلطان نے بخوشی اجازت دے دی۔ علاء الدین خوشی خوشی دہلی سے کڑھ میں آیا اور ملک و کن پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہوا۔ علاء الدین نے ۶۹۱ھ کے آخر یا ۶۹۲ھ کے ابتدا میں بھیلے پر اپنے

دکن پر پہلا حملہ | مشیروں کے مشورہ سے حملہ کیا جن میں لمہنی امرا اور ہندو رئیس شامل تھے۔ بھیلے کے اس حملے اور اس کے بعد دیوگیر کے مشہور حملے کا عام طور پر ایک ہی سبب مشہور ہے۔ یعنی ایصال زر کی ضرورت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس لئے تھی کہ کڑھ کی فوج سے دہلی پر قبضہ کیا جائے اور یہ ضرورت خود علاء الدین کے ہندو مشیروں نے ظاہر کی تھی لیکن بھیلے اور دکن کے جانب حملہ آور ہونے کا ایک سبب اس کے علاوہ اور بھی تھا۔ جس کی طرف سے بعد کے واقعات پیش آمدہ نے مورخین کی توجہ کو ہٹا دیا اور وہی پہلا مذکورہ سبب ہر ایک کے زیر توجہ رہا۔ اس دوسرے سبب کو سمجھنے کے لئے پہلے ضیاء برنی کے الفاظ پر غور کرو۔

”سلطان علاء الدین از ملکہ جہاں کہ زن سلطان جلال الدین و خشی۔
 (خوشدامن) بود آزا بسیار داشت و از مخالفت حرم خود کہ دختر سلطان
 جلال الدین بود بجان رسیدہ راز خوف ملکہ جہاں کہ بر سلطان جلال الدین
 بغایت مستولی بود و از حسمت و عظمت سلطان جلال الدین نمی توانست کہ
 مخالفت و بے فرمانی حرم خود پیش سلطان عرض دارد و از ترس نصیحت و برائی
 نمی توانست کہ کیفیت در ماندگی خود پیش دیگرے کشف کند و دامنہ در اندوہ و
 کاہش می بود و مد کڑھ با مہربان خود مشورت کردے کہ سرور جہاں گیر دودر
 دیارے دیگرے سرزند“

یعنی علاء الدین اپنی بیوی اور خوشدامن کے تسلط سے سخت عاجز تھا اور اپنی مجبوری

وہ کسی کا حال شرم کی وجہ سے کسی سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ سلطان سے بھی شکایت نہیں کر سکتا تھا لہذا وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں چلا جائے اور سلطان جلال الدین کی حدود حکومت سے باہر ہو جائے اس کے لئے سب سے زیادہ آسان بنگالہ کا ناصر الدین بغرا خاں سے فتح کر لینا تھا مگر اس کے مشیروں نے جو سلطنت چلی کی بربادی کے خواہاں تھے اس کو بنگالہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے دیا اور اول بھیلہ کی پھر دکن کی فتح کی ترغیب دی۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے۔

”ورائچہ علاء الدین در بھیلہ رفت خبر بسیارے مال و پیل دیو گیر و رستم او افتادہ رفتن دیو گیر از آنجا تیاں برسید و در خاطر کرد کہ از کڑہ استعداد کند و سوار و پیادہ بسیار چاکر گیر و د سلطان جلال الدین را علم نہ دہد و جانب دیو گیر لشکر کشد“

بھیلہ ہندوؤں کا مرکزی مقام تھا بھیلہ میں کسی مسلمان یا مسلمانوں کے کسی ہمدرد کا تو نام و نشان بھی نہ تھا۔ بھیلہ پر چڑھائی کرنے والی فوج میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ علاء الدین کے مشیروں میں ہندوؤں کی کثرت تھی۔ بھیلہ میں پہنچ کر دیو گیر کے مال و دولت کی کثرت کا حال اس کو معلوم ہوتا ہے اس سے پہلے اس کو دیو گیر کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہوتا یعنی بھیلہ والے ہی جن کو اس نے مغلوب و مفتوح کیا ہے اس کو دیو گیر کی دولت کا حال سناتے ہیں پھر انھیں بھیلہ والوں سے وہ دیو گیر پر حملہ کرنے کا مشورہ کرتا ہے اور وہ اس کو دیو گیر پر حملہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں پھر انھیں بھیلہ والوں کے بڑے بُت کو گاڑی میں لا کر دہلی کی طرف آتا ہے اور اس کے ہندو مشیر اور ہندو سپاہی مطلقاً ناراضی نہیں کرتے۔ تاریخ فیروز شاہی کے مذکورہ بالا الفاظ اور واقعات کے سلسلہ پر پُر غور نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل بے پردہ ہو جاتی ہے کہ علاء الدین کو خود ہندوؤں ہی نے کسی زبردست سازش کے ماتحت دکن پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی اور یہ سازش جلد کامیاب اس لئے ہو گئی کہ علاء الدین اپنے چچا سلطان جلال الدین اور اس کی بیوی کی طرف سے بڑل اور خائف تھا۔ بھیلہ کے بُت کو بھی مصلحتاً دہلی لے جایا گیا تھا جس سے سلطان جلال الدین کو دھوکہ دینے کے سوا اور کچھ مقصود نہ تھا۔ سلطان جلال الدین کو اپنے اوپر مہربان دیکھ کر اور اودھ کا صوبہ بھی حاصل کر لینے کے بعد دونوں صوبوں کے خراج کو کئی سال تک ادا نہ کرنے کی اجازت حاصل کر لینا بھی اسی سازش کا ایک جزو تھا۔ علاء الدین بالکل جاہل اور بے پڑھا

لکھا آدمی تھا۔ اُس کی زندگی کے پورے اور مفصل حالات تاریخوں میں مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کاموں کے کرنے میں کسی چیز کی پرواہ نہ کرتا تھا اپنی مرضی اور خواہش کے مقابلے میں شریعت اسلام کی پابندی کو بھی ضروری نہیں سمجھتا تھا لیکن اگر کوئی شخص جرأت کر کے اس کو سمجھاتا اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی ترغیب دیتا تو وہ اس سمجھانے والے کی بات کو فوراً مان لیتا تھا۔ عام طور پر جاہل اور بے پڑھے لکھے آدمیوں کی ایسی ہی حالت ہوا کرتی ہے۔ جس طرح ہندوستان کا مغل بادشاہ اکبر جاہل تھا۔ اسی طرح علاء الدین بھی جاہل تھا۔ اکبر سے جس طرح ایک نیا دین جاری کرنے کی حماقت سرزد ہوئی اسی طرح علاء الدین بھی اس حماقت میں مبتلا ہوا تھا مگر اُس کے درباریوں نے اُس کو سبب نکال لیا۔ غرض بھیلے کی چڑھائی اور کڑھ وادوہ کے صوبوں کے خراج کی ادائیگی کو معرض التوا میں ڈال کر چنڈیری پر حملہ آور ہونے کی تیاری کا، ہمدان ایک ایسی سازش کا نتیجہ تھا جو علاء الدین کے مشیروں نے ترتیب دی تھی اور علاء الدین اُس پر عمل درآمد کرنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ تاہم فرشتہ کے الفاظ بھی اس جگہ قابل غور ہیں وہ چنڈیری پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کرنے کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ

”سلطان جلال الدین متمسک اور امبذول داشت و خانی الذہن از انکہ غرض ملک علاء الدین ازیں مقدمات ہمہ آنت کہ خود را از تحککات ملکہ جہان کہ کمال تسلط بر پادشاہ داشت و از استیلائے او چیزے نمی توانست رسانید خلاص ساختہ ہمیشہ در سفر و دراز باشد بلکہ اگر واقع شود در ولایت دور دست جائے مضبوط پیدا کردہ آنجا فروکش کند“

ضیاء برنی بھی اسی کے قریب قریب الفاظ استعمال کرتا ہے کہ
”ومی خواہد کہ از جغائے ملکہ جہان و حرم خود و دست رود و اتالیجے یاد داریے فرو گیرد و ہما نجا باشد و ہمیش دریں جانب و دریں دیار نماید“

غرض ۶۹۴ھ میں علاء الدین نے چھ ہزار سواروں کے ساتھ کڑھ سے کوچ کیا اور اس بات کو شہرت دی کہ چنڈیری پر حملہ کرنے جاتا ہوں۔ کڑھ اور وادوہ کی حکومت پر اپنی جگہ ضیاء برنی کے چچا علاء الملک کو حاکم ہنا گیا۔ اس سفر میں کڑھ کے ہندوؤں کی بھی ایک جماعت ہمراہ لی۔ لڑو سوبیل کا سفر دو مہینے میں طے کر کے ملک مرہٹ میں داخل ہوا راستے میں کئی

ہندو راجاؤں کے علاقوں میں ہو کر گذرنا پڑا مگر چونکہ اس نے بڑی تیز رفتاری سے اس سفر کو پہاڑوں اور جنگلوں میں ہو کر بظلمت تقسیم کیا اور کسی بستی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اس لئے اس کو کسی نے نہیں ٹوکا اور اس نے ریاست دیوگیر یعنی ملک مرہٹ کی سرحد میں داخل ہو کر شہر ایلمچور پر قبضہ کیا۔ ایلمچور میں دو روز قیام کر کے بعد شہر دیوگیر (دولت آباد) کی جانب بڑھا۔ دیوگیر کا راجہ رام دیو شہر سے نکل کر دیوگیر سے دو میل کے فاصلے پر صف آرا ہوا۔ علاء الدین نے پہلے ہی حملے میں رام دیو اور اس کی فوج کو میدان سے ہجھا دیا۔ شہر کے متصل قلعہ تھا۔ راجہ شہر میں نہیں ٹھہر سکا میدان سے فرار ہو کر قلعہ میں پناہ گزین ہوا اور علاء الدین نے آگے بڑھ کر شہر پر قبضہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ رام دیو کا بڑا بیٹا کسی مند کی زیارت کے لئے باہر گیا ہوا تھا اس نے جب یہ سنا کہ میرے باپ کو قلعہ میں محصور کر لیا گیا ہے تو وہ ارد گرد کے راجاؤں کو معاذیج ہمراہ لے کر آیا اور دیوگڑھ سے نین کوس کے فاصلے پر ٹھہر کر علاء الدین کے پاس پیغام بھیجا کہ قلعہ سے محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ ورنہ ہم حملہ آور ہوتے ہیں علاء الدین نے ایک ہزار فوج محاصرہ پر مامور رکھی اور باقی پانچ ہزار سپاہی لے کر رام دیو کے بیٹے پر حملہ آور ہوا اس کو معہ ہمراہی راجاؤں کے شکست دے کر ہجھا دیا اور قلعہ کے محاصرہ میں پہلے سے زیادہ شدت کام میں لایا آخر رام دیو نے قریباً ایک مہینہ محصور رہنے کے بعد مجبور اور بیرونی امداد سے بالوس ہو کر اپنے ایلچی علاء الدین کے پاس بھیجے اور چھ سو من سونا ایک ہزار من چاندی سات من موتی اور دو من جواہرات اور چار ہزار ریشمی کپڑے کے تھان دے کر صلح چاہی۔۔۔ علاء الدین نے اس مال و دولت کے علاوہ ایلمچور اور اس کے متعلقہ علاقہ کا بھی مطالبہ کیا اور رام دیو نے اپنی ریاست کا یہ حصہ علاء الدین کو دینا منظور کر لیا۔ تاہم فرشتہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

”ایلمچیان بعد الحاح و مبالغہ تمام قرار دادند کہ رام دیو شش صد من طلا و نفیت من مرادید و دو من جواہر از لعل و یاقوت و الماس و زمرد یک ہزار من نقرہ و چار ہزار جامہ آبریشی و دیگر اجناس کہ تفصیلش موجب تطویل می گردد و نقل نیز از تصدیق آن ابادار داخل سرکار ملک علاء الدین ساخته لیٹچ پور را بالتواضع و مضامات آن بتصرف متعلقان امداد و یاد ضبط خود داشتہ ہر سال محمول آل ولایت بہ کڑہ می فرستادہ باشند“

آٹھ سو یا نو سو کوس کے فاصلے پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ مالوہ و تلنگانہ و خاندیس وغیرہ کے زبردست راجاؤں کے علاقوں کو طے کر کے دیوگیر پر حملہ کرنا اور ایلچپور کے علاقے کو اپنے قبضے میں لانا اور اپنا علاقہ قرار دینا دلیل اس بات کی ہے کہ مسلمان ہندوؤں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے اور ہندو مسلمانوں کے مقابلے کی ہرگز تاب نہیں لا سکتے تھے نیز یہ کہ علاء الدین دہلی اور سلطنت دہلی سے دور وہے تعلق ہو کر زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی زائد تلاش کرنا چاہتا تھا اس لئے ایلچپور اور متعلقہ علاقہ کو اپنے قیام کے لئے رام دیو کی ریاست سے جدا کر لینا ضروری سمجھا تھا ہندو ریاستوں کے بیچ میں ایک چھوٹے سے علاقے کو اپنے لئے مخصوص کر لینا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ علاء الدین کو ہندوؤں سے کوئی خوف نہ تھا اور وہ ہندوؤں کے درمیان اپنی آزادی کو قائم رکھ کر ایلچپور میں رہنے کی جرأت رکھتا تھا۔ غرض سلطان جلال الدین اور اپنی ساس ملکہ جہان سے دور و بھور رہنے کی خواہش کو اس حملہ دیوگیر سے ضرور تعلق ہے جس کی تاخیر فرشتہ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ

روایت مؤلف طبقات ناصری کہ معاصر ایشان بود چنین است کہ ملک علاء الدین از کڑہ برآمد راہے پیش گرفت و بشکار مشغول گشتہ براہ جاتے کہ سر راہ واقع شدہ بودندا اصلا مزاحمت نہ رسانید و بعد از دو ماہ بالیلچپور کہ از بلاد مشاہیر دکن است بیک ناگاہ رسید و چنین آوازہ انداخت کہ ملک علاء الدین از امرائے پادشاہ دہلی ست ہٹا ہر بعضے از مقدمات ترک خدمت او کردہ می خواہد کہ پیش راجہ راج مہندری کہ از جملہ ممالک تلگانہ است رفتہ ملازم گردوٹ

طبقات ناصری سے مراد اگر منہاج سراج کی طبقات ناصری ہے تو اس میں یہ عبارت موجود نہیں ہے نہ ہو سکتی ہے کیونکہ منہاج سراج علاء الدین کے زمانہ میں موجود نہ تھا اس لئے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا ممکن ہے کہ طبقات ناصری کے کسی ضمیمے میں جو بعد میں لوگوں نے لکھے تھے یہ عبارت موجود ہو۔ اگر طبقات ناصری کو کتابت کی غلطی سمجھ کر فیروز شاہی قرار دیا جائے تو تاریخ فیروز شاہی میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں ہیں مگر یہ بات بالکل یقینی ہے کہ کسی ایسے مؤرخ کا قول ہے جو علاء الدین کا معاصر تھا اگر ان الفاظ میں کوئی اعتماد اور وزن نہ ہوتا تو فرشتہ اس طرح حوالہ کے ساتھ اپنی کتاب میں درج نہ کرتا۔ بہت زیادہ ممکن ہے کہ راج مہندری کے راجہ سے اس کی خط و کتابت بھی اس معاملے میں پیشتر ہو چکی ہو۔ اگر اس

تیماس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ اعتراض بھی مرتفع ہو جاتا ہے کہ راستے کے کسی راجہ نے ملکوں علاء الدین کو نہیں ٹوکا اس بات پر بھی غور کرو کہ علاء الدین بہت ہی ٹھوڑی فوج یعنی صرف چھ ہزار آدمی لے کر دیوگیر پہنچا راستے میں جاتے ہوئے مالوہ، گونڈوانہ اور خاندیس کے راجاؤں نے کان نہیں ملا یا۔ دیوگیر کا محاصرہ قریباً ایک مہینہ رہا اور ان بڑے بڑے راجاؤں میں سے کوئی مدد کو نہیں پہنچا۔ علاء الدین دیوگیر سے مال و دولت لے کر بھی چندرپور، ایلمچور میں مقیم رہا۔ پھر جب کڑہ کی جانب روانہ ہوا تو اس مال و دولت کو علاء الدین سے چھین لینے کی جرأت بھی ان مذکورہ راجاؤں میں سے کسی کو نہ ہوئی اس سے یہ شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ کڑہ کے ہندوؤں کی معرفت جو علاء الدین کی مصاحبت میں موجود تھے ان مذکورہ راجاؤں سے پہلے ہی ساز باز ہو چکا ہوگا اور انھوں نے دیوگیر کے راجہ رام دیو پر یہ مصیبت مار دیکر علاء الدین کو سلطان جلال الدین کے خلاف دولت مند بنا کر بغاوت و سرکشی کی جرأت دلانے کی یہ بہترین تدبیر سوچی ہو۔ ہر حال اس معاملے میں موجود وہیا شدہ تاریخوں کے ذریعے کوئی صاف اور روشن بیان پیش نہیں کیا جاسکتا۔ علاء الدین کو جب دیوگیر کے راجہ سے بے قیاس دولت حاصل ہو گئی تو وہ اب ایلمچور میں زیادہ دنوں نہیں ٹھہر سکتا تھا کیونکہ اس خلاف اُمید دولت کے حاصل ہو جانے پر وہ بڑی آسانی سے ان لوگوں کے مشورہ کو تسلیم کر سکتا تھا جو اُس کو سلطان جلال الدین کے خلاف نیرو آزمائی پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ علاء الدین نے کڑہ پہنچ کر سلطان جلال الدین کے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس مال و دولت نے جو دیوگیر سے وہ لے گیا تھا اُس کے ارادہ کو قوت سے فعل میں لانے کا موقعہ بہم پہنچا دیا۔ یہ دولت جو علاء الدین کو دیوگیر سے حاصل ہوئی اُس تمام مال و دولت کے مجموعے سے بدھجا زیادہ تھی جو محمد بن قاسم کے زمانے سے لے کر شہاب الدین غوری کے زمانہ تک مسلمانوں نے ہندوستان سے حاصل کی تھی لیکن یہ دولت بھی بجز اس کے کہ جنوبی ہند سے شمالی ہند میں پہنچ گئی۔ ہندوستان کی حدود سے باہر نہیں گئی۔ لہذا اس کے متعلق بھی کسی شکوہ و شکایت کی کسی کو ضرورت نہیں۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو ۳۲۵ھ میں یعنی حملہ دیوگیر سے پورے چالیس سال کے بعد ہندوستان میں داخل ہوا ہے اس مال و دولت کے حاصل ہونے کا ایک اور ہی سبب بیان کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ علاء الدین جب دیوگیر کی جانب فوج لے کر گیا ہے تو وہاں کسی

مقام پر جنگل میں سفر کرتے ہوئے علاء الدین کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گھوڑے کے سُم سے ایک زنجیر جو زمین میں دبئی ہوئی تھی نمودار ہوئی۔ اس زنجیر کے سرے کو دیکھ کر اُس مقام کو کھودا گیا تو ایک خزانہ برآمد ہوا۔ اس خزانہ کو لے کر علاء الدین کڑھ میں واپس آیا اور سلطان جلال الدین کے قتل کی تداہیر میں مصروف ہو۔

شہادت | ۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین خلجی اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی کے ہاتھ سے کڑھ اور مانگ پور کے درمیان دریائے گنگا کے کنارے مارا گیا۔ اس جگہ اس حادثہ کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

سلطان علاء الدین خلجی | سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کرنے کے بعد بھی دہلی کا تخت سلطنت حاصل کرنے سے واپس

نہ تھا کیونکہ سلطان جلال الدین کا بیٹا ارکلی خاں جو اس زمانے میں ملتان کا صوبہ دار اور مغلوں کے حملوں کو روکنے کی غرض سے ملتان ہی میں رہتا تھا دہلی پہنچ کر باپ کی سلطنت کو سنبھال لینے کی پوری اہلیت و قابلیت رکھتا تھا اور علاء الدین کے لئے اُس کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا مگر یہاں ملکہ جہاں بیٹی سلطان جلال الدین کی بیوی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو جو سلطنت کی قابلیت نہ رکھتا تھا دہلی کے تخت سلطنت پر بٹھا دیا تھا یہ خبر سن کر ارکلی خاں ملتان ہی میں مقیم رہا اور دہلی کی طرف نہ آیا۔ علاء الدین کڑھ میں اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوا اور ماہ صفر ۶۹۶ھ میں کڑھ سے دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں اُس نے خوب روپیہ لٹایا اور سخاوت و بخشش کے ذریعہ لوگوں کو اپنی جانب مائل کیا ملکہ جہاں بیٹے کو لے کر ملتان کی جانب ارکلی خاں کے پاس بھاگ گئی۔ علاء الدین نے دہلی پہنچ کر ۶۹۶ھ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اپنے بھائی الماس بیگ کو الف خاں کا خطاب دیا۔ ملک نصرت جلیسری کو نصرت خاں کا خطاب ملا۔ ضیاء بھٹی کے باپ مؤید الملک کو برن (بلند شہر) کی حکومت عطا کی یقیناً کی جانب فوج بھیج کر سلطان جلال الدین کے بیٹوں کو گرفتار کر کے اندھا کرادیا۔ اسی سال یعنی ۶۹۶ھ میں مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ علاء الدین نے اُن کے مقابلہ کو فوج بھیجی جالندھر کے قریب لڑائی ہوئی اور مغل شکست کھا کر بھاگ گئے۔

استحکام سلطنت کے بعد | سلطان علاء الدین کی سلطنت جب اچھی طرح مستحکم ہوئی تو اُس نے ۶۹۶ھ میں اپنے بھائی الف خاں اور ملک

نصرت خاں کو فوج دے کر گجرات کی طرف روانہ کیا۔ مسلمان گجرات کو اپنا ملک سمجھتے تھے لیکن عرصہ دراز سے گجرات کے راجہ نے خراج بھیجنا بند کر کے اپنے آپ کو خود مختار بنالیا تھا اور سلطان جلال الدین نے اس طرف التفات نہ کیا تھا۔ یہ فوج جب گجرات پہنچی تو وہاں کا راجہ کرن تاب متاومت ڈاکر فرار اور دیو گیر کے راجہ رام دیو کے پاس جا کر پناہ گزین ہوا۔ راجہ کرن اس بدحواسی کے ساتھ نرا ہوا کہ اپنی بیوی کملا دیوی اور خزانہ کو بھی ہمراہ نہ لے سکا۔ پناہ چھ اُس کا خزانہ اور رانی کملا دیوی اسلامی لشکر کے قبضے میں آئی جس کو سلطان کی خدمت میں دہلی کی جانب روانہ کیا گیا۔ دہلی پہنچ کر کملا دیوی نے اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ اُس کو باؤٹے سلطنت اور ملکہ جہاں بنادیا جائے۔ چنانچہ سلطان علاء الدین نے اُس کو بیوی بنالیا۔ گجرات پر قبضہ کرنے کے بعد ملک نصرت خاں علاقہ کسبائیت میں گیا۔ اُس کے ساتھ کاروں سے جو بیڑے مانی دار تھے روپیہ وصول کیا۔ یہیں اُس نے ایک ہندو بچہ کو جو قوم کا برہمن اور چھوٹا اور چھوٹا بنا کر وہاں کے کسی ساہوکار نے اپنا غلام بنا رکھا تھا اُس کے مالک سے زبردستی چھین لیا۔ یہی وہ غلام تھا جو سلطان علاء الدین کی خدمت میں پہنچ کر ملک کا فور کے خطاب سے مخاطب اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے نہر دیناری اور بالآخر وزیر اعظم بن گیا تھا ملک نصرت خاں اور ایلخ خاں کے ہمراہ نو مسلم مغلوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ گجرات و کسبائیت کی فتح اور وہاں کے انتظام سے فارس ہو کر یہ دونوں سوار حسبِ ہلی کی جانب واپس ہوئے تو راستے میں ان نو مسلموں نے بغاوت کی اور سلطان علاء الدین کا ہمشیر زادہ اس بغاوت میں نو مسلموں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ ملک نصرت اور ایلخ خاں نے جب ان باغیوں کو بقیہ فوج کے ذریعے شکست دے کر منتشر کر دیا تو یہ سب آوارہ ہو کر تھمبورد کے راجہ ہمیر دیو کے پاس چلے گئے اور اُس نے اُن کو تائبہ غیبی سمجھ کر بڑی آؤ بھگت کے ساتھ رکھا۔

اسی زمانہ میں ایک اور سردار غفر خاں جو اپنی بہادر سی میں شہرہ آفاق تھا سیوستان کی فتح کے لئے نامزد ہوا تھا۔ سیوستان سندھ کا ایک حصہ اور سلطنت اسلامیہ کا جزو تھا لیکن عرصہ سے یہاں بھی ایک ہندو راجہ صلدی یا چیلد پونا می مغلوں سے امداد پا کر خود مختار ہو چکا تھا۔ جب غفر خاں فوج لے کر سیوستان کے قریب پہنچا تو مغلوں کی فوجوں نے بلوچستان کی طرف سے آکر سیوستان کے راجہ کی مدد کی آخر سخت لڑائی کے بعد غفر خاں نے راجہ اور اُس

کے بھائی اور مغل سرداروں کو گرفتار کر کے گھلے میں طوق وزنجیر ڈال کر دہلی کی جانب روانہ کیا اور بعد میں خود بھی مع مالِ فیضیت دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ نصرت خاں نے جب سمجھا یہ سب سے راستے ہوئے غلام کو پیش کیا تو سلطانہ اُس کی تربیت کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہو گیا اپنے خاں نصرت خاں اور نصرت خاں کے ساتھ غلام واپس آئے اور گجرات و سیوستان و فیروزہ کی فتوحات سے اس جاہل بادشاہ کو بہت مغرور بنا دیا۔ اور کمال دلیوی کی صحبت نے جہاںشیر کی منظور نظر اور محرم راز و انیس خلوت تھی یقیناً اُس پر اثر ڈالا ہوگا۔ نیز چھ سات سال پشت پر جب کہ وہ کڑے کا صوبہ دار تھا اُس کو ہندوؤں کی صحبت نہ چکی تھی اب اُس نے اپنے ان محمد سرداروں کے دہلی میں واپس آنے کے بعد ایک نئے مذہب کے جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ جہاںشیر کی اس لاندہمیت کے بدنتائج کی فوراً روک تھام ہو گئی یعنی اُس نے جب دربار میں اپنے درکانِ سلطنت کے مدبر و اس کا اظہار کیا تو بعض باہمت اور باخدا لوگوں نے مخالفت کا اظہار کر کے بادشاہ کو اس خطرناک و جہلک ارادے کے نتائج سے ڈرایا اور قابلیت کے ساتھ سمجھا یا چنانچہ بادشاہ باز آگیا۔

مغلوں کا حملہ چند ہی روز کے بعد ۱۶۹۵ء میں مغلوں نے خراسان میں ایک بہت فوج فراہم کی اور ہندوستان پر حملہ کر کے علاء الدین کو ایک خطرناک مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ قلعہ خواجہ یا قلعہ خواجہ نامی مغلوں کا ایک شہزادہ دو لاکھ جرار مغلوں کی فوج لے کر ہندوستان میں داخل ہوا۔ چونکہ راستے میں کوئی زبردست فوج اور تجربہ کار سپہ سالار اُس کا سدراہ ہونے کے لئے اتفاقاً موجود نہ تھا لہذا وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ سیدھا دہلی تک چلا آیا دعا اُس کا یہ تھا کہ دارالسلطنت پر اول قبضہ کر لیا جائے پھر دوسرے شہروں میں لوٹ مار کا بازار گرم کرنا آسان ہوگا۔ دو لاکھ مغلوں کا یکا یک فصیل دہلی کے نیچے پہنچ جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا خوف کے مارے ارد گرد کے گاؤں اور قصبوں کے لوگ بھی سب دہلی میں آ کر جمع ہو گئے اور تمام کچھ و بازار آدمیوں سے پر نظر آنے لگے سامانِ خورد و نوش بھی غیر کنتی تھا اور اس محاصرہ کی حالت کو تا دیرِ شام نہیں کیا جاسکتا تھا۔ علاء الدین نے لڑنے کے قابل آدمیوں کو منتخب کیا تو تین لاکھ آدمی شہر کے اندر موجود تھے۔ اس تین لاکھ کے لشکر کو لے کر وہ شہر سے باہر نکلا اور مغلوں سے نہروانا ہوا۔ ہندوستان میں اس وقت تک اتنی بڑی دونوں کا ایک میدان میں کبھی معاملہ نہ

ہوا تھا۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد نمارن کو شکست ہوئی۔ علاء الدین کا بہادر سپہ سالار ظفر خاں اس لڑائی میں اپنی شجاعت سے انتہائی جوہر دکھا کر شہید ہوا۔ مغل جن تیزی و سرعت کے ساتھ آئے تھے اُسی سرعت کے ساتھ شکست خوردہ واپس چلے گئے۔ اس فتح عظیم کے بعد علاء الدین نے سکندرنانی کا خطاب اپنے لئے تجویز کیا اور یہی خطاب سکوں اور خطبوں میں داخل ہوا۔

۱۱۹۹ء میں علاء الدین نے قلعہ رنٹھمبور پر حملہ کیا یہاں کا راجہ ہیر دیو پر تھی راج کی نسل سے تھا۔ اور عرصہ دراز سے خود مختار ہو گیا تھا۔ تازہ خطا اُس کی یہ تھی کہ اُس نے نو مسلم مغلوں کو رجن کا سردار محمد شاہ نامی ایک شخص تھا اور جو افغان خان و نصرت خان کی فوج میں سے باغی ہو کر چلے آئے تھے اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ سلطان دہلی سے روانہ ہو کر ابھی رنٹھمبور تک نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں ایک روز اُس کے بھتیجے سلیمان شاہ نے پادشاہ کو قتل کر کے خود پادشاہ بننے کی ناکام کوشش کی اور قتل ہوا۔ رنٹھمبور پہنچ کر محاصرہ شروع کیا اس محاصرے نے طول کھینچا پادشاہ کو وہاں متصرف دیکھ کر اُس کے دو ہمیشہ زادوں امیر عمر اور سنگو خاں نے بدایوں اور اودھ میں علم بغاوت بلند کیا مگر دونوں گرفتار ہو کر رنٹھمبور میں پادشاہ کے پاس پہنچے پادشاہ نے محصورین رنٹھمبور کو خوف دلانے کے لئے قلعہ کی دیوار کے نیچے ان دونوں کو بڑی اذیت کے ساتھ قتل کرایا۔

ابھی امیر عمر اور سنگو خاں کا فتنہ فرو ہوا ہی تھا اور رنٹھمبور کا محاصرہ برابر جاری تھا کہ دہلی میں حاجی مولیٰ نام ایک شخص نے دہلی کے بعض بڑے بڑے اہلکاروں کو قتل کر کے علم بغاوت بلند کیا اور ایک شخص علوی کو جس کی ماں شمس الدین اتمش کی نسل سے تھی تخت سلطنت پر بٹھا دیا مگر سلطان کے بعض وفاداروں نے حاجی مولیٰ اور علوی دونوں کو قتل کر کے اس فتنے کو بھی دبا دیا۔ رنٹھمبور کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہا۔ نصرت خاں اسی دوران محاصرہ میں ایک پتھر کے گنے سے مارا گیا۔ آخر سلطان نے قہر و شوکت کے ساتھ اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ ہیر دیو اور اس کے متعلقین سب قتل ہوئے۔ فتح ہونے کے بعد سلطان نے مقتولین کے اندوہ مند شاہ باغی کو زخمی پڑا ہوا دیکھا اور پہچان کر کہا کہ اگر تیری مرہم پٹی کر کر تھہ کو تندرست کر دیا جائے تو کیا احسان ملے گا اُس نے سلطان علاء الدین کو جواب دیا کہ میں تندرست ہو کر تھہ کو قتل کروں گا اور تیری جگہ ہیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بناؤں گا۔

علا الدین نے ناراض ہو کر اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ مگر ٹھوڑی دیر کے بعد اس کی بہادری اور وفاداری کا خبیال آیا تو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اس کے جنازہ کو دفن کرایا اور ہیر وید کے وزیر نسل کو جو محاصرہ کے شروع ہی میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اپنے سامنے بلوایا اور کہا کہ تم نے اپنے قدیمی آقا کے ساتھ کونسی وفاداری کی ہے جو ہم تم سے وفا کی توقع رکھیں یہ کہہ کر اس کو بھی قتل کرادیا۔ یہ قلعہ اپنے بھائی الخ خاں کو دے کر خود دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ الخ خاں پانچ مہینے کے بعد بیمار ہو کر دہلی کی جانب روانہ ہوا اور راستہ میں فوت ہو گیا۔

علا الدین کے نمایاں کارنامے | سلطان نے اپنے سائے الپ خاں کو الخ خاں کا خطاب دیا اور دہلی پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شراب خوری سے توبہ کر کے منادی کرادی کہ آئندہ کوئی شخص شراب استعمال نہ کرے چنانچہ اس نے اپنی حدود حکومت سے نہایت کامیابی کے ساتھ شراب خوری کا نام و نشان مٹا دیا۔ خضیہ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ تحصیل دار و ٹپواری مقرر کر کے زمینداروں سے نقد خرچ وصول کرنے کا ضابطہ موقوف کر کے ٹہائی کا قاعدہ جاری کیا۔ اس معاملہ میں اس قدر احتیاط کو سرخی رکھا گیا کہ کسی کی مجال نہ تھی جو کاشت کار سے ایک حب یا ایک دانہ زیادہ وصول کر سکے رشوت و قلعہ موقوف ہو گئی جموٹ بولنے کی سخت سزا مقرر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حدود حکومت سے کذب و دروغ کا نام و نشان مٹ گیا۔ غارت گری اور لوٹ مار کا استیصال پورے طور پر کر دیا۔ بہار سے پنجاب و سندھ تک تمام شریکیں اور راستے اسی طرح محفوظ تھے کہ ایک عورت سونا اچھالتی چلی جاتی تھی اور کسی کو جرأت نہ تھی کہ اس سے یہ دریافت کرتا کہ تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ ملک میں ضروریات زندگی کی اس قدر ازائی ہو گئی کہ گندم ساڑھے سات چیتل کے ایک من آتے تھے۔ چیتل تانبے کا سکہ تھا۔ ایک روپے میں چالیس چیتل ہوتے تھے یعنی فی روپیہ پونے چھ من گندم آتے تھے۔ تمام انتظامات صرف دو سال کے عرصہ میں پانچ تکمیل کو پہنچ گئے۔ اس حیرت انگیز کامیابی کا سبب صرف یہ تھا کہ دہلی میں ذی علم اور تجربہ کار لوگوں کی کثرت تھی اور تخت نشین ہونے کے بعد سلطان علا الدین اس زمانے کے ذی علم اور باخدا لوگوں سے مشورہ لینے میں تامل نہ کرتا تھا اور ہر ایک بڑے اور اہم کام میں علماء سے مشورہ کرنے کو عیب نہیں جانتا تھا۔ چونکہ وہ جاہل

تھا اس لئے کبھی علماء کی بات پر عمل نہیں بھی کرتا تھا۔ مگر جب کوئی بات اُس کے ذہن نشین ہو جاتی تھی تو اُس پر پوری طاقت کے ساتھ عمل درآمد کرتا اور کامیابی حاصل کر کے رہتا تھا۔ علامہ الدین خلجی کے عہد میں اُس کے ذی لیاقت عمال اور نیک نیت اہلکار کی قابلیت کا نتیجہ تھا کہ کاشمیر میں کار خوش حال اور سپاہی فارغ البال نظر آتے تھے مقدمات منبر داروں، اور رشوت خوار اہل کاروں کا طبقہ درمیان سے بالکل مرتفع ہو گیا تھا۔ باوجود اس کے کہ رعایا سے زر نقد رگان یا کوئی قسم کا ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ سلطانی لشکر کی تعداد پورے پانچ لاکھ سواروں پر مشتمل تھی اس کثرت فوج کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے سہرحصے سے بغاوت و سرکشی کا نام و نشان مٹ گیا اس جاہل پادشاہ کے عہد حکومت میں علماء اور سر علم و فن کے باکمالوں کی اس قدر کثرت تھی کہ کسی دوسرے زمانے میں نظر نہیں آئی۔ اُس زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اخلاق میں کس قدر فرق و تغایر تھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے ضیاء برنی کے چچا علامہ الملک کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ علامہ الملک اور سلطان علامہ الدین خلجی کا ایک مکالمہ ضیاء برنی اور دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے۔ سلطان ساری دنیا کے فتح کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا اور علامہ الملک اس ارادہ سے سلطان کو باز رکھنا چاہتا ہے۔ اسی سلسلے میں علامہ الملک سکندر یونانی کے زمانے کے لوگوں اور اپنے زمانے کے لوگوں کا فرق بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

• بخلاف مردمان زمانہ و عصر ما خاصہ ہندو کہ اصلاً درایشان عہدے و پیمانے نیست کہ اگر پادشاہے قاهر و کامگار بر سر خود نہ بنند و سوار بہادہ ابنوہ تیغ و تبر کشیدہ بر جان و روان و ملک و اسباب خود معائنہ نہ کنند ہرگز فرماں برداری نہ کنند خیراج نہ دہند و صدعصیاں و تمرد و رزندہ

علامہ الملک کے یہ الفاظ واقعات کی تصویر ہیں۔ سلطان علامہ الدین چونکہ سخت گیر تہذیب مزاج اور طاقتور سلطان تھا۔ اور کسی لڑائی میں اُس کو کبھی شکست نہیں ہوئی تھی لہذا اُس نے جب ایک مرتبہ طاقت اور شوکت کو کام میں لا کر ملک میں امن و امان قائم کر دیا تو پھر کسی ہندو راجہ کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ سرتیابی و بغاوت کا خیال بھی دل میں لاسکے یا کوئی گروہ ہندوؤں کا رہنمائی پر آمادہ ہو سکے۔ شروع سنہ ۷۷۰ سے آخر سنہ ۷۸۰ تک سلطان علامہ الدین شمالی ہند میں ایسے قوانین و آئین نافذ کر چکا تھا کہ کسی بدامنی و سرکشی کے سر اُبھارنے یا رعایا میں سے کسی

کے جان و مال کے تلف ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہا۔ صرف ایک چوڑے کا قلعہ باقی رہ گیا تھا جس پر اس سلطان نے ایک بے شمار ہتھیاروں کی فوجیں بھیج دیں۔ پناہ خانے سلطان نے شعبان سنہ ۱۰۰۰ میں چوڑے پر لشکر کشی کی۔ اور شش ماہہ میاں سرہ کے بعد محرم سنہ ۱۰۰۱ میں اُس کو فتح کر کے اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو چوڑے کا حاکم مقرر کیا اور چوڑے کا نام خضر آباد رکھا۔ اسی بجگہ خضر خاں کو دلی ہندو سلطنت قرار دے کر دہلی کی جانب واپس آیا اور چوڑے کے راجہ رتن گورنار کے ہمراہ لایا۔ رتن سین کا خواہر زادہ غوہ پادشاہ کی خدمت میں آکر حاضر ہوا اور صابین سلطانی میں داخل کیا گیا۔ رتن سین کی بیوی جس کا نام پدموات تھا فتح چوڑے کے وقت فرار ہو کر کہیں جا چھپی تھی اسی طرح اور بھی بہت سے راجپوتوں نے فرار کی عار گوارا کر کے اپنی جان بچا لی تھی جن کا کوئی شخص و تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔ یہ کام خضر خاں کا تھا جو وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا تھا کہ وہ اُس تمام علاقہ میں آئے لوگوں کا انتہی حال دیکھتا اور بھی ایک سرکشی و بغاوت کا مادہ اپنے دلوں میں رکھتے تھے خضر خاں میں ملک داری کی قابلیت نہ تھی لہذا وہ شش و عشرت میں مشغول ہو گیا اور راجپوتوں کو رام کیسے کا خیال بھی دل میں نہ آیا ان دنوں وہ راجپوتوں نے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنا مرکز قائم کیا اور رانی کو حاکم قرار دے کر ان کے متاعا رات و زندگی بسر کرنے لگے۔ سلطان کو چوڑے سے دہلی آتے ہوئے ایک ہی مہینہ گزرا تھا کہ ملنے لگا کہ راجہ رتن سین نے ہزار فوج کے ساتھ سلطنت دہلی پر غلہ کیا مگر نام واپس ہوا۔ سلطان نے اسے بلایا اور اسے قلعہ کر کے بعد پادشاہ کو معلوم ہوا کہ چوڑے کے فوجیں رتن سین کی رانی سے مصاصوں میں شامل تھا اس کا فراہم کی ہے۔ اُس نے راجہ کے بھانجے سے ہوا اُس کے مصاصوں میں شامل تھا اس کا ذکر کیا اُس نے کہا کہ تین سین آپ کی قید میں موجود ہے آپ اس سے کہیں کہ وہ رانی کو اسی حرکت اور سرکشی سے باز رہنے کا خط لکھے اور اس کو اپنے پاس بلا لے۔ چنانچہ ملازمین نے رتن سین کو جو معزز قیدیوں کی طرح نظر بند اور آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنا تھا اجازت دی کہ تم اپنی رانی کو بھی اپنے پاس بلا لے۔ راجہ نے اس اجازت سے خوش ہو کر اپنے مستند کے ہاتھ رانی کے پاس پہنچا بھیجا کہ تم بھی میرے پاس چلی آؤ۔ رانی نے یہ ہوشیاری کی کہ چند پالکیوں میں مسلح راجپوتوں کو بٹھاکر بہت سے راجپوتوں کو تیز رفتار گھوڑوں پر محفوظ دستہ کے طور پر مامور کر کے دہلی کی جانب روانہ کیا اور یہ شہر دی کہ رانی حسب الاجازت سلطان اور حسب الطلب راجہ دہلی کو جا رہی ہے چنانچہ چوڑے

دہلی تک کوئی بھی ان راہچوروں کا مزاحم نہ ہوا۔ رانی کی پہنچوٹی سی۔ ی رات کے ابتدائی حصے میں دہلی پہنچی اور شہر سے باہر تک کر سلطان کے پاس اطلاع پہنچی کہ رتن، بن کو مقام نظر بند ہے۔ باہر پہنچے کہ وہ رانی کو ہمراہ لے جائے۔ سلطان نے اجازت دی اور رتن میں چند محافظوں کی نفرانی میں رانی کے انتقہ، ایل کو قتل سے باہر نکال دی اور رتن کی سواری کے قریب پہنچا۔ راہچوروں نے جو دھولوں کے اندر سے اور جو ایل کے محافظوں سے آگے تھے۔ ان چند شاہی محافظوں پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور رتن سین کی گھوڑے پر بٹھا کر وہاں سے غار ہو گئے اور بطریق لغار نواح چتور میں اپنے محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔ سلطان نے جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو راہچوروں کی اس چالاکی پر ہنسا رہ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ میں علی بیگ اور ترپال نے غافل نے کوہ ہمالہ کے اندر چکر اس راستے سے جس راستے سے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی فوج لے کر قنوج پر حملہ آور ہوا تھا۔ ہندوستان پر حملہ کیا اور بیلیک صوبہ روہیلکھنڈ میں پہاڑوں سے نکل کر دامن کوہ سے اوروہہ تک کے علاقے کو آنت و تاراج کر ڈالا۔ ان مغل سرداروں کے ساتھ چالیس ہزار فوج آئی تھی، سلطان نے غازی ملک تغلق کو جو سلطان کا امیر آفر تھا ان مغلوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ غازی ملک تغلق نے پہنچ کر اوروہہ میں ان کا مقابلہ کیا۔ اس میں مغلوں کی شکست ہوئی علی بیگ اور ترپال خواجہ دواں سردار گرفتار ہوئے اور بہت سے منزل میدان میں مارے گئے، بھگ کر اوروہہ شہر منتشر ہوئے ان کو چھوٹے چھوٹے سرداروں نے اپنے اپنے علاقوں میں گھیر کر کیفر کردار کو چنپایا صرف چند شخص بچ کر ترکستان و نراسان میں پھرار ہوئے۔ پہنچے اور اپنی اس تباہی کی داستان سنائی۔ چونکہ مغلوں کا یہ حملہ غیر مترقبہ اور ایک نئے راستے سے ہوا تھا اس لئے سلطان علاء الدین نے اپنا دارالسلطنت سے غیر حاضر ہونا مناسب نہ سمجھا اور یہ سن کر کراچہ رتن سین نے چتوڑ کے قریب دوار میں ڈاکرئی شروع کر دی ہے اور خضر خاں اس کے تدارک طرف ملتفت رہیں ہوتا خضر خاں کو چتور کی حکومت سے معزول کر کے رتن سین کے بھائی کو جو سلطان کی خدمت میں موجود تھا چتور کی سند حکومت دے کر بھیجا چنانچہ اس نے جاتے ہی خضر خاں کو دہلی کی جانب رخصت کیا اور تمام راہچوروں کو قہر و جبر یا محنت سے اپنی جانب مائل کر دیا۔ رتن سین اور اس کی رانی گمنامی کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ یہ اصل واقعہ تھا جس کو قصہ گویوں نے علاء الدین اور پدموت کے عشق و محبت کی ایک عجیب و غریب داستان بنا دیا ہے

اور آج ہمارے ملک کا کچھ بچہ اس فرضی کہانی پر ایمان لائے ہوئے نظر آتا ہے۔ اس کہانی میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ راجپوتوں نے قید خانہ میں پہنچ کر تن سین کی بیڑیاں کا میں اور اس کو وہاں سے لے کر بھاگے لیکن سجان سنگھ بھنڈاری بٹالوی کہتا ہے کہ رانی کی مصروفی سواری حواتی دہلی میں پہنچ کر رک گئی اور وہیں سے سلطان کے پاس پیغام بھیجا گیا۔

۱۰۔ القلعہ لشکر بادولہ ہاٹے منازل و قطع مراحل نمودہ در حواتی دہلی رسیدہ نفل نمودند و سردار ان لشکر بحر جب تلقین آل بانوئے پُر فرست از زبان آل عصمت قباب سلطان را پیغام کردند

پھر آگے چل کر سلطان کے اجازت دینے کا حال ان الفاظ میں درج کرتا ہے کہ
مبے توقف و تماشای و بلا تعلل و تا مل رائے را خلاص دادہ ہمراہ کسان خود را ساخت بجزد آنکہ رائے بہ لشکر خود ملحق گردید جو انان شجاعت نشان بکسان سلطان بچنگ پیش آمدہ اکثر سے را بقتل در آورند

اس کہانی میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان خود اس کے بعد چتور پر حملہ آور ہوا اور قلعہ کو فتح کر کے رانی کو تلاش کرتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا تو رانی چٹا میں بیٹھ کر سستی ہو چکی تھی حالانکہ رتن سین کے دہلی سے بھاگ جانے کے بعد سلطان ملا الدین ہرگز دوبارہ چتور کی طرف نہیں گیا بلکہ رتن سین کے بھانجے کو چتور کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔ دہلی سے فرار ہو کر رتن سین کو قلعہ چتور پر قابض ہونے کا موقع نہیں ملا۔ پھر بھلا قلعہ کے فتح کرنے اور قلعہ کے اندر رانی کے سٹی ہونے کا واقعہ کس طرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے پھر لطف یہ کہ کوئی پرمات کو رتن سین کی بیوی لکھتا ہے اور کوئی بیٹی بتاتا ہے۔ چتور کے متعلق آخری نتیجہ فرشتہ نے ان الفاظ میں لکھا ہے کہ

۱۱۔ پادشاہ بمقتضائے صلاح وقت قلعہ را از خضر خاں گرفتہ بخواہر زادہ رائے گہیزہ پائے کہ در ملازمت پادشاہ بود و لازم اخلاص بظہور می رسانید عنایت فرمود و او در اندک زمانے در آنجا نہایت اقتدار بہم رسانید و جمیع راجپوتان بحکومت اوراضی و با او متفق شدند و تا آخر حیات پادشاہ بر جادہ عبودیت مستقیم بود ہر سال با تحف و ہدایائے آن ولایت ہاستان بوس شہر یا ر کامکار مشرف می گردید و اسب و خلعت خاصہ سرفرازی یافتہ بمقر خود حرات

می نمود و ہر گاہ بجائے نامزدی شد غاشیہ عہدیت بردوش انداختہ با پنج ہزار سوار و دہ ہزار پیادہ دران سفر حاضری گردید و جان سپار بیہمی کرد۔
 ۵۸۷ء میں گنگ نامی مغل سردار نے ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ علی بیگ اور خواجہ ترپال کا انتقام لینے کے لئے حملہ کیا غازی ملک تغلق نے ان کا مقابلہ دریا سے سندھ کے کنارے کیا۔ ساٹھ ہزار مغلوں میں سے صرف چار ہزار بچ کر فرار ہو سکے باقی سب ہار گئے اور ان کا سردار گنگ زندہ گرفتار کر کے دہلی بھیجا گیا۔ جہاں اُس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا یا گیا اس کے بعد اقبال سند نامی مغل سردار نے حملہ کیا اس کو بھی غازی ملک تغلق نے جو دیبا پور میں مغلوں کے حملوں کو روکنے کے لئے متعین تھا شکست دے کر قتل کیا اور بہت سے مغلوں کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا جن کو ہاتھیوں کے پاؤں میں ڈالا گیا۔ ان پیہم شکستوں سے مغل بہت مرعوب ہوئے اور غازی ملک تغلق کی دھماک ان کے دلوں پر بیٹھ گئی اور عرصہ دراز تک اُن کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ملک کافور ۵۸۷ء میں سلطان نے ملک کافور کو ملک نائب کا خطاب دے کر خلعتِ فاخرہ اور سرخ شامیا نہ جو بادشاہ کے سوا دوسرا استعمال نہیں کر سکتا تھا عطا کیا اور تمام اُمراء سے اُس کا مرتبہ بلند کر کے سپہ سالاری اور وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ جلیلہ دے کر ایک لاکھ سواروں کے ساتھ ملک دکن کی جانب روانہ کیا اور ایک نہایت تجربہ کار و ہوشیار امیر سنی خواجہ حاجی کو اُس کے ہمراہ کیا اور بین الملک ملتانِ حاکم مالوہ اور انڈیاں الخاٹب بہ الخاں حاکم گجرات کے نام وارین جاری کئے کہ اپنی اپنی فوج لے کر بطور کسی ملک کافور کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ ملک کافور ایک نا تجربہ کار ہندو زادہ لوجوان غلام تھا۔ وہ ہرگز قابلیت سپہ سالاری نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پادشاہ کو اُس کی عزت افزائی مقصود اور اپنے اقبالِ سلطانی کا امتحان منظور تھا اسی لئے اُس کو سب سے بڑا عہدہ دے کر تجربہ کار اُمراء کو اُس کے ساتھ کیا کہ یہ ہم ملک کافور کے نام سے کامیاب ہو۔

اسی طرح اُس نے ایک مرتبہ اپنی ایک پرستار گل بہشت نام کو سپہ سالار بنا کر جالور کے راجہ کانیر دیو یا کنور دیو کے مقابلہ پر بھیجا تھا دکن کی جانب اس فوج کشی کا سبب یہ تھا کہ دیوگیر کا راجہ رام دیو جو علاقہ ایلچور کی آمدنی اور مقررہ خراج برابر سلطان کی خدمت میں بھیجتا رہتا تھا۔ اُس نے ۵۸۷ء یعنی تین سال سے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا لہذا اُس کی

گو شمالی ضروری تھی کتنی۔ فتح گجرات کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ گجرات کا راجہ کرن اپنی بیوی
 کلا دیوی اور نہ ان کو حملہ آوردں۔ کچھ نچہ میں چھوڑ کر انہیں لی جا نہیں بھاگ گیا تھا۔ وہاں
 رام دیو کی ہرالی سے کسرات دیوگیر کی سرحد پر تمام بجلا نہ میں اس کو اٹھکے ل کئی غمی۔ کلا نہ
 اور اس کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹے سے رئیس کی رعیت سے حکومت کرتا تھا۔ گجرات
 اسلامی حکومت میں شامل تھا اور الف خاں ثانی اس پر سکران تھا بکلامہ اگرچہ ملک
 گجرات ہی کا ایک حصہ تھا مگر سلطانوں نے راجہ کرن کو وہاں سے بے دخل کیے کی اب
 تک ملحق کرستہ نش نہیں کی تھی۔ ملک کا نور اور خواجہ حاجی جب دہلی سے روانہ ہونے
 لگے تو کلا دیوی نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جب گجرات سے آپ کی خدمت
 میں آئی تو اس وقت میری ایک بیٹی راجہ کرن کے نطفہ سے چار سال کی تھی وہ اتفاقاً وہیں
 رہ گئی اور مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ بجلا نہ میں راجہ کرن کے پاس موجود ہے۔ آپ ایسی کوشش
 کریں کہ میری بیٹی جس کا نام ریل دیوی ہے میرے پاس آجائے اور میں اس کو رکھ کر اپنی
 آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ بادشاہ نے فوراً ملک کا فوراً خواجہ حاجی کو تاکہ کر دی اور الف خاں
 حاکم گجرات کو بھی لکھا کہ جس طرح ممکن ہو دیول دیوی کو راجہ کرن سے دہلی
 بھجوادو۔ ملک کا نور۔ خواجہ حاجی۔ بین الملک۔ الف خاں۔ یہ سب نے یہ وعدہ کیا ہے۔ ہرچ ہو کر
 تمام سلطان پور میں تمام کیا۔ راجہ کرن اور رام دیو کو خطوط لکھ کر سلطان احکام سے یہ مطالب
 کیا اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر ان خطوط کا جواب ان اہل اوں کی طرف
 سے حسب نشانہ ملا فوائد خاں نے کوہستان بجلا نہ کی جانب اور ملک کا نور خواجہ
 حاجی نے دیوگیر کی جانب پیش قدمی کی۔ رام دیو کا بیٹا سنگل دیو دیول دیوی کے ساتھ شادی
 کرنا چاہتا تھا مگر راجہ کرن اس رشتے کو اس لئے ناپسند کرتا تھا کہ وہ رام دیو کو قوم کے اعتباراً
 سے گھٹیا جانتا تھا۔ الف خاں نے چلے۔ یہ مجبور ہو کر راجہ کرن نے دیول دیوی کو دیوگیر بھیج دینا
 اور سنگل دیو نے ساتھ شادی کرنا منظور کر لیا۔ چنانچہ سنگل دیو کا بھائی بصیم دیو اس لڑکی کو
 لینے کے لئے راجہ کرن کے پاس پہنچ گیا۔ الف خاں دو مہینے تک راجہ کرن سے لڑنا اور اس کا
 پہاڑوں میں تعاقب کرتا رہا۔ آخر مجبور ہو کر مغارات ایلورا کے متصل پہنچ کر اس نے دو روز
 قیام کیا۔ اس کی فوج کے کچھ سپاہی مغارات ایلورا کی سیر کرتے گئے وہاں اتفاقاً ان کو
 دشمنوں کا ایک دستہ فوج ملا جو دیول دیوی کا دولہ لے کرے دیوگیر کی جانب جا رہا تھا

تالابہ ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو مقتول و مقرر بنا کر ڈولہ پر قبضہ کر لیا اور انھیں خاں کے پاس لے آئے وہ بہت خوش ہوا اور دیول دیویم کو بہ حفاظت، دلہا کی جانب روانہ کیا۔ اٹلا دیوچی، بیٹی کو دیکھ کر خوش ہوئی اور اُس کی شادی خفیہ خاں ولی بہا سلطنت سے ہوئی۔ ملک کانور اور خواجہ حاجی نے دیو گبر کو بیچ کر اپنے راجہ دیو گبر کیا اور پادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ جب راجہ دیو گرفتار ہو کر دیو پھنچا تو سلطان علاء الدین نے اُس کے ساتھ نہایت عزت و مرمت کا ہوتا دیا اُس سے اقرار اطاعت لے کر اور اسے رایاں کا خطاب دے کر چتر، بنید عطا کیا اور دیو گبر کی ریاست پھر اُسی کو واپس دے کر گجرات کے ملک میں سے بھی ایک قطعہ بطور انعام اپنی طرف سے عطا کیا اُس کے تمام عزیز و اقارب اور بہنوں کو بھی رہا کر کے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دیو گبر کی جانب رخصت کیا۔ اس کے بعد جب تک راجہ دیو زندہ، سلطان کا دار و خد مت گذار رہا جس زمانہ میں ملک کافر کو دیو گبر کی جانب روانہ کیا تو اس زمانہ میں قاسم سیوانا کے راجہ ستیل دیو کی شکایت پادشاہ کے گوش گذار ہوئی۔ چنانچہ پادشاہ خود اُس کی طرف روانہ ہوا۔ ستیل دیو نے اپنی تمثال کو کئی ہزار اُڑن کے گلے میں زنجیر ڈال کر پادشاہ کی خدمت میں روانہ کی مگر پادشاہ نے اُس کی نظر اُس وقت تک معاف نہ کی جب تک کہ وہ دنگل میں زنجیر ڈال کر حاضر نہ ہوا۔

سلطنت میں ایک حملہ و زلزل کے راجہ لد دیو پر اس زمانہ میں شاہی سرداروں نے کیا تھا جس کا کوئی نتیجہ کامیابی کی شکل میں ظاہر نہ ہوا۔ یہ حملہ اڑیسہ کے راجہ کی ترغیب سے ہوا تھا جو سلطان علاء الدین کا مطیع و فرماں بردار تھا۔ ورنہ نکل کی اس ناکام مہم کا حال سن کر سلطان نے سخت غصہ میں دوبارہ ملک کافر اور خواجہ حاجی کو روانہ کیا اور ملک کافر کو نصیحت کی کہ خواجہ حاجی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرے، ساتھ ہی حکم دیا کہ اول دیو گبر پہنچو پھر اڑیسہ سے ورنہ نکل پر حملہ کرو یہ بھی حکم دیا کہ تم دیو گبر پہنچ کر اول لد دیو کے پاس پیغام بھیجو کہ سلطانی اطاعت قبول کر کے اپنے اوپر خراج سالانہ تسلیم کرے اگر وہ اطاعت پر آمادہ ہو اور خراج گذاری کا وعدہ کرے تو اُس سے تعرض نہ کرو اور واپس چلے آؤ۔ اگر سرکشی پر آمادہ ہو تو اُس کو نرا د۔ یہ فوج جب دیو گبر کے قریب پہنچی تو راجہ دیو نے اس کا استقبال کیا۔ ملک کافر کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب و مجربا لایا شاہی لشکر کو اپنا مہمان کیا اور علامت خدمت گذاری کے اٹھارہ میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہونے دیا۔ جب راجہ لد دیو کی رعوت

وسرکشی دیکھ کر لشکر اسلام دیوگیر سے ملک تلنگانہ کی طرف روانہ ہوا تو رام دیو کئی منزل تک بطریق مشایعت لشکر کے ہمراہ آیا اور ملک کافور سے اجازت لے کر واپس ہوا۔ تلنگانہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی لشکر اسلام نے قلعوں اور شہروں کو فتح کرنا شروع کیا اور گرد کے کئی راجہ چھوٹے چھوٹے رئیس لدر دیو کے پاس شہر و نکل میں جمع ہو گئے۔ ورنگل کے قریب سب نے شکست کھائی اور لدر دیو معاہدہ رفیقوں کے قلعہ ورنگل میں محصور ہو گیا کئی راجہ اور رئیس گرفتار ہوئے اور بہت سے آدمی لڑائی میں مارے گئے۔ آخر محاصرہ کی شدت اور اپنی کمزوری کے احساس پر لدر دیو نے ملک کافور کی خدمت میں عاجزانہ درخواست بھیجی۔ اور اطاعت و فرماں برداری کا اقرار کر کے تین سو بائیس سات نہار گھوڑے بہت سا سونا چاندی قیمتی تحفے بطور نذرانہ پیش کئے اور ایک معقول زر خراج اپنے اوپر تسلیم کر کے بلا عذر و حیلہ سال بسال بھیجتے رہنے کا وعدہ کیا ملک کافور یہ تمام سامان لے کر دیوگی کی طرف واپس ہوا اور تمام مال غنیمت پادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح ملک دکن کا ایک بڑا حصہ سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔ مگر کنارہ، میسور، ملیبار، وغیرہ یعنی دکن کا انتہائی جنوبی حصہ باقی رہ گیا تھا۔ سلطان علاء الدین نے مناسب سمجھا کہ اس حصے کو بھی فتح کر کے آئندہ خطرات کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے اور ہندوؤں کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر مغلوں کے مقبوضہ علاقوں پر شمال کی جانب فوجیں بھیجنے کی سہولت، بہم پہنچائی جائے۔ چنانچہ اُس نے شہنشاہ میں تیسری مرتبہ پھر ملک کافور اور خواجہ حاجی کو دکن کی جانب فوج دے کر روانہ کیا۔ اس مرتبہ بھی لشکر شاہی دیوگیر ہوتا ہوا دکن کی جانب گیا۔ اب دیوگیر کے راجہ رام دیو کا انتقال ہو چکا تھا اُس کی جگہ اُس کے بیٹے کو سند حکومت دے دی گئی تھی۔ اس لشکر نے اول کنارہ کا علاقہ فتح کیا پھر کرناٹک اور ملیبار وغیرہ کو وہاں کے راجہ بلال دیو سے فتح کر کے اس کماڑی تک پہنچا۔ انتہائی جنوبی راس پر جس کو سیٹ بندہ میسور کہتے تھے ایک چھوٹی سی پختہ مسجد گچ و سنگ سے بنوائی جو تاریخ فرشتہ کی تصنیف کے زمانہ تک موجود تھی فرشتہ لکھتا ہے کہ

”مسجد سے مختصر از گچ و سنگ مرتب ساختہ بانگ اذان محمدی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم در آنجا گفت خطبہ پادشاہ علاء الدین خواندند و تا ایں زمان کہ خامہ

عنبریں شامہ در تحویر این وقایع است آن مسجد در لواجی سیٹ بندہ را بیشود

موجود است و مسجد علانی مشہور است

راس کماری سے لشکر اسلام ساحل کارو سنٹل کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرف کے بھی تمام راجاؤں سے خراج وصول کرتا اور اقرار اطاعت لیتا ہوا۔ اسلئے میں دہلی پہنچا۔ اس طرح کوہ ہمالہ سے راس کماری تک اور خلیج کنبدیت سے خلیج بنگالہ تک تمام براعظم ہند اسلامی شہنشاہی میں شامل ہو گیا۔ اسلئے میں جب شاہی لشکر دیوگیر ہوتا ہوا ملک کنارہ میں داخل ہوا انھما تورام دیو کے بیٹے سے جو چند ہی روز پیشتر اپنے باپ کا قائم مقام ہوا تھا کچھ خود سری کے آنا محسوس ہوتے تھے۔ اسلئے کے ابتداء میں اس کی نسبت شکایات پہنچیں اور ساتھ ہی تلنگانہ کے راجہ لدر دیو کی عرضی آئی کہ میں نے نائب ملک (ملک کافور) کے ذریعے خراج گزاری اور فرماں برداری کا اقرار نامہ لکھ کر پادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ میرے پاس تین سال کا خراج جمع ہو گیا ہے یا تو سلطان مجھ کو اجازت دیں کہ میں وہ خراج دیوگیر بھیج دوں تاکہ وہاں کے سالانہ خراج کے ہمراہ شاہی خزانہ میں پہنچ جائے یا سلطان کسی سردار کو یہاں بھیج کر ہراہ راست زرخراج منگوالیں۔ اس عرضی اور دیوگیر کے راجہ کی بے راہ روی کی خبر کے پہنچنے پر سلطان علاء الدین نے سوچا کہ دکن کے علاقوں کی نگرانی اور دکن میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ایک ویسے نائب السلطنت کا دکن میں موجود رہنا از بس ضروری ہے چنانچہ اس نے جو تھی مرتبہ اسلئے میں ملک کافور کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ تم مقام ایچیور میں جو براہ راست شاہی مقبوضہ اور اب تک ریاست دیوگیر کے زیر اہتمام رہا ہے پہنچ کر قیام کرو۔ لدر دیو اور دکن کے راجاؤں سے خراج وصول کر کے بھیجنا اور وہاں کے انتظام کو درست رکھنا تمھارا کام ہوگا اور اگر رام دیو کا بیٹا راہ راست سے منحرف ہو گیا ہو تو اس کو قتل یا گرفتار کر کے تم دیوگیر کو اپنی قیام گاہ بناؤ اور اس علاقہ میں اپنی طرف سے اُمرار اور صوبہ دار مقرر کرو۔ ملک کافور نے رام دیو کے بیٹے کو جو واقعی منحرف ہو چکا تھا جلاتے ہی قتل کیا اور تمام علاقہ مرہٹ میں گلبرگہ۔ مدکل اور رانچور تک اپنے اہل کار و اُمرار مقرر کر دیئے۔ راجاؤں سے خراج وصول کر کے دہلی بھیجا اور ملک دکن میں ہر جگہ شاہی تعینات قائم کر دیئے اور اس کے بعد کسی راجہ کی یہ ہمت نہ رہی کہ مسلمانوں کی اطاعت و فرماں برداری کے سوا سرکشی و خود مختاری کا خیال تک دل میں لاسکے۔ اس طرح اسلئے میں اسلامی سلطنت کا غلبہ تکمیل کو پہنچ کسی ہندو طاقت کا کوئی خطرہ مسلمانوں کے لئے باقی نہ رہا۔ اگرچہ دکن کا تمام ملک بخشی فوج خواجہ حاجی کی اعلیٰ قابلیت سے فتح ہوا۔ مگر سلطان علاء الدین کا تکلف

رہیجئے کہ اس نے مرہٹ، وگرنڈوانہ سے راس کمار ہی تک کا تمام ملک ملک کافور کی سرداری میں فتح کرایا اور آخر میں اسی کو ملک دکن کا ولیرائے بنایا۔

دکن کی فتوحات اور مال، دولت کی فراوانی نیز ہندو راہوں کے دہلی میں بار بار آئے اور خلعت، خطاب و انعام و اکرام پا کر واپس جانے کا یہ اثر ہوا کہ دہلی میں ہندو ساہوکاروں کے موصلے بڑھ گئے جن میں شاکت مت کے پیرو اور بام مارگی بھی شامل تھے ان لوگوں نے اپنے شرم انگیز اعمال، افعال کا ارتکاب بغور مراسم مذہبی شروع کیا اور اتفاقاً اس کی اطلاع سلطان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ ان لوگوں کو اس زمانہ میں لا مذہب، بدھ اور اباحتی کے نام سے پکارا گیا۔ سلطان نے ان لوگوں کو گرفتار کر لئے اور عبرت انگیز سزائیں دینے کا حکم دیا۔ اس داروگیر کا اثر یہ ہوا کہ اس بد اعمال و بد اعمال گروہ کا نام و نشان دہلی سے مٹ گیا۔ سلطان کے اسی ایک کام کو اگر کوئی شخص چاہے تو مذہبی مداخلت قرار دے لے ورنہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ سلطان علاء الدین یا کسی دوسرے مسلمان سلطان نے کبھی کسی ہندو کو اس کے دین و مذہب سے پھیرنے یا زبردستی مسلمان بنانے کی کوئی کوشش کی ہو اگر ایسا ہوتا تو آج ایک بھی ہندو اس ملک میں نظر نہ آتا۔ سلطان علاء الدین کی اس مداخلت مذہبی کا حال ضیاء برہنی نے اپنی تاریخ میں اس طرح لکھا ہے۔

”وہم در پشتر سنوات مذکور در شہر اباحتیان و بدھکان پیدا آمدند سلطان علاء الدین فرمود تا بہ تتبع و تفحص، بلغ ہر ہمہ را بدست آوردند و بہ بدترین سیاست بکشتند“

ضیاء برہنی ان لوگوں کے افعال ناستودہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا لیکن فرشتہ ان کے اعمال کا ہمیشہ کی طرف بھی اشارہ کرتا اور کہتا ہے کہ

”بسیع سلطان رسید کہ جمیع از مردم اباحتیان در دہلی جمع گشتہ اند و در سائے یک شب چنانکہ و ابایشان است مجھے ساختہ باذن و خواہر و اور و صحیح محرم فراہم می آیند سلطان ارہ سیاست بر فرق ایشان کشیدہ اثرے ازان عجت مذکراشت“

سلطان نے جب ملک کافور کو چوتھی مرتبہ دیوگیر کی جانب رخصت کیا ہے تو وہ بیمار تھا اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے بہت ناراض تھا کیونکہ وہ اس

مرض الموت

بیماری میں سلطان کی تیمارداری کی کچھ زیادہ پروا نہ کرتے تھے اور ہر ملک کا فرسے اس اثر و اتمہ کو کبھی سبب نالیند کرتے تھے مگر سلطان کی وجہ سے دم بڑھ گئے۔ ملک کا فوراً ایک ناصر غلام بھجھ کر تمام سرداروں پر نظر حقارت دیکھتے اور کسی تاریم، انتفات کا تخیل نہ سمجھتے تھے سلطان کو اس بات کی غم نہ تھی کہ میں چونکہ اس کے حال پر مہربان ہوں لہذا سب کو اس کی عزت کرنی چاہیے۔ اسی لئے اُس نے تمام اُسار سے اُس کا مرتبہ بلند کیا اور اُسی کے ہاتھ پر دکن کا تمام ملک فتح کرایا۔ صرف خواجہ حاجی بخشیش یفوج ہی ایک ایسا بے نفس اور نیک دل سردار تھا جو اس معاملہ میں پادشاہ کی منشا کی تعمیل دل سے کرتا تھا اسی لئے پادشاہ نے ہر مرتبہ ملک کا فور کے ساتھ اسی جہاں دیدہ اور سردو گرم چشہ بدہ افسر کو بھیجا جس نے سلطان کی منشا کے موافق اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔ انے خاں ثانی جو گجرات کا حاکم تھا ملک کا فور سے جے منفر تھا۔ اسی طرح ولی عہد سلطنت، خضر خاں اور پادشاہ کے دوسرے بیٹے بھی ملک کا فور کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے پادشاہ چونکہ جاہل اور خوشامد سے جلد متاثر ہونے والی طبیعت رکھتا تھا لہذا ملک کا فور پادشاہ کی خوب خوشامد کرتا اور اپنی وفا داری و ملاکاری کا یقین سلطان کو دلاتا رہتا تھا۔ اس لئے سلطان گویا بالکل ملک کا فور کے ہاتھ میں آگیا تھا اس چالاک غلام نے سلطان کے دل پر اپنا مکہ جھرا کر اس کو دوسرے سرداروں اور بیٹوں کی طرف سے بدگمان کر دیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے بیٹے تھے بھی نالائق ہی سلطان کے مرض میں طوالت ہوئی اور بیوی بیٹوں نے اس حالت میں سلطان کی تیمارداری اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی لہذا سلطان پہلے سے بھی زیادہ کاٹو کی طرف ملتفت اور بیٹوں کی طرف سے منفر ہوتا گیا۔ آخر اس لئے میں سلطان نے ملک کا فور کو دیو گہر سے اور انے خاں کو گجرات سے طلب کیا۔ انے خاں کو دہلی کی جانب روانہ ہوئے ہیں دیر ہوئی اور ملک کا فور پہلے پہنچ گیا، ملک کا فور نے اس مرتبہ پادشاہ کو بیمار اور بہت ضعیف پایا اُس نے رات دن پادشاہ کی خدمت میں رہ کر اس کا دل اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور خضر خاں و شادی خاں دونوں بڑے شہزادوں کی طرف سے پادشاہ کو بدگمان کرنا شروع کیا ساتھ ہی انے خاں کی شکایت و سعایت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ پادشاہ نے انے خاں کو قتل اور خضر خاں و شادی خاں دونوں شہزادوں کو گواہی کے قلعہ میں قید کر دینے کا حکم دیا ملک کا فور نے دونوں شہزادوں کو گواہی کے قلعہ میں بھیج کر قید کر دیا اور

اپنے آدمی بھیج کر انے خاں کو جو دہلی کی جانب آ رہا تھا راہ میں قتل کرادیا۔ ایخ خاں کے بعد اس کے بھائی کو بھی قتل کرادیا۔

وفات ۶۱۰ شوال ۸۷۰ھ کے وقت سلطان علاء الدین نے وفات پائی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ لکھنؤ کا فور (ملک ناتھ) نے بادشاہ کو زہر دے کر مار ڈالا ملک کافور نے پہلے ہی یہ انتظام کر لیا تھا کہ ایک دستاویز لکھ کر سلطان کی قبر اس پر لگوائی تھی یہ دستاویز سلطان کی طرف سے جمع امرائے نام تھی جس میں لکھا تھا کہ میں نے خضر خاں کو دلی عہدی سے معزول کر دیا ہے میرے بعد میرا سب سے چھوٹا بیٹا شہاب الدین تخت نشین کیا جائے۔ شہاب الدین کی عمر اس وقت پانچ چھ سال کی تھی ملک کافور کو پہلے ہی وزارت عظمیٰ کا عہدہ حاصل تھا۔ اُس نے ۱۰ سالہ کو دہلی کے موجودہ سرداروں کو دوبار شاہی میں بلوا کر سلطان کا مذکورہ وصیت نامہ سنایا اور اس چھبٹے بچے کو تخت پر بٹھا کر سب سے اُس کی بیعت کرائی اور کاروبار سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا۔ سلطان علاء الدین کی سلطنت کے تمام حالات مختصر طور پر بیان ہو چکے ہیں پڑھنے والے خود نتائج اخذ کریں اس جگہ کسی ریویو یا تنقید و تبصرہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

شہاب الدین ابن علاء الدین خلجی
و ملک کافور

ملک کافور روزانہ تھوڑی دیر کے لئے شہاب الدین کو تخت پر لا کر بٹھاتا اور پھر اُس کی ماں کے پاس محل کے اندر بھیجوا دیتا جو احکام و فرامین جاری کرتا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ سلطان علاء الدین کے بعد ملک کافور ہی براعظم ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا۔ اس نے گوالیار میں اپنے مقبضوں کو بھیج کر خضر خاں و شادی خاں دونوں شہزادوں کی آنکھیں نکلوائیں خواجہ سراؤں اور ہندوؤں کو اپنا مصاحب و مشیر بنایا۔ ان ہی لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دے کر ایسی تدبیریں سوچنے لگا کہ علاء الدین خلجی کے خاندان کی بیخ کنی کرے کے بعد خود تاج شاہی سر پہ رکھے۔ خاندان علانی میں صرف ایک شہزادہ مبارک خاں ایسا باقی رہ گیا تھا جس کی عمر تیرہ اٹھارہ سال کی تھی اور اُس کی طرف سے اندیشہ ہو سکتا تھا چنانچہ اُس کو بھی ملک کافور نے قید کر دیا تھا اب اُس نے ایک روز قصر ہزارستون کے محافل میں سے دو شخصوں کو مامور کیا کہ شہزادہ مبارک خاں کو قید خانہ میں جا کر قتل کر دیں یا اُس کی آنکھیں نکال لائیں ان دونوں شخصوں کو شہزادہ پر رحم آگیا انھوں نے دوسرے سپاہیوں کو بھی

اپنے مشورہ میں شریک کر کے اگلے روز جب کہ ملک کا فوراً اپنے رازدار خواجہ سراؤں کے ساتھ چوسر کھیلنے میں مصروف تھا اُس پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا۔ اس طرح سلطان علاء الدین کی وفات سے ۳۵ روز کے بعد ملک کا فوراً کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ قید خانہ سے شہزادہ مبارک خاں کو نکال کر ملک کا فوراً کی جگہ شہاب الدین کا وزیر بنایا گیا۔ مبارک خاں نے دو مہینے تک اپنے چھوٹے شش سالہ بھائی شہاب الدین کی وزارت و نیابت کا کام انجام دیا۔ آخر امر کے مشورہ سے اُس نے خود تختِ سلطنت پر بیٹھ کر تاج شاہی اپنے سر پر رکھا اور شہاب الدین بے گناہ کو بھی اندھا کر کے اپنے دونوں بڑے بھائیوں نصر خاں و شادوی خاں کے پاس قلعہ گوالیار میں بھیج دیا۔ اس طرح یہ تینوں نابینا شہزادے گوالیار کے قلعہ میں جمع ہو گئے۔ مبارک خاں نے تاج شاہی اپنے سر پر رکھ کر اپنا لقب سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی رکھا۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی | قطب الدین مبارک شاہ جب تخت نشین ہوا ہے تو سلطان علاء الدین کے دو

تین اور بھی نہایت خرد سال چھوٹے چھوٹے بچے فرید خاں و منگو خاں و عمر خاں موجود تھے اُن کو اُس نے نہایت محبت اور غور و پروا سے ساتھ رکھا۔ لوگوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ اٹھارہ ہزار قیدیوں کو جو دہلی اور دہلی کے قریب و حوا میں قید تھے رہا کر دیا۔ اور ایک حکم عام تمام ملک میں جاری کیا کہ ہماری تخت نشینی کی خوشی میں تمام قیدی آزاد کر دیئے جائیں۔ سلطان علاء الدین کی وفات کے بعد تین مہینے سے کچھ زیادہ دنوں تک جو بد انتظامی کا روبرو سلطنت میں واقع ہوئی تھی اُس کا صرف یہ اثر ظاہر ہوا کہ گجرات کی فوج نے جوالنگ خاں کے قتل کی وجہ سے ناراض تھی۔ بغاوت اختیار کی یہ بغاوت جلد فرو ہو گئی نیز دیو گھر و علا قہ مرہٹ میں رام دیو کے داماد ہریال دیو نے علم بغاوت بلند کیا۔ باقی تمام انتظام ملک کا بدستور قائم رہا۔ قطب الدین مبارک شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی بغاوتوں کے تمام امکانات جاتے رہے۔ عین الملک ملتانی کو گجرات بھیجا گیا اُس نے وہاں کی بغاوت کو فرو کیا اس کے بعد ظفر خاں کو جس کی بیٹی سے سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے شادی کی تھی گجرات کا حاکم بنا کر بھیجا۔ ظفر خاں نے گجرات کا بہت اچھا انتظام کیا اور سرکشوں کا چُن چُن کر استیصال کیا۔

خسرو خاں اور حسام الدین | گجرات کا ایک ہندو بچہ جس کو سلطان علاء الدین کے ایک سردار ملک شادی خاں نے پرورش کر کے اُس کا نام حسن رکھا تھا۔ سلطان نے اُس کو خسرو خاں کا خطاب دیا۔ اس خسرو خاں کی نسبت عام طور پر مورخین نے لکھا ہے کہ ہمدانیہ سرداری قوم سے تعلق رکھتا، یعنی ملک کافور کا ہم قوم تھا۔ راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند اپنی تاریخ میں خسرو خاں کی نسبت لکھتے ہیں کہ "اصل نام اس ہندو بچہ کا کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔"

سبحان رائے بھٹنڈاری بٹالوی اپنی تاریخ میں خسرو خاں کو "خدمت گار بچہ" لکھتا ہے خسرو خاں کا ایک اور بھائی بھی تھا جو خسرو خاں کی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا مگر اُس کا باپ دوسرا تھا۔ اُس کا نام حسام الدین تھا یاوشاہ نے خسرو خاں اور حسام الدین دونوں ہندو بچوں پر خصوصی عنایت مبذول فرمائی۔ عہدِ علائی کے اکثر آئین مسوخ کر دیئے مگر شراب خواری کے متعلق اتنا ہی حکم بدستور جاری رکھا۔ ملک دکن یعنی علاقہ مرہٹ میں ہر پال دیو نے خوب طاقت حاصل کر لی تھی۔ تخت نشینی کے دوسرے سال قطب الدین مبارک شاہ خلجی فوج لے کر دہلی سے دیوگیر کی جانب روانہ ہوا۔ اور دہلی میں ملک شاہین نام ایک غلام کو وفار الملک کا خطاب دے کر اپنا قائم مقام بنا گیا۔ دیوگیر پہنچ کر شاہی افواج نے ہر پال اور اُس کے معاونین کو شکست دے کر گرفتار کیا۔ قلعہ دیوگیر کے دروازہ کے سامنے ان باغیوں کو قتل کیا گیا۔ سلطان نے دیوگیر میں خسرو خاں کو وزارت کا عہدہ دے کر دکن کا انتظام سپرد کیا۔ ملک دکن میں جا بجا تھانے بٹھائے دیوگیر میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ خسرو خاں کو چتر دودر باش عطا کر کے ملک کافور کی تمام املاک کا مالک قرار دیا اور ملک دکن کے تمام ماتحت راجاؤں کی نگرانی اور اُن سے خراج وصول کرنے کا اہتمام اُس کے سپرد ہوا ظفر خاں کو بلا جرم محض خسرو خاں اور اُس کے ہم قوموں کی شکایت پر قتل کرنا کر گجرات کی حکومت خسرو خاں کے بھائی حسام الدین کو سپرد کی۔ اس طرح گجرات و دکن پر ان دونوں ہندو زادوں کو متصرف و مقرر ماں روا بنا کر خود دیوگیر سے دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ اس جدید انتظام اور سفلہ پستی سے اُمرا میں بڑی بددلی پیدا ہوئی۔ دیوگیر اور آجین کے درمیان بعض اُمرائے یہ سازش کی کہ سلطان قطب الدین کو قتل کر کے سلطان علاء الدین کے چچا زاد بھائی ملک اسد الدین کو پادشاہ بنا نا چاہیے۔ اس سازش کا حال سلطان کو معلوم ہوا تو اُس

نے مقام ساگون گٹھی میں ملک اسد الدین اور بعض دوسرے اُمرا کو قتل کرا دیا۔ اُجین پہنچ کر ایک سردار کو گوالیار روانہ کیا کہ خضر خاں و شادی خاں و شہاب الدین کو جو اس سے پہلے اندھے ہو کر قید میں پڑے تھے قتل کر دے، چنانچہ ان تینوں شہزادوں کو گوالیار میں قتل کیا گیا۔ خضر خاں کی بیوی دیول دیوی کو دہلی بلوا کر قطب الدین مبارک شاہ نے اپنی بیوی بنا لیا۔ دہلی پہنچ کر بھی بعض اُمرا کو جن پر بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا قتل کرایا۔ چنانچہ وقار الملک شاہین بھی قتل ہوا۔ اب تمام براعظم ہند سلطان قطب الدین، مبارک شاہ کے زیرِ نگیں تھا۔ گجرات میں حسام الدین نے اپنی قوم کے ہندوؤں کو اپنے گرد فراہم کر کے بڑے بڑے عہدے عطا کئے اور اس خیال خام میں مبتلا ہوا کہ خوب مضبوط ہو کر خود مختاری و بغاوت کا اعلان کرے اور خسرو خاں نے دکن میں گونڈوانہ کے راجہ سے بغیر اس کے کہ اس سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہو ایک سو ایک ہاتھی چھین لیے۔ پھر مسور کے راجہ سے بیس ہاتھی اور بہت سا خزانہ زبردستی حاصل کیا اور ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کر کے یہ تجویزیں اور مشورے کرنے لگا کہ ملک دکن میں خود مختار ہو کر مستقل سلطنت قائم کرے۔ ضیا، برنی سلطان قطب الدین مبارک شاہ غلطی کی بدانتظامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

”ترک دادن ضوابط علانی در مسلمانان فسق و فجور است و در ہندوان قہر دی و

سرکشی روئے نمود۔“

ملک کافہ کے ہمدرد ہوا خواہ جس قدر موجود تھے وہ سب کے سب خسرو خاں کے پاس اکڑ جمع ہو گئے۔ ضیا، برنی خسرو خاں کی نسبت کہتا ہے کہ

”شہا مجلس خلوت می ساخت و بہ ابنائے ہندوئے خود با چند بلخا کی از ایران

ملک نائب کہ مجرم خود گردانیدہ بود اندیشہ بلخا کی (بغاوت) می کرد۔“

اور گجرات و دکن میں حسام الدین و خسرو خاں ہندوؤں کی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کی تجویزیں کر رہے تھے اور دہلی میں سلطان نے نماز اور روزہ دلوں کو ترک کر دیا تھا اور لہو و لعب میں مصروف ہو کر سلطنت کے کاموں سے بے پرواہ ہو گیا تھا حسام الدین نے گجرات سے ایک مسخرہ کو سلطان کی خدمت میں بھیج دیا کہ وہ اس نوجوان سلطان کو لہو و لعب کی طرف متوجہ رکھے۔ ضیا، برنی دربار سلطانی میں اس مسخرہ کے مستولی ہونے کی نسبت کہتا ہے کہ

”تو بہ نام گجراتی مسخرہ را در مجلس خود استیلا داد و آں بھنڈ کم اصل ملوک را ناہن

وامامی گفت :-

صام الدین کی نسبت کہتا ہے کہ

”اے ولدالانامرتد گشت و درگجرات غوثی شاندد و اقر بائے خود را جمع کرد و جملہ برادران نام گرفتہ گجرات ، اہر تو گرو آدر و دینی ورزید و قتلہ انگشت :-

چونکہ گجرات میں طاقت و امرائے سلطانی موجود تھے انھوں نے جب دیکھا کہ حسام الدین نے بغاوت و سرکشی کی پوری تیاری کر لی ہے تو وہ آپس میں متفق ہو کر اس بغاوت کے فرو کرنے پر مستعد ہو گئے اور حسام الدین کو ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقعہ دیئے بغیر گرفتار کر کے سلطان کے پاس دہلی بھیج دینے میں کامیاب ہو گئے ان امرائے کو توقع تھی کہ سلطان ہمارے اس حسن عمل سے خوش ہوگا لیکن سلطان بجائے خوش ہونے کے ناراض ہوا ان امرائے کا مرتبہ گٹھا دیا اور حسام الدین کو عزت کے ساتھ اپنی مصاحبت میں داخل کر کے گجرات کی حکومت پر وجید الدین قریشی کو روانہ کیا۔ اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ گجرات میں ہندوؤں کی بغاوت کا خطرہ جاتا رہا مگر مسلمان امرائے بدولی ترقی کرتی رہی۔

خسرو خاں کی خفیہ غداریاں | خسرو خاں نے دکن میں اپنی خود مختاری کا منصوبہ مستحکم کر کے بند گاہوں کے مسلمان سودا گروں کے اموال

پھیننے اور ان کو قتل کرنے میں کوئی باک نہیں کیا اور اس بات کے درپے ہوا کہ شاہی سرداروں کو جو اس کے ہمراہ تھے قتل کر کے علم استقلال بلند کرے۔ ان حالات کا علم چندیری کے عامل ملک تیمور اور ملک گل افغان اور ملک تلہنہ حاکم گوا کو جو بطور لکھی مامور تھے معلوم ہوا انھوں نے خسرو خاں کو لکھا کہ ہم کو تمھاری نیت درست نہیں معلوم ہوتی اور ہمارے پاس یہی شہادتیں موجود ہیں جن کی تردید نہیں کی جاسکتی لہذا مناسب یہ ہے کہ تم معبر و ملیبار کی جانب سے فوراً دیو گیر پہنچو اور تمام ہاتھی اور خزانہ جو تمھارے پاس جمع ہے دہلی کی جانب روانہ کرو۔۔۔ خسرو خاں نے اس میں نیت و عمل کیا مگر ان ہر سرہ امرائے نہایت مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ خسرو خاں کو مجبور کیا کہ وہ ہاتھ پاؤں نکالنے سے پیشتر دیو گیر میں واپس آئے اور بادشاہ کو اطلاع دی کہ ہم نے خسرو خاں کے فاسد ارادوں سے مطلع ہو کر اس کو دیو گیر میں مجبور کر کے بٹھا دیا ہے۔ شاہی فرمان پہنچا کہ اس کو جس قدر جلد ممکن ہو بحفاظت ہمارے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ پالکی میں سوار کر کے دیو گیر سے دہلی تک صرف آٹھ دن کے عرصہ میں خسرو خاں کو

پہنچا دیا گیا خسرو خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نمک حلال سرداری کی شکایتیں
کیں اور کہا کہ انھوں نے جس شخص سے عداوت رکھ کر اس کی راہ سے مجھ کو بغاوت کے جرم میں تہم کیا
ہے۔ ملک تیمور و ایک تلیخہ جسے ہمدیش دہلی پہنچے اور تمام واقعات بادشاہ کو سنائے۔
اُن کو اُمید تھی کہ بادشاہ اس شخص کی خدمت سے عفو کر دے گا کہ ہم نے فقہ کو سزا دینے سے پہلے
یہ دبا دیا ہے ہمارا مرتبہ بڑھانے کا مگر بادشاہ نے خسرو خاں کی پُر فریب باتوں کو صحیح سمجھ
کر ان امیروں کو بھرم وار دیا۔ ملک تیمور کو چند بیڑی کی حکومت سے معزول کر کے چند بیڑی
کا علاقہ خسرو خاں کی جاگیر میں شامل کر دیا اور ملک تلیخہ کو بندہ گوا کی حکومت سے برطرف
کر کے قید خانہ میں ڈال دیا دوسرے سرداروں کو بھی جھڑپوں نے خسرو خاں کے خلاف گواہیاں
دی تھیں سزائیں دی گئیں۔ اس طرز عمل کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد کسی کو بھی خسرو خاں یا اُس
کے بھائی کے خلاف کوئی لفظ زبان تک لانے کی جرأت نہ رہی خسرو خاں کی جگہ دکن میں
دوسرے سردار مامور کر دیئے گئے اور خسرو خاں بادشاہ کی خدمت میں رہ کر دربارِ اعظم اور دار
المہام سلطنت کی حیثیت سے کاروبار سلطنت انجام دینے لگا۔ تمام سرداران سلطنت مجبوراً
خسرو خاں کی رضا جوئی کو اپنی حفاظت کے لئے ضروری سمجھنے لگے۔ اب خسرو خاں کو احساس ہوا
کہ دکن یا گجرات سے بڑھ کر مجھ کو دہلی میں سلطنت اسلامیہ کے برباد کر دینے کا موقع میسر آ
سکتا ہے۔ چنانچہ اُس نے سلطان کو بالکل اپنے ہاتھ میں لینے کی بیش از بیش کوششیں کیا
ملک کا فود کے مشیر و خواہاں ہندو سب اُس کے متوسلین میں شامل ہو گئے تھے ملک کا فود
اسی کی قوم اور اُسی کے وطن کا آدمی تھا۔ ملک کا فود کی ناکامی و بربادی کی تمام کنیت وہ یکے
پہلے تھا۔ روزانہ ملک کا فود کے مکان میں جو آج کل خسرو خاں کا مکان تھا ہندو رات کے
وقت جمع ہوتے اور مشورے کرتے تھے۔ خسرو خاں نے بڑی احتیاط اور نہایت چالاکی کے
ساتھ تمام ان لوگوں کو جو اُس کے حصول مقصد میں سدِ بیاہ نظر آتے تھے ایک ایک کر کے
دہلی سے جہا کر دیا کسی کو قید کسی کو قتل کرایا کسی کو دور دراز کے صوبوں میں بھیج دیا۔ پُرانے
زمانے کے اُن امیروں کو جن کو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان قطب الدین مبارک شاہ غلی نے
عناوت تھا دہلی میں بلا کر عہدے سپرد کئے گئے۔ جن لوگوں پر سلطان قطب الدین نے ظلم کئے تھے
اُن پر احسان و انعام کی باتیں کر کے اپنا ہمداد اور بعض کو راز دار بھی بنا لیا۔
اس خفیہ انتظام کے بعد خسرو خاں نے ایک روز بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ پر

حصہ کی انتہا سے زیادہ مہربانیاں مبذول ہیں اور حضور کی لفظ القہات کا نتیجہ ہے کہ میں ایک اور وجہ سے ترقی کر کے وزارت عظمیٰ اور سلطنت کی دارالہبامی کے بلند ترین مرتبہ تک فائز ہو گیا ہوں تاہم قدیمی اُمراء مجھ کو خاغر نہیں تھے لہذا کیونکہ جس طرح اس عہد کی اسرار سے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں اور ہم قوموں کی جہتیں مشہور ہو رہی تھیں وہ ہم قوموں اور رشتہ داروں کی کوئی جمعیت نہیں ہے۔ اگر بادشاہ اجازت بہت فرمائیں تو میں بھی اپنے رشتہ داروں کو شاہی انعام و اکرام اور منصب و جاگیر کی توقع دلا کر اپنے وطن سے بلواؤں اور اس طرح میرا اثر و افتدار بھی میرے عہد کے موافق مشہور میں قائم ہو جائے اور بادشاہ جب مجھ کو کسی مہم پر مامور کرے تو میں اپنے ہم قوم لشکر کی مدد سے پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ اس مہم کو سر انجام دے سکوں، بادشاہ نے خسرو خاں کی اس درخواست کو بلا تا مل بخوشی منظور کر لیا اور اس نے اپنے چچا رندھول اور چاہر دیو وغیرہ کو گجرات بھیج کر ہیں نہرا گجراتیوں کو دہلی بلوا کر اپنی خاں فوج میں بھرتی کیا اور اسی قدر لواحق دہلی کے ہندوؤں کو اپنی جمعیت میں شامل کر کے چالیس ہزار کاکشک نہایت خوشی کے ساتھ مرتب کر لیا۔ اس واقعہ کو انیسار برنی ان الفاظ میں روایت کرتا ہے کہ:-

’و پیش آزا نکہ خسرو خاں عذر بہ کند پیش سلطان گذرانیدہ بود کہ من از دوات خداوند عالم بزرگ شدہ ام و در مہات دور دست نامزد می شوم و ملوک و اُمراء خویش و قرابت و خصل خانہ و ارنند من ندارم اگر مرا از پیش فرماں شود نیاتے خود را در زمین گجرات ہرستم تا چند قرابت نزدیک مرا بہ امید مرحمت پادشاہ خویش گیرد و بیاورد سلطان مست و غافل آں ولع الزنا و اجازت دادہ او بدین بہاد ہروران نام گرفتہ گجراتیان را بر خود آورد و بہاد آئکہ قراتیان من اندیشا نہا ہر می کشید و ایشان را زرد اسپ و جامہ می داد و با قوت و شوکت می گردانیدہ‘

فرشتہ لکھتا ہے کہ

’سلطان التماس اور امبذول داشتہ رخصت طلب از رانی داشت خسرو خاں ہیں بہانہ اکثر ہندو ہائے گجرات را کہ اوقات گذران داشتند بہرگونہ تسلی نمودہ قریب ہیئت نہرا گجراتی نزد خود جمع ساختہ ہرچہ داشت صرف ایشان کردہ با اسپ و دیراق ایشان را آراستہ ساخت و قوت و حکمت تمام پیدا کردہ از گجراتیان

دیگر چہل نہار سوارا عوان والنصار نردا و مجتمع گشت :

دہلی میں خود مختار اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کے بعد یہ پہلا ہی موقع تھا کہ بڑے عظیم ہندوستان کے شہنشاہ کی اجازت سے چالیس نہار سواروں کی ہندو فوج جمع ہوئی ملک بہار الدین دہلی سے پادشاہ ناراض تھا اور اس کو قتل کرنا چاہتا تھا خسرو خاں نے اس کی سفارش کر کے اس کو قتل ہونے سے بچا لیا اور اس احسان کے بعد اس پر اور بھی احسانات کر کے اپنا ہوا خواہ بنایا اسی طرح کئی مسلمان نالائقوں کو اپنے ظل حمایت میں لے کر سلطان کے خلاف سازشوں میں شریک کار بنایا۔

دہلی کے با اثر امراء میں صرف ایک قاضی ضیاء الدین قاضی ضیاء الدین کا مخلصانہ مشورہ ایسا شخص تھا جو سلطان سے آزادانہ گفتگو کر سکتا

اور سلطان کا سچا بہادر تھا۔ قاضی ضیاء الدین پادشاہ کا استاد اور قاضی خاں کے نام سے مشہور تھا۔ کو شک سلطانی یعنی قصر نہارستون کے دروازوں کی حفاظت بھی اُسی کے سپرد تھی۔ دہلی کے مسلمان ہندوؤں کے اس اقتدار اور ان کی قوت و شوکت اور فساد ارادوں سے واقف تھے مگر کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ سلطان کی خدمت میں خسرو خاں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک لاتے۔ ان ہی ایام میں سلطان بغرض شکار دہلی سے سرسار کی طرف گیا وہاں خسرو خاں اور دوسرے ہندوؤں نے ارادہ کیا کہ سلطان کو شکار کھیلے ہوئے جنگل میں قتل کر دیا جائے مگر خسرو خاں کے بعض بہادروں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ کام ہم کو قصر سلطانی میں انجام دینا چاہیے تاکہ دہلی پر قبضہ رہے۔ اگر یہاں قتل کیا گیا تو ممکن ہے کہ دہلی پر قبضہ کرنا دشوار ہو اور مسلمان سرور ہمارے تحت سلطانی تک پہنچے سے پہلے مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں۔ سلطان سرسار سے دہلی آیا اور قاضی خاں نے شہر کی عام افواہوں سے متاثر ہو کر سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہندو فوج کی کثرت خطرہ سے خالی نہیں ہے میں نے سنا ہے کہ رونا خسرو خاں کے مکان میں ہندو جمع ہو کر مشورے کرتے ہیں اور خسرو خاں کا ارادہ ہے کہ سلطان کو قتل کر کے خود پادشاہ بن جائے آپ کم از کم اتنا تو کہیں کہ خسرو خاں کی فوج کے بعض گجراتی ہندوؤں کو اپنے پاس تنہائی میں بلا کر ان سے اس معاملہ کی نسبت استفسار فرمائیں ممکن ہے کہ وہ رجوع سلطانی سے پوہست کندہ حالات بیان کر دیں اور کوئی تفتہ برپا ہونے والا ہے تو اس سے آپ اپنی حفاظت کر سکیں اگر خسرو خاں بے گناہ ثابت ہو تو پھر سلطان کو موقع حاصل ہے

کہ ازراہ قدر دانی اُس کی عزت و مرتبہ میں اضافہ فرمائیں ابھی قاضی خاں اپنی بات ختم کرنے نہ پایا تھا کہ خسرو خاں بھی حائر ہو گیا۔ سلطان نے قاضی خاں کے سامنے ہی خسرو خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ تیری نسبت قاضی خاں ایسا ایسا کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر خسرو خاں مکار نے فوراً رونا شروع کر دیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ تمام مسلمان سردار اس لئے میرے دشمن ہو گئے ہیں کہ حضور نے مجھ کو سب سے بلند مرتبہ عطا کر دیا ہے یہ ضرور مجھ کو حضور کے ہاتھ سے قتل کرا کر رہیں گے اور جب تک مجھ کو آپ کے ہاتھ سے قتل نہ کرا لیں گے کبھی چین سے نہ بیٹھیں گے یہ کہہ کر اور بھی زیادہ زار و قطار رونے لگا اُس کو اس طرح روتا ہوا دیکھ کر بادشاہ کا دل بھی بھر آیا اور اُس کو اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ تیری نسبت اور تیری قوم کی نسبت میں کسی کی شکایت کو ہرگز ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا تجھ کو بالکل مطمئن رہنا چاہئے یہ رنگ دیکھ کر قاضی صاحب پادشاہ کی حماقت پر افسوس کرتے ہوئے اپنا سامنہ لے کر چلے آئے اور اُن کو بھی خسرو خاں یا دوسرے ہندوؤں کی نسبت پادشاہ سے کچھ کہنے کی جرات نہ رہی۔ فرشتہ کہتا ہے کہ

”پادشاہ را از گریہ اودل بد دآمدہ اوراد کننا گرفت و بوسہ بر رخسارہ اش دادہ گفت کہ خاطر جمع دار“

شہادت | اس واقعہ کے اگلے روز خسرو خاں نے زیادہ تامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر سلطان کے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور رات کے وقت بعد عشاء قصر ہزار ستون کے بالا خانہ پر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا نیچے دروازوں کی نگرائی اور پہرہ بدلوانے کے لئے قاضی خاں موجود تھے۔ قرار داد کے موافق خسرو خاں کا چچا رندھول معہ جاہر دیو قاضی خاں کے پاس آیا اور پان کا بیڑا قاضی خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ قاضی خاں رندھول سے بیڑا لینے لگے تو جاہر دیو نے جو رندھول کے ساتھ تھا ہنایت پھرتی سے قاضی خاں کے پہلو میں فحش بھونک کر اُن کو شہید کر دیا اور مسلح ہندوؤں کی ایک جمیعت نے فوراً داخل ہو کر پہرہ والوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ جب شور و غوغا صحن میں بلند ہوا تو سلطان نے خسرو خاں سے پوچھا کہ یہ کیسا شور ہے، خسرو خاں فوراً اٹھ کر لب بام آیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے سلطان کے پاس واپس گیا اور کہا کہ سلطانی اصطبل کے چند گھوڑے کھل گئے ہیں وہ صحن میں بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور لوگ اُن کو پکڑنے کی کوشش

کر رہے ہیں اس لئے شور مچ رہا ہے۔ سلطان یہ سن کر مطمئن اور خسرو خاں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا اُسی وقت جاہر دیو اور دوسرے ہندو جو اس کام پر مامور تھے بالا خاں نے پر چڑھنے لگے۔ زینہ کے دروازے پر ابراہیم اور اسحاق نامی دو پہرہ دار موجود تھے انھوں نے ان کو روکنا چاہا لہذا دونوں مارے گئے اور قاتلوں کی یہ جماعت اوپر چڑھ آئی ابراہیم اور اسحاق کے مزاحمت کرنے اور قتل ہونے کا شور چونکہ قریب ہی تھا سلطان کو کچھ شک پیدا ہوا قاتلوں کی اس جماعت کو بے مجاہد شمشیر بدست آنے ہوئے دیکھ کر سلطان فوراً اٹھا اور محل سرائے کی طرف بھاگنے لگا۔ خسرو خاں نے سمجھا کہ اگر سلطان محل سرائے کے اندر داخل ہو گیا تو پھر اس کے پکڑنے اور قتل کرنے میں دقت ہوگی لہذا وہ فوراً سلطان کے پیچھے بھاگا اور محل سرائے کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے ہی سلطان کو جا لپٹا۔ سلطان اپنے سر پر بسے بسے بال رکھتا تھا خسرو خاں کے ہاتھ میں سلطان کے بال آ گئے۔ سلطان طاقتور تھا اس نے فوراً خسرو خاں کو زمین پر ٹپک دیا۔ مگر خسرو خاں نے سلطان کے بال نہ چھوڑے خسرو خاں نیچے پڑا تھا اور سلطان اس کے اوپر تھا مگر بالوں کی وجہ سے اُٹھ کر بھاگ نہیں سکتا۔ اسی حالت میں جاہر دیو پہنچ گیا اور دونوں کو گتھم گتھا دیکھ کر رات کی تاریکی کے سبب متاثر ہوا کہ کہیں میرے ہاتھ سے خسرو خاں زخمی نہ ہو جائے۔ خسرو خاں نے پکارا کہ میں نیچے پڑا ہوں میرے اوپر سلطان ہے جلدی اپنا کام کرو ورنہ میرا کام تمام ہو جائے گا۔ جاہر دیو نے سلطان کے پہلو میں خنجر بھونک دیا اور پھر اس کا سر کاٹ کر نیچے قصر ہزار ستون کے صحن میں اوپر سے پھینک دیا۔ اس کے بعد خسرو خاں، رندھول، اور جاہر دیو اور دوسرے ہندو محل سرائے سلطانی میں داخل ہوئے وہاں سلطان علاء الدین خلجی کی بیوی اور دوسری بے گناہ عورتوں کو قتل کر کے فرید خاں و منگو خاں و عمر خاں پسران سلطان علاء الدین کو قتل کیا اور خاندانِ علائی کے کسی تنفس کو زندہ نہ چھوڑا۔ اسی وقت جب کہ آدمی رات ہو چکی تھی تمام اُمراء کو قصر ہزار ستون میں بلا تفت حاضر ہونے کا حکم بھجوا دیا۔ جب تمام اُمراء جمع ہو گئے تو ان سب کو گرفتار و نظر بند کر لیا۔ صبح ہوئی تو خسرو خاں نے تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اہل اسطاعت قبول کی جن کی نسبت کچھ شبہ تھا ان کو قتل کر دیا۔ سلطان ظہب الدین مبارک شاہ خلجی شبِ نیم بریج الاول ۷۸۷ھ کو ہندوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ چار سال اور چند ماہ سلطنت کی۔

نسر و خاں نمک حرام | ضیاء برنی اپنی تاریخ میں اس حادثہ الم انگیز کو درج کرتے ہوئے جو الفاظ استعمال کرتا ہے وہ انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کر رہے ہیں ان الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔

”و بعد آنکہ نسر و خاں و ہمداران بکبار ہندو خائف شدند و ملوک و امرائے دولت ہر بام ہزار سستون آور دند و در نظر نمود داشتند و صبح بد مید و آفتاب بر آمد نسر و خاں مابلون خود را سلطان ناصر الدین خطاب کرد و آچنان ظالم بچہ و ہندو از بچہ و اہل الزنا از قوت ہمداران و ہندوان بر تخت علائی و قطبی بشت و روزگار و خدا بچہ و پونا بکار خال نزا و را بر بے شیران شرزہ روا داشت و نوک بچہ دسگ صفت را بر تخت پیلان عنف شکن برادنگ صفدران نہتن بہ پسندید و ہم در ساعت جلوس آل ملعون و ملعون بچہ و مابلون و مابلون زادہ نسرمان داوتا چند نفر غلامان سلطان قطب الدین را کہ اختصاص ہر دو داشتند و از امرائے کبار شدہ بودند بگیرند و بکشتند و رفت بعضی از ایشان را در خانہائے ایشان کشتند و بعضی در سرائے آور دند و در گوشہ بروند و گردن زدند و خانہاں و زنان و غلام و کنیزک ایشان بہ ہمداران و ہندوان بخشیدند و خانہ قاضی ضیاء الدین را با جمیع اسبابیکہ در خانہ موجود خارج از زن و بچہ کہ ہم در اول شب فرار نمودہ بودند بہ زبردستی دادند“

خسر و خاں پہلے ہی تمام اہتمام کر چکا تھا جو صوبہ دار و دہدو و رات کے صوبوں میں مامور تھے ان کے اکثر عزیز و اقارب دہلی میں موجود تھے ان سب کی نگہبانی اور دیکھ بھال کا بندوبست کیا گیا تاکہ یہ لوگ دہلی سے فرار نہ ہو سکیں اور وہ صوبہ دار اپنے ان عزیزوں کی وجہ سے سرکشی پر آمادہ نہ ہو سکیں جن لوگوں کے اہل و عیال دہلی میں نہ تھے ان کے بیٹوں یا بھائیوں کو خسر و خاں نے پہلے ہی سلطان قطب الدین کے حکم سے بطور یرغمال دہلی لایا لیا تھا۔ لہذا اُس کو زبردست بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ تمام صوبہ داروں میں سب سے زیادہ جس شخص کا خیال تھا وہ غازی ملک تغلق صوبہ دار دیبا پور تھا جو سلطان علاء الدین کے زمانے سے منغل افگنی کے سبب بڑی شہرت اور اثر رکھتا تھا۔ غازی ملک تغلق کا

ذکر اوپر آچکا ہے اس کا بیٹا ملک فخر الدین جو ناخاں جو بعد میں سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا۔ دہلی میں موجود تھا۔ خسرو نے اسے تخت نشین ہوتے ہی ملک جو ناخاں کو امیر آخوڑ کا عہدہ عطا کیا اور اس کی سب سے زیادہ دلہن ہی اور خاطرہ رات کرنے لگا تاکہ اس کا باپ غازی ملک جو ناخاں سے آمادہ نہ ہو سکے۔ چاہر دیو کو جو قاضی خان اور سلطان قطب الدین غلی کا قاتل تھا قہار جو اہل ہند سے ہوا باگیا۔ رندھول کو اسے رامیاں کا قاتل لکھا اپنے بھائی حسام الدین کو خان خانان کا خطاب دیا نہر بنارستون اور سلطانی محل سرے میں ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے۔ دہلی میں پہلے ہی سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی مسلح فوج موجود تھی مسلمانوں کی کوئی طاقت دہلی میں باقی نہیں رکھی گئی تھی جو مسلمان موجود تھے ان کو خسرو خاں نے اچھا ہم نوا بنالیا تھا۔ اب بادشاہ ہو کر اس نے ہندوؤں کی بھرتی شروع کر دی۔ ہندوؤں میں بجا بجا خوشیاں منائی گئیں کہ دہلی پھر ہندوؤں کے قبضہ میں آگئی۔ دیو دیو جو خسرو خاں سے ایک سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی بن گئی تھی اب سلطان کے قتل ہونے پر اس کو خسرو خاں نے اپنی بیوی بنالیا۔

اسلامی سلطنت کو ہندو سلطنت
بنانے کے منصوبے

خسرو خاں کو اسلام سے پہلے ہی کوئی تعلق نہ تھا اب بادشاہ بننے کے بعد اس نے اپنے نام کا تبدیل کرنا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ ملک ہیں بہت سے ایسے مسلمان سوار موجود تھے جن کو وہ فریب دے کر اپنی مخالفت سے باز رکھنے کا خواہاں اور بدرجہ اسلامی سلطنت کو خالص ہندو سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ باوجود ان تمام احتیاطوں کے خسرو اور حامیان خسرو کی پست فطرتی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ دہلی کی مسجدوں کو ہندوؤں نے مسلمانوں سے چھین لیا۔ مسجدوں کی محرابوں میں بت رکھے گئے اور مسجدوں کو سند بنا کر ان میں گھنٹے بجنے اور بت پٹھنے لگے۔ اذان کی آوازیں بند ہوئی موقوف ہوئیں پھر اس سے بھی بڑھ کر پاجی بن کی یہ حرکت ہوئی کہ مسلمانوں سے قرآن شریف زبردستی چھین چھین کر جمع کئے گئے۔ ان قرآن شریفوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر خسرو خاں کے دربار میں چھوٹے چھوٹے چبوترے بنائے گئے اور ان پر ہندو درباری بیٹھے۔ غرض ایسی ایسی کمینہ حرکات سرزد ہوئیں جن کے لکھنے کی تاب زبان قلم نہیں لاسکتی۔ خزاؤں کے منہ ہندوؤں

کے لئے کھول دیئے گئے اور لاتعداد ہندو۔ وزانہ آکر فوج میں بھرتی ہوئے۔ ملک جو ناخاں ابن غازی ملک ڈھانی پینے تک تو مجموعاً اس ہندو گروہ کی دیکھنا اور برداشت نہ کرنا رہا ایسا روزِ موعظہ پاکر اور گھوڑوں کی ڈانک بٹھارہ، دہلی سے دیبا پور کی طرف بھاگتا۔ چذر گھنٹے کے بعد ملک جو ناخاں کے فرار ہوئے کا حساب خسرو خاں کو معلوم ہوا، اُس نے تعاقب میں سوار بھیجے گروہ ملک جو ناخاں کی گروہ کو بھی نہ پاس نہ۔

خسرو خاں کا قتل | ملک جو ناخاں جب اپنے باپ غازی ملک کے پاس پہنچ گیا تو اُس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے دلی نعمت سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے خون کا انتقام لینے کے لئے تیار ہوا۔ ملتان کے امیر کو لکھا کہ فوج لے کر میرے شریک ہو عاقبت تاکہ ہم دونوں مل کر خسرو خاں سے سلطان قطب الدین کا انتقام لیں۔ امیر ملتان نے لکھا کہ جو شخص دہلی کا پادشاہ ہو چکا ہے اُس کا مقابلہ ہم جیسے پھوٹے امیروں سے کہاں ہو سکتا ہے۔ غازی ملک نے ملتان کے ایک رئیس بہرام ایبہ نامی کو ایک خط لکھا کہ امیر ملتان امارت کے قابل نہیں رہا تم اُس کو قتل کر کے ملتان کی حکومت اپنے قبضہ میں لاؤ اور وہاں کی فوج لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ بہرام ایبہ نے آسانی حاکم ملتان کو قتل کیا اور فوج لے کر غازی ملک کے پاس دیبا پور چلا آیا۔ غازی ملک نے فوج لے کر دہلی کی طرف کوچ کیا۔ خسرو خاں نے یہ خبر سن کر ایک زبردست فوج اپنے بھائی کی سرداری میں روانہ کی، سرتی کے قریب لڑائی ہوئی۔ خسرو خاں کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ غازی ملک سرتی سے روانہ ہو کر اندر پرست کے خربے میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ خسرو خاں ہندوؤں کا لاتعداد لشکر لے کر شہر سے نکلا۔ غازی ملک کے مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں یہ بے شمار ہندو فوج زود خورد کا ہنگامہ گرم ہونے پر کچھ بھی نہ کر سکی اور اس باختہ ہو کر بھاگی۔ خسرو خاں جب دہلی سے غازی ملک کے مقابلہ کو نکلا تھا تو اُس نے تمام شاہی خزانے کو جو سلطان قطب الدین ایک کے زمانے سے اب تک جمع ہوتا چلا آیا تھا نکلوا کر ہندوؤں کو تقسیم کر کے غزائنہ میں جھاڑو دلوادی تھی اُس کو

غازی ملک کا خوف تھا اس لئے اُس نے یہ کہہ کر خزانہ ہندوں کو تقسیم کر دیا تھا کہ اگر ہماری فتح ہوئی تو تم اس روپیہ کو اپنی سہ سالہ پیشگی تنخواہ سمجھو اور اگر ہم مارے گئے تو کم از کم روپیہ تو مسلمانوں کے ہاتھ نہ آسکے گا۔ خسرو خاں شکست خوردہ میدان سے فرار ہو کر ایک مقبرہ میں پناہ گزیں ہوا اور وہاں سے گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ غازی ملک نے دہلی میں آکر تلاش کیا کہ شاہی خاندان کا کوئی فرد چھوٹی یا بڑی عمر کا ملے تو اُس کو تخت پر بٹھائے مگر خسرو خاں پہلے ہی شاہی خاندان کو تخت سے سوخت کر چکا تھا۔ لہذا غازی ملک نے تمام مسلمان سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ بھائیو میں تو صرف سلطان قطب الدین خلجی کا انتقام لینے آیا تھا اپنا کام پورا کر چکا اب تم جس کو مناسب سمجھو پادشاہ بنا لو۔ میں اُس کی فرماں برداری کے لئے کمر بستہ ہوں۔ سب نے بالاتفاق غازی ملک ہی کو اپنا سلطان منتخب کیا اور وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھ کر براعظم ہندوستان کا شہنشاہ بنا۔

قابل توجہ

سلطان قطب الدین ایبک کی وفات سے قریباً سو برس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں مسلمان براعظم ہندوستان کے پورے رقبہ پر حاکم و فرماں روا اور قابض و متسلط ہو گئے۔ اس تکمیل فتوحات کے ساتھ ہی اُنھوں نے اپنی محکوم ہندو قوم کے افراد کو ممدارت عظمیٰ اور سلطنت کی مدارالمہامی کا بلند ترین عہدہ عطا کر دیا۔ ہندو قوم میں ایسے بزرگ و خلیل عہدے کی قابلیت مفقود تھی، تاہم مسلمانوں نے فتوحات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہی ہندو قوم کو اپنی سیڑھی و فیاضی اور خوش اعتمادی کا جو عملی ثبوت دیا وہ ہندوؤں نے کیا دنیا کی کسی محکوم قوم نے کبھی اپنے فائزین سے نہ دیکھا ہوگا۔ یہ رواداری اور یہ مساوات مسلمانوں کے سوا دنیا کی کسی قوم میں تلاش نہیں کی جاسکتی۔ ہندوؤں نے اس اعتماد اور اس فیاضی کے معاوضے میں جو چیز پیش کی اُس کی تفصیل ابھی اس باب کے آخری حصہ میں قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں مسلمانوں نے تمام براعظم ہند پر قابض و متصرف اور فرماں روا ہونے کے بعد بھی ہندوؤں کو اپنے

مندروں میں عبادت کرنے اور گھنٹے بجانے سے نہیں رہا۔ لیکن خسرو خاں مرتد کی پنج ماہہ سلطنت میں ہندوؤں نے چیر و دست ہو کر مسلمانوں کے معبودوں سے نفرت کی اور ان کی مذہبی کتاب قرآن مجید کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ۱۲۸۵ء تک کے ہندو حوصلوں کی بخوبی خبر دیتا ہے۔ سببان رائے بھی چونکہ ہندو تھا لہذا اُس کو اپنے ہم مذہبوں کی اس سفلہ مزاجی اور ذلیلانہ حرکات کا حال معلوم کر کے ضرور شرم آئی ہوگی اسی شرم و مذمت کے تقاضے سے اُس کو اپنی تاریخ میں خسرو خاں کی نسبت یہ اشعار درج کرنا پڑے کہ

کے را کہ نہ بود شرف در نہاد	نبا شد عجب گر لو د بد نہاد
سرنا کساں را برافراشتن	وزایشاں اُمید بہی داشتن
سر رشته خویش گم کردنت	نجیب اندروں مار پروردنت
دگر زندگانی تو قع مار	کہ در حیب و دامن وہی جانے مار

”آءِ حَقِيقَتِ مُسَا“

جلد دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

جلد دوم

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَا نَا سَرَّهٖا وَلَا تَجْعَلْ عَلَیْنَا اِصْرًا حَمَلاً
حَمَلْتَهُ عَلَی النَّبِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَا تَجْعَلْ لَنَا اِلَاحًا طَاقَةً لَّنَا بِسْمِ
وَعَفْ عَنَّا ' وَاعْفِرْ لَنَا ' وَادْحَمْنَا ' اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْفُضْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَارْزُقْ اَصْحَابَهُ اَجْمَعِیْنَ

اما بعد

اس کتاب کی پہلی جلد کے شائع ہوتے ہی دوسری جلد کے لئے قلمبند شروع ہو گئے اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو پہلی جلد پڑھ کر دوسری جلد کے جلد شائع ہونے کا خواہاں نہ ہوا ہو۔ میرے نام اور منیجر مکتبہ عبرت کے نام اس خواہش کو ظاہر کرنے والے خطوط اس کثرت سے آئے کہ ان کی تعداد سیکڑوں سے گذر کر شاید ہزاروں تک پہنچ چکی ہے، اور ماہ نامہ رسالوں نے پہلی جلد کے متعلق جو شان دار تقریظیں شائع کیں وہ بھی میری توقع سے بہت بڑھ کر تھیں۔ ہندوستان کے مالی مقام اہل نظر اور مشاہیر علمائے بھی پہلی جلد کو ملاحظہ فرما کر جو گرامی نامے مجھ کو لکھے اُن سے میری ہمت میں طاقت اور حوصلہ میں زعجت پیدا ہوئی لہذا مجھ کو اقرار کرنا چاہیے کہ میں نے خون جگر پیئے، آنکھیں کاتیل نکالنے اور بہت سی راتوں کو دین بنانے کا کافی بلکہ امیدوار استحقاق سے

زیادہ معاوضہ پالیا۔ مجھ کو اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے وہ ملک و ملت کے لئے مفید اور نفع رساں ہے اور یہ سب کچھ خدائے تعالیٰ ہی کے رحم و کرم کا نتیجہ ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین

دوسری جلد کی اشاعت میں اس قدر طویل و صبر آرماتوقف کیوں ہوا؟ اس کے جواب میں اپنی بے گناہی کی داستان سنائے اور اہمال و توقف کا اصل سبب بتاتے ہوئے شرم و حجاب مانع ہے آسانی اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ مجرموں کی طسرح عفو و تقصیر کی درخواست کروں اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اسباب کی توقع دلاؤں کہ تیسری جلد کی اشاعت میں زیادہ توقف نہ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی تاریخ ہند کی اشاعت کا سلسلہ بھی انشا اللہ تعالیٰ ہو جائے گا؟

اس دوسری جلد میں سلطان محمد تغلق کے حالات نے زیادہ جگہ لے لی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ کتاب کی ترتیب اور مضامین کے توازن و تناسب میں تنظیم پیدا ہو گیا ہے لیکن میں کسی غیبی تحریک سے مجبور اور سلطان ممدوح کے متعلق اس سے کم کلام کہے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ میں نے صفحات کتاب میں بھی بار بار اس کی معذرت اور اپنی مجبوری ظاہر کی ہے۔

دریں کتاب پر پٹیاں نہ پٹی از ترتیب محب مدار کہ چوں حال من پریشان ست ہزار شکر کہ بایک جہان پریشانی چو تار طرہ دل دار عنبر افشان ست مجھ کو بے حد افسوس اس بات کا ہے کہ ضیائے برنی پر بہت کچھ گستاخانہ جرح و قدح کرتی پڑی اور ایک مرحوم (سلطان محمد تغلق) کے لئے دوسرے مرحوم (ضیائے برنی) کو میں نے آدرہ کیا۔ لیکن احقاق حق کے سبب مجبوراً فاش گفتاری سے کام لینا پڑا میں ضیائے برنی کو اپنا محسن سمجھتا اور اس کی کتاب تاریخ فیروز شاہی سے بہت کچھ بصائر و فوائد حاصل کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔ الہی ضیائے برنی کی روح پر رحمتیں نازل کر اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔ آمین یارب العالمین۔ تاریخ فیروز شاہی ہندوستان کی تاریخوں میں بہت ہی بلند مرتبہ اور قابل قدر کتاب ہے اس کا صرف ایک حصہ جو سلطان محمد تغلق سے تغلق رکھتا ہے محل کلام اور پایہ اعتبار سے ساقط ہے تاہم اس سے اس بات کا ثبوت ضرور بہم پہنچ جاتا ہے کہ آج کل گوری چٹی رنگت والے مورخین

اپنے سفید جھوٹ کو بیچ کا جامہ پہنانے میں جس طرح کمال رکھتے ہیں اس طرح ضیائے برنی دروغ بانی کے فن میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ضیائے برنی سخت مخالفت اور ناراضی کے باوجود محمد تفلح کے خلاف جو کچھ لکھ سکا اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اس کتاب میں خود ضیائے برنی ہی کے بیان سے اس کی تردید کر سکا اور کسی دوسرے کو بطور گواہ پیش کرنے کی ہمت ہی کم ضرورت پیش آئی گویا کہ سے

روز جزا جو قاتل و بگو خطاب تھا

میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

کیا ضیائے برنی کے لئے یہ قابلِ فخر بات نہیں کہ اُس نے جب کسی نفرت یا عداوت کے جذبہ سے متاثر ہو کر ایک خاص موقع پر جھوٹ یا فریب سے کام لینا چاہا تو نئی روشنی کے چالاک مورخین کی طرح کامیاب نہ ہو سکا بلکہ اس کی کتاب کا وہ خاص حصہ کتاب کے باقی حصوں سے الگ اور عجیب نظر آئے لگا۔

میں اس جلد دوم کی تصنیف و ترتیب کے زمانے میں بھی حسبِ عادت خدائے تعالیٰ سے مسلسل دعائیں مانگتا اور اپنے کام میں امداد الہی طلب کرتا رہا ہوں اس وقت بھی جب کہ کتاب شائع ہونے والی ہے خدائے تعالیٰ ہی سے مدد کا طالب ہوں کہ میری یہ کوشش مشرقِ ثمراتِ خیر ہو۔ آمین۔

اللہی مجھ کو میرے والدین کو۔ میرے اعزہ و احباب اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو حنات دارین عطا کر اللہم ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرۃ حسنة و قنا عذاب النار۔

اکبر شاہ خاں

نجیب آباد

ایک حقیقت نما

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد، للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ وآلہ واصحابہ
اجمعین بدوحتک یا ارحم الراحمین ۵

پانچم

سُلطان غیاث الدین تغلق

جیسا کہ چوتھے باب میں ذکر ہو چکا ہے سُلطان غیاث الدین تغلق سراسر جاز اور سبھا
طور پر ہندوستان کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور کہا جاسکتا ہے کہ حق بحق دارر سپہ غیاث اللہ
تغلق کی قابلیت و مکاری کا اندازہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے تخت نشین ہونے کے
بعد بہت جلد حدود سلطنت میں ہر جگہ امن و امان قائم ہو گیا اور سلطنت کی ہر تبدیلی پر صوبوں
اور دور دراز کے شہروں میں جو مل چل اور بد امنی پھیل جا یا کرتی تھی اس کا سرف چند مہینوں کے
اندر کہیں نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے خزانے کو بالکل خالی اور
ملک کو سرکشی و بد امنی سے پُرپا یا تھا لیکن اس کی خداداد قابلیت نے جس قدر جلد ملک میں
امن و امان قائم کر دیا اسی قدر جلد خزانہ بھی معمور ہو گیا اور کسی پر کسی قسم کا کوئی ظلم و ستم روا نہ
رکھا گیا۔ سلطان تغلق کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو
محفوظ رکھتا اور رعایا کے آبا و دوحش حال اور فاسخ البال رکھنے میں بے حد سعی رہتا تھا۔

ہندوؤں نے مسلمانوں کے احسانِ عظیم اور لوازش ہائے بے پایاں کے - جاوئے میں اپنی احسان فراموشی اور محسن کشی کا جو ثبوت پیش کیا تھا وہ چوتھے باب کے آخری حصے میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے لہذا سلطان غیاث الدین خلجی اگر ہندوؤں پر ظلم و تشدد روا رکھتا اور ان کے درپے متحریب ہوتا تو کوئی موقع شکایت کا نہ تھا۔ لیکن سلطان ممدوح نے ہندوؤں پر کسی قسم کا کوئی ظلم و ستم قطعاً نہیں کیا۔ خسرو خاں نے حکمِ حرام کی خطا کو اس کی ذرا ت تک محدود رکھ کر اس کی قوم پر دار کو بھی، وغائبانہ اچھوتوں کی قوم ہنوار یا بہار - ہے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ عام ہندوؤں کو ہندو ہونے کی وجہ سے تو بھلا کیوں نقصان پہنچاتا؟

ابھی تک زراعت پیشہ لوگ تقریباً سب ہندو تھے۔ ہر ایک گاؤں کا مقتدم یا مہر دار بھی ہندو ہوتا تھا۔ کئی کئی گاؤں کے ذیلی دار، ہر فوطہ دار کہلاتے تھے اور اپنے حلقے کے زیہات کا زراعتی گزارہ کر کے خزانہ شاہی یا خزانہ امارت میں داخل کرتے تھے وہ بھی سب ہندو ہی ہوتے تھے۔ ان فوطہ داروں کو وزیرِ عظم کے دربار میں حاضر ہو کر عرض و معروض کرنے کا حق حاصل تھا اور کبھی کبھی کسی امیر کے توسط سے دربار شاہی میں بھی ان کو باریاب ہونے کا موقع مل جاتا تھا۔ بادشاہ جب کہ دارالسلطنت سے باہر رہتا تو ہر ایک نمبر دار اور فوطہ دار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور سب کچھ عرض کر سکتا تھا۔ چونکہ فوطہ دار کی رسائی دربار شاہی تک تھی اس لیے اس کو سرپرستی اور کمرے پڑکا باندھنا پڑتا تھا۔ کئی کئی فوطہ داروں کے علاقے ملا کر ہر گئے اور محلے کہلاتے تھے ان پر گنوں یا عملوں کا تعلق اگر براہِ راست دفترِ وزارت سے ہوتا تو ان پر شاہی اہل کار عاقل یا شیعہ و آریہ وغیرہ ناموں سے مامور و منصوب ہوتے اور اگر یہ ہر گئے کسی شخص کی جاگیر ہوتے تو وہ جاگیر دار امیر یا متعلق کہلاتا تھا۔ مالوں اور شیعہ اصول میں بھی اکثر ہندو ہوتے تھے اس پر گنے کے مرکزی مقام میں ایک مسلمان قاضی جو شاہی نوکر ہوتا انصاف و خصوصیات اور مسلمانوں پر حدود و شرعہ جاری کرنے کے لئے رہتا تھا۔ لیکن جہاں مسلمانوں کی آبادی نہ تھی وہاں قاضی کی ضرورت نہ تھی۔ امارتیں اکثر مسلمانوں کو دی جاتی تھیں یہی امیر بادشاہ کے فوجی افسر تھے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد سلطان غیاث الدین خلجی کے متعلق اس بات کا اندازہ کرنا کہ اس کا ہرناؤ ہندوؤں کے ساتھ کیسا تھا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

سلطان خلجی نے قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ ہر فوطہ دار جس قدر زمین خود کاشت کر سکے

اس پر کوئی لگان سرکاری عائد نہ کیا جائے۔ کاشت کار کے معاملات بلا توسط مقدم اور مقدم کے معاملات بلا توسط فوط وارٹے نہیں کئے جاتے تھے۔ مقدموں اور فوط داروں کو اس قسم کے حقوق و اختیارات حاصل تھے کہ ہر ایک مقدم اپنے گاؤں میں اور ہر فوط دار اپنے علاقے میں بادشاہت کرتے اور نہایت خوش حالی و فراخ البالی کے ساتھ رہتے تھے۔ سلطان اپنے امیروں کو کبھی ہمیشہ یہی نصیحت کرتا رہتا تھا کہ اپنی جاگیروں میں زیادہ ستمانی ہرگز نہ کرو بلکہ بھنے واجبی حق میں سے بھی کچھ چھوڑ دیا کرو۔ اسی طرح وہ سپاہیوں کے حقوق اور تنخواہوں میں بھی کسی کمی کا رونا دھونا نہ کرتا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے امیروں اور سپہ سالاروں کو مخاطب کر کے کہا۔

”از انقطاع خود طمعہائے اندک بکنید و ازاں اندک چیزے بر کنناں خود مسلم داید و از مواجب ششم دانگ و درم طمع ندارید اگر ازاں خود چیزے ششم را بدہید و یا نہ ہید آں بدست شماست فاما آں مقدار کہ بنام ششم مہرتی شود و ازاں چیزے شما توقع کنند نام امیرے و ملکہ شمارا ہرزبان نباید راند و امیر کہ از مواجب چاکر چیزے بخورد و خاک خورد بہتر ازاں باشد رضیائے برنی“

سلطان فیاض الدین تغلق اپنی رعایا میں ہندو اور مسلمان دونوں کو خوش حال اور غایغ البال دیکھنے کا بے حد خواہشمند تھا۔ ضیاء الدین برنی کے الفاظ یہ ہیں:-

”و بحسب نیک خواہی عام کہ در ذات سلطان تغلق شاہ بمجول بودہ است کہ ہم اہل مملکت خود را آسودہ و ننی خواستے و محتاج و بے لوائے نہایت دیدہ و راں کو شہیدے کہ رعایا و لشکرے و کل طوائف دیگر ہمیشہ در فراغ باشند و بآراحت رہند و این عادت قدیم و عادت خوب سلطان تغلق شاہ بود۔“

است کہ رعایا نے ولایت او و ملک او مسلمان و ہندو کارے و کسے و ذرا عھد رائے کنند کہ ازاں کار کسب آسودہ شوند و از احتیاج سوال و بھپارگی و در ماندگی مضطر نشوند۔۔۔ در قسم مطالبات دیوانی آسان گیر تر از سلطان تغلق شاہ پہنچا دشاہ سے دروہی بنودہ است۔ و سلطان تغلق شاہ در قسم رعیت پروردی گوئے سبقت از رعیت پرورائے سلف و خلف رہودہ بود۔

ہندوؤں کی بغاوتیں

جیسا کہ چوتھے باب میں بیان ہو چکا ہے وزنگل کے راجہ لدرو دیو درودیو نے سولہویں صدی کے آخر سولہویں صدی کے شروع میں اطاعت و فرماں برداری کا اقرار نامہ لکھ کر تین سو ہاتھی سات سو گھوڑے بطور نذرانہ پیش کئے اور خراج سالانہ قبول کر کے اُس کی ادائیگی کا اقرار کیا تھا۔ سولہویں صدی میں اسلامی حکومت راس کمار ہی تک تمام حدود ہندوستان پر مسلم و مستحکم ہو چکی تھی سولہویں صدی میں لدرو دیو درودیو والی وزنگل کی عرضی دربار دہلی میں پہنچی کہ اپنا تین سال کا جنگی خراج اگر حکم ہو تو دیو گیر بھجوا دوں اس پر سلطان علاؤ الدین خلجی نے ایبٹ پور کو دکن کا مستقر حکومت قرار دے کر وہاں اپنا ایک نائب السلطنت مقرر کرنا ضروری سمجھا۔ یہ تمام حالات باب چہارم میں بیان ہو چکے ہیں۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے بعد حسرت و غم حرام کی وجہ سے ملک میں جو ابتری پھیل چکی تھی۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ردرو دیو دس گیارہ سال کی اطاعت و فرماں برداری کے بعد سلطنت دہلی سے منحرف ہو گیا اور سلطان غیاث الدین تغلق کے تخت نشین ہونے کی خبر سن کر بھی اُس نے خود سری اور بغاوت پر قائم رہ کر مخالفت کا علم بلند کیا۔ قطب الدین ایبک کے زمانے سے اس علاقہ میں جو بعد کو علاقہ جون پور کہلا یا ہندوؤں کی ایک ریاست کا دارالریاست مقام میچھ (متصل جون پور) تھا اس وقت تک جون پور آباد نہیں ہوا تھا۔ اس ریاست کا راجہ بے چند والی قنوج کے خاندان سے تھا۔ قطب الدین ایبک نے بے چند کے مقتول ہونے کے بعد اس کے وزیر اور رشتہ دار حینت سنگھ کو ۱۲۵۵ء میں یہ ریاست عطا کر دی تھی اسی وقت سے اس خاندان میں میچھ (میچ) کی حکومت چلی آتی تھی اس وقت جو راجہ موجود تھا اُس کا نام سکیت سنگھ تھا۔ سکیت سنگھ نے خسرو خاں کے دہلی پر قابض ہونے کی خبر سن کر اردگرد کے علاقے کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور جب سلطان غیاث الدین تغلق کے تخت نشین ہونے کی خبر سنی تو علم بغاوت بلند کر کے اس نزاع کے ہزار ہا مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا اور سیکڑوں برس کے اسلامی حقوق کو جو اُس پر ثابت تھے فراموش کر دیا۔ سلطان تغلق نے ردرو دیو اور سکیت سنگھ دونوں کی بغاوتوں کا حال سن کر ردرو دیو کی تادیب کے لئے اپنے بڑے بیٹے الفخا (محمد تغلق) کو دکن کی جانب اور چھوٹے بیٹے ظفر خاں کو سکیت سنگھ کی طرف ہی کے لئے مشرق کی جانب روانہ کیا۔ ظفر خاں ابھی سکیت سنگھ تک پہنچے نہ پایا تھا کہ اس نزاع کے ایک

بزرگ شیخ صدر الدین قریشی نے سکیٹ سنگھ کو مبارزہ کی جنگ کے لئے دعوت دی اور یہ پیغام بھی بھیجا کہ ہم مبارزہ کے ذریعہ بھی سمجھ کر اسلام کی صداقت تسلیم کرا سکتے ہیں۔ سکیٹ سنگھ اس چیلنج کو منظور کر کے شمشیر اور تیرہ مردوں اور مقابلوں میں ہار گیا اور اسلام کی صداقت کا قائل ہو کر اپنے لئے بدیشیمان ہوا اتنے میں غزنیاں بھی چھ ہزار کا لشکر لے کر پہنچ گیا اور اس باغی راجہ کو جو ہزار ہائے گناہ مسلمانوں کا خون بہا چکا تھا۔ صرف اسی قدر سزا دی کہ اس علاقے سے بے دخل کر کے ضلع مرزا پور میں ایک جاگیر عطا کر دی اور بیچ بایع کا نام خضر آباد رکھا۔ سکیٹ سنگھ کی اولاد میں جو شیخ ممدوح کے ذریعہ اسلامی صداقت کو تسلیم کر چکا تھا آج تک ضلع مرزا پور کے خان نامے موجود ہیں۔ اس بغاوت کا تو یہ انجام ہوا اپ وکن کی بغاوت کا حال سنو۔

مہم دکن کی ناکامی | محمد تغلق دکن پہنچا۔ ردو دیو بھی غافل نہ تھا اس نے ارد گرد کے لشکر پہنچا تو ردو دیو سے میدانی جنگ میں کچھ نہ ہوا۔ آٹھ سو سالہ جنگل میں چار پہلے سے کافی سامان رسر جمع کرایا گیا تھا دو سو سالہ جنگل میں کوئی راہ لے کر گھسور ہو گیا۔ محمد تغلق نے سختی سے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ قلعہ میں جنگجو ہندوؤں کی زمینداری اور عظیم الشان فوج موجود تھی۔ رونانہ اندرونی دیرونی فوجوں کی آویزش اور ردو خورد کا ہنگامہ سپاہ رہنے لگا چند روزہ کشش سے جنگل کے قلعہ کی بیرونی فصیل پر موٹی کی بنی ہوئی نئی اسلامی لشکر کا قبضہ ہو گیا۔ اور دیو نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان اندرونی پختہ فصیل کو بھی ضرور فتح کر لیں محمد تغلق کے پاس اپنے ماتحت راجاؤں اور بڑے بڑے زبان آور سیٹھوں کی ایک جماعت بلو۔ پیغام رساں بھیجی۔ ان لوگوں نے ردو دیو کی طرف سے پیغام پہنچا یا کہ میں جس طرح پہلے سلطنت دہلی کو باج و خراج ادا کرتا تھا اب بھی ادا کروں گا آپ خراج کا تعین فرما کر اور مجھ سے معصاف جنگ اور نذرانہ لے کر واپس چلے جائیں میں جب سابق مطیع و فرمانبردار رہوں گا۔

”لئے ارنگل و مقدمان او بصلح پیش آمدند و بیٹھاں با خدمت ہا۔
بخدمت سلطان محمد فرستاد ہر مال و ہیل و جواہر و نفائس قبول می کرد
و خواستند چنانکہ ملک نائب را در عہد علانی مال و ہیل و جواہر وادہ بودند و

فراج قبول کردہ و باز گردانیدند سلطان محمد راہم چہ ہند و باز گردانند

(ضمیمے برقی)

محمد تغلق نے کہا کہ پہلے بھی سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں درنگل کے قلعہ کو فتح نہیں کیا گیا تھا صرف اقرارِ اطاعت اور فراج و خراج کا وعدہ لے کر لشکرِ اسلام واپس ہو گیا تھا۔ لہذا اب اس قلعہ کا فتح کر لینا ضروری ہے تاکہ پھر یہ خیال خام موجب بغاوت نہ ہو سکے کہ درنگل کا قلعہ ناقابلِ فتح ہے۔ اس جواب کو سن کر الچی واپس گئے مگر کوئی ایسی چھچھوڑ چھوڑتے گئے کہ لشکرِ اسلام میں بغاوت کے شرارے بلند ہوئے۔ لگے محمد تغلق کے لشکر میں ضیاء برقی۔ درشت خواجہ نظام الدین احمد و قیرہ مورخین کے بیان سے ثابت ہے۔ اکثر امرا ایسے تھے جو فائدانِ خلجیہ کے عہد میں بھی برسرِ اقتدار تھے اور سلطانِ غیاث الدین تغلق نے ان کے عہدوں اور مرتبوں کو برقرار رکھا تھا۔ رور دیو و فوج سے برابر سلطنتِ خلجیہ کا سطح و خراج گزار چلا آتا تھا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے ملک نائب و ملک کا فوج کو حکم دیا تھا کہ رور دیو کو اسیر و دستگیر یا قتل کرنا ہرگز ضروری نہیں ہے اگر وہ اپنے اوپر فراج قبول کر کے فرماں بردار رہیں گے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رور دیو و فوج کی فوج کے فرماں برداروں اور وفاداروں میں شامل رہا۔ اب جو سلطان تغلق سے باغی ہو کر محصور ہوا تو محاصرہ فوج میں فائدانِ خلجی کے وفادار سردار موجود تھے جو رور دیو کے خواجہ تاش کہے جا سکتے تھے ان سرداروں پر ڈورے ڈالنے میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور ان سیٹھوں اور ایلیچوں نے جو پیغام صلح لے کر آئے تھے مخالف جواب پا کر محمد تغلق کی فوج کے مذکورہ سرداروں سے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا چنانچہ ملک تیمور، ملک تلکین، ملک کافور قہوار، ملک گل افغاناں وغیرہ اپنی اپنی جمعیت کو لے کر اور محمد تغلق سے جدا ہو کر جیل دینے جو تھوڑے سے آدمی محمد تغلق کے رہ گئے وہ بھی یہ رنگ دیکھ کر بہت ہار گئے۔ محمد تغلق بھی عجوبہ محاصرہ اٹھا کر دیو گیری کی طرف چلا۔ رور دیو نے اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھانے میں تاہل نہیں کیا فوراً اپنی پوری طاقت کے ساتھ قلعہ سے نکل کر محاصرہ فوج پر جو پہلے ہی محاصرہ چھوڑ کر جا رہی تھی حملہ آور ہوا۔ محمد تغلق نے نہایت پریشان و خستہ حالت میں دیو گیری جا کر دم لیا۔ اس کے وفادار جو راستے میں پریشان و آوارہ ہو گئے تھے۔ دیو گیری میں آکر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ ضیاء برقی

محمد تفلق کے فوجی سرداروں کا جہاں ہونا اور لشکر اسلام میں خرابی کا پیدا ہونا ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

”باجہ بیتہا نے خود از لشکر بیروں آمدند و از بیروں آمدن ایشان در تمامی لشکر ہوئے افتاد و غوغا شد و در ہر خیلے شور و شغب پیدا آمد و ہر لشاں روئے نمود کہ یکے ہدیگر سے نمی پرداخت و ہندوان درونی را بھی می بالست کہ در لشکر جاوشہ افتد و ایشان از جان خلاص یا ہندو ہندوان از دہوین ہزار ہجوم کردہ بیروں آمدند و ہنگاہ را تمامی غارت کردند و ہرقتند و سلطان محمد باغاصان خود راہ دیو گیر گرفت و خلق لشکر دم ریز شد و ہر طرف افتاد“

ملک تیمور و ملک تگین وغیرہ سرداران علانی محمد تفلق سے جدا ہو کر اڑتیس و ہنگالہ کی طرف جانا چاہتے تھے کہ راستے میں گوئند آئے کہ ہندوں نے جو روڑ دیو کے ہمدرد و شریک بغاوت تھے اپنے ان محسنوں کا کام تمام کیا اور اس طرح ان سرداروں کو نمک عرامی کی سزا بہت بلند مل گئی۔ یہاں تک برتی کے الفاظ یہ ہیں۔

”و ملک تمربا چند سوار محمد و سردار ہاں گرفت و خود را در ہند فاد انداخت و ہاں بخا نقل کرد و ملک تگین امیر او دھرا ہندواں یکشتند“

فرشتہ کے بیان سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب پیاروں سردار لشکر کا بڑا حصہ لے کر محمد تفلق سے ہندوں کے حب انتشار جدا ہوئے تو ان کے ماتحت لشکر نے یہ دیکھ کر کہ ہندوں کی حمایت اور مسلمانوں کی مخالفت میں ہم سے کام لیا جاتا ہے ”اپنے ان سرداروں سے سرتابی اختیار کی اور ان کو خود اپنے سپاہیوں سے جان بچانی مشکل ہو گئی جتنا خچہ اپنی جان بچانے کے لئے ادھر ادھر آوارہ ہوتے اور ہندوں نے اس پریشانی کے عالم میں ان کو اور ان کے لشکر کو لوٹا اور اس طرح وہ خود برباد ہو کر ہندوں کو اور زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکے فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔

”و آں چہاں سردار کہ با ہم اتفاقی نمودہ از لشکر ہر آمدہ بودند از ہم جدا افتاد و حشم و خدمت از ایشان برگشت و اسباب و اسلحہ ایشان بدست کفار افتاد و ملک تیمور با چند کس در میان زمینداران تلنگ رفتہ ہاں بخا دگشت“

فرشتہ کے بیان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملک تیمور وغیرہ سرداروں کا ہندوں

کے ساتھ پہلے سے کوئی سازشی تعلق ضرور تھا۔ رور دیو کے معاونین میں گونڈوانہ اڑلیہ اور جا جنگر نہراری باغ و چنار کے راجہ بھی تھے۔ غلبہ خاندان کی مہم بادی کے بعد سرکشی و بغاوت کا علم بلند کرنے سے پہلے رور دیو کا تلنگانہ و بنگالہ کے درمیانی راجاؤں کو خصوصیت سے اپنی سازش میں شریک کرنا بے معنی نہ تھا۔ بنگالہ میں ناصر الدین ابن بلبن حکمراں تھا۔ اس بغاوت کی کامیابی کے لئے رور دیو نے ناصر الدین کی خاندانی اہمیت سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ باغی امیروں نے محمد تغلق سے جدا ہو کر بنگالہ کا رخ کیا۔ بعض راستے ہی میں ختم ہو گئے اور بعض بنگالے کے ہندو اور مسلمان رنیموں تک پہنچ کر ان کو اس بغاوت کی کامیابی کا یقین دلا سکے۔ چنانچہ ابن بطوطہ صاف الفاظ میں لکھتا ہے کہ باغی لوگ محمد تغلق سے جدا ہو کر بنگالے کی طرف گئے تھے۔

اس سلسلے میں ایک خاص بات بیان ہونے سے رہ گئی ہے وہ یہ کہ ضیاء برنی نے مذکورہ امیروں کے باغی ہونے کا ایک عجیب و غریب

سرواران لشکر کی بغاوت کے متعلق غلط فہمی

سبب بیان کیا اور اُسی کو بعد کے تمام مورخین نے آنکھیں بند کر کے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے وہ یہ کہ عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی دو شخص تھے۔ جو شہزادہ محمد تغلق کے مصاحبوں میں شامل تھے۔ ایک ہمینے سے کوئی ڈاک دلی سے نہیں پہنچی تھی حالانکہ اس سے پہلے دوران محاصرہ میں ہر ہفتے دو مرتبہ دلی سے ڈاک پہنچتی رہتی تھی اس ڈاک کے نہ پہنچنے کا یہ سبب تھا کہ راستے میں کسی جگہ ڈاک کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا یعنی ڈاک کے ہر کاروں کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی تھی اور وہ ڈاک لے کر لشکر تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی نے لشکر میں یہ غلط خبر مشہور کر دی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا دہلی میں انتقال ہو گیا اور وہاں کوئی دوسرا شخص تخت نشین ہو چکا ہے ساتھ ہی یہ دونوں شخص مذکورہ ہر چہاں سرداروں کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ لوگ چونکہ علاء الدین خلجی کے زمانے کے سردار ہیں اس لئے محمد تغلق آپ کو قتل کرنے کی فکر میں ہے اور اس لئے ایک نہرست میں سب کے نام لکھ لئے ہیں جن کو بیک وقت قتل کیا جائے گا آپ کو اپنی جان بچانی سے تو بچا لیجئے۔ عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی کی یہ دونوں تدبیریں کارگر ہوئیں اور وہ صورت جس کا اوپر ذکر

ہوا وقوع میں آئی۔ ضیاء برنی عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی کی نسبت یہ الفاظ استعمال کرتا ہے،
 • عبید شاعر و شیخ زادہ دمشقی کہ بس بد بخت و خبیث و فنان و مشطط بودند
 و بنوئے پیش سلطان محمد مدخل کردہ فتنہ انگیز فتنان و آوازہ دروغ در میان
 لشکر در انداختند کہ سلطان غیاث الدین تغلق در شہر نقل کرد و کار ہانے
 ملک در دہلی بگشت و غیرے بر تخت گاہ دہلی شکن گشت و راہ الاغ و دوا
 بجلی منقطع شد و ہر کس سر خود گرفت و ہمیں عبید بد بخت و شیخ زادہ دمشقی
 کہ بس خبیث و فتنہ انگیز و حرام خور و کافر نعمت بودند مشطط و دیگر انگیز فتنان و
 در پیش ملک شمر و ملک تغلق و ملک گل افغان و ملک کاخدر مہر وار گفتند
 کہ سلطان محمد شمارا کہ اکابر ملوک علائی اند و سران لشکرند مزارع ملک شریک
 می داند و از یگان یگان می شمارد و در تذکرہ کشتنیاں نام شما نوشتہ است
 ہر چہ را در یک روز بیک کرت خواہد گرفت و گر دن خواہد زد

اس جگہ یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی ایسے ہی خبیث
 فنان۔ مشطط۔ فتنہ انگیز۔ حرام خوار۔ کافر نعمت اور اپنی ان صفات میں شہرہ آفاق
 تھے تو ان نصف درجن صفات مذمومہ کے موصوفوں کو محمد تغلق نے اپنی مصاحبت میں
 کیوں جگہ دی تھی اور اس کے باپ سلطان غیاث الدین تغلق نے بیٹے کی مصاحبت میں
 ایسے لوگوں کو کیوں رہنے دیا تھا۔ اگر وہ پہلے سے ایسی شرارتوں اور نالائقیوں کے عادی نہ
 تھے اور بھلے آدمی تھے اور شہزادہ کی مصاحبت کے اہل سمجھے گئے تھے تو انھوں نے
 آخر کس لئے سلطنت اسلامیہ کو ایسا عظیم اٹان نقصان پہنچانے کی کوشش کی جس
 میں ان کے لئے کسی فلاح و بہبود کی کوئی توقع نہ تھی اس خدشہ کا جواب آئندہ صفحات
 یعنی محمد تغلق کے حالات میں آنے والا ہے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ عبید شاعر اور
 شیخ زادہ دمشقی کی کوئی خطا نہ تھی اور ان کو خواہ مخواہ مجرم قرار دیا گیا تھا۔ آخر عبید شاعر
 اور ملک کاخدر مہر وار گرفتار ہو کر دہلی آئے اور غیاث الدین تغلق نے عبید شاعر کو معمولی طور پر
 قتل کر کر ملک کاخدر مہر وار کو ابن بطوطہ کی روایت کے موافق ہیبت انگیز طریقے سے قتل یعنی
 پیل مال کرایا۔

بابا رتن ہندی | مذکورہ تمام واقعات سلطان غیاث الدین تغلق کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال وقوع پذیر ہوئے۔ اسی سال بابا رتن ہندی جنھوں

نے انوار عام کے موافق بہت طویل عمر پائی اور جو تحقیقی مذہب کے لئے ملک عرب میں گئے اور وہاں سے مسلمان ہو کر واپس آئے تھے اور عرصہ دراز سے تبلیغ اسلام میں مصروف تھے ۶۲ھ میں بمقام بھٹنڈہ فوت ہوئے ان کے پاس آنحضرت صلعم کی ایک کنگھی تھی جو ان کو سفر عرب میں کسی سے دستیاب ہوئی ہوگی۔ لوگوں نے غلطی سے یہ خیال کر لیا کہ ان کو خود آنحضرت صلعم نے یہ کنگھی دی تھی اور وہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں ملک عرب گئے اور یہ کنگھی لے کر آئے اور سات سو سال کی عمر پائی حالانکہ یہ غلط ہے و دیکھو تقصیر چنوا لا حرامن تذکار جنود الابرار

دکن کی دوسری کامیاب مہم | سلطان غیاث الدین تغلق نے اسی سال ایک فوج دہلی سے محمد تغلق کے پاس دیوگیزی اور

حکم دیا کہ دوبارہ درنگل پر فوج کشی کر کے وہاں کے راجہ ردر دیو کے غرور کو توڑا جائے۔ فرشتہ کا بیان یہ ہے کہ محمد تغلق فوج کی بغاوت دسکشی کے بعد درنگل سے دیوگیر اور دیوگیر سے دہلی آیا اور دہلی سے فوج لے کر درنگل پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا لیکن ہنیا سر برقی کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد تغلق دیوگیر ہی میں مقیم رہا دہلی نہیں آیا دہلی سے مکلی فوج اور حکم سلطانی کے پہنچنے پر درنگل کی جانب روانہ ہوا۔ محمد تغلق نے اول بید کے راجہ کو جو ردر دیو کے ساتھ بغاوت میں شریک اور اس کا ماتحت تھا۔ سزا دینی مناسب سمجھی اور شہر بید کو باسانی فتح کر لیا اس کے بعد درنگل پر حملہ آور ہوا۔ درنگل کے راجہ نے جو پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ تھا بے جگری سے مقابلہ کیا۔ لیکن محمد تغلق نے اس کو شکست دے کر محصور ہونے پر مجبور کیا پھر قلعہ کا محاصرہ کر کے درنگل کو فتح اور ردر دیو کو اسیر کر لیا۔ اس کے بعد بلا توقف گوئدوانہ اور اڑیسہ کے راجاؤں کی سرکوبی کے لئے جنھوں نے ردر دیو کو مدد دی تھی روانہ ہوا وہاں سے بعد سزا دہی سالانہ غارتگری واپس آکر راجہ ردر دیو اس کے بیٹے کشن اور اس کے نوکر کو کو معہ تحائف باپ کی خدمت میں ملک بیدار کے ہمراہ دہلی کی جانب روانہ کیا تاہم فیروز شاہی معتمد شمس سراج عقیق میں لکھا ہے کہ راجہ ردر دیو دہلی پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں

مرگیا تھا۔ ضیا مرنی کہتا ہے کہ رورہو کو گر فتا رکھ کے دہلی کی جانب پہلے روانہ کر دیا تھا اور گوٹو آندہ کی فتح سے فارغ ہو کر ہاتھی اور تحائف بعد میں بھیجے تھے۔ ان فتوحات میں قریباً ایک سال صرف ہوا۔ انھیں ایام میں مغلوں نے دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب پر حملہ کیا مگر غیاث الدین تغلق کی فوج سے شکست کھا کر پسا ہوئے اور مغلوں کے دوسرے دہلی کو سلطان دہلی کی فوج نے گرفتار کیا ۷۶۳ھ کے شروع میں دکن سے ورنگل کے راجہ رعد دیو لاپٹا کشتہ اور اس کا نوکر کوتو دہلی پہنچے اور اسی وقت پنجاب کی طرف سے مغلوں کے دونوں سردار گرفتار شدہ دہلی میں داخل ہوئے۔

دیک سو بونے گل در یک طرف پیغام یار آمد

من آں دیوانہ ام کز ہر دوسوے من بہار آمد

سلطان غیاث الدین تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی دہلی کے متصل تغلق آباد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا تھا۔ یہ وہی تغلق آباد ہے جس کے قلعہ کو مشہور سیاح ابن بطوطہ نے دنیا کا سب سے زیادہ مضبوط و بے نظیر قلعہ بتایا ہے اور جس کی تفصیل کے بعض حصے جواب تک ہاتھی میں سیاحان عالم کو دریائے حیرت میں غرق کر دیتے ہیں۔ ان فتوحات کی خوشی میں سلطان غیاث الدین تغلق نے حصار تغلق آباد میں سکونت تبدیل کی اور اُمرائے بھی اپنے مکانات و میں تعمیر کرائے۔ محمد تغلق نے ورنگل میں قیام کر کے تلنگانہ کا انتظام کیا اور اس علاقے کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے شق دار اور جاگیر دار اپنی طرف سے مقرر کئے۔ رعایا کو کسی قسم کی رحمت و ادیت نہیں پہنچائی بلکہ ان ملکوں کی ہندو رعایا براہ راست اسلامی حکومت اور سلطانی انتظام میں آکر زیادہ آزاد اور خوش نظر آنے لگی۔

ہم بنگال ملک بنگال کسی ایک حاکم کے ماتحت نہ تھا بلکہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو کر بہت سے رتیبوں کے زیر حکومت تھا کھنوی متصل مالدہ میں ناصر الدین ابن سلطان بلبن و بار دہلی کے ماتحت فرماں روائی کر رہا تھا۔ سنار گاؤں رٹو حاکم میں بہادر شاہ جاکم تھا۔ ان دو مسلمان حاکموں کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے ہندو راجہ بنگال کے مختلف حصوں پر حاکم تھے۔ سب کو سلطنت دہلی کی سیادت تسلیم اور اطاعت و فرماں برداری کا اقرار تھا۔ بنگال کے ہندو راجاؤں میں

ترہت کا راجہ سب سے زیادہ طاقت ور اور بڑا راجہ سمجھا جاتا تھا۔ آٹھ کل ترہت کا علاقہ
 صوبہ بہار میں شامل ہے۔ ترہت کو آج کل غالباً وہ سمجھا جاتا ہے۔ اڑیسہ دگوندو آندھ جھارک
 دچنا روہڑی بارغ کے راجاؤں کا اثر بنگال کے ہندو راجاؤں نے بھی قبول کیا اور وہ
 دہلی کے نئے سلطان کو اپنے آپ سے دور سمجھ کر خود مختاری کا دم بھرنے لگے ان ہندو
 راجاؤں بالخصوص ترہت کے راجہ نے ڈھاکہ کے حاکم بہادر شاہ کو ہذا دت کی ترغیب
 دیئے اور باغی بننے میں کامیابی حاصل کی۔ ناصر الدین ابن بلبن حاکم لکھنؤ کی کو بھی ان
 باغیوں نے بہت اکسایا اور اس کو سلطنت دہلی کا حق دار قرار دے کر اپنی حمایت و اعانت
 کا یقین دلایا لیکن ناصر الدین اپنی فطری سلامت دہلی کے سبب نیز اپنے باپ غیاث الدین
 بلبن کی وصیت کو یاد کر کے کہ جو شخص دہلی پر شکن ہو اس کا بھی مقابلہ نہ کرنا بغاوت پر
 آمادہ نہ ہوتا تاہم اپنے آپ کو ان باغیوں کا ہمسایہ دیکھ کر خاموش رہا اور ان کی کوئی مزاحمت
 نہ کر سکا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو جب بنگالے کی بغاوت و سرکشی کا حال معلوم ہوا
 تو اُس نے فوراً محل کی جانب ایلچی روانہ کیا اور ولیعہد سلطنت شہزادہ محمد تغلق کو لکھا کہ تم
 اس ملک کا انتظام امیروں کے سپرد کر کے فوراً دہلی کی جانب روانہ ہو جاؤ کیونکہ یہاں بھاری
 سخت ضرورت ہے محمد تغلق باپ کے حکم کی تعمیل میں دکن کے علاقے کا انتظام امرا کے
 سپرد کر کے عازم دہلی ہوا۔ سلطان غیاث الدین تغلق محمد تغلق کو دہلی میں بطور نائب سلطنت
 مامور کر کے بنگالہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے سلاطین دہلی سے روانہ ہوا۔ بنگالہ کی
 بغاوت کو سلطان غیاث الدین تغلق نے اس لئے زیادہ اہم خیال کیا اور خود اس طرف جانا
 ضروری سمجھا کہ بنگالے میں سلطان غیاث الدین بلبن مرحوم کا بیٹا ناصر الدین موجود تھا چونکہ
 وہ ہندوستان کے پڑائے شاہی خاندان کا شہزادہ اور سلطنت کا استحقاق رکھتا تھا اس
 لئے بنگالے کی یہ بغاوت ناصر الدین ابن بلبن حاکم لکھنؤ کی کو تخت دہلی کا مدعی بنا کر سلطان
 تغلق کے لئے عرصہ تنگ کر سکتی تھی۔ روہڑی کی بغاوت میں بھی ناصر الدین ہی کے تصور نے
 اہمیت اور طاقت پیدا کر دی تھی حالانکہ ناصر الدین ابن بلبن کے وہم و گمان میں بھی سرکشی
 و معرکہ آرائی کا ارادہ نہ تھا۔ سلطان تغلق بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ روانہ ہوا اول مقام
 ظفر آباد (موجودہ علاقہ جون پور) میں پہنچا۔ ظفر آباد کا صوبہ وار تاتار خان جس کو سلطان نے
 اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا معہ اپنی فوج کے سلطان کے ہمراہ ہوا اس کو سلطان نے اپنے

لشکر کا ہر اول بنایا۔ ناصر الدین حاکم لکھنؤی نے سلطان غیاث الدین تغلق کے آنے کی خبر سنی تو وہ فوراً لکھنؤی سے سلطان کے استقبال کو روانہ ہوا۔ سلطانی لشکر علاقہ تربہت میں پہنچا تھا کہ ناصر الدین نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اطاعت و فرماں برداری کا یقین دلایا۔ ناصر الدین ابن بلبن کی اطاعت و وفاداری سے سلطان تغلق بہت خوش اور مطمئن ہوا۔ تاتار خاں کو بہادر شاہ کی سرکوبی و تادیب کے لئے سنار گاؤں (سناڑہ) کے نام کی جانب بھیج کر خود بھی اس کے پیچھے مع ناصر الدین آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ بہادر شاہ کو تاتار خاں نے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور سلطان کی خدمت میں لے آیا۔ یہ دیکھ کر بنگال کے تمام چھوٹے چھوٹے ہندو راجاؤں نے معافی کی درخواستیں بھیجی شروع کیں اور سب نے آئندہ مطیع و فرماں بردار رہنے کا اقرار کیا۔ سلطان نے سب کی خطاؤں کو معاف کر کے ان کی ریاستیں برقرار رکھیں۔ تربہت کے راجہ نے اپنے دشوار گزار جنگلوں اور قلعہ کی مضبوطی پر اعتماد کر کے سرکشی میں اصرار اور اطاعت سے انکار کیا۔ سلطان نے جنگل کو کٹوا کر صاف کر دیا اور قلعہ تک پہنچ کر اس کو فتح اور راجہ کو گرفتار کیا۔ تربہت کی حکومت، ایک معتد کو سپرد کر کے تاتار خاں حاکم ظفر آباد کو مشرقی بنگال و بہار کانگراں اور وایسراے مقرر کیا۔ سنار گاؤں کا تمام علاقہ ریاست لکھنؤی میں شامل کر کے لکھنؤی و سنار گاؤں کی حکومت ناصر الدین کو سپرد کی اور چترود و رباش وغیرہ علامات بادشاہت عطا کر کے لکھنؤی کی جانب رخصت کیا۔ مغربی بنگال کے چھوٹے چھوٹے ہندو راجاؤں کی نگرانی بھی اسی کو سپرد کی۔ اس طرح ناصر الدین ملک بنگالہ کا فرماں روا اور سلطان تغلق کا باج گزار بادشاہ قرار پایا۔ لیکن اس تو وسیع مملکت اور ترقی اقتدار سے وہ زیادہ متعین نہ ہو سکا یعنی ڈیڑھ یا دو سال کے بعد فوت ہو گیا تھا۔ تربہت کے راجہ اور سنار گاؤں کے حاکم بہادر شاہ کو جو دونوں گرفتار و تنقید تھے مع ان ہاتھیوں کے جو بہادر شاہ نے فراہم کئے تھے اور اب ضبط ہو کر سلطانی مالِ خیمت میں شامل ہو چکے تھے۔ دہلی کی جانب روانہ کیا اور اُس راج کے انتظام سے فارغ ہو کر خود بھی مع لشکر دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ اس طے سرح چند منزلیں سفر کرنے کے بعد بڑے لشکر کو پیچھے چھوڑ کر تھوڑے سے چمپہ سواروں کے ساتھ بطریق یاخار روزانہ دو دو اور تین تین منزلیں طے کرتا ہوا چلا۔

کشمیر میں اسلام کس طرح پہنچا | سلطان جب بنگالے کی جانب سرکش صوبہ دار

بہادر شاہ اور تربہت کے باغی راجہ کی سزا دی
میں مصروف تھا تو ۹۰۰ھ رمضان المبارک کو حضرت شیخ شرف الدین ابو علی شاہ قلندر نے
سورس کی عمر میں بمقام پانی پت وفات پائی۔ یہ دراصل عراقی تھے اور ان کی فیض توحہ
سے بھی بہت سے ہندو قبائل نے راہ ہدایت پا کر دولت اسلام حاصل کی تھی۔ حضرت
شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا ذکر بڑی عزت اور محبت سے کیا کرتے تھے۔ ۸۲۵ھ
کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ۸۲۵ھ میں جب کہ
محمد تغلق دکن کے باغی راجہ رور دیو کی سزا دی اور گرفتاری میں مصروف تھا تو سلطان
غیاث الدین تغلق نے مولانا شمس الدین یحییٰ سے جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید با
اخلاص تھے۔ کہا کہ تم یہاں دہلی میں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہو، کشمیر میں جاؤ اور وہاں
کے لوگوں کو اسلام سے واقف کرو۔ مولانا مدوح نے کہا بہت اچھا میں کشمیر جاتا ہوں
چنانچہ تہیہ سفر میں مصروف ہوئے۔ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ ان کے سینے میں دُنبل نکلا
اور فوت ہو گئے۔ یہ وہی مولانا شمس الدین یحییٰ ہیں جن کی شان میں حضرت شیخ نصیر الدین
چسراغ دہلی نے یہ شعر لکھا تھا کہ

سأنت العلم من أجيال حقا

فقال العلم شمس الدین یحییٰ

دہلی کی طرف سے کشمیر میں تبلیغ اسلام کا کام تو ملتوی رہ گیا مگر قدرت نے دوسری
طرف سے سامان کر دیا یعنی ترکستان کے ایک امیر ذوالقدر خاں نے کشمیر کی ریاست
پر شمال کی جانب سے حملہ کیا۔ کشمیر کا راجہ سمجھا دیو مقابلے کی تاب نہ لا کر علاقہ کشتوار کی
طرف بھاگ گیا۔ اس زمانے میں تربہت کے راجہ لہاچن موروپ کا بیٹا رنجن نامی باپ
سے ناراض ہو کر کشمیر میں آیا ہوا تھا۔ ذوالقدر خاں چند ہینے کشمیر میں قیام کر کے ترکستان
کی طرف روانہ ہوا تو جی شہزادے رنجن نے علاقہ سوات کے ایک سردار شاہ میر سے امداد
طلب کی اور اس کی مدد سے کشمیر کا راجہ بن گیا اور شاہ میر سواتی کو اپنی وزارت کا عہدہ
عطا کیا۔ اپنی تخت نشینی کے سال بھر بعد ۸۲۵ھ کے آخر یا ۸۲۶ھ کے شروع میں اس راجہ
نے مسلمانوں کے مذہب کو سب سے بہتر اور سچا مذہب منتخب کر کے دین اسلام قبول کر لیا

اور اپنا اسلامی نام صدر الدین رکھا۔ تاریخ فرشتہ میں شاہ میر کا نام شاہ میرزا لکھا ہے اور اس کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہ فقیری لباس میں شیشہ میں وارد کشمیر ہوا تھا اور ایک نو مسلم ٹانڈان سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کا سلسلہ نسب ارجن مہاراج تک پہنچتا ہے۔ فرشتہ کی روایت میں کشمیر کے راجہ سمھا دیو کا نام سیہ دیو لکھا ہے یہ اختلاف غالباً کتابت کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ شاہ میرزا کو راجہ سیہ دیو کی خدمت میں بہت رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور وہ معاجبت و وزارت کے درجہ پر فائز تھا۔ فرشتہ کی روایت میں راجہ رچن راجہ سید دیو کا بیٹا بیان کیا گیا ہے۔ جو محل تامل ہے۔ بہر حال کشمیر کے راجہ رچن کو شاہ میرزا یا شاہ میر تو مسلم کی صحبت سے اسلام کی طرف توجہ ہو گئی تھی کہ اس کی تخت نشینی کے سال بھر بعد ۱۷۲۵ء میں ترکستان سے ایک درویش سید عبدالرحمن شرف الدین نامی جو بلبل شاہ کے نام سے مشہور تھے کشمیر میں وارد ہوئے اور راجہ رچن اُن کے ہاتھ پر باقاعدہ مسلمان ہوا اور اس طرح ملک کشمیر کی غیر مسلم سلطنت ایک قطرہ خون بچہ بغیر اسلامی سلطنت بن گئی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ مغل سردار جوہن سے لے کر ہنگری تک تمام ممالک پر چھائے ہوئے تھے۔ بعض مردان با خدا کی بدولت اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو ہو کر اسی طرح مسلمان ہو رہے تھے جس طرح کشمیر کا راجہ مسلمان ہوا ان مردان با خدا یعنی مبلغین اسلام میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام خصوصیت سے اس لئے قابل تذکرہ ہے کہ انھوں نے تبلیغ اسلام کے متعلق ایسی معقول و زبردست کوشش فرمائی کہ روئے زمین کی سیاسی حالت حیرت انگیز طور پر اس سے متغیر و متاثر ہوئی۔

سلطان تغلق کی وفات تبلیغ اسلام اور ہندو لواری

جہاں بک ہندوستان اور ہندوؤں کا تعلق ہے سلطان غیاث الدین تغلق کا مفصل حال بیان ہو چکا بنگال سے واپس ہو کر سلطان دہلی کے قریب پہنچ چکا تھا کہ ایک اتفاقی حادثہ سے یعنی مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔ سلطان کے حادثہ وفات کی تفصیل اور اس کے متعلقہ مباحث پر غور کرنا اس کتاب کے موضوع سے چونکہ متعلق نہیں ہے، لہذا اُس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ چار سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد بہار میں ۱۷۲۵ء مطابق فروری ۱۷۲۵ء سلطان غیاث الدین تغلق

نوت ہوا اس مختصر مدت میں جو اہم اور قابل تذکرہ واقعات تھے سب ادبی بیان ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں کی بے وفائی، محسن کشی اور اسلام دشمنی کے زیر دست مظاہرے ہو چکے تھے۔ ہندوؤں ہی کی سازش سے خاندان خلجیہ کا چراغ گل اور ان کی سلطنت کا خاتمہ ہوا تھا۔ غیاث الدین تغلق کی آنکھوں کے سامنے یہ تمام واقعات گزرے تھے۔ وہ ہندوستان کا شہنشاہ بن جانے کے بعد اگر ہندوؤں کو فنا کرنے اور مشائے پر آمادہ ہو جانا تو کوئی تعجب کا مقام نہ تھا۔ لیکن کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ اُس نے کسی ایک ہندو کو بھی ہندو ہونے کی وجہ سے قتل کیا ہو۔ درہم کل کے راجہ روریو اور تربہت کے راجہ کو اپنی بغاوت و سرکشی اور بد عہدی کا خمیازہ صرف اسیری و دستگیری کی شکل میں بھگتنا پڑا۔ لیکن اس سے زیادہ سخت سزا ملک کا فور مہاراد بہادر شاہ کو دی گئی جو مسلمان تھے اُس نے کسی ہندو باغی کو ہاتھی کے پاؤں سے نہیں کچلوا یا۔ لیکن مسلمان باغیوں کو اس نے فیل مال بھی کرایا ہم کو اس بات کا اقرار ہے کہ اس زمانے میں بھی ہندو بکثرت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے لیکن ان کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا سبب سلطنت اسلامیہ کی کوئی کوشش نہ تھی بلکہ حضرت بابا فرید شکر گنج رحمہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ حضرت خواجہ برہان الدین رحمہ حضرت خواجہ نصیر الدین اودھی رحمہ حضرت سید یوسف عرف سید راجہ قتال حبیبی رحمہ حضرت شیخ صدر الدین قریشی رحمہ حضرت شیخ بہار الدین دکریا ملتانی رحمہ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمہ حضرت مولانا ظہیر الدین بھکری رحمہ حضرت مولانا محمد الدین ہنسوی رحمہ سید تاج الدین بدایونی رحمہ شیخ وحید الدین عثمانی رحمہ مولانا حسام الدین رحمہ حضرت شمس الدین شیرازی بھکری رحمہ وغیرہم جو سب کے سب درویش اور فاقہ مست عالم تھے۔ تبلیغ اسلام میں مصروف اور ہندوؤں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر رہے تھے جس کی تفصیل کسی مستقل باب میں علیحدہ بیان کی جائے گی ساتھ ہی یہ تصور بھی قائم رہنا چاہیے کہ سلاطین اسلام جنہوں نے ہندوستان میں حکومت کی ان عالموں اور درویشوں کو اکثر مخالفت کی نظر سے بھی دیکھتے تھے حتیٰ کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ جو صرف صوفی ہی نہیں بلکہ عالم تبحر بھی تھے اور دہلی میں مصروف درس و تلقین تھے ان کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کے تعلقات کشیدہ تھے اور اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انھیں کی بددعا سے سلطان تغلق مرگ مفاہات

کا شکار ہوا ان کے مرید مولانا شمس الدین بکچی کو بھی کشمیر جانے کے لئے کہنا اس لئے نہ
 سوا کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو ملک کشمیر میں اشاعت اسلام کا اہتمام مد نظر تھا بلکہ
 وہ مولانا ممدوح سے ناراض اور اُن کو دار السلطنت دہلی سے نکالنا چاہتا تھا۔ اُس نے دہلی
 ان کو جلا وطنی کا حکم ان الفاظ میں درجوا و پد مذکور ہوئے) دیا تھا اور وہ مولانا موصوف کی
 تبلیغی و اشاعتی سرگرمیوں سے ناخوش تھا لہذا ہم مسلمانوں کو سلطان تغلق سے شکایت
 ہو سکتی ہے کہ اُس نے جس طرح ملک کے سرسبز و آباد کرتے زراعت پیشہ لوگوں کو (جو
 سب ہندو تھے) خوش حال و نازع البال بنائے، ملک میں امن و امان قائم کر لے، بیرونی
 حملوں سے ملک کو محفوظ رکھے، عدل و انصاف کے لئے بہترین قوانین نافذ کرے اور بخا و تل
 کا سلسلہ مٹانے میں جس ہمت و مستعدی اور قابلِ تعریف طرز عمل کا اظہار کیا، اسی قسم
 کی سرگرمی تبلیغ اسلام اور ہندوؤں کو مسلمان بنانے میں کیوں ظاہر نہیں کی اور اُن تبلیغین
 اسلام کی جانب سے کیوں سرگراں ہوا لیکن کسی ہندو کو تو اُس سے شکایت ہی نہیں ہو سکتی
 ہندوستان کے موجودہ بانیوں کروڑ ہندوؤں میں بانی ہندو بھی ایسے نہیں بتائے جاسکتے
 جو اس بات کا دعویٰ کریں کہ اُن کے بزرگ سلطان تغلق یا علاء الدین خلجی کے دائرہ حکومت
 اور حدود سلطنت سے باہر تھے۔ یا مسلمانوں کے محکوم و مغلوب نہ تھے۔ یہ بانیوں کروڑ
 ہندو درحقیقت بانیوں کروڑ دلائل اس بات کے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں
 اپنی سلطنت و سطوت و شوکت کو تبلیغ اسلام کے لئے قطعاً استعمال نہیں کیا اور لوگوں کو
 مذہب کے معاملے میں مختار و آزاد رہنے دیا اور اپنی اسلام کی تعلیم نہ لایا اور غیاث الدین
 سلطان غیاث الدین تغلق کا باپ اگرچہ

ہندوؤں کے ساتھ رشتہ داری | افغانستان یا ترکستان سے ہندوستان

میں آیا تھا۔ لیکن غیاث الدین تغلق ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا غیاث الدین تغلق
 کی ماں تاریخ فرشتہ کی روایت کے مطابق پنجاب کے کسی جاٹ کی بیٹی تھی۔ غیاث الدین
 تغلق ہندوستان ہی کو اپنا وطن سمجھتا تھا۔ وہ فاتح اور مفتوح کے امتیاز کو مٹا کر ہندو
 مسلم اتحاد و مساوات کا خواہاں اور قومیت متحدہ ہند کی تعمیر و تاسیس میں کوشاں
 تھا۔ چنانچہ اُس نے سنہ ۱۲۰۶ء میں جب کہ وہ دیپا پور کا صوبہ دار یا عامل تھا اپنے

کی بیٹی کی رانا مل مٹی کے پاس اس کی بیٹی کی خواستگاری کے لئے شمس سراج عقیف مصنف ہاریج فیروز شاہی کے پردادا کی معرفت پیغام پہنچا یا گیا۔ رانا مل مٹی نے اختلاف، مذہب و قوم کی وجہ سے اس پیغام کی تعمیل تسلیم میں تامل کیا۔ لیکن لڑکی نے رانا مل کی ماں یعنی اپنی دادی سے اس پیغام کا حال سُن کر اور غازی ملک (غیاث الدین تغلق) کی ناراضگی کے اندیشے سے پریشان دیکھ کر کہا کہ تم حاکم دیپا پور کے پیغام کو قبول کر لو اور اسے ناراض نہ کرو۔ رہی یہ بات کہ میں تم سے جہا ہو کر ایک مسلمان کی بیوی بن جاؤں گی تو اس کے متعلق تم یہ تصور کر لینا کہ ہماری ایک لڑکی کو مغل لے گئے۔

”دباہد والنت کہ یک دختر را مغلان بردند“

(ہاریج فیروز شاہی از شمس سراج عقیف)

چنانچہ رانا مل اپنی ماں سے لڑکی کے الفاظ سُن کر فوراً آمادہ ہو گیا اور سالار رجب کے ساتھ لڑکی کی شادی کر دی۔ اس واقعہ کو شمس سراج عقیف نے اپنی تاریخ میں تفصیل بیان کیا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | اس موقع پر یہ بات قابل غور ہے کہ اس زمانے سے پہلے پنجاب و ملتان کے علاقوں میں مغل بار بار حملہ آور

ہوتے رہتے تھے جیسا کہ تاریخوں سے ثابت ہے اور اس کتاب کے گذشتہ باب میں بھی ذکر آچکا ہے۔ لڑکی کے بے ساختہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ مغل حملہ آور ہو کر مال و دولت کے ساتھ ہندوؤں کی خوبصورت لڑکیوں کو بھی چھین کر لے جاتے تھے۔ اور اس زمانے میں مغلوں کی اس دست درازی کی خاص طور پر شہرت تھی۔ یہ مغل کون تھے؟ یہ وہ مغل تھے جنہوں نے خلافت بغداد کو برباد کیا، جو انسانوں بالخصوص مسلمانوں کا خون بہانے میں لذت محسوس کرتے تھے۔ غرض کہ کافر غیر مسلم اور چنگیزی آئین کے پیرو تھے۔ ہندوستان کو ان کے حملوں سے بچانا اور باشندگان ہندوستان کی حفاظت کرنا مسلمان ثواب کا کام جانتے تھے۔ غیاث الدین تغلق نے سلطنت حاصل کرنے سے پہلے دیپا پور کا حاکم ہونے کی حیثیت سے قریباً تیس مرتبہ مغلوں کے حملوں کو روکا اور ان کو شکست دے دے کر بھگایا تھا اسی لئے وہ غازی ملک کے نام سے مشہور تھا اور اسی لئے رانا مل کی بیٹی نے وہ الفاظ کہے تھے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ چونکہ اسی زمانے سے مغلوں کے بادشاہ

جو ماوراء النہر خراسان، بلخ، ایران، منگولیا، آذربائیجان، دشت قباچاق وغیرہ میں حکمران تھے۔ مذہب اسلام سے واقف ہونے کے لئے اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور اسلام قبول کرنے لگے تھے۔ اُن نو مسلم مغل سلاطین کو دیکھ کر ان کی قوم بھی اسلام میں داخل ہونے لگی تھی جس کی وجہ سے اُن میں تہذیب اور ہمدردی نوع انسان پیدا ہوئی شروع ہوئی۔ سوچنے اور سمجھنے کے قابل بات یہ ہے کہ جب تک مغل اسلام سے ہیکا نہ اور قتل و غارت پر آمادہ رہے تو ہندوستان کے مسلمانوں نے سینہ سپر ہو کر اُن کے حملوں کو روکا اور ہندوؤں کی قوم کو جو مغلوں کے لئے بڑا ترلقمہ تھا، بچا یا۔ سلطان بلبن کا ولی عہد بیٹا خاں شہید انھیں کافر مغلوں کے مقابلہ میں شہید ہوا سلطان بلبن کے بھائی شیر خاں نے جو دنیا کے مشہور ہمار سپہ سالاروں میں شمار ہوتا ہے اپنی عمر کا بڑا حصہ انھیں مغلوں کے روکنے میں صرف کیا سلطان جلال الدین خلجی نے بادشاہ ہونے سے پہلے اپنی ساری عمر بحالت سپہ سالاری انھیں مغلوں کی معرکہ آرائیوں میں گزاری، سلطان غیاث الدین تغلق بھی بادشاہ ہونے سے پہلے انھیں مغلوں کے مقابلہ میں ستر سکندری بنا ہوا تھا۔ آخر اسلام نے خود مغلوں کے اندر داخل ہو کر ان کو شائستہ بنایا اور ہندوستان ان کے حملوں سے محفوظ و مطمئن ہوا۔ غرض کہ اسلام اور مسلمانوں نے اس عظیم الشان خطرہ کا خاتمہ کر کے ہندوؤں کو بچا یا لیکن کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ آج ہمارے ہندو دوست ہم کو سناتے ہیں کہ ہم میں لڑکیوں کی چھوٹی عمر میں شادی کرنے کا رواج اس لئے ہوا کہ مسلمان ہمارے جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو اٹھا کر لے جایا کرتے تھے اس جہالت اور نالائقی کا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم اور کافر مغلوں کو جنھیں اسلام اور مسلمانوں سے کسی قسم کا بھی تعلق نہ تھا مسلمان سمجھ کر مسلمانوں کو الزام دیا جا رہا ہے۔ بات کسی قدر طویل ہوئی تذکرہ یہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے بھائی کی شادی ہندوؤں میں محض اس لئے کی تھی کہ ہندو مسلمانوں میں انس اور تعلق پیدا ہو کر بیگانگی و عداوت نہ سالار رجب کی شادی اس سے پہلے مسلمانوں میں ہو چکی تھی اور اس پہلی بیوی سے سالار رجب کے بیٹے بھی پیدا ہو چکے تھے جو موجود تھے سالار رجب کی اس دوسری ہندو بیوی کا نام ناکہ یا نالہ دیبی تھا۔ شادی ہونے کے بعد غیاث الدین تغلق نے اس کا نام بی بی کتاؤ رکھا۔ اس بیوی سے سالار رجب کے ایک بیٹا پیدا ہوا جس

کا نام فیروز خاں رکھا گیا۔ فیروز خاں کی عمر چھ یا سات سال کی تھی کہ سالار رحبہ انتقال ہوا۔ بی بی کدبائو کے صرف یہی ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ سالار رحبہ کی وفات پر بی بی کدبائو روتے اور جیسا کہ عورتوں کا دستور ہے کہنے لگی کہ اب اس لڑکے کو کون پرورش کرے گا۔ یہ الفاظ سن کر غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق نے کہا کہ تو مطلق فکر نہ کریں اس کو اپنے بیٹوں کی طرح پرورش کروں گا۔ چنانچہ غیاث الدین تغلق نے فیروز خاں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں اپنے بیٹوں کی تربیت سے زیادہ اہتمام ملحوظ رکھا دیکھو تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عقیف، یہی فیروز خاں تھا جو سلطان محمد تغلق ابن غیاث الدین تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق کے نام سے ہندوستان کا شہنشاہ ہوا۔

سلطان محمد تغلق

اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق تخت نشین ہوا یہ وہی محمد شاہ تغلق ہے جو خسرو خاں نمک حرام ہندو زادہ کے عہد حکومت میں دہلی کے اندر بھدہ امیر آخر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے ہندوؤں کی ان نالائقیوں کو جن کا ذکر باب چہارم کے آخری حصے میں ہو چکا ہے دیکھ چکا تھا۔ بھدہ و بھمدی دکن میں ہندو راجاؤں سے جو معاملات پیش آچکے تھے وہ بھی ہندوؤں سے منفرد پیدا کرنے کے لئے کافی تھے لیکن اس سلطان نے تخت نشین ہو کر اپنے باپ کی مانند ہندوؤں سے قطعاً کوئی انتقام لینا نہیں چاہا۔ غلج بنگال سے افغانستان و گجرات تک اور کوہ ہمالیہ سے راس کمارے تک تمام براعظم ہندوستان اس کے زیر نگین اور گجرات، الود، دیوگیر، مرہٹ، تلنگ، کرناٹک، کنپلہ، دھور سدر، متہر، لکھنوتی، شنگاؤں، سنارگاؤں، ترہٹ، طفر آباد، میان دو آب، پنجاب، ملتان، سندھ، دیپالپور، وغیرہ صوبوں میں منقسم تھا۔ عہدِ ظلمت ہی میں جنوبی ہند کی فتح کے بعد سلطنت اسلامیہ تمام براعظم ہند پر چھا گئی تھی۔ لیکن دکن کے اکثر راجاؤں کو خراج گذاری اور اطاعت کا وعدہ کران کے مقبوضہ علاقوں پر بدستور حکمران چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان راجاؤں نے دارالسلطنت دہلی کے تغیرات کا حال سننے ہی پھر سرکشی و بغاوت پر

متعدی ظاہر کی اور محمد تغلق نے باپ کے حکم کے موافق ان راجاؤں کے سرگروہ روڑ دیو کو معہ اس کے بیٹے کشنا نایک کے گزرتار کر کے دہلی بھیج دیا۔ اس کے ملک پر اپنی طرف سے عامل اور حاکم مقرر کر دیئے۔ باقی راجاؤں نے معافی مانگی اور پھر انسر لو باج گزاری اور فرماں برداری کے اقراروں کی تجدید کی اور سلطنت اسلامیہ نے اسلامی عفو و درگزر کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو پھر معاف کر دیا تھا۔ محمد تغلق کی تخت نشینی کے وقت کل ہندو عظیم ہندو مسلمانوں کا مغلوب و محکوم تھا اور یہ توقع ہرگز بے جا نہ تھی کہ سلطان محمد کسی ہندو کو برسرِ اقتدار نہ بنائے گا۔

محمد تغلق کی ہندو نواری | خانہ ان غلامان کے آخری سلطان کو شاہد و شراب کے ذریعہ گمراہ مہے راہ روی پر آمادہ کیا گیا تھا خانہ ان غلیبہ کی بربادی میں بھی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی اسی قسم کی کمزوریوں نے ہندوؤں کو دہلی اور تخت سلطنت پر تسلط اور مستولی کر دیا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے زانی تھا۔ نہ شرابی، اس کے اخلاق میں اس قسم کی کوئی کمزوری نہ تھی۔ لیکن چونکہ وہ مسلمان تھا اور اپنا سینہ فراخ رکھتا تھا لہذا اس نے تخت نشین ہوتے ہی روڑ دیو کے بیٹے کو اقرار اطاعت لے کر تلنگانہ کی ریاست پر بحال کر کے بھیج دیا الغنٹن صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ:-

”ورنگل کا قلعہ فتح کیا اور راجا کو پکڑ کر دہلی لایا مگر تھوڑے دنوں بعد

اس کی رہائی ہوئی اور وہ اپنے راج پر دوبارہ قائم ہوا۔“
الغنٹن کی تحقیق ناقص ہے روڑ دیو دہلی آتے ہوئے راستے میں بیمار ہو کر فوت ہو گیا تھا۔ شمس سراج عقیف نے اس کی وفات کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے محمد تغلق نے کشنا نایک امن روڑ دیو کو اس کے آبائی علاقہ کا حاکم بنا کر دہلی سے رخصت کیا مگر قلعہ ورنگل کو اپنے اہل کاروں کے قبضے میں رکھا تاکہ کشنا نایک کو قلعہ ورنگل کی حصانت و مضبوطی گمراہ نہ کرنے پائے اور وہ باغی ہو کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال سکے کشنا نایک نے تلنگانہ کا راجہ بن کر مقام کو لاس کو اپنا دارالریاست بنایا۔ محمد تغلق جب کشنا نایک کو تلنگانہ کا راجہ بنا کر دہلی سے رخصت کرنے لگا تو روڑ دیو کے نوکر مسلی کتو نے کشنا نایک کے ساتھ جانے سے انکار کیا اور شاہی غلاموں میں شامل ہو کر

رہنا پسند کیا جس کا سبب یہ تھا کہ وہ قیام دہلی کے زمانے میں ملک احمد آیار کے ہمراہ جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ کا مرید باخلاص تھا۔ حضرت مدوح کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہتا اور کرشنا نایک کے دکن کی جانب رخصت ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے کرناٹک کا علاقہ بھی باج و خراج کا اقرار لے کر وہاں کے قدیمی ہندو رایوں اور راجاؤں کو سپرد کر دیا جن میں رائے کنبہ اور بلال دیو خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ گندمانہ اور جھیر کا علاقہ ناگ نایک یا ناگ دیو کو سپرد کیا۔ پنجاب کے دہلیہ رچنا کا بڑا حصہ تلک چند گکھڑ یا تلک چند گھوگر کی حکومت میں دے دیا۔ اودھ اور بہار کے بعض اضلاع میں بھی اس نے وہاں کے ہندو سرداروں کے سند حکومت عطا کر دی۔ صوبہ گجرات کا بہت بڑا حصہ ہندو رایوں اور راجاؤں میں تقسیم کر کے وہاں ایک سلطانی امیر مقرر کیا کہ وہ باج و خراج کی وصولی اور ہندو راجاؤں کی نگرانی کرتا رہے مان راجاؤں میں رانا مندل کچھ کا راجہ اور کنگار کرناٹک راجہ گڑھ کا راجہ خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ ماندیو کو بکلاٹہ کا حاکم بنایا راتے ہاروب کو بھی گجرات ہی کے علاقے میں ایک تعلقہ عطا کیا گیا۔ نہروالہ میں حوض سہلنگ کے مہنتوں کو بھی عالمانہ اختیار ت اور جاگیریں عطا کیں۔ ٹھٹھہ کی حکومت بھی ایک ہندو سسی راتے آنر کو جو قوم سومرے تعلق رکھتا تھا عطا کی مقام گونڈل متصل ٹھٹھہ میں بھی ایک ہندو حکمران تھا۔ گلبرگہ کی حکومت پر بھی ایک ہندو کو مامور کیا گیا۔ گورکھپور کا علاقہ بھی ایک ہندو کی حکومت میں دے دیا گیا۔ میوات کی حکومت بھی ایک ہندو کو عطا کی گئی۔ سامانہ کی نظامت میں چوہان راجپوتوں اور دوسرے ہندوؤں کو حکومتیں عطا کیں۔ کوہ پابہ کا علاقہ موجودہ ضلع سہارنپور (ہردون) بھی راجپوتوں اور گوجروں کے سپرد کر دیا گیا۔ سالورہ کا علاقہ (موجودہ ضلع انبالہ) پر داری راجپوتوں کو عطا ہوا کیتھل اور سنام میں منڈاہر اور بھٹی راجپوتوں کو ہر سرائتدار بنایا گیا۔ برن کی نظامت میں بھی ہندو ریاستیں موجود تھیں (مستفا ملا تارینچ فرشتہ و تارینچ فیروز شاہی و طبقات اکبری و منتخب التواریخ وغیرہ) ہندوؤں نے منو شاستر کی رو سے شودر قوموں کی جو مٹی پلیدی کی ہے معلوم عوام ہے تین اونچی ذاتوں کے علاوہ باقی تمام اقوام شودروں میں شامل اور کسی ترقی کی آرزو ہی نہیں کر سکتی تھیں۔ محمد تغلق نے ہندوؤں کی کئی شودر قوموں کو ترقی دے کر حکومت

کے مرتبے تک پہنچا یا اور ہندوستان کی مشہور و قابل تذکرہ اقوام میں شامل ہو جانے کا اُن کو موقعہ دیا۔ لکھنؤ، میواتی، مینے وغیرہ اگرچہ چوری، ڈکیتی اور راہ زنی میں ممتاز تھے۔ لیکن حکومت و سرداری اور امارت و سردری ان میں کبھی نہیں پائی گئی تھی محمد تفلک نے ان لوگوں کو باقاعدہ حکومتیں عطا کر کے مذہب و شالستہ بنایا۔ بعد میں خاندان تغلق کے آخری بادشاہوں کے لئے یہ لوگ اگرچہ باعث تکلیف ہوئے۔ مگر بہت جلد اپنی حالت کی ہوتی شائستگی کی بدولت اسلام میں داخل ہو گئے۔ سلطان محمد تغلق اور اس کے با اقتدار امراء و وزرا مصاحبین اور اس زمانے کے تمام مسلمان اگر اسی قسم کی پرست ہمتی اور تنگ خیالی میں مبتلا ہوتے جیسی کہ ہندوؤں سے ظاہر ہوتی رہی تھی اور وہ لوگ ہندوؤں کو اس ملک سے فنا کرنے پر آمادہ ہوتے تو اس زمانے میں کوئی چیز بھی مانع نہ تھی کہ ہندوؤں کو اس طرح اختیار و اقتدار عطا نہ کیا جاتا اور ہندو قوم کو کس مہری کے عالم میں فنا ہونے کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کے مذہب سے واقف ہونے کا بھی ہمیشہ شوق رہا۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ میں نے بارہا سلطان محمد تغلق کو ہندو فقیروں اور جوگیوں کے پاس بیٹھے اور اُن سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ سلطان محمد تغلق ایک پابند صوم و صلوات اور عباسی خلیفہ کی غلامی کا دم بھرنے والا شخص تھا۔ اگر اسلام محکوم کافروں پر ظلم و ستم کی اجازت دیتا تو محمد تغلق کبھی ہندوؤں کے ساتھ درگزر اور احسان کا ہر تاؤ نہ کرتا۔ لیکن اُس نے کسی ہندو کو اس کے ہندو ہونے کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر گارڈن براؤن آئینہ ہانی کے مضمون سے جو یوپی ہٹار بیل سوسائٹی جرنل میں اور اس کے بعد مشہور علمی رسالہ معارف اعظم گڑھ کی جلد چہارم و پنجم میں شائع ہوا پروفیسر مذکور کے وہ الفاظ جو محمد تغلق کی ہندو و نوازی پر روشنی ڈالتے ہیں نقل کر دیتے جاؤں مجھ کو پروفیسر صاحب مذکور کے ایک اہم نظریہ سے سخت اختلاف ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ پروفیسر مذکور نے اس مضمون کے لکھنے سے پہلے محمد تغلق کے حالات تاریخوں میں غور و تامل کے ساتھ مطالعہ کئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

”ہندو رعایا کے ساتھ برتاؤ سوائے سختی و سخت گیری کیسی اس نے تو اکبر سے پہلے ہی ایک طرفستی کی رسم کو مسدود کر دیا دوسری طرف

ہندو راجاؤں کو اعلیٰ جنگی مناصب اور دیگر قابل ہندوؤں کو اعلیٰ ملکی خدمات پر نائز کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے دولت مند ہندوؤں کی دولت و ثروت میں مطلق دست اندازی نہیں کی پر فی کا زر فرضی پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اُس سے ہندوؤں کی دولت مندی و تو نگری میں ترقی ہوتی رہی اُس نے محمد تغلق نے قدیم و جدید ہندو ریاستوں کو نیم خود مختاری کی حالت میں چھوڑے رکھا اس کے طرز عمل کی دانشمندی سے وہ لوگ ترانکار کر ہی نہیں سکتے جو اکبر کے طرز حکومت کے مداح ہیں

پھر اسی مضمون میں آگے چل کر پروفیسر محمد وح لکھتے ہیں کہ مسلمان مورخوں نے محمد تغلق کو صرف اس لئے بُرا کہا اور اس کی خوبیوں کو چھپا یا ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ بے تعصبی اور رواداری کا برتاؤ کرتا تھا۔ محمد تغلق کی نسبت مسلمان مورخین کے مخالفانہ طرز عمل کی نسبت پروفیسر صاحب نے غلط سمجھا یا غلط بیان کیا ہے۔ جیسا کہ آگے ثابت ہو جائے گا۔ لیکن کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ محمد تغلق ہندوؤں کی اس قدر زیادہ رعایت کرتا تھا کہ مسلمانوں کے لئے اس کی ہندو لہازی موجب ملال ہو سکتی تھی۔

عیسائی مورخین کی چالاکی | عیسائی مورخین نے ہندوستان کی تاویلیں لکھنے کے لئے اپنی تاریخ نویسی کے چند اصول وضع کر لئے

ہیں۔ ان اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے جس مسلمان بادشاہ کی نسبت ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ پابند شرع تھا اس کے عیوب گنوائے اور بہت سی ناکردہ خطائیں اس کے سرکھوپ دینے میں انتہائی سرگرمی اور انتہائی چالاکی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کو یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ ایک پابند شرع مسلم بادشاہ کامیاب فرما دیا نہایت ہو جائے۔ اُن کی ہوشیاری اور چالاکی کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ہر ایک ناکام رہنے والے سلطان کو پابند شرع ثابت کرتے اور ہر ایک ناکامی کا سبب پابندی شرع قرار دیتے ہیں۔ عیسائی مورخوں کا معاملہ ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ ہم کو اس وقت ہندوؤں بالخصوص ہارا شتری اور جدید پنجابی ہندو طبقہ سے محمد تغلق کے معاملے میں خاص طور پر یہ شکایت ہے کہ ان کو محمد تغلق پر بہتان باندھنے اور اس کو گالیاں دینے میں کیوں مڑا آتا ہے محمد تغلق کے دربار میں ہندوؤں کا کثرت (۱۳۱) بار، کاسب سے ۱۵

ثبوت ہے کہ اس عاقل و عادل پادشاہ نے خسرو خاں نیک حرام اور خسرو خانی ہندوں کی شرارتوں کو انھیں کی ذات تک محدود رکھ کر ساری ہندو قوم کو ذمہ دار نہیں بنایا تھا۔ خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں محمد تغلق کے دربار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

”و جمیع رایان و زمینداران مملکت کمر خدمت بستہ دائم ہر گاہ او حاضر می بودند

ضیاء برنی لکھتا ہے کہ:-

”از کثرت طوائف مختلف و اطاعت و بندگی رایان و راعیگان و مقدمات ہر دیار

دور گاہ سلطان محدود و نیچے بس شگرف پیدا آمدہ بود کہ پختاں رونق در سرا

و کثرت نلتق در عہود ما ضیہ مشاہدہ نشدہ است“

محمد تغلق نے ایک لاکھ اور ہر دایت دیگر
انسی ہزار سواروں کا لشکر خسرو ملک کی
سرداری میں کوہ ہمالیہ کی فتح کے لئے

محمد تغلق کی فرضی حماقتیں بھی ہندوں
کے لئے مضر نہ تھیں

بھیجا اور یہ لشکر تباہ ہو گیا۔

از اندیشہ ہائے فاسد ادوایں بود کہ خواست کہ کوہ ہما چل را کہ ماہین مالک

ہندہ و دیار چین حاصل است ضبط نماید و بایں تقویہ اسرا نام دار و سر لشکران

آزمودہ را بالشکر ہائے گراں نامزد فرمودہ تا ہمہ بدرون آں کوہ در آمدہ در

گرفتن آں کمال سعی بجا آرند چوں لشکر تمام در کوہ درآمد ہندوان کوہ چل

تنگیہائے مضبوط کردہ راہ بازگشت لشکر افرو گرفتہ اکثر را بقتل آوردند

(طبقات اکبری)

یہ محمد تغلق کی غلطی یا حماقت کہی جاتی ہے لیکن اس حماقت سے ہندوں کو کوئی نقصان

نہیں پہنچا۔ ایک لاکھ جنگجو مسلمانوں کا ہندوں کی شرارت سے ہمالیہ کے دروں میں

تباہ و برباد ہو جانا مسلمانوں کا عظیم الشان نقصان تھا ہندوں کو تو کسی قسم کا نقصان

نہیں پہنچا نہ بعد میں اُن سے کوئی انتقام لیا گیا۔ بجز اس کے کہ چند روز کے بعد ہمالیہ کے

اس حصے کو قبضے میں لا کر وہاں امن و امان قائم کر دیا گیا۔

محمد تغلق نے چاندی کے سکوں کی جگہ تاجپے کے سکے جاری کئے۔ یہ بھی محمد تغلق

کی بہت بڑی خطا بتائی جاتی ہے لیکن اس کی اس حماقت سے مسلمانوں کی سلطنت کا شاہی

خزانہ خالی ہوا۔ اہل ہندوں کو حد سے زیادہ نفع پہنچا۔ جس کو دو سرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑا۔ یعنی ہندوں نے تاجپے کے سکے ڈھالنے شروع کر دیئے۔ سلطان محمد تغلق سے اس حماقت کے سلسلے میں ایک اور حماقت یہ ہوتی کہ اُس نے تاجپے کے سکے کا اعتبار بڑھانے کے لئے یہ اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے تاجپے کے سکے شاہی خزانہ میں داخل کر کے اُن کے عوض چاندی سونے کے سکے لے جائے۔ چنانچہ اس اعلان کو سنتے ہی ہندوں نے تاجپے کے مصنوعی سکوں کے انبار شاہی خزانے میں لگا دیئے اور چاندی سونے کے انبار شاہی خزانے سے لے گئے۔

ضیا بہرنی کہتا ہے کہ

”ہر خانہ از خا نہائے ہندواں دار الضربے سرا آمد و ہندواں بلاد و ممالک کرو رہا
و لکھا از مہر مس ضرب کنا نیدند و ہم ازاں خراج میدادند و ہم ازاں اسپ
و اسلحہ و نفائس گوناگوں می خریدند و ہوا لگان و مقدمان و فوطان از مہر مس باقوت
و شوکت شدند و ہر زرگرے در خانہ خود مہر مس می نہ دو از مہر مس خزانہ پر می شد
سلطان محمد حکم خود را در بابت سکہ مس فسق کرد و فرماں داد تا ہر مہر کہ سکہ مس
موجود باشد در خزانہ رسانند و عوض آں مہر زر قدیم از خزانہ ببرند“

غرض کہ سکہ مس والی حماقت نے ہندوستان کے ہندوں کو مال دار بنا کر سلطنت، اسلامیہ کے خزانے کو خالی کر دیا اس معاملے میں ہندوں کو سلطان محمد تغلق کا دعا گو ہونا چاہیے نہ یہ کہ اس کو گالیاں دی جائیں۔

محمد تغلق نے بجائے دہلی کے دیو گڑھ کو دولت آباد کے نام سے دار السلطنت بنانا چاہا اور باشندگان دہلی کو یہ تکلیف مالا بیطاق دی کہ وہ دولت آباد میں جا کر آباد ہوں اس سے دہلی والوں کو بڑی اذیت پہنچی۔ یہ بھی اس کی بہت بڑی حماقت بتائی جاتی ہے لیکن اس حماقت نے بھی مسلمانوں ہی کو زیادہ نقصان پہنچایا ہندوں کو نقصان پہنچنے کا کوئی ثبوت کسی تاریخ سے نہیں ملتا۔ دہلی جس کو اُس نے ویران کرنا چاہا تھا زیادہ تر مسلمانوں ہی سے آباد تھی۔ مسلمان وزرا۔ مسلمان امرا۔ مسلمان سپہ سالار، مسلمان اہل کار۔ ہی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس کے اس حکم کا نشانہ تھے کیونکہ یہی لوگ دار السلطنت کے لوازم تھے انھیں کے مکانات دہلی میں ویران ہوئے انھیں کو دیو گڑھ دولت آباد

میں اپنے مکانات بنائے پڑے یہاں تک کہ ایک نہایت عظیم الشان سچے سالار اور سلطنت اسلامیہ کا زبردست بازو یعنی ملتان کا صوبہ دار ملک بہرام ایبہ جو غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بھائی ہوئے کی وجہ سے سلطان محمد تغلق کا چچا بھی تھا اسی تبدیل سکونت اور دولت آباد میں مکان کی تعمیر کو یست و عمل میں ڈالنے کے سبب ہلاک و برباد ہوا جس سے سلطنت کی طاقت و قوت میں کمی آئی ہندو دکان داروں اور وہلی کے قلیل ہندو باشندوں کی قائم مقامی کے لئے دولت آباد میں ہندوؤں کی کمی نہ تھی۔ بہر حال اس معاملے میں بھی ہندوؤں کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ سلطان محمد تغلق کو گالیاں دیں۔

سلطان محمد تغلق نے ایک بہت بڑی فوج ایران و خراسان کی فتح کے لئے جمع کی اور سال یا دو سال تک اس کے مصارف برداشت کئے مگر خراسان پر چڑھائی نہ کی اور کوئی کام لئے بغیر اس فوج کو منتشر کر دیا۔ اس سے خزاہ شاہی کو سخت نقصان پہنچا یہ بھی اس کی حالتوں میں سے ایک حاکم ہے لیکن اس حاکم سے بھی ہندوؤں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا کیونکہ ضیا برنی اور فرشتہ کی روایت کے موافق اس جدید فتح کی تعداد تین لاکھ ستر ہزار تھی جس میں کئی ہزار مغل بھی شامل تھے یعنی امیر لڑو مغل جو ترمشیر میں خاں مغل کا داماد تھا کئی ہزار مغلوں کو لے کر آیا اور سلطان محمد تغلق کی فوج میں نوکر ہو گیا تھا۔ بہت سے افغان بھی افغانستان سے آکر اس فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ اگر سلطان کو ہندوؤں کے برباد کرنے کا کچھ ذرا سا بھی شوق ہوتا تو اس حالت میں کہ وہ خراسان پر حملہ آور نہیں ہو سکا تھا اس پورے چار لاکھ فوج کو جو سال بھر سے زیادہ بیکار رہ کر شاہی خزانے سے تنخواہ پاتی رہی تھی اسی کام پر لگا دیتا کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب کو نہیں تو موٹے موٹے ہندوؤں کو قتل کر کے اور ان کے مال و دولت کو جمع کر کے شاہی خزانہ میں شامل کرتے چلے جاؤ۔ لیکن کسی مسلمان کے دہم و گمان میں بھی اس قسم کا بیہودہ خیال نہیں آ سکتا تھا۔ ہاں ان لوگوں کے لئے جو بدھوں کو ہندوؤں سے تنہم سوخت کر چکے تھے یا جو مسلمانوں کو ہندوستان سے معدوم کرنے کا ارادہ و خواہش رکھتے ہیں یا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اندلس سے مسلمانوں کے فنا کرنے میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی سنگ دلی و سفاکی کے نمونے پیش کئے ایسا خیال اور ایسا ارادہ

موجب تعجب نہیں ہو سکتا تھا۔

محمد تغلق کی حماقتوں میں سے ایک یہ
اطناب و طوالت کلام کی معذرت

آدمیوں کا شکار کیا اور بے گناہ مخلوق کو گھیر گھیر کر اس طرح قتل کیا جیسے جینٹل کے
ورندوں کا محاصرہ کر کے ان کا شکار کیا جاتا ہے۔ محمد تغلق کے جرائم کی فہرست میں اس
جسم کو بہت زیادہ نمک مرچ لگا کر بیان کیا جاتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اسی
جسم نے اس کو سب سے زیادہ کشتنی و گردن زدنی قرار دیا ہے۔ چونکہ محمد تغلق کے
جرائم میں یہ سب سے بڑا اور آخری جرم ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
اس بے بنیاد جرم کی حقیقت بتانے اور سمجھانے سے پیشتر ان اسباب کو مفصل بیان
کر دیا جائے جن کی وجہ سے اس روشن خیال سلطان پر مورخین کے ہاتھوں بے حد ظلم
ہوا ہے۔ چونکہ اس کے اس سب سے بڑے نام نہاد گناہ سے سرسری طور پر اس لئے
نہیں گذرا جاسکتا کہ ہمارے ہندو دوستوں کی تسکین نہیں ہو سکے گی۔ وہ چونکہ ان شکار
ہونے والوں میں بے زبان اور بے دست و پا ہندوؤں کی کثرت کا یقین رکھتے ہیں لہذا
مجبوراً اس کی تحقیق و تفتیش میں زیادہ توجہ سے کام لینا پڑے گا اور اسی سلسلے میں باقی
جرائم کی حقیقت اصلیت بھی کما حقہ منکشف ہو جائے گی۔ اگر یہ ایک آخری اور سب سے
بڑا جرم اس کی فہرست جرائم میں نہ ہوتا تو محمد تغلق کا بیان جو اس تصنیف کے لئے ضروری
تھا ختم ہو چکا تھا اور اس سے آگے ایک سطر بھی لکھنے کی ضرورت نہ تھی لیکن میں محمد تغلق
کے مفصل حالات اور اس کے عہد حکومت کی مکمل تاریخ اسی سلسلہ تصنیف میں درج
کرنے پر مجبور ہوں۔ میں نے اس جگہ محمد تغلق کے تفصیلی حالات حکومت کو اس لئے
بھی درج کرنا ضروری سمجھا ہے کہ صرف یہی ایک سلطان ایسا ہے جس کے متعلق مسلمان
بھی عام طور پر مبتلائے غلط فہمی ہیں، نہ صرف اسی زمانے کے مسلمان بلکہ متقدمین میں
بھی اس غلط فہمی کا وجود موجود پایا جاتا ہے۔ اس تصنیف کا اصل مقصد ہندو مسلم تعلقات
کو بے پردہ کر کے ہندوؤں کی غلط فہمیوں کے حور کرنے کا سامان فراہم کرنا ہے۔ لیکن محمد تغلق
کے معاملے میں مسلمانوں کی غلط فہمیوں کا رفع کرنا چونکہ ہندوؤں کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے
سے بھی زیادہ ضروری ہے اور بغیر اس کے اول الذکر اصل مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا لہذا

محمد تغلق کا مفصل حال درج کر کے اس ضروری کام کو اسی سلسلے میں ختم کر دینا میں نے مناسب سمجھا۔ قارئین کرام۔ سے توقع ہے کہ وہ ضرورت اور مجبوراً کا اندازہ کر سکتے ہیں غلطی نہ کر کے مجھ کو زیادہ مورد الزام نہ بنائیں گے۔

محمد تغلق کے مفصل حالات

محمد تغلق کے معاملے میں میں نے تن آسانی اور سہل انکاری سے مطلق کام نہیں لیا۔ محمد تغلق کے حالات کو ہر ممکن مقام سے تلاش کیا۔ اس کے ہم عہد اور قریب العہد مورخین کی کتابوں میں اس کے حالات کو کئی کئی مرتبہ پڑھا۔ میں اپنے غور و فکر اور وسیع مطالعہ کے بعد ایک ایسے نتیجے پر پہنچا جس پر پہنچنے کو میرا جی نہیں چاہتا تھا یعنی ضیاء برنی کے دانستہ یا نادانستہ طریقہ عمل سے اس عظیم الشان سلطان پر بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ اور عجیب ترین یہ کہ بعد کے بعض مورخین نے ضیاء برنی پر یہ آٹکا الزام لگا یا کہ اس نے فیروز شاہ تغلق کی وجہ سے محمد تغلق کی رعایت کی۔ حالانکہ ضیاء برنی ہی کی تاریخ ہے جس نے اس سلطان کو ظالمانہ طوع پر بدنام اور رسوائے عام کیا ہے۔

محمد تغلق پر ضیاء برنی کا ظلم | ضیاء برنی نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ابتدائے عہد حکومت سے لے کر سلطان محمد تغلق کی وفات کے چند سال بعد تک کے حالات اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھے ہیں ضیاء برنی بہت معتبر مورخ مانا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ نویسی کے معاملے میں اس کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے بڑی احتیاط اور کامل تحقیق کے بعد لکھا ہے جس کے لئے اس کی تاریخ خود شاہر عدل ہے لیکن محمد تغلق کے متعلق اس کی تاریخ کا جو حصہ ہے وہ تاریخ کے باقی حصے سے بالکل جدا اور ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ ضیاء برنی نے ۸۵۳ھ میں جب کہ اس کی عمر چوتھرا سال کی تھی اپنی تاریخ ختم کی سلطان محمد تغلق کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی۔ جب کہ ضیاء برنی کی عمر ۶۸ یا ۶۹ سال کی تھی سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی کے وقت ضیاء برنی کی عمر چالیس سال کی تھی۔ غیاث الدین بلبن کی وفات کے وقت ضیاء برنی کی عمر ایک سال اور چند مہینے کی تھی یعنی غیاث الدین بلبن کا عہد حکومت ضیاء برنی نے بالکل نہیں دیکھا اور سلطان محمد تغلق کا عہد حکومت

از ابتدا تا انتہا اس کی آنکھوں کے سامنے گذرا جب کہ وہ اچھی طرح عاقل بالغ اور صاحب منصب تھا۔ غیاث الدین بلبن نے بائیس سال اور محمد تغلق نے ستائیس سال حکومت کی غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں آہم اور قابل تذکرہ حوادث کی تعداد بہت ہی کم اور محمد تغلق کا عہد حکومت غیر معمولی طور پر عجیب و آہم واقعات کی کثرت سے لبریز ہے۔ لیکن ضیاء برنی نے سلطان بلبن کے بائیس سالہ حالات میں اپنی کتاب کے جس قدر صفحات وقف کئے ہیں محمد تغلق کے ستائیس سالہ عہد حکومت کو اتنے صفحات نہیں دیے سکا اس سے بھی زیادہ عجیب یہ کہ علاء الدین خلجی جس نے ۱۹ یا ۲۰ سال حکومت کی اس کے حالات کو محمد تغلق کی نسبت وگنے صفحات میں بیان کیا ہے۔ محمد تغلق کی نسبت یہ اختصار بجائے خود معنی خیز اور قابل توجہ ہے۔ لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ محمد تغلق والے صفحات میں تاریخی شان مفقود اور معاذ اسلوب بیان ہر جگہ موجود ہے تو حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ضیاء برنی اپنی تاریخ میں اکثر ترتیب زبانی کو ملحوظ رکھتا اور واقعات کو بقیہ سن و سال بیان کرتا ہے۔ لیکن محمد تغلق کے حالات میں یہ چیز بالکل غائب ہو جاتی ہے اور ستائیس سال کے حوادث کو بالکل گڈ ٹڈ کر کے اور باعتبار نوع چند فصلوں میں منقسم کرنے کے بعد اس طرح بیان کرتا ہے کہ پہلے سال کا ایک واقعہ بیویوں سال کے کسی واقعہ سے متعلق نظر آتا ہے اور پڑھے والا ترتیب زمانی کے غائب ہو جانے کی وجہ سے اپنی فہم و فراست کو بالکل بیکار و معطل پاتا اور اسی نتیجے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو ضیاء برنی نے برا کرنا چاہا ہے۔

ضیاء برنی کی تاریخ کو سامنے رکھ کر کوئی شخص ہندوستان کے قابل تذکرہ واقعات کی بطور اشارات ایک فہرست بقیہ سن و سال مرتب کرنا چاہے تو وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے شروع عہد حکومت سے لے کر غیاث الدین تغلق کے آخر عہد حکومت تک اس فہرست کو باسانی لکھتا چلا جائے گا۔ لیکن محمد تغلق کے تذکرہ پر پہنچ کر وہ دیکھے گا کہ قابل تذکرہ واقعات تو ہیں لیکن فہرست میں ان کی ترتیب قائم نہیں ہو سکتی ضیاء برنی تغلق کے معاملے میں اس مخصوص طرز عمل کا خود بھی مقرر ہے وہ کہتا ہے کہ

”من دریں تاریخ کلیات مصالح جہاں داری و امہات امور ملک دانی سلطان محمد بنشہ و در تقدیم و تاخیر ہر نفع و اول و آخر ہر گزشتہ و فتنہ و حادثہ نظر

مینداختہ و ترتیب نسق مراعات نمونہ کہ اہل دانش را از مطالعہ کلیات منسلح
جہاں داری و جہات امور ملک را فی اعتبار و استبصار حاصل شدہ نیست ؛
پھر ایک دوسری جگہ فتن و حوادث کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ
تو اگرچہ حوادث و فتن و بغی و شطوط کہ در ملک سلطان محمد زاد بر حسب ترتیب
و تعیین تاریخ در قلم نیا مدہ است و تشریح تمام نشدہ فاما جملہ کردار کہ محصل
غرض مطالعہ کنندہ بود نوشتہ ام ؛

تعجب کی بات یہ ہے کہ بے چارہ محمد تغلق ہی کے حالات میں کلیات و اہمات کا انتخاب
بلا لحاظ تقدیم و تاخیر کیوں ضروری سمجھا گیا اور دوسرے بادشاہوں کے حال پر یہ مہربانی
کیوں نہیں فرمائی گئی ہے

ہرم میں غیروں کی پہلے سب سے ہم پر اتفاقات
کچھ نہ کچھ آمیز ساقی تیرے پیمانے میں ہے
محمد تغلق کے ساتھ ضیاء برنی کی یہ خصوصیت ایسی نہیں کہ اس کو نظر انداز کر دیا
جائے۔

ضیاء برنی کی چالاکی | ضیاء برنی محمد تغلق کی اُن خوبیوں سے جو معلوم عوام اور
بطور ضرب المثل زبانوں پر جاری تھیں انکار نہیں
کرتا کیونکہ اس انکار سے وہ خود اور اس کی تاریخ و دلیل ہو سکتی تھی۔ اس سے اُس کی
دانائی اور ہوشیاری کا ایک ثبوت بہم پہنچتا ہے وہ محمد تغلق کے کسی چھوٹے سے
چھوٹے عیب کو بھی ذکر کئے بغیر نہیں چھوڑتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے عیبوں کے
تلاش کرنے اور اس کی برائیوں کے بیان کرنے میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ پُراثر
الفاظ اور یقین دلائے والا لہجہ اختیار کرتا ہے۔ ساتھ ہی واقعات اور حوادث کی ترتیب
زمانی کو جگاڑ کر اس نے اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ پڑھنے والا خواہ مخواہ اس سلطان
سے بد عقیدہ ہو جاتا ہے۔ ضیاء برنی نے محمد تغلق کے معاملہ میں بڑی ہی چالاکی سے کام
لے کر خود ہی اس کو جامع اضداد قرار دے دیا ہے۔ ضیاء برنی نے سلطان محمد تغلق
کے کارناموں کا تذکرہ تو حد سے زیادہ مختصر کر دیا ہے لیکن اس کے اخلاق و عادات کا
بیان کرتے ہیں، بہت تفصیل اور غیر ضروری طوالت سے کام لے کر اوراق رنگتا چلا گیا ہے۔

اس کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے مہمانہ آمیز الفاظ جو اثر سے بالکل خالی ہوتے ہیں، بکثرت استعمال کرتا ہے اور پیچ، پیچ میں ایسے فقرات لکھ جاتا ہے جس سے تمام مذکورہ مرتبہ الفاظ کا اثر زائل ہو کر اس کی برائی کا یقین مستحکم ہو جاتا ہے مثلاً وہ لکھتا ہے کہ

”باری تعالیٰ دلفریب اسماۃ سلطان مغفور محمد بن تغلق شاہ راز عجائب
آفرینش و ازاور آفریدگان آفریدہ بود و بہتہ کہ تشبیہ و تمثیل آں نہ و آسمان
گنبد و نہ زمین احتمال کند منتصف گردانیدہ و در جبلت او خاص اوصاف
جہانگیری و لوازم اخلاقی جہاں داری منظور گردانید و در رگ رگ و
موسے موسے او جمشیدی و کیخسروی سررشتہ و بہتہ کہ بے فراں روانی
ربیع مسکوں قرار نمی گرفت اور آراستہ و سنیہ اور ابہ تمنائے کہ برجن و
النس آمر شود پیراستہ“

اسی قسم کے الفاظ لکھتے لکھتے بطور طنز کہتا ہے کہ

”و در ازمنہ اخیر جمشیدی و فریدونی ظاہر شدہ و در اعصار واپسین سلطانی
و سکندری ظاہر گشتہ“

آگے چل کر کہتا ہے کہ

”خواستے کہ در جہان کیو مرثی و فریدونی کند و عالمیاں بجمشیدی و کیخسروی
سرافرازی و زرد و سمرتبہ سکندری کفایت ننماید و مرتبت سلطانی متعالی
گرد و دامرا و برجن و النس نفاذ باید و احکام نبوت و سلطنت از دار السلطنت
او معا و رشود و پادشاہی را بلہ بنمبری جمیع کند و من و در مشاہدہ علو بہمت کہ
او اعجب العجائب آفرینش بود حیراں و سرا سیمہ می گشتم کہ اگر بہمت آں
پادشاہ را بہمت فرعون و کمرو دی تشبیہ کنم کہ علو بہمت ایشان جز خدا سے
کردن و بندگان خدا سے را در رتبہ بندگی خود و آردن و درول مقام نکرده
است و در حصول پنج دیگر جز خدا سے متفوق نگشتہ نتوانم زیرا کہ ادائے صلوات
نعمہ و اعتقاد اسلامی و سورت و سائر طاعات و عبادات سلطانی و عبادت
اہل جنین اعتقاد سے می شود“

ضیاء برحق کے ان الفاظ کو سلطان محمد تغلق کی مدح و ثنا سمجھ لو یا اس کی نسبت

گالیاں تصور کر لو۔ اسی قسم کی دو مصنفین عبارت میں ضیاء برہنی سے مسلسل آٹھ سو صفحے رنگ ڈالے ہیں جن میں سلطان محمد تغلق کی ہجو یا ہجو لہجے کے سرا کوئی مضمون نہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سینہ میں انتقام کا ایک سمندر موجزن ہے۔ جس میں کسی طرح مسکن پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد دوسرے باب میں وہ سلطان محمد تغلق کی جماعتیں اور غلط کاریاں گنواں شروع کر دیتا ہے اور اسی قسم کا مخصوص ادا سے بیان اختیار کرتا ہے۔ ایک سب سے بڑا ظلم ضیاء برہنی نے محمد تغلق پر یہ کیا ہے کہ جا بجا اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے پڑائے زمانے کے اکثر ضوابط و آئین منسوخ کر کے نئے ضوابط جن کا نام اُس نے اسلوب رکھا تھا ایجاد کئے اور سلطنت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق نئے اسلوب جاری نہ کئے ہوں وہ ان اسالیب جدیدہ کے جاری کرنے کو برا تو بار بار بتاتا ہے لیکن ان جدید ضوابط کو پیش نہیں کرتا۔ ایک جگہ کہتا ہے کہ یہ نئے ضوابط عقلی اور منطقی طور پر تو بڑے اچھے تھے۔ لیکن ان پر عمل کرنا اور ان کا رائج ہونا دشوار تھا۔ یہاں بھی کسی ایسے ضابطے کو بطور مثال نقل نہیں کیا تاکہ کتاب کے پڑھنے والے کو کچھ تو اندازہ ہو جاتا کہ وہ نئے قوانین کس قسم کے تھے اور جو منسوخ کئے گئے تھے وہ کیسے تھے۔ یہ تذکرہ آگے بھی آئے والا ہے۔

مہر حال ضیاء برہنی کی تاریخ کا پُر غور مطالعہ کرنے والے کو اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ مولانا ضیاء الدین برہنی کو سلطان محمد تغلق سے نفرت تھی اور انھوں نے بڑی قابلیت اور ہوشیاری کے ساتھ واقعہ نگاری میں دروغ بیانی کو دخل دیئے بغیر اور اپنے مرتبہ تاریخ نگاری کی بظاہر حفاظت کرتے ہوئے ایسا طرز عمل اختیار کیا اور اس کے حالات کو اس طرح ترتیب دیا کہ اس کی خوبیاں زیر حجاب آگئیں۔

محمد تغلق کا جا مع اضداد ہونا | محمد تغلق کے حالات معلوم کرنے کے لئے ضیاء برہنی جیسے لائق اور ہم عہد مورخ سے بہتر دوسرا شخص نہیں

مل سکتا تھا لہذا بعد کے ہر ایک مورخ نے ضیاء برہنی کی تاریخ کو محمد تغلق کے لئے سب سے بہتر اور مستند تاریخ سمجھا۔ جو کچھ اور جس طرح وہ لکھ گیا تھا اسی کی نقل سب نے اپنے اپنے الفاظ میں کر دی اور اس طرح تاریخ کا ایک مسلمہ مسئلہ یہ بن گیا کہ سلاطین عالم میں محمد تغلق بہت بڑا عقلمند اور بہت بڑا ہوشیار بہت بڑا خوش اخلاق اور بہت

بڑا بدخلق۔ بہت بڑا متواضع و منکسر المزاج اور بہت بڑا جابر و متکبر۔ بہت بڑا رحم دل اور بہت بڑا ظالم و سفاک۔ مختصر یہ کہ جامع اضداد سلطان گذرا ہے۔ مانا کہ خوارقِ عادت کا ظہور دنیا میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے لیکن فہم و فراست سے کام لینے اور واقعات کی چھان بین میں خوب سوچنے سمجھنے والوں کو اپنے دل کی تسکین حاصل کرنے اور امکانی کوشش کو انتہا تک پہنچانے سے روکنے کا حق غالباً کسی کو حاصل نہیں۔ تعجب ہے کہ اعداؤ کے جمع ہونے کو محال قرار دے کر دنیا کے بڑے بڑے پیچیدہ معقولی و منطقی مسائل توڑے گئے جاتے ہیں لیکن محمد تغلق کے معاملے میں ضیاء برتئی کی تاریخ فیروز شاہی کو پیش کر کے اُس محال کو ممکن و موجود بلکہ محسوس و مشہود کا جامہ پہنا دیا جائے۔

ضیاء برتئی محمد تغلق سے کیوں ناراض تھا | ہم کو تاریخی منظر لہ کر کے والے طالب علم کے اس سوال کا جواب ضرور دینا چاہیے کہ ضیاء برتئی کو محمد تغلق سے نفرت کیوں تھی اور محمد تغلق کی اصل تصویر جس کو ضیاء برتئی نے چھپا دیا ہے کیسی تھی؟

اس سوال کے پہلے حصے کا جواب جو پروفیسر گارڈنیر راتون کے متذکرہ بالا مضمون میں موجود ہے اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ”ضیاء برتئی ایک مذہبی خیال کا شخص تھا وہ مسلمان مولویوں کے اقتدار کا خواہاں تھا۔ محمد تغلق علمائے دین کی مانتی میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہندوؤں کے ساتھ بڑی بڑی رعایتیں اور احسانات کرتا اور ان کے اقتدار کو بڑھاتا تھا اس لئے ضیاء برتئی محمد تغلق سے خوش نہ تھا۔ پروفیسر صاحب مدوح کے نزدیک محمد تغلق اسی قسم کا وسیع الشرب بلکہ لامذہب شخص تھا۔ جیسا کہ اُس سے دو سو سال کے بعد ہندوستان کا پادشاہ اکبر تھا جس طرح اکبر کی ہندو لوازی سے بعض مسلمان ناخوش ہوئے اسی طرح ضیاء برتئی محمد تغلق سے ناخوش ہوا۔ میں اس جواب کو صحیح اور غلطی سے پاک نہیں سمجھتا۔ محمد تغلق کی ہندو لوازی لامذہبیت کی وجہ سے ہرگز نہ تھی وہ سچا پکا مسلمان۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ اور انتہا درجہ کا شیعہ شریعت تھا۔ اُس نے ساری عمر کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ کبھی زنا کے پاس نہیں پھٹکا۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو اُن کے جنازے کو اس سلطان نے خود کاٹھا دیا اور کفن و دفن میں آخر تک معمولی آدمیوں کی طرح شریک رہا۔ محمد ضیاء برتئی کو سلطان

کی پابندی شرع کا اقرار ہے وہ کہتا ہے کہ

”باری تعالیٰ سلطان محمدؐ را از عجائبات آفرینش در وجود آورده و ادراک کمالات و اوصاف متضادہ اور در حوصلہ علم علما و عقل عقلائی گنجد و بحیرت العقول شمر می دهد و چگونه در اوصاف او حیرت و سرسبکی بار نیا رود کہ شخصے را کہ اسلام موروثی بود و پنج وقت نماز فرائض ادا کند و بیچ مسکے از مسکرات نہ چکد و از زنا و لواطت و نظر بجرام و خیانت نوزد و بیچ قمارے نمازد و از فسق و فجور معتاد اجتناب و احتراز نماید و بایں ہمہ خون مسلمان سنی و مومنان صافی اعتقاد چوں جوئے آب بر طریق سیاست پش واخل سلطانی روال گرداند و آ پنچناں بسیار ہی سیاست اہل اسلام کفطرہ خون ایشان عند اللہ عزیز تر از دنیا و مافیہا ست دل او نہ ہراسد“

دیکھو سلطان کی وہ تمام خوبیاں جو اس کے سپے پکے مسلمان ہونے کی دلیل ہیں بیان کرنے کے بعد اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ وہ اپنے دروازے کے سامنے مسلمانوں کا خون مہاٹے ہیں وراثت میں نہیں کرتا۔

نارا ضلگی کی وجہ ہندو لٹاڑی نہ تھی | ضیاء برقی اس بات کا شکوہ نہیں کرتا کہ سلطان ہندوؤں پر کیوں مہربان ہے یا ہندوؤں پر سختی کیوں نہیں کرتا بلکہ وہ بار بار اور بڑے جوش و غضب کے لہجے میں یہی کہتا ہے کہ محمد تعلق کو مسلمانوں کے قتل کرنے اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں ذرا تامل نہیں۔ اول سے آخر تک محمد تعلق کا تمام حال تاریخ برقی میں پڑھا جاوے۔ بیسیوں جگہ اس کو اسی بات کا شاکی پاؤ گے کہ محمد تعلق مسلمانوں کے قتل کرنے اور سزا دینے میں بہت بے باک ہے۔ لیکن ہندو لٹاڑی کا شکوہ کہیں نظر نہ آئے گا۔ اوپر کے اقتباس میں بھی ضیاء برقی کے آخری الفاظ کو دیکھو کس موثر پیرائے میں لکھے ہیں۔ ضیاء برقی نے صرف ایک جگہ ہندوؤں کے معاملے میں محمد تعلق کی شکایت کی ہے۔ جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ ہندوؤں نے دھوکا اور فریب دے کر چاندی سونے کے سکے تانبے کے سکوں کے عوض جمع کرائے اور خوب مال دار ہو گئے۔ لیکن سلطان نے کوئی تدارک نہیں کیا اور ناجائز طور پر فراہم کیا ہوا روپیہ ہندوؤں سے واپس نہیں مانگا۔ یہ ایک بہت ہی

معمولی سی بات ہے جو بائبل بے ساختگی کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ضیا برہنہ کی تخلیق سے اس لئے ناراض نہ تھا کہ وہ ہندوؤں کیوں ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ ہندوؤں کی بجائے دریا بہا دیتا اور خوب آزادی سے لکھتا لیکن وہ زمانہ آج کل کا زمانہ نہ تھا جب کہ مسلمانوں کی سلطنت ہندوستان سے مٹ جائے۔ کئے بعد ہندو مسلمانوں کے درمیان رقابت اور مخالفت کے طوفان برپا ہیں۔ اسلام نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ بے انصافی کی ہے اور ان پر ظلم و ستم روا رکھنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں کبھی بھول کر بھی اس کا خیال نہیں کیا۔ محمد تعلق کی ہندوؤں کی کا سبب اس کا مسلمان اور پابند شرع ہونا تھا نہ لازمہ ہونا۔ جیسا کہ پروفیسر گارڈن براؤن نے سمجھا ہے۔ ضیا برہنہ کی کا محمد تعلق سے ناراض ہونا بھی اس لئے نہیں تھا کہ وہ ہندوؤں کا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ وجہ ناراضگی کسی طرح چھپ نہیں سکتی تھی۔

ضیا برہنہ کی مذہبیت | پروفیسر موصوف کا یہ کہنا بھی کہ ضیا برہنہ ایک مذہبی شخص تھا کسی قدر تشریح طلب ہے۔ ضیا برہنہ نے اور اسی قریبی زمانے کے دوسرے مؤرخ شمس سراج عقیف نے جو تاریخیں لکھی ہیں وہ دونوں ایک ہی نام یعنی تاریخ فیروز شاہی کے نام سے موسوم ہیں میرے سامنے اس وقت دونوں کتابیں موجود ہیں میں نے دونوں کا بار بار بغور مطالعہ کیا ہے۔ شمس سراج عقیف بھی اگرچہ گورپستی اور بدعات کی جانب بہت مائل ہے تاہم اس میں مذہبیت زیادہ ہے اس کے مقابلے میں ضیا برہنہ کو مذہبی شخص کہتے ہوئے دل چکچکا ہوتا ہے۔ ضیا برہنہ نے خاندانِ غلامان کے آخری بادشاہ کیقتباد کی امر و پستی و شراب خواری وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قابلیت انشا پر وادی اور شاہ عراہ مضمون آفرینی کا اظہار جس طرح مزے لے لے کر کیا ہے اور بڑھا ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس نے محمد تعلق کی وفات کے بعد تاریخ لکھنی شروع کی تھی، جس حسرت کے ساتھ اپنی رند مشرقی کا پتہ دیا ہے وہ پڑھنے اور دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے اور پڑھنے والے کو مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ضیا برہنہ ایک نمشی، امیر زادہ، ذی عزت، ہوشیار، سلیقہ شعار، عالموں اور صوفیوں کا صحبت یافتہ سب کچھ سہی۔ لیکن علم دین کا عالم نہ تھا نہ پابندی شرع کا اس کو خیال تھا۔ عام پڑھے لکھے مسلمانوں کو جس قدر دینی واقفیت ہو اگر کرتی ہے وہی اس کو بھی

حاصل تھی۔ دینی معلومات اور دینی مسائل میں غور و انہماک اس کو میرٹھقا شمس سراج
عفیہ اپنی کتاب میں بجا آیات قرآن و احادیثِ نبوی کو نہایت بے ساختگی اور سلیقہ
سے نقل کرتا ہے۔ لیکن ضیاء برتئی کے یہاں یہ چیز بہت ہی نیا ہے۔ شمس سراج
عفیہ نے کسی جگہ بھی متانت و سنجیدگی کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ لیکن ضیاء برتئی کی تالیف
کے بعض صفحات جہاں وہ کسی جشن یا مجلسِ عیش کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بجا و بیکاری کا
اظہار کرتا ہے اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو یا کوئی باپ اپنے بیٹے کو پڑھ کر
سنا سکے۔ لہذا جس طرح محمد تعلق کو مذہب سے بے پردا کہنا اور اس کی ہندو فاری
کا سبب لاندہیت بتانا غلط ہے اسی طرح ضیاء برتئی کی مذہبیت کو ضیاء برتئی کی ناشکی
کا سبب قرار دینا بھی سراسر غلط ہے۔

بدعاتِ مراسمِ اوہام پرستی کا طوفان

زمانے کے ممالکِ اسلامیہ کی حالت پر بھی پُر غور نظر ڈالنی از بس ضروری ہے ورنہ اصل
حقیقت سمجھ میں نہیں آسکے گی۔ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں فتنہ تاتار نے بغداد
کے اندر خلافتِ عباسیہ کا چراغ گل کر دیا اور عالمِ اسلامیہ میں سخت لمبل اور افراتفری
برپا ہوئی تو ہزار ہا مسلمانوں نے دنیوی کاموں اور اس مادی دنیا کی سرگرمیوں سے متنفر و
مایوس ہو کر گوشہ نشینی اور ترکِ علانی کے بعد خاموش زندگی شروع کی۔ بجا صوفیوں
کی خانقاہیں آباد نظر آئے لگیں۔ یہی خانقاہیں مسلمانوں کا قبلہ توجہ بن گئیں اور اس قسم
کے فتنے سنائی مینے لگے۔

ہر گرو کعبہ کے گرد م کہ روئے یار من کعبہ

طوافِ یار خود کردم ہو سم پائے مستان را

ثبوت، منگولیا، ترکستان، خراسان، ایران، عراق، شام، آذربائیجان سب غلوں
کے زیرِ نگیں تھے جو غیر مسلم اور مسلم کش تھے۔ بعض عالموں اور بعض صوفیوں نے ان کافر
مغلوں کو اسلام کی خوبیوں سے واقف کرنے کی مبارک کوششیں کیں۔ غیر مسلم فرماں رواؤں
کو مسلمان بنانے اور اسلام کی طرف متوجہ کرنے کی مشکلات کے ساتھ ایران و خراسان
کی اس مخصوص آب و ہوائے جو ابوسلم خراسانی اور عباسیوں کی خفیہ سازشوں کے زمانے

سے موجود اور حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں کی مسلسل کوششوں کے سبب طوفان
 الحادین چلی تھی مل کر تصوف کی خانقاہوں کو ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا کہ بمشکل
 ان کو نیم مذہبی اورات کہا جاسکتا تھا۔ حکو مت کے چھین جانے کے بعد جیسا کہ ہر ایک
 قوم کے اخلاق معاشرت، تمدن، خیالات اور بہت وحوصلہ پر گہرا اثر پڑا کرتا ہے اسی
 طرح مسلمانوں کی قوم بھی متاثر ہوئی۔ وسعت و حوصلہ کی جگہ تنگ ولی اور کوتاہ نفسی
 پیدا ہونے لگی، مذہب پر یہ اثر پڑا کہ بات بات پر کفر و الحاد کے فتوے عالم نما جاہلوں کی طرف
 سے صادر ہونے لگے۔ حکمت شریعت جس کا نام تصوف تھا وہ بھی ایک عجیب و غریب
 قالب میں ڈھل گئی اور تصوف اپنے اصل مفہوم سے بالکل جدا ہو گیا۔ جاہ پرستی و دنیا
 طلبی کے جذبے نے بیدار ہو کر مسلمانوں میں دین کو دنیا پر قربان کر کے کاٹوفان برپا کر دیا۔
 ہندوستان میں جن مسلمانوں نے اسلامی شہنشاہی قائم کی تھی وہ سب جنگلی خاندان
 اور سپاہی پیشہ لوگ تھے فومسلموں کی ایک بڑی تعداد مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام
 کی کوششوں سے موجود ہو گئی تھی جن میں وہ فومسلم بھی شامل تھے جو عہدِ خلجیہ میں مسلمان
 ہو کر اُسی ملک میں رہ پڑے تھے اور ان کو مغلہ یا مولایا فومسلم کہا جاتا تھا محمد تغلق بغداد
 کی تباہی سے ساٹھ ستر سال بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس ساٹھ یا ستہ سال میں سادات
 و شیوخ کی ایک بہت بڑی تعداد خراسان و ایران و عراق سے پہلی مرتبہ ہندوستان میں
 آئی۔ ہندوستان کی اسلامی سلطنت نے چونکہ مغلوں کو ہندوستان میں ذرا بھی قدم
 جمائے کا موقع نہیں دیا اور ہر مرتبہ ان کو شکست دے دے کر بھاگ دیا تھا۔ لہذا سادات
 و شیوخ کا مذکورہ سیلاب ہندوستان کی طرف متوجہ ہو گیا ان باہر سے آئے والے مسلمانوں
 میں بڑی تعداد انھیں لوگوں کی تھی جو خراسان و ایران کی خانقاہوں سے متاثر اور ان کی
 عظمت کے قائل تھے۔ ساتھ ہی ملاحدۃ الموت بھی جن کی سلطنت بغداد کی تباہی سے
 ایک سال پہلے سب باد ہو چکی تھی۔ تہستان سے ہندوستان ہی میں بھاگ آئے تھے اور
 یہاں آکر ہندوستان کے مختلف حصوں میں تصوف کی اکثر خانقاہوں کے بانی بن گئے تھے
 غرض کہ جس طرح ایران و خراسان و عراق اور دوسرے اسلامی ممالک میں قرآن و حدیث کے
 درس کا رواج کم ہو جانے سے ہزار ہا بہ عات کے مجموعہ کو اسلام سمجھ لیا گیا تھا اسی طرح
 ہندوستان میں بھی بہت سے افعالِ شرکیہ و بدعبیہ نے رواج پا کر اعمالِ اسلامیہ کا جامہ

پہن لیا اور وحدت وجود کے عقیدے نے ہندو تصوف کو اپنے موافق اور موید پا کر ہندوستان میں ایک عالمگیر طوفان الحاد ہرپا کر کے تصوف کے نام سے جاہل مسلمانوں کی عقیدت و تعظیم کو بآسانی اپنی طرف جذب کر لیا۔ سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں مغلوں کے ستارے ہوئے بہت سے امر خراسان و عراق و ایران سے فرار ہو کر ہندوستان آ گئے تھے جیسا کہ پہلی جلد یعنی گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے اسی لوگوں کے ساتھ ہی مذکورہ ملکوں کے صوفیوں اور مذہبی لوگوں کا سیلاب بھی ہندوستان میں داخل ہو گیا تھا۔ ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کی زبردست اور منظم سلطنت کے زمانے میں اس جدید سیلاب کا کوئی نمایاں اثر ظاہر نہ ہوا۔ معز الدین کی قیادت کی چار سالہ سلطنت میں جو فسق و فجور اور سخت گمراہی و لاد مذہبی کارنامہ تھا باطل کی تمام قوتوں نے عملی جامہ پہن کر اپنے آپ کو نمایاں کر دیا اور اسی زمانے میں ایران کے اُن مزدگی اعمال نے جو ملاحدۃ الموت کے ذریعہ ہندوستان میں آئے ہندوستان کے ناکسترت اور بام مارگی عقائد و اعمال کے ساتھ متمزج ہو کر وہ صورت اختیار کی جس کو افواہا بعض مسلمان کہلانے والے قلیل التعداد فرقوں کی مخصوص عید کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ پہلی جلد میں سلطان علاء الدین خلجی کے حالات میں ان بے حیادوں کے مثلے جانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ سلطان جلال الدین خلجی بہت نیک نیت اور پاک باطن سلطان تھا مگر بڑھاپے کی وجہ سے نرم دلی، عفو اور درگزر کی صفت اس کے مزاج میں بہت بڑھ گئی تھی۔ اور اسی لئے گذشتہ چار سالہ بدتمیزیوں کی شکایت سلطان جلال الدین خلجی ان الفاظ میں کرتا ہے کہ

”ہر روز ہندوان مندلی زنان و بوق زنان در زیر کوشک من می گذارند و در جون رجم، می آیند و ہت پرستی می کنند و احکام شرک و کفر اور نظمر ماقواد کا بن بے حمیت کہ خود را پادشاہ مسلمان می خوانا نیم و بادشاہ اسلام می گوینا نیم رواج می دہند“

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں ملکی انتظام تو بہت اچھا رہا لیکن مسلمانوں کی اصلاح اور پابندی کتاب و سنت کی جانب قطعاً کوئی توجہ کسی نے نہیں کی اور بدعات و لغویات کا طوفان برابر ترقی پذیر اور مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو مسلسل موقوف کرتا رہا بعض

سہ ماہیہ سے ۱۲۵۵ھ تک پچاس سال کا زمانہ ہندوستان پر ایسا گذرا کہ اتحاد و بے
 دینی اور شرک و بدعت کو شائع ہوئے اور رواج پائے کا خوب موقع ملا۔ اس تاریکی
 میں اگر کسی ملک و بین رملت کی روشنی موجود تھی تو وہ دہلی میں حضرت شاہ نظام الدین
 اولیاء رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ کردہ بزرگوں کے طفیل تھی یا ملتان میں حضرت شیخ بہا الدین
 زکریا کے خانان اور ان کے مریدین کے ذریعہ موجود پائی جاتی تھی۔ انھیں دلوں مرکزوں
 سے جو ادگ و البتہ تھے وہ یہاں کہیں بھی تھے صراط مستقیم سے نہیں بہکتے۔ افسوس
 اور حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان مرد بزرگوں کے متعلق آٹ کل ہو عام تصور ہے وہ
 نہایت سخی شدہ اور اسلیت سے بہت کچھ مختلف ہے۔ انھیں مذکورہ چالیس سال میں
 قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام کے مناصب بالکل بیکار و معطل اور محض برائے نام رہے
 سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن کے
 زمانے میں امور مذہبی کی حفاظت و نگرانی اور اجرائے احکام شرع کا کام قاضی القضاۃ اور
 شیخ الاسلام سے متعلق اور یہ محکمہ نہایت زبردست اور با اثر سمجھا جاتا تھا اور اس
 محکمہ کے ذریعہ شرک و بدعت اور اتحاد و بے دینی کے انسداد اور روک تھام کا ضروری تھام
 تھا۔ معز الدین کیتباد کے زمانے سے محکمہ امور مذہبی ایک کھیل اور تمسخر سے زیادہ حقیقت
 نہیں رکھتا تھا۔ شہروں اور قصبوں سے مذہبی عدالیتیں بالکل برطرف ہو گئیں اور کسی
 بادشاہ یا صوبہ دار یا عامل کو صدور احکام کے لئے مذہبی مشورہ اور احکام شرع کے معلوم
 کرنے کی قطعاً ضرورت نہ رہی۔ سلطان محمد تغلق نے پھر از سر نو محکمہ امور مذہبی کو نہایت
 احتیاط اور مضبوطی کے ساتھ قائم کیا تھا لیکن ابھی تلافی مافات نہ ہوئے پانی تھی کہ فتنے
 برپا ہوئے اور سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں وہی خراب حالت پورے جوش کے ساتھ
 پھر عود کر آئی۔ اس زمانے میں ہندوستان کے اندر اسلام کی صورت غام طور پر کس قدر
 مسخ ہو چکی تھی اس کا اندازہ کسی قدر سلطان فیروز تغلق کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی
 کیا جاسکتا ہے۔

قوے بباس دہریہ و ترک و تجرید مرد ماں را گراہ می کردند و مریدی ساختند
 و کلمات کفری گفتند طائفہ محمدان و اہل حقان جمع شدہ بودند و خلق را با لجا
 و باحت دعوت می کردند و در شبہ مقامے معین جمع می شدند از مردمان

محرم وغیر محرم و طہام و شراب در میان می آمد و در می گفتند این عبادت
ست و زنان و ماوراء و خواہران یکے یکے کہ در ان شبہ جمع می آوردند
جامہ ہر کہ ہر دست یکے از ایشان می افتاد و بے با اور ناکردے پیران ایشان
شیعہ بودند، شیعہ مذہبیاں کہ ایشان را در انص می گویند بسبب رفض شیعہ
مرا را در دعوت می کردند و در سالہ ہا و کتاب ہا دریں مذہب پر واختہ و تعلیم و
تدریس پیشہ ساختہ بودند و جناب خلفائے راشدین و ائمہ المومنین عا کشہ صدیقہ
و جمیع صوفیائے کبار رضی اللہ عنہم را سبب صریح و شتم تیغ می گفتند و لو ط
می کردند و قرآن مجید را لطقات عثمانی می خواندند، رسم و عادتے کہ در دین اسلام
جائز نیست، در شہر مسلمانان جبلت شدہ بود کہ عورات در ایام متبرکہ جماعت
جماعت پاکلی سوار و گردوں سوار و ڈولہ سوار و اسپ سوار و دستورہ ارفع فرج
و جوق جوق پیادہ از شہر بیرون می آمدند و بجزار ہا می رفتند ۛ

(مقتبس از فتوحات فیروز شاہی)

ہندوستان میں جس طرح شرک و بدعت والحاد کا طوفان برپا تھا اسی طرح ایران
و خراسان و عراق و شام وغیرہ دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی علیٰ قدم مراتب دوسری
مختلف رنگتوں اور مختلف حالتوں میں اسی زمانے میں شرک و بدعت کا زور شور پایا
جاتا تھا۔

اس دور تقن میں جس شخص نے امت مسلمہ کی سب سے زیادہ
مردان با خدا رہبری اور خدمتِ تہذیب و اصلاح کا کام انجام دیا وہ حضرت
 شیخ الاسلام تقی الدین امام ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مسلمانوں میں آٹھویں
 صدی ہجری کے مجدد تسلیم کئے گئے اور جنھوں نے حدیثِ نبویؐ اِنَّ اللہَ یبعثُ لہدنا
 الامۃ علی ساس کل مائۃ سنۃ من یجد دینا ویضحا (البدایہ و نہایہ ابی ہریرہ)
 کے موافق آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں اپنے فرائضِ مجددیت کو بڑی خوبی کے ساتھ
 انجام دے کر شرک و بدعت کے طوفان کا بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آپ نے
 ایک بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے بھی کافروں کے مقابلے میں تلوار چلا کر صفِ
 قتال میں دشمنوں کی گردنیں اڑائیں۔ و غلو و پند اور دس و تدریس کے ذریعہ بھی علم و

حکمت کی روشنی پھیلائی تحریر و تصنیف کے ذریعہ بھی وہ سامان فراہم کر دیا جو آج تک شرک و بدعت کے آہنی قلعوں کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لئے کام میں لایا جا رہا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کی تنگ دلی اور کافر سازی یعنی کفریہ فتوؤں کے نامعلوم رواج کو روکنے میں بھی بڑی موثر کوششیں فرمائیں اور عالم اسلام کی عام بیماریوں کی صحیح تشخیص کے بعد درپئے علاج ہوئے۔ آپ نے وحدت وجود کے عقیدے کی تردید میں حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کے معتقدین کی ناراضگی کا بھی مطلق خیال نہیں کیا۔ تبلیغ دین حقیقی کے لئے بادشاہوں کے درباروں اور دور و دراز ملکوں میں آپ کے شاگردوں خادموں اور آپ کے خطوط نے بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے اس جبکہ امام ممدوح کی عظیم الشان کوششوں کو با تفصیل بیان کرنے کا موقعہ نہیں ہے، جیسا کہ ہر ایک حامی حق کی مخالفت دنیا میں ضرور ہوا کرتی ہے حضرت امام ابن تیمیہ کی بھی مخالفت ہوئی اور ان کی زندگی کا ایک حصہ سنتِ یوسفی کے پورا کرنے یعنی جیلِ خاد کی سختیاں سہنے میں گذرا مگر وہ اپنے کام سے غافل نہیں ہوئے اور اُن آخری چند سال میں جب کہ وہ دمشق کے قلعے میں محبوس و نظر بند تھے اُن کے مشن کو سب سے زیادہ کامیابی اور وسعت حاصل ہوئی۔ ۲۶ھ میں ابن بطوطہ بھی دمشق پہنچ کر اُن کے وعظ و درس سے مستفیض ہوا۔ ذیقعدہ ۲۸ھ میں امام ممدوح نے بحالتِ قید وفات پائی تو دمشق میں ڈھائی لاکھ اور ایک دوسری روایت کے مطابق پانچ لاکھ آدمی اُن کے جنازے کے ہمراہ تھے۔ ملک چین میں بھی مسلمانوں نے ان کی وفات کا حال سن کر نمازِ جنازہ غائبانہ ادا کی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کی اور ان کے مشن کی شہرت و کامیابی کس قدر وسیع تھی۔ اب بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ہندوستان جہاں ایک اسلامی سلطنت قائم تھی حضرت امام ممدوح کے دائرہ اصلاح و تجدید سے باہر اور بے نصیب نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس زمانے میں مصر و شام کے اندر یہاں کے لوگوں کا موجود ہونا اور وہاں کے لوگوں کا ہندوستان میں آنا جب کہ تاریخوں اور علماء کے تذکرہ سے ثابت ہے تو شرک و بدعت اور اہام پرستی کے استیصال کی تحریک کا ہندوستان تک پہنچنا اور ابھی خلاف توقع نہیں بلکہ اس خالص دینی تحریک کا ہندوستان تک جہاں بدعات و مراسم پرستی کے طوفان برپا تھے نہ پہنچنا سخت حیرت انگیز ہوتا چنانچہ

ہندوستان میں کتاب و سنت کے داعی ضرور آئے جن کے مقاصد میں اشاعتِ علم حدیث کے ساتھ تنظیمِ بین المسلمین اور مفید اسلام سیاسی امور بھی شامل تھے انہیں لوگوں میں سے مولانا شمس الدین ابن الحویری جو مصر کے حنفی قاضی اور حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ کی حمایت کے سبب عمدہ قضا سے معزول کر دیئے گئے تھے سترہ سو بعد سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان آئے اور حدیث کی چار سو کتابیں اپنے ہمراہ لائے۔ غالباً یہ سب سے پہلا قابل تذکرہ ذخیرہ احادیث تھا جو ہندوستان میں آیا۔ انہوں نے ملتان میں اپنے ہم نام شیخ شمس الدین فضل اللہ رحمہ کے پاس قیام کیا۔ ان کے مرید بھی ہوئے اور یہاں مولانا شمس الدین ترک کے نام سے مشہور ہوئے اس زمانے میں ہندوستان کے اندر مصری اور رومی لوگوں کو حکومت سلجوقیہ کی وجہ سے عام طور پر ترک کہا جاتا تھا مثلاً خواجہ احمد ایاز کو بھی اس زمانے کے مورخین خواجہ احمد ایاز ترک کہتے ہیں حالانکہ خواجہ احمد ایاز رومی تھا اور بھی کئی مصری اشخاص اس زمانے میں ہندوستان کے اندر ترک کہلاتے تھے دینی معاملات میں سلطان علاء الدین خلجی کی غفلت دے راہ روی کا حال سن کر اس کے پاس اشاعتِ علم حدیث کی ضرورت واہمیت پر ایک رسالہ لکھ کر دہلی بھیجا اور خود یہاں کے حالات سے واقف ہو کر ملتان ہی سے واپس چلے گئے۔ ضیاء برنی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ۔

محمد ثئے بے نظیر عالم کہ اور امولانا شمس الدین ترک می گفتند و در ملتان چہار صد کتاب حدیث برابر آورده بود چوں شنید کہ سلطان علاء الدین نماز نمی گذارد و در جمعہ نمی آید پیشتر بنیاد مرید شیخ شمس الدین فضل اللہ پسر شیخ الاسلام صد الدین شد و از آنجا کتاب بے در علم حدیث شرح کردہ و شرح سلطان مہارفت نمود و با یک رسالہ پارسی بر سلطان فرستاد و در آن رسالہ نوشتہ کہ من از مصر قصد خدمت پادشاہ و شہر دہلی کردہ بودم و تا از برائے خدائے و مصطفیٰ را ندیدم علم حدیث و در دہلی ثبات کنم و مسلمانان را ادعل کردن روایت دانشندان بید یانت برہانم ولیکن چون شنیدم کہ پادشاہ نماز نمی گذارد و جمعہ حاضر نمی شود ہم از ملتان باز گشتم ۱۱

آگے جہل کر اسی سلسلے میں مولانا شمس الدین ترک سلطان خلجی کو لکھتے ہیں کہ:-

شنیدہ ام کہ در شہر تو احادیث مصطفیٰ ترک می آرند و نمی دانم کہ در ان
کہ با وجود حدیث عمل بر وایت کنند آں شہر چگونہ نشت نشو و بلانے آسمانی
در ان شہر نبار و شنیدہ ام کہ در شہر تو دانشندان بد بخت، سیاہ روئے
کتابہا و فتا واپائے شقاوت در مسجد با پیش نہادہ نشستہ اند و چہیل می
ستانند و بتا و بیل و تزییر و چیلہ ہائے گوناگون حق مسلمانان باطل کی کنند
و خود ہم غرق می شوند۔

مبلغین احادیث نبوی نیز متکلمین کی آمد کا سلسلہ اس کے بعد بھی جاری رہا
چنانچہ قاضی عضد الدین بن عبدالرحمن مصنف تین مواقف جو علم کلام کے امام سمجھے جاتے
ہیں۔ عہد علانی کے آخری ایام میں ہندوستان تشریف لائے اور دیپا پور میں قیام فرما کر
محمد تعلق کو کئی سال تعلیم دیتے رہے۔ انھیں کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا کہ محمد تعلق میں
انتہائی روشن خیالی پیدا ہو گئی تھی۔ قاضی عضد الدین یہاں سے شیراز پہنچے اور چند روز
کے بعد اخلاص حق والی شیراز کی معاجرت میں داخل ہوئے اس کے بعد اور بھی روشن
خیال علماء ہندوستان میں آتے رہے ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمہ
اپنے بزرگ تھے جن کے تعلقات شام و مصر و عراق وغیرہ کے عالموں سے ہمیشہ قائم
رہے ان کی خدمت میں دوسرے ممالک کے طلباء اور علماء آتے رہتے تھے۔ خود ان کے
دانا و حضرت فخر الدین عراقی رحمہ جو مشہور شاعر بھی تھے دمشق جا کر سترہ صد میں فوت
ہوئے ان کے بیٹے اور پوتے بھی حجاز و شام و عراق و مصر جا جا کر رہتے اور ہندوستان
واپس آتے رہے خود حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ بزرگ تھے جنہوں نے شام و
عراق وغیرہ میں پندرہ سال مسلسل علم حدیث کی تحصیل مختلف اساتذہ سے کی۔ پھر حضرت
شیخ کمال الدین یمنی سے جن کا شمار محدثین کبار میں ہے مدینہ منورہ میں تریپن سال
ہمک حدیث پڑھنے اور دوسروں کو پڑھاتے رہے اس کے بعد مدینہ سے بغداد آ کر
شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
صرف سترہ روز کی صحبت کے بعد خرقہ خلافت حاصل کر کے شیخ الشیوخ ممدوح کے حکم
کے موافق ملتان آئے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کے بیٹے حضرت
شیخ صدر الدین حارف رحمہ رات دن قرآن کریم کے پڑھنے اور اس پر تدریس کرنے

میں خاص طور پر مصروف رہتے تھے۔ اُن کو فہم قرآن میں وہ اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا کہ اس زمانے میں اپنا نظیر نہ رکھتے، اور اسی لئے عارف کے لقب سے مشہور تھے۔ مولانا علم الدین نمبر ۶ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمہ، حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ کے صحبت یافتہ اور سلطان محمد تغلق کو سب سے زیادہ بدعات و اوہام پرستی کے قلع قمع پر آمادہ کرنے والے شخص تھے۔ بعد کے لوگوں نے ملتان کے اس محترم خاندان کے ساتھ جو جو باتیں اور جو جو حکایتیں اپنی جاہلانہ خوش عقیدگی کی راہ سے چسپاں کیں اُن کی وجہ سے آج کل اس بات کا تسلیم کرنا بھی دشوار ہو گیا ہے کہ ان بزرگوں کو قرآن و حدیث سے بھی کوئی تعلق تھا یا نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بالکل یہی حالت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمہ کی ہے جنہوں نے اول مولانا علاء الدین اصولی سے علم دین پڑھا اور پچیس سال کی عمر تک بدایوں میں مصروف تحصیل علم رہ کر دہلی آئے اور دہلی کے سب سے بڑے عالم علم دین خواجہ شمس الدین خوارزمی کی خدمت میں انتہائے شوق و التفات کے ساتھ مقامات حریری ختم کی، پھر علم حدیث کی تحصیل میں خصوصیت سے مصروف ہوئے پھر منہاج سراج مصنف طبقات ناصری کے حلقہ مدرس میں شامل ہوئے پھر مولانا نجیب الدین متوکل برادر شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ سے کسب علوم کے بعد انھیں کی رہبری سے حضرت خواجہ گنج شکر رحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کی مجلس میں مولانا بدر الدین اسحق بخاری جامع معقول و منقول اور مولانا شیخ جمال الدین ہاشمی وغیرہ تبحر علما پہلے سے موجود تھے۔ وہاں سے فیض روحانی حاصل کرنے کے بعد دہلی آ کر مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوئے۔ کوئی بے علم یا کم علم شخص آپ کے پاس مرید ہونے کو آتا تو آپ حکم دیتے کہ اول علم دین حاصل کرو۔ آپ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو نصیحت فرماتے کہ

زاہد بے علم سحرۃ شیطان باشد

آج اگر حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کے نام لیواؤں کی خدمت میں کسی حدیث صحیحہ کو پیش کر کے کسی غیر مشروع بات کے ترک کرنے کی فرمائش کی جاتی ہے تو وہ اپنی آہائی تعلیم و تربیت کی دلدل سے نکلنے پر ہرگز رضا مند نہیں ہوتے۔ لیکن سلطان غیاث الدین تغلق نے آپ کے خلاف تریپٹن مولویوں کو جمع کیا اور اُن سب مولویوں نے آپ کو مجرم

و گنہگار قرار دیا۔ سلطان نے حضرت نظام اولیاء رحمہ کو ان مولویوں کے رو بروئے بلا کر جواب طلب کیا۔ قاضی رکن الدین قاضی شہر جو آپ کا سخت مخالف تھا، ان تریہین مولویوں کی طرف سے آپ کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ کرنے کے لئے منتخب ہوا۔ آپ نے اپنے طرز عمل کی تائید میں حدیث نبوی پیش کی۔ قاضی رکن الدین نے کہا کہ تم جب کہ مقلد ہو تو حدیث کیوں پیش کرتے ہو؟ امام ابو حنیفہ رحمہ کا کوئی قول پیش کرو۔ حضرت نظام اولیاء رحمہ نے فرمایا کہ اونا دان! تو تو قول مصطفیٰ کو سن کر بھی مجھ سے قول ابو حنیفہ کا مطالبہ کرتا ہے۔؟ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:-

الغرض پادشاہ قاضی رکن الدین را کہ حاکم شہر بود و بعد اوت شیخ (نظام اولیاء) تغاخر داشت بہ بحث اشارت کرد و او رد بہ شیخ کردہ گفت در بات سرود و سماع چہ حجت داری شیخ بحدیث نبوی السماع لا ہلہ مستمک گشت۔ قاضی گفت ترا با حدیث چہ کار تو مرد مقلدی و دایت از ابو حنیفہ بیا ترا بہرض قبول افتد شیخ گفت سبحان اللہ من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم و تو از من روایت ابو حنیفہ می خواہی شاہد کہ ترا غوث حکومت بریں می دارد۔ و پادشاہ چون حدیث پیغمبر شنید متفکر شدہ و پچ نہ گفت۔

اس جگہ یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ آج کل کے جاہلوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ تصوف اور صوفیوں کے دشمن تھے۔ اس خیال غلط کو صحیح مان لینے سے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ کے شاگردوں اور ہم خیال لوگوں کو نظام اولیاء اور ملتان کے سہروردی خاندان سے کیا حمایت حاصل ہو سکتی تھی۔ لیکن اس خیال خام کو دور کرنے کے لئے کتاب تقصار جمود الاحرار من تذکار جمود الابرار مصنفہ حضرت لڑاب صاحب مرحوم کے یہ الفاظ جو امام ابن تیمیہ کی شان میں لکھے ہیں کافی ہیں۔

”مد سلوک شائے عظیم داشت حکایات کرامات و روایات برکات
ادبیش از حصار است۔“

اسی کتاب میں آگے چل کر دوسری جگہ کتاب مناقب الاولیاء کے حوالہ سے مسئلہ سماع کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”و شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ درین باب موافق نظام اولیاء تھا

غرض کہ ہندوستان میں ملتان کا محترم خاندان اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کی ذات بابرکات دوا لیے مرکز تھے جہاں کتاب و سنت کے داعیوں کو ہر قسم کی مدد مل سکتی اور سہولت بہم پہنچ سکتی تھی۔ شیخ زادہ دمشقی جس کا اصل نام کسی مورخ نے نہیں لکھا یقیناً انھیں لوگوں میں سے ایک ہے جو تبلیغ حق کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں کہ

شیخ زادہ دمشقی و عبید شاعر کہ در آن چین ہندوستان آمدہ و ملازمت
الغی خاں محمد تغلق، بسر می برد و کمال تقرب داشتند

عبید شاعر جس کو عبید حکیم بھی کہا گیا ہے ہندوستان میں لاوار و نہ تھا کیونکہ ہند خلیجہ میں بھی اس کا یہاں موجود ہونا ثابت ہے چونکہ عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی کا نام ساتھ ساتھ لیا گیا ہے۔ اس لئے فرشتہ کو دھوکا لگا ہے کہ عبید شاعر بھی لاوار نہ تھا حالانکہ لاوار صرف شیخ زادہ دمشقی تھا اور وہ غالباً حضرت نظام اولیاء رحمہ ہی کے درویش شاہ زادہ محمد تغلق کی مصاحبت میں داخل ہوا تھا۔

ریا کار مولوں اور باخدا لوگوں کا مقابلہ | اس زمانے میں مسلمان مولویوں کی کیا حالت تھی اس کا نقشہ ان الفاظ میں موجود ہے جو شیخ شمس الدین رحمہ نے سلطان علاء الدین غلی کو مخاطب کر کے لکھے ہیں اور جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔ دہلی کے مفتیوں قاضیوں اور مولویوں کے کتاب و سنت کے وعظ اور بدعات کی مخالفت کو ذندقہ والحاد و فلسفہ کے خطابات دیئے۔ جامد مقلدین اور ادھام پرست جاہلوں نے جو بدعہ و شرکیہ مراسم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ہمارے زمانے کے ان لوگوں کی طرح جو فقہ حنفی سے بھی ناواقف ہیں اور علمائے دیوبند کو بھی وہابی۔ غیر مقلد اور کافر تک کہہ دیتے ہیں مخالفت کا شور مچایا۔ حضرت نظام اولیاء رحمہ بہت بڑے آدمی تھے آنھوں نے نہ کبھی پہلے ان مفتیوں اور مولویوں کی پرواہ کی تھی نہ اب ان کے شور مچانے سے ان عالمین حدیث اور مبلغین کتاب و سنت کی حمایت ترک کی۔ صوفی کبھی مقلد اور مراسم پرست نہیں ہوا کرتا۔ آج اس بات کا بھنا بے حد شوار ہو گیا ہے کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کس قدم و سبع الحمیال اور کیسے باخبر بزرگ تھے۔ ان کے مریدین اور خلفاء میں اکثر شافعی مذہب کے پابند علماء رکھی تھے چنانچہ مولانا علاء الدین انھیں

ہیں سے تھے۔ مولانا ضیاء الدین سنائی پابندی شرع اور عمل بالمحدیث کے معاملے میں
 خصوصاً شہرت رکھتے تھے۔ شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر کی موچھیں بہت ڈمھی ہوئی
 تھیں۔ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان سے موچھوں کے ٹٹوانے کی فرمائش
 کرتا۔ مولانا ضیاء الدین سنائی کو معلوم ہوا تو قینچی سے کرپہچے اور
 اپنے ہاتھ سے ان کی موچھیں کاٹ دیں اس کے بعد قلندر صاحب ہمیشہ
 اپنی موچھیں کٹواتے رہتے تھے۔ یہی مولانا ضیاء الدین سماع کے معاملے میں ہمیشہ نظام اولیاء پر
 اعتراض کرتے اور یہ ورستی پیش آتے حضرت نظام اولیاء ہمیشہ ان سے معذرت کے سوا اور کچھ
 نہ کہتے۔ جب مولانا ضیاء الدین کو مرض الموت لاحق ہوا تو سلطان المشائخ عیادت کے لئے
 گئے۔ مولانا نے اپنی گھڑی سلطان المشائخ کے پاؤں میں ڈال دی اور اپنی ورستی و سخت گی
 کی معافی چاہی۔ سلطان المشائخ نے گھڑی اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگائی اور فرمایا کہ
 ”یکذات برد حامی شریعت حیف کہ آں نیز نماند“ اسی طرح ایک مرتبہ سلطان المشائخ
 نظام اولیاء کے اکثر مرید کسی مجلس میں موجود تھے، وہاں گانا شروع ہوا تو شیخ نصیر الدین
 محمود چہرا رخ دہلی مجلس سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ان کے دوستوں نے باصرار روکنا اور
 بٹھانا چاہا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ خلاف سنت ہے دوستوں نے کہا کہ جب تمھارے
 شیخ گانا سن لیتے ہیں تو تم کیوں نہیں سنتے کیا تم شیخ سے منحرف ہو گئے ہو شیخ نصیر الدین
 نے جواب دیا کہ ”مشرک پر حجت نمی شود دلیل از کتاب و حدیث باشد“ بعض لوگوں نے یہ
 واقعہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے سن کر فرمایا ”محمود راست
 می گوید حق آنست کہ اومی گوید“ فوائد العواد میں خواجہ حسن حضرت نظام اولیاء رحمہ کی مجلس
 کا حال لکھتے ہیں کہ ”سخن در سماع افتاد یکے از حاضران گفت کہ مگر دریں وقت حکم شدہ
 است کہ خدمت مخدوم را ہر وقت کہ باید سماع بشنود اور احلال است خواجہ ذکرہ اللہ
 بالیہ (نظام اولیاء) فرمود کہ چیزے کہ حرام است بحکم کہے حلال نشود و چیزے کہ حلال است
 بحکم کہے حرام نشود۔ لیکن نظام اولیاء رحمہ عالم شنا جاہلوں، مراسم پرست مولویوں، قاضیوں
 اور بیا کار مقبیل کی جو حدیث، نوی ان من العلم جھلا کے مصداق تھے درابھی پرودہ نہ کرتے
 تھے۔ ایسے ہی مولویوں اور فقیہوں کی شان میں مولانا جابی نے فرمایا ہے کہ

عارف نے از کوہ بصر اگدشت دید عزایل ہر امان دشت
دل ز غم و سوسہ پر داختم دیدہ ز نیزاک تہی ساختہ
گفت یا و عارف صبر الہی کز چہ دریں باد تہ ہرزہ گرد
کار تو در صومعہ و نما تہاہ باز چہ سراماندہ از کار گاہ
تفرقہ بخش صنف طاعت تہ رحمہ گر سلب جماعت تہ
رہنہ دوران بدل بہ سگال طنز کنان داد جواب سوال !
کز برکات علمائے زمان فارغم از کشمکش این و آن
داشت مرا باز ازمیں جدوجہد حیلہ گر یہائے نقیہان عہد
یک تن ازمیں طائفۂ بو الہوس از پئے گراہی کوئین بس

انھیں لوگوں نے حضرت سلطان المشائخ نظام اولیاء رحمہ سے سلطان
غیاث الدین تغلق کو بدظن کیا اور اس سے جب کہ وہ ہنگامے کے سفر میں تھا حضرت
مدوح کے نام تہدید حکم بھیجایا۔ جس کے جواب میں نظام اولیاء رحمہ کی زبان
مبارک سے ”ہنوز دلی دور است“ کا مشہور جملہ نکلا۔

”چوں سلطان تغلق از خدمت شیخ نظام الدین اولیاء رحمہ بود شیخ
پیغام نمود کہ چوں من بدلی برسم شیخ از شہر بدرود شیخ گفت ہنوز
دلی دور است و امیں لفظ در میان اہل ہند مثل شدہ است و مشہور است
کہ سلطان محمد تغلق را شیخ ارادت تمام بود و نہایت اعتقاد داشت“
(طبقات اکبری)

ضیاء برنی کے بعض بزرگوں اور اس کے مدوح علماء الدین غلبی کو حضرت نظام
اولیاء سے چونکہ عقیدت و ارادت تھی اس لئے وہ بھی اُن سے عقیدت کا اظہار کرتا تھا۔
لیکن اُس نے غیاث الدین تغلق اور حضرت نظام اولیاء رحمہ کے تعلقات کی کشیدگی
اور غیاث الدین تغلق کے مذکورہ گستاخانہ پیغام کا تذکرہ اپنی تاریخ میں اس لئے نہیں
کیا کہ یہ پیغام اُن لوگوں کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھا جن کو ضیاء برنی علمائے دین اور
مفتیان شرع متین یقین کرتا اور اُن سے دلی ہمدردی رکھتا تھا۔ بالکل اسی طرح مقرر کے
قاضیوں اور مفتیوں نے حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ کے خلاف سلطان مقرر کو بھڑکایا۔

کی کوششیں کی تھیں۔

ضیا برہنی کس عقیدہ کا آدمی تھا | خواجہ خظیر و ملک الازرنجیدی - خواجہ مہذب بزرگ - قاضی رکن الدین - قاضی سار الدین

وغیرہ وہ لوگ تھے جو حکومت تغلقیہ سے پہلے بھی دینی عالم سمجھے جاتے تھے ان لوگوں کو سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنی مصاحبت کا فخر عطا کر کے دربار میں بیٹھنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اکثر معاملات میں ان سے مشورے لیتا تھا۔

خواجہ خظیر و ملک الازرنجیدی و خواجہ مہذب بزرگ کے دائم نزد بادشاہان سابق اعتبار داشتند و بناخت و بموجب و انعام سرفراز گردانیدہ رخصت نشستن در مجلس ارزانی فرمودہ قوانین و ضوابط سلاطین سابق کہ در باب استقامت ملک و انتظام احوال خلق وضع کردہ بودند از ایشان پرسید و تبعیت آل نمودے و (فرشتہ)

سلطان غیاث الدین تغلق انھیں مذکورہ حضرات سے مشورے لیتا تھا اور یہ سب کے سب مراسم پرست تھے۔ ضیا برہنی سلطان غیاث الدین تغلق کی نسبت لکھتا ہے کہ

”قاضیان و مفتیان دو او بک و محتسبان عہد اور آبرو دے بس بسیارہ

آشنا تھے تمام پیدا آمدہ بود“

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ:-

”سلطان غیاث الدین تغلق باعتقاد پاکیرہ آراستہ بود“

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ:-

”واعتقاد مسلمانی سلطان تغلق شاہ از کلمات بد مذہباں و معقولیاں

وراء درویش بد دینان ملوث نہ گشت“

غور کر کے قابل بات یہ ہے کہ ضیا برہنی نے سلطان غیاث الدین تغلق کے

عقیدے کی خرمی اور معقولیوں یعنی بد مذہبوں اور بد دینوں کی باتوں سے مجتنب رہنے کا تذکرہ اس خصوصی اہتمام سے کیوں کیا ہے؟ محمد تغلق کی نسبت بھی ضیا برہنی کے اشارات سن لیجئے

”باسعد منطقی بد مذہب و عہدہ شاعر بد اعتقاد و محم انتشار فلسفی صحبت و

محالست افتاد آموشد مولانا علم الدین کہ اعلیٰ فلاسفہ بود در غلوت او
 بسیار شد و آن ناجوانمردان کہ مستغرق و مبتلا و معتقد معقولات بودند
 در مباحثہ و مکالمہ و نشست و برخاست علم معقولات را کہ واسطہ بہ اعتقادات
 مذہب سنت و جماعت و وسیلت نا استواری تنبیہات و تخریسات صد
 بیست و چہار ہزار نقطہ نبوت است در خاطر سلطان محمد چنان بنشاند
 کہ معقولات کتب سماوی و احادیث انبیاء کہ عمدہ ایمان دستون اسلام
 و معدن مسلمانی و منبع نجات و درجات است چنانچہ باید و شاید جائے
 نمایند و ہر چہ برخلاف معقول بود نشنیدی بہ یقین در خاطر مبارک او نہ
 نشستے کہ اگر در ول سلطان معقولات فلاسفہ احاطت نہ کروے و دو معقولات
 آسمانی شوتے و رسوخے بودے باچند ان فضیلت جمیلہ و اوصاف سنینہ کہ
 ذات ابدیہاں متحلی بود ہرگز نتوانستے کہ برخلاف قال اللہ و قال رسول اللہ
 و قال انبیاء و قال العلماء در کشتن موئے موحہ حکم کند فاما از جہت آنکہ
 معقولات فلاسفہ کہ ما یہ قساوت و سنگ دلی ست تمامی دل اور افر و گرفتہ
 بود و سیاست مسلمانان و قتل موحداں خوئے و طبیعت او گشتہ و چندین
 علما و مشائخ و سادات و صوفیان و قلندران و نویندگان و لشکریان را سیاست نمود

ضیاء برقی کے ان الفاظ کو دو مرتبہ پڑھو اور غور کرو کہ اس زمانہ میں معقولات فلسفہ
 کو کیا سمجھا جاتا تھا اور قال العلماء کو کس طرح قال اللہ و قال رسول اللہ کا ہم مرتبہ اور
 جزو لازم قرار دیا جاتا تھا۔ ضیاء برقی قساوت و سنگ دلی اور قتل مسلم کو حقیقت ثابتہ
 اور علوم متعارفہ کے طور پر معقولات فلاسفہ کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اس بات پر بھی غور کرو کہ
 ضیاء برقی اوپر کے اقتباس میں ملک سعد الدین کو سعد منطقی بد مذہب کا خطاب کس غیظ و
 غضب کے ساتھ دے رہا ہے۔ یہ وہی سعد منطقی ہے جو حضرت شاہ نظام الدین اولیاء
 رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد و رشید اور مرید با اخلاص ہے جس کو سلطان جلال الدین فیروز
 خلجی نے حضرت امیر خسرو کے ساتھ شاہ صاحب ممدوح کی اجازت سے اپنی مصاحبت
 میں داخل کیا تھا اور جس کا ذکر سلطان جلال الدین کے حالات میں ضیاء برقی خود ان الفاظ
 میں کر چکا ہے کہ:-

”امیر خسرو از مقربان در گاہ او شد و شغل مصحف و ادبی فرمود و جامہ کہ ملوک کبار یافتندے امیر خسرو ہم چناں جامہ ہاکر بند سپید یافتے و ملک سعد الدین منطقی را کہ در مجلس شکر ستانی بود یعنی حضرت نظام اولیاء رحمہ کی مجلس میں رہتا تھا، از جامہ پلاس قلندری بیرون آوردہ در خیل امر اگر دانید“ یہی ملک سعد الدین یا سعد منطقی ہے جسے مولانا شمس الدین ترک کے مذکورہ فارسی رسالہ کو جب بعض امیروں نے سلطان علاء الدین کے پاس پہنچنے سے روک لیا تو اُس نے سلطان کو اس کی اطلاع دی اور سلطان علاء الدین نے اس رسالہ کو طلب کیا۔ ضیاء برتقی کے الفاظ ہیں۔

”وازاں محدث این کتاب و این رسالہ ہر بہاء الدین دبیر رسیدہ بہاء الدین کتاب پیش سلطان علاء الدین رسانید و از طرف قاضی حمید پنہاں داشت و من از ملک قراہیکت شنیدہ ام کہ سلطان از سعد منطقی شنید کہ این چنین رسالہ رسیدہ است آن رسالہ را طلبید“

یہی سعد منطقی ہیں جن کی تصنیف مرآۃ العارفین ہے اور جو بعد میں حضرت خواجہ رکن الدین ملتانی کے مرید ہوئے۔ اولیائے کرام میں ان کا شمار ہے۔ ضیاء برتقی نے سلطان علاء الدین غلی کی حالات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ اپنے اُستادوں کی فہرست لکھی ہے جن کے سامنے اس نے زانوئے شاگردی نہ کیا تھا۔ اس فہرست اساتذہ میں ”مولانا نجم الدین انتشار“ کا نام بھی ہے۔ لیکن یہاں محمد تغلق کے مصاحبین کا نام لیتے ہوئے حقارت کے ساتھ اپنے استاد کو وہ صرف ”نجم انتشار“ کہتا ہے۔ عہد علّائی کے شعرا کی فہرست میں وہ عبید شاعر کو ”عبید حکیم“ لکھتا ہے لیکن اس عبید حکیم کو وہ اب ”عبید شاعر بد اعتقاد“ کے نام سے یاد کر رہا ہے کسی خاص وجہ سے اُس نے مولانا علم الدین نبیرہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ کا نام حقارت سے نہیں لیا لیکن اپنے نزدیک اس نے ان کو بھی ”اعلم فلاسفہ“ کہہ کر بہت بڑی گالی دی ہے اور آگے چل کر ان سب کو ”ناجوانمرداں“ کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کیا ہے۔

علم الدین نمبر۶ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی رحمہ وہ بزرگ ہیں جو مکہ و مدینہ و مہرہ و شام وغیرہ میں عرصہ دراز تک رہ آئے تھے۔

مولانا علم الدین کہ علامہ دہرود گشت من سفر کہ و مدینہ و مہرہ و شام کو رام (دہرشتہ) اور انھوں ہی نے دہلی کے تریپن مولویوں اور سلطان غیاث الدین تغلق کے منشا کے خلاف حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کی نہایت موثر تائید و حمایت کر کے حضرت شاہ صاحب مدوح کو مولویوں اور مفتیوں کے حملے سے بچا یا تھا اور یہی وہ مولانا علم الدین ہیں جو حضرت امام ابن تیمیہ کی صحبتوں میں شریک رہ کر ان کی مصیبتوں مباحثوں و دستاویزوں کو بخوبی دیکھ کر ائمہ میں ہندوستان واپس آئے تھے۔

غالباً اب آسانی سمجھ میں آجائے گا کہ ضیاء برقی کی نگاہ مذہب کے معاملے میں کس قدر تنگ اور کج واقع ہوئی تھی وہ بدعیہ و شرکیہ مراسم کے مجموعہ کو جن کا طوفان مصر و شام سے لے کر دہلی و پٹنہ تک اٹھا ہوا تھا اور جن کی تفصیل اس زمانے کی تصانیف بالخصوص حضرت امام ابن تیمیہ کی تصنیف میں موجود ہے جزو اسلام اور عین اسلام یقین کرتا تھا وہ تقلید جاد میں شور بگڑا اور ہر معقولی بات کو کفر و الحاد سمجھتا تھا۔ یہ خصوصیت کچھ ضیاء برقی ہی کو حاصل نہ تھی بلکہ اس زمانے کے عام مسلمانوں کی یہی حالت تھی۔ ضیاء برقی بڑے سے بڑے عالم اور اپنے بڑے سے بڑے محسن اور عزیز کو فلسفہ اور معقولات سے تعلق رکھنے کے الزام میں مردود اور عتقی قرار دینے کے لئے تیار ہے۔ علم حدیث اور عمل بالحدیث کو وہ معقولات و فلسفہ کہتا ہے۔ حدیث اور علم حدیث کے صرف نام کی اس کے دل میں عزت ہے لیکن جب مراسم بدعیہ و شرکیہ کو ترک کرنا حدیث پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہو اور اس کے لئے دلائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ اپنے مراسم کو اصل شریعت کہہ کر تردید و انکار کی کوشش کا نام معقولات و فلسفہ رکھتا اور آپس سے باہر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی غور کرنے کے قابل بات ہے کہ مولانا شمس الدین ترک ملتان سے سلطان علاء الدین خلجی کے پاس عمل بالحدیث کی ترغیب میں رسالہ لکھ کر بھیجے ہیں اس زمانے کے مولوی اور مفتی اس کو اپنے عقائد اور مقاصد کے خلاف سمجھ کر سلطان تک نہیں پہنچے دیتے لیکن ملک سعد الدین سلطان سے ذکر کر کے اس رسالے کو سلطان تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، جس سے صاف ثابت ہے کہ ملک سعد الدین عمل

بالحدیث کا بہت بڑا حامی ہے اور عمل بالحدیث کے مقابلے میں وہ مولویوں، قاضیوں، اور مفتیوں کے ناراض ہونے کی پرواہ نہیں کرتا اسی ملک سعد الدین کو ضیاء برقیؒ سعد منطقی بد مذہب کا خطاب دیتا ہے۔ فمدبروا۔

ضیاء برقی کے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہنے اور سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں کچھ بھی بس نہ چلنے کا اندازہ اس کے ان الفاظ سے جو وہ محمد تغلق کی نسبت لکھتا ہے بخوبی ہو سکتا ہے۔

”دور مقتولات ظلا سفہ رنجبے تمام داشت و چیزے از علم محقول خواندہ بود و در طبیعت او چناناں جاے گرفتہ کہ ہرچہ خبر معقول بشنیدے بہ یقین ماور نہ کردے و فی الجملہ کد ام فاضل و عالم و شاعر و دیوانہ و بیرون دیم و طبیب را زہرہ آن بنوے کہ در خلوت سلطان محمد مقدمہ در علم خود بحسب دانش خود تقریر تولاذ کرد و بزم و نظم و نظم خود از بسیاری سوالات گلہ گیر سلطان محمد سخن خود را بہ پایاں تواند رسانید۔“

پھر آگے چل کر کہتا ہے کہ

”و ما چنداں کافر نیست کہ سہ سپیدی خواندہ بودم و از بلکے از ان شرف وارد چینے داشتیم و از طبع و حرص و دنیا نفاقہا و زریدہ و مقرب سلطان شدہ و در قضیہ سیاست کہ نام شروع بودے حق پیش سلطان نبی گفتیم۔“

عنایت الدین تغلق ایک تجربہ کار سپہ سالار اور ہوشیار فرماں روا تھا اُس کو علم و فضل اور درس و تدریس سے کوئی خصوصی واسطہ

محمد تغلق کی سب سے بڑی خطا
اُس کی روشن خیالی تھی

نہ تھا اُس کی ساری عمر شمشیر زنی اور مغلوں کو شکستیں دینے میں گذری تھی۔ محمد تغلق کو سپہ سالاری و شمشیر زنی کے ساتھ علم و فضل اور کتب بینی میں بھی بہرہ وانی حاصل تھا وہ پیدائشی طور پر بھی بڑا دین و باریک بین تھا جس طرح ہندوستان کے بعض دوسرے علماء نے کتاب و سنت اور احادیث نبوی کے مقابلے میں رسم و رواج کو بیہودہ چیز قرار دے کر بد مذہب، بے دین فلسفی وغیرہ خطابات حاصل کئے۔ اسی طرح محمد تغلق بھی ربا اصطلاح ضیاء برقیؒ، بد مذہب اور بے دین ہو گیا تھا اور اسی لئے ضیاء برقیؒ اس کے

معا ملے ہیں از خود رفتہ ہو کر اپنے مرتبہ تاریخ نویسی کو قائم نہیں رکھ سکا اور اسی لئے ورنگل کے راجہ اور امرائے علانی کی ساز باز کو بے چارے عبید شاعر اور شیخ زادہ دمشقی کے سر قہو پا گیا اور یہی وجہ تھی کہ عبید شاعر کے خلاف مفتیان دہلی نے قتل کا فتوے دے کر غیاث الدین تغلق کے ہاتھ سے قتل کرایا۔ شیخ زادہ دمشقی خوش قسمت تھا کہ ان لوگوں کے پنجے میں گرفتار نہ ہونے سے بچ گیا۔ اور ہندوستان سے اپنی جان بچا کر لے گیا یہی سبب تھا کہ محمد تغلق کی سلطنت کو ناکام رکھتے اور فسادات برپا کرنے کی مسلسل کوششیں اس گروہ نے جاری رکھیں اور اس خوش حصال و پاک طینت سلطان کو دلوں بنا کر چھوڑا۔ محمد تغلق کی روشن خیالی اس زمانے کے مفتیوں کے لئے کس قدر باعث تکلیف و اذیت ہوگی اس کا اندازہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ کے خلاف مقرر کے اٹھارہ مفتیوں نے لمحہ اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور مصر کا سلطان باوجود اس کے کہ امام ممدوح کو بے گناہ جانتا تھا مفتیوں کے اثر اور بغاوت کے خوف سے ان کو قید کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بڑی خیر ہوئی کہ شیخ الاسلام حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات سے چند ماہ بعد فوت ہو گئے تھے ورنہ سلطان محمد تغلق کے عقاید کی ذمہ داری حضرت ممدوح کے فیض یافتہ و حریمیت کردہ لوگوں مثلاً ملک سعد الدین وغیرہ پر عائد کر کے جس طرح اُن کو گالیاں دی گئی ہیں۔ اسی طرح حضرت ممدوح کی شان میں بھی گستاخی کرنے پر ضیاء برتنی مجبور ہو جاتا۔ خواہ بہانہ ملک احمد یا زرومی سلطان محمد تغلق کا وزیر اعظم اور ہمہ صفت موصوف شخص تھا اُس کی نیکی اور پاکی کا اندازہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت نظام اولیاء رحمہ نے اپنی دستار خاص اس کو عنایت کی تھی۔ کس قدر حیرت اور حسرت کا مقام ہے کہ ایسے برگزیدہ شخص کو محض اس خطا پر کہ وہ سلطان محمد تغلق کا وزیر اعظم اور سلطان کا ہم خیال و ہم عقیدہ تھا ضیاء برتنی اپنی تنگ خیالی کی وجہ سے گالیاں دیتا ہے ہم کوشش سرانج عقیق کا شکر گزار بننا چاہیے کہ اُس نے ملک احمد یا زرومی کے دینی مرتبے کے متعلق صحیح واقفیت بہم پہنچائی ورنہ ممکن تھا کہ ہم بھی اس با خدا انسان کی شان میں ضیاء برتنی کے ہم ذرا ہو کر گستاخی کے مرتکب ہوتے۔

محمد تغلق کا، داستان در حقیقت کتاب و سنت اور بدعات و مراسم کی معرکہ آرائی کا

ایک جنگ نامہ ہے۔ محمد تعلق نے حلق یہ باتیں جہالت و بے خبری کی وجہ سے بڑی غیب سمجھی جائیں گی اور ہندوستان میں آج بھی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کے اندر ایسی موج ہے جو اس موحد اور دشمن شرک و بدعت سلطان کو قبیح سنت معلوم کرنے کے بعد گالیاں دینے پر آمادہ ہو جائے گی اور جو کمی ضیاء برکتی سے رہ گئی ہے یہ لوگ اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن مدعا یہ ہے کہ بھمدار اور روشن خیال مسلمان اس عادل و باخدا اور علم دوست سلطان کو اس کے اصل لباس میں دیکھیں اور اس کی شان میں کوئی گستاخانہ کلام کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیں۔ محمد تعلق کی علم دوستی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد دہلی کے ایک مشہور عالم مولانا معین الدین عمرانی مصنف حسامی و مفتاح وحاشی کنز کو چالیس لاکھ روپیہ دے کر اپنے استاد مولانا عضد الدین مصنف ترقی مواقف کے پاس بھیجا کہ میری طرف سے بطور ہدیہ و نذرانہ پیش کرو اور ان کو شیراز سے ہندوستان لانے کی کوشش کرو۔ مولانا عضد الدین نے مواقف لکھ کر محمد تعلق کے نام سے معذن کرنے کا قصد کیا تھا۔ وہ جب ہندوستان کو روانہ ہونے لگے تو شیراز کے حاکم ابوالفتح نے بڑی منت سماجت کے ساتھ ان کو روک لیا اور وہ ہندوستان نہ آ سکے۔ بالآخر انھوں نے ابوالفتح کی خواہش کے موافق مواقف کو اسی کے نام سے معذن کیا۔ فرشتہ کے ان الفاظ سے کہ ”مولانا عضد الدین استاد خود را چہل لک بنکہ در یک روز بخشیدے“ یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولانا عضد الدین محمد تعلق کی تخت نشینی کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور محمد تعلق نے ان کو چالیس لاکھ عطا کئے مگر یہ صحیح نہیں، وہ سلطان غیاث الدین تعلق کے بادشاہ ہونے سے بھی پہلے ہندوستان آکر محمد تعلق کے استاد رہے تھے۔

معذرت اور التجا | محمد کو ہر قدم پر اس بات کا خیال آ رہا ہے کہ میں اس کتاب کے اصل موضوع سے بالکل جدا ہو گیا ہوں کیونکہ اس کتاب کا موضوع ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو واضح طور پر بے پردہ کر دینا ہے اور محمد تعلق کے متعلق یہ بات صرف چند صفحات میں بیان ہو سکتی تھی۔ لیکن میں کسی غیبی تحریک سے مجبور ہو کر لکھ رہا ہوں۔

میروم اما خدا ان من بدست خویش نیست

ہم چو کشتی ساخت سیل گریہ دریاے مر

اس کتاب کے پڑھنے والوں سے مودبانہ طبعی ہوں کہ وہ آئندہ صفحات بھی غور و
الٹینان اور صبر و سکون کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور اپنی تھوڑی سی تصحیح اوقات کو
بھری وجہ سے گوارا کر لیں۔

ضیا برہنی کی ناراضی کا دوسرا سبب | ضیا برہنی عہد تعلق سے کیوں ناراض

ہو چکا ہے اب دوسری وجہ بھی سن لیجئے۔ پہلی وجہ کے بیان کرنے میں بھی میں نے اکثر
ضیا برہنی ہی کو بطور گواہ پیش کیا ہے۔ دوسری وجہ بیان کرنے میں بھی میرا ارادہ ہے کہ
ضیا برہنی ہی کے الفاظ سے ثبوت ہم پہنچاؤں۔

ضیا برہنی کے خاندان اور اُس کے بزرگوں کا کوئی ذکر خاندان علما مان کے عہد حکومت
میں نہیں آتا اس زمانے میں اُس کا خاندان غالباً بہت ہی معمولی حالت میں ہو گا۔ ملک
فخر الدین سلطان فیاض الدین بلین کے زمانے میں شہر دہلی کا کووال تھا۔ معزالدین
کیقباد کے عہد حکومت میں وہ بڑھاپے کی وجہ سے خانہ نشین اور اس کا داماد ملک
نظام الدین وزارت کے مرتبہ پر فائز تھا۔ اسی ملک نظام الدین نے کیقباد اور اُس کے
باپ ناصر الدین حاکم بنگالہ کے درمیان وہ ناگوار صورت پیدا کر دی تھی جو ناصر الدین کی
سلامت روی کے سبب صلح و آشتی پر ختم ہوئی اور امیر خسرو کو غنوی قرآن السعدین لکھنی
پڑی۔ آخر ملک نظام الدین کی بد اطواریوں سے تنگ آ کر جب کہ کیقباد فالج میں مبتلا
ہو چکا تھا۔ امراتے دہلی نے ملک نظام الدین کو ہلاک کیا اور جلال الدین خلجی کو جو سامانہ
کا نائب ناظم تھا سامانہ سے ہلا کر کاروبار وزارت سپرد کیا اور بجائے سامانہ کے برن کا
علاقہ اس کی جاگیر مقرر ہوا۔ چند ہی روز کے بعد جلال الدین خلجی تخت دہلی کا مالک ہوا تو اُس
نے تخت نشین ہوتے ہی ملک فخر الدین مذکور کو زمر و ذرا میں شامل کیا۔ ملک فخر الدین
کی دوسری بیٹی کی شادی ملک نظام الدین ننگد کے بھائی ملک حسام الدین سے ہوئی
تھی جو عہد بلینی میں باڈی گاڑو کے رسالہ کا رسالہ دار تھا۔ ملک حسام الدین کی بیٹی کی
شادی ضیا برہنی کے باپ سے ہوئی اور اسی رشتہ داری کے سبب ضیا برہنی کے

خاندان میں امارت و عزت نے دخل پایا۔ ضیاء برنی کی ماں ملک فخر الدین کی نواسی تھی۔ ملک فخر الدین کی حویلی شاہی مکانات کے متصل بہت شان دار تھی۔ ضیاء برنی نے وہیں پرورش پائی۔ ملک فخر الدین اور اُس کے خاندان پر جلال الدین خلجی نے بڑی مہربانی کی۔ ضیاء برنی کے باپ کو جلال الدین خلجی نے اپنے منجھلے بیٹے ارکلی خان کی نیابت پر مامور کر کے موید الملک کا خطاب دیا۔ ضیاء برنی کا چچا علاء الملک کے خطاب سے مخاطب ہو کر سلطان جلال الدین کے بھتیجے علاء الدین خلجی کی نیابت پر فائز ہوا۔ غرض سلطنتِ خلجیہ کے شروع ہوتے ہی ضیاء برنی کے خاندان میں امارت شروع ہوئی۔ جب علاء الدین خلجی نے دیلگیر کا قصد کیا تو وہ اپنی غیر موجودگی کے ایام میں ضیاء برنی کے چچا علاء الملک کو کٹرہ اور اودھ کی حکومت سپرد کر گیا تھا۔ جب علاء الدین خلجی ہندوستان کا پادشاہ ہوا تو اس نے تخت نشین ہوتے ہی کٹرہ اور اودھ کا علاقہ جس پر وہ خود عہدِ جلالی میں مامور تھا علاء الملک کو بطور جاگیر عطا فرمایا اور ضیاء برنی کے باپ موید الملک کو برن کا علاقہ جاگیر میں دیا، یہ وہی برن ہے جو سلطان جلال الدین خلجی کی جاگیر رہ چکا تھا علاء الملک کے ساتھ علاء الدین خلجی کو بڑی محبت تھی، اسے دہلی سے باہر نہیں جانے دیا۔ کٹرہ اور اودھ کا انتظام اس کے نائب کرتے تھے اور اُس کو علاء الملک کو دہلی کی کوتوالی کا عہدہ جو بڑی عزت اور ذمہ داری کا عہدہ تھا اعزازی طور پر عطا کیا گیا تھا۔ علاء الملک مثلاً پہلے کی وجہ سے زیادہ چل پھر نہیں سکتا تھا۔ اس لئے دربارِ سلطانی میں وہ مہینہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوتا تھا۔ اب بآسانی اس بات کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ عہدِ خلجیہ میں ضیاء برنی کے خاندان کو کیسا عروج حاصل تھا۔ سلطان محمد تغلق نے تخت نشین ہو کر سب سے بڑا جرم یہ کیا کہ دوسرے مستحق لوگوں کو تو بڑی بڑی جاگیریں اور مناصب عطا کئے۔ لیکن ضیاء برنی اور اس کے خاندان والوں کو اُن کی توقع کے خلاف کوئی بڑا عہدہ یا منصب عطا نہیں کیا اور سب سے زیادہ غضب یہ ہوا کہ برن کی جاگیر جس کی ضیاء برنی کو مرتے دم تک آمدورہی محمد تغلق نے صوبہ میان و آب کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے خالصہ یعنی شاہی جاگیر میں شامل کر لی۔ محمد تغلق نے ضیاء برنی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور اُس کی قابلیت کا صحیح اندازہ کر کے زمرہٴ لایسندگان میں ایک اعلیٰ عہدے پر مامور کیا اور دربارِ رس اہل کاروں میں اس کا شمار رہا۔ وہ کبھی میر حسن ابن میر میران الخاطب

بہ قلعہ خاں طبعی کی پیشی میں کام کرتا تھا اور کبھی ملک احمد یا زروی خواجہ جہان کامیرنشی رہا۔ کبھی ان امر کی طرف سے پادشاہ کی خدمت میں پیغام پہنچانے پر مامور ہوا۔ کبھی جبکہ بادشاہ سفر میں ہوتا تو بطور مصاحب سلطان کی بے تکلف صحبتوں میں شریک ہوتا تھا لیکن وہ ہمیشہ دل تنگ اور سلطان محمد تغلق سے بدل ناخوش رہا کیونکہ اس کو برکن کی جاگیر سلطان نے نہیں دی۔ خود اسی کی تاریخ کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے بہت سی مذکورہ باتوں کا ثبوت ہم پہنچتا ہے عہد لمبئی کے تذکرہ میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے :-

”منکہ مولف تاریخ فیروز شاہیم از جہادورین خود سپ سالار حسام الدین وکیلہ شنیدہ ام“

جلال الدین فیروز غلجی کے تذکرہ میں ایک جگہ کہتا ہے کہ :-

”منکہ مولف تاریخ فیروز شاہیم در عہد جلالی قرآن تمام کردہ بودم و از مفردات گذشتہ و خط آموختہ از خدا ترساں و دانایان کہ بر پدرم موبد الملک آمدوشد داشتند شنیدہ بودم کہ در مجلس مختلف پیش پدر من بگفتند کہ عہد جلالی از لوازم عہد است“

چند صفحات آگے چل کر کہتا ہے کہ :-

”منکہ مولفم در عہد جلالی پدرم نائب ارکلی خاں بودہ خانہ در کیلوگڑھی میں بلند در فیج ہر آورده من از انجا با استادان و رفیقان بزیارت سیدی مولہ آدم“
 علاء الدین غلجی کے حملہ دیوگیر کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ جب علاء الدین کٹرہ سے دیوگیر کی جانب روانہ ہوئے لگا تو -

”در غیبت خود نیاہت کٹرہ دادہ ہم مولف ملک علاء الملک کہ از مختصان اولیو

تغویض کردہ کوچ کوچ مدالیچپور رفت“

سلطان علاء الدین غلجی کے حالات میں لکھتا ہے کہ وہ

”وہ علاء الملک ہم مولف در سال اول جلوس کٹرہ دادہ مقرر داشتند و موبد

الملک پدر مولف را نیامت و خواجگی برن دادند و اشغال خطیر و انطاعات

بزرگ برنیکان و نیک نامان و کاروانان و کارگذاران مفوض گشتہ و دہلی و

تمامی بلاد و ممالک گلستانی و بوستانی شدہ“

آگے چل کر ایک جگہ کہتا ہے کہ:-

”وعم من علماء الملک کو تو الہ دہلی از سبب غایت زہری خود در غرہ ہر ماہی
بسلام سلطان علاء الدین رفتہ و حریف شراب او شدے“
اپنے چچا علاء الملک اور سلطان علاء الدین غلی کے ایک مکالمے کا حال لکھ کر اپنے چچا کے
الفاظ نقل کرتا ہے کہ:-

”و اما حیات بادشاہ واستقامت ملک پادشاہ مطلوب است کہ حیات
ما و خیل و تبع ما بحیات پادشاہ واستقامت ملک پادشاہ متعلق است و اگر
نفوذ باللہ منہا این ملک بدست دیگرے افتد نہ مارا وزن و بچہ مارا و ذخیل
تبع مارا زندہ بگذارو“

ان اقتباسات سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ ضیاء برنی کے خاندان کو عہد غلیہ میں
بڑا عروج حاصل تھا۔ لیکن سلطان محمد تغلق کے عہد سلطنت میں اس کے خاندان کی عزت
و شوکت پر اُس سی پڑ گئی اور یہ خاندان گمنامی کی تاریکی میں رو پوش ہو گیا۔ ایسی حالت
میں ضیاء برنی کے دل پر کیسے کیسے سانپ لوٹے ہوں گے اور وہ کس طرح دوسرے لوگوں
کو صاحب اقتدار اور اپنے آپ کو معمولی حالت میں دیکھ کر بیچ و تاب کھاتا ہو گا۔ چنانچہ اُس
نے اپنی تاریخ میں سلطان محمد تغلق کا حال لکھتے ہوئے اس طرح اپنے دل کا بخاز نکالا ہے۔

ضیاء برنی کے دل کا بخار | وہ کہتا ہے کہ:-

”و بدست پیرامالی کہ سفلہ ترین و رزائلہ ترین سفلگان و رزائلگان ہند و سند است
دیوان وزارت و او و ہر سرملوک و امرا و البیان و مقطعان امیر گردانید“
ملک زین الدین المخاطب بہ مخلص الملک اور ملک محمد الدین المخاطب بہ مجد الملک لہران
مولانا رکن الدین تھانیسری کی شان میں کہتا ہے کہ:-

”ہنوع شیران کہ از گاہ آدم الی یومنا مثل آن شیران آفریدہ نشدہ اندو حلاج
یوسف بنلامی و چاکری ایشان و شہادت نشاید در کار شدہ بودند چنانکہ زین
رند و لہران میانگی رکن تھانیسری کہ شیران زمانہ را پیشوا بود و شہرت
از شیران عالم و اجٹ الناس بود۔ آن چنان بد بختے کا فر صفت را مجد الملک

می گویند :

اپنی اور اپنے خاندان کی کس مہتری کو دیکھ کر کہتا ہے کہ :-

”وچگونہ تفویض معاذم اشغال و تولیت عرصات و ولایات بزرگ بلیمان و ضلکین
وہ کہ تعجب نماید از پادشاہے کہ از نہایت سروری و مہتری ہمسر جمشید و موازی
کیخسرو بود و شایان خدمت در گاہ خود بزر چہر ان روزگار و عالی نسب ان عصر را
پسند و بجا ہیر بد اہل شغل بہا و اقطاع عباد دہد“

آگے چل کر اور بھی زیادہ بے قابو ہو جاتا ہے ۔

”واگر تفویضات اشغال بزرگ و اقطاع بزرگ کہ آن پادشاہ بنا کساں و نا کس
بچہ گان ارزانی داشتے و زنا را و گان و زنا را بچکان را سری و سروری وادے و دے
محتاج سخن ایشاں و جہانے را نیاز مند و را ایشاں گر دانیدے بر دعوے خدائے
و دانا را سکیم الا علی و دن لو حمل می کنم“

جن لوگوں کو ضیاء برنی اس طرح دل کھول کر گالیاں دے رہا ہے وہ سب شریف اور
ذی علم لوگ تھے، اُن سے بہتر مدیر اور گرامی منش لوگ اس زمانے میں نہیں مل سکتے تھے۔
محمد تفلک سے زیادہ مروج شناس شاید ہی کوئی پادشاہ ہندوستان کے تخت پر بیٹھا ہو اس
نے ہر شخص کو اُس کی قابلیت اور استحقاق کے موافق عہدے اور مرتبے عطا کئے ضیاء برنی آپنی
خواری دلا چاری کا حال ابن الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔

”در ہر ان سالی و در دنیا خوار و زار و بے مقدارہ لا اعتبار شدہ ام و در ہر ہامحتاج شدہ و در ہوا
می شوم و در عقلی نمی دائم کہ حال من چہ خواہد شد و بر من از عقوبات چہ خواہد رفت ؟
اپنی تاریخ کی نسبت ضیاء برنی خود کہتا ہے کہ :-

”در ہر سطرے بلکہ در ہر کلمہ لطائف و غرائب احکام انخطای در ضمن اخبار و اخبار
سلطین و درجہ کدوم و منافع و مضار جہاں داری جہاں داران چہ بصرت و چہ
بکنایت و چہ بعبارت و چہ باشارت و چہ کشادہ و چہ برز آردہ“

تا بیخ فیروز شاہی گواہی دے رہی ہے کہ ضیاء برنی کو کنایہ ”اشارہ اور رمز کی ضرورت
سلطان محمد تفلک ہی کے متعلق پیش آئی ہے غالباً سوال کے اس حصے کا جواب کہ ضیاء برنی کو محمد تفلک
سے نفرت کیوں تھی کافی ہو چکا ہے ۔

باشم

محمد تغلق کی صحیح تصور

موزخین کی مجبوریاں اور بے احتیاطیاں | ضیا برقی نے اپنے ذاتی عناد کی وجہ سے اس سلطان کے ستائیس سالہ عہد حکومت کے واقعات میں اس کی تخت نشینی اور وفات کی صحیح تاریخوں کے علاوہ سن و سال کا حوالہ صرف ایک جگہ دیا ہے کہ ۱۳۳۷ء میں مصر سے حاجی سعید حرمری خلیفہ کا فرمان لے کر آیا تھا۔ ضیا برقی کی اس فروگزاشت یا چالاکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد کے موزخین میں سے کسی کو بھی محمد تغلق کے صحیح حالات کھنے اور صحیح رائے قائم کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں (جو ضیا برقی کے بعد لکھی گئی ہیں) مطالعہ کر ڈالئے۔ لیکن محمد تغلق کے متعلق صحیح تصور اور صحیح اندازہ ذہن میں سرگز قائم نہ ہو سکے گا اور مجبور ہو کر آپ کو ضیا برقی ہی پر غصہ آئے گا۔ بعد کے موزخین کو کیسی کیسی ٹھوکریں لگی ہیں اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ملا عبد القادر بدایونی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ترم شیریں خاں مغل ۱۳۷۹ء میں ہندوستان آیا۔ اسی کو فرشتہ ۱۳۸۷ء کا واقعہ بتاتا ہے بدایونی گر شاہ سپ کی بغاوت کو ۱۳۷۹ء کا واقعہ بتاتا ہے۔ اور الفسٹن اسی واقعہ کو ۱۳۷۹ء سے منسوب کرتا ہے۔ ملا صاحب بدایونی کہتے ہیں کہ بہرام اتیہ ۱۳۷۵ء میں مقتول ہوا اور الفسٹن اور ذکار اللہ اسے ۱۳۷۹ء اور ۱۳۸۰ء کا حادثہ بتاتے ہیں۔ محمد تغلق کے بہت سے حالات

معلوم کر نیکے لئے آجکل کے مورخ بالخصوص انگریزی مورخ سفرنامہ ابن بطوطہ کو سب سے زیادہ مقہور تصور کرتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ سفرنامہ ابن بطوطہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کسی بے جا حمایت یا نفرت کو خوں نہیں آتا اور یہ کتاب ابن بطوطہ نے ہندوستان سے باہر اس وقت لکھی تھی جب کہ اس کو دوبارہ ہندوستان آنے اور مغلق سے ملنے کی توقع نہ تھی لیکن سفرنامہ ابن بطوطہ سے فائدہ حاصل کرنے میں ان باتوں کا خیال کوئی نہیں کرتا کہ ابن بطوطہ ۷۸۳ھ میں ہندوستان آیا اور ۷۸۵ھ میں ہندوستان سے رخصت ہو گیا۔ قریباً ۱۴ سال اس نے ہندوستان میں گزاریے۔ ملتان، دہلی، گوالیار، دیوگیر، کرناٹک، ملابار وغیرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں پہنچا، نہ اس کے پاس کوئی روزنامہ چھپا تھا، نہ وہ یہاں سے کوئی یادداشت لکھ کر لے گیا تھا۔ کیونکہ اس کا تمام سامان اسباب ہندوستان سے روانہ ہونے کے بعد کئی مرتبہ ضائع ہو ہو گیا ہے اور وہ صرف اپنی جان ہی سلامت بچا سکا ہے۔ ۷۸۵ھ کے بعد یعنی ہندوستان سے روانہ ہونے کے بائیس سال بعد اُس نے اپنا سفرنامہ لکھا ہے۔ یہ بائیس سال بھی اس کے سفر ہی میں گزرے ہیں۔ لہذا تاریخی واقعات کی صحیح ترتیب قائم کرنے میں اس سے بھی بہت کم مدد مل سکتی ہے۔

نوداس کے سفر کی بھی زمانی و مکانی ترتیب صحیح نہیں ہے مثلاً وہ اپنے ایک سفر میں دہلی سے چل کر علی گڑھ اور علی گڑھ سے چل کر اول برتن اس کے بعد علی گڑھ پہنچا ہو گا اتنے دنوں کے بعد سفرنامہ لکھتے وقت وہ ہر ایک شہر کے محل وقوع اور واقعات پیش آمدہ کی ترتیب کو یاد نہیں رکھ سکا۔ اسی طرح لوگوں کے ناموں، عہدوں اور ان کے متعلقہ کاموں میں بھی بہت بے ترتیبی پائی جاتی ہے ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھ کر سفرنامہ ابن بطوطہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ محمد تغلق کے معاملے میں ضیاء برنی کی رافہ پیدا کی ہوئی ہے ترتیبی کو جس طرح کسی نے ملحوظ نہیں رکھا، اسی طرح ابن بطوطہ کی غیر ارادی بے ترتیبی کا بھی کسی نے لحاظ نہیں کیا۔ بہر حال قدیم و جدید تمام تاریخوں میں سلطان محمد تغلق کے حالات کو مطالعہ کرنے کے بعد میں پھر ضیاء برنی ہی کی تاریخ کو سامنے رکھ کر محمد تغلق کے عہد حکومت کا ایک خاکہ مرتب کرنا چاہتا ہوں لیکن اس زمانہ کے ہندوستان کی تاریخ کا سمجھنا بہت کچھ اس بات پر منحصر ہے کہ چین و تبت و ترکستان و خراسان و افغانستان و عراق و شام کے حالات بھی پیش نظر رہیں، لہذا سب سے پہلے ذیل کی چند باتوں کو بغور ملاحظہ کیجئے۔

داستان خراسان

ساتویں صدی ہجری کے آخر میں چنگیز خاں کے دارالسلطنت قراقرم میں اُس کے بیٹے اکتائی خاں کی اولاد کے بعد تولی خاں چنگیزی کی اولاد فرماں روا تھی۔ اسی زمانے میں ان کے قبضے میں مشرقی ترکستان اور منگولیا کے قدیمی ملک کے علاوہ چین کا تمام ملک بھی آگیا تھا۔ چین کی مشہور نہر انھیں لوگوں کی یادگار ہے۔ چین کو فتح کر کے ان لوگوں نے ایک نیا شہر خاں بالیغ کے نام سے آباد کیا اور قراقرم کی بجائے اس کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا یہ لوگ اس وقت تک جبکہ سلسلہ میں چینیوں نے اُن کی حکومت کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کی دوسرے چنگیزی قبیلوں سے بے تعلق رہے۔ ان لوگوں کے دربار میں امیر احمد بناکتی۔ مولانا بہار الدین بخارا قاضی علاء الدین طوسی، مولانا بدر الدین بیہقی، مولانا حمید الدین سمرقندی وغیرہ اکثر مسلمان سرکاری عہدوں پر مامور رہے لیکن چنگیزی قبائل کی یہ شاخ دولت ایمان و اسلام سے محروم رہی اور ان میں کوئی بادشاہ مسلمان نہ ہوا۔

ہرات میں چنگیزی مغلوں کا رشتہ دار ایک مغل خاندان حکمران تھا۔ قندھار و غزنین کے علاقے میں بھی چنگیزی مغلوں کا ایک قبیلہ فرماں روا تھا۔ ہرات و غزنی کے دولاں خاندان فرماں روا تھے ایران کے ماتحت تھے۔ ماوراء النہر یعنی سمرقند و بخارا کے علاقے میں چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی خاں کی اولاد بر سر حکومت تھی۔

ایران و خراسان و عراق و آذربائیجان و کردستان کی زبردست سلطنت تولی خاں ابن چنگیز خاں کے بیٹے ہلاکو خاں کی اولاد کے قبضے میں تھی اور اسی کو سلطنت ایران کہا جاتا تھا۔ اس سلطنت میں ایشیائے کوچک کا مشرقی حصہ بھی شامل تھا جو صوبہ بوم کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

مشرقی ترکستان کے بعض اضلاع و شہر قبچاق، روس اور ماسکو تک کے علاقے جن میں کبھی کبھی آذربائیجان کا صوبہ بھی شامل ہو جاتا تھا۔ چنگیز خاں کے بیٹے جو جی خاں کی اولاد کے قبضے میں تھے۔

ایشیائے کوچک کے مغربی حصے کو ساتویں صدی ہجری کے آخری زمانے تک سلجوقی ترکوں نے مغلوں سے بچایا پھر سلجوقی ریاست کی جگہ ۱۱۹۷ء میں عثمانی حکومت شروع ہوئی جو بہت جلد ایک طاقتور سلطنت بن کر یورپ کے وسطی حصے تک وسیع

ہو گئی۔ شام کے علاقے پر ہلاکو خاں کی اولاد بار بار حملے کرتی رہی اور جس طرح ہلاکو خاں مصر کی مملوک سلطنت کے مقابلے میں ناکام رہا تھا۔ اسی طرح اس کی اولاد بھی ہمیشہ مصریوں سے شکست کھاتی رہی۔ ہندوستان کی غلیبہ سلطنت اور مغلوں کی سلطنت کے درمیان دریائے سندھ حد فاصل تھا۔ ہندوستان پر ہرات اور غزنی کی مغلیہ سلطنتوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں بھی مغلوں کو ہمیشہ ناکامی سے واسطہ پڑا۔ ہلاکو خاں کی اولاد میں سب سے پہلے اس کا بیٹا نکودار المعروف بہ احمد خاں سلسلہ میں مسلمان ہوا اس کے مسلمان ہوتے ہی اس کے بھتیجے ارغون خاں نے جو صوبہ خراسان کا حاکم تھا اس کے خلاف سازش شروع کی اور مغل سردار محض اس لئے کہ احمد خاں نکودار بن ہلاکو کے مسلمان ہو کر تورہ چنگیزی پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا ارغون کے شریک ہو گئے اور ماہ جمادی الآخر ۷۳۷ھ میں احمد خاں کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں شہید کر کے اس کی جگہ ارغون خان ابن اباقان ابن ہلاکو خاں کو ایران کے تخت پر بٹھایا۔ ارغون خاں نے تخت نشین ہو کر احمد خان نکودار کے وزیر اعظم خواجہ شمس الدین کو قتل کیا اور لو تانامی ایک شخص کو وزیر بنایا۔ اس وزیر کی شرارتوں سے واقف ہو کر اس کو بھی قتل کیا اور ایک یہودی کو سعد الدولہ کا خطاب دے کر وزیر اعظم بنایا جس نے جا بجا شہروں اور قصبوں میں مسلمان علماء کو قتل کرایا۔ سعد الدولہ کہنے کو یہودی مگر دراصل عیسائی اور عیسائیوں کا بے حد طرف دار تھا۔ مغل چونکہ مسلمانوں کا خون بہانے میں بہت حریص تھے اس لئے عیسائی اور یہودی ان جاہل مغلوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کے درباروں میں پہنچے۔ اسی طرح گجرات و دکن کے ہندو بھی ان کو اپنا خجالت دہندہ بنانے اور سلطنت اسلام کو ان کے ہاتھوں سے برباد کرانے کے لئے ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ یہ بجائے خود ایک دلچسپ داستان ہے کہ مسلمانوں عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں وغیرہ نے کس طرح مغلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، بہر حال ارغون خان ہندوؤں کی جانب بھی بہت مائل تھا کتاب ادبہاق مغلوں کے الفاظ یہ ہیں:-

”دارغون اعتقادے بہ جو گیان ہندو طریقہ الہشاں پیدا کردہ بود جو گیانہ

آمدہ آں مجھوں بو قلموں خورد و مدتے مداومت نمود مرضے پید اکر دو خواجہ
امین الدین طبیب مداوائے او نمود مرض رو با نخطاط آورد جوگی مذکور سے
جام شراب بوسے دادو مرض باروگر عود نمود

ارغون خان حجاز پر حملہ کر کے خانہ کعبہ کو (لغزوہ بالحد) منہدم کرنے کا ارادہ کر چکا تھا
کہ ہمارے ہر گز ہفت سالہ حکومت کے بعد ۶۹۰ھ میں فوت ہوا۔ ملکہ صائب اپنی تاریخ
ایران میں ارغون خان کے یہودی وزیر سعد الدولہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ:-

”اس وزیر کو بادشاہ کی طرف سے بہت بڑا اختیار حاصل تھا عیسائی
قوم جو وہاں رہتی تھی یہ وزیر اس قوم کی حد سے زیادہ رعایت کرتا تھا
اور اس کی حمایت و حفاظت میں شب و روز بجان و دل حاضر رہتا تھا مگر
مسلمانوں سے نہایت بغض و عداوت رکھتا تھا اور اکثر ان کو رنج و
ایذا پہنچاتا رہتا تھا یہاں تک کہ تمام اہل اسلام کو عہدوں سے معزول و برہنہ
کر دیا اور مسلمانوں کی نسبت یہ حکم جاری کیا گیا کہ ان میں سے کوئی دربار شاہی
میں نہ آنے پائے بادشاہ کی طرف سے عیسائی قوم کی نسبت اس قسم کی مراعات
ظہور میں آئیں تو پوپ نکلسن چہارم نے بذریعہ المچی اس بات کا بہت بڑا
لمبا چوڑا شکر یہ ادا کیا مسلمانوں کو اس بات کا بہت بڑا اندیشہ تھا کہ
کہیں ایسا نہ ہو خانہ کعبہ کو ایک گرجا گھر بنا دیا جائے۔ (ترجمہ از تاریخ ملکہ)

ارغون خان کے بعد اس کا بھائی گینا تو خان ممالک ایران و خراسان وغیرہ کا فرمان
ہوا اُس نے ۶۹۳ھ میں کاغذ کا سکہ یعنی نوٹ جاری کیا مگر اگلے ہی سال منسوخ کرنا پڑا۔

سُنیوں کے مصائب | ارغون خان کا بیٹا غازان خان باپ کے زمانے سے
خراسان کا گورنر تھا ۶۹۴ھ میں ایک مغل سردار

جس کا نام امیر تۆرۄز تھا حضرت شیخ صدر الدین حموی کی تحریک و تبلیغ سے مسلمان ہوا۔
اسی زمانے میں ماوراء النہر کے مغلوں میں بھی اسلام کو رسوخ حاصل ہونے لگا تھا
اور چند روز کے بعد ان کے حکمران طبعے نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ امیر تۆرۄز کی تحریک
و ترغیب سے غازان خان بھی دائرۃ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی سال غازان خان کو
تخت سلطنت ملا۔ غازان خان نے امیر تۆرۄز کو خراسان کی گورنری عطا کی۔ غازان خان

چونکہ خود بھی عرصہ دراز سے خراسان کا گورنر رہا تھا اور یہاں خصوصیت سے شیعیت کا دورہ چکا تھا لہذا وہ تخت نشین ہونے کے بعد صحت مصاحبین اور بعض مصالح ملکی کی بنا پر کیونکہ ایران میں شیعہ خیالات کے لوگوں کی کثرت تھی شیعیت کی جانب زیادہ مائل ہو گیا اور اہل سنت و جماعت کے خلاف اس نے وہ تمام مظالم پورے کئے جو ہلاک خواں اور دوسرے مغلوں نے عام مسلمانوں پر روا رکھے تھے۔

اگرچہ مغلوں کی قوم عام طور پر کافر اور غیر مسلم تھی اور غازی خان بھی برائے نام ہی مسلمان تھا کیونکہ وہ نہ ارکان اسلام کا پابند تھا نہ تورہ چنگیزی کے خلاف کچھ کرتا تھا مگر غازی خان کے برائے نام مسلمان ہونے سے ایران و خراسان کے شیعوں کو بہت اطمینان حاصل ہوا لیکن سنیوں کے لئے مغلوں کی تلواریں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئیں امیر نوزد گورنر خراسان سنی تھا اس کا داماد فخر الدین کرت ہرات میں حکمران تھا امیر نوزد کو محض سنی ہونے کی وجہ سے یہ الزام لگا کر کہ وہ عباسی خلیفہ مصر اور ملک الناصر سلطان مصر سے خط و کتابت کرتا ہے حکم غازی خان قتل کیا گیا۔ اور حکم عام جاری ہوا کہ مغلوں کے سوا کوئی شخص اپنے پاس کسی قسم کا کوئی ہتھیار نہ رکھے۔ شیخ صدر الدین حموی بھی سنی ہونے کی وجہ سے شہید کئے گئے۔ غازی خان کی عداوت سنیوں کے خلاف یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس نے مغلوں کے دولاکھ جوار شکر کے ساتھ قلعہ خواجه کو ہندوستان کی اسلامی سلطنت پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور اتنا ہی بڑا لشکر لے کر خود ملک شام پر جو سلطان مصر کے قبضے میں تھا حملہ آور ہوا۔ یہاں ہندوستان میں سلطان علاء الدین غلی نے قلعہ خواجه کو شکست دے کر بھگایا۔ وہاں غازی خان بھی سلطان مصر کے مقابلے میں ہزیمت پاکر بھاگا۔ یہ ۶۹۸ھ اور ۱۲۹۹ء کے واقعات ہیں۔ ملکہ صاحب کا بیان یہ ہے کہ غازی خان نے تورہ چنگیزی کو از سر نو رواج دیا۔ غازی خان نہایت بد صورت کرمہ منظر اور پست قد شخص تھا۔ اسلام سے اس کو دلی نفرت تھی لہذا ہر ایران کے شیعوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا۔ مصر و شام پر اس کے حملے محض اس لئے تھے کہ مسلمانوں کے مذہب کو ان ملکوں سے ہٹا دے اسی لئے اس نے پوپ بانیس ہشتم سے مدد طلب کی اور پوپ نے عیسائی بادشاہوں کو اس کی مدد پر آمادہ کیا اور شام کے حملوں میں عیسائی قوم اور عیسائی سلاطین نے اس کی مدد کی۔ غازی خان اور پوپ کے درمیان محبت

اسی لئے تھی کہ دولوں اسلام کے یکساں دشمن تھے ملکہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ غازیان بظاہر مسلمان اور شیعہ تھے لیکن دراصل وہ عیسائی تھے آخر میں ان کے الفاظ، یہ ہیں کہ:-

”اگر ہم مغربی مورخوں کا اعتبار کریں تو ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ وہ اپنے زمانہ حیات تک عیسوی مذہب کا معتقد رہا مگر یہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی کہ اس مذہب کے مسائل کی نسبت اس نے اپنا اعتقاد ہر سر عام بھی ظاہر کیا ہو۔“

غازان خان نے سنہ ۶۸۷ھ میں پھر شام و مصر پر حملہ آور ہونے کی پہلے سے زیادہ زبردست تیاری کی۔ مغلیہ فوج حلب تک پہنچ گئی۔ لیکن عباسی خلیفہ ابو الریح مستکفی باللہ اور ملک الناصر سلطان مصر دولوں مغلوں کے مقابلے کو آئے اور شکست فاش دے کر ان حملہ آوروں کو بھگایا۔ اس شکست کی ندامت و شرمندگی سے غازیان خاں سنہ ۶۸۷ھ میں مر گیا اور اس کا بھائی ابجی ایتو جو غازیان خان کی طرح برائے نام مسلمان تھا اور جو محمد خدا بندہ کے نام سے مشہور ہے تخت نشین ہوا۔ ابجی ایتو خدا بندہ، غازیان خان کا شنی اور سینوں کی مخالفت میں غازیان خان سے بھی دو قدم آگے تھا۔ یہ سنہ ۶۸۷ھ تک فرماں روا رہا۔ اس نے ایک شیعہ مسی جمال الدین منظر کو اپنا مقرب بنا رکھا تھا۔ شیراز کے قاضی محمد الدین کو صرف اس لئے شکاری کتوں سے ہلاک کرانے کا حکم دیا کہ دو سٹی تھے۔ غازیان خان اور ابجی ایتو خدا بندہ کی حکومت کو ابو مسلم خراسانی، استاجیس آذر بایجانی ابن متغی بدھشانی، حسن بن صباح قہستانی کی کوششوں کا نتیجہ آخر اور شرعہ کامل سمجھنا چاہیے۔ حسن بن صباح اور استاجیس وغیرہ نے اسلام کے چشمے کو مکدر کرنے میں جو سعی کی تھی اس کو مغلوں کی خون آشامی نے آمیختہ ہو کر پائے تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس عطر مجموعہ کو ناواقف لوگ قابل فخر اسلامی سلطنت قرار دیتے ہیں حالانکہ اسلام اور مسلمانوں کی مصیبتوں میں جو چنگیز و ہلاکو کی قیادت میں وارد ہوئی تھیں ابھی تک کچھ زیادہ کمی نہ ہوئی تھی۔ ہاں جو جی خاں، ابن چنگیز خاں کی اولاد جو آذربک کے نام سے مشہور ہے مسلمان ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے لئے باعث تقویت بن چکی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خراسان و ایران کی رہبری ہوا سے قطعاً متاثر نہ ہو سکی تھی اور اسلام کے سیدھے سادے احکام

پر عامل تھی۔ قزاقم اور خان باغیغے والے مغلوں کی طرح قندھار و غزنی کے چغتائی
مغل ابھی تک اسلام سے نا آشنا اور اپنی چنگیزی حالت پر قائم تھے۔ ۱۷۷۱ء میں
الجا تئو (خدا بندہ) نے حکم عام جاری کیا کہ ہمارے زیر حکومت ملکوں میں کوئی شخص
خطبہ جمعہ کے اندر حضرت علی اور اہل بیت کے سوا کسی صحابی کا نام نہ لے اور کوئی متنفس
اہل سنت و جماعت کے طریقے پر قائم نہ رہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اس حکم پر اُس
کی وفات کے بہت دنوں بعد تک کبھی نہایت سختی سے عمل درآمد ہوتا رہا اور ایران و
خراسان و فارس و آذربائیجان و کردستان و عراق و سیتان وغیرہ میں مغلوں کی خون
آشامی کے خوف سے شیعوں کا بجلی استیصال ہو گیا۔ بہت سے لوگ شہید ہوئے۔
بہت سوں نے مذہب تبدیل کر کے اپنی جان بچائی۔ اور مذکورہ ممالک میں انواع
واقسام کے بدعات نے رواج پایا۔ مکمل صاحب اپنی تاریخ میں الجا تئو (خدا بندہ)
کی نسبت لکھتے ہیں کہ:-

ایران کے بادشاہوں میں شیعوں کے مذہب کو ظاہر کرنے والا اور ترقی
دینے والا سب سے پہلے یہی بادشاہ تھا جو سکھ اُس نے مضروب کرایا
تھا اُس پر بارہ اماموں کے نام کندہ تھے۔

۱۷۷۱ء میں سلطان الجا تئو (خدا بندہ) نے بلا وجہ محض مسلم کشی کے شوق میں سلطان
مصر کے خلاف ایک عظیم الشان فوج فراہم کی اور شام و مصر پر حملہ آور ہوا اس حملہ کی
تیاریوں کا حال کتاب اوساق منول کے ان الفاظ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

• نو شہ اند کہ دریں یورش پنجہ ہزار دینار در کار تیار رہی مجانبی صرف
شدہ بود و ہزار دپانصد زرہ از دیار فرنگ آورده بودند و دویست و
شصت سراسپ با جہلہائے اطلس وزینمائے زریں و دویست و ہزار پانصد و شتر
جہت تعمیر سامان و نو و چہر خ دور انداز و یا زود ہزار خروار تیر و پانصد و صد
خروار قارورہ نفت و صد خروار کوس و سی صد و شصت مرد نقاب با کلبہائے
تیز منقار و پنجہ ہزار پوست جہت گذرانیدن احوال و افعال از دریا مرتب
شدہ بودند۔

ان تیاریوں کا حال سن کر ملک شام میں بڑی ہل چل مچی۔ ملک الناصر سلطان مصر

جو سلطان ملک النضر کو قتل کر کے دوبارہ سلطان مصر بنا تھا اور اپنے سرداران فوج اور امرائے ملک سے مشتبہ ہو رہا تھا سفلوں کے مقابلے پر تیار نہ ہو کر ملک شام کی حکومت سے دست برداری اختیار کرنے پر آمادہ تھا۔ اس زمانے میں براعظم ایشیا کی کوئی سلطنت سلطان الحجابیہ کی ٹکر سنبھالنے کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھی۔

حضرت امام ابن تیمیہ کی تدبیر و شمشیر | اس نازک اور خطرناک حالت کا صحیح احساس فرما کر اور عالم اسلام کو سخت خطرے کی حالت میں دیکھ کر جس مرد باخدا نے اپنے حواس بجا رکھے اور ضلالت و گمراہی کے اندھے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے مرد نبودین کر میدان میں نکلا وہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ سلطان ملک الناصر کے دربار میں پہنچے۔ اس کو سرور بار غیرتیں دلا کر اور ہمت بندھا کر جس طرح ممکن ہوا مقابلہ پر آمادہ کیا۔ پھر دمشق واپس آ کر اہل دمشق کو مرد بننے اور جنگ میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔ سلطان کیمک خاں مغل و جو مسلمان تھا، کے پاس ماوراء النہر میں قاصد بھیجے اور اسلام کا واسطہ دے کر سلطان الحجابیہ و خدا بندہ، کے قتلے کو فرو کیے اور اسلام کی حمایت پر آمادہ ہونے کی ترغیب دی۔ دوسری طرف سلطان طغرل خاں ابن توتمانی خاں (از اولاد دھوجی خاں) کے پاس بمقام سرلے (سیرادارد) ایچی روانہ کر کے خطرے سے آگاہ کیا۔ آخر الحجابیہ خاں (خدا بندہ) نے دریائے فرات کو عبور کر کے ملک شام کو غارت کرنا شروع کیا۔ حضرت امام ابن تیمیہ شام و مصر کی فوجوں کے آگے آگے مقدمۃ الجیش دستہ کی سپہ سالاری کرتے ہوئے مغلیہ لشکر پر حملہ آور ہوئے اور اپنی صف شکنی و شمشیر زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ مصری فوج میں جان پڑ گئی اور مغلیہ لشکر کو اس مرتبہ بھی بھاگنا پڑا اور عالم اسلام کا سب سے بڑا خطرہ آئندہ عرصہ دراز تک کے لئے مٹ گیا۔ الحجابیہ کے شکست کھانے اور بعد شکست ملک شام میں نہ ٹھہرنے اور سرایگی کے ساتھ فرار ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ کیمک خاں چغتائی کے حدود خراسان میں داخل ہونے کی خبر الحجابیہ کے پاس ملک شام میں لڑائی سے قبل پہنچ چکی تھی اور وہ کیمک خاں کے حملے کو روکنا اپنی اور اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ بہر حال امام ممدوح کی تدبیر و شمشیر دونوں نے بڑا کام کیا۔

مغلیہ سلطنت کا زوال | الجایتو کو یہ اتنا بڑا دمکا لگا کہ آئندہ کے لئے خراسان کے بعض حصے اور تہندھاروغرغنی وغیرہ کے علاقے بھی چغتائیوں کے قبضے میں آگئے اور ہرات کی ماتحت ریاست بھی ایرانی سلطنت کی سیادت سے خارج ہو گئی۔ ۷۸۵ھ میں الجایتو کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابوسعید بہادر خاں جس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی، باپ کی جگہ دارالسلطنت شہر سلطانیہ میں تخت نشین ہوا۔ الجایتو خاں کے امرا میں امیر چو پان سلدوز بہت قابو یافتہ تھا۔ وہی شام کے حملوں میں سپہ سالاری کی خدمات انجام دیتا رہا۔ امیر چو پان سلدوز کی کوشش سے شہزادہ ابوسعید بہادر خاں کو چونکہ تخت حکومت نصیب ہوا تھا لہذا اس کو وزارت عظمیٰ اور مدارالمہامی کا مرتبہ عطا ہوا۔ میوراغلن چغتائی جو سلطان کیک خان کا بھائی تھا، امیر چو پان سلدوز کا خراسان میں بار بار مقابلہ کرتا رہا۔ آخر ۸۰۵ھ میں امیر چو پان سلدوز کی چالاکیوں سے میوراغلن کا کام تمام ہوا اور امیر چو پان بلاخندہ حکومت کے مزے اڑانے لگا۔ اس وقت تک ایران کی سلطنت کا مزاج وہی تھا جو سلطان الجایتو کے وقت میں تھا۔ بظاہر ابوسعید پادشاہ تھا لیکن درحقیقت امیر چو پان سلدوز سلطنت کرتا تھا۔ امیر چو پان سلدوز سلطان ابوسعید کا بہنوئی بھی تھا اور اس کے اسلام کا اندازہ صرف اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے سلطان الجایتو کی دو بیٹیوں دودندی خانم اور ساتبیک خاتون سے شادی کی اور دونوں بہنیں بیک وقت اس کی بیویاں تھیں۔ امیر چو پان اور ایران و خراسان کے متعللوں کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا البتہ اکثر متعل نام مسلمانوں کے سے رکھنے لگے تھے۔ امیر چو پان کے ایک بیٹے سمی تیمورتاش نے جو صوبہ روم کا گورنر تھا ماسی زمانے میں نبوت و مہدویت کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس کے بعد ۸۲۵ھ میں امیر چو پان سلدوز وزیراعظم کی بیٹی بغداد خاتون کی وجہ سے جس کی شادی امیر حسن جلائر سے ہوئی تھی اور جس پر سلطان ابوسعید عاشق ہو گیا تھا۔ ایسی باتیں وقوع میں آئیں کہ امیر چو پان اور سلطان ابوسعید بہادر خاں میں ناچاقی پیدا ہوئی۔ ۸۲۵ھ کا پورا سال اس حالت میں گذرا کہ سلطان و وزیر کے دل ایک دوسرے سے صاف دھتھے۔ ۸۲۵ھ میں خاں ابن دوا خاں چغتائی نے جو کیک خاں اور میوراغلن کا بھائی اور چغتائیوں کا سلطان اور خوش غصیدہ مسلمان رزمیہ تھا غرغنی میں فوجیں جمع کیں اور خراسان اور ایران پر حملہ آوری کا قصد کیا۔

اس کا حال امیر چو پان سلدوز کو معلوم ہوا تو اس نے سلطان ابو سعید کو خوش اور اپنے دشمن ترمشیر میں خاں کو بر باد کرنے کے لئے ایک زبردست فوج اپنے بیٹے امیر حسن سلدوز کی سرکاری میں روانہ کی۔ ترمشیر میں خاں ابھی اپنی جنگی تیاریوں کو مکمل نہ کر سکا تھا کہ یکایک اس پر حملہ ہوا۔ غزنی کے قریب ۷۷۷ھ میں لڑائی ہوئی ترمشیر میں خاں نے شکست پائی شکست کھا کر وہ سیدھا سلطان محمد تغلق کے پاس ہندوستان آیا۔ امیر حسن سلدوز نے مشہر غزنی کو تباہ و برباد کر کے سلطان محمود غزنوی کے مقبرے اور فہر کی مسجدوں کو بھی تباہ کر ڈالا۔

”درحوالی غزنین امیر حسن نظر بیا فتنہ در غزنین قتل و غارت بسیار نمودہ حتی کہ مجاوران مقبرہ سلطان محمود غزنوی را نیز اسیر کرد و لشکر او بے ادنی ہائے بسیار با مساعبد و مساعبد کردہ در سنہ ست و عشرين و سبعمائے واپس بخراسان رفت (اویسیاق منقول)

سلطان ابو سعید کی ناراضی بجائے کم ہونے کے اور بڑھی اور اس واقعہ کے بعد امیر چو پان وزارت سے معزول اور خواجہ غیاث الدین محمد ابن خواجہ رشید الدین کو منصب وزارت عطا ہوا۔

خواجہ غیاث الدین کے وزیر ہوتے ہی ایران میں وہ ظالمانہ حکم جو سنہ ۷۷۷ھ کے خلاف سلطان الحجاز کے زمانے سے نافذ تھا اٹھ گیا۔ لیکن امیر چو پان باغی ہو کر خراسان پر قابض ہو گیا اور ۷۷۷ھ میں مارا گیا۔ ۱۳ ربیع الآخر ۷۷۷ھ کو سلطان ابو سعید کا انتقال ہوا اور اس کا انتقال ہوتے ہی ایران و خراسان و عراق وغیرہ میں طائف الملوکی برپا ہوئی جو تیمور لنگ کے زمانے تک قائم رہی یہاں تک مغلوں کی نسبت اور ایران و خراسان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے زیادہ اویسیاق منقول اور کمتر تاریخ الخلفاء و تاریخ ملوک وغیرہ سے ماخوذ ہے اس مذکورہ داستان خراسان کو ذہن میں رکھ کر سلطان محمد تغلق کے حالات جو آگے بیان ہوتے ہیں باسانی اور بخوبی سمجھ میں آسکیں گے۔

سلطان محمد تغلق اور ترمشیر میں خاں | محمد تغلق ۷۷۷ھ میں تخت نشین ہوا اس وقت تک ایران و خراسان میں عرصہ

دراز سے مسلمانوں پر بڑے ظلم ہو رہے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسی زمانے میں امیر چو پان سلدوز اور سلطان ابو سعید میں شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی۔ سلطان دواخان ثانی

اور اُس کے بیٹے کیلک خان و ترمشیرین خان اور اللہ پریس مسلمان ہو چکے تھے اور ان لوگوں کو سلطان اجمایتو کے خلاف جب کہ وہ شام پر حملہ آور ہوا تھا آمادہ کیا جا چکا تھا۔ شیخ زادہ دمشق جس کا ذکر ضیاء برقی اور فرشتہ وغیرہ نے کیا ہے ۱۲۳۵ء میں ہندوستان پہنچ کر محمد تغلق کی مصاحبت میں داخل ہو چکا تھا۔ محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد سلطان ترمشیرین خان کا غزنی میں فوجیں جمع کرنا اور خلاف توقع یعنی قبل از وقت جنگ چھڑنے پر شکست کھا کر غزنی سے سیدھا سلطان محمد تغلق کے پاس دہلی آنا اور پھر یہاں سے کسی مناسب قرارداد کے بعد واپس اپنے ملک کو چلا جانا اور سلطان محمد تغلق کا آئندہ ہمیشہ غزنی کے عامل اور قاضی کے پاس بکثرت روپیہ بھیجتے رہنا ایسی باتیں نہیں ہیں جن پر سے سرسری طور پر گذرا جاسکے۔ ضیاء برقی ترمشیرین خان کے ہندوستان آنے کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ فرشتہ اس کے ذکر نہ کرنے کو اس بات پر محمول کرتا ہے کہ ضیاء برقی نے محمد تغلق کی حمایت کی ہے اور اس کی بے عزتی کو چھپایا ہے۔ یعنی ترمشیرین خان فاتحانہ ہندوستان میں داخل ہوا تھا اور محمد تغلق نے اُس کو باج و خراج دے کر اور خوشامد کر کے واپس کیا تھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں :-

”ترمشیرین خان بن دوا خان حاکم الوس چغتائی کہ شجاعت رستم و عدالت کسرتی در جمع بود و پادشاہ مسلمانان بود با سپاہ انزوں از اقطار و امطار و اوراق اشجار قاصد تسخیر ہندوستان شدہ در شہوار سبع و عشرين و سبعمائے دخل این مملکت شدہ و از لمغان و ملتان تا دروازہ دہلی تاختہ و غارت کردہ نظاہر آن بلدہ را معسکر خود ساخت و سلطان محمد تغلق شاہ صرفہ در مقابلہ و مقاتلہ ندیدہ از راہ عجز و نیا ز در آمد و جمع از اہل اعتبار و واسطہ ساختہ از نقود جو اسراں مقدار را کہ موجب تسلی خاطر ترمشیرین خان شود پیش کش کرد ضیاء برقی از ملاحظہ روزگار این واقعہ را در تالیف خویش مرقوم نساختہ :-“

فرشتہ کا یہ بیان از سر تا پا غلط ہے بنیاد واقعات اصلہ کے بالکل خلاف اور کذب انہر کی ایک پوٹ ہے۔ فرشتہ نے ترمشیرین خان کی آمد کا سال بھی غلط لکھا ہے۔ کیونکہ ۱۲۳۵ء میں ہندوستان آکر اسی سال بلا توقف واپس چلا گیا تھا۔ فرشتہ نے اس بات ۱۲۳۵ء میں بیان کیا ہے اور یہ صحیح نہیں۔ ضیاء برقی جو محمد تغلق کے عیوب اور برائیوں

کو نمایاں کرنے اور اس کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے میں سرگرم ہے اور باغی غلام طغی نمک حرام کے مقابلے میں محمد تعلق کی آخری زمانے کی سرگردانیوں اور مجبور یوں کو بالتفصیل مرے لے کر بیان کرتا ہے اتنے بڑے حادثے یعنی ترمشیر میں خاں کے حملے کو محمد تعلق کی بے عزتی پر پردہ ڈالنے کے لئے تو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ترمشیر میں خاں امیر حسن ابن امیر حسن چوپان سلدوز سے شکست کھا کر محمد تعلق کے پاس خراسان و ایران کے مسلمانوں کو نجات دلانے اور متفقہ کوشش سے اس دشوار کام کے انجام تک پہنچانے کے متعلق مشورہ کرنے آیا تھا۔ ترمشیر میں خاں ایک دوست اور مہمان کی حیثیت سے آیا تھا، نہ کہ دشمن اور حملہ آور کی حیثیت سے اگر وہ حملہ آور ہوا تھا اور لوٹا کرتا ہوا دہلی تک پہنچا تھا تو ملتان سے بہرام ایبہ کہاں چلا گیا اور مقابلہ کئے بغیر کس علاقے میں چھپ گیا تھا۔ سلطان محمد تعلق سلطان غیاث الدین تعلق کا بیٹا تھا جس کے نام سے مغل لرزتے تھے وہ اس آسانی سے ترمشیر میں خاں کے آگے جو خود ہی پریشانی اور تباہ حالی میں گرفتار تھا، بلا مقابلہ کئے ذلت کے ساتھ ہتھیار نہیں ڈال سکتا تھا۔ ترمشیر میں خاں چونکہ نو مسلم تھا، اس لئے وہ محمد تعلق کی نگاہ میں ضرور عزیز و مکرم تھا۔ محمد تعلق نے یقیناً اس کو سرہر قسم کی دلاسا و تسلی دی اور روپیہ سے بھی اس کی مدد کی اور دوستی و یک جہتی کے عہد و اقرار استوار اور آئندہ منصوبوں کو طے اور متعین کر کے ہندوستان سے رخصت کیا۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ ترمشیر میں خاں نے ہندوستان سے واپس جا کر اپنے داماد امیر لوزد کو بہت سے سرداروں اور سپاہیوں کے ساتھ ساتھ سلطان محمد تعلق کی فوج میں شامل ہونے کے لئے بھیج دیا تھا جس کا ذکر خود فرشتگان الفاظ میں کرتا ہے کہ :-

”امیر لوزد داماد ترمشیر میں خاں کہ پا دشاہزادہ چغتائی بود با بسیارے

از امرتے ہزارہ و صد بہندوستان آمدہ لوکری سلطان محمد شاہ اختیار کرد“

غرض ترمشیر میں خاں کا ۳۲ھ میں ہندوستان آنا ایران و خراسان وغیرہ کو ہلاک خاں کی اولاد کے قبضے سے نکالنے کی تجویزوں کو پختہ کرنے اور محمد تعلق کو اس کام کا ذمہ دار بنانے کے لئے تھا اور محمد تعلق اس ضروری کام کے لئے بے جا و جان آماہ ہو گیا تھا، تاریخوں میں بظاہر صاف الفاظ نہیں ملتے۔ لیکن اس بات کو تسلیم کر لینے کے

لئے زبردست قراین موجود ہیں کہ یہ سارا کام حضرت امام ابن تیمیہ کی تجاویز کے مطابق ہوا تھا، جن کی ترمشیریں خاں سے خط و کتابت ہو چکی تھی۔ اُدھر محمد تغلق کے دربار میں بھی امام ممدوح کے فرستادے یقیناً موجود تھے اور محمد تغلق کو ترمشیریں خاں کے خراسان پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں سے ضرور کوئی تغلق تھا اور اسی لئے ترمشیریں خاں غزنی سے سیدھا ہندوستان آیا۔ ترمشیریں خاں کے ہندوستان آکر سلطان محمد تغلق سے ملاقات کر کے کا ایک سنایاں نتیجہ برآمد ہوا کہ غزنی کا شہر اور اس کا لواحقی علاقہ چغتائیوں نے محمد تغلق کے زیر سیادت چھوڑ دیا تھا۔ اس بات کو بھی صاف الفاظ میں کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ لیکن ضیاء برکتی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ غزنی پر محمد تغلق کی سیادت قائم تھی اور محمد تغلق قاضی غزنی ہی کے ذریعے خراسان و ایران کے حالات و تغیرات سے واقف و آگاہ رہتا تھا۔ سلطان فیروز تغلق کے زمانے تک بھی غزنی ہندوستان کی سلطنت میں شامل تھا۔ چنانچہ ملتان سے غزنی تک کا علاقہ ایک صوبہ دار کے ماتحت رہتا تھا جس کا ذکر شمس سراج عقیف کی تاریخ میں موجود ہے۔ سلطان محمد تغلق کی تمام تر توجہ اس طرف منعطف ہو چکی تھی کہ ہلاکو خانوں کو ایران و خراسان سے بے دخل کرے اور اسی لئے اُس کو غزنی کے عامل کی خاطر بہت عزیز تھی جس کا ذکر ضیاء برکتی نے بار بار کیا ہے۔ چغتائی چونکہ ایران و خراسان کو خود فتح نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا وہ محمد تغلق کے آمادہ ہو جانے سے بہت خوش اور اُس کے ہر طرح ممدو معاون بن گئے۔ ضیاء برکتی بار بار اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ محمد تغلق خراسان و ایران و عراق کے لوگوں کی جو ہندوستان میں آتے ہیں بڑی خاطر کرتا اور اُن کو خوب انعام و اکرام دیتا تھا۔ یہ بالکل صاف اور غیر مشتبہ حقیقت ہے کہ جو پادشاہ کسی ملک پر حملہ آوری کا قصد رکھتا ہو وہ اس ملک کے باشندوں کو اپنی جانب مائل کرنے کی ضرور کوشش کیا کرتا ہے۔ اسی زمانے میں حضرت سلطان المشائخ نظام اولیاء کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زراویؒ جو حج بیت اللہ کے بعد شام و بغداد میں علم حدیث کی تحصیل سے فارغ ہو کر دہلی واپس آئے تھے سلطان محمد تغلق نے ان سے جو گفتگو کی وہ تقصیر جیو والا حرار میں اس طرح درج ہے۔

”سلطان محمد تغلق می خواست کہ ملک ترکستان و خراسان را ضبط کند

و آل چنگیز را ازاں دیار براند مولانا را گفت شما دریں کار با ما موافقت خواہید
کرد۔ مولانا گفت انشا اللہ تعالیٰ سلطان گفت ایں کلمہ شک است
مولانا گفت در مستقبل ہم چنین آید۔

دارالسلطنت کی تبدیلی اور
حملہ خراسان کی حقیقت

محمد تغلق اپنی تخت نشینی کے دو سرے ہی سال
سے جب کہ ترمشیریں خاں ہندوستان آیا
تھا خراسان کی فتح کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔
ساتھ ہی وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھا کہ جوڑی ہند چند ہی روز سے سلطنت اسلام
میں شامل ہوا ہے۔ شمالی ہند میں سلطنت اسلامیکہ کو بظاہر کسی اندرونی دشمن کا
خطرہ نہ تھا۔ شمالی ہند کے ہندو سوا سو سال سے مسلمانوں کے محکوم اور رعایا بن چکے
تھے۔ لیکن دکن کی حالت ایسی نہ تھی اس پر اسلامی حکومت نئی قائم ہوئی تھی۔۔۔
مسلمانوں نے سو برس تک دکن کی فتح کا ارادہ اس لئے ملتوی رکھا تھا کہ شمالی ہند پر
مغلوں کے حملے پیہم ہو رہے تھے اور مغلوں کے حملے سے شمالی ہند کا بچا نا ضروری تھا۔
محمد تغلق کو مغلوں کے حملوں کا کوئی خطرہ اب باقی نہ رہا تھا۔ دکن بھی اس کے قبضے میں
تھا۔ لیکن دکن کی جانب سے اس کو ایسا اطمینان حاصل نہ تھا جیسا کہ شمالی ہند سے
وہ مطمئن تھا۔ خراسان کی فتح کا ارادہ بھی وہ کر چکا لہذا اس نے دیوگیر و دولت آباد کو
دارالسلطنت بنانا چاہا۔ اس کا سرگزیرہ ارادہ نہ تھا کہ دہلی کی مرکزیت کو مٹائے اس نے
صاف طور پر اٹھارہ کر دیا تھا کہ میرانا تب السلطنت دہلی میں رہے گا۔ دیوگیر پہلے ہی یعنی
علامہ الدین خلجی کے زمانے سے جب کہ دکن سلطنت اسلامیکہ میں شامل ہوا مرکز سلطنت
تھا اور وہاں دکن کا حاکم نائب السلطنت یا ملک نائب کے نام سے رہتا تھا۔ دکن کی
فتح سے پہلے دہلی کے بعد ملتان کا مرتبہ تھا یعنی ملتان میں سلطان دہلی کا سب سے
بڑا معتمد و ایسے رہتا تھا کیونکہ وہی مغلوں کے حملوں کو روکتا تھا۔ فتح دکن کے بعد
محمد تغلق کی تخت نشینی تک دیوگیر اور ملتان دونوں کا مرتبہ مساوی تھا اور یہ دونوں مقام
دوم درجے کے دارالسلطنت سمجھے جاتے تھے ترمشیریں خاں کی آمکے بعد چونکہ مغلوں کے
حملوں کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لہذا ملتان کی اہمیت جاتی رہی اور صرف دیوگیر دوم درجہ کا
دارالسلطنت رہ گیا۔ دہلی اس لئے اول درجہ کا دارالسلطنت تھا کہ وہاں بادشاہ رہتا

تھا اور دیوگیر اس لئے دوم درجہ کا دارالسلطنت تھا۔ کہ وہاں کا والیسرائے سلطان دہلی کی خدمت میں دکن کے انتظام کا جواب دہ تھا۔ محمد تغلق کی تجویز یہ تھی کہ دہلی اور دیوگیر کی حیثیتوں کو ایک دوسرے سے تبدیل کر دیا جائے یعنی والیسرائے دہلی میں رہے اور پادشاہ دیوگیر میں مقیم ہو کر دکن کی حالت کو جلد قابل اطمینان بنا سکے اور حملہ خراسان کے لئے دریا کے کنارے دہلی اور دیوگیر دونوں جانب سے طاقت فراہم کر دی جائے اگر دہلی میں بیٹھ کر وہ حملہ خراسان کی تیاری کرتا تو دکن کا بے قابو ہو جانا بالکل یقینی تھا جہاں کے ہندو ہلا کو خانیوں سے پہلے ہی ساز باز رکھتے تھے۔ اگر وہ دہلی کو بالکل ویران ہی کرنا چاہتا تو ۱۷۷۸ء میں جب کہ دیوگیر جا رہا تھا۔ دہلی میں ایک قصر شاہی کی تعمیر کا حکم نہ دیتا جو ۱۷۸۸ء میں تعمیر ہو کر پایہ تکمیل کو پہنچا اور بدر چانچ الخاطب بہ نحر زماں نے اس کی تاریخ فادخلوھا نکالی۔ فترہ ہوا۔

اب ذرا ہندوستان کے نقشے میں دہلی اور دیوگیر کے مقاموں کو دیکھو اور سوچو کہ محمد تغلق نے دیوگیر کو دارالسلطنت بنانے میں کون سی حماقت کی تھی اور اس کے سوا اس کو اور کیا کرنا چاہتے تھے اور اگر تم محمد تغلق کی جگہ ہوتے اور تمہارے وہی عزائم ہوتے جو محمد تغلق کے تھے تو تم کیا کرتے۔ محمد تغلق کا دارالسلطنت کو تبدیل کرنا ہرگز اس سے زیادہ اہم نہ تھا جس قدر کہ انگریزوں کا حکمت کی جگہ دہلی کو دارالسلطنت بنانا تھا۔ اس جگہ یہ بھی یاد دلادینا ضروری ہے کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیا سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی سے پہلے اپنے سب سے بڑے خلیفہ حضرت شیخ برہان الدین کو معہ اپنے چار سومریہ میں دکن کے دیوگیر کی طرف بھیج چکے تھے اور انہوں نے پہلے ہی دیوگیر ردیو گڑھ کو تبلیغ اسلام کا مرکز بنانا تجویز کر لیا تھا۔ پس جس مقام کو حضرت نظام اولیا مرکزیت عطا کر چکے تھے اس مقام کو اگر سلطان محمد تغلق نے بھی مرکز حکومت بنانا چاہا تو یہ ایک مرد خدا آگاہ کے منشاء کو پورا کرتا تھا لہذا کم از کم اُن لوگوں کی زبان اعتراض تو بالکل بند ہو جانی چاہیے جو حضرت ممدوح کے علوئے مراتب کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ضیاء برتانی بھی اگر دل سے ان لوگوں میں شامل ہوتا تو بجائے اعتراض کے تحسین و آفرین پر مجبور ہوتا۔

ضیاء برتانی تو سن و سال اور واقعات کی ترتیب زمانی کو ترک ہی کر چکا ہے عبداللہ اور بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ محمد تغلق ۱۷۷۸ء میں دیوگیر ردیو گڑھ گیا اور اپنی

والدہ مخدومہ جہان کو بھی دیو گیر لے گیا۔ دہلی سے دیو گڑھ تک راستے میں جا بجا مسافر خانے اور مسافروں کی حفاظت کے لئے چوکیاں قائم کیں اور مسافروں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتیں۔ منتخب التواریخ کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ترمشیریں خان کے جاتے ہی محمد تغلق دکن کی جانب سے جلد از جلد مطمئن ہونا اور خراسان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ مبارک شاہی نے بھی منتخب التواریخ کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ علامہ الدین غلی نے ہندوستان کا نظام سلطنت اور قانون ملکداری بہت اچھا مرتب کر دیا تھا۔ لیکن قطب الدین مبارک شاہ غلی کے عہد حکومت میں وہ تمام آئین و قوانین درہم برہم ہو گئے تھے۔ ضیاء السمتی اور الامام عبدالقادر بدایونی صاف الفاظ میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ محمد تغلق نے سلطنت کے ہر ایک شعبے اور ہر ایک محکمے کے لئے جدید آئین نافذ کئے جو ضیاء بہرنی کی روایت کے موافق اسلوب یا اسالیب کہلاتے تھے ساتھ ہی دارالسلطنت کی تبدیلی کا بندوبست کیا۔ دہلی اور دیو گیر کے درمیان آمد و رفت کی سہولت اور راستے کا امن و امان صرف اسی لئے ضروری نہ تھا کہ دہلی کے شاہی محکمے اور شاہی اہل کار دیو گیر جانے والے تھے بلکہ انتظام ملکی اور سلطنت کی مضبوطی کے لئے ہمیشہ ان دونوں صدر مقاموں کے درمیان سفر کی سہولت اور آمد و رفت کی آسانی اہم ضروری تھی اور اس کام کو محمد تغلق نے سب سے پہلے کیا۔ جب کہ بادشاہ خود دیو گیر میں قیام کرنا چاہتا تھا تو اس کی یہ خواہش کہ اس کے مصاحبین، وزراء، امراء اور دفتروں کے تجربہ کار و کارگذار اہل کار نیز علماء و فقہاء و صوفیاء بھی اس کے ساتھ دیو گیر کی سکونت اختیار کریں کچھ بے جا نہ تھی اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اہل دکن کو معلوم ہو جائے کہ اب مستقل طور پر دیو گیر سلطنت اسلامیہ کا دارالسلطنت بن گیا ہے اور دہلی کی سکونت کو سلطان نے ترک کر دیا ہے۔ اہل دکن کو اس بات کا یقین ہو جانا ہی دکن کی تمام آئندہ بغاوتوں اور سرکشیوں کے ختم اور مسدود ہو جانے کے لئے کافی تھا۔ اور یہی مصلحت تھی کہ دیو گیر یا دیو گڑھ کا نام تبہ بھل کر کے دولت آباد کے نام سے اُسے موسوم کیا گیا تا اصل مقصد پورے طور پر حاصل ہو جائے۔ اس زمانے کی دنیا میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا جو اپنی کسی ایسی مصلحت کو اشتہار دے کر لوگوں کو سمجھاتا۔ محمد تغلق نے حکم دیا کہ تمام شاہی کارخانے اور اُن کادخانوں کے متوسلین دہلی سے دولت آباد کی جانب منتقل ہو جائیں۔

اس کے لئے اُس نے لوگوں کی مجبوریوں اور سفر کی دقتوں کو بخوبی ملحوظ رکھا۔ دولت آباد میں اپنے خرچ سے مکانات بنوائے۔ دہلی کے مکانات اور دہلی کی جائیدادوں سے زیادہ اچھے مکانات اور زیادہ قیمتی جائیدادیں عطا کیں۔ ملا صاحب بدایونی کی روایت کے موافق دولت آباد میں روزینے اور تنخواہیں دہلی کی نسبت سہ چند کر دیں، بار برداری اور سواری کا خود انتظام کیا۔ باوجود اس کے لوگوں کو نہایت سیرجشی کے ساتھ مصارف سفر کے نام سے روپیہ دیا اور لطف بہ کہ دہلی کے مکانات کی قیمتیں الگ عطا کیں۔ ضیاء برنی بھی اس قدر اقرار کرتا ہے کہ

”وہ باب خلق روانی سلطان اکرامات والغامت بسیار کرد چہ در وقت

رواں کردن و چہ ہنگام رسیدن دیوگیر مبدول فرمود“

اُسی زمانے میں نہیں ہر زمانے میں اور آج کل بھی اگر ایسی صورت پیش آئے تو کچھ لوگ ضرور ایسے نکل آئیں گے جو ہر قسم کی سہولت ہر قسم کے منافع اور ہر قسم کی بہت بین امیدوں کے ہوتے ہوئے بھی ترک سکونت پر آمادہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے سلطان کے اس حکم کو تکلیف، مالا یطاق قرار دے کر تعمیل سے انکار و اعراض کیا اور انکار کرنے والوں کی جرأت دیکھ کر دوسروں میں بھی جو سفر پر آمادہ ہو چکے تھے انکار کی ہمت پیدا ہو گئی۔ ایسی حالت میں ایک پادشاہ، ایک سلطان ایک شہنشاہ جو خراسان و ایران کے فتح کرنیکا حوصلہ رکھتا ہوا اپنی بات منوانے کے لئے لوگوں کو خوشامد درآمد اور مدت سماجت ہی سے آمادہ نہیں کر سکتا تھا اس کو اپنے حکم کی تعمیل میں یہ تغافل و انکار دیکھ کر شہادہ شوکت و سطوت سے کام لینا پڑا۔ اس اظہار شوکت میں بھی اس نے انسانی کمزوریوں کا پورا لحاظ رکھا اور نہایت وسیع مہلتیں تعمیل حکم کے لئے عطا کیں۔ جو مکانات دہلی میں اس طرح خالی ہوئے اُن کو دوسرے شہروں اور قصبوں کے مستحق اور باکمال لوگوں سے آباد کیا۔

سلطان محمد علما و اکابر و معارف خط و قصبات معروف بلاد مالک را

در شہر آورد و متوطن گردانیدہ بود (ضیاء برنی)

جن لوگوں کو بادل ناخواستہ دہلی کی سکونت ترک کرنی پڑی تھی وہ جب کچھ مدت کے بعد دہلی واپس آئے تو انھوں نے جیسا کہ عوام کا دستور اور مخلوق کی عادت ہے عجیب عجیب افسانے تراشے اور بعد میں یہی جھوٹے افسانے لوگوں کی زبان پر جاری

رہ کر تاریخی روایات کی صورت پکڑ گئے۔ مثلاً یہ کہ دہلی بالکل ویران ہو گئی تھی۔ دہلی میں ایک کتا اور ایک بلی بھی باقی نہ رہی تھی وغیرہ وغیرہ، نہ کسی تاریخ سے ثابت ہو رہا ہے نہ عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ دہلی کے سارے باشندے دولت آباد کو منتقل کئے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی لوگ جو دربار سلطنت اور کاغذ خانہ جات سلطنت سے تعلق رکھتے تھے منتقل ہوئے تھے۔ سلطان محمد تغلق کی دانائی اور نکتہ رسی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلسلہ کے شروع میں جب کہ بعض اہل دہلی کو دولت آباد منتقل ہونے کا حکم دیا تو سب سے پہلے اُس نے اپنا منہ پیش کیا کہ ملک احمد آیا ز کو دہلی کا وائسرائے بنا کر اپنے اہل و عیال اور اپنی والدہ محترمہ جہاں کو دولت آباد لے گیا۔ مخدومہ جہان کے متوسلین میں بہت سے درویش اور صوفی لوگ تھے جن کو مخدومہ جہان کی سرکار سے بے نیلے ملتے تھے یہ لوگ بھی مخدومہ جہان کے ساتھ دہلی سے دولت آباد چلے گئے۔ دہلی سے دولت آباد کی طرف جانے والا یہ سب سب سے پہلا شاہی قافلہ درویشوں کی کثیر التعداد جماعت پر مشتمل تھا۔ انھیں میں حضرت شیخ حسن دہلوی بھی تھے جنھوں نے دولت آباد ہی میں وفات پائی۔ ان تمام کاموں کے ساتھ ہی سلطان نے فوجی بھرتی بھی جاری کر رکھی تھی چنانچہ مادر النہر اور افغانستان سے منگل اور پٹھان آکر فوج شاہی میں بھرتی ہو رہے تھے۔ اسی زمانے میں ترمشیریں خاں کا داماد امیر نور محمد مغلوں کی ایک فوج لے کر آیا جس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔ اسی زمانے میں اسماعیل افغان گل افغان، شاہ افغان وغیرہ افغانہ اپنی اپنی جماعتیں لے کر آئے اور سلطان محمد تغلق نے ان کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے ضیاء برنی ان لوگوں کے ہندوستان آنے اور عہدے پانے سے بہت ناراض ہے اور بار بار حرف شکایت زبان پر لاتا ہے۔ لیکن جس فوج کو خراسان پر حملہ کرنا تھا اس میں یہی افغان اور منگل زیادہ کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ اور اسی لئے سلطان ان لوگوں کی ہمت افزائی اور قدر کرتا تھا۔

محمد تغلق کی مستعدی | غور کر لے اور سوچنے کا مقام ہے کہ زیادہ سے زیادہ تین سال کے عرصہ میں یعنی ۷۲۵ھ سے ۷۲۷ھ کے

آخر تک محمد تغلق نے کس قدر کام انجام دیئے۔

(۱) ہر محکمے کے متعلق آئین و ضوابط جاری کئے۔

”ہر روز صد حدیث و دو ہست حدیث فرمائش بظہر توجہ در دیوان خریطہ دار
کر آں دیوان را دیوان طلب احکام توجہ نام شدہ بود می رسید و ہر حکم
آں احکام مجد نفاد امر از والیان و مقطعان و متصرفان اقرب و ابعد اقالیم
طلب می شد و در تقصیر و اہمال تغیرات و تشدیدات باری می گشت (ضیاء برتبی)

(۲) مشہر دولت آباد دیوگیر، اور دہاں کے قلعہ کی تعمیر۔

(۳) دولت آباد اور دہلی کے درمیان مسافروں کے آرام اور راستے کے امن و امان کا
انتظام کیا۔

(۴) ملک کے ہر صوبے اور ہر حصے میں مناسب اہل کاروں اور صوبہ داروں کو مقرر کیا۔
(۵) ملک کے خرارج کی وصولی اور آمد و خرچ کے حسابات میں کسی قسم کا نقص اور ستم باقی
نہ چھوڑا۔

”و در چند سال اول جلوس سلطان محمد خراج بلاد مالک دہلی و گجرات و مالوہ
و دیوگیر و تلنگ و کنپلہ و دھور و سدر و معبر و ترہٹ و لکھنؤ و سنار گاؤں و
ستگاؤں چنان مضبوط شد کہ مجملات اقالیم و عرصات مذکور بآں دوری
و بعد مسافت چنان کہ حساب کرد قصابات و دیہاتے میاں دو آب می شود
در دیوان وزارت دہلی ہم چنان می شد و در آں چند سال محمد شاہی
محب ضبط و استقامت روائے نمود“ (ضیاء برتبی)

(۶) خود معہ مندومہ جہاں دیوگیر اور تمام شاہی دفتروں اور کارخانوں کو بھی دہلی سے لے گیا
دہلی والوں کے لئے سفر کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔

(۷) پورے چار لاکھ جدید فوج فتح خراسان کے لئے بھرتی کی اور اس جدید فوج کے
لئے ہر قسم کا سامان فراہم کیا۔

”و در آں سال سہ لک و ہفتاد ہزار سوار را تذکرہ دیوان عرض پیش تخت
گذرانیدہ بودند“ (ضیاء برتبی)

ایسے مستعد، جفاکش، عقلمند، دور بین، مستقل مزاج اور اولوالعزم سلطان کا تصور
کرتے ہوئے یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ وہ خود جدید عالم تھا اور دربار میں ہمیشہ
اندر اندازہ آواز، محاورے، کتب، احادیث، موعود رکھتا تھا۔ قرآن مجید کے خلاف کوئی حکم

تحریک سے اس کا باغی ہونا بیان کیا ہے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جب گرفتار ہو کر سلطان کی خدمت میں آیا تو سلطان نے اس کی کھال کچھوانے کا حکم دیا۔ فرشتہ ہی کی تقلید میں الفنسٹن صاحب بھی گر شاہ سپ کی بغاوت کو ۱۷۷۳ء کا واقعہ بتاتے اور اس کو سلطان کا بھیجتا لکھتے ہیں۔ نسیا۔ برہنی اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ مگر ابن بطوطہ جو کئی سال کے بعد ہندوستان آیا تھا۔ اپنی سنی ہوئی افواہوں کی بموجب ملک بہرام ایبہ کی بغاوت کو گر شاہ سپ کے قتل کا نتیجہ بتاتا ہے جس سے اس بات کا ثبوت ہم پہنچتا ہے کہ ملک بہرام کی بغاوت کو گر شاہ سپ کی بغاوت کے بعد بتاتے۔ مگر سن و سال کے تعین میں غلطی کیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ فرشتہ نے گر شاہ سپ کی بغاوت کو نصرت خاں صوبہ دار ساغر کی بغاوت سمجھ لیا ہے جس کا ذکر لگے آتا ہے اور اسی طرح بہرام ایبہ کے حادثہ کو تار خاں مخاطب بہ بہرام خاں حاکم بنگالہ کی تاریخ وفات سے متعلق کر دیا ہے۔ فرشتہ ہی کے بیان سے الفنسٹن اور دوسرے مورخین نے دھوکا کھایا ہے گر شاہ سپ کی بغاوت یقیناً دہلی میں ہوئی اور جیسا کہ بدایونی کا بیان ہے ۱۷۷۳ء کے آخر ایام میں ہوئی اس بغاوت کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ملک احمد ایاز گورنر دہلی سلطان محمد تغلق کے دولت آباد پہنچنے کے بعد دہلی کے ان لوگوں کو جنہیں اپنی سکونت دولت آباد میں منتقل کرنے کا حکم تھا دہلی سے روانہ ہونے پر زور دے رہا تھا اور اس کو خاص طور پر اس کام کے لئے تاکید تھی گر شاہ سپ نے سلطان کی غیر موجودگی میں دہلی کے اکثر باشندوں اور مولویوں سے امداد پاکر علم بغاوت بلند کیا۔ دہلی کے اندر کوئی شخص عوام اور مذہبی پیشواؤں کی شرکت کے بغیر بغاوت کی حمارت نہیں کر سکتا تھا۔ آخر ملک احمد ایاز اور گر شاہ سپ کا دہلی میں معرکہ ہوا اور گر شاہ سپ گرفتار ہو کر سلطان کے پاس پہنچا اور اپنی غلط کاری کی سزا پائی۔ بہرام ایبہ جو غیاث الدین تغلق کے زمانے سے ملتان و پنجاب کا حاکم چلا آتا تھا اور محمد تغلق کو ایک نالخبہ کار کا سمجھ کر کچھ زیادہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ گر شاہ سپ کے قتل سے متاثر اور ناخوش ہو کر سرکشی پر آمادہ ہوا۔ بہرام ایبہ کی بغاوت کوئی معمولی بغاوت نہ تھی اور سلطان کے حرکت کئے بغیر اس کا فرد ہونا آسان نہ تھا۔ بہرام ایبہ کی بغاوت کا ذکر ضیاء برہنی نے کیا اور اس کو اولین بغاوت بتایا ہے ضیاء برہنی نے جس طرح ترمیمیں خاں کا ذکر نہیں کیا اسی طرح گر شاہ سپ کی بغاوت کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ لہذا بہرام ایبہ کی بغاوت کو پہلی بغاوت

بتانا تعجب نہیں -

”اول فتنہ یعنی بہرام ایبہ بود کہ در ملتان زاد و سلطان محمود راں ایام کہ او در

ملتان باغی شد در دیو گیر بود“ (رضیاء بہرقی)

بہرام ایبہ کی بغاوت کا سبب فرشتہ اور بعض دوسرے موزنین نے یہ لکھا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے اس سے بھی یہ فرمائش کی تھی کہ اپنے اہل و عیال کو دولت آباد میں بھیج دے اس پر وہ شاہی المچی کو قتل کر کے باغی ہو گیا۔ اس بیان سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ گرشاسپ اور بہرام ایبہ کی بغاوتوں کا سبب ایک ہی تھا اور بہرام ایبہ کو گرشاسپ کے ساتھ ہمدردی تھی اور گرشاسپ کے بعد جلد ہی بہرام ایبہ بھی باغی ہوا لہذا بہرام ایبہ کی بغاوت کو جیسا کہ ملا بدایونی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے ۷۲۷ھ کا واقعہ سمجھنا چاہیے۔ سلطان دولت آباد سے سیدہ صا دہلی آیا۔ دہلی سے ملتان پر حملہ آور ہوا۔ بہرام ایبہ شکست کھا کر مارا گیا۔ ملتانی چونکہ بہرام ایبہ کے لشکر میں شامل تھے۔ لہذا سلطان نے ملتان کے قتل عام کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت شیخ رکن الدین نے سلطان کی خدمت میں خود شریف لاکر اہل شہر کی سفارش کی اور سلطان نے ملتانیوں کو معاف کر کے منتخب التواریخ کی روایت کے موافق قوام الملک مقبول کو ملتان کی صوبہ داری عطا کی۔ اس جگہ یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوام الملک کون شخص ہے؟ یہ قوام الملک وہی کتو۔ رور دیو کا لڑکھو مسلم ہے جو حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور حضرت مدوح کی وفات کے بعد سلطان محمد تغلق نے اس کی تربیت کی جانب خصوصی توجہ مبذول فرما کر اس کا مرتبہ یہاں تک بلند کیا کہ قوام الملک کا خطاب دے کر ملتان کا صوبہ دار بنایا۔ بہزاد خاں کو قوام الملک کی امداد کے لئے ملتان کا سپہ سالار اور شاہو افغان کو بہزاد خاں کا نائب مقرر کیا۔ ملتان میں جب قوام الملک کے بیٹا پیدا ہوا تو اس نے سلطان محمد تغلق کو اطلاع دی سلطان نے قوام الملک کو لکھا کہ اس لڑکے کو میرا ہم نام بناؤ یعنی اس کا نام جو نا خان رکھو چنانچہ اس کا نام جو نا خاں رکھا گیا سلطان محمد تغلق کا اصل نام جو نا خاں تھا، دہلی اور ملتان کی بناؤاں ایسی نہ تھیں کہ سلطان محمد تغلق اُن سے متاثر نہ ہو کر اور معمولی واقعہ قرار دے کر تحقیق و تفتیش کے درپے نہ جوتا اس نے ملتان سے دہلی آکر باغیوں اور باغیانہ خیالات پھیلانے والوں کا کھوج لگایا تو بہت سے علما و سادات و شیوخ مجرم ثابت ہوئے جن کو بغاوت کی سزائیں

علی قہر مراتب دی گئیں۔ جو قتل کے مستحق تھے۔ بے دریغ قتل کئے گئے۔ یہی وہ قتل ہے جس کی شکایت ضیاء برقی بار بار کرتا ہے مگر اس موقع پر یہ بات صاف اڑا جاتا ہے اور مطلق نہیں بتاتا کہ اُس کے احباب و رشتہ دار کون کون جرم بغادت میں قتل ہوئے۔ دوسرے موقع پر کہتا ہے کہ:-

”خون مسلمانان سنی و مومنان صافی اعتقاد چوں جوئے آب بر طریق سیاست
پیش داخل سلطانی رواں گرداند و آں چنان بسیار تی سیاست اہل اسلام
کہ قطرہ خون ایشان عند اللہ عزیز تر از دنیا و مافیہا ست دل او نہر اسد“
ضیاء برقی کی روایت کے موافق ملتان سے واپس آ کر سلطان دو سال تک دہلی
ہی رہا۔

”از ملتان منظر و منصور باز گشت و در دہلی آمد و در دیوگیر کہ خلق شہر دہلی،
بازن و بچہ آبخا روانی شدہ بود نہفت دہم در دہلی ساکن گشت و در آں
دو سال کہ سلطان در دہلی ماند اسرار ملوک و حشم برابر سلطان در دہلی بودند
وزن و بچہ ایشان در دیوگیر بودند۔ (برہمائی)

پس ثابت ہوا کہ سلطان دولت آباد میں پورا ایک سال بھی گزارنے نہ پایا تھا کہ گرجا
اور بہرام ایبہ کی بغاوتوں کے سبب اس کو ۱۲۸۵ء میں دہلی آنا پڑا اور ۱۲۸۶ء تک دکن کی
جانب نہیں گیا۔ دہلی کے لوگ جو دیوگیر جانے پر مستعد تھے رک گئے اور اُن کو دولت آباد
کا ارادہ فسخ کرنے اور دہلی میں حسب سابق آباد رہنے کی اجازت مل گئی۔

شروع ۱۲۸۵ء میں امیر چوہان سلطوز
حملہ خراسان کا عزم کیوں فسخ ہوا؟ کے مارے جانے سے خراسان و ایران

کی حالت میں بہت تغیر واقع ہو چکا تھا اور سلطان ابو سعید نے وہ حکم جو عرصہ دراز یعنی
الحاج ابو رضا بندہ کے زمانے سے سنیوں کے قتل و غارت کا آلہ بنا ہوا تھا منسوخ قرار
دے کر اپنے سنی ہونے کا اعلان کر کے خطبوں میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی دخل
کرنے کا حکم دے دیا تھا اور مسلمانوں کو سلطان ابو سعید کے سنی ہونے کی اس قدر
خوشی ہوئی کہ اگلے سال یعنی ۱۲۸۶ء کے حج میں اول سلطان ابو سعید کے لئے اس کے
بعد ملک الناصر سلطان مصر کے لئے دعا کی گئی۔ اس حج میں ابن بطوطہ شامل تھا اور اس

بات کا اس نے اپنے سفر نامہ میں تذکرہ کیا ہے۔ لہذا خراسان پر حملہ کرنے کی وجہ اصل وجہ تھی وہ مطلق باقی نہ رہی اور بہرام ابیہ کی بغاوت سے فاسخ ہوئے تک بعد ہی سلطنت سلطان نے حملہ خراسان کا ارادہ ترک کر کے جدید فوج کے ایک بڑے حصے کو جو غیر ضروری ہو گیا تھا موقوف کر دیا۔ اس جدید فوج میں ایک حصہ ان لوگوں کا بھی تھا جو دوسرے ملکوں سے آکر نوکر ہوئے تھے سلطان کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ ان غیر ملک والوں کو اپنے ملک سے مایوس واپس نکال دے، چنانچہ اس نے امیر نوروز مغل سردار کو دکن یا مالوہ میں ایک جاگیر عطا کی۔ بہزاد خاں افغان اور شاہواخان کو قوام الملک کے ساتھ ملتان میں مامور کیا اور اسی طریقہ سب کو مختلف صوبوں میں جاگیریں عطا فرما کر کسی غیر ملکی سردار کو واپس نہ جانے دیا۔ ہندوستانی سپاہیوں میں سے بھی ایک مختصر حصہ باقی رکھا اور اس کو دکن کے انتظام کی مضبوطی کے لئے زائد فوج کے طور پر کرناٹک اور ملابار کے علاقوں میں بھیج دیا۔ غرض اس جدید زاید فوج کے موقوف کرنے کا اثر ہندوستان ہی سے باشندوں پر زیادہ پڑا اور غیر ملکوں کی کامرانی و مقصدوری نے پُراے بیکاروں اور ناکام رہنے والے ہندوستانیوں کی آتش حسد کو اور بھی زیادہ مشتعل کر دیا اور اس آتش حسد کے شعلے بعض اُن بڑے بڑے سرداروں اور عہدے داروں کے قلوب تک بھی پہنچ گئے جو کسی مذہبی اختلاف اور ترک مراسم کی تحریک سے متاثر نہ تھے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ مولانا عضد الدین، قاضی محمد الدین شیرازی، مولانا بہران الدین، واعظ۔ مولانا ناصر الدین واعظ ترمذی۔ مولانا شمس الدین اندکانی، ملک سبخر بخشانی، ملک عماد الدین وغیرہ علماء سے ممالک غیر کے بڑے بڑے وٹیفے ان کے علم و فضل کی قدردانی کے طور پر اور تبلیغ و اشاعت دین مسیح کے لئے سہولت، ہم پہنچانے کی غرض سے مقرر کئے گئے۔ ہندوستان میں ایک بڑی تعداد عالموں اور مولویوں کی ایسی تھی جو سلطان کی روشن خیالی اور اس کے عقائد مذہبی سے اختلاف رکھتی تھی۔ وہ غیروں پر اس سلطانی بخشش کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بس اسی کو سلطان محمد تغلق کی سب سے بڑی حماقت اور ظلم سمجھ لو۔ اور اسی کو ضیاء برہتی سلطان محمد تغلق کی غلطیوں میں سے ایک بڑی غلطی اور بے راہ روی قرار دیتا ہے۔

آدمیوں کو شکار کرنے کا افسانہ | جو اہل کار حکم سلطانی کی تعمیل میں اپنے اہل و عیال کو دولت آباد لے گئے تھے ان میں سے

اکثر مشائخ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اپنے فرائض منصبی کے سبب دولت آباد سے سلطانی لشکر کے ہمراہ دہلی آئے اور اُن کے اہل و عیال دولت آباد میں رہے۔ یہاں دہلی میں سلطان کو باغیوں کی منراہی اور دوسری ضرورتوں کے سبب ٹھہرنا پڑا اور اسی زمانے میں حدود فوج موقوف ہو کر غیر ملکی سرداروں کو بڑے بڑے عہدے اور جاگیریں عطا ہوئیں۔ جدید فوج میں جس کی تعداد پچھلے چار لاکھ تک پہنچ گئی تھی ہندوستان کی ہندو جنگجو قبیلے یعنی راجپوت وغیرہ بھی بکثرت بھرتی کر لئے گئے تھے کیونکہ اتنی بڑی فوج کا صرف ہندوستان کے مسلمانوں ہی سے پورا کرنا نہ ممکن تھا، نہ مناسب تھا بلکہ حملہ خراسان کے لئے ہندوں کی فوج کو ہمراہے جانا ہندوستان کے قیام امن کی ضمانت تھا۔ مغل اور افغان جو باہر سے آکر بھرتی ہوئے تھے اُن کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی۔ ہندو جو فوج میں بھرتی ہوئے تھے وہ علاقہ میان دواب کے راجپوت منڈا ہرا چوان، کھٹی سنگے اور گوجر وغیرہ تھے جن کی زمینوں کا لگان فوجی خدمت کی عوض بطور جاگیر معاف کر کے یک خمس (۱/۵) کی جگہ صرف ایک بیت (۱/۲) ہوئے نام قائم رکھا گیا تھا۔ اور دو سال تک یہ لوگ خوب گلچھڑے اڑا چکے تھے اب ان لوگوں نے فوج سے خارج اور بیکار ہو کر بجائے اس کے کہ کھیتی باڑی کے کام میں حسب دستور سابق مصروف ہو جاتے شرارت اور بد امنی پھیلانی شروع کی اور شاہی محصلوں کو لگان ادا کرنے یعنی بٹائی کے وقت غلہ تقسیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چونکہ یہ علاقہ سلطان کی ذاتی جاگیر اور حضور صوبہ بھجھا جاتا تھا لہذا اس کی شکایت سلطان تک پہنچائی گئی، سلطان نے اپنے اہل کاروں کے نام فوراً تاکیدی احکام جاری کئے اور سال رواں کا حسب دستور سابق پورا لگان وصول کرنے کی ہدایت کی۔ اپنی جلی شرارت سے یا بعض بد دل شدہ اہل کاروں کی شہ پا کر ان لوگوں نے یہ نالائق حرکت کی کہ غلہ کے تیار شدہ کھلیاؤں کو آگ لگا دی اور جنگلوں میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔

اس جگہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آج کل میان دواب سے دوا بہ گنگ و جمن مراد لیا جاتا ہے لیکن صوبہ میان دواب کا مفہوم ہر زمانے میں تبدیل ہوتا رہا ہے، اس زمانے میں صوبہ میان دواب وہ وسیع علاقہ کہلاتا تھا جو پورب کی جانب گنگا اور پچیم کی جانب ستلج سے محدود تھا اس کی شمالی حد کوہ ہمالیہ اور جنوبی حد وہ خط تھا جو قنوج سے آکرہ ہوتا ہوا

مغزنی گوشہ کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔ اس صوبہ میں ہندو راجپوتوں یعنی مذکورہ جنگجو قوموں کی آبادی زیادہ تھی ان ہندو قبیلوں کی مذکورہ شرارت سے صوبہ میان دواب کا وہ خطہ جو دہلی سے جنوب و مشرق کی جانب برن (بلند شہر) فوج و دلمتوت تک پھیلا ہوا ہے زیادہ مازف ہوا۔ خرمیوں کو آگ لگانے اور جنگلوں میں بھاگ جانے کی نامعقول اور متفردانہ حرکت سب سے پہلے اسی خطہ کے لوگوں نے کی ضیاء برتی کے الفاظ یہ ہیں :-

”وہندوان خرمینہائے غلہ را آتش می زدند و می سوختند و مواشی را از خانہ ہا بیرون می کردند و سلطان شقداران و فوج داران را فرمود تا دست و زہب و تاراج زدند و بعضے فوجان و مقدمان را می کشتند و بعضے را کور می کردند و انانکہ خلاص می یافتند جمعیتہا می کردند و در جنگلہائی خزینہ د ولایت خراب می شد و ہمدراں ایام سلطان محمد برطریق شکار ولایت برتن رفت“

اس بات کے تفصیلی اسباب و وجوہ کہ سب سے پہلے برن ہی میں شرارت کے شعلے کیوں برپا ہوئے اور ضیاء برتی یا اس کے رشتہ داروں کا بھی اس شرارت سے کوئی تعلق تھا یا نہیں کچھ نہیں بتاتے جا سکتے۔ برن کے علاقے کی یہ بد امنی و سرکشی یقیناً بامہاجادی الثانی ۷۸۳ھ رونما ہوئی۔ کیونکہ ۷۸۳ھ کا جمادی الثانی ماہ اپریل کے مساوی و متوازی تھا اور اپریل ہی میں فصل بےج کا غلہ تیار ہوتا ہے۔ اس سرکشی و شرارت کا حال سن کر سلطان نے شقداروں اور فوج داروں کو سزا دی کہ حکم دیا لیکن جب شرارت کم نہ ہوئی اور اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلی تو غالباً بامہاجادی ۷۸۳ھ میں سلطان برسم شکار نوردہلی سے اس طرف چلا۔

ادھر کے اقتباس میں لفظ شکار موجود ہے۔ ضیاء برتی کے اسی لفظ **شکار کی مٹی پلید** شکار نے اُن لوگوں کو جن کی نظر محاورات زبان اور تائید ہند پر ہست آتی کوتاہ اور سطحی ہے و معصو کا دیا فرشتہ بھی یہی لفظ استعمال کرتا اور کہتا ہے۔

”خود برسم شکار بیرون رفت و چند ہزار رعیت را کشتہ“

خواجہ نظام الدین احمد اپنی طبقات میں لکھتے ہیں:-

”ہمدریں ایام سلطان برسم شکار در برتن رفت“

ہندوستان کی تمام فارسی تاریخیں ”برسم شکار رفتن“ کے محاورے سے لبریز ہیں

شاید ہی کوئی پادشاہ ایسا ہو کہ اُس کے تذکرہ میں "برسم شکار رفتن" کا محاورہ استعمال نہ ہوا ہو۔ بادشاہ جب خود کسی سے لڑنے، کسی پر حملہ کرنے کسی کو سزا دینے، کسی کی فرمانبرداری کا امتحان لینے کسی سے نذرانہ یا خراج وصول کرنے یا کسی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ ہوتا ہے تو پادشاہ کی اس روانگی کو مورخین ہمیشہ اس طرح لکھتے ہیں، "برسم شکار روان شد" "برسم شکار بہرہوں رفت"۔ "برسم شکار کو کہہ خسروی در حرکت آمد" خیالِ سلطانی برسم شکار بیرون زدند وغیرہ وغیرہ۔ ضیا۔ برقی سے بھی یہی خطا ہوئی کہ اُس نے لکھ دیا کہ سلطان محمد برطریق شکار در ولایت برتن رفت۔ چونکہ سلطان کے اس سفر میں باغیوں کو گرفتار کیا گیا۔ قتل کیا گیا۔ جو جنگوں میں جا کر چھپ گئے تھے ان کو وہاں سے گرفتار کر کر مٹا دیا گیا۔ لہذا دوسرا جنگل کا لفظ بھی آگیا۔ پس جنگل اور شکار کے دونوں لفظوں نے مل کر اچھا خاصہ شکارِ قمریہ یا کسیدے کا شکار بنا دیا اور الفنسٹن صاحب نے تاریخِ فیروز شاہی کے انگریزی ترجمے میں شکار اور جنگل کے الفاظ دیکھ کر اول جنگل کا اشرقیوں کیا پھر جنگل کو ملک کی آبادیوں سے تبدیل فرما کر تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں پر اس دلچسپ اور نہ لطف حادثہ کی ایجاد سے احسان فرمایا کہ :-

ایسی تدبیر سے اس نے انتقام لیا کہ جو تمام ظلموں سے بڑھ کر تھی یعنی اُس نے اپنی فوج کو شکار کی تیاری کا حکم دیا اور شکار کے دستور کے موافق ہندوستان کے ایک بڑے خطے کو رمنہ کی طرح سے گھیرا اور بعد اُس کے یہ حکم عام دیا کہ جو شخص اس گھیرے میں پاؤ شکار کی مانند اس کو قتل کر داور چاروں طرف سے قتل کرتے ہوئے بیچا بیچ میں جمع ہو جاؤ چنانچہ جو لوگ اس میں مارے گئے اکثر گنوار اور بے گناہ تھے۔ غرض اس قسم کا شکار کئی مرتبہ کھیلا گیا اور پچھلا شکار یہ ہوا کہ قنوج کے باشندوں کا قتل عام کیا (ترجمہ از تاریخ الفنسٹن)

ضیا۔ برقی صرف اس قدر لکھتا ہے کہ برمن پنچ کر دیاں کے سرکشوں کو قتل کہا اور ان کے سر قلعہ برتن کے کنگروں پر لٹکائے۔ اُس کے بعد جنگلے کی بغاوت کا ذکر شروع کر دیتا ہے۔ لیکن الفنسٹن صاحب کی ایجاد ایک ثابت شدہ حقیقت کی حیثیت سے ہندوستان کے ہر تعلیم یافتہ شخص کے دماغ میں منقوش ہے اور محمد تخلق کا نام آتے ہی سب سے پہلے

اس کے اس عجیب و غریب بے بنیاد شکار کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

برن کے باغیوں کو سزا دے کر سلطان قنوج کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ قنوج کی شرارت برن کی شرارت سے کم نہ تھی۔ سلطان کی آمد اور برن والوں کی سزا دہی کا حال علاقہ قنوج کے شہریوں کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا۔ لہذا وہ سب جنگلوں میں جا کر چھپ گئے۔ ظاہر ہے کہ اس علاقہ کے شہریوں، قصبوں اور گاؤں کی تمام وکمال آبادی تو جنگلوں میں جا کر پوشیدہ ہو ہی نہیں سکتی تھی نہ بے گناہوں کو بھاگنے اور چھپنے کی ضرورت تھی۔ صرف وہی لوگ جو شرارت کے امام اور فساد کے بانی و مجرم تھے بھاگ کر جنگلوں میں چھپے ہوں گے انھیں کو سزا دینا اصل مقصود تھا۔ سلطان نے قنوج پہنچ کر جب باغیوں اور شہریوں کو غائب دیکھا اور ان کے جنگل میں پناہ گزیں ہونے کا حال سنا تو قنوج کو جنگل کے محاصرے کا حکم دیا۔ جنگل میں جو ملا مارا گیا قنوج سے دہلی تک باغیوں کی داری کا ہنگامہ برپا ہوا۔ سلطان باغیوں کی سزا دہی سے فارغ ہو کر اور امن و انتظام قائم کر کے دہلی کی جانب واپس ہوا۔ اس معمولی واقعہ کو جس میں برن کے منصف اور قنوج دولتمند کے درمیان علاقے کے شریر سزایاب ہونے بار بار آدمیوں کا شکار کہا جاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ محمد تغلق اور کیا کرتا اور مفسدوں کو کس طرح سزا دیتا۔ آج اس انگریزی دور حکومت میں بھی ڈاکوؤں اور مجرموں کے جتنے جنگلوں میں پناہ گزیں ہوتے ہیں اور ان کی گرفتاری کے لئے قنوج اور پولیس کے دستے جنگلوں کا محاصرہ کر کے مجرموں کو قتل یا گرفتار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ محوڑے ہی دن ہوتے کہ سہارنپور، بجنور اور مراد آباد کے ضلعوں میں جو امن کوہ ہمالیہ کے جنگل سے ملحق ہیں۔ سلطاناٹھ کو کی جمعیت نے رعایا کے امن و اطمینان کو خطرہ میں ڈال رکھا تھا اور سلطانا کی جمعیت کو گرفتار کرنے کے لئے محکمہ پولیس کا رخصت کے ایک مشہور انگریز انسپکٹر مٹرینگ صاحب نے بڑی جمعیت کے ساتھ بار بار جنگلوں کا محاصرہ کیا اور بالآخر سلطانا کا کام تمام کر کے چھوڑا۔ کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ محمد تغلق کی فوج کا قنوج و دہلی کے درمیان علاقے میں مفسدوں کا جنگلوں میں محاصرہ کرنا اور یزید صاحب مہتمم کا رخصت کی جمعیت کا بجنور و مراد آباد کے جنگلوں میں مفسدوں کا محاصرہ کرنا کوئی فرق رکھتا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اول الذکر ظلم اور مہوڑا ذکر کو رحم

کیوں کہا جاتا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ ماہ جون مطابق ماہ شعبان ۱۲۵۹ھ میں قنوج و دکن کے شہریروں کی سزا دی سے سلطان محمد تغلق فارغ ہوا ہوگا۔

دکن کا سفر اور وہاں کا انتظام | سلطان ابھی قنوج ہی میں مقیم تھا کہ اُس کے پاس ملا بار (ممبر) میں بغاوت ہونے کی خبر

پہنچی۔ برن و قنوج کے فساد اور ملا بار کی بغاوت کا سبب ایک ہی تھا اور سلطان اس سے واقف تھا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ تاریخ فیروز شاہی اور تاریخ فرشتہ کے دو اقتباس پہلے سے ذہن میں رکھ لئے جائیں۔ ضیاء برنی تاریخ فیروز شاہی میں کہتا ہے کہ:-

”سلطان محمد درہنہب متمران درحد و قنوج مشغول بود کہ قتلہ در معبر زاد و پدر ابراہیم خلیفہ دارسید احسن در معبر بود بلخاک کرد و امرائے آجائے را بکشت و آن ملک را فرد گرفت و عیشے کہ از دہلی برائے ضبط معبر نامزد بود ہما بجا ماند و این خبر سلطان رسید۔ ابراہیم خلیفہ دار را دقربائے اورا بگرفتند و سلطان محمد در شہر (دہلی) آمد و از شہر استعداد کرد و تبرتیب لشکر کشی متبر جانب دیوگیر رواں شد“

فرشتہ برن و قنوج کے مفسدوں کی سزا دی کا ذکر کرتے ہوئے سلطان کی فوج کے متعلق یہ فقرہ لکھتا ہے کہ:-

”دشکریان کہ زن و فرزند ایشان در دولت آباد ماندہ بود چیران دسر گرداں شدند“

جو لوگ علم النفس اور فطرت انسانی کے پر غور مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی بادشاہ کتنی ہی بڑی فوج بھرتی کر لے عایا اس بھرتی سے زیادہ متاثر نہیں ہوتی نہ کوئی نمایاں تغیر محسوس ہوتا ہے لیکن کسی بڑی فوج کا یکا یک موقوف اور برخواست کر دینا لوگوں کی توجہ کو بہت زیادہ اپنی طرف منعطف کر لیتا ہے اور ان لوگوں میں جو اپنے باغیانہ و مفسدہ خیالات کو دبا ئے اور چھپائے ہوئے ہوتے ہیں، جان سی پڑنے لگتی اور باغیانہ عزائم میں ایک نئی طاقت نمایاں ہو جاتی ہے۔ محمد تغلق کا تین لاکھ سے زیادہ فوج کو ہر طرف کو دینا باوجود اس کے کہ حسب ضرورت فوج پہلے سے موجود تھی، باغیانہ خیالات کی تقویت

کا موجب ہوا۔ سلطان کی خاص رکابی فوج کے سرداروں کی وہ حالت تھی جو فرشتہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے ظاہر ہے یعنی وہ لوگ سلطان کو جلد دولت آباد کی جانب لے جانا چاہتے تھے تاکہ اپنے اہل و عیال کی خبر لے سکیں جن سے جدا ہوئے اُن کو قریباً در سال ہو چکے تھے۔ سلطان کو دکن کی جانب متوجہ کرنے اور دولت آباد لے جانے کے لئے جو کوشش بھی وہ کر سکتے ہوں گے ضرور کی ہوگی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ برخاست ہوئے وانی جدید فوج میں سے کچھ حصہ دکن کی جانب بھیج دیا گیا تھا۔ ملا بار کا مال سید احسن کیتھلی تھا۔ کیتھلی صوبہ میان دوا کا ایک مقام ہے جو دہلی سے شمال و مغرب کی جانب واقع ہے۔ سلطان نے جو زائد فوج ملا بار بھیجی تھی وہ یقیناً انھیں لوگوں پر مشتمل ہوگی جو کیتھلی، سنام اور سامانہ وغیرہ کے رہنے والے ہوں گے کیونکہ اس زمانے میں قومی و وطنی تعلقات کی بنا پر ہی کوئی شخص کسی فوج کا افسر ہو سکتا تھا اور فوج کے ہر ایک افسر کو اپنی ماتحت فوج خود ہی فراہم کرنی پڑتی تھی جو عموماً اس کے رشتہ داروں، ہم قوموں اور ہم وطنوں پر مشتمل ہوتی تھی اور اسی قومی و وطنی عصبیت میں فوجوں کی بہادری اور طاقت کا راز مضمر تھا۔ لہذا جو فوج سید احسن کیتھلی صوبہ دار ملا بار کو تقویت پہنچانے اور اس کے ماتحت کام کرنے کے لئے بھیجی گئی ہوگی قیاس چاہتا ہے کہ وہ ضرور کیتھلی اور نواح کیتھلی کے باشندوں پر مشتمل ہوگی۔ اس قیاس کی صحت کا ثبوت اُن واقعات سے ہم پہنچے گا جو آگے چل کر بیان ہونے والے ہیں۔ ایک غیر ملکی مغل امیر لڈروز کا دکن یا مالوہ میں جاگیر پانا اُن ہندوستانی سرداروں کے لئے جو اپنے آپ کو فاتح دکن اور فاتح مالوہ سمجھتے تھے یقیناً موجب رشک تھا۔ اس جدید فوج کے پہنچنے سے سید احسن کیتھلی کی طاقت تو بڑھ گئی مگر جدید فوج کی تنخواہ اسی علاقے پر پڑی جس کا انتظام پہلے سے اُس کے سپرد تھا۔ تاریخ فیروز شاہی سے ثابت ہے کہ محمد تغلق کے زمانے میں دور و دراز کے علاقوں پر جب صوبہ دار یا گورنر مقرر ہوتے تھے تو کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ صوبے کے شاہی محاصل کی ایک رقم متعین کر کے اس صوبہ دار پر عائد کر دی جاتی تھی کہ سالانہ اس قدر رقم وصول کی جائے گی اس کو ایک قسم کی ٹھیکہ داری یا جاگیر داری کہنا چاہیے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے اور ملکوں میں بھی یہ رسم جاری تھی۔ ہندو راجاؤں سے عموماً اسی قسم کا معاملہ ہوتا تھا اور اس طرح مرکزی شاہی دفتر اس صوبہ کے حساب کتاب کی جزئیات سے سبک دوش ہو جاتا تھا۔ بنگال، دکن اور گجرات کے علاقوں میں عموماً

یہی انتظام تھا۔ سپہ اسن کیتھلی کے متعلقہ علاقے میں گنجایش محسوس کر لی گئی تھی اور جدید فوج کے عوض کوئی نیا علاقہ نہیں دیا گیا۔ لہذا اُس نے گرائی محسوس کی اور باغیانہ تحریکوں سے متاثر ہو کر ارد گرد کے ملحقہ اضلاع پر ہاتھ مارا اور ان نژادوں کو اپنے حسبِ منشا کام میں لایا۔ ضیاء برتانی نے اوپر کے اقتباس میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ:-

”و حشمہ کہ از دہلی برائے ضبط معبر نامزد بود ہما بخا ماند۔“

لا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ:-

”واکثر از حشم دہلی را کہ در اں حدود نامزد بود و نہ بخود کشید و سرداران مخالف را بقتل رسانید۔“

سلطان اس خبر کو سنتے ہی قنوج سے روانہ ہوا دہلی کا راستہ چھوڑ کر مہرٹھ اور کرنال ہوتا ہوا اول کیتھلی پہنچا سید احسن کے رشتہ داروں کو گرفتار کیا اور یہیں اس کا بیٹا امیر الہم خریطہ وار جو شاہی اہل کاروں میں شامل اور سلطان کے ہمراہ تھا گرفتار کیا کیتھلی سے دہلی آیا اور یہاں سے دکن کی جانب روانہ ہوا۔ بعد کے بعض مورخین نے غلطی سے سید احسن کیتھلی کو حسن کا نگوی بہمنی بانی سلطنت بہمنیہ سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے حسن بہمنی کا ذکر آگے آئے گا۔

دہلی سے سلطان سہلہ کے شروع میں روانہ ہوا جب کہ موسم سرما شروع ہو چکا تھا اور برسات کے نہ ہونے سے فصل خریف کی پیداوار بہت کم ہوتی تھی۔ فصل بیج کے لئے بھی کاشت کار زمینوں کو تیار نہیں کر سکے تھے۔ دولت آباد پہنچ کر سلطان نے ملک احمد یازگور نزد دہلی کو جو اس سفر میں دہلی سے دولت آباد تک سلطان کے ہمراہ آیا تھا دہلی کی جانب روانہ اور دولت آباد کے لوگوں کو جو دہلی سے آکر آباد ہو چکے تھے اجازت دی کہ جس کا چاہے دہلی چلا جائے اور جو چاہے یہیں رہے چنانچہ ایک بڑا قافلہ اُن لوگوں کا ملک احمد یازگور کے ہمراہ دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ سلطان نے برن و قنوج کے ہندوؤں کی شرارت کو دیکھ کر دار السلطنت کی تبدیلی کا ارادہ فیض کر دیا تھا۔ اس کو محسوس ہو چکا تھا کہ ہندوستان کے سلطان کا دہلی میں رہنا ضروری ہے ورنہ شمالی ہند کا قابو میں رہنا دشوار ہے اور دار السلطنت کی تبدیلی کا تجربہ خطرات سے خالی نہیں ہے۔ اسی لئے

وہ ملک احمد ایاز کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا کہ اس کی حفاظت و نگرانی میں دہلی والوں کا قافلہ کو رخصت کر کے خود دوست آباد سے سپہ احسن کو سزا دینے کے لئے روانہ ہوا اور اول درنگل پہنچا۔ درنگل میں جب شاہی لشکر پہنچا تو وہاں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ شاہی لشکر میں بھی وبا نمودار ہوئی اور خود سلطان بھی بیمار ہو گیا۔ اس بیماری کی وجہ سے سلطان کو دولت آباد کی جانب والپس ہونا پڑا۔ مگر اس نے والپس ہونے سے پہلے ملک قبول نائب وزیر کو درنگل میں متعین کر کے تاج کا درکار انعام اور نگرانی اس کے سپرد کی۔ دولت آباد میں بیماری کی حالت میں پہنچا۔ یہاں پہنچ کر ایک نو مسلم سردار کو جس کا اسلامی نام شہاب سلطان یعنی شہاب الدین تھا۔ ملک نصرت کا خطاب دے کر دلایت بید کی حکومت سپرد کی اور دولت آباد کا صوبہ سندھ ولایت سرہٹ میر حسن ابن میر میران الحناط بہ ملک کبیر تغلق خاں کو سپرد کر کے اسی بیماری کی حالت میں بسواری پاکلی معہ اپنی والدہ محترمہ جہان کے دہلی کو روانہ ہوا اور دہلی جانے والے کچھ لوگ جو دولت آباد میں باقی تھے ان کا قافلہ بھی اپنے ہمراہ لیا۔ اس ایاب و ذباب میں زیادہ دن صرف نہیں ہوئے۔ ۳۰ شعبہ کے آخری مہینوں میں سلطان دہلی پہنچ گیا۔ تغلق خاں مذکور فیضی یا تفصیلی عقائد رکھتا تھا لیکن چونکہ محمد تغلق کا استناد وہ چکا تھا اور محمد تغلق نے اس سے قرآن شریف کے علاوہ کوئی فارسی کی ابتدائی کتاب بھی پڑھی تھی۔ اس لئے اس کا بہت ادب اور لحاظ کرتا تھا۔ تغلق خاں کا دولت آباد کی حکومت پر مامور کرنا آئندہ محمد تغلق کے لئے بے حد مضر ثابت ہوا اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آنے والی ہے۔

تبصرہ | اس جگہ سوچنے اور غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق نے شمالی ہند کے مضبوط و مستحکم ہونے کا یقین کر کے دکن کو بھی مضبوط و مستحکم بنانے اور خراسان پر حملہ کرنے کا شروع میں مصمم ارادہ کیا تھا اور اس کا ایسا ارادہ کچھ بے جا اور قابل اعتراض نہ تھا۔ لیکن خراسان کے حملہ کی ضرورت کا باقی نہ رہنا اور ہی لوگوں کے ایک بڑے طبقے کے مایوس اور ناراض ہو جانے سے مشکلات کا پیدا ہونا محمد تغلق کے اختیار دار اوے کی باتیں نہ تھیں جس طرح حملہ خراسان کی ضرورت کا باقی نہ رہنا ایک قدرتی اور غیر اختیاری بات تھی۔ اسی طرح اپنی مذہبی دشمن خیالی اور کتاب و سنت کی پابندی کو بھی وہ کسی طرح ترک نہیں کر سکتا تھا۔ تین چار لاکھ

فوج کا نوکر رکھنا بھی بے جا نہ تھا اور ضرورت باقی نہ رہنے پر اس کا موقف کر دینا بھی نامناسب نہ تھا۔ نیز ملکی لوگوں کی جھنجھول سے ضرورت کے وقت اس کی خواہش کے موافق اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا۔ رعایت کرنا شریفانہ اخلاق کا تقاضا تھا۔ شمالی ہند کی ہندو جنگ جو قوموں کی غیر فانیانہ اور بزدلانہ سب سے وفائی کا اگر وہ صحیح اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ تو اس سے اس کی شرافت اخلاق کا ایک ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ اس تجربہ کے بعد اس نے دہلی ہی کو دارالسلطنت رکھنا ضروری سمجھا اور شمالی ہند کو رکن سے زیادہ قیمتی خیال کیا کہ اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

بہر حال سترہویں صدی میں جب کہ سلطان محمد تغلق دولت آباد سے دہلی کی جانب روانہ ہوا ہے تو اس نے دولت آباد کو دارالسلطنت بنانے کا خیال بالکل ترک کر کے دکن کا انتظام اپنے امیروں اور گورنروں کے سپرد مستقل طور پر کر دیا تھا۔ صرف ورنگل کے علاوہ تلنگانہ کا تمام علاقہ رور دیو (لدر دیو) کے بیٹے کو دے رکھا تھا۔ کربلا تک پٹال دیو کے سپرد تھا۔ ان دونوں ہندو راجاؤں سے ورنگل کے گورنر کی معرفت خراج وصول ہوتا تھا۔ معبر میں سید احسن کیتھلی کی بغاوت و سرکشی کا انجام کیا ہوا اس کا مفصل حال کسی تاریخ میں نہیں ملتا لیکن قیاس چاہتا ہے کہ بلال دیو اور نصرت خاں صوبہ دار بہر کے ذریعہ اسے کفر کردار کو پہنچا کر معتبر کے علاقے میں ضرور کوئی دوسرا سردار مقرر کر دیا گیا ہو گا۔ کنپلا اور دھور سدر اور کرناٹک میں موجودہ ریاست میور اور صوبہ مدراس کا جزوی حصہ شامل سمجھنا چاہیے۔ اس میں تلنگانہ اور معبر کو بھی شامل کر لیا جائے تو موجودہ صوبہ مدراس معبر ریاست میور کا علاقہ قریباً پورا ہو جاتا ہے اور یہ تمام علاقہ ہندو باج گذار زمینوں کو سلطان محمد تغلق نے سپرد کر رکھا تھا۔ گجرات کے علاقے کا بڑا حصہ بھی ہندو راجاؤں کے سپرد تھا ملک نصرت خان نو مسلم گورنر بہر کو وہ علاقہ سپرد تھا جو آج کل حکومت نظام کا جزوی حصہ ہے دولت آباد اور مرہٹ کے صوبے قلعہ خاں کے سپرد تھے جس کو آج کل کا جزوی صوبہ بمبئی سمجھنا چاہیے۔ غرض یہ انتظام جو محمد تغلق نے کیا تھا ہر طرح قابل اطمینان تھا اور بظاہر اس کی سلطنت میں جو تمام براعظم ہند پر پھیلی ہوئی تھی کسی خطرے اور اندیشہ کا کوئی امکان نہ تھا اور وہ ملک کے انتظام کو قابو میں رکھنے اور ترقی دینے کی پوری طاقت اور قابلیت رکھتا تھا۔

۱۷۲۹ء کے موسم برسات میں میان دواب اور مالوے کے علاقوں میں بارش نہیں ہوئی تھی بس سے ۱۷۳۰ء کی فصل رزق کو سخت

فتح عظیم اور سلطان کی رحم دلی و فسخ شناسی

نقصان پہنچا، راستے میں صوبہ مالوہ کو سلطان نے قحط اور خشک، سالی کی وجہ سے بہت خراب حالت میں دیکھا۔ دہلی پہنچا تو صوبہ میان دواب کی حالت کو مالوہ سے بھی زیادہ خراب پایا سب سے زیادہ دہلی اور لڑاخ دہلی میں قحط کی شدت تھی۔ دہلی آکر پادشاہ بدمصرت یاب و تندرست ہو گیا اور مخلوق خدا کو قحط کے حملے سے بچانے میں ہمتن مصروف ہوا۔ خدا نے تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی شرارتوں، مفسدہ پر دازیوں اور بد اعمالیوں کی سزا قحط کی شکل میں وارد ہوئی۔ پادشاہ اور سلطان ہونے کی حیثیت سے محمد تغلق نے لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کی جس قدر کوشش کی اور جس قدر ہمت و استقلال کے ساتھ برسوز اس کام میں مصروف رہا وہ محمد تغلق کو دنیا کے تمام سلاطین سے زیادہ بلند مرتبہ، زیادہ رحم دل اور زیادہ شفیق علی خلق اللہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے اور محمد تغلق کی مانند شاید ہی کوئی دوسرا پاک طینت اور نیک دل سلطان پیش کیا جاسکے۔ ضیاء برنی کہتا ہے۔

”چوں سلطان محمد با رحمت از دیو گیر بسوئے دہلی مراجعت فرمود در دہا رسید و چند روز وقف فرمود و از انجا جانب دہلی رواں شد و در مالوہ ہم قحط افتادہ بود و دادہ بکلی از تمامی راہ برخاستہ و قصبات و ولایات سر راہ پریشان و تبر شدہ سلطان در دہلی رسید و چند گاہ در ترتیب آبادانی و زراعت مشغول شد و در آن سال باران ہم امساک کرد و بیج ترتیب نہ شد و گاہ سپاہ و مویشی نماند و غلہ بشا نزوہ و ہندہ چنیل سیرے رسید و خلق مستہلک می شد و سلطان محمد بر سیل سوند ہار برائے زراعت مال از خزانہ می داد و خلق در ماندہ و عاجز گشتہ می شدہ و زراعت از امساک باران بیسر نہ شد و خلق کشتہ می شد و سلطان محمد در آمدہ در دہلی صحت یافت و زود ترین تندرست شد۔“

غرض ۱۷۳۰ء سے شروع ہو کر ۱۷۳۶ء تک متواتر سات سال ہندوستان بالخصوص صوبہ میان دواب میں بارش نہیں ہوئی اور ایسا عظیم الشان قحط پڑا جس کی نظیر دنیا کی

تاریخ میں نہیں ملتی۔ تاریخ مبارک شاہی میں لکھا ہے کہ:-

”قحط عام و گرائی غلہ ہفت سال چنان شد کہ قطرہ از آسمان نہ بارید“

فرشتہ لکھتا ہے کہ:-

”در عہد آن پادشاہ دومرتبہ امساک باران شد و در ہر کرت قریب سہ سال

مردم اوقات بھرت گذرانید“

فرشتہ کی بیان کردہ دولوں خشک سالیوں کے درمیان صرف ایک سال ایسا گذرا تھا جس میں بارش ہوئی تاریخ مبارک شاہی میں اس درمیان کے ایک سال کو بھی خشک سالی ہی میں شمار کر کے سات سال لکھ دیئے اور ملا عبدالقادر بدایونی نے کبھی تاریخ مبارک شاہی میں اس درمیان کے ایک سال کو بھی خشک سالی ہی میں شمار کر کے سات سال لکھ دیئے اور ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی تاریخ مبارک شاہی کی روایت کو نقل کیا ہے۔ بہر حال ۱۳۳۷ھ کا ایک سال درمیان میں بارش کا سال تھا۔ ۱۳۳۸ھ اور ۱۳۳۹ھ میں ملک عرب کے اندر قحط نمودار ہوا تھا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اسلام نے صوبہ جات ممالک اسلامیہ کے حاکموں کو حکم دیا تھا کہ اپنے اپنے علاقوں سے جس قدر غلہ ہا سانی بھجواسکیں اہل عرب کی مصیبت کم کرنے کے لئے بھجوائیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکم مصر نے بیس جہاز غلہ سے لدے ہوئے بھجوائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضرورت مندوں کی فہرستیں مرتب کر کر غلہ تقسیم کرایا اسی اسوۂ فاروقی کو مد نظر رکھ کر سلطان محمد تغلق نے بھی بنگالہ اور بہار سے جہاں قحط کا اثر نہ تھا اور غلہ کی ارزانی تھی، غلہ منگوانے کا انتظام کیا اور جہاں جہاں قحط کی شدت تھی وہاں اپنے عاملوں اور اہل کاروں کے ذریعہ غلہ کو ارزاں نرخ پر فروخت کرایا۔ لوگوں کو مدد پر تقسیم کیا۔ محتاج خانے قائم کئے، غربا کو غلہ اور کھانا بہم پہنچانے کے لئے سرکاری طور پر باقاعدہ انتظام کیا۔ اس کے لئے احکام و سالیب نافذ کئے۔ کاشتکاروں کو زر تقاضی دے کر زراعت کی ترغیب دی اسی سال مصر سے سلطان ملک الناصر اور خلیفہ ابو الریح متکلی باللہ عباسی کے فرستادہ ایچی سلطان محمد تغلق کے پاس آئے اور سلطان نے تحفہ و ہدایا کے ساتھ ان کو واپس کیا، راستے میں حاکم یمن نے سلطان محمد تغلق کے تحفے اور ہدیے چھین لئے سلطان مصر نے اس کے جواب میں یمن کے سفیروں کو قید کر لیا۔ کئی سال کے بعد ملک المجاہد

فرماں، وائے یمن نے خود سلطان محمد تغلق کے ساتھ رسم و راہ اور دوسرے سنانہ تعلقات، پیدا کر دیے تھے سلطان محمد تغلق قحط کے کاموں میں مصروف رہا اور سترہ سال اس حالت میں بسر ہوا کہ سلطان محمد تغلق قحط کے مقابلے میں اپنی رہائیاں لے سپرنا ہوا تھا۔ سترہ سال میں جب کہ قحط کی شدت اور بھی ترقی کر گئی تو اس نے بہار و بنگال سے جس قدر زیادہ سے زیادہ غلہ آسکتا تھا منگوا لیا۔ قحط زدہ علاقے یعنی صوبہ میان دواب کے شریب اور مستاجر لوگوں کو شریب دی کہ وہ دہلی پہلے آئیں تاکہ باسانی ان کی خبر گیری ہو سکے اور اضلاع کے عالموں اور شہداروں کا کام ہلکا ہو جائے اور ان کی غفلت سے لوگ ہلاک نہ ہوتے پائیں چنانچہ دہلی اور لڑاج دہلی میں قحط زدہ لوگوں کا انہوہ عظیم فراہم ہو گیا۔ سلطان نے ڈیڑھ مل (نالی چھٹا تک) روزانہ فی کس سے حساب سے ہر شخص کو غلہ تقسیم کرانا شروع کیا۔ بہار و بنگال کے علاوہ اس نے سندھ، گجرات، دولت آباد اور اڑیسہ سے بھی غلہ کے منگوائے کا انتظام کیا۔ جب غلہ زیادہ مقدار میں آگیا تو چھ چھ مہینے کا غلہ ہر شخص کو دے دیا گیا اور سلطان صوبہ میان دواب کے دوسرے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ کاشت کاروں کو جو زر قادی گذشتہ سال دیا گیا تھا۔ وہ سب کھا پکا چکے تھے زراعت کا کوئی کام نہ ہوا تھا۔ لہذا اس نے وہ روپیہ معاف کر کے اب پھر ان کو روپیہ دیا اور تاکید کی کہ اپنے اپنے کھیتوں میں آب پاشی کے کنوئیں کھودیں، کنوئوں کی کھدائی کے کام کو سب سے زیادہ ضروری اور اہم سمجھ کر اس نے شاہی اہل کاروں اور عالموں کو سختی کے ساتھ حکم دیا کہ کنوئوں کی کھدائی کے کام کی خاص طور پر نگرانی کریں اور اس کام کو جلد انجام تک پہنچوائیں۔ پنجاب کے صوبہ میں بھی اس قحط کا کسی قدر اثر تھا اس لئے پنجاب سے اگرچہ غلہ میان دواب کو نہ آسکا تاہم پنجاب نے اپنی حالت کو خود سنبھال لیا۔ اس جگہ پنجاب سے موجودہ ملک پنجاب نہیں سمجھا جاتے جس میں اس زمانے کے علاقہ میان دواب اور صوبہ ملتان کے اکثر حصے بھی شامل ہیں۔ تاسیخ عالم میں سلطان محمد تغلق سے پہلے کوئی نظیر ایسی نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے قحط کے مقابلے میں مخلوق خدا کو محفوظ رکھنے کے لئے اس قسم کے وسیع اور زبردست انتظامات کئے ہوں جیسے کہ محمد تغلق نے کئے۔

سلطان نے زراعت کا ایک خاص محکمہ قائم کیا جو ہندوستان کی **محکمہ زراعت** تاسیخ میں باسل نئی چیز تھی۔ اس نے دیہاتوں سے نہریں نکالنے کے

لے اہل کار مامور کئے کہ وہ نہریں نکالنے کے متوجہ کو انتخاب کریں۔ ملک تاتار خاں حاکم پنجاب کے نام احکام صادر ہوئے کہ اپنے صوبہ میں بذریعہ چاہات آب پاشی اور زراعت کے کام کو ترقی دے۔ ہر ضلع اور تحصیل میں تختینے تیار کرانے گئے کہ آب پاشی کے ایک کنویں میں کس قدر لاگت بیٹھتی ہے اور کتنی دور پانی نکلتا ہے۔ نہریں کن کن راستوں میں ہو کر بہہ سکتی ہیں۔ غرض پوری مستعدی و جفاکشی کے ساتھ سلطان اسی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔ پنجاب اور صوبہ بجات متحدہ کے اضلاع میں سفر کر کے وائے مسافر کو جا بجا کھیتوں میں کنویں نظر آتے ہیں اور وہ کاشت کاروں کو کنوؤں سے پانی نکالتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے کہ یہ سلطان محمد تغلق کی یادگار ہفت سالہ محنت کی نشانی ہے پنجاب کے دولابی کنویں تو ممکن ہے کہ محمد تغلق سے پہلے کی چیز ہوں لیکن جس کے کنویں جو یو۔ پی کے اضلاع میں بکثرت مروج اور موجود ہیں محمد تغلق ہی کی ایجاد ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں ان آب پاشی کے کنوؤں کا محمد تغلق سے پہلے کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ ہاں دریاؤں یا ندیوں کے کنارے فالیزوں کو پانی دینے کے لئے ڈھینکلی کے کنویں ضرور پڑتی چیز ہیں لیکن ڈھینکلی کے کنویں زراعت کی ضرورت کو ہر جگہ کہاں پورا کر سکتے تھے۔ نہروں کی اسکیم اگرچہ سلطان محمد تغلق کی مرتب کردہ تھی لیکن ارادے سے فعل میں لانے کا کما حقہ اس کو موقع نہیں ملا۔ اسی مرتب شدہ اسکیم سے فائدہ اٹھا کر سلطان فیروز تغلق نے سلطان محمد تغلق کی مجوزہ بہت سی نہریں نکالیں۔ ضیاء برہتی محمد تغلق کی ان زرعی کوششوں کے متعلق کہتا ہے کہ:-

”سلطان راز و یاد زراعت اسلوبہما اختراع می کرد ہرچہ راز و یاد زراعت در تصور سلطان می گذشتہ و در قلم می آمد آں را اسلوب نام می شد کہ اگر آں اسالیب متصورہ واقع شدے از راز و یاد زراعت و حیثیت زراعت، جہان پر از نعمتہائے گونا گوں گشتہ و در خزان گنجہا جمع آمدے۔۔۔ و در معاملہ از دیاد و راز و یاد و وضع شد و آں دیوان را دیوان امیر کوہی نام کردند و عہدہ داران نصب شدند“

جن کاشت کاروں کو کنویں کھودنے کے لئے روپیہ شاہی خرچنے سے دیا گیا تھا ان میں سے بعض نے حسب سابق روپیہ کھاپی لیا اور کنویں نہ کھودے۔ چونکہ لوگ کام کرنا نہیں چاہتے تھے اور ہمت ہار بیٹھے تھے اس لئے ایک کوسٹ دیکھ کر دوسرے نے بھی غفلت سے

کام لیا اور اس کی اطلاعاتیں سلطان کے پاس پہنچیں۔ سلطان نے لوگوں کو کام پر لگانے اور بڑے نمونے کا انداد کرانے کے لئے نافرمانوں کو گرفتار کر لیا اور بعض کو عبرت کے لئے سخت سزائیں دیں ان سزاؤں کا رونا آج تک رویا جا رہا ہے اور اس رحم دل و نافع الناس سلطان کو ظالم و خوں ریز بتایا جاتا ہے۔ سلطان مخلوق خدا کو بچانے کے لئے چاہات کی کھدائی کا کام جاری کرنا چاہتا تھا جو لوگ اس کام میں رکاوٹ پیدا کرنے والے تھے وہ درحقیقت مخلوق خدا کے دشمن تھے ان کو عبرت ناک سزائیں دینا اور قتل کرنا رحم تھانہ کفر ظلم ضیا برتتی کہتا ہے کہ:-

”ہر چند سلطان محمد در باب زراعت جہدی فرمود چاہا کا دانیدن فرمان شد و خلق نمی توانست و از بان مردمان چیرے بیروں می آمد و تقصیر و اہمال می رفت بسیاران بسیار ت می پیوستند“

سلطان دہلی میں واپس آکر چند روز اپنے اسی محبوب شغل یعنی قحط زدہ لوگوں کی غور و پروا خت اور فراہمی غلہ کے کاموں میں مصروف رہا اور اس طرح ۳۲۰ ختم ہو گیا۔

ہندوؤں کی بغاوت و سرزنی | ۳۳۰ء میں ملک چند کھوکریا ملک چند گکھڑ نے اپنے ہم قوموں کی جمعیت کثیر فراہم کر کے لاہور کے صوبہ دار ملک تاتار خاں پر اچانک حملہ کیا۔ ملک تاتار خاں لڑائی میں شہید ہوا۔ سلطان نے ملک احمد ایاز الخاطب بن خواجہ بہان کو اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے روانہ کیا خواجہ جہان نے ملک چند کو گرفتار کر کے اس فتنہ کو مٹایا اور لاہور کی حکومت کسی لائق افسر کو سپرد کر کے جلد دہلی واپس آگیا۔ ۳۳۰ء میں بارش ہوئی اور پیداوار زراعت سے لوگوں کو سانس لینے کا موقع ملا۔ سنہ ۳۳۱ء کے علاقے میں ہندوؤں نے بغاوت و سرکشی پر کمر باندھی اور بڑے بڑے گھنے جنگلوں میں گڑھیاں بن کر اس زمانے میں منڈل کہتے تھے تیار کر کے لوٹ مار اور راہ زنی شروع کی۔ قافلوں کی آمد و رفت اور ملک کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا، یہ لوگ عموماً جاگیردار و شہدار و فوطہ دار تھے۔ گذشتہ تین سال کی خشک سالی میں صوبہ میان دواب سے سرکاری مال گزاری مطلق وصول نہیں کی گئی، بلکہ معاف کر دی گئی تھی اب جو فصل کے پیدا ہونے پر سرکاری محصول زراعت کی نگرانی اور اس فصل کی ہٹائی کے لئے مامور ہوئے تو انھوں نے سرن اور قنوج کے مفسدوں کی طرح شرارت پر کمر باندھی، یہ لوگ

عموماً وہی تھے جنہوں نے خسرو شنگ حرام کی فوج میں شامل ہو کر خاندانِ خلجیہ کی بربادی میں حصہ لیا تھا اور خسرو شنگ حرام نے اپنی ہلاکت یقینی دیکھ کر جب شاہی خزانہ لٹایا تو وہ زیادہ تر انہیں کے حصے میں آیا تھا۔ سلطان کو خود اس طرف جانا پڑا۔ منڈلوں اور گڑھیوں کو جنگلوں میں جا کر سمار کیا اور ان کے سرداروں کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا۔ یہاں لا کر ان کو دہلی میں آباد کیا اور ان کی سوخت دور کرنے کے لئے ان کی عزتیں بڑھا کر زمرہ اُمراء میں شامل کیا چنانچہ ان لوگوں کی کچھ کچھ اصلاح ہوئی۔ بعض ان میں سے خود ہی مسلمان بھی ہو گئے اس طرح سنہام و ساماند وغیرہ کے علاقے کی بدامنی درہ زنی کا ائنداد ہوا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بے حیائی اور دروغ بانی ہو سکتی ہے کہ سلطان محمد تغلق کی اس عاقلانہ اور رحم دلانہ کارروائی کو بھی بعض مورخین نے صوبہ میمان دواب میں آدمیوں کا شکار کرنا بیان کیا ہے۔ ضیاء برآئی کہتا ہے کہ:-

”سلطان در ولایت سنہام و ساماند لشکر کشید و متمردان و سرتابان آجائے کہ مند لہا کردہ بودند و خراج نئی دادند و قضا و ہامی کرد و مہد و راہ می زدند سلطان محمد مند لہائے ایشان را تہب و تاراج فرمود و جمعیت ہائے ایشان را متفرق گردانید و مقدمان و سران ایشان را در شہر دہلی آورد و بعضے از ایشان مسلمان شدند و گروہ گروہ را داخل امر اگر دانید و بازن و بچہ در شہر سکونت گرفتند و از زمینہائے قدیم ایشان ایشان را بگسلانیدند و شر ایشان ازاں پیدار رفع شد و آیندگان و روندگان از راہ زنی خلاص یافتند“

فرشتہ کہتا ہے کہ:-

”دریں وقت طاقت مند اسہران و چوہاٹان و منہیان و بھتیان کہ در ولایت سنہام و ساماند بودند و زیدہ بچہ گہائے عظیم و آمدہ خانہا ساختند و دست از مال گذاری کشیدند پادشاہ مدفع ایشان لشکر کشیدہ محلہائے ایشانرا کہ باصطلاح ہند مند ل گویند منہدم گردانید و جمعیت ہائے ایشان را پریشان ساختند و سرداران ایشان را ہمراہ آوردہ در شہر بجائے داور“

یہ واقعہ ۳۳۱ھ کے آخری ایام سے تعلق رکھتا ہے۔

دوبارہ محط عظیم | ۳۳۲ھ میں پھر قحط نمودار ہوا اور خشک سالی سے مخلوق خدا پریشان

ہونے لگی۔ یہ قوط نہ صرف ہندوستان بلکہ چین کے ملک میں بھی ایسی ہی شدت سے تھا۔ چین کی تاریخ میں ۳۳۳ء کے قوط کی نسبت لکھا ہے کہ آدمیوں نے آدمیوں کا گوشت کھایا اس مرتبہ سلطان نے گزشتہ قوط سالی کے تجربے سے فائدہ اٹھا کر زیادہ مستحکم اور زیادہ اچھا انتظام کیا۔ اس نے اپنے امیروں اور وزیروں کو شہر دہلی کے محلے مضافات دہلی کے حلقے اور میان دو آب کے اضلاع تقسیم کر دیئے۔ مفلس اور تہی دست رعایا کی نہر میں تیار کرائیں۔ تاکیدی احکام جاری کئے کہ ہر امیر آدمی غریبوں کی ایک مناسب تعداد کو اپنے دوتے اور اُن کے لئے غلہ یا خوراک بہم پہنچائے۔ ابن بطوطہ جو ۳۳۳ء میں دہلی پہنچ کر عرصہ دراز تک دہلی کا قاضی رہا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ پانچ سو محتاجوں کا میں بھی کفیل تھا۔ دو دنوں وقت اُن کو کھانا کھلانا اور اُن کے رہنے کے لئے بھی مجھ کو ایک بڑا مکان بنوانا پڑا تھا۔ سلطان اپنے احکام کی تعمیل اور کنوؤں کی تیاری وغیرہ زراعت کے متعلقہ کاموں کی دیکھ بھال کے لئے خود دورے پرنکل کھڑا ہوا۔ دارالسلطنت کے اہل کاروں کو تاکید کر گیا کہ شہر کی مخلوق کو کوئی آزار نہ پہنچنے دیا جائے نہ کوئی شخص شہر سے بھاگنے پائے۔ شہر سے باہر جانے کی ممانعت اس لئے تھی کہ کہیں سنام و سامانہ کے لوگ جو شہر میں لا کر آباد کئے گئے تھے موقع پا کر پھر اپنے علاقوں میں جا کر بد امنی نہ پھیلادیں۔ اسی زمانے میں جب کہ سلطان ملک کا دورہ کر رہا تھا مراقش کا مشہور سیاح شیخ ابن بطوطہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے دہلی میں آیا۔ ۳۳۳ء کے درمیانی حصے میں صوبہ میان دو آب کے کاشت کاروں کو کنوئیں کھودنے اور دریاؤں یا تالابوں سے پانی حاصل کرنے کے لئے ستر لاکھ روپیہ پھر تقسیم کر کے سلطان دورے سے واپس ہوا۔ دارالسلطنت کے کاموں کا معائنہ کر کے اور ابن بطوطہ کو شہر دہلی کا قاضی بنا کر پھر روانہ ہو گیا۔ شہر دہلی میں اس لئے زیادہ دن نہ ٹھہرا کہ لشکر سلطانی کے قیام سے جس میں اس کی رکابی فوج شامل تھی غلہ کی کمی واقع نہ ہو جائے مگر قوط و گرائی دم بدم بڑھتی ہی گئی۔ باوجود ان تمام کوششوں کے نہایت یہاں تک پہنچ گئی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگا۔ چونکہ مخلوق خدا پہلے ہی تین چار سال تک قوط کے شدائد برداشت کر چکی اور اچھی طرح اطمینان کا سانس نہ لینے پائی تھی کہ پھر مبتلائے قوط ہو گئی لہذا یہ دو سرا حملہ بڑا خطرناک اور ناقابل برداشت ثابت ہوا سلطان بھی اس بات کو سمجھ گیا کہ اب آب پاشی اور کنوؤں کی کھدائی کی تجویزوں پر عمل درآمد

نہیں ہو سکتا اور ناقہ زودہ لوگوں سے احکام کی تعمیل کرانا دشوار ہے۔ لہذا وہ اپنی تمام فوج اور دہلی کی آبادی کا اکثر حصہ ہمراہ لے کر تنوٹ کے قریب گنگا کے کنارے جا پڑا۔ دہلی کے ذخائر غلہ دہلی کی بقیہ آبادی کے لئے چھوڑ دیئے اور وہاں کے اہل کاروں کو مناسب مہیا کر دیں کہ غریب کو تکلیف نہ ہونے پائے۔

محمد تغلق سرگوداری میں | عارضی شہر آباد کر کے اس کا نام سرگوداری رباب الجینہ رکھا اور اودھ کے صوبہ دار عین الملک کو جو ایک روشن خیال اور عالم فاضل شخص تھا حکم دیا کہ غلہ یہاں بھجوا یا جائے سرگوداری کے قیام میں مصلحت یہ تھی کہ غلہ بجائے دہلی کے یہاں بآسانی بیکھنا آسکتا اور ہلکے پھینچ سکتا تھا۔ سلطان کے سرگوداری میں مقیم ہو جانے کے بعد دہلی کے اہل کاروں نے غریب و محتاجین کو قتلہ قسیم کرنے میں خیانتوں سے کام لیا اور سلطان کے پاس اس کی شکایتیں پہنچیں، خاتن ہرگز قابل رعایت نہیں ہوتا، لیکن جو شخص محتاجوں اور غریبوں کا پیٹ کاٹ کر اپنا پیٹ بھرنا چاہے اور ایسے شدید قحط کے زمانہ میں جہی اس کو ناقہ زودہ لوگوں پر رحم نہ آئے اس سے زیادہ سنگ دل کون ہو سکتا ہے سلطان محمد تغلق جس کا دل محتاج لوگوں کو کھانا نہ ملنے کے تصور سے گداز ہو رہا تھا ان تسی القلب خاتنوں کو عبرت ناک سزائیں دیتے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتا تھا چنانچہ اس کے حکم سے اس قسم کے لوگوں کو عبرت ناک سزائیں دی گئیں اور ان سزاؤں کا تماشا ابن بطوطہ نے بھی دیکھا اور انھیں سزاؤں کو ضیاء برتنی نے بھی سلطان محمد تغلق کے ظالم و سفاک ہونے کی دلیل ٹھہرایا۔۔۔

حالانکہ سے

خونے نہ کردہ ایم دکے را نہ کشتہ ایم

جرم ہیں کہ عاشق بدوئے تو گشتہ ایم

اسی زمانے میں کٹرہ کے صوبہ دار نظام مائین نے سلطان کو قحط کی مصیبتوں میں مبتلا دیکھ کر علم بغاوت بلند کیا لیکن عین الملک اور اس کے بھائیوں نے بلا توقف حملہ کر کے اس کا کام تمام کیا۔ اور بہت جلد یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ سلطان نے دہلی کی بد انتظامی اور مخلوق خدا کی پریشانی کا اندازہ کر کے سرگوداری سے حکم بھیج دیا کہ لوگوں کو اذن عام ہے جس کا جی

کے راحت و آرام اور بڑے بڑے انعام و اکرام کے وعدوں پر دولت آباد نہیں گئے تھے اس کفران نعمت کی سزائیں ان کو اب پیٹ بھرنے کے لئے خود دہلی کو چھوڑنا پڑا اور انھوں نے دہلی کے چھوڑ دینے کی اجازت کو اپنے لئے بڑا بھاری انعام تصور کیا۔ فاعتب رویا اولی الالبصار۔

اس حکم کے سنتے ہی عام لوگوں کے ساتھ مہمت سے خائن اہل کار بھی جن کو ابھی سزا نہیں دی گئی تھی اپنی جان بچانے کے لئے دہلی سے بہار و اودھ کی طرف چلے گئے۔ حالانکہ اہل کاروں کے لئے ضروری تھا کہ وہ ہر حالت میں سلطان سے خصوصی اجازت حاصل کئے بغیر دہلی کو نہ چھوڑتے۔ اس طرح دہلی سے فرار ہو کر انھوں نے اپنے خائن اور خطا کار ہونے کا خود ایک زبردست ثبوت بنم پہنچا دیا ان شاہی مجرموں کی عین الملک کے بھائیوں نے خوب خاطر مدارات کی اور ان کو اودھ میں جاگیریں عطا کیں۔

دکن کی چھوٹی چھوٹی بناوٹیں | اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ملک نصرت خاں نو مسلم کو بید کا علاقہ سنہ ۳۳۵ء میں سپرد ہوا تھا۔

اس علاقے کا خراج تین سال کے لئے بالمقطع ایک کروڑ مقرر کیا گیا تھا۔ تین سال ختم ہو چکے تھے اور اس نے خراج سلطانی کے ادا کرنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا اب جب کہ اس سے مطالبہ کیا گیا تو اس نے بھی نظام مائیں حاکم کٹرہ کی طرح علم بغاوت بلند کیا۔ قتلغ خاں حاکم دولت آباد نے بید پر حملہ کیا اور ملک نصرت خاں کو گرفتار کر کے پاٹشہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ فتنہ بھی جلد فرو ہو گیا۔ ضیاء برنی ملک نصرت خاں کے صفات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ:-

”مروے بقال پیشہ وترسندہ وعاجز بود“

کچھ عرصہ کے بعد سنہ ۳۵۵ء میں علی شیر یا علی شاہ نامی ایک شخص نے جو ظفر خاں علاقے کا بھائی تھا اور قتلغ خاں گورنر دولت آباد کا ماتحت سردار تھا علم بغاوت بلند کیا۔ اس کے باغی ہونے کی کیفیت اس طرح ہے کہ قتلغ خاں نے اس کو سرکاری مال گزاری وصول کرنے کے لئے کلہرگہ کی جانب روانہ کیا، اس نے کلہرگہ کے عامل کو قتل کر کے خود کلہرگہ پر قبضہ کیا اس علاقے میں علی شیر کے بھائی بند بہمدہ امیران صدہ ما مور تھے اُن سب کو متفق کر کے فوراً بید پر حملہ آور ہوا اور بید کے حاکم کو جو نصرت خاں کے بعد ابھی ما مور ہوا تھا شکست

دے کر قتل کیا اور قلعہ بید کو تصرف میں لاکر اپنی خود مختاری کا علم بلند کیا۔ قتلخ خاں نے بیدر پہ پھر حملہ کیا۔ علی شیر نے خوب ٹوٹ کر شیروں کی طرح مقابلہ کیا اور کئی لڑائیوں میں کامیاب رہنے کے بعد بالآخر جان کی امان لے کر فرود ہی اپنے آپ کو قتلخ خاں کے حوالے کیا قتلخ خاں نے علی شیر اور اس کے بھائیوں کو سلطان کے پاس سرگوداری میں بھیج دیا۔ سلطان نے اُن کو غزنی کی جانب بلا وطن کروا لیا لیکن یہ لوگ غزنی سے جب بلا اجازت ہندوستان میں واپس آئے تو نافرمانی کے سہم میں گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔ علی شیر کی گرفتاری و جلا وطنی کے بعد سلطان کو قحط کی مشکلات میں مبتلا دیکھ کر خود قتلخ حاکم دولت آباد کی نیت بدلی اور سلطان کے پاس دکن سے شکایتیں آنی شروع ہوئیں کہ قتلخ خاں نے نہایت سخت گیر عامل و محصل پرگنات میں مقرر کر رکھے ہیں لیکن روپیہ جو وصول ہوتا ہے شاہی خزانے میں داخل نہیں کیا جاتا اور سلطان کے پاس روپیہ کے وصول نہ ہونے کی معذرتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ سلطان کو روپیہ پانی کی طرح بہانا پڑ رہا تھا۔ شاہی خزانے میں روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ قتلخ خاں کی اس خیانت اور بے راہ روی کا علم ہو کر سلطان کو سخت ملال ہوا چونکہ اسناد ہونے کی وجہ سے سلطان کو قتلخ خاں کی رعایت بہت منظور تھی اس لئے اس نے قتلخ خاں کو زیہ مواخذہ لانا مناسب نہ سمجھ کر صرف اس قدر ضروری سمجھا کہ اسے دولت آباد سے الگ کیا جائے۔ چنانچہ اُس نے قتلخ خاں کو عین الملک کی جگہ اور عین الملک کو قتلخ خاں کی جگہ تبدیل کر کے مسمم ارادہ کر لیا۔ عین الملک کی کارگزاری کو جو اس نے قحط کے ایام میں انجام دی تھی سلطان دیکھ چکا تھا اور اس سے بہت خوش تھا۔ دولت آباد کا واپس لائے چونکہ سب سے زیادہ معتبر اور معزز سمجھا جاتا تھا اس لئے سلطان نے عین الملک کا مرتبہ بڑھا دیا۔

عین الملک اور اس کے بھائیوں کی بناوت | سرگوداری میں سلطان کو دو سال گزر گئے اور

۱۶۷۷ء کے رمضان و شوال میں برسات اور بارش شروع ہوئی آئندہ قحط کے دور ہونے کی اُمید ہندھی سلطان نے عین الملک سے کہا کہ تمہارے علاقے میں دہلی سے بعض خاتن اور مجرم اہل کار بھاگ کر آتے ہوئے ہیں اور تم نے یا تمہارے بھائیوں نے اُن کو جاگیریں دے کر اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ تم اُن کو جس

طرح ممکن ہو دہلی کی طرف روانہ کر دو۔ عین الملک اور اس کے بھائی اس تصور سے اپنے دل میں خوف زدہ ہوئے کہ سلطان کے علم میں ہم خانہوار رشتہ اپنی محرموں کے پناہ دہندہ ہیں عین الملک نے تعمیل حکم پر لبس و چشم آلودگی نظر نہ کی اور سلطان مطمئن ہو گیا انھیں ایام میں چند روز کے بعد سلطان نے عین الملک سے کہہ دیا کہ وہ کسی میزبان سے سلطان کی خدمت میں آیا ہوا تھا آپ نے اس ارادے کا اظہار کیا کہ میں تم کو دہلی سے آباؤ اجداد کی نیابت پر تبدیل کر دے والا ہوں اس ارادے کا اظہار سلطان نے نیز اس خیال سے کیا کہ عین الملک اپنے مرتبہ کی ترقی کا حال اس قدر خوش ہو گا کہ عین الملک اور اس کے بھائی چونکہ اپنے آپ کو محرم محسوس کرتے ہوئے تھے انھوں نے اس ارادے سے مطلع نہ کیا کہ سلطان ہم کو اس ملک سے جدا کر دے اور دہلی کے رہا کر دینا چاہتا ہے یہ حال جب ان مجرم اہل کاروں کو دہلی سے جمانے لگا اور عین الملک کے بھائیوں کی مصاحبت میں تھے معلوم ہوا تو انھوں نے اور بھی زیادہ ان کو بہکانا نتیجہ یہ ہوا کہ عین الملک اور اس کے بھائیوں نے اور وہیں علم بغاوت بلند کیا۔ سلطان نے یہ غیر منترتبہ بغاوت دیکھ کر بایںوں پر حملہ کیا۔ باغیوں کے قریب لڑائی ہوئی۔ عین الملک کے بھائی لڑائی میں کام آئے۔ عین الملک گرفتار ہو کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے عین الملک کے علم و فضل کا لحاظ کر کے فوراً اس کو رہا کیا اور خلعت عطا کر کے اپنے دربار میں تخت کی برابر نہا پئے پر جو سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا بٹھایا اور کہا کہ مجرموں نے تمہارا اور فریب خوردہ بنایا ہے ورنہ اس کی طینت میں فساد و بغاوت مطلق نہیں اس طرح عین الملک کی خطا بغیر اس کے کہ وہ معذرت کرنے سلطان نے معاف کر دی عین الملک کے علم و فضل اور اس کی عزت افزائی کا مفصل حال شمس سراج عقیف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ ضیا۔ برقی چونکہ عین الملک سے بھی اس کی روشنی خیالی کے سبب خوش نہیں ہے لہذا اس نے بہت ہی محل الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس کے بعد سلطان ان مجرم اہل کاروں کے تعاقب میں مہراجہ تک گیا اور مجرموں کی سراغ رسانی و گرفتاری کے لئے خواجہ جہان احمد ایاد کو چھوڑ کر خود براہ راست دو منزلہ یلغار کرتا ہوا دہلی کی جانب روانہ ہوا اور ۳۶۷ھ کے آخری ایام میں دہلی پہنچ گیا۔

سپہ سالار ملتان کا قتل اور مخدومہ جہان کی وفات

سلطان کو دہلی جلد پہنچنے کا خیال اس لئے تھا کہ اس نے اپنی والدہ مخدومہ جہان کی بیماری کا حال سن لیا تھا۔ یہاں آکر مخدومہ جہان کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور کاشت کاروں کو زرتقادی تقسیم کرنا شروع کیا۔ بین الملک اور اس کے بھائیوں کی بغاوت کا ایک یہ نتیجہ نکلا کہ قتل خانہ کے دولت آباد سے تمبریل کرنے کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ کیونکہ اب بین الملک کا جس کے بھائی لڑائی میں مارے جا چکے تھے۔ اور جس کی وفاداری پر پہلا سا اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دولت آباد اس کی خواہش کے خلاف بھیجنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ چند روز کے بعد ملک احمد ایاز بھی محمدیوں کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا اور ان کی خیانتوں اور شرارتوں کے ثبوت ہم پہنچنے کے بعد انھیں سزائیں دی گئیں۔ اسی حالت میں خوجہی کے شاہو افغان نے بہزاد خاں کو قتل کر کے خود ملتان پر قبضہ کر لیا اور قوام الملک کو مسلم سوہ دار کو ملتان سے بھگا دیا۔ یہ خبر سن کر سلطان ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی ملتان کئی منزل رہ گیا تھا کہ شاہو افغان کی وفات سلطان کی خدمت میں پہنچی کہ میں آپ کا وفادار ہوں باغی نہیں ہوں۔ میں نے بہزاد خاں کو ضرور قتل کیا ہے۔ لیکن میرا ارادہ ملتان پر قابض رہنے کا نہیں میں اپنے انخلافوں کی جمعیت کے ساتھ اپنے وطن کو جا رہا ہوں آپ جس کو چاہیں ملتان کا عامل بنا کر بھیج دیں اس تحریر کو پڑھ کر سلطان راستے ہی سے لوٹ آیا رشاہو افغان اپنے انخلافوں کو لے کر افغانستان چلا گیا جب کہ سلطان ملتان کی طرف جا رہا تھا دہلی میں اس کی والدہ مخدومہ جہان کا انتقال ہوا۔

”سلطان محمد درتزیب و رعیت و دادن سوندھا رہ مشغول بود کہ از ملتان

خبر رسید کہ شاہو افغان بلخاک کر دوہزاو نائب ملتان را بکشت (ضیاء برنی)

فرشتہ کے الفاظ میں کہ :-

”پادشاہ از دہلی سامان لشکر نمودہ بجانب ملتان نہضت فرمود و یک

منزل پیش بر فتنہ بود کہ والدہ او مخدومہ جہان کہ نظام و التیام تمام خاندان تغلق

شاہیہ با و وابستہ بود در دہلی بر رحمت حق پیوست سلطان متالم و مخزون شدہ

بفرمود تا در شہر دہلی، بروح او طعام و صدقات و اوندہ خود روانہ شد

چوں نیز و یک ملتان رسید شاہوے افغان و ریشہ مشکل ہرندامت و
بازگشت فرستاد و خود ملتان را گذشتہ بافتانستان رفت :

ترقی زراعت کے انتظامات | پھر تکہ بارش کے ہونے سے قحط کی بلا مخلوق
خدا کے سر سے ٹل گئی تھی لہذا سلطان محمد غلی

نے ۳۳۰ سال حکمرانی زراعت کے استحکام اور ترقی زراعت کے کاموں میں گزارے
اس نے صوبہ میان دواب کے تمام قابل زراعت رقبہ کو سو سو سی مربعوں میں تقسیم کیا
ایک مربع کو ایک ضلع سمجھنا چاہیے۔ ہر مربع کی لمبائی چوڑائی تیس تیس کوش یعنی۔ اس تیس
کو س مربع رقبہ کے لئے ایک افسر نہایت وسیع اختیارات کے ساتھ مامور کیا گیا اس
طرح سو افسر مامور ہوئے ان کو حکم دیا گیا تھا کہ پنج زمینوں کو مزرعہ اور جو مزرعہ ہیں
ان میں ادنیٰ جنس کی جگہ اعلیٰ جنس کی کاشت کرائیں۔

”سی کردہ درسی کردہ دائرہ گرد از قیاس گر نقد بشرط آنکہ یک بالشت زمین
در مسافت چندیں کردہ بے زراعت نہ ماند ہر چہ زراعت شود آثر تبدیل
کنند چنانچہ حنہ بجائے جو کارند و بجائے خطہ نیشکر کارند و بجائے نیشکر انگور
رطب نہال کنند و قریب صد شقدار در زمین منصورہ نصب شد (ضیاء برنی)

کس قدر حیرت اور عسرت کا مقام ہے کہ ہندوستان کے جس سلطان نے اپنے عہد
حکومت کا ایک بڑا حصہ زراعت کی ترقی اور ملک کو سرسبز بنانے کی کوششوں میں صرف
کیا اور قحطِ عظیم میں مخلوقِ خدا کی جانیں بچانے کے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوا آج جبکہ
علمی انجمنوں اور کالجوں میں ہندوستان کی زرعی تاسیخ پر لکچر ہوتے ہیں تو علامہ الدین خلجی
شیر شاہ اعظم اور اکبر کا ذکر تو آجاتا ہے لیکن محمد تغلق کا نام کوئی نہیں لیتا جس کی اصلاحات
اور مفید ایجادات کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے اور جس کے احسانات ہندوستان کی تمام
مخلوق پر ثابت ہیں۔

نام نہاد یورپین چین یا تخیر ہمالہ | ادھر ذکر آچکا ہے کہ منگولیا و چین میں جو چنگیزی
خاندان حکمران تھا اس کو دولت اسلام نصیب

نہیں ہوئی۔ اس خاندان کو چغتائی خاندان سے جو ماوراء النہر و افغانستان پر حکمران تھا
نفرت تھی جس کا تفصیلی تذکرہ مغلوں کی تاسیخ میں موجود ہے۔ یہ چغتائی خاندان ۳۳۰ سال سے

جب کہ سلطان ترمشیز خاں چغتائی خود ہندوستان آیا تھا محمد تغلق کی وفات تک محمد تغلق کا وفادار و خیر خواہ اور حلیف رہا۔ لہذا چین کے چنگیزی مغلوں کو محمد تغلق سے نفرت ہونا لازمی بات تھی۔ ۱۲۹۷ء میں اس چینی چنگیزی خاندان کا پادشاہ قوتموخر خاں تبت کے لامہ گرو کا مرید ہو گیا تھا اس وقت سے چین کے چنگیزی فرماں رواؤں کی نگاہ میں تبت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی مغلوں اور تبتیوں نے کوہ ہمالہ کی بعض پہاڑی ریاستوں یا بعض پہاڑی قبائل کو جو آزادی اور خود مختاری کی حالت میں تھے اپنی جانب مائل کر لیا اور کوئی جدید شوالہ بھی بنانا چاہا جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہو سکتی تھی۔ محمد تغلق ان تمام باتوں سے واقف ہونے پر خاموش اور بے فکر نہیں رہ سکتا تھا اس نے کوہ ہمالہ میں اپنے مخالف چنگیزیوں کے رسوم اور پیش قدمی کو ہندوستان پر حملہ آوری کا پیش خیمہ محسوس کیا اور مع۔

”سچو شہ شاہ پر گزشتن بیل“

پر عمل کر کے اس پہاڑی علاقے پر قبضہ کر کے حملہ آوری کے امکان کو مٹانا چاہا۔ چنانچہ ۱۳۰۷ء میں اسی ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر کوہ ہمالہ کے اس حصے پر قبضہ کر کے لے، خسرو ملک کی سرداری میں روانہ ہوا۔ کوہ ہمالہ کے کسی حصے پر قبضہ کرنے کے لئے اس سپاہیوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن محمد تغلق جو چین سے بڑی بڑی لڑائیوں کا تماشا دیکھتا رہا تھا اور ایک اعلیٰ درجہ کا تجربہ کار سپہ سالار آل اندیش ملک دار تھا وہ کوہ ہمالہ پر قبضہ کرنے کی مشکلات کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا اس نے خسرو ملک کو حکم دیا کہ پہاڑ میں داخل ہوتے ہی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوجی چوکیاں قائم کرتے چلے جاؤ تاکہ کسی مصیبت کے پیش آنے پر تم کو واپس ہونے یا فوراً مدد منگانے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔۔۔ اس طرح فوج کا ایک بڑا حصہ راستے کی حفاظت کے لئے فوجی چوکیوں میں تقسیم ہو گیا۔ باقی فوج نے کوہ ہمالہ کی اس ریاست یا ان قبائل کو مطیع و منقاد بنا کر وہاں اسلامی حکومت قائم کر دی، خسرو ملک جس ہم پر مامور ہوا تھا وہ پوری ہو چکی تھی لیکن اُس نے اولوالعزمی اور ناعاقبت اندیشی کی راہ سے کوہ ہمالہ کو طے کر کے تبت کے میدان تک جانا چاہا اور فوج کو ہمالیہ سے گزار کر دوسری طرف کے شمالی دامن کوہ میں لے گیا۔ وہاں سیلاب اور بارش کی مصیبتوں کے علاوہ لشکر میں بیماری بھی پھیل گئی۔ اگرچہ مغلوں یا تبتیوں کی کسی فوج سے مقابلہ نہیں ہوا لیکن سیلاب اور وبا کے تدرتی حملوں سے مجبور ہو کر بڑی سرسبکی کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ فوج

کے بعض سردار جو کہ ہمال سے گذر کر تبت کے میداؤں تک جانے کے مخالف تھے اپنے سسپ سالار کی نالائقی اور بے تدبیری کی علانیہ شکایتیں زبان پر لاتے جس سے سپاہیوں میں بھگناہ اور نافرمانی کی علامات نمایاں ہوئیں اور فوج کا نظام و انضام درہم برہم ہو گیا۔ کچھ سیلاب کی نذر ہوئے، کچھ بیماری میں مرے۔ جو باقی رہے اُن میں پھوٹ پڑ گئی یہ حالت دیکھ کر پہاڑیوں نے پہلو بدلا اور سامانِ رسد پر چسپا پی مارنے شروع کیلئے پہاڑی راستوں اور گھاٹیوں کی دشوار گذاری، پہاڑی علاقے کے حالات سے بے خبری، ان تمام چیزوں نے مل کر لوگوں میں بدحواسی پیدا کر دی۔ راستے کی پوکیاں جن پر بے خطر واپسی کا انحصار تھا ٹوٹ گئیں۔ پہاڑی ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور ہاجا پہاڑ کی تنگ گذرگا ہوں میں چوڑی پر سے لڑکائے ہوئے پتھروں نے وہ کام کیا جو آج کل میداؤں میں توپ کے گولوں سے بھی ممکن نہیں۔ غرض تمام لشکر و پہاڑ میں بکھر گیا اور اس کا اکثر حصہ پہاڑ ہی میں ختم ہوا بہت تھوڑے آدمی مع ضرورت ملک بچ کر واپس آ سکے۔ اس طرح اتنے بڑے لشکر کا برباد ہونا یقیناً ہندوستان والوں کے غم و غصہ کا موجب ہوا ہوگا اور اس بربادی کے قصے لوگوں کی زبان پر دیر تک جاری رہے ہوں گے۔ جن لوگوں کو سلطان سے نفرت یا شکایت تھی انھوں نے اس بربادی کا ذمہ دار سلطان ہی کو بنایا حالانکہ سلطان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ جن لوگوں کی بے تدبیری اور نالائقی سے یہ نقصان ہوا تھا جب وہ واپس آئے تو سلطان نے ان کو سزائیں دیں۔ خسرو ملک اس جرم میں کہ اُس نے کیوں بلا اجازت آگے بڑھ کر ملکیت چین میں قدم رکھا۔ زیر عتاب آیا۔ ضیاء برت نے اس سزا دہی کو بھی سلطان کے مظالم کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ سلطان نے اُس کے بعد ہی فوراً دوسری فوج بھیج کر اُس پہاڑی علاقے پر جس کا قبضہ میں لانا ضروری تھا قبضہ کر لیا اور وہ آئندہ سلطانی قبضے میں رہا چین کی مغلیہ سلطنت کو کئی سال کے بعد مجبوراً سلطان کے پاس قاصد بھیج کر اُسے رضامند کرنا پڑا اور شوالہ بنائے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے سلطنت چین کی طرف سے مودانہ التجا سلطان محمد تغلق کی خدمت میں پیش ہوئی جس کا ذکر ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں مفصل کیا ہے۔

اس مذکورہ کو یہی ہم کی نسبت آج کل کی متداول تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ سلطان محمد تغلق نے چین کی فتح کے لئے فوج بھیجی تھی، اور یہ اس کی، سب سے بڑی

حماقت نئی حالانکہ چین کے فتح کرنے کا خیال تک بھی اس بے چارے کو نہ تھا اُس نے تو اپنے سپہ سالار خسرو ملک کو بوا اس کا قریبی رشتہ دار بھی تھا اسی لئے عہدے اور منصب سے معزول کر کے ذلیل اور نظر بند کیا کہ وہ فوج کو چین کی حدود میں کیوں لے گیا۔ خود ضیاء برقی نے اس ہم کو ملک چین کی ہم نہیں لکھا وہ کہتا ہے کہ:

”سلطان محمد را در خاطر گذشت کہ کوہ فر علی کہ در راہ نزدیک میان ممالک

ہندو ممالک چین داخل و حجاب شدہ مضبوط علم اسلام گردد“

یہ بات بالکل مشتبہ ہے کہ ہمالیہ پہاڑ کا وہ کون سا حصہ تھا جس پر سلطان نے قبضہ کرنا ضروری سمجھا کسی نے کوہ فراجل کو کوہ قراجل اور قراچیل اور کراجل وغیرہ پڑھا۔ کسی نے کراجل یا قراجل کو کلو کا پہاڑ ہی علاقہ قرار دیا۔ کوئی اس نوج کو الوڑہ کے راستے پہاڑ میں اور کمالوں کے ضلع کو کوہ قراجل یا فراجل کہتا ہے۔ کوئی ضلع گڑھول اور ریاست ٹیری میں اس ہم کے علامات تلاش کرتا ہے۔ کسی نے کشمیر کا علاقہ اور کسی نے نیپال کا علاقہ منتخب کیا ہے۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوج دریائے جمن کے کنارے کنارے پہاڑ میں داخل ہو کر پہاڑ کے دوسری طرف میدان میں دریائے ستلج کے کنارے پہنچ گئی ہوگی۔ بہر حال سلطان محمد تغلق جس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اُس نے حاصل کر لیا۔ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ یا سپہ سالاری بے تدبیری سے فوج کا ایک بڑا حصہ ضائع ہوا۔ فوج اس طرح اگر ضائع نہ ہوتی تو یہ ہم ایک ایسا معمولی واقعہ تھا کہ شاید تاریخوں میں کوئی اس کا ذکر بھی نہ کرتا۔ طر

عالم ہمدانہ ما دارد و ما ہیچ

۳۹ء میں بنگالہ کے اندر بھل مچی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ملک بنگالہ کا سفر

پہر سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا ناصر الدین حکومت کرتا تھا اور سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو چتر و دور باش وغیرہ شاہی علامات دے کر لکھنؤ کے تخت پر قائم رکھا تھا۔ دوسرے حصے کا دارالحکومت سنار گام یا سنار گاؤں (رڈھا کہ) تھا۔ یہ حصہ سلطنت دہلی کا صوبہ سمجھا جاتا تھا اور یہاں سلطان دہلی کی طرف سے ایک صوبہ دار حکومت کرتا تھا سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد جب ناصر الدین ابن سلطان بلبن کا لکھنؤ میں انتقال ہوا تو سلطان نے ملک بیدار خلجی کو درخاں کا خطاب دے کر لکھنؤ کی حکومت پر مامور کیا اور

بہرام خاں کو سنارگاؤں کی حکومت عطا کی۔ اس طرح بنگالے کے دو لڑوں صوبوں پر قدردان اور بہرام خاں دو گورنر حکومت کر رہے تھے اور بنگالہ کا انتظام ہر طرح قابل اطمینان تھا۔ ۱۳۱۷ء میں بہرام خاں حاکم سنارگاؤں کا انتقال ہوا اور بہرام خاں کے سپہ سالار ملک فخر الدین نے سنارگاؤں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر خود سری و خود مختاری کی علامات کا اظہار کیا۔ قدر خاں حاکم لکھنوتی نے حملہ کر کے فخر الدین کو شکست دی اور سنارگاؤں سے تمام مال و اسباب اور خزانہ لکھنوتی لے گیا اور سلطان محمد تغلق کی خدمت میں زبرد خراج اور تحفہ و بہایا بھیجے کا بندوبست کیا۔ قدر خاں کی فوج کے بعض سردار قدر خاں سے اس لئے ناراض ہو گئے کہ اس نے ان کو سنارگاؤں کے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ فخر الدین نے پھر جمعیت فراہم کی اور قدر خاں کی فوج کے مذکورہ ناراض سرداروں سے سازش کر کے حملہ آور ہوا۔ قدر خاں لڑائی میں مارا گیا۔ فخر الدین نے لکھنوتی میں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کیا اور سنارگاؤں میں آکر بطور خود مختار فرماں روا حکومت کرنے لگا۔ قدر خاں کی فوج کے ایک سردار علی مبارک نے فخر الدین کے نائب کو جو لکھنوتی کی حکومت پر اس نے مامور کیا تھا قتل کر کے خود لکھنوتی کی حکومت سنبھال لی اور فخر الدین کی طرح خود مختاری کا اعلان کر کے اپنا لقب سلطان علاء الدین مقرر کیا۔ اس طرح ایک یا دو چہینے کی کشمکش کے بعد لکھنوتی میں علی مبارک الملقب بہ علاء الدین اور سنارگاؤں میں فخر الدین دو خود مختار پادشاہ بن گئے۔ ملک الیاس حاجی جو سلطان محمد تغلق کے چچا زاد بھائی فیروز تغلق کے نوکروں میں شامل تھا کسی جرم کے سرزد ہونے پر دہلی سے بھاگ کر اور لکھنوتی پہنچ کر قدر خاں کے نوکروں میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے لکھنوتی کے امیروں کو متفق کر کے علی مبارک الملقب بہ علاء الدین کے خلاف خروج کیا اس کو قتل کر کے لکھنوتی پر قابض ہوا اور سلطان محمد تغلق کو ان تمام حالات سے اطلاع دی سلطان نے ۱۳۱۷ء میں بنگالہ کی جانب کوچ کیا۔ سنارگاؤں پہنچ کر فخر الدین کو گرفتار کیا پھر لکھنوتی پہنچا یہاں فخر الدین کو قتل کیا اور حاجی الیاس کو شمس الدین کا خطاب دے کر تمام ملک بنگالہ کی حکومت اسے سپرد کی اور دہلی واپس آیا۔

بنگالہ کے واقعات کا یہ خلاصہ زیادہ تر منتخب التواریخ اور ریاض السلاطین کی رو سے

ترتیب دے کر درج کیا گیا ہے۔ مورخین نے عام طور پر ان واقعات کو غلط کر کے اس طرح لکھا ہے کہ پڑھنے والے کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور وہ کوئی صحیح تصور اپنے ذہن میں قائم

نہیں کر سکتا۔ میں نے بہت تھوڑے الفاظ میں واقعات کو قریب الفہم بنا کر درج کیا ہے سلطان کو بنگال سے اس لئے جلد آنا پڑا کہ مالوہ میں بعض ہندوؤں کی سرکشی کے ارادے کی خبر پہنچ چکی تھی چنانچہ سلطان نے بنگال سے آکر بمبیسہ اور راسین کے سرکشوں کی سرکوبی کی اور ان دونوں علاقوں کو ساغر کے صوبے میں شامل کر دیا۔ اس طرح تمام فتنے سرود ہو گئے۔

حبید سکے کی حقیقت | قحط و خشک سالی کا زمانہ بھی نہ تھا ملک میں ہر طرح امن و امان اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ بغاوتوں کا بھی بظاہر کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ سلطان محمد تغلق نہ عیش پسند اور کاہل تھا نہ شراب و ساقی سے واقف تھا اس کی ساری عمر گھوڑے کی پشت پر یا علما کی صحبتوں میں گزری تھی۔ وہ زفاہ رعایا اور قیام امن و امان کا بے حد خواہاں اور مفید آئین و نفع رسان اسالیب نافذ کرنے کا شایق تھا۔ اب مطمئن ہو کر جب کہ تمام براعظم ہند پر اس کی حکومت و سلطنت چھائی ہوئی تھی اور سلطنت کا کاروبار عمدگی سے چل رہا تھا اس کا موجد و مخترع دماغ سکے کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوا۔ سکے کا مسئلہ اس لئے قابل توجہ ہو گیا تھا کہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے سے فوج کے ایک بڑے حصے کو جو خاص شاہی فوج سمجھی جاتی تھی شاہی خزانے سے نقد تنخواہ دینے کا رواج چلا آتا تھا اور بجائے جاگیروں کے نقد تنخواہ کا دستور مفید بھی ثابت ہوا تھا۔ کاشت کاروں سے زرنگان نقدی کی شکل میں وصول کرنے کا رواج نہ تھا بلکہ تقاسمہ (بٹائی)، کا قاعدہ عام طور پر جاری تھا اس لئے سلطان علاء الدین خلجی نے جب فوج کو زر نقد کی شکل میں تنخواہ دیئے کا قاعدہ مقرر کیا تو سنا تھا ہی جا بجا اس غلہ کے جو بٹائی میں وصول ہوتا تھا سرکاری ذخائر قائم کر دیئے تھے اور اسی لئے سرکاری طور پر غلہ کا نرخ مقرر کیا جاتا تھا۔ صوبہ میان دواب ہی میں جس کو حضور صوبہ کہنا چاہیے یہ دستور جاری کیا گیا تھا اور اسی صوبہ کی آمدنی پر شاہی فوج کی تنخواہوں کا بار تھا۔ دوسرے صوبوں کا خراج عموماً سلطان کے انعام و بخشش قلعوں کی تعمیر، فوج کشیوں کے مخصوص ہنگامی اخراجات، نہروں، کنوؤں، سرائیوں، سڑکوں، وظائف وغیرہ مصارف خیر اور اسی قسم کے دوسرے کاموں میں خرچ ہوتا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے عہد علانی کے اس انتظام کو مفید پاکر از سر نو ترقی دی تھی محمد تغلق کے بعد اس کے جانشین فیروز تغلق نے اس دستور

کو منسوخ کر کے فوج کو جاگیریں عطا کرنے کا پروانا قاعدہ پھر جاری کر دیا تھا، غلہ کے سرکاری ذخیروں نے گذشتہ قحط عظیم میں بہت کچھ امداد پہنچائی تھی، لہذا سلطان نے زراعت کی ترقی کے لئے خاص طور پر انتظام و اہتمام کیا۔ گذشتہ ہفت سالہ قحط میں شاہی خزانے کو زیر قحطی و غربت کی دستگیری چاہ کاوی وغیرہ کاموں میں وہ بے دریغ لگاتا اور روپیہ کو پانی کی طرح بہاتا رہا تھا۔ اس طرح چاندی کے سکوں کی بڑی مقدار شاہی خزانے سے نکل کر رعایا کے قبضے میں پہنچ چکی تھی۔ محمد تغلق فوج کو موقوف نہیں کر سکتا تھا۔ فوج کو زر نقد کی شکل میں تنخواہ کا دینا بھی ضروری تھا۔ تو قیود و کمثر زراعت کے لئے اس نے جو انتظام کئے تھے وہ صرف زر کے محتاج تھے ان کو بھی وہ ملتی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس دشواری کو رفع کرنے کے لئے اس نے دوسرے صوبوں کے مقررہ خراج کو بھی بڑھانا نہیں چاہا اگر ایسا کرتا تو بغاوتوں اور سرکشیوں کے پھوٹ پڑنے کا قوی احتمال تھا۔ وہ رعایا پر کوئی جدید ٹیکس قائم کر سکتا تھا لیکن اس نے یہ بھی گوارا نہ کیا۔ وہ نقد تنخواہیں دینے کے عوض پُرانے زمانے کے دستور کے موافق جاگیریں سپاہیوں کے نام کر سکتا تھا مگر سپاہیوں کا معاملہ کاشت کاروں سے وابستہ ہو جانے کی حالت میں ترقی زراعت کا وہ اہتمام جو اس نے کیا تھا سب درہم برہم ہو جاتا، لہذا یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ جس سلطان نے سات سال تک قحط کا مقابلہ کیا ہو اور اب اس کی تمام تر توجہ کسی ایسے ہی آئندہ قحط کے قبل از وقت انسداد اور روک تھام کی تدبیروں میں مصروف ہو اور اس کا دل مخلوق خدا کی ہمدردی کے جوش میں پگھلا جاتا ہو اس کے سامنے جب روپیہ کی کمی کا مسئلہ پیش ہو تو اس نے رعایا اور زراعت پر پیشہ لوگوں پر بار ڈالنا مناسب نہ سمجھ کر اپنی فوج اور سپاہیوں کو ایک نئے آئین کی تکلیف دی۔ سلطان علاء الدین غلی نے سپاہیوں کی نقد تنخواہیں مقرر کر کے نہ صرف غلہ بلکہ ترکاری لباس، سواری اور تمام ضروریات زندگی کے سرکاری نرخ مقرر کر دیئے تھے اور فوج کے سپاہیوں کو تنخواہ کی کمی کا کوئی شکوہ نہ رہا تھا، سلطان محمد تغلق نے ہزار ہا اشیاء کے سرکاری نرخ مقرر کرنے کا قاعدہ پہلے ہی منسوخ قرار دے دیا تھا۔ اب ایک اہم ضرورت پیش آنے پر اس نے سب سے زیادہ قربین انصاف راستہ اختیار کیا اور وہ یہ تھا کہ تاجرانے کے سکے کی اعتباری قیمت قائم کی۔ محمد تغلق کی ذہانت اور نگہ رسی اس بات کے سمجھنے سے عاجز نہ تھی کہ لین دین اور بیع و شرا کی آسانی کے لئے انسان نے چاندی سونے کی اعتباری قیمتیں

منعین کر لی ہیں فی نفسہ یہ دھاتیں انسانی زندگی قائم رکھنے کی ذمہ دار نہیں۔ جب انسانی تمدن اور معاشرت میں ترقی ہوئی اور بڑے بڑے ملکوں میں بادشاہتیں اور شہنشاہیاں قائم ہو گئیں تو مبادلہ اور بیچ وشترا میں زیادہ سہولت پیدا کرنے کے لئے بادشاہوں نے چاندی سونے کے ہم وزن ٹکڑوں کو مسکوک کر کے درہم و دینار یعنی روپیہ اور اشرفی کی قیمتیں متعین کر دیں اس سے یہ فائدہ ہوا کہ چاندی اور سونے کی قیمتیں اگر کسی خاص سبب سے چند روز کے لئے کم یا زیادہ بھی ہو جائیں تو محض مسکوک ہونے کی وجہ سے روپیہ یا اشرفی کی قیمت کم و زیادہ نہیں ہو سکتی اور لوگوں کے کاروبار میں کوئی دقت پیش نہیں آ سکتی۔ کیونکہ سلطنت کا سکہ بجائے خود ایک مستقل قیمت رکھتا ہے اور چاندی یا سونے کا ٹکڑا جس پر وہ سکہ مسکوک ہے اپنی ذاتی قیمت کے اثر سے ایک حد تک سبک دوش اور جدا ہوتا ہے۔ پس جب کہ سلطنت کے محض سکہ کی بھی بجائے خود ایک مستقل قیمت اس زمانے کے تمام متمدن ممالک میں تسلیم کی جاتی تھی۔ ایران میں کاغذ کا سکہ بھی چند روز کے لئے رائج رہ چکا تھا۔ چین میں بھی اسی قسم کا سکہ جاری کیا جا چکا تھا۔ یونان میں ہزاروں سال پیشتر لائی کرگس مشہور مقنن پادشاہ لوہے کا سکہ رائج کر چکا تھا تو محمد تعلق کا تاجے کے سکے کو چاندی کے سکے کی اعتباری قیمت عطا کرنا اور فوج کو بجائے چاندی کے تاجے کے سکے تنخواہوں میں دینا ایک بہترین تدبیر تھی جو اُس نے اختیار کی۔ اس کی یہ تدبیر سلطان علاء الدین خلجی کی اس تدبیر سے کہ اس نے تمام اشیاء کے سرکاری نرخ مقرر کر دیئے تھے زیادہ عجیب نہ تھی بلکہ اسی کی ایک اصلاح شدہ حالت تھی۔ اس سکہ کا رواج صرف صوبہ میان دواب کی حدود تک محدود رکھا گیا تھا کیونکہ شاہی فوج سب اسی صوبہ کی رہنے والی اور اپنی تنخواہ کے روپیہ کو اسی صوبہ کے حدود میں صرف کر سکتی تھی۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہ انتظام مدامی اور دوامی نہیں ہے اور تاجے کے سکے کو شاہی خزانے سے چاندی کے سکے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہ تدبیر زیر عمل آئی اور تاجے کے سکے چاندی کے سکوں کی مانند استعمال ہونے لگے اور فوج نے تاجے کے روپیے کو تنخواہ میں لینا بخوشی منظور کر لیا کیونکہ اُس میں اُن کا کوئی ہرج نہ تھا۔ پروفیسر گارڈنر برلن کہتے ہیں کہ اس زمانے میں عام طور پر ساری دنیا میں چاندی کی کمی محسوس کی جا رہی تھی اور چاندی کے قائم مقام کی لوگوں کو تلاش تھی۔ بہر حال جو صورت بھی ہو صوبہ میان دواب

میں اس جدید سکے نے رواج پایا۔ چاندی کے سکے کو سلطان نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ دور دراز کے صوبوں کو بھی اس جدید سکے کے رواج پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔

آج کل جس طرح چاندی اور نکل دونوں دھاتوں کی الگ الگ اٹھنیاں چومیاں اور دو نیاں مساوی قیمت پر رائج ہیں اسی طرح چاندی اور تانبے کے روپے اس زمانے میں مساوی قیمت پر رائج تھے۔ سلطان کا منشا اس مذہب سے فوجی مصارف کے مسئلہ کو آسانی حل کر دینا اور ترقی زراعت کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولت بہم پہنچانا تھا چونکہ سلطان نے اس تانبے کے سکے کو اسی مفروضہ قیمت پر خود بھی قبول کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ لہذا اس کو اس قسم کا قرضہ بھی کہہ سکتے ہیں جو آج کل کے متحدہ ممالک میں سلطنتوں کو رعایا سے اکثر لینا پڑتا ہے اور اس کے لئے کانغذ کے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں۔ تعجب ہے کہ جس ایجاد سے آج ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اسی کو موجب کی نالائق قرار دیا جا رہا ہے۔ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ محمد تعلق نے یہ جدید سکہ اس زمانہ میں ایجاد اور جاری کیا تھا۔ جب کہ ملک میں ہر طرح امن و امان قائم اور سلطنت کی عظمت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں چھائی ہوئی تھی۔ اگر یہ کام وہ ایسی حالت میں کرتا کہ ملک میں ہر طرف بغاوتیں برپا ہوتیں اور سلطنت کا اعتبار و اعتماد متزلزل ہوتا تو اس ایجاد کو حماقت کہا جاسکتا تھا۔

جدید سکہ کیوں منسوخ کیا گیا؟ | چونکہ سرکاری ٹکسالوں کے اہل کار عام طور پر ہندو اور سکوتوں کے مسکوک کرتے والے سنار بھی سب

ہندو ہی تھے اور نہ صرف سلطان محمد تعلق بلکہ سلطان فیروز تعلق کے زمانے میں بھی شمس سراج غنیف کے بیان کے موافق ٹکسالوں کا محکمہ تمام و کمال ہندوؤں اور ہندو سناروں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ لہذا ہندی پست فطرتی کا اظہار اس طرح ہوا کہ بعض ہندوؤں نے سناروں سے مل کر سرکاری ٹکسالوں میں بطور خود سکے مضروب کرائے شروع کر دیئے اول اول سرکاری ٹکسالوں کے ہندو اہل کاروں نے مذکورہ طریق پر خیانت کی پھر سناروں نے اپنے گھروں میں بھی تانبے کے روپے ڈھالنے شروع کر دیئے اور سرکاری سکے کی حفاظت معرض خطر میں پڑ گئی۔ سلطان کو جب ہندوؤں کی اس شرارت کا حال معلوم ہوا تو اس نے یہ نہیں کیا کہ تانبے کے اس جدید سکے کو منسوخ قرار دے کر خاموش ہو جاتا یا ہندوؤں کے قتل و گرفتاری کا حکم دیتا۔ بلکہ اس نے انتہائی شرافت، انتہائی بردباری اور انتہائی ایمان داری کا ثبوت پیش کیا۔ اُس

نے اعلان کر دیا کہ جدید سکہ منسوخ قرار دیا جاتا ہے مقررہ میعاد کے اندر کے تاجرانے کے تمام جدید سکے شاہی خزانے میں داخل کر کے ان کے عوض چاندی کے سکے خزانے سے لے لئے۔ اس طرح شاہی خزانے کو نقصان برداشت کرنا پڑا گو یا سلطان نے اس قرضہ کا بڑے سے بڑا سود بخندہ پیشانی ادا کر دیا مگر اپنی ساکھ اور اپنے شاہانہ مرتبے کو قائم رکھا۔ یہ واقعہ صرف چند روزہ تھا۔ غالباً اس جدید سکے کے جاری ہونے سے منسوخ ہونے تک پورے ایک سال کی مدت بھی نہیں گزری اور تھپاس چاہتا ہے کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس تجربے میں ناکامی کا احساس سلطان کو ہو گیا اور اس نے جلد از جلد اپنی تجویز کو واپس لے کر معاملہ صاف کر دیا۔ ضیا برہنی نے سلطان کی مفروضہ غلط کاریوں میں ایک کا اضافہ کر کے خوب آب و تاب کے ساتھ بیان کیا اور بعد کے مورخین نے اس کو بلا غور و تاویل اور بھی چمکا دیا۔ خود ضیا برہنی کی تاریخ میں کسی دوسرے واقعہ کے ذیل میں اس کا کوئی ذکر سا حجت کا پہلو نکلتا ہو عام سیاحوں کی طرح ضرور بیان کرتا ہے لیکن وہ اپنے سفر نامے میں اس تاجرانے کے سکے کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا جو دلیل اس بات کی ہے کہ خود محمد تغلق کے زمانے میں بھی یہ کوئی عجیب اور زیادہ قابل تذکرہ بات نہیں سمجھی گئی تھی۔ اور یہ ایسی معمولی بات تھی کہ کسی نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی سرکاری خزانے کا نقصان جو سکوت کے واپس لینے میں ہوا وہ بھی بہت زیادہ اور غیر معمولی نہ ہو گا۔ ہندوؤں نے جو سکے اپنے گھروں میں ڈھائے یا سرکاری دارالضرب میں چوری سے مضروب کرائے ہوں گے وہ زیادہ نہ ہوں گے اور ایسے واقعات تھوڑے ہی ہوں گے کہ خبر لگنے پر فوراً ہی منسوخی اور سکوں کی واپسی کے احکام نافذ ہو گئے۔ ضیا برہنی کے مبالغہ آمیز الفاظ کو سب سے زیادہ تقویت قریباً سو سال بعد کی ایک تصنیف تاریخ مبارک شاہی کی اس روایت سے پہنچی کہ سو برس بعد تک تاجرانے کے ان واپس شدہ سکوت کے ڈھیر قلعہ دہلی میں موجود تھے۔ یہ بات کسی طرح عقل و فہم میں نہیں آتی کہ اس قدر طویل مدت تک جس میں تیہور کا حملہ، تیہوری مغلوں کی دست درازی اور فیروز تغلق کی پرسکون سلطنت سب کچھ گزر چکا تھا۔ ان سکوں کے انباروں کو کس غرض سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ وہ سکے آخر دھات کے تھے مٹی یا پتھر کے نہ تھے جن کے انبار کو آئنا قدیم کے طور پر محفوظ رکھنا اور کسی دوسرے کام میں نہ لانا ضروری سمجھا گیا تھا۔ فیروز تغلق کے بعد دہلی پر ایسے ایسے حادثات مبارک شاہ کے عہد تک آپہنچے تھے کہ ان تاجرانے کے سکوں کے انبار علیٰ حالہ کی طرح

محفوظ نہیں کر سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محمد تغلق جس نے ان سکوں کو منسوخ قرار دیا تھا ان کو باقی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اُس نے یقیناً ان کو گلا کر تاج بنے کے دوسرے مروج سکے یا تاج بنے کے ظروف تیار کر لئے ہوں گے۔ تاریخ مبارک شاہی تو بہت دلوں بعد کی تصنیف ہے شمس سراج عفیف جو ضیاء برنی اور سلطان محمد تغلق کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد اور تاریخ مبارک شاہی کی تصنیف سے بہت دنوں پہلے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ اس میں بار بار محمد تغلق کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ ایک باب میں چاندی سونے کی ٹہروں یعنی شاہی سکوں اور چاندی کے کھرے کھوٹے ہونے کا ذکر خاص طور پر کرتا ہے وہ سلطان محمد تغلق کے اس جدید تاج بنے کے سکے کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ ابن بطوطہ اور شمس سراج عفیف صرف دہی ایسے شخص ہیں جو ضیاء برنی کی تقلید کے محتاج نہ تھے اور جنہوں نے ضیاء برنی کی تاریخ سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں اٹھایا یہی دونوں اس سکے کے معاملے میں خاموش ہیں۔ بعد کے مورخین نے ضیاء برنی کے بیان کو روغن قاز مل کر نقل کرنا شروع کر دیا۔ ابن بطوطہ تو ضیاء برنی کی کتاب کے لکھے جانے سے بہت دنوں پہلے ہندوستان سے رخصت ہو چکا تھا شمس سراج عفیف کی کتاب خود اس بات کی شاہد ہے کہ وہ ہر واقعہ کو اپنی ذمہ داری پر درج کرتا اور ضیاء برنی کی تاریخ سے قطعاً کوئی بات بھی قسم کھانے کو نقل نہیں کرتا کیونکہ اس کے زمانے میں سلطان محمد تغلق کا عہد حکومت دیکھنے والے لوگ بکثرت موجود تھے۔ بہر حال اس جدید سکے کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جو اوپر مذکور ہوئی۔

عباسی خلیفہ اور سلطان محمد تغلق | ۳۷۳ھ سے ۳۷۴ھ تک کا زمانہ یقیناً طرچ امن مامان اور اطینان کا زمانہ تھا۔ ۳۷۳ھ

کے آخر یا ۳۷۳ھ کے شروع میں سلطان نے اس خیال کی بنا پر کہ شریعت اسلام اس مکمل نظام کا نام ہے جس کے ادا مروا ہی۔ معاود معاش اور دین و دنیا دونوں پر حاوی ہیں اور اسی لئے خلفائے راشدین پیشوایان دین اور فرماں روا یا ان دنیا دونوں حیثیتوں کے جامع تھے لہذا کوئی مسلمان بادشاہ جو خلیفہ اسلام کی مرکزیت سے وابستہ نہ ہو اور خلافت اسلامیہ سے متعلق نہ ہو اور خلیفہ اسلام نے اس کو سند حکومت عطا نہ کی ہو اس کی سلطنت اسلامی سلطنت نہیں کہلا سکتی خلیفہ عباسی کی خدمت میں ایلی معہ درخواست

رواد کیا۔ ہم کو اس وقت اس مسئلہ میں اُلجھنے کی مطلق ضرورت نہیں کہ سلطان محمد تعلق کا اجتہاد اس زمانے اور اُن حالات میں شرعی نقطہ نظر سے صحیح تھا یا نلط مگر یہ یقینی ہے کہ سلطان محمد تعلق نے عباسی خلیفہ سے جن کا قیام مصر میں تھا اسی طرح سند حکومت حاصل کرنی پڑی تھی۔ اگرچہ مصر کی حکومت سلاطین مصر کے ہاتھ میں تھی لیکن تباہی بنداد کے بعد جب سے خلفائے عباسیہ کا سلسلہ مصر میں شروع ہوا تھا سلاطین مصر خلیفہ کی اجازت اور منظوری کے بعد تخت نشین کئے جاتے تھے۔ خلیفہ کی سیاسی اہمیت معمولی نہ تھی مصر ہی میں نہیں بلکہ تمام عالم اسلام میں ان کا اقتدار و اثر بہت کافی اور مسلم تھا ہندوستان میں بھی اب تک تمام مسلمان سلاطین اپنے آپ کو عباسی خلیفہ کا نائب کہتے اور سکوں پر اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا نام کندہ کرنا ضروری سمجھتے تھے یعنی کوئی سکہ بغیر خلیفہ کے نام کے جاری ہی نہیں ہو سکتا تھا یہاں تک کہ خسرو نک حرلم کو بھی اپنے سکہ میں اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا نام کندہ کرنا پڑا تھا مگر سکوں اور خطبوں میں خلیفہ کے نام کو بغیر ضروری سمجھنے کے سوا اور کوئی تعلق خلیفہ سے نہ تھا یہی وجہ تھی کہ مستعصم باللہ عباسی خلیفہ بغداد میں شہید ہوئے کئی سال گزر چکے تھے اور ہندوستان میں ان کے نام کے سکہ مضروب ہوئے تھے سلطان محمد تعلق نے ملی اور حقیقی طور پر اپنے آپ کو خلیفہ کا فرماں پذیر بنانا چاہا۔ خلیفہ ابو الریحہ مشکفی باللہ عباسی اور سلطان ملک الناصر جنھوں نے ۳۳۱ھ میں سفارت بھیجی تھی اور جو بڑے ذی ہوش اور ذی حوصلہ تھے دونوں فوت ہو چکے تھے ۳۳۲ھ میں جو سفارت آئی تھی اس کو کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں دی گئی تھی لیکن اب سلطان نے خود اظہار عقیدت اور اقرار اطاعت کی درخواست خلیفہ کی خدمت میں بھیجی اور سند حکومت کی استدعا کی سلطان کی یہ درخواست اور سفارت خلیفہ ابو العباس حاکم بامر اللہ کی خدمت میں پہنچی خلیفہ نے چند روز اس سفارت کو مصر میں ٹھہرایا پھر اس کے ساتھ اپنے سفیر حاجی سعید حرمری کو سلطان محمد تعلق کے لئے فرمانِ علم اور خلعت دے کر روانہ کیا۔

۳۳۲ھ میں حاجی سعید حرمری ہندوستان آئے اور سلطان محمد تعلق نے اُن کا بڑا شان دار استقبال کیا جس کا اندازہ تصاویر بدر

اظہار عقیدت

چاہے سے بخوبی ہو سکتا ہے جو چھپے ہوئے سرکتب فروش سے دستیاب ہو سکتے ہیں ضیاء برنی کے الفاظ یہ ہیں -

”سران قوم حاجی سعید حرمرزی آرنده منشور و خلعت خلیفہ را استقبال کرد
 شراط تعظیم منشور و خلعت خلیفہ را بالغاً ما بلغ و فوق الحد الوصف بجائے
 آورده و چند تیرہ تاپ پیادہ پائے برہنہ پیش رفت و منشور و خلعت را بر
 سر بنادہ بر پائے سعید حرمرزی بوسہ ہازد و در شہر قہہ ہا بستند و بر منشور و خلعت
 زہریز ہا کردند“

سلطان نے تمام خلفائے عباسیہ کے ناموں کو خطبے میں شامل کیا اور اپنے نام کے
 ساتھ تعظیمی الفاظ و القاب استعمال کرنے کی ممانعت کر کے صرف ”سلطان محمد“ لکھنا کافی
 قرار دیا۔ سلطان محمد کی تخت نشینی کے وقت جو سکہ مضروب ہوا تھا اس کی عبارت جو دونوں
 طرف پوری ہوتی ہے یہ ہے۔

”ضرب فی زمان العبد الراجی لرحمة اللہ الصمد بن
 السلطان السعید الشہید تغلق شاہ غازی“
 ۶۲۷ھ میں سکوں پر یہ عبارت کندہ ہوئی۔

فی زمن السلطان العادل محمد بن تغلق شاہ دامت سلطنتہ
 ۶۲۹ھ میں سکے کی عبارت یہ تھی۔

”الملک والعظمیٰ للہ عبدہ الراجی محمد تغلق“

۶۳۰ھ میں جب کہ قحط کی بلائے عظیم رفع ہو چکی تھی سکے میں یہ الفاظ درج ہوئے
 ۶۳۱ھ میں اس نے سکوں پر سے اپنا نام بالکل اڑا دیا اور صرف خلیفہ کا نام اس طرح
 منقوش کرایا۔

خليفة الله المستکفی بالله

۶۳۲ھ میں حاجی سعید حرمرزی کے آئے سے پہلے خلیفہ کا نام سکوں پر اس طرح
 منقوش ہوا۔

اکامہ الامم الاعظم خليفة الله فی العالمین المستکفی بالله امیر المؤمنین

حاجی سعید حرمرزی کے آنے کے بعد جو سکے مضروب ہوئے ان پر المستکفی للہ
 کی جگہ ابو العباس حاکم باصر اللہ کا نام درج ہوا۔ میرے پاس سلطان محمد تغلق کے
 عہد حکومت اور اس سے پہلے کے بھی سکے موجود ہیں سکوں کی مذکورہ عبارتیں میں نے

اصل سکوں سے نقل کی ہیں۔ سکوں کے الفاظ کی تبدیلیوں کا بخوبی پتہ چل رہا ہے۔
 میں دولت آباد دیوگیر، کئی کس سال میں جب مذکورہ سکے سلطانی حکم کے موافق مضروب
 ہوئے تو قتلغ خاں حاکم دولت آباد نے سکوں پر خلیفہ کے نام کا ہونا سخت ناپسند کیا اور
 سلطان کے نام کا سکے سے جدا ہونا سلطان کا تخت سلطنت سے جدا ہونا قرار دے کر فاسد
 ارادوں کو دل میں راہ دی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قتلغ خاں شیعہ خیالات کا آدمی تھا اس
 لئے عباسی خلیفہ سے اس کا متنفذ ہونا اور سلطان محمد تغلق کی مذکورہ حرکت سے ناراض ہونا
 کوئی تعجب کی بات نہیں۔ سلطان نے اپنے آپ کو خلیفہ کا نائب قرار دے کر اپنی ہر ایک
 چیز کو خلیفہ کی طرف منسوب اور خلیفہ کی ملکیت قرار دیا۔ یہاں تک کہ شاہی عمارتوں پر،
 علموں پر، اور ہر ایک قیمتی چیز پر خلیفہ کا نام کھدوایا، جواہرات قیمتی ہدیئے حاجی سعید
 حرمز کی معرفت خلیفہ کی خدمت میں بھجواتے۔ پھر خود ایک نہایت طویل عرضداشت
 بربان عربی لکھ کر حاجی رجب کے ہاتھ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کی اور اس بات کی
 استدعا کی کہ مصر کے شیخ الاسلام کو ہندوستان بھیجا جائے۔ دو سال کے بعد ۱۲۹۹ھ
 میں حاجی رجب اور شیخ الشیوخ مصری خلیفہ کا فرمان اور خلعت لے کر آئے۔ اس مرتبہ
 پہلے سے بھی زیادہ شان و اہر استقبال کیا گیا اور سلطان نے تمام ارکان سلطنت، تمام
 سرداران لشکر اور ملوک و امرا کو خلیفہ کی غائبانہ بیعت کی ترغیب دی۔ سلطان کے
 وزیر اعظم خواجہ جہان، ملک احمد یاز، ایران و ترکستان کے سفیروں اور بیگمات نے بھی
 بیعت کی۔ سب نے اپنے بیعت نامے پیش کئے اور سلطان نے ان بیعت والوں کو انعاماً
 دیئے۔

”و فرماں داد تا ہر کہ از امر و امیر تمنان مغلستان و خراسان و رہبندگی
 سلطان محمدی رسید و فرمان شد کہ ما منشور امیر المومنین بیعت کنند و
 مصحف و مشارق و منشور امیر المومنین پیشی نہا دند و بیعت می کنانیدند
 و خطوط و عہودہ موافق بنام امیر المومنین می ستند و چندیں اعلیاء و
 امیران سزہ و امیران عدہ و معارف مغل و خاتونان بزرگ ایشان کہ بدنگاہ
 سلطان می رسیدند اول از ایشان بیعت نامہ بنام امیر المومنین می ستند“
 (ضیائے برنی)

سوائے ایک قتلغ خان حاکم دولت آباد کے تمام ملوک و امرا نے بیعت نامے داخل کئے اور سلطان نے وہ تمام بیعت نامے معہ تحف و ہدیہ ایا شیخ الشیوخ مصری کے ہاتھ خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ اس کے بعد دوسرے اور جب کہ سلطان اپنے آخری ایام حکومت میں گجرات کی جانب بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا۔ خلیفہ کے پاس سے ایچی آئے اور ہر تہہ ان کی ایسی ہی تنظیم و تکریم کی گئی۔

”دریں کرت نیز چند چند گاہ شیخ الشیوخ مصری را و آنا تکہ برابر ایشان آمدہ بودند الخانات و اکرامات و افراد و با صد ہزار نوازش باز گردانید و چندین مال و جواہر برسم خدمتہ بدست ایشان در بندگی خلیفہ از نہر و مالہ و کھانا، در مصر و ان کرد و دو کرت دیگر کہ منشور امیر المومنین در بہروج و کھانا، رسید در ہر کرتے سلطان محمد چنداں تنظیم کرد و افراتھا نمود“ (ضیاء برنی)

استیصال بدعات اور قتلغ خاں کی مخالفت

قطعی کی مصیبتوں سے فارغ ہونے کے بعد جب سلطان کو ملک کی بہبودی اور زراعت کی ترقی کے کاموں میں مصروف ہونے کا پرمین موقع ملا تو ساتھ ہی وہ مسلمانوں کو مراسم پرستی سے بچانے اور دین اسلام پر صحیح معنی میں عامل بنانے سے غافل نہیں رہا۔ جیسا کہ اوپر مفصل ذکر آچکا ہے مراسم پرست طبقہ اور تنگ نظر مولوی پہلے ہی اس سے کبیدہ خاطر اور رنجیدہ تھے۔ اب انھوں نے سلطان کی توجہ کو خصوصیت سے اس طرف مائل دیکھ کر مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں میں ہمت صرف کرنا شروع کی۔ اگرچہ تاریخوں میں اس کی تفصیل موجود نہیں ہے لیکن اس بات کو تسلیم کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے کہ سلطان کے آخر عہد حکومت میں جس قدر بنادیں اور فتنے نمودار ہوئے ان سب میں ان تنگ نظر مذہبی لوگوں کی مخالفتوں کو ضرور دخل تھا اور باغیوں کی ہمت افزائی درپردہ ان لوگوں نے ضرور کی تھی۔ قتلغ خاں اگرچہ بظاہر خیر خواہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مذہبی خیالات اور پابندی مراسم کے معاملے میں وہ سلطان کا ہم خیال نہ تھا۔ قتلغ خاں کو شیعہ یا تفضیلی ہونے کی وجہ سے اگرچہ مراسم پرست اور ہٹی سنیوں سے بھی کوئی خصوصی ہمدردی نہ تھی۔ لیکن خلیفہ عباسی کی سفارت کے آگے اور سکتے پر صرف خلیفہ ہی کا نام باقی رہنے سے قتلغ خاں کی نفرت سلطان کے ساتھ عداوت سے

تبدیل ہو گئی اور اُس نے پوری سرگرمی سے مذکورہ مراسم پرست بدعتی گروہ کی حمایت و سرپرستی شروع کر دی۔ وہ سلطان کے نافذ کردہ ان احکام کو جن کا تعلق دینی اصلاح تھا پہلے ہی قابل عمل نہ جانتا تھا۔ سلطان اُستاد ہونے کی وجہ سے چونکہ اب تک اس کا ادب کرتا تھا لہذا اپنے احکام کی تعمیل میں اس کو زیادہ مجبور نہیں کر سکا یہی سلطان محمد تغلق کی سب سے بڑی حماقت اور سب سے بڑی کمزوری تھی۔ تغلق خاں کا خلیفہ عباسی کی بیعت نہ کرنا اگرچہ سلطان کو سخت ناگوار تھا۔ لیکن اُس نے اغماض نظر ہی سے کام لینا مناسب سمجھا۔ ظاہر ہے کہ کوتاہ فہم مراسم پرست اور بدعتی لوگوں کو تغلق خاں کے پاس دولت آباد میں زیادہ امن مل سکتی تھی اور یہی خاص وجہ ہے کہ دکن کے عاملوں اور مسلمان اہل کاروں کی وفاداری سلطان محمد تغلق کے ساتھ بہت کمزور ثابت ہوئی جیسا کہ آئندہ ذکر آتا ہے سلطان نے اس تنگ نظر بدعتی طبقہ کو اول اول سختی اور درشتی سے خاموش کرنا چاہا اور جن کی شرارتوں کو حد سے متجاوز اور ناقابل اصلاح دیکھا انھیں قتل بھی کیا۔ لیکن جب اس کو ان لوگوں کی کثرت اور زبردست طاقت کا صحیح اندازہ ہو گیا تو اُس نے ایک نہایت نفیس اور عاقلانہ تدبیر سوچی وہ تدبیر یہ ہے کہ اس نے خلیفہ عباسی سے جس کو تمام مسلمان خلیفہ برحق یقین کرتے تھے خصوصی تعلق پیدا کیا جس کا ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سلطان نے اپنے آپ کو نائب خلیفہ بنا کر اور شیخ الشیوخ مصر کو سندوستان بلا کر اپنے عقاید و اعمال و احکام و انتظام کی ان سے تصدیق و تحسین کرائی اور اس نیم بلا گروہ کی زبانیں بند کیں ان لوگوں کا عوام پر زیادہ اثر تھا اور عوام جن کو کالافعام کہا جاتا ہے۔ کسی ایسی ہی دلیل کو مان سکتے تھے جیسی کہ خلیفہ عباسی کے ایلچیوں اور فرستادوں کے آنے سے اُن کے سامنے پیش ہوئی۔ جو لوگ سلطان محمد تغلق کی مجبور یوں اور وقتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے انھوں نے اس کی حماقتوں کی فہرست میں ایک یہ حماقت بھی شامل کر دی ہے کہ اُس نے حاجی سعید مرمری اور شیخ الشیوخ مصری کے سامنے اپنے آپ کو بے حد ذلیل کیا اور اُن کی حد سے زیادہ تعظیم و توقیر کی مگر جو لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ:-

“THE WORLD IS THICKLY POPULATED WITH FOOLS”

وہ خوب جانتے ہیں کہ اس احمقوں کی دنیا میں عاقلوں کو مجبوراً کیسی کیسی حماقتوں

کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

محمد تغلق کے خلاف سازشیں
اور مسلسل بغاوتیں

جس زمانے میں مصر سے حاجی سعید حمزوی خلیفہ کا فرمان - علم اور خلعت لے کر دہلی آئے اور اندرونی مخالفوں کی زبانیں بند ہوئیں تو عناد و عداوت کا مادہ دوسری طرف کو پھوٹ نکلا یعنی ان لوگوں نے سلطان کے خلاف خطرناک سیاسی سازشیں شروع کیں سپر و فیسر گارڈز برہانوں اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ سلطان کو معزول کر کے اس کے چچا زاد بھائی فیروز تغلق کو تخت نشین کرنے کی سازش بھی مکمل ہو چکی تھی - ضیاء برہنی اس سازش کا کوئی نمایاں اور صاف پتہ نہیں دیتا صرف اس قدر کہتا ہے کہ -

”سلطان محمد درآں چند سال کہ در دہلی ساکن بود بر سبیل مبالغت در کار سیاست بود و بدار سبب دیار ہائے مضبوط گشتہ از دست رفتہ و آنچه مضبوط ماند در آن ٹٹل و تشتت افتاد و اخبار بغاۃ و شطط ایشاں بمع سلطان می رسید و در شہر سیاست بر مزیدی گشت و از مہر ہر کلمہ کہ براست دروغ و بضاعد عناد از شخصے روایت می کردند آنکس سیاست می پیوست ... و چند مختبر سلمان در تتبع و تفحص اہل سیاست مشغول می بودند و خلق رامی کشا نیدند و ہر چند کہ سیاست در شہر بیشتر می شد خلق اطراف متفرتری گشت و فتنہا و فنی ہا بیشتر می زاد و در ملک نقص و نقصان بیشتر باری آورد و ہر کرا سیاست می کردند اور انشیرید نام می نہادند“

چونکہ ہم اس بات سے واقف ہو چکے ہیں کہ ضیاء برہنی کے خیالات سلطان محمد تغلق کی نسبت کس قسم کے تھے لہذا ہم کو اس کے مذکورہ اوّلے بیان سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے بلکہ اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ دہلی میں باغیانہ خیالات پھیلانے اور بغاوت کی سازشیں کرنے والوں کی ایک جماعت ضرور موجود تھی جن کو شہرہوں کا خطاب دیا گیا تھا۔ ان شہرہوں اور باغیوں کا دور دورا زکے صوبہ داروں سے بھی ضرور کوئی تعلق تھا اور جب اُن کو دہلی میں سزا دی جاتی تھی تو صوبہوں کے عامل سُن کر ناراض ہوتے تھے۔ ضیاء برہنی کے ان الفاظ میں ”می کشا نیدند“ مرصعہ کشودن سے مشتق اور بمعنی ”می رہا نیدند“ یا ”آزاد کنا نیدند“ استعمال ہوا ہے جس سے ثابت ہے کہ ان شہرہوں کی شرارتوں اور بغاوتوں کا حال معلوم ہونے پر

جب ان کو سزا دی جاتی تھی تو چند لوگ لیے بھی تھے جو ان باغیوں کو سزائے بچانے اور آزادی دینے کی کوشش کرتے تھے یہ لوگ ضرور با اثر اور بڑے بڑے شاہی اہل کار اور شہریوں کے ہمدرد ہوں گے۔ ان کو ضیاء برقی "معتبر مسلمان" کا خطاب دیتا ہے۔ ضیاء برقی نے ان شریک یا ان پر عائد کئے ہوئے الزاموں کا مطلق پتہ نہیں دیا۔ وہ ان کو سزا دینے کی شکایت تو کرتا اور اس سزا دی جاتی تھی اور ان پر کون سا جھوٹا الزام لگایا جاتا تھا۔ ضیاء برقی کی اسی مشکوک طرز عمل سے شبہ گذرتا ہے کہ ان چند معتبر مسلمانوں میں ممکن ہے کہ فیروز تغلق بھی ہو۔ ایک سب سے بڑا قریبنہ یہ بھی موجود ہے کہ سلطان محمد تغلق نے جب خواجہ نصیر الدین رحمہ اودھی المعروف بہ چراغ دہلی کو اپنی مصاحبت کے لئے مخصوص کیا تو انھوں نے سلطان کے پاس جانے سے انکار کیا۔ اس انکار کے لئے چونکہ وہ کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کر سکے لہذا سلطان نے اصرار کیا۔ سلطان کا وزیر اعظم خواجہ احمد یاز بھی حضرت نظام اولیاء سے اسی طرح خرقہ خلافت حاصل کئے ہوئے تھا جس طرح کہ خواجہ نصیر الدین رحمہ کو خرقہ خلافت حاصل ہوا تھا۔ نیز سلطان کے دربار میں شیخ الاسلام حضرت مولانا رکن الدین ملتانی رحمہ، مولانا علم الدین رحمہ ملک سعد الدین وغیرہ بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو حضرت نظام المشائخ رحمہ کے مخصوص دوستوں اور مریدوں میں تھے اور خواجہ نصیر الدین رحمہ سے کم تر نہیں سمجھے جاتے تھے، آخر خواجہ نصیر الدین رحمہ نے اپنے انکار کو مناسب سمجھ کر سلطان کی خدمت میں جانا قبول کر لیا، چنانچہ ٹھٹھہ کے سفر میں جبکہ سلطان محمد تغلق کا انتقال ہوا اور سلطان کے ہمراہ موجود تھے، سلطان محمد تغلق کے مخالفوں نے خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا سلطان کے پاس جانا انکی توہین قرار دیکر کہ حضرت نظام المشائخ رحمہ کے اکثر متعقدین کو سلطان کے خلاف بھڑکادیا اور اس طرح صوفیوں کے بڑے طبقے نے تنگدل اور تنگ نظر مولویوں کے شرک و کفر کو سلطان کی مخالفت میں سازشی جماعت کو بے حد طاقتور بنا دیا اس صوفی طبقہ کی فیروز تغلق نے سخت ٹھٹھہ ہر جوہد سے زیادہ مددات کی ہے، تنگ خیال اور بدعتی مولویوں کو جوہد سے زیادہ آزادیاں عطا فرمائی ہیں، فیروز تغلق کے شرک سازش ہونے کی دلیل ضرور دین سکتی ہے اس قوی قریب کے علاوہ ملا عبدالقادر دہلوی کا بیان صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں اس سازش کے وجود پر قہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔

بہر حال اگر سلطنت دہلی کے معزول شدہ فتوے گراؤ انکے قدامت پسند و مراسم پرست متعقدین کا گروہ بیکار نہیں ٹھہرا اور اب اسکی کوششوں نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی سلطان محمد تغلق ان باتوں سے خبر نہ تھا اُس نے ان

لوگوں کو جن پر جرم بغاوت ثابت ہوا سزا دیں اور ضیاء برہنی نے خوب دل کھول کر ماتم کیا اور اس کے گریہ ماتم نے لوگوں کو محمد تعلق کے ظالم بلکہ اظلم ہونے کا یقین دلایا۔ ان سازشوں اور سازشی لوگوں کے لئے دکن اور گجرات کے صوبوں کی آب و ہوا زیادہ موافق تھی سلطان کو بھی اب دولت آباد اور گجرات ہی کا زیادہ خیال تھا، اس نے ۱۷۷۷ء میں توام الملک نو مسلم کو جو ملتان کی صوبہ داری کے بعد اب بدایوں کا عامل تھا، خانبہاں کا خطاب دے کر گجرات کی صوبہ داری پر مامور کیا۔ دولت آباد میں قتلغ خاں کا طرز عمل ان باغیانہ سازشوں کے لئے نشوونما کی کامرغب ثابت ہو رہا تھا۔ سلطان کو قتلغ خاں کی بہت سی رعایت تہ نظر تھی جیسا کہ ضیاء برہنی بھی لکھتا ہے کہ:-

شرائط تعظیم قتلغ خاں کہ پیش او در عنفوان شباب چیزے خواندہ بود چنان
محافظت نمود۔۔۔ سب لغت کر دے کہ ہیچ شاگردے را از ہیچ استاد
مہر نشود ۛ

اب بسبب کہ معاملہ حد سے تجاوز کرنے لگا تو سلطان نے مجبور ہو کر ۱۷۷۷ء میں قتلغ خاں کو دولت آباد سے معزول کر کے دہلی ہلالیا اور قتلغ خاں کے ماتحت جو کئی چھوٹے چھوٹے صوبہ دار مقرر تھے ان کو بھی معزول کرنے وہ سرے مستمہ سرداروں کو ان کی جگہ بھیج دیا۔ مذکورہ حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ سلطان محمد تعلق کو نو مسلم سرداروں پر جو اس سازشی جماعت میں زیادہ رسوخ نہ رکھنے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے تھے زیادہ اعتماد تھا۔ بعض خاندانی مسلمان سردار بھی محمد تعلق کے ہم خیال اور مستمہ تھے۔ ضیاء برہنی ہر ایک نو مسلم اور سلطان کے ہر ایک ہم خیال و وفادار سردار کو بڑا کہتا اور حقارت آمیز الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ توام الملک خانبہاں کی نسبت لکھتا ہے کہ

”مطر سب کچھ بد اصل راجپاں بر کشید کہ درجہ اواز درجات بسیاران از ملوک
بگذشت و گجرات و ملتان و بدایوں بدوداد“

اسی طرح تمام ان سرداروں کو جو قتلغ خاں کے مقرر کردہ صوبہ داروں کی جگہ مقرر ہوئے تھے بڑے جوش و طیش کے ساتھ گالیاں دیتا ہے۔ قتلغ خاں کا دولت آباد سے جدا ہونا اور وہاں نئے سرداروں کا مقرر ہونا بلاشبہ ضروری تھا لیکن یہ کام بہت دیر کے بعد ہوا حالانکہ اس تبدیلی کی بہت پہلے ضرورت تھی۔ سلطان نے قتلغ خاں کی استادی

کے (۱۰) لکھ روپے رکھ کر اس قدر زیادہ عرصہ تک تامل کیا کہ شرارت پیشہ لوگوں کی شرارت کا دہر بہت کچھ اثر کر چکا تھا۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس سازشی گروہ نے ہندو را جاؤں سے بھی جو جاہل ملک کے تعلق سے تعلق پر قابض و حکمران تھے ساز باز کر لیا تھا اور ہندو اس باغیانہ سازش کو کامیاب بنانے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بخوشی آمادہ ہو چکے تھے۔

نومسلموں کی عزت افزائی | اسلام چونکہ قوموں اور قبیلوں کے امتیاز کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کسی کی ذاتی عزت و دولت پر اثر

انداز نہیں ہونے دیتا اور صرف تقویٰ یعنی اعمال صالحہ ہی کو موجب عزت قرار دیتا اور ترقی کی راہیں ہر قوم اور ہر قبیلہ کے لئے کھلی ہوئی چھوڑتا ہے لہذا مسلمانوں نے کبھی کسی قوم اور قبیلہ کے لئے ترقی کے راستے بند نہیں کئے چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے ایک ہندو حجام اور راہب کا خطاب دے کر سپہ سالاری کا عہدہ عطا کیا جیسا کہ پہلی جلد میں ذکر آچکا ہے سلطان محمد تغلق نے بھی تلنگانہ کے راہب و دیو کے ایک ہندو کو جو اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا تھا اول تو ام المملک کا خطاب دے کر ملتان پھر بایوں کا گورنر بنایا اور آخر میں راجہاں کا خطاب دے کر صوبہ گجرات کا نائب السلطنت مقرر کیا۔ عہد غلاماں اور عہد خلجیہ میں ہندوؤں کی قوم کلال کے بعض افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ ہندوؤں کی اس قوم کا مخصوص پیشہ چونکہ شراب فروشی تھا لہذا ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی عام مسلمان ان نو مسلم کلالوں کو محض اس لئے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کا آبائی پیشہ شراب فروشی تھا لیکن سلطان محمد تغلق جو قرآن و حدیث کا ایک متبحر عالم تھا کسی نو مسلم کلال کو اس کی ذاتی قابلیتوں کے نتائج سے مایوس اور ترقیات سے محروم نہیں رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے عزیز الدین نامی نو مسلم کلال کو اس کی ذاتی قابلیتوں کے نتائج سے مایوس اور ترقیات سے محروم نہیں رکھا تھا۔ اور اسی عزیز الدین نامی نو مسلم کلال کو اس کی دینی و دنیوی قابلیتوں کا اندازہ کر کے عزیز المملک کا خطاب دیا اور تبلیغ خاں کو دولت آباد سے معزول کر دینے کے بعد محمد المملک تھا نیسری کو اس کی جگہ دولت آباد کا وائسرائے مقرر کر کے اس کے ماتحت صوبوں میں زین الدین الخاطب بہ مخلص المملک۔ یوسف بغلہ آفر بیگی عزیز الدین الخاطب بہ عزیز المملک اور عماد المملک وغیرہ کو مامور کیا۔ مخلص المملک

اور یوسف بھارتی مرہٹے کے صوبوں میں مقرر ہوئے اور عزیز الملک کو دہلی کی حکومت سپرد کی۔ ان تمام صوبوں میں جہاں قلعہ خاں کی وجہ سے باغیانہ خیالات خوب نشوونما پانے لگے تھے ان جدید صوبہ داروں کا مقرر کرنا اور پھیلنے والے صوبہ داروں کا یک نخت وہاں سے عدا کرنا اگرچہ نہایت ضروری بھی تھا مگر خطرہ سے خالی بھی نہ تھا۔ سلطان نے قلعہ خاں کی استادی کے مرتبہ کو اپنی جلی شرافت کی وجہ سے ملحوظ رکھ کر اسے دولت آباد کی نیابت پر مسلسل ستر سال تک مامور رکھا اور یہی سب سے بڑی غلطی تھی جو محمد تغلق سے ظہور میں آئی۔۔۔

عین الملک کی بغاوت معرض ظہور میں نہ آئی اور ۱۳۳۸ء میں قلعہ خاں دولت آباد سے تبدیل ہو جاتا تو دکن اور گجرات میں وہ فتنے جنہوں نے سلطان محمد تغلق کو اس کے آخر ایام حیات میں پریشان کیا ہرگز برپا نہ ہوتے سلطان کے اصلاحی احکام اور علمی و دماغی نشوونما کی کوششوں کا کوئی اثر قلعہ خاں کے ماتحت علاقے میں ظاہر نہ ہوا۔ مخالفوں کی کوششوں کو سرسبز ہونے کا وہاں بخوبی موقع ملتا رہا اور سلطان سے نفرت پیدا کرنے والے خیالات لوگوں میں خوب شائع ہوتے رہے۔ اب جب کہ ۱۳۴۷ء میں قلعہ خاں اور اس کے ماتحت صوبہ دار وہاں سے معزول کئے گئے تو امیران صددہ میں جن کو موجودہ زمانے کے تحصیل داروں یا منتھانے داروں کا ہم رتبہ اہل کار سمجھنا چاہیے بڑی ہل چل پیدا ہوئی اور مالوہ و مرہٹے سے لے کر گجرات تک کے صوبہ داروں کا یک نخت اور یکایک معزول ہو جانا ان صوبوں کے امیران صددہ کی انتہائی نشوونما کا موجب ہوا کیونکہ وہ ان معزول ہونے والے گورنروں کے ساز باز میں شریک اور نئے آنے والے گورنروں سے نامالوس بلکہ منتفر تھے۔ ان مقرر ہونے والے صوبہ داروں میں چونکہ عزیز الملک (نوسلم کلال) بھی تھا اور گجرات کی نیابت پر توام الملک کو پہلے بھیج دیا گیا تھا۔۔۔۔۔ لہذا نہ صرف دہلی بلکہ دہلی کے ذریعہ تمام ملک میں اس مخالف جماعت نے جس کی سرپرستی قلعہ خاں اختیار کر چکا تھا اس بات کو شہرت دی کہ سلطان نے سفلہ پرستی پر مکر باندھ لی اور ایک کلال کو دہلی کی گورنری عطا کی ہے۔ سلطان کو جس طرح اور باتوں کی اصلاح کا خیال تھا اسی طرح وہ اس قومی اتنیاز کی ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کو بھی مراسم پرستی ہی کا ایک جزو سمجھتا تھا جس کا وہ جانی دشمن تھا۔ ضیائے برنی عزیز الملک کے مامور ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:-

در آخر آں سال کہ قتلغ خاں را از دیوگیر و دہلی آوردند سلطان محمد عزیز خاں
 رکلاں (کم اصل) را ولایت دہار داد و تمامی مالوہ بدو تفویض کرد و چند لک
 تنگہ از جہت آنکہ ادباقوت و شوکت شود در حق او مرحمت شد و در قوت
 رواں شدن آن بہ بخت بے سعادت در پرداخت مصالح آں ولایت
 کہ بس طویل و عریض است سلطان اورا ہر چیز بے بدراہمی کرد و می فرمود
 و در آں معرض از زبان سلطان بیرون آمد کہ اسے عزیز می بینی کہ ہر طرف
 چو گود بلخاک ہا پیدا می آید و فتنہ یامی زاید من می شنوم کہ ہر کہ بلخاک
 می کند از قوت امیر صدگان می کند و امیر صدگان از برائے غضب و
 غارت یا راومی شوند آنگاہ بلخاک را بلخاک کردن میسری گردد و تو
 دانی و امیر صدگان دہار کرا میان ایشان شریہ و فتنہ انگیز بینی چنانچہ دانی
 و توانی دفع کنی تا چنانچہ در کلباے آن عرصہ بدراہ شدہ لغز دل آں
 را بہر داخت توانی رسانید و آں خاکسار بچہ از دہلی بہ تمشیت تمام
 رواں شد و ہا از راے چند کہ برود آمدہ بودند و مقرب و کاردار او شدہ
 بودند در دہار رفت و با جہاے اشرار مادر زاد و پیر داخت مصالح دہار
 مشغول شد و روزے آں بیاصل زانیہ زادہ را در خاطر افتاد و بقیاس
 ہشتاد و اند نفرا میران صدہ و معارف حشم دہار را بگرا نید

سلطان نے عزیز سے مخاطب ہو کر جو الفاظ کہے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ
 صوبہ دار اور قتلغ خاں محض اسی لئے معزول کئے گئے تھے کہ انھوں نے بغاوت کی تیاریاں
 مکمل کر لی تھیں اور امیرانِ صدد کو بغاوت پر آمادہ کر چکے تھے۔ قتلغ خاں کے معزول ہو کر
 دہلی آنے کے بعد سلطان نے جو انتظام مذکورہ صوبوں کا کیا تھا اس انتظام کو ناکام رکھنے
 کے لئے ایک طرف تو خود ان صوبوں کے امیرانِ صدد تھے جن کے قبضے اور اثر ہیں فوج
 اور رعایا دونوں تھیں دوسری طرف وہ مخالف جماعت تھی جو دہلی اور اور ملک کے دوسرے
 شہروں میں پھیلی ہوئی تھی جس میں مذہبی طبقہ کے تنگ نظر لوگ شامل تھے۔ اگرچہ سلطان
 کے بروقت خبردار ہو جانے سے بغاوت کا ہر پائے والا طوفان قلیل عرصہ کے لئے رُک گیا
 لیکن یہ فاسد مادہ ہمیشہ کے لئے دبا نہیں رہ سکتا تھا۔ نہ آسانی سے تحلیل ہو سکتا تھا۔

جس طرح بعض پھوڑوں میں شگاف دینے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ سلطان بھی اسی طرح عزیز الملک سے مذکورہ الفاظ کہنے کے لئے مجبور ہو گیا تھا۔

عزیز الملک کی بے احتیاطی | عزیز الملک جس کو ضیاء برنی ہر جگہ عزیز خاں

یا عزیز کلال لکھتا ہے جب دہار پہنچا تو اس نے دہان کے امیرانِ صده کو بے حد سرکش اور نافرمان پایا۔ چونکہ اس کو رعب سلطنت قائم رکھنے اور سیاست و شوکت سے کام لینے کی اجازت اور ہدایت تھی لہذا اس نے بلاتامل امیرانِ صده کی ایک بڑی اور سرکش جماعت کو کسی بہانے سے ایک جگہ بلا کر توتیج کر دیا۔ یہ خبر ملک میں مشہور ہوئی۔ مخالف سازشی جماعت نے ساتھ ہی اس بات کو بھی شہرت دے دی کہ گجرات و دولت آباد و مرہٹ وغیرہ کے امیرانِ صده کو بھی چن چن کر اسی طرح ہلاک کیا جائے گا اور کوئی بھی اپنی جان نہ بچا سکے گا اگرچہ مذکورہ صوبوں کے امیرانِ صده خطا وار ضرورت تھے اور بغاوت پر آمادہ ہو چکے تھے۔ لیکن سلطان ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ سبھی کو ہلاک کیا جائے بلکہ اس کی خواہش یہ تھی کہ ہر راہ راست پر آکر خیالاتِ فاسدہ سے باز رہے اسے کچھ نہ کہا جائے۔ عزیز خاں کی نا تجربہ کاری میں کوئی شک نہیں امیرانِ صدر کی ایک بڑی جماعت کو جاتے ہی بیک وقت قتل کرنا احتیاط کے خلاف تھا لیکن اب جبکہ اس سے ایک فعلِ سرزد ہو چکا تھا۔ اس کو ملامت کرنا بھی قرینِ مصلحت نہ تھا۔ سلطان کی اس غلطی کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس نے ایک نا تجربہ کار شخص کو جس سے اب تک کوئی بڑا کارنامہ ظہور میں نہیں آیا تھا اتنا بڑا عہدہ سپرد کیا۔ سلطان بھی اپنی اس غلطی کو محسوس کر چکا تھا کیونکہ گجرات کے بعض امیرانِ صده نے جب دہار کے امیرانِ صده کی ہلاکت کا حال سنا اور علمِ بغاوت بلند کر کے شاہی خزانے کو جو دہلی کی جانب آ رہا تھا لوٹ لیا اور اس خبر کو سن کر عزیز خاں دہار سے گجرات کے امیرانِ صده کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا تو سلطان نے ناپسند کیا اور کہا کہ عزیز خاں نا تجربہ کار ہے اسے گجرات کی طرف نہیں جانا چاہیے تھا۔ سلطان نے عزیز خاں کی نا تجربہ کاری اور بے احتیاطی کا اندازہ کر کے اس خوف سے کہ گجرات کے وائسرائے خانجہان سے بھی جو عزیز کی طرح تو مسلم ہے کوئی ایسی ہی کارروائی سرزد نہ ہو اس کو اپنے پاس دہلی طلب کیا اور اس کی جگہ شیخ معز الدین پسر شیخ غلام الدین ابو دھنی کے بھیجنے کا ارادہ کیا۔

دہار کے اس واقعہ سے ماؤف علاقے کے تمام باغیوں کو جوا بھی تک خفیہ
تیار یوں میں مصروف تھے بے پردہ ہو کر میدان میں نکل آنے کا موقعہ دے دیا۔

باب مہتمم

محمد تغلق کا آخر عہد حیات

سفر گجرات | گجرات سے خان جہان خزانہ اور گھوڑے لے کر دہلی کو آتا تھا۔ اُس کے ساتھ گجرات کے بہت سے سوداگر بھی اپنا قیمتی مال لئے ہوئے دہلی کو آ رہے تھے دیہوتی اور برودہ کے امیرانِ صدہ نے بغاوت کر کے چھاپہ مارا۔ سوداگروں کا تمام مال اور شاہی خزانہ لوٹ لیا۔ خان جہان نے مشکل اپنی جان بچا کر نہرو دالہ میں پناہ لی ان باغی امیرانِ صدہ نے اس لوٹ کے مال سے اپنے آپ کو خوب طاقتور بنا کر کنبہات وغیرہ پر قبضہ کیا اور تمام ملک گجرات میں شورش و بدامنی پھیلادی۔ یہ خبر ہماہ رمضان ۷۴۸ھ سلطان کے پاس دہلی پہنچی۔ سلطان نے شیخ معز الدین کو ایک ہزار سوار دے کر فوراً گجرات کی جانب روانہ کر دیا اور دو سرے روز خود بھی یہ سمجھ کر کہ بنسیر میرے جلتے سرکشی کا سد باب نہ ہوگا معہ فوج گجرات کی جانب روانہ ہو گیا۔ ۱۶ رمضان ۷۴۸ھ کو جب کہ سلطان دہلی سے صرف پندرہ کوس کے فاصلے پر پہنچا تھا عزیز الملک صوبہ دار دہار کا عریضہ پہنچا کہ گجرات کے امیرانِ صدہ نے بغاوت و سرکشی کا اظہار کیا ہے، میں چونکہ نسبتاً گجرات کے قریب ہوں، لہذا گجرات کے امیرانِ صدہ کو سزا دینے کے لئے ہلاتا مل روانہ ہو رہا ہوں، سلطان نے عزیز الملک کا عریضہ پڑھ کر فرمایا کہ

”عزیز طریقہ حرب نہ اندعجب نہایت کہ از دست آن باغیان تلف شود“

یہ بات بھی قابل تذکرہ ہے کہ جب سلطان دہلی سے روانہ ہوئے لگاتار قتلخاں نے ضیاء برنی کے ذریعہ سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ گجرات کے سرکشوں کو سزا دینے کے لئے سلطان کے تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں مجھے حکم دیا جائے کہ میں وہاں جا کر سب کو گرفتار کر کے لے آؤں۔ ضیاء برنی کہتا ہے کہ اس پیغام کو سن کر سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا اور خود فوج لے کر روانہ ہو گیا اور خواجہ جہان ملک احمد ایاز در پر اعظم اور اپنے چچا زاد بھائی فیروز تغلق کو دہلی میں چھوڑ گیا۔ سلطان کا قتلخاں کے پیغام کو سن کر خاموش رہنا اور کوئی جواب نہ دینا صاف اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ قتلخاں سے سخت ناراض تھا مگر چونکہ قتلخاں استوارہ چکا تھا اس لئے اس کو معزول کرنے کے سوا اور کوئی منزل نہ دے سکا اور اس کی پیدا کی ہوئی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے خود دہلی سے روانہ ہوا قتلخاں کو اب دہلی کے امیر و غلام مولویوں اور صوفیوں یعنی مراسم پرستوں کے سر جوڑ کر خود ان کی رہنمائی اور رہبر داری کا آزاد موقع مل گیا۔ عزیز کلال دہار سے گجرات پہنچا اور وہاں باغیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سلطان نہرو والہ میں پہنچا جہاں خان جہاں سلطان کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ سلطان نے شیخ معزالدین کو باغیوں کی گرفتاری اور سزا دہی کے کنہات کی جانب روانہ کیا خود بہر دفع جا کر وہاں کے امیرانِ صمدہ کا لشکر فراہم کر کے خان جہان کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ دولت آباد اور گجرات کی سرحد پر پہنچ کر گجرات کے باغیوں کو دولت آباد کے علاقے میں داخل ہونے سے روکو۔ باغیوں نے جو عزیز الملک کو قتل کر کے بہت دیر ہو گئے تھے مقابلہ کیا مگر شیخ معزالدین نے سب کو شکست دی۔ بعض گرفتار ہو کر قتل ہوئے بہت سے فرار ہو کر حسب توقع دولت آباد کی جانب بھاگے۔ دیا نے نرہا کے کنارے خان جہان نے ان مفزوروں کو روکا کچھ تو گرفتار ہو سکے کچھ دیوگیر (دولت آباد) کے علاقے میں پہنچ کر وہاں کے امیرانِ صمدہ سے جا کر مل جانے میں کامیاب ہو گئے۔

دیوگیر (دولت آباد) کی بغاوت | گجرات کے ان باغیوں نے دولت آباد سے بغاوت پر آمادہ تھے اور زیادہ تیز کر دیا گجرات میں تو سلطان نے امن و امان قائم کر دیا لیکن اب دولت آباد کی حالت خطرناک ہو گئی اور باغیوں نے دولت آباد کے گورنر کو قتل کر دیا۔ سلطان نے بہرہ رج کے عامل، امیر حسین الحافظ بہ نظام الملک

کو جو امیر حسن المخاطب بہ قتلغ خاں مذکور کا بھائی تھا دیو گیر بھیجا نظام الملک سے بھی وہاں کچھ نہ ہو سکا۔ نظام الملک چونکہ قتلغ خاں کا بھائی تھا اس لئے باغیوں نے اس کے ساتھ بہت رعایت کا معاملہ کیا یعنی اس کو گرفتار کر کے نظر بند تو کیا مگر جان سے نہ مارا۔ باقی ان تمام سرداروں کو جو سلطان نے اس علاقے میں جدید انتظام کے ماتحت مقرر کئے تھے اور جو سلطان کے وفادار تھے چن چن کر قتل کیا اور امیرانِ صده میں سے ایک امیر مسی السہیل خاں کو اپنا سرگروہ یا بادشاہ بنا کر دولت آباد کے متعلقہ تمام علاقے کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ یہ خبر سن کر سلطان بہروج سے معہ لشکر دولت آباد کی جانب روانہ ہوا۔ باغیوں نے جو خوب طاقت ور ہو چکے تھے جم کر مقابلہ کیا آخر شکست کھا کر وہ حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک حصہ تو السہیل خاں کی ماتحتی میں شہر دولت آباد کے متصل قلعہ دولت آباد میں محصور ہوا۔ دوسرے حصہ جس میں حسن گانگو بھی شامل تھا ملک میں منتشر ہو کر موجب مشکلات بنا یعنی تمام امیرانِ صده اپنے اپنے متعلقہ پرگنوں میں جا کر مضبوط ہو بیٹھے۔ نظام الملک باغیوں کی قید سے نکل کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ سلطان نے شہر دولت آباد میں مقیم ہو کر ملک میں امن و امان اور نظام حکومت قائم کرنے اور باغیوں کو گرفتار و قتل کرنے کا انتظام شروع کیا۔ عماد الملک کو ایک لشکر دے کر گجرات کی جانب روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہاں مقیم ہو کر مفرد باغیوں کی گرفتاری کا بندوبست اور اس نواح کے شہر و دیوں کا قلع قمع کرو اسی طرح مرہٹ و غیرہ علاقوں میں جدید امر مقرر کئے۔ دیو گیر کے اکثر امیرانِ صده ابھی تک گرفتار نہیں ہو چکے تھے کچھ بھاگ کر گجرات کی طرف چلے گئے تھے۔

طغی نامک حرام | سلطان ملک کے بندوبست اور باغیوں کے تدارک میں مصروف تھا اسی حالت میں خبر پہنچی کہ طغی نامی غلامِ دہلی سے لوہانوں اور بدعاشوں کا ایک لشکر لے کر گجرات پہنچ گیا۔ گجرات کے شہزادوں اور دیو گیر و مرہٹ کے مفردوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر کے گجرات میں علمِ نفاذت بلند کر دیا اور گجرات کے امیرانِ صده ہی نہیں بلکہ وہاں کے ہندو راجہ بھی اس کے شریک و معاون ہو گئے اور اس نے گجرات کے صوبہ دار شیخ معز الدین کو گرفتار کر لیا۔ طغی نامک حرام سلطان کا غلام اور دربارِ سلطانی کے چوب داروں اور نقیبوں کا افسر تھا جو قتلغ خاں کی سازش میں شریک

ہو کر دہلی میں اس کا دست راست بن چکا تھا اور قلعہ خاں کی ہدایت اور تجویز کے موافق دہلی سے ایک جمعیت لے کر گجرات کی طرف روانہ ہوا تھا۔ دولت آباد کے صوبہ کا انتظام مکمل نہ ہونے پا یا تھا اور اسماعیل خاں بھی جو قلعہ دولت آباد میں محصور تھا ابھی گرفتار نہ ہو چکا تھا کہ طغیٰ نمک خرام کی اس شرارت اور گجرات کی بغاوت کا حال سُن کر دولت آباد میں چند امیروں کو انتظام کے لئے چھوڑ کر خود سلطان دولت آباد سے بہروج کی جانب روانہ ہوا جہاں طغیٰ اپنی جمعیت کو لئے ہوئے پڑا تھا۔ پادشاہ کی آمد کا حال سُن کر وہ بہروج سے کنہات کی جانب فرار اور سلطان بہروج میں داخل ہوا۔ اسی زمانے میں دہلی ضیاء برنی بطور ایچی سلطان کی خدمت میں پہنچا اور فتح دیوگیر کی مبارکباد پیش کی۔ اب حالت یہ تھی کہ سلطان کی فوج میں، سلطان کے مصاحبوں میں سلطان کے سرداروں میں، اور گجرات و دیوگیر کے ہر ایک شہر میں کوئی نہ کوئی شہید اور کوئی نہ کوئی باغی پوشیدہ یا علانیہ ضرور موجود تھا باغیوں کی یہ کثرت اور سازشوں کا جال اسی گروہ کی کوششوں کا نتیجہ تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جس کا لیڈر قلعہ خاں اور جس کا سرگرم رکن ہمارا مایہ ناز مورخ ضیاء برنی تھا۔ طغیٰ نمک خرام کا سلطان دہلی سے روانہ ہونے کے بعد جمعیت کثیر بہم پہنچا نا اور اس وقت جب کہ سلطان دولت آباد کے انتظام میں مصروف تھا گجرات میں پہنچ کر اسے سرفراز برپا کرنا اور دیوگیر کے باغیوں میں اس طرح دوبارہ جان طال دینا صاف اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ گجرات و دیوگیر کی بغاوتوں کا سلسلہ دہلی سے وابستہ تھا جہاں قلعہ خاں دیوگیر سے معزول شدہ پہنچا ہوا تھا۔ اور سلطان کی روانگی کے وقت اس بات کی کوشش ضیاء برنی کے ذریعہ کر چکا تھا کہ کسی طرح دہلی سے گجرات پہنچ جائے۔ سلطان یقیناً اس کے مافی الضمیر کا صحیح اندازہ کر چکا تھا اور اسی لئے جواب میں ایک لفظ بھی کہے بغیر روانہ ہو گیا تھا۔ دہلی میں معزول و سرود شدہ تنگ ظرف مفتیوں حد پیشہ اور دوزخ درغل مولویوں اور صوفیوں اور ان کے جاہل متقدموں کی کافی جمعیت موجود تھی قلعہ خاں کے لئے یہ کچھ بھی شمار نہ تھا کہ طغیٰ نمک خرام کو اس طرح دہلی سے گجرات کی طرف روانہ کر کے سلطان کے بنے بنائے کام کو بگاڑ دے۔ یہ قلعہ خاں ہی کی تدبیر و سعی کا نتیجہ تھا کہ طغیٰ نمک خرام کے گجرات پہنچے ہی وہاں کے شہید اور ہندو راہب اس کے ہمدرد ہوا خواہ بن گئے۔ ضیاء برنی کی انتہائی جالاکئی یہ ہے کہ وہ طغیٰ کو باغی اور نمک خرام سب کچھ کہتا ہے لیکن طغیٰ نمک خرام کے دہلی سے

بعض فساد گجرات آنے کو صاف اُچاتا ہے اس کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ انداز ہوتا ہے کہ طفی پہلے ہی سے گجرات میں موجود تھا اور سلطان کی غیر موجودگی میں موقع پا کر اس نے علم بناوت بلند کیا تھا۔ طفی گجرات میں کب آیا اور کس تقریب سے وہاں موجود تھا اس کا کچھ پتہ نہیں دیتا۔ ضیاء برنی کا یہ اہل بیان صاف بتا رہا ہے کہ ضیاء برنی طفی نمک حرام کے دہلی سے اس نازک وقت میں بعض فساد آنے کو خاص طور پر چھپانا چاہتا ہے مگر فرشتہ اپنی تاریخ میں سلطان علاء الدین حسن گانگو بہنی کے تذکرہ میں صاف لکھتا ہے کہ :-

”دریں اثنا از دہلی خبر رسید کہ طفی نام غلامی جماعتی از اوباش و اجلاف
بر خود جمع آورده و راه مخالفت و طغیان سپرده بعض گجرات تحصیل ہرچہ
تنامتر روانہ شدہ است سلطان محمد تغلق شاہ چوں ایں خبر شنید خود متوجہ
گجرات شد“

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ طفی نمک حرام دہلی سے اوباشوں کو ہمراہ لے کر بجانب گجرات جس طرف کہ سلطان خود موجود ہے روانہ ہوتا ہے حالانکہ اگر اس کا منشا بغاوت سے خود حکومت و سلطنت حاصل کرنا ہوتا تو وہ بنگالہ یا پنجاب یا بندیل کھنڈ یا کسی ایسی ہیست جاتا، جہاں سلطان سے زیادہ دور ہو جاتا اور سلطان وہاں بہت دنوں کے بعد پہنچ سکتا لیکن وہ تو دیدہ و دانستہ گویا موت کے منہ میں جا رہا تھا پس اس میں کیا شک کیا جا سکتا ہے کہ طفی نمک حرام ایک فدائی کی حیثیت سے سازشی مشن کو کامیاب بنانے کی کوشش میں شہید یا غازی بننے کے لئے دہلی سے روانہ ہوا تھا اور اس کے جاہل ہمراہی بھی سبہ خیال خویش اپنی جانیں قربان کرنے اور شہید ہونے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ انھیں ایام میں ضیاء برنی بھی اسٹیج بن کر سلطان کی خدمت میں پہنچ چکا تھا۔ سلطان نے ایک روز ضیاء برنی سے جو گفتگو کی اس کو ضیاء برنی ان الفاظ میں نقل کرتا ہے کہ :-

”و سلطان مرگفت کہ می بینی کہ امیران صدہ حرام خوار چہ گوہ فتنہ ہا می
انگیزند و اگر من یک جانب فراہم می آرم و سرایشان رنفع می کنم از طرف
دیگر بلای انگیزند کہ اگر من در اوں فہر مودے کہ یکبارگی امیران صدہ دیوگر

و گجرات را از میان بر دارند چندین در ماند گہا از ایشان مرا پیش نیامدے
و ہیں طغی حرام خوار یا کہ غلام من سمت اگر من سیاست فرمودے یا اورا
ہیادگار ہر بادشاہ عدان بفرستادے اس فتنہ و بلی اندو در وجود نیامدے
شاہ سلطان کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ میں جس شخص کو اپنا درد دل سنا رہا
ہوں وہ خود شرمیوں اور باغیوں کو کامیاب بنانے کی کوشش میں دہلی سے چل کر
لشکر شاہی میں پہنچا ہے۔ سلطان نے بہروج میں پہنچ کر ملک یوسف بفرما کو طغی کے
تعاقب میں روانہ کیا۔ کنبہات میں مقابلہ ہوا۔ ملک یوسف بفرما حرکہ جنگ میں کام
آیا۔ اس کے بعد طغی نے شیخ معزال دین کو بھی جو اس کی قید میں تھا قتل کر دیا۔ یہ سن کر
سلطان خود بہروج سے کنبہات کی جانب روانہ ہوا طغی کنبہات سے بھاگ کر اساول
پہنچا۔ سلطان اساول کی جانب متوجہ ہوا تو وہ وہاں سے فرار ہو کر نہروالہ پہنچا۔ غرض طغی
نے کہیں بھی جہم کر سلطانی فوج کا مقابلہ نہیں کیا۔ تھوڑے سے سواروں کے ساتھ جنگ
و جلال میں مصروف تھا۔ چونکہ ہر شہر اور ہر قصبے میں اس کو امداد دینے والے شہریر موجود
تھے لہذا سلطانی لشکر کی نقل و حرکت سے بروقت واقف ہو جانے اور خود ایک مقام سے
دوسرے مقام پر آسانی بھاگ جانے کی سہولت اسے میسر تھی اور اسی لئے اس کی
گرفتاری دشوار ثابت ہوتی ہے۔

گس را کے توان کشتن بششیر
چگونہ پشہ را سیلی زند شیر

گجرات کا انتظام اور بغاوت کا استیصال | سلطان نے بارش کی وجہ
سے چند روز اساول میں قیام

کیا طغی نمک حرام نے نہروالہ میں باغیوں کی زبردست جمعیت فراہم کی اور نہروالہ
سے نکل کر اساول کی طرف چلا۔ یہ خبر سن کر سلطان فوراً اساول سے جب کہ خوب
بارش ہو رہی تھی طغی کی سزا دہی کے لئے روانہ ہوا۔ آخر مقابلہ ہوا اور طغی شکست کھا کر
نہروالہ کی طرف بھاگا۔ پانسو کے قریب باغی سلطانی لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر مقتول
ہوئے طغی نہروالہ سے اپنا ساز و سامان لے کر بھاگا اور گرنار کے راجہ رائے مہرپ
کے پاس جو اس کا ہمدرد و حلیف بن چکا تھا چلا گیا۔ سلطان طغی کے فرار ہو جانے کے بعد

نہرو والہ میں پہنچا اور حوض سہسنگ کے چبوترے پر قیام کر کے گجرات کے انتظام میں مصروف ہوا۔ چند ہی روز میں گجرات کے اندر امن و امان قائم ہو گیا۔

”سلطان در نہرو والہ آمد و در چوبترہ حوض سہسنگ نزول فرمود و در ہفت مصالح ولایت گجرات مشغول شد و متحدہ مان و رانگان و ہشتگان اہل در بندگی در گاہ در می آمدند و خدمت ہامی آور دند و جامہ و انعام می یافتند چنانکہ در مدت نزدیک خلق فراہم آمد و از شمشیت و از فقری برست و بنا بر از غصب و غارت طغاة خلاص شد“ (برقی)

ظنی نیک حرام کے کچھ ساتھی جو دہلی سے ہمراہ آتے تھے مندل اور ٹیری کے راہ کی خدمت میں پہنچے کیونکہ وہ بھی ان باغیوں کا حلیف تھا۔ رانا نے مندل و ٹیری سے یہ دیکھ کر کہ سلطان محمد تغلق کے مقابلے میں باغیوں کا کامیاب ہونا دشوار ہے۔ ان باغیوں کے سرکاٹ کر سلطان کی خدمت میں بکجوا دیتے اور خود بھی اپنے گناہوں کی معافی کے لئے حاضر ہو گیا۔ سلطان نے اس کو خلعت و انعام دے کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ سلطان کے پاس نہرو والہ میں خبر پہنچی کہ عا و الملک کو بے دخل کر کے باغیوں نے گلبرگہ پر قبضہ اور حسن گانگو کو اپنا بادشاہ بنالیا اور حسن گانگو نے دولت آباد آ کر دولت آباد سے بھی سلطانی اہل کاروں کو بے دخل کر دیا۔ غرض دیوگیر و مرہٹ کا تمام علاقہ سلطانی قبضے سے نکل گیا۔ یہ خبر سن کر سلطان نے ملک احمد ایاز وزیر اعظم کو جو سلطان کا بڑا خیر خواہ اور ہر سردار بختا دہلی سے اس لئے طلب کیا کہ اسے دولت آباد کی جانب بھیجے اور خود گجرات کا بندوبست کرے جہاں ظنی نیک حرام گرنار کے راجہ کی حمایت میں ابھی تک سلامت موجود تھا اور گرنار کی جانب فوج کشی ہونی ضروری تھی۔

اس جگہ یہ بتادینا نہایت ضروری ہے کہ دکن کے ہندو راجاؤں نے جو سلطنت اسلامیہ کی غلامی و فرماں برداری کا

دکن کی خود مختاری اور وہاں کے ہندوؤں کی خوش نصیبی

حلقہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے تھے جب یہ دیکھا کہ مرہٹ و دولت آباد وغیرہ کے مسلمان سردار اور مسلمان امیران صدہ ہی سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں تو کشتنا ایک ابن رحمہ دیو اور بلال دیو وغیرہ کے زیر اہتمام ایک جگہ جمع ہو کر اپنی

خود مختاری کے لئے تجاویز سوچیں اور بیجا نگر کے آباد کر لے اور دکن کے جنوبی حصہ سے مسلمان کا عمل دخل اٹھا دینے کا تہیہ کر کے حسن گانگو بہمنی کے ساتھ ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس کے متعلق فرشتہ کی تحریر کو سب سے زیادہ مستند سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ دکن کا باشندہ اور وہاں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقفیت رکھتا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ۔

”دیس وقت کشنا نایک پسرورد دیو کہ در لواجی وزنگل می بود جہدہ نرو بلال دیو کہ رائے عظیم الشان کرناٹک بود رفتہ گفت مسلمانان در دیارنگ و کرناٹک داخل شدہ ارادہ دارند کہ یک بارہ مارا متاصل سازند در باب فکرے باید نمود بلال دیو جمیع اعیان مملکت را حاضر ساختہ مشورت طلبید و بعد از تفکر و امتحان نظر قرار یافت کہ بلال دیو جمیع ممالک خویش را در عقب گذاشتہ خود را در سرحد راہ سپاہ اسلام تحت گاہ سازد و معبود و صومہ و کنپلہ از تصرف مسلمانان در آورده و کشنا نایک تصرف نمودہ و نگل رانیز دریں ایام کہ فرصت است از حوزہ دیوان دہلی در آورده بلال دیو در کوہستان سرحد خود در جائے صعب شہرے بنام پسر خود بیجن رائے بنا کرد کہ مشہور بہ بیجن نگر گشت و رفتہ رفتہ از کثرت استعمال بیجا نگر شدہ پیادہ و سوار بسیار ہمراہ کشنا نایک کردہ نخست وزنگل را قابض شد و ملک عماد الملک وزیر گونختہ بدولت آباد آمد بعدہ بلال دیو کشنا نایک را ملک دادہ از دو طرف را بیان معرودہ پور اسد را کہ از قدیم الایام باج گزاکم کرناٹک بودند از تصرف مسلمانان بر آوردند و از ہر طرف فتنہ خفتہ بیدار گشت۔“

یوں سمجھنا چاہیے کہ بدبخت مسلمانوں یعنی نفس پرست شریعوں کی سازشوں نے دکن کے وسیع ملک کو ہندوستان کی اسلامی شہنشاہی سے جدا کر کے بیک وقت دکن میں دو خود مختار حکومتیں قائم ہونے کا سامان بہم پہنچایا جن میں سے ایک اسلامی اور دوسری ہندو حکومت تھی جس کا مفصل تذکرہ آگے اپنے مقام پر آئے گا۔ ہندوؤں کو حسن گانگوی کے خود مختار ہونے سے بے حد فائدہ پہنچا۔ اسی لئے ہندوؤں نے حسن گانگوی کو

علم بغاوت بلند کرتے ہیں بھوبی مدد دی۔

”راجہ مملکت تلنگ رکشنا ایک) کہ از دست سلطان محمد تغلق شاہ خنیں

دل بود از کولاس پانزدہ ہزار پیاوہ بعد حسن کانگومی بہمنی فرستادہ (زفرستہ)

دکن میں بہمنی سلطنت کا عہد قائم ہونا مقصد اسلامی کے لئے تو بے حد مضر تھا لیکن بیجا نگر کی ہندو ریاست خود مختار ہو کر آئندہ عرصہ دراز تک کے لئے مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ اور محکوم بننے سے بے خوف ہو گئی اور یہ سب نتیجہ تھا مسلمانوں کی اس ناعاقبت، اندیشی کا جس میں وہ آج بھی مبتلا پائے جاتے ہیں۔

ملک احمد ایاز جب دہلی سے روانہ ہو کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ حسن کانگو کے پاس باغیوں کی بہت بڑی جمعیت فراہم ہو چکی ہے اور دکن کے تمام ہندو راجاؤں نے بھی متفق ہو کر حسن کانگو کو مدد دینے اور سلطان دہلی کے مقابلے میں بغاوت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ حالات معلوم ہونے کے بعد سلطان نے ملک احمد ایاز کو اس طرف بھیجنا مناسب نہ سمجھ کر مصلحت اسی میں سمجھی کہ گجرات کا بندوبست مکمل اور مضبوط کرنے کے بعد خود ہی دولت آباد کی طرف جا کر دکن کے فتنے کو مٹائے اور وہاں کے باغیوں کا مکمل استیصال کرے۔ چنانچہ دولت آباد کی مہم کو سلطان نے ملتوی کر دیا اور گرنار کی طرف متوجہ ہوا۔ رانائے کھنکھار۔ اور رانائے گرنار اور طغی نے مل کر مقابلہ اور مدافعت کی کوشش کی اور جابجا ہر قسم کی مضبوطی کر لی۔ افواج سلطانی نے ان باغیوں کو شکستیں دیں۔ گرنار کے راجہ نے اپنی ہلاکت یقینی دیکھ کر چاہا کہ طغی کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس بھیج دے اور اس طرح سلطان کو رضا مند کرے طغی کو راجہ کا یہ ارادہ قبل از وقت معلوم ہو گیا۔ اور اس نے اپنے لئے حفاظت اور فرار کی راہیں تلاش کیں۔ آخر آخر طغی تو بھاگ کر جام ٹھٹھہ کے پاس چلا گیا۔ کھنکھار اور گرنار کے رانائے گرنار میں مقرر کی خدمت میں آئے اور سلطان نے ایک دو سہ ہندو راجہ اپنی طرف سے گرنار میں مقرر کیا جس کو ضیاء برہن مہنت گرنار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سلطان نے گرنار فتح کرنے کے بعد اس طرف کے جزیروں کو بھی سلطانی علاقے میں شامل کیا۔ اس طرح تمام ملک گجرات کا انتظام درست ہو گیا اور اس انتظام و اہتمام میں ایک سال گزر کر ۱۷۷۱ء شروع ہوا۔ اسی عرصہ میں خبر پہنچی کہ دہلی میں قلیخ خاں کا انتقال ہو گیا، اپنے اس نامہربان

استاد کے مرے کی خبر سن کر سلطان نے اظہارِ ملال کیا اور واپس ہو کر مقام کو ندل میں جو ٹھٹھہ کے راستے میں ہے مقیم ہوا۔ وزیر اعظم خواجہ جہان ملک احمد یار اور خاق جہان دولوں کو دہلی کی جانب رخصت کیا۔ جس کا سبب غالباً یہ تھا کہ اس کے پاس دہلی میں سازشوں کے نشوونما پانے اور فیروز تغلق کو تخت نشین کرنے کی تجویزوں کے حالات پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ اس نے ملک احمد یار کو حکم دیا کہ دہلی جاتے ہی فیروز تغلق، بعض مشائخ خداوند زادہ بنت تغلق شاہ اور بعض علماء کو لشکرِ سلطانی کی جانب روانہ کر دو چنانچہ دہلی سے یہ لوگ روانہ ہو کر سلطانی لشکر میں پہنچ گئے۔ ملا عبدالقادر بدایونی متوجہ الترابیج میں یہ روایت لکھتے ہیں کہ محمد تغلق کے پاس یہ خبر پہنچی تھی کہ دہلی میں حضرت شیخ نصیر الدین چلغ دہلی نے فیروز تغلق کو تخت نشین کرنے کی تیاری کر لی ہے اس خبر کے سنتے ہی محمد تغلق نے فیروز تغلق اور شیخ نصیر الدین رحمہ کو دہلی سے بلوایا اور خواجہ احمد یار کو دہلی بھیجا۔ یہ روایت اکبر کے زمانہ تک لوگوں میں مشہور اور عام رہا توں پر جاری تھی لہذا اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ متلغ خاں نے سلطان محمد تغلق کے قتل کرائے اور فیروز تغلق کو تخت سلطنت پر بٹھانے کی سازش میں صوفیوں، مولویوں اور ملک کے اکثر امیروں کو آمادہ و مستعد کر لیا تھا اور اس کی سب سے بڑی چالاکی اور دور اندیشی یہ تھی کہ اس نے حضرت خواجہ نصیر الدین چسراغ دہلی کو بظاہر اپنا پیشوا اور رہنما بنا لیا اور ایسی غلط فہمیاں ہوشیاری کے ساتھ پیدا کیں کہ خواجہ ممدوح، محمد تغلق کو بُرا اور فیروز تغلق کو اچھا سمجھنے لگے۔ یہ بات بھی فراموش نہ ہونی چاہیے کہ خواجہ ممدوح، محمد تغلق سے اس کے علاوہ بھی ایک اور وجہ سرگرائی کی رکھتے تھے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے چنانچہ متلغ خاں کی وفات کے بعد اس سازشی جماعت کے تمام سرگرم ارکان نے حضرت خواجہ ممدوح ہی کو اپنے کاموں کا مہتمم اور آمر قرار دیا۔

محمد تغلق کی وفات | سلطان کو ندل میں بہت دلوں مقیم رہا ملتان دیپا پور اور گوج وغیرہ سے لشکر اور کشتیاں وغیرہ طلب کیں اور تمام سامان فراہم ہو گیا اب ٹھٹھہ پر حملہ کر کے دہلی کے جام اور طغی باغی کو جو ٹھٹھہ میں پناہ گزیں تھا سزا دینی باقی تھی اور یہ بہت ہی معمولی کام تھا کیونکہ گجرات کا سلطان نے ایسا مستحکم انتظام کر دیا تھا کہ وہاں اب کسی بغاوت کے نشوونما پانے کا موقع باقی نہیں رہا تھا۔

طغیٰ نمک حرام کو سزا دینے کے بعد سلطان کو دولت آباد اور دکن کی جانب متوجہ ہونا تھا اور دکن ہی کے لئے اس نے کونڈل میں لشکر جمع کیا تھا۔ مغلوں کا چغتائی سلطان بیان قلی خان براء زادہ ترمشیریں خان برائے نام سلطان، تھا اس کا وزیر اعظم امیر قرغن درحقیقت فرماں روائی کرتا تھا اور سلطان محمد تغلق کے ساتھ اس کے تعلقاً بہت خلصانہ تھے۔ سلطان محمد تغلق اس بات سے واقف ہو چکا تھا کہ اُس کے لشکر کے ایک بڑے حصے کی وفاداری کو صوفیوں اور بدعتی شہریروں کے سازشی گروہ نے متزلزل کر دیا ہے لہذا اس نے احتیاطاً امیر قرغن کو لکھا کہ مغلوں کی ایک امدادی فوج بھیج دو۔ چنانچہ امیر قرغن نے پانچ ہزار مغلوں کی ایک فوج التون بہادر نامی سردار کی ماتحتی میں روانہ کی۔ مغلوں کی یہ فوج سلطان کی خدمت میں اس وقت پہنچی جب کہ وہ کونڈل سے روانہ ہو کر ٹھٹھہ پہنچنے کے لئے دریائے سندھ کو عبور کر رہا تھا۔ مغلوں کی اس فوج کے پہنچنے سے سلطان خوش ہوا اور مہان فوج کی خوب خاطر مدارات کی۔

سلطان محمد تغلق جو کہ اس عظیم الشان سازش سے جس میں بہت سے ارکان سلطنت اور مراسم پرست مذہبی لوگ شامل تھے بے خبر نہ تھا وہ ایک طرف میلان جنگ میں باغیوں کی گرفتاری و سزا دہی کا کام انجام دے رہا تھا دوسری طرف اس کا دماغ اس سازش کے عواقب و نتائج کو سوچ رہا تھا۔ دہلی سے فیروز تغلق، اپنی بہن خدانند زادہ اور بعض علماء و مشائخ کا جن میں خواجہ نصیر الدین رحمہ چراغ دہلی بھی شامل تھے اپنے پاس بلوا لینا اور اپنے وزیر اعظم ملک احمد ایاز اور خان جہاں کو دہلی کی طرف بھیجنا بلا سبب اور بے معنی نہ تھا۔ اس کو فیروز تغلق سے محبت تھی۔ فیروز تغلق کو ہمیشہ مصروف شکار اور آوارہ دہیکار رہنے سے منع کرتا رہتا تھا فیروز تغلق کی شراب خوری کا بھی اُس کو حال معلوم ہو چکا تھا۔ فیروز تغلق نماز روزہ کا پابند نہ تھا، سلطان ان بُری عادتوں کے چھڑانے کے لئے اُس پر کبھی کبھی تشدد بھی کرتا تھا اور زیادہ دلوں اپنے آپ سے صبر رکھنا نہ چاہتا تھا کہ لہو لعب میں ترقی نہ کر جائے اور سازشی گروہ کے فریب میں آکر ان کا آلہ کار نہ بن جائے۔ اس کو اپنی بہن خدانند زادہ اور اپنے بہنوئی خسرو ملک کی طرف سے بھی اسی قسم کا اندیشہ تھا۔ سلطان کی ایک بیٹی تھی جس کی شادی عماد الملک سے ہوئی تھی عماد الملک ہر طرح قابل اعتماد اور سلطان کا ہم خیال و وفادار

تھا۔ ایک بیٹا تھا جس کی عمر صرف چھ سات سال کی تھی وہ دہلی ہی میں زیر تعلیم تھا۔ ایسی حالت میں کہ گجرات اور سندھ کی طرف سے ملتان ہو کر دکن کی طرف جانا ضروری تھا اس نے ملک احمد یاز کو دہلی بھیج کر اور وہاں سے مذکورہ شاہی خاندان کے لوگوں اور بااثر مشائخ و علما کو اپنے پاس بلا کر دہلی کی جانب سے اطمینان حاصل کیا۔ غرض سلطان اپنے عظیم الشان لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کر کے ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوا۔ ارجمند شہنشاہ کو سلطان نے عاشورہ محرم کا روزہ رکھا اور افطار کے وقت مچھلی کھائی جس سے بخار ہو گیا ایک دو روز اس علالت کے سبب قیام کیا اور جب ہر طرح تندرست ہو گیا تو ٹھٹھہ کی جانب کوچ کیا۔ ٹھٹھہ سے چودہ کوس کے فاصلہ پر قیام ہوا اب صرف حکم کی دیر تھی اور ایک ہی روز میں فوج حملہ آور ہو کر ٹھٹھہ کے باغیوں اور طفلی نمک حرام کا خاتمہ کر سکتی تھی مگر کسی غیر معلوم وجہ سے بیکار یک سلطان کی حالت متغیر ہو گئی اور وہ قبل اس کے کہ فوج کو حملہ کا حکم دے ۱۲ محرم ۱۰۰۰ کو فوت ہو گیا اس حادثہ وفات پر سلطان فیروز تغلق کے ابتدائی حالات سے جو آگے آنے والے ہیں روشنی پڑے گی۔

سلطان محمد تغلق کے خصائل بطور خلاصہ | اگر محمد تغلق کی مدت حیات ختم نہ ہو گئی ہوتی تو وہ طفلی نمک حرام کے فتنے سے فارغ ہوتے ہی دکن کے تمام فتنوں کو بھی فرو کر دیتا اور ہندوستان میں بے امنی، جہالت، بے وفائی، ظلم، بے جا عصبیت اور مراسم بدعات کا نام و نشان باقی نہ چھوڑتا اس نے اپنی ستائیس سالہ حکومت میں ایسی عظیم الشان مشکلات کا میاب مقابلہ کیا کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص مثلاً فیروز تغلق ہوتا تو اس کی نسبت بہ کامیابی حاصل نہ کر سکتا۔ اس کی زندگی از ابتدائاً انتہا لہو و لعب، بدکاری، تن آسانی اور غفلت سے جس طرح پاک و صاف ہے اسی طرح پاک بازی، داناتی، رحم دلی، عدل و انصاف، علم دوستی، معارف پروری، روشن خیالی اور ارتقا سے لہریز و منور ہے۔ وہ صاحب السیف و القلم اور وارث ہم و حکم تھا۔ اس کی زندگی انتہائی مصروفیت اور شفقت علی خلق اللہ میں بسر ہوئی۔ اگر مروت کی صفت اس میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ قتلخ خاں کو اپنی سلطنت کی غلامی کے لئے اس قدر آزادی اور وسیع مہلت کبھی عطا نہ کرتا، محمد تغلق کی زندگی میں ایک بھی مثال ایسی دستیاب

نہیں ہو سکتی کہ اُس نے اپنی ذات کے آرام اور اپنے نفس کی لذت کے لئے رعایا کا مال خسران کیا یا کسی کو آزار پہنچایا ہو ایک سلطان کے لئے کیا یہ قابلِ فخر بات نہیں ہے جسے کہ اس کی نظر کبھی کسی غیر محرم عورت پر نہیں پڑی۔ سوہ جب اپنے مکان میں داخل ہوتا تو دروازے میں کھڑا ہو جاتا اور آگے کسی کو بھیج کر اپنے آنے کی اطلاع بھجواتا تاکہ اگر بادشاہ بگیم کے پاس کوئی دوسری عورت آئی ہوئی ہو تو پرہیز کا انتظام ہو جائے اور سلطان کی نگاہ ایسی غیر عورت پر نہ پڑنے پائے کسی سلطان کی سب سے بڑی خوبی اس کا عادل ہونا ہے سلطان محمد تغلق کے نام کے ساتھ "عادل" بطور جزو اسم علم اس کی وفات کے تین سو سال بعد تک عام زبانوں پر جاری تھا۔ چنانچہ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں اس سلطان کا ذکر شروع کرتے ہوئے عنوان میں اس کا نام "سلطان محمد عادل" لکھا ہے۔ ملا محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ فرشتہ میں لکھتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق کی خدمت میں جو مفلوک الحال آتما مال مال ہو جاتا۔ بدادوں، محتاجوں اور ضعیفوں کی خبر گیری اور پرورش کا اس کو خاص طور پر خیال رہتا، فارسی اور عربی میں ایسے حکایتیں لکھتا کہ بڑے بڑے منشی اور ادیب حیران رہ جاتے فصاحت اور شیریں کلامی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ جو دت فہم اور حدت ذہن میں خاص طور پر ممتاز تھا۔ مردم شناسی کا ملکہ حد کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو ایک مرتبہ سنا ساری عمر یاد رہتا۔ تاریخ، ریاضی، طب، نجوم، فلسفہ منطق میں دست گاہ کامل رکھتا اور شعر خوب کہتا تھا اُس نے حالت نزع میں یہ شعر کہے تھے۔

بسیار در میں جہاں چمیدیم بسیار نسیم و ناز دیدیم

اسپان بلند بر نشیم ترکان گراں بہا خریدیم

گردیم بے نشاط آخر چوں قاسم ماہ نو خریدیم

شیراز غنیف کہتا ہے کہ "سلطان محمد بادشاہ با جاہ صاحب دست گاہ با کیا ست فراوان و فراست بے پایاں بود" الفنسٹ صاحب اس سلطان کی نسبت لکھتے ہیں کہ عالموں فاضلوں پر ایسی ایسی بخششیں کیں اور ایسے ایسے وظیفے مقرر کئے کہ پہلے کسی بادشاہ نے مقرر نہ کئے تھے اس نے طسرح طرح کی فیاضی اور دیادگی

سے شفا خانے بنائے اور محتاج خانے جاری کئے اور قلمرو کے تمام عالموں فاضلوں سے ایسے ایسے سلوک کئے کہ اس کے مناقب اور محامد کے چرچے جا بجا ہوئے۔ تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بادشاہ اپنے زمانے میں نہایت قابل اور بے غنا خوش بیان تھا۔ یہاں تک کہ اس کے بعد بھی اس کی عربی و فارسی تحریروں کی خوبی بیان کی جاتی تھی۔ روزہ نماز کا پابند اور سے نوشی سے نہایت سحرز تھا۔ ذاتی کاموں میں اپنے مذہب کے اصولوں کی پابندی کو مقدم رکھتا تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان کو اقامت صلوٰۃ کا بڑا خیال تھا۔ تمام ملازموں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ جو تارک صلوٰۃ ہوتا اس کو سنت سزا دی جاتی تھی۔ اس نے بازاروں میں آدمی متعین کر رکھے تھے کہ نماز کے وقت جو جماعت میں شریک نہ ہو اس کو سزا دیں۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ آدمیوں کو بلا کر وضو اور نماز کے فرائض بتائیں اور شرائط اسلام سکھائیں۔ ہر گلی کوچہ میں احکام شرعی عوام الناس کو سکھائے جاتے تھے۔ نماز کے ساتھ دوسرے احکام شرع کی پابندی کے لئے بھی خاص اہتمام سے کام لیا جاتا تھا۔ کسی ہندو امیر نے قاضی کے یہاں ناش کی کہ سلطان نے میرے بھائی کو بے سبب قتل کیا ہے قاضی نے سلطان کی طلبی کا حکم نامہ جاری کیا۔ سلطان قاضی کی مجلس میں حاضر ہوا اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لے گیا۔ اس نے قاضی کو سلام کیا اور جب تک قاضی نے بیٹھنے کا حکم نہ دیا برابر کھڑا رہا۔ قاضی نے فریقین کے بیانات سنے آخر وہ ہندو امیر اپنے بھائی کے خون پر دلائل سننے کے بعد راضی ہو گیا۔ جب تک قاضی نے جانے کی اجازت نہ دی سلطان قاضی کی مجلس میں ٹھہرا۔ سلطان کے دربار میں جب کوئی شخص آتا اور سلام کرنے کی جگہ پر پہنچتا تو نقیب بلند آواز سے کہتا۔ بسم اللہ اور اگر یہ شخص ہندو ہوتا تو نقیب بجائے بسم اللہ کے ”ہدایۃ اللہ“ کہتا اس سلطان کی سخاوت تمام صفات پر غالب ہے ”میں نے اس کی سخاوت کی برابر کسی پہلے سلطان کی سخاوت کا حال نہیں سنا۔ تمام اشخاص سے زیادہ یہ سلطان منکمر و متواضع ہے اور سب سے زیادہ یہ عدل کو ملحوظ رکھتا ہے۔“ انتہا۔

میں آخر میں اپنے ہندو دوستوں کو صرف ایک بات کی طرف اور توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ سلطان محمد تغلق نے دیوگیر کو دارالسلطنت بنانے کے ارادے سے وہاں نہ صرف دولت آباد کا بے نظیر قلعہ پہاڑ کو تراش کر بنایا بلکہ شہریت اور دارالسلطنت کے تمام لوازم فراہم کئے اور وہاں رہنے کے ارادے سے چلا بھی گیا۔ محمد تغلق مذہب کا پابند اور سچا پکا مسلمان تھا داریلورا کے مشہور و معروف مندر دولت آباد سے کچھ دور نہ تھے۔ مندروں کے سمار کرانے کا الزام جو مسلمان سلاطین کے سر چھو یا جا رہا ہے اگر اس میں رتی برابر بھی صداقت ہوتی اور اسلام دوسری قوموں کے معابد کو منہدم کرنے کی اجازت دیتا تو محمد تغلق جیسا پابند شرع سلطان اپنے بغل میں الیورا کے مندروں کو کسی طرح باقی نہ رہنے دیتا۔ خوب سوچو اور بہت غور کرو۔

سُلطان فیروز تغلق

سلطان علاء الدین خلجی کے حالات میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ء میں دکن ابھی فتح ہو کر سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا اور مسلمانوں نے اس کاری میں مسیح بنوا کر کل براعظم ہندوستان پر اسلامی حکومت کے قایم ہو جانے کی مہر لگا دی تھی۔ قریباً چالیس سال تک پورے براعظم ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا ایک ہی مرکز رہا۔ سلطان محمد تغلق کے آخر عہد حکومت میں بعض مسلمان گورنروں کی بغاوت اور نا عاقبت اندیشی سے دکن میں بغاوتیں برپا ہوئیں۔ سلطان محمد تغلق گجرات کی بنائو فرو کرنے کے بعد دکن کی بغاوت دور کرنے کے لئے اُس طرف روانہ ہوئے کو تھا کہ پیغام اجل کے پہنچنے پر عالم جاودانی کو روانہ ہو گیا اس کے جانشین فیروز تغلق نے دکن کی جانب کوئی توجہ نہیں کی اور غالباً فیروز تغلق کی رضا مندی سے دکن کی سلطنت پہنی کے نام سے ایک خود مختار اسلامی سلطنت جدا قائم ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم اورنگ عالمگیر کے عہد حکومت تک کل براعظم ہندوستان کی حکومت ایک مرکز سلطنت سے وابستہ نہ ہو سکی بلکہ جدا جدا متعدد اسلامی سلطنتیں ہندوستان میں قائم رہیں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دور افغانیہ کے خاتمہ تک مسلسل شمالی ہند کی سلطنت دہلی کے سلاطین کا تذکرہ جاری رکھا جائے اس کے بعد دکن گجرات

بھال، کشمیر وغیرہ کے حالات بیان کر کے پھر سلطنت مغلیہ کو زیر بحث لایا جائے چنانچہ وکن کے حالات کو ملتوی رکھ کر فیروز تغلق کے مختصر اور ضروری حالات جو اس تصنیف کے موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں عرض کئے جاتے ہیں مسلمانوں کا ہندو قوم کی تہذیب، تمدن، اخلاق، اور معاشرت پر کس تدریج و ترتیب سے کیا کیا اثر پڑا؟ یہ ضروری مضمون ابھی تک ملتوی اور میرے ذہن میں ہے۔ آئندہ کسی مناسب موقع پر اس کو بالتفصیل بیان کیا جائے گا غلط سمجھ سے بچنے کے لئے اس مضمون کو فی الحال ملتوی رکھنا اور سلسلہ سلاطین کو ایک مناسب حد تک پہنچا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں کا ذات پات کی قید سے آزاد رہنا | اوپر آچکا ہے کہ وہ ایک

راجپوت زمین دار مسمی رانا مل بھٹی کی بیٹی تھی۔ فیروز تغلق کی داوی بھی پنجاب کی ایک جاٹنی تھی۔ اگر اسلام اور مسلمانوں میں ذات پات کو ایسی ہی اہمیت دی گئی ہوتی جیسی کہ مذکورہ میں تعلیم کی گئی ہے اور ہندوؤں میں رائج ہے تو مسلمان اول تو غیاث الدین ہی کو بھی اپنا پادشاہ اور سلطان نہ بناتے اور اگر کسی مجبوری سے اس کو سلطان تسلیم کر لیا تھا تو فیروز تغلق کو جس کے جسم میں ہندوئی خون دو آتشہ ہو کر موجود تھا کبھی تخت سلطنت کا مستحق قرار نہ دیتے۔ فیروز تغلق کا بھائی ملک قطب الدین ابن سالار جب چوتھی مسلمان بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا لشکر میں موجود تھا۔ دوسرا بھائی ملک ابراہیم ابن سالار جب جو وزارت اور نیابت سلطنت کی خدمات انجام دینے کی وجہ سے ملک نائب بارہک کے خطاب سے مخاطب ہوا موجود تھا۔ خود سلطان محمد تغلق کا ہفت سالہ بیٹا موجود تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کا نواسا دادا اور الملک جو نائب امیر حاجب تھا، امیدوار سلطنت تھا اور اس کی ماں یعنی سلطان محمد تغلق کی بہن خدانند زاہدہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد اُس نے امیروں کے پاس اس غرض کے لئے پیغام بھیجے تھے۔ خسرو ملک یعنی سلطان غیاث الدین تغلق کا داماد بھی شاہی خاندان کا آدمی تھا۔ ملک تانار خاں جو سلطان غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بیٹا اور سلطان محمد تغلق کا بھائی سمجھا جاتا تھا اور بڑا بہادر سپہ سالار تھا سلطان لشکر میں موجود تھا۔ ان سب کے موجود ہوتے ہوئے فیروز تغلق کو تخت سلطنت پر بٹھا ناسب نے بڑی دلیل

اس بات کی ہے کہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر ذات پات کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی اور ہندو قوم کو جو ان کی مفتوحہ و مغلوب و محکوم قوم تھی ذلیل ٹھہرانے اور ذلیل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

خواجہ جہان ملک احمد یاز کا مقتول ہونا | سلطان محمد تغلق کا ٹھٹھہ کے قریب ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو انتقال ہوا۔

چونکہ یہ حادثہ دریائے سندھ کے کنارے بحالت مسافرت وقوع پذیر ہوا لہذا لشکر میں بد نظمی اور ہلچل کا پیدا ہونا ذرا بھی خلاف توقع نہ تھا، پانچ ہزار مغل جو التون بہادر مغل سردار کی ماتحتی میں بطور امدادی لشکر کے آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے یہ رنگ دیکھ کر اور اپنے ہم قوم امیر نوزد داد ترم شہیں خاں سے جو سلطان محمد تغلق کا پیرانا اور وفادار سردار تھا اکثر ہندوستانی افسروں کی بے وفائی اور محن کشی کے حالات سن کر سلطان کی وفات کے بعد اپنے ملک کو واپس جانے کا قصد کیا اور چلتے وقت جو سامان ملا لوٹ لیا۔ امیر نوزد نے کبھی سلطان کے ساتھ کوئی بے وفائی نہیں کی تھی اور وہ سلطان محمد تغلق کے مخصوص تربیت کردہ لوگوں میں سے تھا اس کا سلطان کی وفات کے بعد مذکورہ مغل فوج کے ساتھ اپنے ملک کو واپس چلا جانا اور مغلوں کو لوٹ مار یا لڑائی کی ترغیب دینا فیروز شاہی مؤرخین کے نزدیک مغلوں کی جلی غارت گری کا نتیجہ تھا۔ لیکن اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کے اکثر سرداران لشکر نیز فیروز تغلق کے خیالات سلطان مرحوم کی نسبت اچھے نہ تھے اور اسی لئے سلطان مرحوم کے ایک قدیم و وفادار خادم نے سلطان کے بعد یہاں رہنا گوارا نہ کیا۔

بلبل چو تاب رشک رقابت بخود نہ دید

از باغ دبوستان و گل و گلستاں گذشت

غرض اس لوٹ مار کے ہنگامے میں کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ وزیر اعظم ملک احمد یاز کا غلام جس کا نام بلج تون تون تھا دہلی سے سلطان لشکر میں آیا ہوا تھا اس امر اتھری اور لوٹ مار کے ہنگامے میں بہت سے آدمی آوارہ ہو کر ادھر ادھر چل دیئے۔ بلج تون تون بھی وہاں سے بھاگا اور سید معاد دہلی کا رخ کیا۔ جلد از جلد دہلی پہنچ کر اپنے آقا ملک احمد یاز کو سلطان کی وفات کا حال سنا یا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ مغلوں نے حملہ کر کے لشکر کو ٹوٹا

اور ہمت سے سردار مارے گئے۔ بعض مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار اور بعض مفقود الحجز ہیں فیروز تغلق اور ملک تاتار خاں کی نسبت کہا کہ وہ دونوں بھی مقتول یا اسیر ہو چکے ہیں۔ شمس سراج عقیف کے الفاظ یہ ہیں:-

”در روز غارت بنگاہ خلق لشکر متفرق افتادہ ہر یکے کہ دران انجمن بود بہر متہ
رُخ نہاد ہنوز سلطان فیروز کہ بہادشا ہی نہ نشستہ ہمدراں لحظہ ملیح تون
قون نام غلامے بود ازاں خواجہ کہ خواجہ جہاں پیش ازاں بر سلطان محمد
فرستادہ بود ملیح مذکور در عین شور مشہور از لشکر جانب دہلی رواں شدو
سلامت در دہلی رسیدہ پیش خواجہ جہاں تقریر کرد کہ سلطان محمد از جہاں
خوامید طائفہ مغل بر لشکر دویدہ خلایق بازار بزرگ را نہیب وغارت کردہ
میاں لشکر فساد بسیار و خون ریزی بے شمار شدہ ملیح مذکور اس تقریر نیز کردہ
کہ تاتار خاں و ملک امیر حاجب یعنی سلطان فیروز غائب شدند و معلوم نیست
کہ ایشان بدست مغلاں افتادند و یا کشتہ شدند و بیشتر ملوک دران جنگ
سعادت شہادت یافتہ“

ملک احمد ایاز اس خبر کو سن کر سخت پریشان ہوا۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کا حال اگرچہ ایک سانحہ عظیم تھا لیکن فیروز تغلق اور تاتار خاں کے مقتول یا اسیر ہونے کی خبر اور بھی زیادہ موجب تشویش ہوئی۔ ملک احمد ایاز کی بیوی نے فیروز تغلق کو اپنا منہ لولا بیٹا بنایا تھا اور فیروز تغلق ملک احمد ایاز کو باپ کہتا تھا۔ ملک احمد ایاز ہی نے سلطان محمد تغلق کو فیروز تغلق کی جانب ہمیشہ محبت کے ساتھ متوجہ رکھا اور اب محمد تغلق کے بعد وہی سب سے زیادہ اس کو سلطان بنانے میں کوشاں ہوتا۔ لیکن جب اس کو اپنے غلام ملیح تون قون کی زبانی فیروز تغلق کے مقتول یا اسیر ہونے کا حال معلوم ہوا تو اُس نے سلطان محمد تغلق کے سفت سالہ بیٹے محمود کو قوام الملک خان جہاں۔ سید جلال الدین ترمذی۔ ملک حمید الدین کچھی۔ مولانا نجم الدین۔ ملک حسام الدین ازبک وغیرہ کے مشورے سے پادشاہ بنا کر دہلی کے موجودہ سرداروں سے بیعت لے لی اور ملک کے نظم و نسق کو قائم رکھنے کے لئے جدید فوج بھی بھرتی کی۔

سلطان محمد تغلق نے کسی خاص شخص کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ فیروز تغلق کے

عہد حکومت میں جوتا ریخیں لکھی گئیں اُن میں یہ ذکر ضرور موجود ہے کہ محمد تغلق نے فوت ہوتے وقت فیروز تغلق کو اپنا جانشین تجویز کر دیا تھا۔ لیکن یہ سراسر غلط اور محض فیروز تغلق کی خوشنودی مزاج کے لئے غالباً لکھا گیا ہے کیونکہ محمد تغلق کی وفات کے کئی روز بعد تک تخت نشینی اور محمد تغلق کی جانشینی کا معاملہ بالکل بہل رہا اور محمد تغلق کی بہن کو بمشکل رضا مند کر کے فیروز تغلق کو اس دلیل کی بنا پر تخت نشین کیا گیا تھا کہ اگر جلدی بادشاہ نامزد نہ کیا گیا تو اس لشکر کا انتظام و اہتمام کے ساتھ دہلی پہنچنا دشوار ہے۔ خود شمس سراج بیہف نے فیروز تغلق کی تخت نشینی کے جو حالات لکھے ہیں اُن سے ثابت ہو رہا ہے کہ محمد تغلق نے کسی کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ نہ فیروز تغلق کے حامیوں نے تخت نشینی کے وقت کسی سے بطور دلیل اس بات کا ذکر کیا کہ فیروز تغلق کو ولی عہد نامزد کیا جا چکا ہے۔ اگر سلطان محمد تغلق فیروز تغلق کو ولی عہد مقرر کرتا تو تین چار روز تک فیروز تغلق کی تخت نشینی معرض التواہیں نہ رہتی اور کسی کو مخالفت کرنے یا خداوند زادہ ہمشیرہ محمد تغلق کو فیروز تغلق کے خلاف کوشش کرنے کا قطعاً موقع نہ ملتا۔ اگر بطور فرض محال اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مرتے وقت سلطان محمد تغلق نے فیروز تغلق کو ولی عہد بنایا تھا تو خواجہ جہان ملک احمد ایاز تو اس سے واقف نہ تھا۔ ملک احمد ایاز کی نیک نیتی اور پاک باطنی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اُس نے اپنے آقا اور اُس کے خاندان سے ہرگز کسی قسم کی بے وفائی نہیں کی اور جو کچھ کیا وقت کی مصلحت کے موافق کیا شمس سراج عقیف کے الفاظ یہ ہیں :-

”چوں بعد از شرط عطا خواجہ جہان از ماتم برخاست گفتار طبع راست پنداشت
دریں محل خواجہ جہان اجتہاد کردہ پسر سلطان محمد را بہا و شاہی نشان دہ
بتقدیر اللہ تبارک و تعالیٰ در اجتہاد خواجہ جہان غلط افتاد چوں خواجہ
جہان شنید کہ ملک امیر حاجب (فیروز تغلق) سلامت است دور ملک
نشست بر غلط اجتہاد واقف شد“

ادھر دریائے سندھ کے کنارے سلطانی لشکر میں یہ صورت پیش آئی کہ ۲۴ محرم
۷۸۵ھ کو خواجہ نصیر الدین رحمہ چراغ دہلی کی کوشش سے فیروز تغلق کی تخت نشینی کے
مراسم ادا کئے گئے۔ فیروز تغلق تخت نشین ہونے کے بعد منگولوں کو بھگا کر اور عماد الملک

اور امیر علی غوری کو طغی نمک حرام کی سرکوبی پر مصلحتاً مامور کر کے مع لشکر دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ طغی نمک حرام ٹھٹھہ سے نکل کر گجرات کی طرف جا رہا تھا کہ عماد الملک کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور عماد الملک جلد واپس آ کر لشکر فیروز شاہی میں شامل ہو گیا۔ چند روز کے بعد سفر کی کئی منزل میں فیروز تغلق نے یہ خبر سنی کہ دہلی میں سلطان محمد تغلق کے بیٹے کو خواجہ جہان ملک احمد ایاز نے تخت سلطنت پر بٹھا دیا ہے۔ اور ملک احمد ایاز کو معلوم ہوا کہ فیروز تغلق زندہ و سلامت موجود ہے اور پادشاہ بن کر دہلی کی جانب آ رہا ہے۔ شمس سراج عقیف کہتا ہے کہ:-

”چوں خواجہ جہان اخبار دولت سلطان فیروز شنید بر غلط خود تا سف بسیار خود“

چونکہ تمام گروہ صوفیا قدامت پسند اور مراسم پرست علماء اکثر امرا مذکورہ سازش میں شریک اور خواجہ جہان کے مخالف تھے اس لئے خواجہ جہان کو فیروز تغلق کی مخالفت میں کامیابی کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی بلکہ اس کو اپنی سلامتی کی اُمید بھی صرف اس لئے تھی کہ فیروز تغلق پر اس کے احسانات ثابت تھے اور معمولی انسانی شرافت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ فیروز تغلق خواجہ جہان ملک احمد ایاز کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے و نہ۔ چنانچہ ملک احمد ایاز کو اطمینان تھا کہ فیروز تغلق جب اصل حقیقت اور واقعہ کی اصل نوعیت سے واقف ہو گا تو میرے ساتھ کوئی بُرائی نہ کرے گا۔ اسی طرح فیروز تغلق کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ ملک احمد ایاز میرا بدخواہ نہیں ہے۔ قوام الملک خان جہاں نو مسلم نے جب پرسنا کہ فیروز تغلق مع لشکر سرتی کے مقام پر پہنچ گیا ہے تو عجیب چالاکی سے کام لیا کہ خواجہ جہان کو خبر کئے بغیر تنہا دہلی سے چلایا اور فیروز تغلق سے آ ملا۔

فیروز تغلق اُس

کے آنے سے بہت خوش ہوا اور وزارت کا وعدہ دیا۔ اسی روز شہزادہ فتح خان فیروز تغلق

کی گوجری بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ شمس سراج عقیف کی روایت کے موافق اگلے دن خواجہ جہان ملک احمد ایاز بھی فیروز شاہ کی خدمت میں پہنچ گیا اور اپنی غلطی اور غلط فہمی کا حال سنا کر معافی چاہی۔ ضیا میرنی کہتا ہے کہ ملک احمد ایاز تو ام المملک خان جہاں کے پہنچنے سے کئی روز کے بعد پہنچا لیکن شمس سراج عقیف کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اگلے ہی دن پہنچ گیا تھا۔ شمس سراج عقیف کی روایت کے موافق فیروز تغلق ملک احمد ایاز کے ساتھ عزت و محنت کا برتاؤ کرنا چاہتا تھا مگر اکثر سرداران لشکر اور اُمراء متفق ہو کر اس بات پر زور دیا کہ ملک احمد ایاز کو قتل کیا جائے۔ فیروز تغلق رضامند نہ ہوتا تھا مگر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اکثر امرا بغاوت پر سٹے ہوئے ہیں تو اس نے حکومت و بادشاہت کو بچانا ضروری سمجھ کر خواجہ جہان کے متعلق امیروں کو اختیار دے دیا کہ جو تمھارا جی چاہے اُس کے ساتھ سلوک کرو۔ شمس سراج عقیف کہتا ہے کہ:-

”حضرت فیروز شاہ جوں دید کہ ایشان ہر ہمہ بہند سہ فرست و زمرہ گیت
برائے تلف کرد خواجہ جہان بیک زبان متفق شدہ اند سلطان فیروز از غایت
فکر نہایت اندیشہ سپید گونہ شد و چند روز ہمدراں اندوہ بود و دروں دینے
دل خویش از تاثیر تامل بیش ابواب تفکری کشود بعد از فکر بسیار و تامل
بے شمار حضرت جہاں دار ملک عماد المملک را در محل خلوت طلبید اسرار
نہانی بہ پنہانی بگوش اور سنانید؛ فرمان فرمود برود بر مقربان در گاہ و
دولت خواہان ہار گاہ و گبو کہ اختیار کار خواجہ جہاں بدست شما و آدم ہر چہ
ایشان را مصلحت آں چیں بر خواجہ جہاں کنند از سر خواجہ جہاں باز آدم
و از سر شما باز آمدن نتوانم“

ان ظالموں نے اس مرو با خدا کو شہید کر کے دم لیا۔ شہادت کے وقت خواجہ جہاں نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کی دستار سر سے باندھ کر سجدہ میں سر رکھا اور کلمہ طیبہ پڑھا اسی حالت میں سرتن سے جُدا کیا گیا۔
اللہ و اتالیبہ را بھوں۔

خواجہ جہان ملک احمد ایاز نے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن اس کی روشن خیالی اور پابندی کتاب و سنت نے اوہام پرستوں کو اس کا دشمن بنا دیا تھا اور

امیر خسرو علیہ الرحمہ کی وفات کے وقت سے اس دشمنی کا سلسلہ جاری تھا شیخ نصیر الدین چہراغ دہلی اور دوسرے لوگوں نے یہ چاہا تھا کہ حضرت امیر خسرو کو حضرت نظام ادلیا رحمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ خواجہ احمد ایاز نے مانع ہو کر شیخ رحمہ کے پائیں دفن کرایا اسی وقت سے خواجہ جہان کے ساتھ اکثر مریدین شیخ کو ملال اور نقار چلاتا تھا۔ شمس سراج عقیف نے ملک احمد ایاز کے شہید ہونے کا حال نہایت رقت انگیز الفاظ میں مفصل لکھا ہے لیکن ضیاء برقی ملک احمد ایاز کو برا کہنے، تحقیق کرنے اور گالیاں دینے میں تو صفحات رنگتا چلا گیا ہے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اور اس کے ساتھ چہرہ سات آدمی اور فیروز شاہ کے حکم سے قتل ہوئے لیکن ملک احمد ایاز کس طرح شہید یا قتل کیا گیا۔ اس کی نسبت ایک لفظ زبان پر نہیں لاتا۔ سلطان محمد تغلق کے ہفت سالہ بیٹے کو بھی، ہمداد جمادی الآخر دہلی پہنچ کر فیروز تغلق نے یقیناً قتل کرایا لیکن اس کے قتل کا کوئی تذکرہ تاریخوں میں موجود نہیں۔

اسی سلسلے میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ضیاء برقی، شمس سراج عقیف خواجہ نظام الدین احمد، محمد قاسم

سلطان محمد تغلق کی وفات کا سبب بہت مشکوک ہے

اور فرشتہ وغیرہ میں سے کوئی بھی اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ سلطان محمد تغلق کی زندگی میں اس کو معزول یا مقتول کرنے اور فیروز تغلق کو پادشاہ بنانے کی کوشش یا سازش میں کسی مولوی یا کسی صوفی نے کوئی حصہ لیا تھا لیکن ملا عبدالقادر بدایونی صاف لکھتے ہیں کہ عوام میں یہ مشہور ہے کہ بادشاہ کی زندگی ہی میں حضرت شیخ نصیر الدین چہراغ دہلی نے فیروز شاہ کو بادشاہ بنانے کی کوشش کی تھی اور اسی لئے شیخ اور فیروز تغلق دونوں ہی سے گرفتار کر کر طلب کئے گئے تھے۔ محمد تغلق ان دونوں کو قتل کراتا لیکن جس روز یہ لشکر میں پہنچے اسی روز سلطان کا انتقال ہوا اور لوگوں نے فیروز تغلق کو بادشاہ بنایا اور اس نے تخت نشین ہو کر صوفیوں کے نام بڑی بڑی جاگیریں مقرر کیں۔ اس روایت کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور فیروز تغلق کے طرف دار مورخین کے ڈالے ہوئے تمام پردے جھوٹے اصل واقعات کو سخت پیچیدہ و ژولیدہ بنا رکھا ہے اٹھ جاتے ہیں۔ ایک طرف خواجہ جہان کا واقعہ قتل صاف نظر آ جاتا ہے تو دوسری طرف

سلطان محمد تغلق کا حادثہ وفات ہی بہت مشتبہ اور مشکوک ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ ذہن اس طرف متقل ہو تا ہے کہ سلطان محمد تغلق کو زہر دے کر قتل کیا گیا اور اس واقعہ کو چھپانے کے لئے کئی دوسری باتیں بنالی گئیں۔ ضیاء برنی اور اس کے مقلد مورخین نے سلطان محمد تغلق کے بیٹے کا وجود بھی تسلیم نہیں کیا۔ لیکن شمس سراج ضیف سلطان محمد تغلق کے بیٹے کا موجود ہونا تسلیم کرتا اور دلیل میں قاضی کمال الدین کا بیان پیش کرتا ہے۔ ملا عبدالقادر دہلوی کی روایت میں سلطان کے ایک بیٹے کا سلطان کے ہمراہ لشکر میں موجود ہونا بیان کیا گیا ہے جو سلطان کے حادثہ وفات کے وقت شکار میں گیا ہوا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جوان اور بادشاہت کے قابل تھا۔ اس کو یقیناً قتل کر کے فیروز تغلق کو تخت نشین کیا گیا ہوگا۔ اس طرح سلطان محمد تغلق کا ایک ہی بیٹا نہیں بلکہ دو بیٹے ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس قدر روایات اور حالات فراہم ہو سکے سب قارئین کرام کے روبرو ہیں جو چاہیں فیصلہ کریں۔

تنگ نظر مراسم پرستوں کا دور دورہ | سلطان فیروز تغلق کو علم و فضل میں وہ درجہ حاصل نہ تھا جو سلطان محمد تغلق

کو حاصل نہ تھا نہ اس کی نظر علوم دینیہ میں وسیع تھی نہ وہ سلطان محمد تغلق کی طرح قوی القلب اور عالی حوصلہ تھا۔ سلطان محمد تغلق پابندی شرع کا خاص اہتمام رکھتا اور غیرت و ہشی کا ہمیشہ اظہار کرتا تھا فیروز تغلق اس معاملے میں بہت کمزور اور امرائے سلطنت سے مرعوب تھا۔ ان کی منشا کے خلاف کسی کام کے کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ ملک احمد یازد عزیر اعظم کے سوا اور کوئی شخص آمرائے سلطنت میں ایسا نہ تھا جو محمد تغلق کی طرح دل سے مسلمانوں کو کتاب و سنت کا عامل بنا کر بدعات و ملامت کی پابندی سے بچانا ضروری کام سمجھتا ہو ملک احمد یازد اور اس کے ہم خیال سب قتل کر دیئے گئے۔ قلعہ خاں کے بیٹے کو الپ خاں کا خطاب دے کر نصرۃ امراء کبار میں شامل کیا گیا۔ قلعہ خاں کے بھائی نظام الملک امیر حسین کو گجرات کی حکومت سپرد کی گئی۔ توام الملک خاں جہاں لوسلم ملک احمد یازد کو دھوکہ دے کر اور فیروز تغلق کے پاس پہلے پہنچ کر اپنی سرخ روئی کا سامان کرچکا تھا اور وہی ان تمام امراء سرگردہ بنا جنہوں نے ملک احمد یازد کے قتل پر فیروز تغلق کو مجبور کیا اس طرح خان جہاں کے لئے وزارت عظمیٰ کا عہدہ

خالی ہوا۔ باقی تمام امر متعلق خاں کی سازش میں شریک یا کم از کم بدل اس سازش کے ہمدرد اور بظاہر سلطان محمد تغلق کے خیر خواہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیروز تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی ان تمام مولویوں، مفتیوں، قاضیوں اور پیروں کے بڑے بڑے سوزینے مقرر کر دیئے جو سلطان محمد تغلق کے زمانے میں معزول و مطرود و بے شغل ہو گئے تھے۔ محمد تغلق کے زمانے کا تمام انتظام درہم کر دیا گیا۔ مولانا قاضی کمال الدین قاضی القضاۃ کو معزول کر کے سید جلال الدین کرمانی کو نیا قاضی القضاۃ بنایا گیا اور اس کو صدر صدور بہاں کا خطاب دے کر تمام شرعی محکموں کا مطلق العنان حاکم بنا دیا گیا، ضیائے برنی کے الفاظ یہ ہیں:-

”داد شاہ اسلام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اور اوصاف احکام شرع محمدی
کلاً بجملة مطلق العنان گردانیدہ و تعیین اور رایت و انعامات جہاں میر
علماء و الملک و تمامی بلاد و ممالک بصیر صدور جہاں مفوض گشتہ“

اسی طرح مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین رحمہ کو شیخ الاسلامی دی گئی اور حضرت ابو الفتح شیخ رکن الدین ملتانیؒ کو شیخ الاسلامی سے اس لئے برطرف کیا گیا کہ وہ شریک و بدعبیہ مراسم کے دشمن اور سلطان محمد تغلق کے ہم خیال و موید تھے۔ فیروز تغلق نے ۷۵۷ھ میں جب کہ وہ سلطان محمد تغلق کی غیر موجودگی میں بطور نائب السلطنت دہلی میں مقیم تھا ایک ہندو گوجر کی لڑکی سے شادی کر کے اپنے باپ کی سنت کو پورا کیا تھا۔ اس ہندو خاندان کے اکثر افراد اس کی مصاحبت میں داخل تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بددیگر اُن خیالات اور ان بدعات و مراسم کی طرف مائل ہو گیا تھا جو اس ملک کی آب و ہوا سے نشوونما پاکر مسلمانوں میں داخل اور رائج ہو چکے تھے اور جن کو محمد تغلق نے مٹانے کی زبردست کوشش کی تھی۔ غرض سلطان فیروز تغلق کی کمزوری سمجھ لیا اس کی کم علمی قرار دے کر اس کے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا اور سب سے بڑا تغیر یہ ہوا کہ عالم ہنسا جالوی، شکم پور کاہلوں، نام نہاد صوفیوں اور مشائخ زادوں کے بھاگ کھل گئے اور کتاب و سنت کی تردید و شاعت کا نظام بجلی درہم برہم ہو گیا۔ مولانا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک صاحب نے جن کا نام مولانا داؤد تھا ہندی زبان میں ایک ٹھوسی لکھی جس میں ایک عشقیہ قصہ بیان کیا گیا تھا۔ عہد فیروزی کے ایک دوسرے مولانا جن کا نام

فتحی الدین واعظ تھا اس ہندی مشنری کو منبر پر بٹھا کرتے تھے کسی عالم نے ان سے پوچھا کہ ہندی مشنری کے منبر پر بٹھنے کی کیا ضرورت ہے تو واعظ صاحب نے جواب دیا کہ اس کا مضمون اقوال تصوف کے موافق ہے۔

اسلام ملک عرب سے شائع ہو کر شام، عراق، مصر، ایشیائے کوچک، ایران، خراسان، ترکستان، طرابلس، البجیریا، مرقش، اندلس، سندھ، پنجاب، شمالی ہند، دکن، چین، روس، بلقان، بحر الکاہل کے جزائر اور بر اعظم افریقہ کے علاقوں میں پہنچا ان ملکوں کے قدیم مذاہب، قدیم تمدن، اور قدیم معاشرت کو یکساں طور پر اسلام کے اثر سے مغلوب ہونا پڑا، لیکن ہر جگہ اسلام کو کبھی عارضی طور پر جدا جدا مشکلات کا سامنا پڑا، ایران و خراسان و عراق عجم میں مجوسی عقائد اور مجوسی اخلاق کا اثر تادیروہاں کے نو مسلموں میں باقی رہا اور وہاں جدا قسم کی مشکلات پیش آئیں، شام و مصر وغیرہ میں مسیحیت کی باقیات نے وہاں کے نو مسلموں کو عرصہ دراز تک متاثر رکھا اور اسرائیلیات کا ایک بیہودہ ذہیرہ اسلامی تصنیفات میں شامل ہو گیا۔ ہندوستان کے اندر سندھ و ملا بار وغیرہ میں اگرچہ عربوں کے ذریعہ اسلام آیا لیکن چند روز کے بعد عربوں نے اس طرف سے توجہ نہالی اور پھر افغانوں کے ذریعہ تمام بڑا عظم ہندوستان میں اسلام شائع ہوا۔ ان افغانی یا ترکستانی قبائل کو جنہوں نے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی تھی علوم دینیہ کی طرف زیادہ توجہ کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر ایرانیوں اور خراسانیوں کے مقلد تھے لہذا ہندوستانی قوانین، جو اسلام میں داخل ہوئیں ان کو ہندوستان کے قدیم مذاہب یعنی بدھ مذہب، برہمنی مذہب، غیر آریائی عقائد، لا تعداد سمپر داسے اور مروجہ پرانوں سے تعلق رکھنے والے اعمال و عقائد کے کچھ کچھ مٹے مثلاً خاکے باقی رکھنے کا موقع مل گیا اور سیکڑوں غیر اسلامی مراسم اور غیر اسلامی اعمال نے اسلامی جامہ پہن کر تصوف کے مختلف خانوادوں اور پیری مریدی کے سلسلوں اور غیر علمی خانقاہوں میں پناہ لے لی، حتیٰ کہ ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں صاف طور پر لکھتا ہے کہ میں نے ہندوستان میں بعض مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ جو گھوں کے چیلے تھے۔

میں اس موضوع پر کہ کس کس زمانے اور کس کس مقام میں کن کن اسباب کے تحت کون کون سی غیر اسلامی مراسم اور بدعات مسلمانوں میں رائج ہو کر ہندوستان میں اسلام

کو کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور کس کس مرد باخدا نے اسلام کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرنے کی ایسی کیسی کوشش کی ایک مستقل تصنیف کا عزم رکھتا ہوں واللہ التوفیق۔ سلطان محمد تغلق کے تذکرے میں بعض باتیں ضرور آئیں گی۔ مجبوراً بیان کرنی پڑیں اب ملک احمد یاز کی شہادت کے بعد اس خاص قسم کی باتوں کو جو اتفاقاتاً شروع ہو گئی تھیں اس تصنیف میں ختم سمجھنا چاہیے۔

عہد فیروز تغلق کے قابل تذکرہ حالات

فیروز تغلق دریائے سندھ کے کنارے مراسم تخت نشینی ادا کرنے کے بعد دہلی کی جانب روانہ ہوا اور پانچ مہینے کے بعد اس سفر کو ختم کر کے دہلی پہنچا۔ راتے میں بیہوش ہو کر، آج، ملتان، دیپالپور، پاک پٹن، گھٹانسر، سرستی، انسی وغیرہ ہر ایک مقام پر مقیم ہوتا، وہاں کے پیروں سے نیاز مندانہ منت اندازنے پیش کرتا اور مزاروں پر حاضری دیتا ہوا آیا۔ ملک احمد یاز کا خون بہایا، قوام الملک خان جہاں نو مسلم کو ذریعہ عظم بنا کر سلطنت کا تمام و کمال اختیار اس کے سپرد کیا۔ سید جلال الدین کو صدر صدر و جہاں بنا کر دینی و مذہبی کاموں کا تمام و کمال اختیار ان کے ہاتھ میں دیا۔ پہلے فوج کو نقد تنخواہیں شاہی خزانے سے دی جاتی تھیں اور جاگیر داری کا قاعدہ منسوخ کر دیا گیا تھا۔ سلطان فیروز تغلق نے دہلی آتے ہی پھر جاگیروں کا قاعدہ جاری کر دیا۔

سرور کے ہندو راجہ کی نسبت سرکشی و بغاوت کی شکایت پہنچی اور فیروز شاہ نے ۵ ماہ صفر ۷۵۷ھ کو دہلی سے سرور کی جانب کوچ کر کے اس بغاوت کو فرو کیا اور اس نواح کے تمام راجاؤں سے اقرار طاعت لیا۔ ۱۷ جمادی الاول ۷۵۷ھ کو دہلی میں شہزادہ محمد خاں پہلی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

بنگالہ سرچڑھائی اور پرہیان ہو چکا ہے کہ ۷۵۷ھ میں سلطان محمد تغلق حاجی ایاس کو شمس الدین کا خطاب دے کر بنگالہ کی حکومت سپرد کر آیا تھا۔

حاجی ایاس نے جب سلطان محمد تغلق کی وفات اور ملک احمد یاز کے شہید ہونے کا حال سنا تو وہ اپنی خود مختاری کا اعلان اور باج و خراج سے قطعاً انکار کر کے بنارس تک کے علاقے پر قابض و متصرف ہو گیا۔ سلطان فیروز تغلق دہلی میں اپنے وزیر عظیم خان جہاں کو بطور نائب

چھوڑ کر خود معہ فوج اتر شمال ۱۵۵۷ء کو دہلی سے بنگالہ کی جانب روانہ ہوا۔ جب گورکھپور اور کھروہہ کے علاقے میں پہنچا تو گورکھپور کے راجہ جیارن نامی نے حاضر خدمت ہو کر نذر پیش کیا اور معہ فوج شاہی لشکر کے ساتھ ہوا۔ یہی طریقہ کھروہہ کے راجہ اودے سنگھ نے بھی اختیار کیا۔ یہ دونوں راجہ صوبہ اودھ سے متعلق اور صوبہ دار اودھ کو خراج ادا کرتے تھے۔ سلطان نے خوش ہو کر راجہ جیارن اور اودے سنگھ کو اودھ کے صوبہ دار کی ماتحتی سے آزاد کر کے خود اختیاری و استقلال کے نشانات عطا کیے اور ان کو براہ راست شاہی خزانے میں اپنا خراج بھیجنے کا امتیاز عطا ہوا۔ شمس سراج عقیف کہتا ہے کہ :-

”بعضے راویان بدیں مورخ ضعیف گفتہ در آں وقت کہ لشکر سلطان گذار می شد سلطان فیروز شاہ را رائے جیارن را چتر دودہ ۛ

ضیاء برنی کہتا ہے کہ :

چوں رایات اعلیٰ در دیار گورکھپور و کھروہہ در آمد رائے گورکھپور کہ بس بزرگ رائے ست و رائے کھروہہ پیش از فر تھا و تنفر با و پریشا نہا خراج گذار شق اودھ بودند کہ سالہا تمدن و زبیدہ و خراج باز گرفتہ بودند چوں رایات اعلیٰ آنجا رسید رایان مذکور در پیش داخل خدا یگانہ آمدند و با خدمتیات خود زنجیر پیل گویا نمید و عواطف خسروانہ چتر و تاج و قبائے مکمل و مرصع و اسپان تنگ بست یافت و چند مقدمان دیگر کہ در ولایت او بزرگ و راٹا بودند با و جامہ پوشیدند و رائے کھروہہ نیز باندازہ ولایت خود خدمتیا گذرانید و با مقدمان ولایت خود جامہ یافت و کسوت مرحمت پوشیدہ رایان مذکور از سر اخلاص حلقہ بگوش کشیدند و منقاد و طبع در گاہ اعلیٰ شدند و چند بس لکھوٹ تنگہ نقرہ از بقایائے سنوات ماضیہ در خزانہ لشکر رسانیدند و در سنوات مستقبل خراج معین پذیرفتند و وثیقہ ہائے خراج ہدایا اعلیٰ دادند و از پیش تخت اعلیٰ محصلان خراج لامر و شدند و رایان مذکور با جمیع سوار و پیادہ خود ببال رایات اعلیٰ بر سمت لکھنؤی و پنڈوہ روانہ شدند ۛ

شمس الدین حاکم بنگالہ فیروز شاہ تغلق کے آنے کی خبر سن کر تربہت سے پنڈوہ پہنچا اور پنڈوہ میں بھی قیام مناسب نہ سمجھ کر تمام ساز و سامان ادا لشکر دہلی شہر کو ہمراہ لے کر

پنڈ وہ سے سات کوس کے فاصلے پر مقام اکدالہ میں جا کر محصور ہوا۔ مقام اکدالہ ایک طرف دریا اور دوسری طرف جنگل سے محصور اور زیادہ مضبوط مقام تھا۔ فیروز تغلق گورکھپور سے روانہ ہو کر مقام جگت میں پہنچا۔ جگت سے روانہ ہو کر جب ترہٹ میں گیا تو ترہٹ کا راجہ اور اس علاقے کے ہندو زمیندار جو شمس الدین کے ماتحت تھے سب فیروز تغلق کی خدمت میں حاضر ہو کر مور و الطاف خسروانہ ہوئے۔

ریات عالی از گورکھپور در جگت رسید و از جگت بر طریق تماشا در ترہٹ سایہ انداخت رائے ترہٹ و رانگان و زمینداران اُس عرصہ بدرگاہ پیوستند و خدقیات گندرا نیند و خلعت با و نواز شہا یافتند و عرصہ ترہٹ مطیع و منقاد گشت و از لشکر اسلام در عرصہ ترہٹ لکھنہ نرسیدہ (برنی)
فیروز تغلق اکدالہ کے قریب دریا کے اس طرف قیام کر کے کئی ہفتے تک مقیم اور حاجی ایاس شمس الدین اکدالہ میں اس طرف متحصن رہا۔ اس عرصہ میں بنگالہ کے تمام ہندو و امراجو شمس الدین کے ماتحت تھے فیروز تغلق سے آئے۔

”از طائفہ راوان و رانگان و زمینداران ولایت بنگالہ بحضرت سلطان فیروز

می پیوست اور امان می دادند“ (شمس عقیف)

فیروز تغلق کی فوج میں گورکھپور اور کھروسہ کے راجہ معہ اپنی جمہیتوں کے پہلے ہی شامل تھے اب بنگالے کے تمام ہندو بھی اس سے آئے لہذا اس کے لشکر میں ہندوؤں کی کثرت ہو گئی آخر شمس الدین خود ہی فوج لے کر اس طرف آیا اور ۵ رجب الاول ۷۵۷ھ کو سخت مقابلہ ہوا شمس الدین میدان جنگ سے شکست خوردہ فرار ہو کر پھر اکدالہ کے قلعہ میں واپس چلا گیا۔ ضیاء برنی کی روایت کے موافق چوالیس ہاتھی اور شمس سراج عقیف کی روایت کے موافق سیتالیس ہاتھی اس لڑائی میں بطور مال غنیمت لائے آئے۔ فیروز تغلق انھیں ہاتھیوں کو کافی سمجھ کر اکدالہ کا نام آزاد پور اور پنڈ وہ کا نام فیروز آباد رکھ کر بنگالہ سے واپس چلا آیا۔ اس مہم سے بھرتہ نہ آیا، ہاتھیوں کے اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ حاجی ایاس مخاطب بہ شمس الدین اب پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی اور شان و شوکت کے ساتھ بنگالہ کا خود مختار اور مطلق العنان بادشاہ ہو کر حکومت کرنے لگا۔ اکدالہ کو فتح اور حاجی ایاس کو گرفتار یا قتل کئے بغیر فیروز تغلق اس لئے واپس چلا آیا کہ اس کی فوج میں ہندو

کی کثرت تھی اور اگدالاہ میں حاجی الیاس کے ساتھ جو لوگ محصور تھے۔ سب مسلمان تھے ہندوؤں نے قطعاً اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ فیروز تغلق کو اپنے ہمراہی ہندو لشکر کا اشتیاق اور مارکی نسبت معلوم ہو چکا تھا۔ اس کی غیرت اسلامی نے گوارا نہ کیا کہ جابل لشکریوں سے شرفا کے ناموں کو برباد کرانے۔ ضیاء برنی نے اس کو صالح الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

”از باعث ایمانی وہ خاطر مبارک گذشت چوں لشکر از آب عبرہ کند و بہ میل
سلطانی اگدالاہ رات راج کنند ہر آئندہ چہیں ہجوے کثیر لہا ہنگار و جہے گناہ زیر تیغ
آہند و بواسطہ تغلب الیاس مشط خون چندیں مسلمانان بے گناہ رہین شود
و محارم مسلمانان شود و محارم مسلمانان سنی بدست او باش خلق پاک و دوہانک
و مشرک و کافر خواہد افتاد و سفا جہا آشکار خواہد شد و علویان و دانشمندان
و صوفیان و متعلمان در ویشان و گوشہ نشینان و غریبان و مسافران تلف
خواہند شد۔“

ضیاء برنی کے مذکورہ الفاظ سے اس امر کا سراغ بخوبی چل جاتا ہے کہ فیروز تغلق کے لشکر میں کن لوگوں کی کثرت تھی اور حاجی الیاس شمس الدین کے ہمراہیوں میں کون لوگ تھے شمس سراج حنیف اس موقع پر فیروز تغلق کے الفاظ اس طرح نقل کرتا ہے کہ
”چوں من درون لیس حصار در آیم و بدیں مسلمانان قوت نہایم ہندیں قوت
مستورات مخدرات بدست نااہلان گرفتار گردند فردائے قیامت آئندہ و خدا
پیش کرسی قضا چہ روئے نہایم پس میان من و طائفہ مغل چہ فرق باشد“

فیروز تغلق کی ہندو بیوی | فیروز تغلق دس مہینے کے بعد ۱۲۵۵ھ کو
بنگالہ کے سفر سے واپس ہو کر دہلی میں داخل ہوا۔
دہلی آتے ہی اُس نے موضع لڑائے بزرگ اور موضع لڑائے خورد کے مقام پر حصار فیروزہ
ا (جو آج کل شہر حصار کے نام سے مشہور اور ضلع حصار کا دارالصدر ہے) کی آبادی و تعمیر
کی طرف توجہ کی۔ یہ تمام علاقہ غیر آباد اور جنگل تھا، دور دور تک آبادی کا نام و نشان
نہ تھا صرف مذکورہ دو موضعے پاس پاس آباد تھے اور ان میں گوجر رہتے تھے جو اس زمانے
میں عموماً قطاع الطریق اور جرائم پیشہ تھے۔ ڈھائی سال کے عرصہ میں سلطان فیصل شہر

کو شک شاہی اور جامع مسجد وغیرہ کی تعمیر سے فاسخ ہوا۔ اسی عرصہ میں فتح آباد کو بھی آباد کیا۔ جہنا سے نہر لایا۔ ان دو لڑیوں شہروں کو گلزار سدا بہار بنا کر ان کے درمیانی علاقے میں بکثرت گاؤں اور قصبے آباد کر دیئے۔ پانی کی نایابی سے یہ خطہ ویران اور ناقابلِ زراعت سمجھا جاتا تھا۔ جہنا اور ستلج سے نہر میں نکال کر اس علاقے کو آباد و سرسبز بنانا درحقیقت سلطان محمد تغلق کی مجوزہ اسکیم کو عملی جامہ پہنانا تھا مگر شہر حصار فیروز کی تعمیر و آبادی کے متعلق مجھ کو ایک خاص بات کی طرف جو آگے آتی ہے توجہ دلاتی ہے اور اس لئے مذکورہ الفاظ بطور تنہید لکھنے پڑے ہیں۔ شمس عقیف کہتا ہے کہ

ماہیں مورخ از زبان خدمت والد خود شنید کہ سلطان فیروز شاہ بعد از آمدن از مملکت بنگالہ دوئم سال طرف حصار فیروزہ بود و برائے اشاعت مملکت الزاع جدی نمود و ابواب احسان بسوے ایشان می کشود و بنائے شہر حصار فیروزہ ہدراں ایام بود ہر بار کہ سلطان فیروز در شہر ردہلی آمدے چند روز معدود ماندے باز ہما بخارنفتے۔ چون شاہ فیروز را اتفاق بنائے شہر حصار فیروزہ و ردل انتاد در محلیکہ شہر حصار فیروزہ آبادت پیش ادیں بحکمت حضرت رب العالمین در آں مقام ودیہہ بزرگ آبادن بودیکے لراس بزرگ دوم لراس خورد۔

شمس سراج عقیف کے بیان سے حصار فیروزہ کے مقام پر دو گاؤں کا پہلے سے آباد ہونا ثابت ہے۔ خواجہ نظام الدین احمد اپنی طبقات میں بجائے دو کے ایک ہی گاؤں بیان کرتے اور اس کا نام رالئیس لکھتے ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی اس گاؤں کا نام راس یا راسن بتاتے ہیں۔

حصار کی فیصل۔ جامع مسجد اور شاہی محل آج بھی موجود ہیں۔ آج کل بھی اور اس سے پہلے بھی حصار کا کو شک شاہی ہمیشہ گوجہری محل کے نام سے مشہور رہا ہے۔ حصار کے اس گوجہری محل کی نسبت شہر کے تمام قدیم خاندانوں اور اس ضلع کے تمام قصبوں میں عظیم الشان تواتر کے ساتھ بلا اختلاف امدے یہ بات مشہور ہے کہ فیروز شاہ نے یہ محل اپنی گوجہری بیوی کے لئے تیار کرایا تھا۔ اس محل کے توابعات مخصوصات اگرچہ سب منہدم اور ناپید ہو چکے ہیں لیکن اس کی خاص عمارت آج بھی بہت کچھ اپنی اصلی

حالت میں موجود اور باقی ہے۔ میں نے خود اسی تحقیق کے لئے حصار کا سفر اختیار کیا اور وہاں جا کر اس عمارت کو دیکھا۔ یہ عمارت خود اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے اپنی بیوی کی فرمائش سے یا اُس کو خوش کرنے کے لئے یہ محل تعمیر کرایا تھا۔ شمس سراج عقیق نے اس گوجری محل کا نقشہ جو الفاظ میں پیش کیا ہے اس طرح ہے کہ:-

دور درون حصار یک گوشک بر آوردند کہ در جهان هیچ کسے با تجس بے
آپنجاں گوشک را نشان نہ دادہ چند میں محل در آں گوشک محل نشستن بار
ہا نہادہ باتکلف بسیار بر آوردہ و حکمتہا نے بے شمار دروداشتہ یک
حکمت در آں گوشک ایں بود اگر کسے با فراست بے درون گوشک محل
فرو آمدے چون محل گشتے در میان آن رسیدے محل میانہ فرود گوشک
بنایت تاریک با مقام باریک کہ اگر نگاہبانان آں گوشک رہبری نمی کردند
از آن تاریکی بیرون آمدن ممکن نبودے چنیں گویند وقتے فراشے تنہا در آن مقام
در آمدہ بود چند روز غائب شدہ بعدہ ہماں نگاہبانان در آمدند و ازاں
تاریکی بیرون آوردند

ملک گجرات کی مشہور تاریخ مرآۃ سکندری میں سلطان فیروز تغلق کے ایک شکار کا واقعہ اس طرح درج ہے کہ فیروز تغلق سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں ایک مرتبہ شکار کے لئے گیا اور کسی شکار کے پیچھے گھوڑا ڈال کر ہمراہیوں سے جدا ہو گیا۔ اس صحرا فردی میں ایک گاؤں نظر آیا۔ فیروز تغلق نے دیکھا کہ گاؤں کے کچھ لوگ گاؤں سے باہر ایک جگہ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے ہیں یہ گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس جا بیٹھا اور ان میں سے ایک شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ ذرا میرے پاؤں کا موزہ کھینچنا۔ اُس نے موزہ پاؤں سے اتارا اور علیحدہ ہو کر اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے تو یہ شخص پادشاہ یا شاہی خاندان کا کوئی معزز آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں بھائی جن کے نام لہو اور سہارن تھے اپنی قوم اور برادری کے سرگروہ اور بڑے آدمی سمجھے جاتے اور اسی گاؤں میں رہتے تھے۔ اُنھوں نے فیروز تغلق کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ گاؤں میں چلیے اور آج رات کو ہماری مہانی قبول کیجئے۔ مرآۃ سکندری کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

سہرہ و ہرادر زمین خدمت بوسیدہ استند ما نمودند کہ امتب اگر کلبہ مارا
 بنور مقدم خویش منور سازندہ
 از آل طرف پذیرد کمالی تو نقصان
 ازین طرف شرف روزگار ما باشد
 سلطان قبول کرو تمام شب ہر دو ہرادر پائے ایستادند و داد خدمتگاری

دادند

جب فیروز تغلق سادھو اور سہارن کے مکان پر پہنچا تو سادھو کی بیوی جوڑی
 ہوشیار اور چالاک عورت تھی اس نے کہا کہ اس اجنبی شخص کو اپنے گھر ٹھہرانا اور محض
 قیاس و قیلے سے اس کو شاہی خاندان کا آدمی خیالی کر کے خاطر مدارات کرنا عقل
 کے خلاف ہے مناسب یہ ہے کہ اس کو شراب پلا کر اس کا حسب و نسب دریافت
 کیا جائے۔ نشہ کی حالت میں وہ اپنا پتہ صاف صاف بتائے گا۔ چنانچہ سادھو کی زوجہ
 ہمشیرہ اور سادھو کی بیوی دونوں اس کمرے میں جہاں فیروز تغلق کو ٹھہرایا گیا تھا۔
 شراب لے کر پہنچیں سادھو کی ہمشیرہ جو نہایت خوبصورت تھی ساتی بنی فیروز تغلق پر جب
 سرور طاری ہوا تو۔

» راغب بملاعت و مائل بخالطت گردید زوجہ سادھو چوں سلطان را
 صید ساتی دید زمین خدمت بلب حرم بوسیدہ بکلام ادب آمیز و تکلم
 شوق انگیز متکلم شد از ہر دے سخن آغاز کردہ تا بجائے رسانید کہ از حسب
 و نسب سلطان سخن راند بمضمون آنکہ اگر ملازمان ہر کیفیت حسب و نسب
 خود اطلاع بخشند ایں دختر کہ بہتر از صہراست مقود بزوجیت ایساں
 گروا تم سلطان فرمود نام من فیروز خاں است پس علم سلطان محمد بن تغلق
 شاہم۔ زوجہ سادھو حقیقت را بشوہر خود ظاہر کرد و گفت کہ ہمارے دولت
 و عنقائے عزت بفرق نام و اداں سایہ انداز شدہ ایں شاہزادہ بدنام حال
 خواہر گرفتار آمدہ اگر توانی خواہرا بادہ و دولت مند
 دسر افزای داں سادھو فی الحال خواہرا بکاح آورد و بہ سلطان
 داد و آں شب را بایش تمام و نشاط مالا کلام گذرانیدند چوں پردہ میگوں

شب ارتفاع یا فتنہ و عروس پردہ پوش آفتاب از حجلہ افق نمایاں
گشت سلطان بدل شاد از بستر ناز سر برداشت و سپاہ از ہر طرف پیدا
شدہ سلطان بہ طرف شہر (دہلی) عزیمت فرمود سادھو و سہارن ہر دو
برادر چون سایہ ہمراہ ہواں شدند و خود را در خدمت چناں قرار دادند کہ یک
لحظہ از حضور بیرون قدم نہی نہا و دند سلطان را با خواہر ایشان افسے تمام
پیدا شد آخر الامر در اندک مدت ہر دو برادر بشرف اسلام مشرف گشتند
سلطان سہارن را بخطاب و جیبہ الملک مخاطب ساخت (امراۃ سکندری)
یہی وہ گاؤں تھا جہاں شہر حصار آباد کیا گیا اور یہی فیروز تغلق کی وہ محبوب بیوی
تھی جس کے لئے حصار کا گوجری محل تعمیر ہوا اور یہی وہ سہارن نامی مسلمہ مخاطب بہ
وجیبہ الملک تھا جو فیروز تغلق کی گوجری بیوی کا بھائی اور شاہان ملک گجرات کا مورث
اعلیٰ تھا اور اپنی خوشی سے حضرت شیخ قطب الدین ہانسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا
شاہان گجرات کا سلسلہ نسب | امراۃ سکندری کے مصنف نے شاہان

عالی انساب سلاطین گجرات کا عنوان قائم کر کے اس طرح بیان کیا ہے کہ:-

”اول کسیکہ از ایشان بشرف اسلام مشرف شد بہ صفت ایسان

موصوف گشت سہارن بودہ مخاطب بہ وجیبہ الملک مشائرا الیہ از

قوم نانک است و در تاریخ ہندو مسطور است کہ نانک و کھتری برادران یک

دیگر اند یکے از ایشان بہ شرب شراب رغبت نمود اور کھتر پان از قوم بر آورہ شدہ

ازیں رسم و آئین دین نانک امتیاز یافت و ہر کدام بطریق خویش سلوک پیش گرفتند و اسم پدر سہارن

ہر چند است بن ہر پال بن کندر پال بن دہر پال بن کنور پال بن درہن بن مدہپ بن کنور بن لوک

بن سلاہن بن مولامن بن مدن بن بھوکت بن ناگت بن دیوہر بن ہسون ہنسوی سلسلہ

نسب ایشان بہرامچند کہ ہندوان بخدائے ہی پرستند می رسد

”وجیبہ الملک (سہارن) مذکورہ کا بنیا طغراں ملک گجرات کا پہلا فرد مختار مسلمان پادشاہ

مختار اس خاندان میں اکبر کے زمانہ تک گجرات کی حکومت رہی یہ سلاطین گجرات اعلیٰ درجہ

کے خدام اسلام اور اسلام کی بڑی غیرت رکھنے والے مسلمان تھے

حسا زہر و زہ کی تعمیر و آبادی سے فارغ ہو کر ۱۵۵۵ء میں سلطان فیروز تغلق نے دریائے
جمنہ کے کنارے دہلی سے پانچ میل شمال کی جانب شہر فیروز آباد کی بنیاد رکھی اور سب
سے پہلے وہاں کی جامع مسجد تیار کرائی۔ آج کل اس شہر کا خرابہ موجودہ دہلی کے دہلی دروازے
کے سامنے فیروز شاہ کے کوئلہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی میں جامع مسجد کے خرابے
کے متصل فیروز شاہ کی لاٹ تصویر حسرت بنی ہوئی ہر سیاح کو اپنی طرف متوجہ کیے بغیر۔

اسی زمانے میں ظفر خاں لودھی حاضر خدمت ہوا سنار
بنگالہ پر دوسری چڑھائی سکاؤں کے حاکم فخر الدین کے مارے جانے کا تذکرہ

اوپر آچکا ہے فخر الدین کے گرفتار و مقتول ہونے کے بعد اس کا داماد ظفر خاں لودھی
فرار ہو کر جہان میں سوار ہو گیا اس کا جہاز مختلف بندرگاہوں میں ہوتا اور جزئی ہند کا
طواف کرتا ہوا ہندو دیبل میں پہنچا اور ظفر خاں بہزار وقت اپنے وطن افغانستان پہنچنے
میں کامیاب ہوا وہاں سے اپنی حالت درست کر کے پٹھانوں کی ایک مختصر جمیعت کے
ٹھٹھے سے چل کر ۱۵۵۵ء میں دہلی پہنچا۔ فیروز تغلق کو چونکہ بنگالہ کی مہم میں کوئی کامیابی
نہ ہوئی تھی اور بنگالہ پر دوبارہ فوج کشی اور حاجی الیاس شمس الدین سے انتقام لینے کا
خیال رکھتا تھا۔ لہذا اس نے ظفر خاں لودھی کے آنے کو اس لئے بہت ہی غنیمت
سمجھا کہ وہ شمس الدین حاکم بنگالہ کا مخالف تھا۔

اے شہر یار ہمارا ہم شاہی و عواطف بادشاہی ظفر خاں را بسیار پسیدہ
و بغایت نواختہ فرمان فرمود کہ ظفر خاں خاطر جمع دار و اندیشہ را بسوسے
خود گمارد اگر چہ شداید بسیار و مکائد بے شمار دیدی و راہ ہائے مخالف
و بیداد ہائے مخوف پیروی المنتہ لہذا بمقصد رسیدی ہر چہ در سنارگان و
داشتی اضعاف آں تو مفوض خواہ شد و شمس سراج عقیف

ظفر خاں کو فیروز تغلق نے نائب وزیر بنایا اور اس کے مرتبے کو دوسرے اکثر امراء سے
بڑھایا۔ محمد قاسم فرشتہ شکوہ آمیز لہجہ میں کہتا ہے کہ فیروز تغلق نے افغانوں کے مراتب
کو اپنے عہد حکومت میں بہت بلند کیا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں :-

و اوادلیں بادشاہیت از پادشاہان دہلی کہ در مقام تربیت افغانان
شدہ برخلاف پادشاہان ماضی اعتمادے برایشان کردہ گسانیکہ در عہد

سلطان محمد تغلق ازامیران صددہ بود ندازا مرا سے کبار گردانید و سرحد را بہ ایشاں سپرد و قبل ازین ایشاں را میں مرتبہ و حالت نمودہ
حالانکہ ہندوستان کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ خاندان
غوری خود افغانی خاندان تھا۔ اس خاندان کے غلام جھنوں نے ہندوستان کی
بادشاہت کی بلاشبک ترکی النسل تھے۔ ان غلاموں کے بعد پھر افغانوں ہی کی حکومت
شروع ہو گئی تھی اور اسی نے شیر شاہ اعظم سلیم شاہ تک یعنی عہدِ مغلیہ سے پہلے کی
اسلامی حکومت کو مورخین نے دورِ افغانیہ کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ ہندوستان
کو افغانوں ہی نے فتح کیا اور افغانوں ہی کی قوم سلطنتِ اسلامیہ کی اصل طاقت تھی۔
فرشتہ کے مذکورہ الفاظ کا جمل ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ ظفر خاں لودھی ہی وہ افغان
تھا جس کے پوتوں یعنی ظفر خاں ثانی کے بیٹوں اتہال خاں، مارنگ خاں اور عادل خاں
نے تیمور کا مقابلہ کیا تھا اور ظفر خاں لودھی ہی وہ افغان ہے جس کے پوتے دولت خاں
ابن محمود خاں لودھی نے تیمور کے نائب اور دستِ گرفتہ ظفر خاں کو عرصہ دراز تک ولایتِ ہرات
ہونے کی کوششوں میں ناکام رکھا تھا جس کا ذکر آگے آنے والا ہے۔ فرشتہ کا دادا ہندو شاہ
ہونکہ تیمور کا ذکر تھا لہذا فرشتہ ظفر خاں مذکور اور اس کے خاندان سے بہت ناراض ہے
اور غالباً ظفر خاں ہی کی عزت افزائی اس کو سب سے زیادہ ناگوار گذری ہے کہ اس نے
فیروز تغلق کو مذکورہ الفاظ میں مجرم قرار دیا ہے حالانکہ فیروز تغلق کے دہم و گمان میں بھی افغانوں
کی قوم کو کوئی خصوصیت عطا کرنے کا خیال نہ آیا ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ساری عمر ایک ہندو
خاندان کے نو مسلموں کو اپنی وزارتِ عظمیٰ پر فائز نہ رکھتا۔ اس نے ظفر خاں لودھی کے
ساتھ جو کچھ کیا اپنی ضرورت اور اس کی قابلیت کے موافق کیا۔

او محرم سنہ ۸۰۰ میں فیروز تغلق ایک عظیم الشان لشکر ہمراہ لے کر مع ظفر خاں بنگالہ
کی طرف روانہ ہوا۔ حاجی الیاس الملقب بہ شاہ شمس الدین نے اگرچہ اپنے ایلچی معہ
تحائف بھیج کر خراجِ گزاری کا وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن ظفر خاں کے آجانے کے بعد فیروز تغلق
نے شاہ بنگال کو ایک مرتبہ نیچا دکھانا ضروری سمجھا۔

جونپور کا آباد ہونا | قنوج اور اودھ کے درمیان جب ظفر آباد کے متصل پہنچا تو وہاں
چھ مہینے معہ لشکر مقیم رہ کر دریائے گومتی کے کنارے ایک

ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام جو ناپور رکھا جو بعد میں جون پور مشہور ہوا عام طور پر۔ تمام مورخین نے اس شہر کی وجہ تسمیہ یہی بیان کی ہے کہ سلطان محمد تغلق اصل نام چونکہ جو نا خان تھا لہذا اسی سلطان مرحوم کے نام پر جو ناپور نام رکھا گیا۔ لیکن اس حدیث ہر کو آباد کر کے فوراً خان جہان کی جاگیر قرار دینا اور خان جہان کے بیٹے خان جہان ثانی کا نام بھی جو نا خان ہونا یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ اپنے نو مسلم وزیر اعظم خان جہان کے بیٹے جو نا خان کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا تھا۔ جب خان جہان قوام الملک نو مسلم کا اٹھارہ سال کی وزارت عظمیٰ کے بعد سٹشہ میں انتقال ہوا تو فیروز تغلق نے اس کے بیٹے جو نا خان کو خان جہان کا خطاب دے کر اپنا وزیر اعظم بنایا۔ اور بیس سال تک وہ وزیر اعظم رہا۔ اس کا نام جو نا خان خود سلطان محمد تغلق نے اپنے نام پر رکھا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

سلطان فیروز تغلق ششما پہ قیام کے بعد جونپور سے بنگالہ کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی دو چار منزلیں طے ہوئی تھیں کہ شمس الدین پادشاہ بنگال کے فوت ہونے کی خبر پہنچی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا سکندر شاہ باپ کی جگہ تخت نشین ہوا ہے۔ سکندر شاہ نے ہر قسم کی جنگی تیاری کے بعد اپنے باپ کی تقلید میں مقام اکدالہ کے حصار میں محصور ہو کر فیروز تغلق کا انتظار کیا۔ لشکر دہلی نے حسب سابق اکدالہ کے قریب خیمہ زن ہو کر سلسلہ جنگ جاری کیا۔ دو لڑائیوں میں عرصہ دراز تک چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر طرفین کے آمرانے صلح کی سلسلہ جنباہی کی اور ہردو بادشاہ صلح پر رضا مند ہو گئے۔ سلطان فیروز تغلق نے اپنی ٹوپی بطور نشان صلح سکندر شاہ کے پاس بھیجی اور سکندر شاہ کو اپنا براہِ زراہ کہا۔ سکندر شاہ نے بھی تحفہ دہرایا اور چالیس ہاتھی فیروز تغلق کی خدمت میں بھیجے اور اس بات کا عہد نامہ لکھا گیا کہ آئندہ دہلی اور بنگالہ کے پادشاہوں میں کبھی جنگ نہ ہوگی اور ہمیشہ صلح رہے گی۔ اس صلح نامہ میں سکندر شاہ نے سنار گاؤں کی حکومت کا ظفر خاں لودھی کو سپرد کرنا منظور کر لیا تھا۔ لیکن ظفر خاں نے خود ہی سنار گاؤں کی حکومت کو پسند نہ کیا۔ فیروز تغلق کے ہمراہ واپس آیا اور عہدہ نائب وزیر اعظم پر فائز رہا۔

جہاں جنکر اور اڑلیسہ کا سفر | فیروز تغلق جب واپس جوینور آیا تو اس کو معلوم ہوا
 کہ جہاں نگر چنار کے جنگل میں جنگلی ہاتھی بہت
 ہیں۔ فیروز تغلق جون پور سے ہاتھیوں کے شکار کے لئے چنار کی جانب روانہ ہوا۔
 جب بنارس کے قریب پہنچا تو شاہی لشکر کی آمد کا حال سن کر راجہ دارالریاست
 چنار سے بھاگا۔ راجہ کی اس وحشت اور وحشت کو دیکھ کر تھوڑی دور شاہی لشکر
 نے تعاقب کیا پھر ہاتھیوں کی گرفتاری میں مصروف ہو گیا۔ شمس سراج غنیف
 کہتا ہے کہ

در جہاں نگر چہ بردہ لشکر بگرفت اڑلیسہ اسرار
 جنگل کہ نہ گنجش سرام بشنید وراثت پیل بسیار
 در رفتہ شکار پیل کردہ پیلاں ہند میں ذلیل کردہ

ہاتھیوں کو نہاری باغ کے جنگل میں گرفتار کرتا ہوا شاہی لشکر سمندر کے کنارے
 جلگن ناتھ دیو ری کے مندر تک پہنچ گیا اور راجہ یہاں سے جہاز میں سوار ہو کر کسی
 جزیرہ میں چلا گیا۔ یہ وہی مندر تھا جو پنجاب کے راجہ جے پال کی خودکشی کے بعد ایک
 جدید مذہبی گروہ کے پیدا ہونے اور خودکشی کو ثواب یقین کیسے کے عقیدے کی بنا پر بنایا
 گیا تھا۔ یہاں انسانوں کی قربانی ہوتی تھی اور لوگ کمات حاصل کرنے کے لئے رتھ
 جاترا کے موقع پر اپنے آپ کو خود ہلاک کرتے تھے۔ ہندوؤں کے اس جدید سیاسی فرقہ
 کا تذکرہ دوسرے باب یعنی سلطان محمود غزنوی کے حالات میں آچکا ہے چنار راجہ
 کا راجہ اس مندر کا محافظ بھجواتا تھا۔ جلگن ناتھ کا بت پتھر کا تراشا ہوا تھا۔ اس بت کو
 وہاں سے اٹھوا کر دہلی بھجوا دیا گیا۔

آبنا شدہ در کنار دیا بت خادہ بدیدر شریا
 جلگن ناتھ لعین دیور فتنے ہر حیا کہ ہنود ہندہ بروے
 بر کند ز بیخ شہر برہہ در خاک لبیش خوار کردہ
 (شمس سراج غنیف)

جلگن ناتھ کے بت اور ہاتھیوں کی گرفتاری سے فارغ ہو کر فیروز تغلق نے راجہ
 کی گرفتاری کا ہندو بت کیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ رائے جہاں نگر تلنگانہ کی

طرف بھاگا تھا مگر شمس سراج عقیف کا بیان یہ ہے کہ وہ کسی جزیرہ میں جا کر پناہ گزیں ہوا تھا۔ فرشتہ اور ملا عبدالقادر بایوٹی نے جاج نگر کے راجہ کے علاوہ ایک اور راجہ مسمیٰ بیر بھان دیو کا ذکر کیا ہے جس نے سنیتیس ہاتھی بادشاہ کی خدمت میں بھیج کر مان طلب کی اور اس کو امان دی گئی۔ شمس سراج عقیف صرف ایک ہی راجہ کا ذکر کرتا ہے اور جاج نگر سے سمندر کے جزیروں تک اس کو بھگا تا ہے۔ نارتھوں کے مطالعہ کے بعد جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا پورا اور چنار سے لے کر اڑیسہ کے ساحل یعنی خلیج بنگالہ تک دو یا تین راجہ حکمران تھے۔ سب سے پہلے چنار کا راجہ فرار ہوا اور تلنگا نہ میں جا کر پناہ گزیں ہوا اس کے بعد شاہی لشکر آگے بڑھا تو ہزاری باغ کا راجہ فرار ہوا اور آگے بڑھا تو اڑیسہ کا راجہ سمندر کے جزیروں میں بھاگا اڑیسہ اور جاج نگر (جنہاں کے راجاؤں کے نام نہیں لائے گئے) ان کو صرف رائے جاج نگر اور رائے اڑیسہ کہہ کر یاد کیا گیا۔ بیر بھان دیو جس نے سنیتیس ہاتھی دے کر امان حاصل کی، نائبا ہزاری باغ کا راجہ تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہی اڑیسہ کا بھی راجہ ہو۔ شمس سراج عقیف نے اس بات کا لحاظ نہیں رکھا کہ اس سفر میں ایک ہی راجہ سے واسطہ پڑا تھا، یا کہی راجاؤں سے۔ بہر حال جاج نگر کے راجہ سلطان دہلی کے مطلع و منقاد چلے آتے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں جاج نگر کے راجہ نے تلنگا نہ کے راجہ کی بغاوت و سرکشی میں شرکت کی تھی مگر بہت جلد اس کو درست کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد جاج نگر کے راجہ سے کوئی ناشائستہ حرکت ظہور میں نہیں آئی تھی۔ اب جب کہ سلطان فیروز تغلق جنگلی ہاتھیوں کے پکڑنے کو اس طرف آیا تو راجہ یہ سمجھا کہ سلطان نے میرے اوپر چڑھائی کی ہے چنانچہ وہ بے تحاشا بھاگ نکلا اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو مجرم بنایا۔ اس کو چاہیے تھا کہ سلطان کی آمد کا حال سن کر استقبال کرتا اور جھڑپ پیش کر کے مور و الطاف خسروانہ ہوتا اب سلطان کو اپنے درپے دیکھ کر اس نے اپنے پانچ برہمن مہتما یا مذہبیوں کو پاتراور مہتمہ کہتے تھے سلطان کی خدمت میں بھیجے۔

رائے مذکور از غایت خوف و نہایت ہراس چند پاتر خود را بد گاہ شلوہ و بار گاہ شہنشاہ فرستاد و زبان غمزہ کشاد۔ چنانچہ سلاطین و وزراء رائے ہابیک میں دہند ہم چنان را بیان و را گلان و زمینداران دار حرم مہنگاں را پیش می

دارندہ و وزیرین حاج نگر مہتمم را پائے گویند۔ رائے مذکور نیز بیست نفر پائے تر داشت کہ ایشان را ہتنگاں گفتند برائے و تدبیر ایشان کارہائے ولایت خود بپا رست فی الحاصل رائے مذکور پنج نفر پائے تر خود را بدرگاہ عالم پناہ حضرت فیروز شاہ فرستاد و از حال محض کمال خود اعلام داد و ابواب بحاج چون بندگان مطیع کشادہ چوں ہتنگاں رائے بحضرت شہنشاہ گیتی آئے پائے بس کر دند و جبین عبودیت را چوں بندگان مطیع سودند و از حال احوال رائے باز نمودند و التماس کردند کہ رائے حاج نگر بندہ مطیع و بندہ زائدہ قدیم آن درگاہ است ہمیشہ فرماں بردار حضرت تہاں دارا رست بر بندہ سسلین و عاجز و غلگین چہ تصدی فرمائید چوں ہتنگاں ازین باب گفتند دریں محل حضرت شہنشاہ اکمل فرمود کہ مارا دریں حدود مصلحتی بخیر بود چوں مخبر بصدق باز نمود کہ متصل سکونت رائے جنگل انبوہ یا کشتہائے چوں کوہ است و وراں جنگل پیلان دستی چوں گو سفنداں می گردند بر آں شکار پیل این جانب قصد نموده شد رائے را چہ روداد کہ از خوب مار دے در گریز نہادہ در مقامات جزائر ہلافتاد (شش غنیف)

ان ایلیچوں کو عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ راجہ کی دل دہی و استقامت میں مطلق کوتاہی نہیں کی گئی اس کو بہت ستر سابق ریاست پر بحال رکھ کر اور میں ہاتھی سالانہ بھیجے رہنے کا وعدہ لے کر واپس ہوا۔ سلطان کو دہلی سے جدا ہونے کے دو سال اور سات ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا کہ ماہ رجب ۱۱۷۷ء دہلی واپس آیا۔ ان ہاتھیوں کے علاوہ جو دہلی سے ہمراہ گئے تھے بنگالہ اور حاج نگر سے تہتر ہاتھی اور ہمراہ لایا اور جدید شہر فیروز آباد (کولہ فیروز شاہ) کی شہر چناہ بنوائے میں مصروف ہوا۔

فیروز پور کی تعمیر اور کانگرہ پر چڑھائی | رعایا خوش حال اور ہر طرح فارغ البال تھی۔ شش سراج غنیف کہتا ہے کہ

”دابل کفر ز طاقہ زمیاں و اماںیاں زیر سایہ چتر فیروز شاہی از رعیت

بلو شاہی برضا ہیبت می گذرانیدند“

چند روز دہلی میں قیام کرنے کے بعد نہر سلیم اور سرتی ندی کے درمیان ایک

پہاڑی پشتہ کو کاٹتے پرتوچاس ہزار بیل دار لگائے کہ اس کو کاٹ کر سستی کا پانی نہر سلیم میں ڈال دیا جائے۔ اس پشتہ کو کاٹتے ہوئے ہاتھیوں اور آدمیوں کی بہت سی ہڈیاں نکلیں۔ آدمی کے ہاتھ کی ہڈی تین گز لانی تھی جس کا کچھ حصہ تپھر کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔ انھیں ایام میں سرہند کو سامانہ کی ولایت سے جدا کر کے الگ کشتنری بنائی اور ایک قلعہ تعمیر کر کے اس کا نام فیروز پور رکھا جو آج کل "فیروز پور جھرگہ" کے نام سے مشہور ہے یہیں خیر پونچی کہ نگر کوٹ یا کانگرہ کا راجہ خود سری و بے راہ روی اختیار کر چکا ہے۔ چنانچہ سلطان بلا توقف اس طرف کو روانہ ہوا راجہ فرار ہو کر پہاڑ کے اندر محفوظ مقامات میں چلا گیا لیکن جب اس کا تعاقب جاری رہا تو مجبور ہو کر عاجزانہ فیروز تغلق کے قدموں میں آگرا اور غنوں کی تقصیر کی التجا کی سلطان نے اس کی خطا معاف کر کے خلعت عطا کیا اور ریاست پر برقرار رکھا۔

چوں ہندگان مطیع فرود آمدہ درپائے سلطان فیروز شاہ گیتی آراتے
افتاد زبان پہن از عذر کشاد۔ حضرت شاہ چوں سلاطین اہل گاہ بہ اوج
جاہ دست پر پشت راتے نہادہ جامہ ہائے زرد وزی وزر بفت دادہ
ویک چتر عطا کردہ ہماں زماں چو آئین جہان داران باز گردانید ؟
(شمس سراج عقیف)

یہاں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ جب سکندر اس جگہ آیا تھا تو یہاں کے لوگوں نے اس کی منظور نظر نوا شاہ کا بت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی وہ بت آج تک یہاں کے ہندوؤں کا معبود ہے یہ سن کر سلطان نے نوا شاہ کے بت کو وہاں کے بت خانے سے اٹھوایا اور اپنے ہمراہ لے آیا۔ اس واقعہ کو شمس سراج نے اپنی تاریخ میں نہیں لکھا لیکن تاریخ فرشتہ اور تاریخ بدایونی میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ سیر المتاخرین کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”در آن وقت کہ سلطان قصد مراجعت داشت کہ اسکندر در
در زمان ورود خود دریں مکان صورت نوا شاہ درست کردہ دیوں جا
گذاشته بود اہل ہند بعد مردود ہواں لا بھوانی نامیدہ پریش می نمایند
اس جگہ فیروز تغلق کو یہ بھی معلوم ہوا کہ نگر کوٹ کے بت خانے میں تیرہ سوکتا ہیں

موجود ہیں۔ بادشاہ نے ہرمیوں کو طلب کر کے ان کتابوں کا معائنہ کیا اور چند کتابوں کا ترجمہ کرایا جنہ ان کے ایک کتاب کا ترجمہ اُس زمانے میں مشہور شاعر اعجاز الدین خاندانی نے نظم میں کیا اور اس کا نام دلائل فیروز شاہی رکھا۔

بادشاہ علمائے آں طائفہ را طلب کردہ بیستہ از آن کتب را ترجمہ فرمود
از آن جملہ اعجاز الدین خاندانی کہ شعرائے آن عصر بود کتابت و رسمت بعضی
و شگون و تفاوت و درسلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام اور دہ است
افروشد

ملاحظہ القادر بدیونی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے اور یہ کتاب بہت ہی معمولی کتاب ہے اور پندار قابل تشریف نہیں ہے۔ ملاحظہ حسب آئینہ القافیہ میں کہ

اردیں حال بعض سلطان رسانید وقتی کہ سلطان سکندر ذوالقدرین
بایجاز رسید از آن باز مردم این شہر سورت نوشاہ ساختہ و قہار داشتہ اند و محمود ایشان
است و یک ہزار و سہ صد کتاب باز بہمنان سابق درین بچا نہ است کہ بخوالامھی
اشتہار دار و ہمیشہ آتش سرفراک کشیدہ از انجائی افزود سلطان بہمنان را طلبید
و بعد از آن کتب را فرمود تا مترجمان بزبان فارسی ترجمہ نمایند از انجملہ عزیز الدین
خاندانی کہ شعرائے و نشان عصر فیروزی بود کتابت و در بیان صعود بہبوط سیار
سیح و سعادت و نحو ست آنہا و تفاوت و شگون بنظم آوردہ دلائل فیروزی نام
رانندہ و فقیر جامع منتخب و ملاحظہ القادر بدیونی در لہجہ ہندورسنستہ آں را از
اول تا آخر دیدہ خالی ہم نے و تعریف ہم نے و چند کتابتے دیگر قبل اوس ہم بنظر
تقریر رسیدہ کہ بنام سلطان فیروز ترجمہ شدہ بعضی اراں در علم نیکل یعنی فن موسیقی و
اقسام الکھاڑہ کہ آں را پارتیازی گویند و بعضی در غیر آں و اکثر اربے حاصل یافت
فائدا بے مرگی آں بہت مطلب و صعوبت تعبیر خواہد بود چنانچہ ظاہر است ۛ

۵۶۱ میں فیروز تغلق نگر کوٹ کی مہم سے فارغ ہوا اسی زمانہ میں تاتار خاں جو حصار
کا گورنر مقرر ہوا تھا اور سلطان فیروز تغلق کو ہمیشہ نصیحت کرتا اور پابندی شرع کی طرف توجہ
دلاتا رہتا تھا فوت ہوا۔ تاتار خاں کے فوت ہونے کے بعد سلطان محمد تغلق کی پابندی شرع
کا کوئی ثبوت اُس میں باقی نہ رہا۔

ٹھٹھہ کی جانب فوج کشی اور امر کی مخالفت

فوج کشی کی اس کے وزیر اعظم خان جہاں اور دوسرے امر کی خواہش نہ تھی کہ ٹھٹھہ کی جانب فوج کشی جائے انھوں نے فیروز تغلق کو سمجھا یا کہ جام ٹھٹھہ سے صرف یہ خطا ہوئی ہے کہ اس نے طغی نہک حرام کو اپنے یہاں پناہ دی تھی مگر اب جب کہ طغی کا کام تمام ہو چکا ہے اور جام ٹھٹھہ اطاعت و فرماں برداری کا اقرار کرتا ہے تو اس طرف فوج کشی کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ مگر فیروز تغلق نے کہا کہ سلطان محمد تغلق میرا بھائی اور مرزئی تھا وہ مرتے وقت جام ٹھٹھہ کی سزا دی کا مصمم ارادہ رکھتا تھا لہذا میں جام ٹھٹھہ کو اب اور زیادہ مہلت نہیں دے سکتا۔ میں اس پر سزا چڑھائی کروں گا۔ جب سلطان کو بار بار یہی ذکر کرتے ہوئے دیکھا تو امر نے مخالفت چھوڑ کر خفا موٹھی اختیار کی

”سہر بار کہ ذکر ٹھٹھہ افتادے دست بر محاسن مبارک فردا آوردے دفر مودے

افسوس صد نہرا فوس کہ یک آرزوئے درد دل خدا انگان مغفور ماند اعنی

محمد شاہ بن تغلق شاہ کہ ٹھٹھہ فتح نشد ازین دلائل مقابل مقربان در گاہ و

امیران بار گاہ را معلوم می شد کہ البتہ میل دل شاہ و اندلیشہ حضرت شہنشاہ

برائے سواری و شکار سمت ٹھٹھہ ماند و است ۛ (شش سرانہ عقیف)

آگے چل کر لکھتا ہے کہ

”سلطان فیروز شاہ بر خان جہاں بنیساں گفتہ گوہر اسرار پیش وزیر سفتہ کہ بتقدیر

اللہ تعالیٰ سلطان مرحوم مغفور بجوار رحمت حضرت غفور آسودہ وایں آرزو

دل ایثاں ماندہ چوں حضرت الہ مارا بجائے ایثاں نشاندہ انتقام ایثاں

کشیدن شاید یا نہ دریں محل مستور مسطور در تامل افتاد دریائے قلب خویش

چوں دستور ان تمیک اندیش ابواب فکر کشادہ بعد از ملتے بر مؤنات کلمات

احسن پرداختہ و گفتہ کہ ایں اندلیشہ نیکو اندلیشہ است ۛ

آخر خان جہاں وزیر اعظم کو دہلی میں قائم مقام چھوڑ کر نئے نہر سوار اور چار سوا سی

ہاتھی ہمراہ لے کر سلطان فیروز تغلق ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں اجودھن رپاک

پٹن، ہوتا ہوا اور حضرت فیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ کی قبر پر حاضری دیتا ہوا ٹھٹھہ پہنچا

ٹھہر دیا۔ سندھ کے دونوں جانب آباد تھا اور وہاں دو شخص حکومت کرتے تھے دیپاک کے ایک جانب رائے اُتر کا بھائی جام حکمران تھا اور دوسری جانب رائے اُتر کا بیٹا بانہیہ فرماں روائی کرتا تھا۔ یہ دونوں چچا بھتیجے اتفاق و اتحاد کے ساتھ ٹھہرے اور سندھ کے اکثر علاقے پر قابض و متصرف تھے۔ ان کی قوم سومرہ کہلاتی تھی اور یہ ان لوگوں کی اولاد میں تھے جو محمد بن قاسم کے زمانہ میں مسالوں کے فرمان بردار و طبیعی ہو کر بعد میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن قاسم کے زمانہ وستان سے رخصت ہوئے تھے۔ محمد بن قاسم کا بہت بھنا کر اس کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔ جب ان کی حالت دیکھ کر سندھ سے جانی رہی تو یہ ہندوؤں میں کھل مل کر ایک عہد پر ہندو قوم بن گئے تھے جو مورخہ کے نام سے پجاری جانی تھی۔ اس قوم کی نسبت مختلف خیالات کا اظہار مختلف مورخین نے کیا ہے۔ اس بحث کے پھیرنے کا یہ موقع نہیں۔

فیروز تغلق نے ٹھہر کا محاصرہ کیا اور اڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا مگر جب غدار کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوا۔ سامانِ بندہ کی فراہمی کا بھی کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ قوت و گرائی نے لشکر میں سخت استری پیدا کر دی۔ چھوڑا سلطان، لو ٹھہر کی ہم آئندہ سال کے لئے ملتوی کر کے گجرات کی طرف جانا پڑا۔ لشکر کے رہبروں نے وزارت سے کام لے کر سلطان کو معہ لشکر کو نجی رن میں سمندر کے کنارے پہنچا دیا جہاں سوائے آب شور اور شکر زار کے کسی درخت اور سرسبزی کا نام و نشان نہ تھا۔ غلہ کی نایابی۔ آب پیریں کا نہ ملنا اور اس لائق و حق سیراب نہ ہونے کا کوئی راستہ ہاتھ نہ آنا کسی مصیبتیں جمع ہو گئیں اور امید ریست منقطع ہو گئی آخر بڑی دشواری اور کئی ہفتوں کی خواری کے بعد سلطان گجرات پہنچا گجرات کی حکومت ملک نظام الملک کے سپرد تھی۔ سلطان نے گجرات پہنچ کر ملک نظام الملک کو بہت سخت سست کہا اور اس کو گجرات کی حکومت سے معزول کر دیا کیونکہ اس نے ٹھہر کے محاصرے میں سلطان کو کسی قسم کی مدد نہیں پہنچائی تھی۔ شمس سراج عقیق کے الفاظ یہ ہیں۔

”وہیں محل سلطان فیروز شاہ چوں سلاطین اہل گاہ بادشاہ بر ملک
نظام الملک نصرت خواہ گرم مزاجی کردہ کلمات عقیق از زبان خویش

برآوردہ و آل گرم مزاجی یا سبب چہ بود سلطان فرمود اگر تو ان گجرات
بدنعات غلہ ہامی فرستادے و غم لشکر مامی خوردے خلق لشکر تلف شدہ
نظام الملک از گجرات معزول شدہ

گجرات پہنچ کر سلطان نے اپنے لشکر کی حالت کو کسی قدر درست کیا اور اپنے
وزیر اعظم خان جہاں کے پاس پیغام بھیجا کہ دہلی سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ بھیجو۔۔۔
سلطان کو دہلی سے جدا ہونے کا حافی سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ دہلی سے بدریںشکر
مکہ بہت سے سامان لشکر کے پہنچا۔ فیروز تعلق ۱۶۹۱ء میں گجرات سے ٹھٹھہ کی جانب
روانہ ہوا۔ طغر خاں لودھی کو گجرات کی حکومت سپرد کر کے نظام الملک کو اس کی جگہ
نائب وزیر بنایا۔ وہی ہی سلطان فیروز تعلق گجرات سے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوا اکثر سپاہی
لشکر کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو ہجرتا شروع ہوئے سلطان کو جب یہ حال معلوم
ہوا تو سرداران لشکر سے مشورہ کیا انھوں نے کہا کہ لشکر کے چاروں طرف پتوں کی پھر
قائم کرنا چاہیے تاکہ کوئی عدا نہ ہو سکے۔ شمس سراج عقیف کہتا ہے کہ

”چوں این گفتار بسج جہاں دار رسید فرمان شد برین اشخاص چہ باید کرد و مقرران
در گاہ و مشیران بار گاہ عرضہ داشتند کہ در منزل گاہ با چکی ہامی باید نشاندا تا
خلق را رفتن، بجز در سہر کہ بود اورا تدارک کنند“

سلطان کو یہ مشورہ پسند نہ آیا اور کہا کہ جو جدا ہونا چاہتا ہے اسے جدا ہوئے دو
کیونکہ قیدیوں کی طرح سپاہیوں کو ساتھ رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں، اگر ٹھٹھہ کا فتح ہونا
خدا کو منظور نہیں ہے تو مشیت ایزدی کے سامنے ہم مجبور ہیں۔ سلطان نے اپنے وزیر
خان جہاں کو لکھا کہ جو لوگ ہم سے جدا ہو کر دہلی پہنچیں ان کو بلا کر تم صرف معمولی ملازمت
کرنا اور کوئی سخت سزا نہ دینا۔ آخر سلطان ٹھٹھہ کے قریب پہنچا اور معرکہ داروگیر گرم
ہوا۔ چار ہزار سندھی گرفتار ہوئے باقی فرار ہو گئے۔ یہ گرفتار ہونے والے سب
مسلمان تھے۔ ٹھٹھہ کی فتح کو اب بھی دشوار دیکھ کر سلطان نے ٹھٹھہ کے قریب غیمہ زن
ہو کر لوگوں کو زراعت کے کاٹنے اور غلہ فراہم کرنے کا حکم دیا۔ سندھیوں کے کھیت پختہ
کھڑے تھے اور وہ ابھی کھیتی کاٹنے نہ پائے تھے کہ سلطانی لشکر پہنچ گیا۔ ایک
طرف غلہ کی فراہمی پر لوگوں کو مامور کیا دوسری طرف عماد الملک کو دہلی کی جانب

روانہ کر کے وزیر اعظم کے نام حکم بھیجا کہ جس قدر فوج فراہم ہو سکے ہمارے پاس بھیجو۔ عدا الملک دہلی پہنچا اور بدایوں، قنوج، سندیلہ، اودھ، جون پور، بہار، ترہت، صوبہ، چندری، دہرا دہلی، سامانہ، دیپا پور، لاہور وغیرہ کی فوجوں کو ہمراہ لے کر دہلی سے ٹھٹھہ کی جانب واپس ہوا۔ یہ عظیم الشان لشکر جب بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا تو جام اور باغیہ کو قدر عافیت معلوم ہونے لگی اور ہلاکت کو یقینی سمجھ کر جان بچانے کے واسطے انھوں نے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین رحمہ کی خدمت میں بمقام اُنچ پیغام بھیجا کہ اب ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا آپ براہ مہربانی صلح کر اگر ہم کو امان دلوادیکچے چنانچہ سید محمد روح اُنچ سے چل کر سلطانی لشکر میں پہنچے۔

”چوں خدمت سید در لشکر رسید تمام خلق لشکر برائے پاتوس سید بدل و

جان کو شیدہ ہر کہ از طائفہ اہل در سرائے پاتوس خدمت سید کر دے

خدمت سیدی فرمودند بابا انشاء اللہ تعالیٰ بعنایت اللہ میاں چند روز

اصلاح خواہ شد خدمت سید چون نزدیک تر رسید سلطان فیروز چون

مستقدان برائے ملاقات سید ازل و جان کو شیدہ اشمس سراج عقیف

غرض سلطان فیروز تعلق سید ممدوح کا استقبال کر کے خیمہ شاہی میں لایا اور عزت کے

مقام پر بٹھایا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ٹھٹھہ میں ایک صالحہ و پارسا عورت تھی اس

کی دعا کی برکت سے ٹھٹھہ اب تک فتح نہیں ہوا۔ میں جب کبھی تمھاری کامیابی و

فتح کے لئے جناب الہی میں دعا کرتا وہ عورت قبولیت دعا میں حائل ہوتی۔ اب

تین روز ہوئے کہ وہ فوت ہو گئی ہے اس لئے امید ہے کہ ٹھٹھہ جلد فتح ہو جائے گا

اُدھر جام اور باغیہ نے جن کی تحریک سے سید صاحب اُنچ سے تشریف لائے تھے

سید ممدوح کے پاس جلد جلد پیغامات بھیجنے شروع کئے۔

”چوں ٹھٹھیان (جام و باغیہ) شنیدند کہ حضرت سید جلال الدین در لشکر

نزول فرمودند پیغامات متواتر بہ خدمت سیدی فرستادند و کیفیت دشواری

خویش باز نمودند خدمت سید نیز کچھ مطلوب ایشان بود با سلطان استغاثت

داد آنچہ ایشان از غایت خاطر پریشان خود باز نمودند سلطان فیروز شاہ اصناف

آل از براہ مرستہ از انی فرمودند (اشمس سراج عقیف)

جام اور بانہیہ کے ساتھ رعایت | خلاصہ کلام یہ کہ جام اور بانہیہ دونوں سلطان فیروز کی خدمت میں حاضر ہوئے

سلطان نے ان کو خلعت اور ایک ایک تازی گھوڑا عنایت کر کے عزت و احترام کے ساتھ ملوک و امرا کی طرح اپنے پاس جگہ دی اور ٹھٹھہ کی حکومت پر جام کی جگہ بانہیہ کے بیٹے کو اور بانہیہ کی جگہ بانہیہ کے بھائی تہاچی کو مقرر کر کے ان سے سالانہ خراج کی ادائیگی کا اقرار لیا اور جام و بانہیہ کو حکم دیا کہ مع متعلقین ہمارے ہمراہ دہلی کی جانب چلو۔ دونوں نے بخوشی منظور کیا۔ سلطان مع لشکر ملتان پہنچا۔ ملک مروان دولت کو حاکم مقرر کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر سندھ میں دہلی پہنچا جام اور بانہیہ دونوں کے لئے خزانہ شاہی سے دو دو لاکھ روپیہ سالانہ و نذیفہ مقرر کیا اور رہنے کے لئے دارالسلطنت کے متصل ایک اچھی جگہ عطا کی جو سرائے ٹھٹھہ کے نام سے موسوم ہوئی دربار میں ان دونوں کو تخت شاہی کے سامنے جگہ ملتی تھی۔

”جام و بانہیہ ایک نام با تمام خیل خانہ خویش و شہر دہلی رسید فرمان شد تا خیل خانہ ایشان را متصل سرائے ملک مقام دہند تا ایشان بخاطر جمع درآن جا نگاہ ساکن شوند چون خیل خانہ ایشان درآن محل جائے یافتند درآن مقام با فرحت تمام آباداں شدند و آن محل را سرائے ٹھٹھہ نام داشتند حضرت فیروز شاہ مبلغ دو لاکھ ٹنکہ برائے جام و دو لاکھ ٹنکہ برائے بانہیہ نقد از خزانہ موفورہ در وجہ انعام سالینہ تعیین کردہ و حمدان بیروز جامہ با اسباب و نعمت ہائے فراواں چنیداں می یافتند کہ ٹھٹھہ را بکلی فراموش کردند و بوقت دربار چوں سلطان فیروز تعلق نشستے جام و بانہیہ طرف بازوئے راست در جام خانہ دم نشستند“ (ضعیف)

چند سال کے بعد تملہچی برادر بانہیہ نے ٹھٹھہ میں بغاوت کی تو سلطان نے جام کو اس طرف روانہ کیا اس نے تملہچی کو دہلی کی جانب بھیج دیا اور خود ٹھٹھہ میں اس کی جگہ قیام کیا۔ بانہیہ اور تہاچی دونوں دہلی میں رہے جام اور اس کا بیٹا ٹھٹھہ میں حکومت کرتے اور سلطان دہلی کی غلامی کا دم بھرتے رہے۔ سلطان فیروز تعلق کے آخری ایام حیات یعنی ۱۲۱۰ھ میں جبکہ اُس نے اپنے بیٹے محمد خان الملقب بہ ناصر الدین محمد شاہ کے

ہنری میں تخت سلطنت کو چھوڑ دیا تھا باغبیہ کو چتر سفید دے کر ٹھٹھہ کی حکومت پر مامور کر کے دہلی سے رخصت کیا گیا مگر وہ رانہ ہی میں فوت ہو گیا شمس سراج حنیف نے سلطان فیروز شاہ کے ارکان سلطنت کی فہرست اور دربار میں ان کے مرتبے اور نشست کا منہ نسل تذکرہ کیا ہے۔ ان ارکان سلطنت میں جام باغبیہ راسدار دیورائے سببیر۔ ساؤت ادھرن کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو زمرہ ملوک دوزرا میں شامل اور دربار میں اعلیٰ مقام پر جگہ پاتے تھے۔

خان جہاں نو مسلم اور متفرق حالات

سنہ ۸۰۰ھ میں خان جہاں نے وفات پائی اور سلطان فیروز تغلق نے اس کے بیٹے ہونا خان کو خان جہاں کا خطاب دے کر وزیر اعظم بنایا۔ یہ وہی خان جہاں تھا جن کا ہندوئی نام کنوا اور جو تلنگانہ کا ایک ہندو تھا۔ دہلی آ کر حسرت شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ کی مجال میں خواجہ جہاں ملک احمدیائے ہمراہ آئے جلنے لگا پھر حضرت ممدوح کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ ... سلطان فیروز تغلق نے اس کو تربیت دے کر زمرہ امرا میں شامل کیا اول قوام الملک کا خطاب ملا پھر نیاں بہاں ہو گیا اور سلطان بھر تغلق کی وفات کے بعد سلطان فیروز تغلق کا وزیر اعظم بنا۔ اسلام ذات پات اور پچھوت چھات کی بیوروہ قیود سے کس قدر پاک ہے اور مسلمان اپنے محکموں کو کس قدر ترقی کا موقع دے سکتے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے خان بہاں کے سوانح حیات پر غور کرنا کافی ہے۔ ہندوستان کے ہندو اور اس ملک کی اچھوت اقوام اگر صرف خان جہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہوں تو وہ مسلمان کے عہد فرماں روائی کی نسبت غلط فہمیوں اور گمراہیوں سے نجات پا سکتے ہیں۔ خان جہاں کی وفات کے بعد اس کے بیٹے جونا خان غاچھان ثانی نے باپ کی قبر کے پاس (مفتاح التواریخ کی روایت کے موافق ۸۰۸ھ میں) ایک مسجد بنوائی جو آج تک دہلی میں ترکمان واڑہ کے پاس کالی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔

سنہ ۸۰۰ھ میں سلطان فیروز تغلق نے ملک راجا فاروقی کو دو ہزاری منصب عطا کر کے خاندیس کے علاقے میں دو پرگنے عطا کئے۔ یہی ملک راجہ فاروقی سلاطین

۱۷۷۷ء میں ظفر خاں لودھی حاکم گجرات کا انتقال ہوا اس کی جگہ اس کے بیٹے دریا خاں لودھی کو ظفر خاں کا خطاب دے کر گجرات کی حکومت سپرد کی گئی۔ اسی سال ملک مردان دولت المخاطب بہ نصیر خاں حاکم ملتان کا انتقال ہوا اس کی جگہ اس کے بیٹے ملک شیخ کو حکومت ملتان سپرد ہوئی مگر وہ بھی چند روز بعد فوت ہوا۔ اُس کی جگہ مردان دولت نصیر خاں کے بے پالک رشتہی، سنیان کو ملتان کا حاکم بنا دیا گیا۔ اسی ملک سنیان کا بیٹا خضر خاں تھا جو بعد میں سید خضر خاں کے نام سے دہلی کا پادشاہ ہوا۔

۱۷۷۸ء میں سلطان فیروز تغلق کے بیٹے فتح خاں نے جو دہلی عہد سلطنت تھا تقریباً پچیس سال کی عمر میں وفات پائی اور دو بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ سلطان نے اس رنج و غم کے عالم میں بہار بچ جاکر مسعود سالار غازی کی قبر پر سرمنڈ دایا۔ جب سلطان نے بال منڈوائے تو اس کی تقلید تمام امراء نے دربار سے بھی کی۔

۱۷۷۹ء میں ظفر خاں ثانی کی جگہ شمس الدین دمغانی گجرات کا گورنر مقرر ہوا ظفر خاں ثانی کو ہوبہ کی حکومت سپرد کی گئی۔ چند روز کے بعد شمس الدین باغی ہو کر مارا گیا اور اس کی جگہ ملک مفرح نو مسلم المخاطب بہ فرحت الملک گجرات کا حاکم بنایا گیا۔

۱۷۸۰ء میں اثاودہ کے ہندو زمینداروں نے سرکشی پر کمر باندھی اور سلطان نے خود اس طرف جاکر اس فتنہ کو فرو کیا۔

۱۷۸۱ء میں دہلی سے سامانہ کی طرف گیا وہاں سے سہارنپور اور سر مور کی طرف آیا یہاں کے رایوں سے نذرانہ و خراج وصول کر کے دہلی واپس آیا۔ کٹھڑ کا علاقہ رائے کھر گویا رائے لکھو کر نام ایک ہندو راجہ کو سپرد تھا رائے کھر گونے بدایوں کے سید علامہ الدین، سید محمد اور سید محمود ہر سہ برادران کو ضیافت کے بہانے سے اپنے یہاں بلایا اور دھوکے سے تینوں بھائیوں کو شہید کر دیا۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو وہ ۱۷۸۲ء میں دہلی سے روانہ ہو کر کٹھڑ کے علاقے میں پہنچا۔ رائے کھر گویا بدایوں سے بھاگ کر کوہ کیا یوں میں چلا گیا اور وہاں پہاڑوں میں اس طرح چھپ گیا کہ اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ چونکہ برسات کا موسم آگیا تھا۔ سلطان ملک داؤد افغان کو سنبھل کے علاقے کا حاکم بنا کر اور ملک قبول کو بدایوں کی حکومت پر نامزد کر کے دہلی کی جانب واپس آیا ملک داؤد کو تاکید کی گئی تھی کہ کھر گویا دیکھ بھال رکھے اور کٹھڑ کے سرکش ہندو

کی گوشمالی سے غافل نہ رہے اس کے بعد خود بھی ہر سال کھڑ آتا اور یہاں کے سرکشوں کو سزا دیتا رہا۔

۱۷۷۷ء میں مدایوں سے سات کوس کے فاصلے پر موضع بسولی میں ایک قلعہ بنایا اور فیروز پور اس کا نام رکھا۔ چونکہ یہ سلطان فیروز تغلق کی ہندائی ہوئی آخری عمارت تھی یعنی اس کے بعد کسی قلعہ کی تعمیر کا اس کو موقع نہیں ملا، لہذا بعد میں لوگوں نے بسولی کے اس قلعہ کو فیروز پور کی جگہ آخیں پور کے نام سے پکارنا شروع کیا۔

خان جہان ثانی کی شرارت | ۱۷۷۷ء میں خان جہاں ابن خانجہاں، وزیر اعظم نے سلطان فیروز تغلق اور اس کے بیٹے محمد

خاں میں عداوت و نا اتفاقی پیدا کرنے کی کوشش کی اور سلطان سے کہا کہ شہزادہ محمد خاں بغاوت کا قصد رکھتا ہے اور اُس نے ظفر خاں لودھی، ملک سار الدین، ملک یعقوب اور ملک کمال الدین وغیرہ کو اپنا شریک کار بنا لیا ہے۔ الفنسٹن صاحب اس موقع پر لکھتے ہیں کہ

”جب کہ وزیر کو حکومت کی چاٹ لگی اور عمدہ اختیارات کا مزہ پڑا تو اُس نے یہ بات چاہی کہ پادشاہ کو اس کے وارث کی جانب سے برہم کرے اور اپنے اختیارات کو ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رکھے چنانچہ اُس نے پادشاہ سے لگانا بکھانا شروع کیا اور قریب بمقام پادشاہ کے بیٹے کو خارج کر کے تخت نشینی حاصل کرے۔“

سلطان چونکہ خان جہاں کا بہت اعتبار کرتا تھا لہذا اس نے خاں جہاں کو حکم دیا کہ ان سب کو گرفتار کر لو۔ خان جہاں نے ظفر خاں کو حساب فہمی کے لئے مہویر سے طلب کیا جب وہ دہلی آیا تو دھوکے سے گرفتار کر کے اپنے مکان میں اس کو قید کر دیا۔ اس کے بعد شہزادہ محمد خاں کی گرفتاری کے درپے ہمارے شہزادے نے خبر لے کر اپنے مکان کی مضبوطی کر لی اور خان جہاں کے قابو میں نہ آیا۔ ایک دن موقع پا کر اور ڈولی میں بیٹھ کر سلطان کے پاس زنان خانہ میں پہنچ گیا۔ پادشاہ کے قدموں پر سر رکھ کر خان جہاں کی شرارت۔ اپنی اور ظفر خاں کی بے گناہی کا تمام حال سُنایا سلطان نے اصل حالات سے واقف ہو کر شہزادہ کو حکم دیا کہ جاؤ خان جہاں کو قتل

کر کے ظفر خاں کو قید سے نکالو۔ شہزادہ بلا توقف فوج لے کر خان جہاں کے مکان پر پہنچا۔ خان جہاں نے واقف ہو کر ظفر خاں لودھی کو جو اس کی قید میں تھا قتل کیا اور اپنے آدمی لے کر شہزادے کے مقابلے کو نکلا لیکن زخمی ہو کر پھر مکان میں چلا گیا اور چند رفیقوں کے ساتھ دوسرے دروازے سے نکل کر دہلی سے بھاگ گیا اور میوات پنج کر کو کا چوہان کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ اس جگہ فرشتہ کے اس اقتباس کو جس میں اُس نے فیروز تغلق کی افغان پسندی کا تذکرہ کیا ہے یاد کرو اور سوچو کہ ظفر خاں ابن ظفر خاں لودھی جو بہترین سردار ثابت ہو چکا تھا اور مہربہ کے خطرناک سرکشوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے مہربہ کی حکومت پر تبدیل کیا گیا تھا۔ کس طرح فیروز تغلق کی بے پروائی سے خان جہاں کی نامعقول خواہش کا شکار ہوا۔ شہزادہ نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر ظفر خاں کے شہید ہونے اور خان جہاں کے بھاگ جانے کا حال سنایا۔

فیروز تغلق کی گوشہ نشینی اور وفات | سلطان چونکہ بہت ضعیف ہو چکا تھا اس لئے شہزادہ محمد خاں کو ماہ شعبان

۹۷۷ھ میں تخت نشین کر کے اُس کے لئے ناصر الدین محمد شاہ کا لقب تجویز کیا اور سلطنت سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا ناصر الدین محمد شاہ نے تخت نشین ہو کر حکم دیا کہ جمعہ کے خطبہ میں دوؤں پادشاہوں کے نام لئے جائیں۔ تمام شاہی اہل کاروں کو دستورِ قائم رکھ کر خلعت عطا کئے۔ ملک یعقوب کو سکندر خاں کا خطاب دے کر گجرات کی حکومت پر مامور کر کے روانہ کیا۔ ملک یعقوب سکندر خاں جب میوات کے قریب پہنچا تو کو کا چوہان نے ڈر کے مارے خان جہاں کو جو اس کی پناہ میں تھا پکڑ کر سکندر خاں کے پاس بھیج دیا۔ سکندر خاں نے خان جہاں کو قتل کر کے اس کی لاش دہلی بھجوا دی اور خود گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ خان جہاں کی لاش اس کے باپ خاں جہاں اول کی قبر کے پاس کالی مسجد میں دفن کی گئی۔ کالی مسجد میں دوؤں باپ بیٹوں کی قبریں اب بھی موجود ہیں لیکن اکثر سیاح جب اس مسجد کو دیکھتے ہیں تو ان کو مبہول کر بھی اس بات کا خیال نہیں آتا کہ اس مسجد میں دکن کے ایک ہندو خاندان کے دو فوسلم باپ بیٹے مدفون ہیں جو ہندوستان کی وزارتِ عظمیٰ پر فائز تھے سلطان ناصر الدین محمد شاہ سر مور و کوہ پایہ کی طرف برائے شکار گیا وہاں اُس نے سنا کہ فرحت الملک اور امیرانِ صدہ گجرات نے

متفق ہو کر ملک یعقوب سکندر خاں کو گجرات میں داخل ہونے نہیں دیا اور مقابلہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ یہ خبر سن کر سلطان ناصر الدین محمد شاہ سرور سے دہلی آیا مگر گجرات کے فتنے کو فروز تعلق میں غفلت و بے پروائی سے کام لیا۔ چونکہ ناصر الدین محمد شاہ سلطان فیروز تعلق کی پہلی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور فتح خاں گوجری بیوی کے پیٹ سے تھا اس لئے وجہہ الملک رسہارن کی جماعت کو ناصر الدین محمد شاہ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیروز تعلق کے غلاموں اور بعض امیروں نے علم بغاوت بلند کر کے فیروز تعلق کو گوشہ عزلت سے نکال کر اپنے ساتھ لیا اور مقابلہ پر مستعد ہوئے۔ ناصر الدین محمد شاہ کے ہمراہیوں نے فیروز تعلق کو ان باغیوں کے ساتھ دیکھا تو سب اُس طرف جا لے۔ ناصر الدین جب تنہا رہ گیا تو دہلی سے بھاگ کر سرور چلا گیا اور اس کی جگہ دہلی میں تعلق شاہ ابن فتح خاں ابن فیروز تعلق تخت نشین کیا گیا۔

۱۸ رمضان ۱۰۳۵ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۶۲۵ء کو فیروز تعلق کا انتقال ہوا۔

فیروز تعلق پر ایک نظر

فیروز تعلق نے اپنے ہمد حکومت میں چھوٹی بڑی سونہریں آب پاشی کے لئے نکالیں جو سلطان محمد تعلق کے مجوزہ آئین کی تکمیل تھی۔ چالیس مسجدیں، تیس مدرسے، بیڑ خانہ، سو محل، دو سو سرائیں، پانچ سو شفا خانے، ڈیڑھ سو حمام، ڈیڑھ سو کنوئیں، تلوپل اور بہت سے باغات تعمیر کرائے۔ تیس شہر آباد کئے۔ کئی سنگی منارے نصب کئے۔ اُس کے زمانے میں کوئی قحط نہیں پڑا۔ کاشت کار مال مال اور رعایا خوش حال رہی اُس کی حکومت کے تفصیلی واقعات کو اس جگہ بیان نہیں کیا گیا۔ اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ سلطان فیروز تعلق کے عہد حکومت میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا عام طور پر کیا سلوک رہا۔ سلطان فیروز تعلق نے اڑیسہ کے ایک مندر سے جگن ناتھ کی پتھر کی مورتی دہلی بھجوائی اور اسی طرح نگر کوٹ سے نوشاہ کی مورت اپنے ہمراہ لایا لہذا کہا جاسکتا ہے کہ فیروز تعلق محمد تعلق کی نسبت ہندوؤں کے لئے زیادہ سخت اور غیر ہمدرد تھا۔ لیکن فیروز تعلق کے جسم میں محمد تعلق کی نسبت ہندی خون کی کثرت تھی یعنی اس کی ماں ہندو قوم کی عورت تھی محل میں اُس کی محبوب بیوی۔ دربار اور سفر و حضر

ہر وقت ساتھ رہنے والا مساحب و جہیم الملک دونوں ہندو قوم سے تعلق رکھتے تھے اس کا بااختیار و مذی اقتدار و سیرا عظم بھی دکن کا ایک ہندو تھا۔ ان باتوں پر غور کرنے سے ساری ذمہ داری مسلمانوں کے سر سے اتر کر ہندو قوم کے سر پر پڑتی ہے۔ تاہم یہ بات فراموش نہ ہونی چاہیے کہ جان نگر، اٹلیسہ، اور نگر کوٹ کے راجاؤں نے جن سے بُت لئے گئے تھے ان بتوں کی مفارقت پر کوئی اظہارِ لال نہیں کیا اور آئندہ ہمیشہ فیروز تعلق کے وفادار و فرماں بردار رہے۔ پس جب خود ان راجاؤں اور ان کے بعد ان کے جانشین ہندوؤں نے بھی ان واقعات کو کوئی اہمیت نہیں دی تو آج کے ہندوؤں کو جن کی نگاہوں کے سامنے اصل واقعات نہیں گذرے اُن پتھر کے دو تراشیدہ ”نکڑوں“ کے لئے شور و غل مچانے کا کیا حق حاصل ہو سکتا ہے۔ سلطان فیروز تعلق کے عہدِ حکومت میں کس قدر ہندو کون کون سے علاقوں پر حکومت کرنے کے لئے مامور تھے اوپر کے بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہندو جن جن علاقوں پر مامور و متعین تھے وہ سب مسلمانوں کی مہربانی اور خوشی سے ہندوؤں کو عطا کئے گئے تھے کسی ہندو میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ زیرِ ستی سلطان کی رضامندی کے خلاف کسی صوبہ یا کسی ضلع پر قابض و متصرف رہ سکے۔ جب کسی سے بڑے راہ روی معائنہ ہوتی تھی تو اس کو فوراً سزا دے کر درست کر دیا جاتا تھا۔ ایسی حالت میں جب کہ مسلمانوں پر ہندوؤں کا کوئی بھی دباؤ نہ تھا ہندوؤں کو اعلیٰ عہدے دینے اور صوبوں کی حکومتوں پر مامور کرنے۔ دربار میں مسلمانوں سے ادب و جگہ بٹھانے اور ہندو نژاد لوگوں کو وزارتِ عظمیٰ تک پہنچا دینے میں مسلمانوں نے قومی و مذہبی تفریق کو کبھی مد نظر نہیں رکھا اور کسی مسلمان کے دل میں بھول کر بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ ہندوؤں کو جو ہر طرح مغلوب و محکوم ہیں کیوں اُن کے استحقاق سے زیادہ مراتب دیئے جا رہے ہیں اس سے زیادہ ذیادہ کونئی حیرت انگیز واقعہ نہیں بتایا جاسکتا کہ آج ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کی حکومت اور مسلمانوں کے سلاطین کو گالیاں دے دے کر اور جھوٹے افسانے اُن کی ذات سے وابستہ کر کے مسرت حاصل کر رہے ہیں فیروز شاہ تعلق کے متعلق مجھ کو صرف دو تین باتیں اور بیان کرتی ہیں۔

ہندو کھول کی سرورش اور افروزی اقتدار | اول یہ کہ فیروز تعلق کو شروع سے

اور یتیم و بے کس بچوں کو اپنی نگرانی میں لے کر شاہی اہتمام سے پرورش و تربیت کراتا اور اعلیٰ تعلیم دلاتا۔ جب وہ جوان اور تعلیم یافتہ و شایستہ ہو جاتے تو ان کو اعلیٰ عہدوں پر مامور کرتا۔ صوبوں کی گورنری اور فوج کی سپہ سالاری تک پہنچاتا۔ یہ لوگ شاہی غلام کہلاتے ان میں زیادہ تعداد اودھ اور پوربی اضلاع کے ہندو بچوں کی تھی۔ ان لوگوں کی قدر و منزلت اور عیش و راحت کو دیکھ کر پوربی اضلاع کے اکثر ہندوؤں نے خود اپنے بچوں کو صوبیداروں اور عاملوں کے درجہ بادشاہ کی خدمت میں کوششیں کر کے بھجوانا شروع کیا۔ اس طرح ہندوؤں کی قوم کو شایستگی اور تعلیم میں ترقی کرنے کا خوب موقع ملا۔ سلطان فیروز تغلق ان عاملوں سے بہت خوش ہوتا تھا جو اس قسم کے بچے زیادہ لا کر پیش کرتے تھے۔ ان لڑکوں کی ایک بڑی تعداد سلطان اپنے ملوک و امرا کو تعلیم و تربیت کے لئے سپرد کر دیتا اور وہ ان کو شایستہ و تعلیم یافتہ بنا کر سلطان کی خدمت میں پیش کر کے سرخ روتی حاصل کرتے۔

”بعضے ہندوگان بر حکم و فرمان سلطان تسلیم ہندو اور ملوک می شدند تا ایشان را ادب خدمت آموزند امرا و ملوک آن ہندوگان را بر طریق فرزندان می پرورند و طعام و جامہ و سر جامہ شستن و ہنر آموختن و مقام خوردن و خفتن و غم خواری ایشان را واجبی نگاہ می داشتند و ہر سال ایشان را پیش تخت می گذرانید و ادب و خدمت و نہر ہائے ایشان پیش تخت عرضه می داشتند۔ سلطان فیروز شاہ در باب آن امرا و ملوک چنداں مرحمت می فرمودند کہ در تحریر بنیادہ شش عقیف،

اس سلسلے نے یہاں تک ترقی کی کہ سلطان فیروز تغلق کے آخر عہد حکومت میں یہی ساری سلطنت پر چھا گئے اور ان کی قوت یہاں تک بڑھ گئی کہ انھوں نے خاندان تغلق کی بربادی کے تمام سامان فراہم کر کے امیر تیمور کو ہندوستان کی طرف آتے کا موقع دیا۔ اور ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کو سخت مصائب میں مبتلا کیا شش سراج عقیف اوپر کے مذکورہ الفاظ لکھنے کے بعد کہتا ہے کہ

”آخر الامر کار ہندوگان مذکورہ بجائے کشید کہ بعد از سلطان فیروز شاہ سرہند جگر گوشہ گان اور ابیدر بیخ بریدند عیش و ربار آو نختند کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ

وَسُلِّيْ اَنْ تَحْجُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ نَسْرٌ لَّكُمْ ۝

سلطان فیروز تغلق نے ان غلاموں اور ہندو بچوں کی طاقت و تعداد کے بڑھانے اور ان کے اثر و اقتدار کو اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا انتظام محض اس لئے کیا تھا کہ وجیہ الملک کے زیر قیادت یہ لوگ اس کے بیٹے فتح خاں کو جو وجیہ الملک (سہارن) کا ہنر زادہ تھا ہر قسم کی تقویت پہنچا سکیں فتح خاں جب باپ کے سامنے فوت ہو گیا تو اب سوائے محمد خاں کے دوسرا مستحق سلطنت نہ تھا لیکن وجیہ الملک - اس کی بہن یعنی فیروز شاہ کی گوجری بیوی افغان جہاں نو مسلم وزیر اور ہندو امرا سب اس بات کے خواہاں تھے کہ محمد خاں الملقب بہ ناصر الدین محمد ابن فیروز تغلق کو محروم رکھ کر فتح خاں کے کم سن بیٹے کو تخت سلطنت کا مالک بنایا جائے۔ یہ بالکل اسی قسم کی کوشش اور اسی قسم کی سازش تھی جیسا کہ اکبر کے مرض الموت میں مان سنگھ اور دوسرے ہندو سرداروں نے اکبر کے بیٹے جہانگیر کو محروم رکھنے اور اکبر کے پوتے خسرو کو تخت سلطنت پر بٹھانے کے لئے کی تھی۔ یہ کوشش بھی ہندی ماں کے بیٹے کو وارث حکومت بنانے کے لئے تھی اور وہ کوشش بھی اسی لئے تھی کہ ہندی ماں کے بیٹے کو تخت سلطنت کا مالک بنایا جائے۔ خان جہاں ثانی کا محمد خاں اور اس کے ہمدرد سرداروں کے خلاف کوشش کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ فیروز تغلق کی گوجری بیوی اور اس کے نو مسلم بھائی کی حمایت اس کو حاصل تھی۔ محمد خاں ابن فیروز تغلق کو تخت سلطنت سے محروم رکھ کر فتح خاں ابن فیروز تغلق کی نسل میں بادشاہت کے قایم رکھنے پر ایک بڑی جماعت تلی ہوئی تھی جس کی کوششوں کا نتیجہ خاندان سلطنت کی تباہی ہوا۔ جیسا کہ آئندہ واقعات سے ثابت ہو جائے گا۔

فیروز تغلق کی مذہبی قابلیت اور اس کے عقائد | قابل گزارش دوسری بات

یہ ہے کہ سلطان فیروز تغلق جیسا کہ اس کے مذکورہ حالات سے ثابت ہے جتنی قابلیت اور شجاعت میں محمد تغلق کے پاسنگ بھی نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بنگالہ پر دوسرے چڑھائی کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ماہ تھی ماہ تھے آئے اور ان کے عوض بنگالہ کا ملک ماہ تھے سے دے آئے۔ دکن کے ملک کو خود مختار و آزاد ہونے کا موقعہ دیا اور

اس وسیع ملک کے واپس لینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی اس کمزوری یا بے ہمتی کی طرف عام طور پر مورخین نے اشارہ کیا ہے لیکن سخت حیرت کی بات یہ ہے کہ اکثر مورخین نے محمد تعلق کو مذہب سے بے تعلق اور فیروز تعلق کو مذہبی آدمی بتایا ہے۔

بہرخت نقل نہ چیرت کہ اس چہ بواجبی است

حقیقت یہ ہے کہ محمد تعلق ایک عالم تہرہ اور اعلیٰ درجہ کا پابند مذہب شخص تھا۔ قسم کیسا کہ اس کی کوئی بھی ایک بات ایسی نہیں بتائی جا سکتی جو خلاف مذہب ہو۔ فیروز تعلق اگرچہ رسمی طور پر پڑھا لکھا آدمی تھا لیکن عالم علم دین سرگز نہ تھا۔ شمس سراج عقیف اس کا آخری ایم حیات میں نماز روزہ اور عبادت الہیہ کی طرف متوجہ نہا بیان کرتا ہے جو دلیل اس بات کی ہے کہ اس کی عمر کا اکثر ابتدائی حصہ خلافت میں گزار دیا۔ یہی نے باوجود مخالفت محمد تعلق کی پابندی نماز، گناہوں سے مجتنب رہنے کا کئی جگہ ذکر کیا ہے لیکن شمس سراج عقیف جو فیروز تعلق پر دل و جان سے قربان اور مدد دینا میں بے حد مبالغہ کرتا ہے فیروز تعلق کی نسبت ایک مرتبہ بھی اس قسم کی گواہی نہیں دے سکا۔ ہاں فیروز تعلق کی شراب خواری کا صاف الفاظ میں اس نے مذہب کو قرار کیا ہے۔ ہندو مذہب کا اثر قبول کرنے کی وجہ سے گورپستی اس میں موجود تھی، اپنے بیٹے فتح خاں کے مرنے پر ہراجے بنا کر سرمنڈوانا نہ منیخ اس بات کا نتیجہ تھا کہ اس کی ماں ہندو خاندان کی عورت تھی۔ اس کی ہندو بیوی موجود تھی اور وہ خود شریعت اسلام سے کافی اور وسیع واقفیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کا اسلام رہی اسلام تھا جو شریعت و بدعیہ مراسم کے آمیختہ ہو جانے کے بعد اس زمانے کے جانچوں اور مراسم پرست بدعتوں کا اسلام تھا وہ جب کسی مہم پر روانہ ہوتا تو اول قبروں پر جاتا۔ قبروں کو سجدہ کرتا اور اپنے آپ کو بجائے خدا کے ان صاحب قبر بزرگوں کی پناہ میں دیتا شاید اسی شرک اور گورپستی کا نتیجہ تھا کہ اس کو کسی بڑی لڑائی میں کوئی نمایاں فتح حاصل نہیں ہوئی۔ شمس سراج عقیف کی چشم دید گواہی بھی سن لو۔

”ایں سنت ستیہ و خصائل مرشیہ سلطان فیروز شاہ را بود ہر بار کہ
{دہلی فتح خاں کی قبر پر حضور صل علیہ وسلم کے پائے مبارک کا نشان ہے اس کو

خواستے از شہر دہلی جائے سواری کند اگرچہ یک ماہ یا دو ماہ سواری
 بودے عاقبت جمیع دین دار و سلاطین نام دار را زیارت کر دے و
 از ہر یکے استمداد خواستے خود را در پناہ ایشان انداختے
 تا آنکہ سلطان فیروز شاہ مدت چہل سال در پایہ سلیمانی باوج کامرانی بود
 ایں رسم پسندیدہ و شیوہ گزیدہ او تا آخر عہد او مستقیم ماند کہ بغیر زیارت
 بزرگان و شستن و سزار پا کون درست ہیچ طبعے سواری نہ کر دے
 چوں سلطان فیروز شاہ در سزار بزرگے رسیدے با اعتقاد تمام بدوے
 قبر او و دیدے بتواضع تمام تواضع کر دے و کلمہ بر زمین آوردے بارہا درین
 کار با ایں مورخ ضعیف شمس سراج غنیف بمچشم خود دیدے
 محل دیگر نیز سر بر زمین نہاد چوں معتقدان اخلاص می کشاد چوں نزدیک
 قبر شیخ میر رسیدے بتواضع تمام برائے رضائے علام نزدیک قبر نیز سر بر
 زمین میاد و بعدہ پیشتر می شد غلاف تبر خدمت شیخ می
 گرفت و اسرار و حاجات خود می گفت :

بھلا محمد تعلق سے اس قسم کی خلاف شرع حرکات کہاں سرزد ہو سکتی تھیں۔ محمد
 تعلق نے تو ایسی غیر مشروع باتوں کے سناے میں اپنی زندگی صرف کردی اور ایسی
 لئے لوگ اس کے دشمن ہو کر اس کے لئے مشکلات پیدا کرتے رہے چونکہ فیروز تعلق
 کمزور طبیعت کا آدمی تھا اور مذہب سے اچھی طرح واقف نہ تھا لہذا اس نے تخت نشین
 ہوتے ہی اپنے آپ کو ان لوگوں کی نگاہ میں جو اس کے ارد گرد بکثرت موجود اور قابو
 یافتہ تھے ہر دل عزیز بنا لے کی کوشش کی اور بزرگوں کی قبروں پر مذکورہ افعال
 و حرکات بجا لاکر اور مجامعوں کے بڑے بڑے موزینے مقرر کر کے عوام کے بڑے طبقہ
 کی ہمدردی و محبت کو خرید لیا، محمد تعلق کی طرح سلطان شمس الدین افغانش۔ سلطان
 ناصر الدین محمود۔ سلطان غیاث الدین بلبن۔ اور جلال الدین خلجی بھی بڑے مذہبی اور صوفی
 غش سلاطین تھے۔ صوفیوں اور بزرگوں کی بڑی عزت کرتے اور ان کی خدمت میں نیاز
 مندانہ حاضر ہوتے اور بتواضع پیش آتے لیکن کسی نے بھی گور پرستی کا یہ نمونہ نہیں دکھا
 تھا جو فیروز تعلق سے ظہور میں آیا۔ اور اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان

میں فیروز تغلق ہی کے چہل سالہ طرزِ عمل نے گورِ پرستی کے مراسم کو ایسا پائدار و استوار بنایا کہ آج تک اس سے مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوٹا۔ فیروز تغلق سے یہ جو کچھ سرزد ہوا اس کا سبب اس کی کم علمی اور قرآن و حدیث سے ناواقفیت تھی۔ اس کی یہ شرافت ضرور قابلِ داد ہے کہ وہ اپنے محسن و مرئی محمد تغلق کی وفات کے بعد اس سے محبت کا اظہار کرتا اور محمد تغلق کے اس احسان کو کہ اُس نے بیٹے کی طرح محبت کے ساتھ اسے پرورش کیا تھا ماننا تھا۔

انچہر برماست از ماست | تیسری بات جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے یہ ہے کہ فیروز تغلق کو محمد تغلق کے مخالفوں اور

سازشی لوگوں نے جب تک ممکن ہوا ان لوگوں کی سزا دہی سے باز رکھا جنہوں نے محمد تغلق کے لئے مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ ٹھٹھ کی جانب فوج کشی کرنے سے فیروز تغلق کو روکنا پھر فوج کشی اور محاصرہ ہونے کے بعد کسی کامیابی کا حاصل نہ ہونا سامانِ رسد کا فراہم نہ ہونا۔ گجرات سے کسی قسم کی مدد کا نہ آنا۔ فیروز تغلق کا مجبوراً محاصرہ اٹھا کر گجرات کی طرف جانا۔ فیروز تغلق کو کوئچی رن کے نیک زار صحرائیں پہنچا کر مہینوں آوارہ و پریشان رکھنا۔ گجرات پہنچ کر فیروز تغلق کا میر حسین نظام الملک کو گجرات کی حکومت سے برطرف کرنا۔ جب لشکرِ شاہی گجرات سے دوبارہ ٹھٹھ کی جانب روانہ ہوا تو سپاہیوں کا لشکر سے جدا ہو کر بھاگنا۔ یہ تمام باتیں صاف اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ فیروز تغلق کے امرا یہ نہیں چاہتے تھے کہ جام اور بنہ کو جنہوں نے سلطان محمد تغلق کے آخری ایام حیات میں طغیٰ نمک حرام کو پناہ دے کر اور باغی ہو کر ان امیروں کے حسبِ منشا مشکلات پیدا کی تھیں کسی قسم کا نقصان پہنچے۔ سلطان محمد تغلق کے بیٹے اور وزیرِ اعظم خواجہ احمد یاز کو قتل کرانا۔ قتلخ خاں کے بھائی نظام الملک کو گجرات کی صوبہ داری دلوانا بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ جام اور بنہ کا مایوس ہو کر حضرت سید جلال الدین بخاری سے استدعا کرنا۔ ان کا خود فیروز تغلق کے پاس آ کر ان کی سفارش کرنا بھی بہت کچھ معنی خیز ہے اور اس بات کا صاف پتا دے رہا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی مخالفت کرنے والی جماعت کا حلقہ کس قدر وسیع تھا اور ٹھٹھ کے مفسدوں کی حمایت پر مسلمانوں کی کتنی بڑی طاقت کام کر رہی تھی ان باتوں کو

ہمیں یہ رکھ کر اور فیروز تعلق کی کمزوری و مجبوری کا اندازہ کر کے یہ سیرت باقی نہیں رہی کہ فیروز تعلق نے دکن کو زیر نگین لانے کی کیوں کوشش نہیں کی۔ یہ خیال کرنا کہ ہندوؤں نے اسلامی سلطنت کو کمزور کیا اور ہندوؤں کی طاقت ایسی تھی کہ ہندوستان لاکھوں اسلامی شہنشاہی کو کمزور کر سکی سراسر غلط اور تحقیق اصل یہ ہے کہ بالکل خلاف ہے بلکہ مسلمان ہندوؤں کو ابھارنے، طاقتور بنانے، ہندیب و شائستگی سکھانے اور ان کے حوصلوں کو بلند کرنے میں ہمیشہ مسلسل مصروف رہے جیسا کہ واقعات سے ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

باب ہشتم

غیاث الدین تغلق شانی

غیاث الدین ابن فتح خاں ابن فیروز تغلق اپنے دادا فیروز تغلق کی زندگی ہی میں تخت نشین ہو چکا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اُس نے تخت نشین ہو کر اپنے بھائیوں سلاشاہ اور ابوبکر شاہ کو قید کیا۔ یہ تذکرہ آچکا ہے کہ فیروز تغلق نے ہندو بچوں کو تعلیم و تربیت دلا کر اور اعلیٰ مناصب پر مامور کر کے اسی طرح ایک زبردست اور قابو یافتہ طاقت بنادیا تھا جیسا کہ مصر میں ملوک ہر سراقندار ہو کر سلطنت کے مالک ہو گئے تھے یا سلطنت عثمانیہ میں نیکپری فوج سیاہ و سپید کی مالک بن گئی تھی۔ غیاث الدین تغلق شانی نے اپنے چچا ناصر الدین محمد شاہ تغلق کو سرمور میں قدم جمانے کا موقع نہیں دیا اور وہ وہاں سے بھاگ کر کانگرہ کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ غیاث الدین سلطان ہو کر دہلی میں حکومت کرنے لگا۔ مذکورہ ہندو بچوں نے جو غلامانِ فیروز شاہی کہلاتے تھے چن چن کر لائق اور کارآمد و سرداروں اور امیروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ شاہی خاندان کے اکثر لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غیاث الدین ثانی کو بھی اپنی توقعات کے موافق نہ پا کر گرفتار قتل کیا اور ابوبکر شاہ کو قید خانے سے نکال کر بتا سنج یکم ماہ صفر ۷۹۱ھ تخت سلطنت پر بٹھایا اسی سال دھیمہ الملک دسہارن نے وفات پائی۔

ابوبکر شاہ تغلق

ابوبکر شاہ کو تخت نشین کرنے کے بعد غلامانِ فیروز شاہی نے اس کو بھی زیادہ دلوں

چین سے نہ بیٹھے دیا اور ملک رکن الدین نائب وزیر کو پادشاہ بنانے کا قصد کیا۔ ابو بکر شاہ کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اس نے جرات کر کے ملک رکن الدین اور اس کے ہوا خواہوں یعنی غلامان فیروز شاہی کی ایک جمیعت کو قتل کیا۔ جس سے دہلی میں غلامان فیروز شاہی کی طاقت ٹوٹ گئی۔ لیکن ان لوگوں نے فوراً ایک دوسری چال چلی سامانہ کے اکثر اسیران صمد انھیں غلامان فیروز شاہی میں سے تھے۔ انھوں نے سامانہ کے گورنر ملک سلطان شہ خوش دل کو جو ابو بکر شاہ کا وفادار تھا قتل کر کے اس کا سر ناصر الدین محمد شاہ ابن فیروز تغلق کے پاس نگر کوٹ کی جانب اس ثبوت میں بھیجا کہ ہم لوگ اب آپ کے ہوا خواہ و طرف دار ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی ناصر الدین سے درخواست کی کہ آپ شوق سے تشریف لائیں اور تخت سلطنت پر جلوس فرمائیں۔

ناصر الدین محمد فوراً کانگرہ سے جالندھر ہوتا ہوا سامانہ پہنچا۔ وہاں مراسم تخت نشینی ادا کرنے کے بعد فوج فراہم کر کے دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ ناصر الدین محمد شاہ اور ابو بکر شاہ میں طائیفوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ میوات کے فوسلم حاکم بہادر ناہرنے اول ابو بکر شاہ کی حمایت کی پھر ناصر الدین محمد شاہ کا طرف دار ہو گیا۔ غلامان فیروز شاہی کی ترارتوں نے عرصہ دراز تک دہلی کو دونوں پادشاہوں کا میدان جنگ بنائے رکھا آخر ابو بکر شاہ گرفتار ہو کر میرٹھ کے قلعہ میں قید کیا گیا اور ناصر الدین محمد شاہ ۹۳ھ میں مطنن ہو کر دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔

ناصر الدین محمد شاہ تغلق

اسی سال گجرات کے شرفا و ملما کا ایک محضر نامہ ناصر الدین محمد شاہ کی خدمت میں پہنچا جس میں لکھا تھا کہ گجرات کا حاکم ملک منفرح الخطاب بہ فرحتہ الملک اپنے پُرنے ہندو مذہب کی جانب مائل ہو کر مرتد اور سلطنت دہلی کی اطاعت سے آزاد ہو چکا ہے یہ فرحتہ الملک بھی فیروز شاہی غلاموں میں سے تھا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ:-

”فرحتہ الملک چون داعیہ مخالفت داشت باز مہداران و افغان حدود سلوک
مہوار نمود بہت خوشامد ایشان شعار کفر در سوم بہت پستی رواج داد ازین سبب ملما
و غلامانے گجرات در ۹۳ھ عریضہ سرید آسمان نظیر سلطان محمد شاہ بنول شہنشاہ

بمضمون آنکہ نمرحت الملک بوساوس شیطان و ہوا ہوتا جیانی مرتکب
اعمال ناشائستہ گشتہ چنداں و درواج اصنام و رونق او ان می کوشد کہ بلکہ
سومناست تہلہ اہل ضلال شدہ شمار و ناسلمانی روز بروز منخفض می گردد
و نمبر از عزت و حرمت بخش و نہ مسجد را از صوم و صلوات بہرہ اگر دریں وقت
اندیشہ کہ سوچ بہ تقویت دین و رواج اسلام باشد بظہور رسد فہو المراد

سلطان ناصر الدین محمد شاہ نے نہایت دور اندیشی سے کام لے کر ظفر خاں بن جیہ الملک
کو گجرات پر مامور کر کے روانہ کیا اور ظفر خاں کے پیٹے تاتار خاں کو اپنے مصاحبین و امرا میں
شامل کر کے اپنے پاس رکھا اس ظفر خاں کو ظفر خاں لودھی نہیں سمجھنا چاہیے جس کا ذکر
اوپر آچکا ہے اور جو گجرات کا گورنر رہا تھا ظفر خاں کو گجرات کی طرف روانہ کرنے میں
ایک یہ مصلحت تھی کہ غلامان فیروز شاہی کی طاعت دارا سلطنت میں کمزور ہو جائے اور
ترقی نہ کر لے پائے۔ دوسری مصلحت یہ تھی کہ ظفر خاں اگرچہ فوسلم تھا لیکن اسخ العقیدہ مسلمان
تھا۔ فرقتہ الملک نو مسلم کی پھیلائی ہوئی بد تمیزیوں کا بہترین علاج اسی کے ہاتھوں سے
بخوئی ہو سکتا تھا۔ ظفر خاں جب گجرات کے قریب پہنچا تو مالک غفر نے مقابلہ کیا آخر
شکست کھائی اور گجرات پر ظفر خاں کا قبضہ و تسلط قائم ہوا۔ یہ ظفر خاں فیروز تغلق کی
گو جری بیوی کا بھتیجا اور سلطان ناصر الدین محمد کے مخالفوں میں ممتاز حیثیت و اثر رکھتا تھا
سلطان ناصر الدین محمد نے دانائی سے کام لے کر ظفر خاں کو اپنا ہمدرد و موافق خواہ ہونے کی
مؤثر کوشش کی اور احتیاطاً اس کے بیٹے تاتار خاں کو اپنے پاس رکھا تاکہ ظفر خاں کو
بغادت یا مخالفت کی جرأت نہ ہو سکے۔ سلطان نے ظفر خاں کو گجرات کا وایمرائے مقرر
کرتے ہوئے جو فرمان عطا کیا اس کی پیشانی پر اپنے قلم سے نہایت شان دار القاب
لکھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں کہ

”چوں وزرا منشور نوشتند و بفرمودہ سلطان جائے القاب خانی گذشتہ بودند
سلطان بجز القاب چہیں نوشت کہ برادر م مجلس عالی خان معظم عادل بادل عجا
سعد الملت والدین و ظہیر الاسلام و السلیم عند السلطنت عین المملکت قاطع الکفر
والمشرکین قاطع الفجرة و المنعردین قطب سوا المعالی نجم فلک الاعالی صدر
روز و فائز قلعہ کشا و کشور گیر آصف تدبیر ضابط امور ناظم مصالح جمہور

ذی المیامن والسعادات صاحب الرائے والکفایات ناشر العدل الاحسان
دستور صاحبقران الخ قتلخ اعظم ہایوں ظفر خاں :-

اس القاب کے الفاظ پر غور کرو جو سلطان ناصر الدین محمد شاہ نے اپنے تلمذ سے
لکھے ساتھ ہی اس حالت کا تصور کرو جبکہ ظفر خاں کا باپ سہارن ایک معمولی دیہاتی ہونے کی
حالت میں فیروز تغلق کے پاؤں سے موزہ اتار رہا تھا۔ کیا یہ اسلام کی صداقت کا معجزہ
نہیں ہے۔ اسی ظفر خاں کی اولاد میں گجرات کے مسلمان سلاطین تھے۔ چونکہ ظفر خاں سلطان
فیروز تغلق کا شراب دار بھی رہ چکا تھا اس لئے بعض لوگوں نے سلاطین گجرات کی قوم کو کلال
بتایا ہے لیکن یہ غلط ہے وہ کلال نہیں بلکہ گوجریا کھتریوں کی ایک شاخ نانک سے
تعلق رکھتے تھے۔ ہاں اگر کھتریوں کی اس شراب خوار قوم نانک ہی کا دوسرا نام کلال ہے تو
شاہان گجرات کو بھی کلال کہا جاسکتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان گوجر چڑیاہان
گجرات کو اپنا ہم قوم بتاتے ہیں اپنے آپ کو کلال نہیں کہلاتے نہ کلالوں کے ساتھ اپن
کسی تعلق کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا شاہان گجرات کو کلال کہنا صحیح نہیں۔

فیروز تغلق کے بعد چنہ سال تک فیروز شاہی غلاموں نے وہ اودھم مچاتے رہے
کہ کوئی شریف اور معزز خاندان تباہی سے نہ بچا۔ تجربہ کار اور لالین سردار ایک ایک کر کے
مارے گئے اور مرداں ہمہ نڈنا سرطوں جائے ایشان گیرند کا نقشہ سب کے سامنے آگیا۔
سلطان ناصر الدین محمد شاہ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ جو سب سے بہتر اور لائق سردار
اس زمانے میں موجود رہ گئے تھے ان کو اپنے گرد و لاہم نہ رکھا بلکہ جن دفا دار غلاموں اور
ہمدرد سرداروں نے معصیت کے ایام میں اس کا ساتھ دیا ان سب کو شکر گذار ہی اور احسان
شناسی کی راہ سے مختلف صوبوں کی حکومتوں پر امور کر کے بھیج دیا۔ مثلاً ملک حسین غوری
کو دلاور خاں غوری کا خطاب دے کر مالوہ کی حکومت سپرد کر دیا۔ حالانکہ اس کے دہلی
میں رہنے کی سخت ضرورت تھی۔ وزراء و امرا ہیں اسلام خاں، عادل خاں، بہادر ناہر
ملک سرور، کمال الدین وغیرہ تو مسلم تھے۔ یاہر سنگھ، سرحد دھن، ہیر بھان، رستے
رایان رستے سرور وغیرہ ہندو تھے۔ صرف ظفر خاں لودھی مقتول کے بیٹے اور بھتیجے معمولی
حالت میں باقی رہ گئے تھے جنہوں نے بعد میں موبق پاکر دہلی کی اسلامی سلطنت کو کوئی قدر
سنبھالا لیکن ان کا امرائے کبار میں شمار نہ تھا۔ اس فتنہ نے جو سلطان محمد تغلق کے آخر

عہد حکومت میں مسلمانوں نے ہر پاکیا تھا چالیس سال کے بعد یہ خطرناک نتیجہ پیدا کیا
 سلطنت دہلی کا اسلامی دہار تمام و کمال ہندو نژاد نو مسلموں اور ہندوؤں کے مجبضم
 آگیا۔ نہ شیخ الاسلامی کوئی چیز رہی نہ قاضی القضاۃ کی کوئی حیثیت رہی باقی تھی تھا۔
 شرعی ادارے اور اسلامی کاروبار درہم برہم ہو گئے ۱۲۹۷ھ میں موقع مناسب دیکھ کر
 ہندوؤں نے جا بجا بغاوتیں شروع کیں۔ رائے ہر سنگہ باغی ہو کر گرفتار ہوا۔ اٹا دہ کے
 ہندوؤں نے لوٹ مار بچا کر اس طرف کے پڑگنوں کو دیران کیا تو اس فتنے کو مٹانے کے
 لئے سلطان کو خود اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس کے بعد قنوج کے ہندوؤں نے سر اٹھا کر
 ان کی گوشمالی بھی سلطان نے خود ہی جا کر کی۔ مقام جالیسر میں سلطان نے ایک قلعہ
 تعمیر کر کے اس کا نام محمد آباد رکھا۔ ابھی سلطان جالیسر ہی میں مقیم تھا کہ دہلی سے خبر پہنچی
 کہ اسلام خاں نو مسلم لاہور جا کر علم بغاوت بلند کرنے کا قصد رکھتا ہے۔ یہ سنتے ہی
 بادشاہ دہلی پہنچا۔ اسلام خاں سے دریافت کیا تو اس نے انکار کیا لیکن اسلام خاں کے
 حقیقی بھائی جا جو نام ہندو نے اس کے خلاف گواہی دے کر اسلام خاں کو قتل کر ایا دلفنٹون
 صاحب نے جا جو نام ہندو کو اسلام خاں کا بھتیجا لکھا ہے، ۱۲۹۷ھ میں سر جوہن اور
 بیر بھان نے علم بغاوت بلند کیا۔ سلطان اس فتنہ کو فرد کرنے میں مصروف تھا کہ بہادر
 ناہر میواقی نو مسلم نے باغی ہو کر اطراف دہلی کو غارت کیا۔ سلطان بلا توقف اس کی طرف
 متوجہ ہوا بہادر ناہر شکست کھا کر میوات کے جنگلوں میں جا چھپا۔ سلطان جالیسر میں مقیم تھا
 کہ شیخا گکھر نے قلعہ لاہور پر قابض ہو کر علم بغاوت بلند کیا یہ بات تحقیق طلب ہے کہ
 شیخا اور جبریت دونوں بھائیوں کی قوم گکھر تھی یا کھو کر پنجاب میں یہ دونوں قومیں موجود ہیں۔
 فرشتہ گکھر اور ملا عبدالقادر ندایونی کھو کر کہتے ہیں، سلطان نے اپنے بیٹے ہمالیوں خاں
 کے پاس جو دہلی میں موجود تھا حکم بھیجا کہ لاہور جا کر شیخا گکھر کو سزا دو۔ ہمالیوں خاں لاہور
 کی جانب روانہ ہوئے تو تھا کہ جالیسر سے سلطان کے فوت ہونے کی خبر پہنچی۔ اس کا
 جنازہ دہلی میں لا کر باپ کے پاس دفن کیا گیا۔ سلطان ناصر الدین محمد شاہ نے، اربع الاول
 ۱۲۹۷ھ کو جالیسر میں وفات پائی۔ اگر لالین اور تجربہ کار اہل کار موجود ہوتے تو سلطان ناصر الدین
 محمد شاہ ضرور ایک اچھا اور کامیاب سلطان ثابت ہوتا لیکن چونکہ وہ کار گزار و فادار اہل
 کاروں سے محروم تھا لہذا اس کا تمام عہد حکومت ہندوں کی بغاوتوں سے چھربا اور ان بغاوتوں

کے فرو کرنے میں کسی سردار سے اس کو کوئی مدد نہیں ملی۔

سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ تغلق

ہمایوں خاں سکندر شاہ کے لقب سے ۱۹ ربیع الاول ۷۹۶ھ کو دہلی میں تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ چھینے کی سلطنت کے بعد بیمار ہو کر فوت ہوا۔

ناصر الدین محمود شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ تغلق

سکندر شاہ کی وفات کے بعد پندرہ روز تک امر سلطنت مہل رہا آخر ظفر خاں لودھی کے بیٹوں اور بھینچوں نے خاندان شاہی کی حمایت پر کمر ہمت باندھی اور امر دارکان سلطنت ناصر الدین محمد شاہ کے دوسرے بیٹے محمود خاں کو ناصر الدین محمود شاہ کے لقب سے تخت سلطنت پر بٹھانے کے لئے مجبور ہوئے۔ تاتار خاں ابن ظفر خاں ابن وجیہ الملک دسہارن چاہتا تھا کہ فتح خاں ابن فیروز تغلق کے بیٹے نصرت خاں کو تخت سلطنت پر بٹھایا جائے بعض فیروز شاہی غلام بھی اس کے شریک تھے لیکن ظفر خاں لودھی کے بیٹوں ... سارنگ خاں و لمو خاں اور اس کے بھتیجے دولت خاں ابن محمود خاں نے کسی کی نہ چلنے دی اور ناصر الدین محمود ہی کی سب کو بیعت کرنی پڑی۔ ظفر خاں لودھی اول اور اس کا بیٹا ظفر خاں لودھی ثانی دونوں گجرات کے گورنر رہ چکے تھے۔ ظفر خاں لودھی ثانی کو فتح خاں کے بیٹے نیاٹ الدین تغلق ثانی کی تخت نشینی میں ہار ج اور محمد خاں المقلب بہ ناصر الدین محمد شاہ کا ہمدرد ہوا خواہ دیکھ کر خان جہاں ثانی وزیر اعظم نے ہو بہ سے بلا کر گرفتار و قتل کیا اور یہ کام وجیہ الملک اور اس کی بہن کے منشا سے کیا گیا۔ اس کے بعد ظفر خاں ابن وجیہ الملک کو گجرات کی حکومت کا ملنا بھی ظفر خاں لودھی سابق گورنر گجرات کے وارثوں کو گواں گذر سکتا تھا۔ اب ناصر الدین محمود کی تخت نشینی کے وقت بھی تاتار خاں ابن ظفر خاں ابن وجیہ الملک اور سارنگ خاں الملو خاں پسران ظفر خاں ابن ظفر خاں لودھی کی مخالفت نے ان دونوں خاندانوں کی پشتپناہی مخالفت کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ اس مخالفت نے آئندہ بھی بڑے بڑے اہم نتائج پیدا کئے۔

ناصر الدین محمود نے ماہ جمادی الاول ۷۹۶ھ میں تخت نشین ہو کر ایک ہندو زادہ

ملک سرور کو جو میرزا شاہی غلاموں میں سے تھا خواجہ بہلول کا خطاب دے کر زیرِ غلام بنایا اور دولت خانہ ابن محمود خاں لودھی کو کوٹوالی اور مقرب خاں کو امیر الامرائی کا منہر عطا کیا سارنگ خاں ابن ظفر خاں لودھی کو دیپالپور کو ملکہ مستی ملی۔ سارنگ خاں کوٹوالی کے بھائی ملو خاں کو لہال خاں کا خطاب دے کر نائب وزیر بنایا۔ چنانچہ لودھی کا نائب چلتا رہا۔ اور سلطان کی ہمدردیوں میں باقی نہیں رہی تھی لہذا سبب سے پہنچا، پھر اور بہاؤ کے ہندوؤں سے سرکشی پر مکر باندھی مٹا صراہ میں نمودار اپنے وزیر اعظم خواجہ جہاں ملک سرور کو سلطان الشرق کا خطاب دے کر دیپور اور بہار کی طرف روانہ کیا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ :

سہارا کہہ اقلاب و پادشاہی دہلی پدید آمدہ استقامت سلطنت دہلی زائل
 شامہ بود و دلالت ہر جہ موج روئے نمودہ کفار اطراف سرکشی را پیشہ خود مختار
 ذامہ ہندوان شرقی ازاں سبب بادشاہ ناصر الدین محمود خواجہ بہلول سلطان
 الشرق خطاب دادہ با ہیست و بنجیر نیل و لشکر بسیرا بدئے ہندوان قویج
 دہبارہ اند ساخت

خواجہ بہلول ملک سرور نے جو نوپور پہنچ کر اس طرف کے تمام سرکشوں کو مطیع و مٹا دینا
 کر جو نوپور میں قیام کیا۔ خواجہ بہلول ملک سرور چونکہ خود اسی ملک کا ہندو زاد تھا لہذا
 اس کو دہار اپنی حکومت قائم کرنے اور ہندو سرکشوں کو مطیع بنانے میں زیادہ وقت پیش
 نہیں آتی یہی خواجہ جہاں ملک سرور سلطنت شرقیہ نوپور کا بانی ہے۔

لاہور میں شیخا گلہڑ نے پہلے ہی سے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا اس کی سرکوبی کے
 لئے سارنگ خاں لودھی حاکم دیپالپور نے لاہور پر چڑھائی کی شیخا گلہڑ شکست کھا کر
 جموں کے پہاڑوں میں جا چھپا اور سارنگ خاں لاہور میں اپنے بھائی عادل خاں لودھی
 کو حاکم بنا کر دیپالپور واپس آیا۔

دو ماہہ فیقہہ شیخا گلہڑ کو در لڑا جی موضع سامونہلم دوازدہ کروہی لاہور محار غنیمت
 نمودہ از پیش سارنگ خاں نہریمت یافتہ کہوہ جموں و آمد سارنگ خاں لاہور
 را برادر خویش عادل خاں سپرہ برہمت دیپالپور مراجعت کروہ

(منتخب التواریخ ملاحظہ افکار دہلوی)

سلطان ناصر الدین محمود کو معلوم ہوا کہ قلعہ گوا ایار کے قلعہ دار راؤ بیر سنگھ نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ سلطان اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ سلطان ابھی گوا لیا۔ نہیں پہنچا تھا۔ کہ دہلی میں اتا بہا، ابن ظفر خاں، ابن وجیہ الملک شہاب ناہرا اور الماس ناہرا وغیرہ غلامان فیروز شاہی کی مدد سے نصرت خاں ابن فتح خاں ابن فیروز تغلق نے ناصر الدین نصرت شاہ کے نسب سے تخت نشین کر کے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔ وہ حقیقت بیر سنگھ کی اہواز نصرت شاہ کو پادشاہ بنانے کی سازش کا نتیجہ تھا جو تاتار خاں کی کوشش سے بھوپور میں آئی اور یہ وہی پڑائی رقابت اور فتح خاں کی اولاد میں تخت سلطنت کے لئے کی زبردست کوشش تھی۔ ناصر الدین محمود یہ سنتے ہی دہلی کی جانب واپس ہوا نصرت شاہ نے فیروز آباد میں اور ناصر الدین محمود نے دہلی میں قیام کیا۔ ہر فریق سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ اسرار و حیلوں میں تقسیم ہو کر آدھے نصرت شاہ کے ساتھ شامل ہوئے اور آدھے ناصر الدین محمود کے شریک رہے۔ نصرت شاہ نے اتا بہا، خاں ابن ظفر خاں وجیہ الملک کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ غلامان فیروز شاہی کا اکثر حصہ نصرت شاہ کا طرف دار تھا۔ ناصر الدین محمود کے ساتھ صرف نو دہائی سردار تھے۔ روز انداز انہیں بہت سی تھیں کہیں فیروز آباد والے دہلی والوں کو پسپا کر کے دہلی میں داخل کر دیتے، کہیں دہلی والے فیروز آباد والوں کو فیروز آباد میں بھٹکا دیتے۔ دہلی سے موجودہ زمانہ کی پڑائی دہلی اور فیروز آباد سے فیروز شاہ کا کوئلہ سمجھنا چاہیے۔ ان دونوں کے درمیان کا رقبہ دونوں بادشاہوں کا میدان جنگ تھا اور یہ سلسلہ کئی سال یعنی سترہ تک جب کہ تیمور لنگ ہندوستان میں آیا جاری رہا۔ گجرات، خامنہ لیس، مالوہ، ملتان، جو پور میں جو صوبہ دار مامور تھے۔ دہلی میں دو بادشاہوں کی موجودگی اور ان کی جنگ آزمائی کا حال سن کر خود مختار اند حکومت کرنے لگے اور دربار دہلی کی اطاعت سے آزاد ہو گئے۔ صرف پنجاب و دیپالپور کا تعلق برائے نام سلطان ناصر الدین محمود سے رہا مگر چونکہ پنجاب میں شیبہ اگھر موجود تھا اور دیپالپور کو خضر خاں دینا چاہتا تھا لہذا سارنگ خاں اور اس کا بھائی عادل خاں دونوں اپنی مصیبتوں میں گرفتار اور سلطان ناصر الدین محمود کو کوئی مدد نہیں پہنچا سکتے تھے جو یہ میان دو اب کے بعض ضلع میں نصرت شاہ نے اپنے عامل بھیج دیئے۔ بعض ناصر الدین محمود کے قبضے میں رہے اس صوبہ کے اکثر اضلاع مثلاً کٹھڑ، قنوج، مہوات اور سامانہ وغیرہ میں ہندو خود مختار ہو

بیٹھے کسی خود مختار ہونے والے کو اب کوئی خوف و اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ بجائے اس کے کہ بغاوت کی سرملتی دونوں بادشاہوں میں سے ہر ایک اُن سرکشوں کو دل جوئی کر کے اپنی طرف مائل کرنے پر آمادہ تھا۔

آٹھویں صدی ہجری کے وسط یعنی سلطان محمد تغلق کے آخری ایام حکومت تک تمام براعظم ہند ایک مرکز حکومت سے وابستہ اور سلطان دہلی کی سلطنت میں شامل تھا۔ پچاس سال کے بعد یعنی آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں یہ عظیم الشان سلطنت پاش پاش ہو کر بیسیوں خود مختار حکومتوں میں منقسم ہو گئی۔ اس تغیر عظیم کے اسباب ہر شخص کو مذکورہ حالات یعنی اس کتاب کے صفحات میں خود تلاش اور متعین کر لینے چاہئیں۔

حملہ تیمور

مغلوں کا چنگیزی خاندان جب تک کافر اور اسلام سے نا آشنا رہا براہ ہندوستان پر مغلوں کے حملے جاری رہے ان حملوں کو خاندان غلامان، خاندان خلجیہ اور غیاث الدین تغلق نے ہمیشہ بڑی ہمت و مستعدی کے ساتھ رو کر کے مغلوں کو ہندوستان میں قدم جانے کا موقع نہیں دیا۔ اس کے بعد چنگیزی منغل مسلمان ہو کر سلطان محمد تغلق کے حلیف بن گئے اور ہندوستان پر مسلمان ہو کر آنھوں نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ سلطان فیروز تغلق کے عہد حکومت میں جب ہندوستان کی اسلامی سلطنت پارہ پارہ ہونے کی استعداد پیدا کر رہی تھی۔ اُسی زمانے میں مغلوں کے چنگیزی خاندان کا قصر منہدم ہو کر اس کی بنیادوں پر مغلوں کے ایک دوسرے خاندان کے ایوان سلطنت کی تعمیر کا سامان ہو رہا تھا یہ دوسرا منغل خاندان چنگیزی خاندان کا رشتہ دار تھا جس کے بانی کا نام تیمور تھا۔ تیمور کو جنگ جوئی اور ملک گیری کے اعتبار سے چنگیز خاں کا مشیٰ سمجھا جاتا ہے۔ فرق یہ تھا کہ چنگیز خاں کافر اور تیمور مسلمان تھا۔ تیمور نے سنہ ۱۳۹۸ء میں جب ہندوستان پر حملہ کیا تو تاجدار خاں ابن نصیر خان جو نصرت شاہ کا وزیر اور پانی پت میں مقیم تھا اقبال خاں لودھی سے شکست فاش کھا کر اور نصرت شاہ کو تنہا چھوڑ کر اپنے باپ کے پاس گجرات کی طرف چلا گیا تھا۔ سارنگ خاں لودھی حاکم دیپالپور خضر خاں حاکم ملتان کو شکست دے کر ملتان سے بے دخل کر چکا تھا۔ خضر خاں ملتان سے بھاگ کر اور میوات کی طرف آکر پہاڑوں اور

جنگلوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اقبال خاں لودھی برادر سارنگ خاں نصرت شاہ کو دہلی سے میوات کی طرف بھگا کر ناصر الدین محمود کو دہلی کا تنہا سلطان بنا چکا تھا۔ تیمور کا حملہ مسلمان مغلوں کا ہندوستان پر پہلا حملہ تھا۔ جس میں ان کو فتح اور کامیابی حاصل ہوئی۔ تیمور اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ:

”مجھے خبر لڑکیوں نے اطلاع پہنچائی کہ ہندوستان کے ہر حصے اور ہر گوشہ میں عہد اجدا حاکم خود مختار ہو کر صاحب تخت و تاج بن گئے ہیں ملتان میں ملو خاں (اقبال خاں) کا بھائی سارنگ خاں حکومت کر رہا ہے اور اُس نے لاہور کو فتح کر کے وہاں فوجیں جمع کی ہیں۔ ہندوستان کے ہر صوبے میں کوئی نہ کوئی مدعی سلطنت موجود ہے۔“

اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت پاش پاش اور ریزہ ریزہ نہ ہو گئی ہوتی تو تیمور کو بھی اس حملہ میں اسی طرح ناکامی ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے مغلوں کو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے مقابلے میں شکست ہوتی رہی تھی۔ تیمور نے اپنی توزک میں زیادہ تر اپنی سلطنت و حکومت کے آئین و ضوابط لکھے ہیں اپنی فتوحات اور واقعات زندگی تمام و کمال امور خسانہ انداز درج نہیں کئے۔ اسی لئے ہندوستان کی حملہ آوری کے منفصل حالات توزک تیمور سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ تاہم تیمور نے اپنی توزک میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ

”میں نے جب ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا قصد کیا تو میری فوج اور اکثر سرداران فوج نے اس کو ناپسند کیا اور بڑی مشکل سے اُن کی مخالفت کو رخصتا مندی یا خاموشی سے تبدیل کیا گیا۔“

تیمور حملہ ہندوستان سے پہلے ایران و خراسان و ترکستان وغیرہ اکثر ممالک کو اپنے زیر نگین لا چکا تھا۔ باوجود اس کے اس کی فوج اور سرداران لشکر کا ہندوستان پر حملہ آور ہونے کو ناپسند کرنا یقیناً اسی لئے تھا کہ مغلوں کو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے مقابلے میں اس سے پہلے ہمیشہ شکستوں، ناکامیوں اور ذلتوں سے واسطہ پڑتا رہا تھا۔ تیمور اپنی توزک میں یہ بھی لکھتا ہے کہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے میں راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ انسانی قبائل کی طاقت تھی جن کا سردار اُس زمانے میں مولیٰ خاں نامی افغان تھا۔ تیمور نے اس رکاوٹ کو بڑی ہوشیاری اور محالہ کی سے دور کیا۔ یعنی اس نے خود ہی اول اپنے

ایک سردار کو موسیٰ خاں افغان کی طرف روانہ کیا جو موسیٰ خاں کے مقابلے میں مارا گیا اس مقتول سردار کا بھائی سب تیمور کے پاس واپس آیا تو تیمور نے اس کو فوراً قید کر دینے کا حکم دیا اور اس مقتول سردار کی نسبت اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ اُس نے موسیٰ خاں پر ہماری منشا کے خلاف کیوں حرا کیا حالانکہ موسیٰ خاں ہمارا دوست ہے اور ہم ہرگز اس سے لڑنا نہیں چاہتے۔ تیمور نے لفظ ہے کہ ”میرے یہ الٹا سیر ہے“ درباریوں کو بہت ہی ناگوار گذرے لیکن میرا مقصد جس سے میرے درباری ناواقف تھے حاصل ہو گیا یعنی موسیٰ خاں کو میرے ان الفاظ اور اس طرز عمل کا حال معلوم ہوا تو وہ خود بخود میری ملاقات کو چلا آیا۔ تیمور دوستانہ اس کے قلعہ میں داخل ہوا۔ قلعہ میں داخل ہونے کے بعد جب کہ موسیٰ خاں میزبانانہ اس کے ہمراہ تھا کسی نے ایسا تیر مارا کہ موسیٰ خاں مارا گیا اور تیمور قلعہ پر قابض ہو گیا۔ افغان تان کی طرف سے مطمئن ہو کر تیمور نے ہندوستان کا قصد کیا اپنے پوتے پیر محمد کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ کوہ سلیمان کے رستے ملتان پر جہاں سارنگ خاں موجود تھا حملہ آور ہوئے۔ تیمور نے باز کیا اور خود بالوں سے ہزار لشکر حرا کے ساتھ درہ خیبر کے راستے پنجاب میں داخل ہو کر لاہور پہنچا جہاں عادل خاں برادر سارنگ خاں حاکم تھا حملہ آور ہوا پیر محمد کوہ سلیمان کے لودھی، لورجانی، اور نیازی وغیرہ پٹھانوں کے قبائل سے لڑتا بھڑکتا ملتان پہنچا۔ سارنگ خاں لودھی نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر میدان جنگ میں کام آیا۔ چونکہ اس کی لاش نہیں ملی اس لئے اُس کا مارا جانا بھی مشتبہ رہا۔ فوج بلا سردار کیے لڑتی آخر پیر محمد کا ملتان پر قبضہ ہو گیا۔ تیمور پنجاب میں داخل ہوا تو عادل خاں براؤ سارنگ خاں مقابلے پہنچا مگر تیمور کے لشکر کی کثرت پر غالب نہ آ سکا چنانچہ تیمور لاہور پر قابض ہو گیا۔ بیشیخا گکھڑ اور اس کے بھائی حسرت گکھڑ نے جو سارنگ خاں کے ہاتھ سے نقصان اور ذلت اٹھائے ہوئے تھے حاضر ہو کر اظہارِ رینا ز مندی کیا۔ تیمور نے بیشیخا گکھڑ کی محض اس لئے کہ وہ لودھیوں کا دشمن تھا وہ عزت افزائی کی جو اپنی مدتِ العمر میں اس لئے شاید کسی کی بھی نہ کی ہوگی۔

”واللغات دربارہ او محمدی رسید کہ اگر بختیہ یا حشرے می رسیدند کہ نسبت خود بیشیخا گکھڑی کردند، پنج یک از افراد عا کر منصورہ را دہرہ آن بنود کہتمش شومند“ (فرشتہ)

سلطان فیروز شاہ مرحوم از آب کالی بریدہ و دریں محل آب جمن اتصال
دادہ و اکثر متوطنان آنجا محسوس بودند ۛ

یہاں سے دریا کے کنارے کنارے دہلی کے مقابل پہنچا اور دریا کو عبور کر کے اقبال
خاں برادر سازنگ خاں سے نبرد آزما ہوا۔ لڑائی سے پہلے ان قیدیوں کو جواب تک
کے سفر میں جا بجا سے گرفتار ہو کر لشکر کے ہمراہ تھے قتل کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی
روایت کے مطابق ان قیدیوں میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ قتل ہونے سے نہند
بچے نہ مسلمان، مرد و بیچ الاول سلسلہ کو دہلی کے پاس معرکہ کارزار گرم ہوا اقبال خاں کے
پاس چالیس ہزار فوج تھی جس میں آزمودہ کار جنگجو کم اور ناتجربہ کار شہری لوگ زیادہ تھے
تیمور کی جنگ آزمودہ ہزار فوج کی تعداد ایک لاکھ بائیس ہزار تھی چنانچہ لڑائی میں دہلی
کی قلیل فوج نے شکست کھائی اور اقبال خاں واپس ہو کر دہلی میں محصور ہو گیا۔ رات
ہوتے ہی ناصر الدین محمود نے فرار ہو کر گجرات کا رخ کیا۔ اقبال خاں بھی مجبوراً دہلی چھوڑ
کر برن ربلند شہر پہنچا اور وہیں مقیم رہ کر کشود کار کی تدبیروں میں مصروف رہا تیمور فاتح
دہلی میں داخل ہوا۔ اس طرح پہلی مرتبہ مغلوں کی فوج کو دہلی کے لوٹنے کا موقع ملا۔
لیکن مغلیہ لشکر کو برن پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی جہاں اقبال خاں موجود تھا
دہلی کے ہندوؤں نے دہلی کی جامع مسجد کو بطور قلعہ اپنی حفاظت کے لئے استعمال کیا۔
تیمور پندرہ روز دہلی میں مقیم رہا۔ شاہی خزانہ حتی کہ فیروز تغلق کے زمانہ کا چڑیا گھر تک
بھی لوٹ لیا گیا۔ دہلی قریباً ویران ہو گئی تیمور دہلی سے چل کر فیروز آباد آیا یہاں
بہادر ناہر کی میوات سے بھیجی ہوئی دو سفید طوطیاں اور اس کی درخواست جس میں انہار
اخلاص تھا پہنچی۔ تیمور نے سید شمس الدین ترمذی کو بھیج کر بہادر ناہر کو بلوایا۔ وہ
حاضر خدمت ہوا اور اس کے ساتھ خضر خاں بھی جو سازنگ خاں سے شکست پا کر اور ملتان
سے آدراہ ہو کر میوات کے پہاڑوں میں سرگرداں پھر رہا تھا حاضر ہوا تیمور نے بہادر ناہر
کو تو خلعیت دے کر میوات کی طرف رخصت کیا اور خضر خاں کو ہمراہ لے کر فیروز آباد سے
پانی پت کی جانب روانہ ہوا۔ پانی پت پہنچ کر امیر شاہ ملک کو فوج دے کر میرٹھ کی
طرف بھیجا کہ وہاں سے جو مال وندہا تھا لگے لگے آؤ میرٹھ کے قلعہ دار ملک الیاس خاں اور
ملک صفی نے قلعہ کی حصانت پر اعتماد کر کے مقابلہ کی تیاری کی۔ امیر شاہ ملک نے تیمور کو

اطلاع دی کہ قلعہ والے لڑائی پر مستعد ہیں اور قلعہ کا فتح کرنا دشوار ہے یہ سن کر تیمور خود میرٹھ آیا قلعہ کو فتح کر کے مذکورہ سرداراں کو قتل کیا اور قلعہ میرٹھ کو بھٹیہر کے قلعہ کی طرح مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد دامن کوہ سواک (موجودہ ضلع سہارنپور) کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر گنگا کو عبور کر کے موجودہ ضلع بجنور کے علاقے میں داخل ہوا یہاں کے ہندو رئیسوں اور ان کے زن و فرزند کو گرفتار کر کے واپس چلا گیا راستے میں رتن نامی ایک زمیندار کو مغلوب کر کے اس سے بہت سارے مال وصول کیا اور کوہ ہمالیہ کے دامن میں سفر کرتا ہوا جموں پہنچا۔ جموں کے راجہ نے مقابلہ کیا مگر زخم دارو گرفتار ہو کر تیمور کی خدمت میں آیا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اسی وقت گائے کا گوشت کھایا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ :-

”چوں جموں رسید رائے آنجا بجزگ پیش آمدہ زخم دارو گرفتار گشت و
تب تکلیف صاحب قراں مسلمان شدہ گوشت گاؤ خورد“

شیخا گکھڑ کا ذکر اوپر آچکا ہے اس نے تیمور کے جاتے ہی لاہور کے قلعہ سے اُس کے اہل کار مند و شاہ کو بے دخل کر کے خود قبضہ کر لیا تھا۔ اب جب کہ تیمور واپسی میں جموں پہنچا تو وہ سرکشی پر آمادہ رہ کر تیمور کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر نہ ہوا، یہ سن کر تیمور نے کچھ فوج لاہور کی جانب روانہ کی شیخا گرفتار ہو کر آیا تیمور نے اس کو قتل کر کے خضر خاں کو جو ہمراہ رکاب تھا اپنی طرف سے لاہور و دیہا پور و ملتان کا حاکم مقرر کیا اور شیخا کے بھائی جسرت کو گرفتار کر کے کابل کے راستے سمرقند کا عازم ہوا۔ جہاں سے سامان جنگ کر کے اُس کو بایزید یلدرم عثمانی کے مقابلے کو جانا اور قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کو جس کی درخواست استمداد ہندوستان ہی میں اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔ بایزید یلدرم کے حلے سے بچا نہ تھا شیخا کا بھائی جسرت گکھڑ سمرقند میں موقع پا کر قید خانہ سے نکل بھاگا اور پنجاب میں واپس آ کر اپنے بھائی شیخا کی جگہ اپنی قوم کا سردار بن گیا۔

یہ تھا تیمور کا حملہ جس کا مختصر اور ضروری حال اوپر بیان ہوا۔ تیمور براہ رجب سنہ ۷۷۰ ہندوستان میں داخل ہوا تھا اور ایک سال سے کچھ زیادہ دنوں کے بعد حدود ہندوستان سے واپس چلا گیا ہندوستان میں تیموری لشکر کا مقابلہ مسلمانوں کے صرف ایک ہی خاندان نے کیا اور کوئی قابل تذکرہ مقابلہ اس کا کسی مسلمان سے نہیں ہوا۔ لاہور میں عادل خاں

ملتان میں سازنگ خاں اور دہلی میں اقبال خاں کیساں بہادر سی کے ساتھ سہرے کے آرا پر
 پتیلیں جیتی بجائی ناظرین ابن طفر خاں لودھی کے بیٹے تھے۔ تیمور سے ہر ایک (شخص)
 کو جو ان لودھی سرداروں کا دشمن تھا قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہے یا ہندو اپنا
 دوست سمجھا۔ چونکہ تیمور مسلمان تھا اس لئے اس کے اس حملہ کو بھی ہمارے ہندو بہتوں
 نے ہندوستان کے مسلمان سلاطین کے فرضی منغلام کی نہرست میں شامل کر لیا ہے
 ہم اپنے دوستوں سے بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ تیمور کو جس قدر جی چاہتا
 کہہ لو لیکن اس کی بد اعمالیوں کو اسلام اور تعلیمات اسلامیہ کا نتیجہ قرار نہ دو تم اگر تیمور سے
 ناراض ہو تو ہم تم سے بھی زیادہ اس کے شاکی ہیں۔ تیمور کے خاندان میں اس کا باپ
 ترانخی سب سے پہلا مسلمان تھا جس نے کفر کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔ تیمور تعلیمات
 اسلامیہ سے پورے طور پر واقف نہ تھا وہی وجہ تھی کہ وہ خراسان کے خوشامدی لوگوں
 کی باتوں میں آکر اپنے آپ کو مجدد بھی یقین کرنے لگا تھا اور شبہیت کی جانب حد سے زیادہ
 مائل تھا جس کے ثبوت میں اس کی خود نوشت توردک موجود ہے۔ یہ وہی تیمور ہے جس نے
 بایزید یلدرم کو جو تمام براعظم یورپ کو فتح کر کے عیسائی طاقت کا خاتمہ کر دینے والا تھا انگورہ
 کی مشہور آفاق خون ریز جنگ میں بلاوجہ مبتلا کر کے یورپ کو بچا دیا۔ یہی تیمور ہے جس نے
 ترکان عثمانی یعنی بہترین خادمان اسلام کی بڑھتی اور ابھرتی ہوئی طاقت کو سب سے زیادہ
 نقصان پہنچایا۔ یہی تیمور ہے جس نے شام و عراق و آذربائیجان و ایٹلیا کے کوچک کے مشہور
 اسلامی شہروں کو برباد کیا۔ اس کی فوج نے ہندوستان آکر سازنگ خاں اور اس کے
 بھائی عادل خاں کو جو دونوں مسلمان تھے تباہ کیا۔ اس نے شیخا گکھڑ کی عزت کو بڑھایا
 پھر شیخا کو اس کی احسان ناشناسی اور بے وفائی کی وجہ سے قتل کیا۔ اور خضر خاں کو جو پہلے
 بھی ملتان کا حاکم اور سازنگ خاں لودھی کا دشمن تھا پنجاب و ملتان کا حاکم بنایا۔ اس
 نے میرٹھ کے مسلمان کو بھی قتل کیا اور سہارنپور و بجنور کے ہندوؤں کو بھی اس نے دہلی کے
 مسلمان پادشاہ کو خانہ خراب کیا۔ دہلی کو جہاں مسلمانوں کی کثرت تھی لوٹا۔ قیدیوں کو جن
 میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے قتل کیا۔ غرض اس کے ہاتھ سے ہندوستان میں ہندوؤں
 کو جس طرح نقصان پہنچا اسی طرح مسلمانوں کو۔ وہ اس ملک سے جو کچھ لوٹ مار کر کے لے گیا
 اس میں مسلمانوں سے چھینی ہوئی دولت یقیناً ہندوؤں سے چھینی ہوئی دولت کے مقابلہ

ہیں بہ جہاں زیادہ تھی۔ لہذا ہم اور تم دونوں یہ کیوں نہ کہیں کہ تیمور کی آمد خدا کے تعالٰیٰ کا ایک غضب تھا جو اس ملک کے نالایق باشندوں کی وجہ میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے، بد اعمالیوں کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ ایک قدرتی تازیانہ تھا جو اس طرف توجہ دلائے گئے آیتھا کہ بد امنی پھیلنا اور خانہ جنگی برپا کرنا ہرگز نیک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ پھر اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ تیمور اسی اکبر کا دادا تھا جن نے پوری نصف صدی تک اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں پر الزام و اقسام کے احسانات روا رکھے جو ہمارے دوستوں کو بھی تسلیم ہیں۔

اقبال خاں لودھی

تیمور کے بعد نصرت شاہ جسے تاتار خاں ابن ظفر خاں تنہا چھوڑ کر گجرات کی جانب چل دیا تھا اور جو اقبال خاں کے خوف سے دہلی چھوڑ کر بھاگا ہوا تھا پھر واپس آکر دہلی میں حکومت کرنے لگا۔ اقبال خاں ہرن سے دہلی آیا تو اس کے آنے کی خبر سن کر نصرت شاہ بھاگ کر میوات چلا گیا۔ اقبال خاں نے دہلی اور اردگرد کے اضلاع میں اپنی حکومت و سلطنت قائم کر لی۔ صوبوں کے حاکم پہلے ہی سب اپنی اپنی جگہ خود مختار اور مستقل بادشاہ بن بیٹھے تھے۔ گجرات میں ظفر خاں۔ مالوہ میں دلاور خاں، جون پور میں خواجہ جہاں ملک سرور ملتان میں خضر خاں، سامانہ میں غالب خاں، بیاد میں شمس خاں، کالپی میں محمد خاں، دہلی میں اقبال خاں لودھی، میوات میں بہادر ناہر، کٹھڑ میں ہر سنگھ، گوالیار میں پریم دیوان، بیر سنگھ، اٹاواہ میں رائے سمیر، پٹیالی میں رائے سمیر سنگھ سب اپنی اپنی جگہ خود مختار اور مطلق العنان تھے۔ کوئی کسی کا محکوم نہ تھا۔ اقبال خاں نے اپنے آپ کو مضبوط بنا کر سب سے پہلے حمادی الاول سے بیاد پر حملہ کیا اور شمس خاں کو شکست دینے کے بعد دودھا تھی اور بہت سا مال و اسباب لے کر اس سے فرماں داری کا اقرار نامہ لکھوایا۔ پھر کٹھڑ پر حملہ آور ہو کر ہر سنگھ سے اقرار اطاعت اور خراج و نذرانہ وصول کیا۔ انھیں ایام میں سلطان الشرق خواجہ جہاں ملک سے ورکے فوت ہونے کی خبر پہنچی ساتھ ہی یہ معلوم ہوا کہ اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک تر نفل جو نپور میں مبارک شاہ کے لقمہ سے تخت نشین ہوا ہے۔ اقبال خاں کٹھڑ سے روانہ ہو کر تھنبہ پٹیالی کے قریب پہنچا تو رائے سمیر سنگھ اور اس طرف کے ہندو زمینداروں نے مقابلہ کر کے

شکست کھائی۔ اقبال خاں قنوج کے قریب دریائے گنگا کے کنارے پہنچا تھا کہ مبارک شاہ جو نپور سے چل کر مقابلہ کے لئے آگیا۔ دریا کے ایک طرف اقبال خاں کی فوج خیمہ زن تھی دوسری طرف مبارک شاہ کی۔ دو چھینے اسی حالت میں دونوں لشکر خیمہ زن رہے اور کسی کو دریا کے عبور کرنے کی جرأت نہ ہوئی آخر مبارک شاہ جو نپور کی طرف چل دیا۔ اقبال خاں بھی دہلی کی جانب چلا آیا۔ راستے میں شمس خاں سے بعض نامناسب حرکات معاہدہ ہوئیں لہذا شمس خاں قتل ہوا اور بیاہ کی حکومت اس کے بھائی کریم خاں کو کریم الملک کا خطاب دے کر سپرد کی گئی۔

اب سلطان ناصر الدین محمود کا حال سنئے۔ وہ دہلی سے فرار ہو کر گجرات کی جانب گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ظفر خاں ابن دھیرہ الملک مہرے ساتھ مروت اور رعایت کا ہر تاؤ کرے گا لیکن ظفر خاں نے ہر ایک اس شخص کی جو دہلی سے بھاگ کر گجرات پہنچا خوب خاطر مدارات کی تاکہ اس کی حکومت و سلطنت کو رونق و استواری حاصل ہو لیکن سلطان ناصر الدین محمود کو اپنے یہاں ٹھہرانا بھی گوارا نہ کیا اور نہایت بے مروتی کے ساتھ پیش آیا۔ ناصر الدین محمود اور ظفر خاں کی مخالفت اور رقابت پختنی تھی دوسرے ناصر الدین محمود کا وجود اس کی حکومت و خود مختاری کے لئے مصرت رساں ہو سکتا تھا۔ تیسرے تاتار خاں ابن ظفر خاں نصرت شاہ کو بادشاہ بنا کر ناصر الدین محمود کے خلاف معرکہ آرا رہ چکا تھا اور اب ناصر الدین محمود سے پہلے باپ کے پاس گجرات پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ ناصر الدین محمود گجرات سے پرتج و تاب کھاتا ہوا خلیف ذلیل ہو کر واپس لوٹا۔ یہ خبر سن کر دلاور خاں غوری حاکم مالوہ نے اپنی جہلی شرافت کے تقاضے سے اپنے آدمی بھیج کر ناصر الدین محمود کو اپنے یہاں بلوایا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔ ناصر الدین محمود مالوہ میں مقیم تھا کہ ستمبر مہری میں اقبال خاں کا بیجام پہنچا کہ آپ دہلی تشریف لے آئے ناصر الدین محمود مالوہ سے دہلی آ کر تخت سلطنت پر بیٹھا اور اقبال خاں بطور وزیر پرستور مہات سلطنت میں مصروف رہا۔ اسی حالت میں خبر پہنچی کہ مبارک شاہ شرقی یک سالہ حکومت کے بعد جو نپور میں فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی ابراہیم شاہ تخت نشین ہوا۔ یہ سن کر اقبال خاں اور ناصر الدین محمود دونوں شاہ و وزیر جو نپور کی طرف معانہ ہوئے۔ ابراہیم شاہ شرقی فوج کے مقابلہ پر آیا جب دونوں لشکر قریب ہو کر خیمہ زن ہوئے تو سلطان ناصر الدین محمود نے یہ حماقت کی

کہ اقبال خاں کو دھوکہ دے کر شکار کے بہانے اپنے غلاموں اور سہلہویوں کی ایک جماعت کے ساتھ لشکر سے جدا ہوا اور ابراہیم شاہ کے لشکر میں اس امید پر چلا گیا کہ ابراہیم شاہ چونکہ ہمارے خاندان کا غلام ہے ضرور اطاعت سے پیش آئے گا اور مجھے دیکھتے ہی اپنا تخت میرے لئے چھوڑ دے گا لیکن وہ ظفر خاں گجراتی سے زیادہ حوصلہ نہ رکھتا تھا اور دلاور خاں غوری یا اقبال خاں لودھی کی سجاوت اس میں موجود نہ تھی اس لئے اپنے لشکر میں ناصر الدین محمود کے آنے کا حال سن کر ضیافت کا سامان بھی نہ بھجوا یا تعظیم و تکریم کے ساتھ استقبال کرنا تو بڑی بات تھی۔ اب ناصر الدین محمود ازیں سورا ندہ و زلں ہو دراندہ ہو کر نہ ابراہیم شاہ کے لشکر میں رہ سکتا تھا نہ اقبال خاں کو منہ دکھانے کے قابل تھا فوراً وہاں سے جدا ہو کر شہر قنوج کی طرف آیا۔ باشندگان قنوج نے اس کا استقبال کیا اور ابراہیم شاہ کے عامل کو وہاں سے بیک بینی دو گوش بھاگنا پڑا۔ ناصر الدین محمود کے قنوج پر قابض و تصرف ہونے کا حال سن کر ابراہیم شاہ جو پور کی طرف واپس چلا گیا اور اقبال خاں دہلی کی جانب واپس آکر بہات سلطنت میں مصروف ہوا۔ ناصر الدین محمود کو قنوج میں اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ شہنشاہ میں اقبال خاں نے قلعہ گوالیار پر حملہ کیا۔ گوالیار کے حاکم پریم دیو نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر قلعہ میں محصور ہو بیٹھا۔ اقبال خاں نے علاقہ سے روپیہ تو وصول کیا مگر قلعہ فتح نہ کر سکا۔ دہلی واپس آ گیا۔ شہنشاہ میں گوالیار کے راجہ پریم دیو۔ اٹا وہ کے راجہ سمیر سنگھ۔ اٹے جھالا۔ اور دوسرے کئی ہندو زمینداروں نے مل کر اٹا وہ میں ایک لشکر عظیم جمع کر کے ایک ہندو سلطنت قائم کرنے کی تجویز اور اقبال خاں کے مقابلہ کی زبردست تیاری کی۔ یہ سنتے ہی اقبال خاں بلا توقف اس طرف پہنچا اور چار مہینے مسلسل جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر تمام راجہ مغلوب و شکست خوردہ و اسیر ہوئے اور سب نے عاجزانہ عفو و تقصیر کی التجا کر کے آئندہ کے لئے فرمانبرداری و خراج گزاری کا وعدہ کیا۔ اقبال خاں سب سے خراج و نذرانہ اور اقرار اطاعت لے کر واپس ہوا۔ شہنشاہ میں اقبال خاں نے دہلی میں دوست خاں اور اختیار خاں اپنے چیلاندار بھائیوں کو قائم مقام چھوڑ کر اول سامانہ پر حملہ کیا۔ وہاں کے حاکم کو گرفتار کر کے ملتان کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں بہت مقام تلونڈی رلے دادو اور رستے ہو پھر ان رلے رتی کو ہمراہ لیتا ہوا آگے بڑھا خضر خاں حاکم ملتان جو اپنے آپ کو تیمور کی جانب سے ملتان و

پنجاب کا حاکم سمجھتا تھا پنجاب و ملتان کی عظیم الشان فوجیں جمع کر کے پہلے ہی سے اقبال خاں کے مقابلے کی تیاری کر چکا تھا نیز گجرات سے ظفر خاں ابن وجیہ الملک نے اپنے بیٹے فتح خاں کو ایک زبردست فوج کے ساتھ خضر خاں کی مدد کے لیے بھیج دیا ظفر خاں کا بیٹا تارا خاں جو اقبال خاں سے شکست کھا کر اور ذلیل ہو کر گجرات کی طرف بھاگ آیا تھا اس نے گجرات میں جب تیمور کے واپس چلے جائے اور اقبال خاں کے پھر دہلی پر قابض ہونے کا حال سنا تو ظفر خاں اپنے باپ کو قید کر کے خود سلطنت سنبھالی اور اقبال خاں سے ہر لمحہ لینے کے لئے فوجیں فراہم کر کے دہلی کی جانب چلا۔ ظفر خاں نے جو محسوس و مقید ہو چکا تھا تارا خاں کو زہر دلو کر ہلاک کر دیا اور پھر برسر حکومت ہوا اس کو مرتے دم تک اس بات کا افسوس رہا کہ اپنے بیٹے تارا خاں کو خود ہلاک کر دیا۔ اقبال خاں کی فوج کٹی کا حال سن کر اس نے خضر خاں کو مدد دینا تارا خاں کے دشمن اور اپنے خاندان کے چرنے مخالف اقبال خاں کو ہلاک کرنا ضروری سمجھا اور اسی لئے اپنے دوسرے بیٹے فتح خاں برادر تارا خاں کو خضر خاں کی مدد کے لئے بھیجا خضر خاں نے فتح خاں کی بڑی خاطر مدارت کی۔ یہی وہ فتح خاں گجراتی ہے جو اپنے باپ ظفر خاں کی وفات کے بعد اپنے بھتیجے احمد خاں ابن تارا خاں کی تخت نشینی اور سلطنت گجرات سے اپنی محرومی پر بدول ہو کر خضر خاں کے پاس دہلی چلا آیا تھا جبکہ خضر خاں دہلی کا پادشاہ بن چکا تھا، غرض خضر خاں کے پاس بہت بڑی فوج اور نہایت زبردست لشکر فراہم ہو چکا تھا۔ اقبال خاں اور خضر خاں کی عداوت و مخالفت بھی پرانی اور قدیمی تھی۔ تیمور لودھی خاندان کا دشمن اور خضر خاں تیمور کا دست گرفتہ تھا۔ تیمور نے خضر خاں کی عزت افزائی اسی لئے کی تھی کہ وہ سارنگ خاں لودھی کا ستا یا ہوا تھا۔ اقبال خاں اپنے بھائی سارنگ خاں کا انتقام اب خضر خاں ہی سے لے سکتا تھا جو اپنے آپ کو علانیہ اور مخفیہ تیمور کا خادم ظاہر کرتا تھا۔

۱۹ جمادی الاول ۸۵۷ھ کو دہلی فوجوں کا مقابلہ ہوا عین معرکہ جنگ میں اقبال خاں کا گھوڑا زخمی ہو کر ہیکا رہا اس کے پھیل ہوتے ہی لشکر دہلی کی جس کی تعداد بھی بہت کم تھی، ہمت ہار گئی اور لوگ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اقبال خاں نے فرار کی مار گوارا نہ کی اور آخر دم تک مصروف شمشیر زنی رہا۔ بہت سے دشمنوں کو خاک

دخون میں ملا کر اپنے ہی ایک ہم قوم ملک شاہ لودھی ابن بہرام خاں لودھی کے ہاتھ سے سبیلان جنگ میں مارا گیا۔ خضر خاں کی فوج میں بہت سے لودھی موجود تھے۔ لودھیوں کی آپس کی نا اتفاقی اور برادر کشی بطور ضرب المثل مشہور اور معلوم عوام ہے۔ اسی برادر کشی کا نتیجہ تھا کہ ۱۷۹۲ء کے بعد ۱۷۹۳ء میں دولت خاں لودھی صوبہ دار پنجاب نے بابر کو حملہ ہند کی دعوت دے کر لودھیوں کی عظیم الشان سلطنت کو برباد اور سلطان ابراہیم لودھی کو قتل کرایا تھا۔ ملک شاہ لودھی کو اقبال خاں کے قتل کرنے کے صلہ میں خضر خاں نے اسلام خاں کا خطاب دیا۔ اس کے بعد وہ اسلام خاں ہی کے نام سے مشہور رہا۔ اقبال خاں کی قابلیت ملک گیری میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اس نے یکے بعد دیگرے ایک ایک شخص کو مغناوب و محکوم بنا کر دہلی کی سلطنت کے اقتدار رفتہ کو واپس لانے کی جو قابل قدر کوشش کی وہ ضرور قابل تحسین ہے۔ سلطان ناصر الدین محمود اگر کسی قابل ہوتا تو اقبال خاں جیسے با اقبال و مہادفا سردار کے ہوتے ہوئے کم از کم شمالی ہند کی سلطنت جیسی کہ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں قائم تھی پھر آسانی قائم ہو سکتی تھی۔ لودھیوں کی آپس کی نا اتفاقی کی تو وہ صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی لیکن بنا ہی خاندان کے ساتھ وفاداری کا یہ عالم تھا کہ دولت خاں اور اختیار خاں نے جب اقبال خاں کے مارے جانے کا حال سنا تو فوراً سلطان ناصر الدین محمود کے پاس قنوج میں پیغام بھیجا کہ اقبال خاں جس سے آپ کتراتے تھے مارا گیا اب ملی تشریف لائیے۔ اور تخت سلطنت کو سنبھال لے۔ ناصر الدین محمود اس پیغام کے پہنچتے ہی قنوج سے دہلی کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی نے یہ سن کر کہ قنوج خالی ہو گیا ہے بلا توقف حملہ کر کے قنوج کو لے لیا۔ دہلی آ کر ناصر الدین محمود نے دولت خاں کو قنوج دے کر سامانہ کی طرف بھیجا جہاں بہرام خاں نامی ترکی غلام اقبال خاں کے مارے جانے کی خبر سن کر خود مختار ہو بیٹھا تھا اور خود قنوج کو ابراہیم شاہ کے قبضے سے چھڑانے کے لئے چلا۔ قنوج میں شاہ شرقی کے مقابل جب کچھ نہ ہو سکا تو دہلی کو واپس آیا۔ دولت خاں لودھی بہرام خاں کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا۔ ۱۷۹۳ء میں خضر خاں نے حملہ کر کے حصار تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم شاہ شرقی دریائے جہنا کے کنارے تک پہنچ گیا مگر فوراً واپس چلا گیا۔ جنگی طاقت اور فوجوں کی افسری عموماً ہتھیاروں ہی کے قبضے میں تھی جن میں لودھی اور نیاڑی ٹھکان خاص طور پر پیش تھے۔ سلطان جوہنور کی فوج میں کئی لودھی افسر موجود تھے۔ خضر خاں حاکم ملتان کی طاقت کا انحصار بھی ٹھکانوں

پر تھا جن میں لودھی قوم کے کئی افسر خاص طور پر نمایاں تھے۔ دہلی میں سلطان ناصر الدین محمود کی فوج کے سپہ سالار اور وزیر اعظم بھی دولت خاں لودھی اور اختیار خاں لودھی تھے۔ خضر خاں نے ادھر حصار اور فتح آباد پر قبضہ کیا اور دولت خاں لودھی نے سنبھل کو ابراہیم شاہ شرقی کے آدمیوں سے چھین لیا۔ پھر سنبھل سے واپس آ کر حصار اور فتح آباد کو بھی خضر خاں سے فتح کر لیا۔ غرض کئی سال تک یہ کیفیت رہی کہ مشرق کی جانب سے سلطان ابراہیم حملہ آور ہوتا تھا اور مغرب کی جانب سے خضر خاں یورش کرتا تھا۔ دولت خاں لودھی جو سلطان ناصر الدین محمود کا سپہ سالار تھا سلطان ابراہیم شرقی کو سنبھل اور قنوج تک بھگاتا ہوا اس کے متعاقب بھاتا تو خضر خاں دہلی کی تفصیل کے نیچے اپنا لشکر لے آتا تھا۔ دولت خاں واپس ہو کر خضر خاں کو شکست دیتا اس کے تعاقب میں سرہند یا سامانہ یا دیپا پور تک چلا جاتا تو ابراہیم شرقی پھر دہلی کے قریب پہنچ جاتا غرض پانچ چھ سال تک دہلی کی سلطنت اسی مصیبت میں مبتلا رہی۔ ناصر الدین محمود کسی قسم کی بیاعتاد اور قابلیت سلطنت نہ رکھتا تھا۔ دولت خاں جو ایک سپاہی منش آدمی تھا محض اپنی شمشیر زنی اور صرف شکنی کی بدولت دونوں حریفوں کو بیچا دکھاتا اور دہلی کو ان کے جنگل سے بچا مارا۔ آخر ماہ ذیقعد ۸۱۵ھ سلطان ناصر الدین محمود بیمار ہو کر فوت اور خاندان تغلق کا خاتمہ ہوا۔

دولت خاں لودھی

ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد تمام امر اور شرفائے متفق ہو کر دولت خاں کو جس کی شجاعت و شہامت سب کے دلوں میں اثر کر چکی تھی تخت سلطنت پر بٹھایا۔ کھنڈ کے ہندو زمینداروں نے بخوشی اطاعت قبول کی اور سلطنت دہلی کے زیر نگین علاقہ میں امن و امان قائم ہوا۔ لیکن دولت خاں کو ایک سال اور چند مہینے سے زیادہ پادشاہت کا موقع نہ ملا۔ خضر خاں اور ابراہیم شاہ دونوں دولت خاں کی تخت نشینی کا حال سیکر پہلے سے زیادہ مشتعل اور دولت خاں کے خلاف خصوصی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ خضر خاں نے لودھیوں کی شہرہ بردار کشتی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ اختیار خاں برادر دولت خاں کو اپنی طرف توڑ لیا۔ آخر ماہ ربیع الاول ۸۱۶ھ جبکہ دولت خاں کا ایک بھائی قادر خاں ابن محمود خاں دہلی کی تمام زبردست فوج لے ہوئے بمقام کالپی ابراہیم شاہ

شرقی سے مصروف جنگ تھا اور دوسرا بھائی اختیار خاں خضر خاں کے پاس پہنچ چکا تھا اور اپنے پاس کئی دوسرے سرداروں مثلاً قوام خاں لودھی کو بھی لے گیا تھا خضر خاں نے ساتھ ہزار سواروں کے جوار لشکر سے دہلی پر حملہ کر کے دولت خاں کو محصور کر دیا۔ محاصرہ کی شدت اور غلہ کی نایابی سے تنگ آ کر دولت خاں نے اپنے آپ کو خضر خاں کے عاے کر دیا خضر خاں نے اذراہ نا جواں مردی اُس کو قلعہ حصار فیروزہ میں بھیج کر قوام خاں لودھی کے ہاتھ سے بتا بیخ، ارباب بیخ الاول شامہ قتل کرایا اور اختیار خاں نیز دوسرے لودھی سرداروں نے باطنیان یہ تماشا دیکھا۔ فاعتبہ وایا اولی الالبصار۔

دولت خاں کی سلطنت اگرچہ ایک سال اور چند ماہ بہان کی جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال خاں کے مارے جانے کے بعد سے دہلی میں اسی کی حکومت قائم تھی ناصر الدین محمود برائے نام دہلی کا سلطان تھا۔ تغلقہ خاندان کا حقیقتاً حملہ تیمور سے خاتمہ ہو چکا تھا۔ حملہ تیمور کے نتیجے میں جس طرح دوسرے صوبوں میں جداجدا فوج و مختار حکومتیں قائم ہو گئی تھیں اسی طرح دہلی میں بھی لودھیوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ان لودھی سرداروں نے گجرات راجپوتوں کے فرماؤں کی طرح اپنے تدبیری آقا کے ساتھ بے مروتی کا برتاؤ نہیں کیا اور باوجود اس کے کہ تمام باشندگان دہلی۔ تمام امرا اور تمام اہل کاران سلطنت سلطان ناصر الدین محمود سے سخت ناراض تھے لودھیوں نے اس کو تخت سلطنت پر قائم رکھا۔ بہر حال پندرہ سولہ سال کے بعد اس دولت لودھیہ کا خاتمہ ہو کر دہلی میں خضر خاں کی سلطنت شروع ہوئی جس کو عام طور پر سلطنت سادات بھی کہا جاتا ہے۔ تیمور کا متعلقہ ہندوستان میں لودھیوں ہی نے کیا جو خاندان تغلق کے وفادار تھے لہذا وہ خاندان تغلق کے وفادار اور تیموریوں کے مخالف اور دشمن سمجھے گئے۔ لودھیوں میں سے کسی شخص نے تیمور کی اطاعت اختیار نہیں کی اس کے جانے کے بعد لودھیوں ہی نے دہلی میں پھر سلطنت کا نقشہ جمایا۔ آخر سولہ سال کی کشمکش کے بعد خضر خاں جو تیمور کی غلامی کا دم بھرتا تھا دہلی پر قابض ہونے میں کامیاب ہوا۔ سارانگ خاں، اقبال خاں۔ عادل، دولت خاں نے طائف الملوکی اور بد امنی کے زلزلے میں خاندان تغلقہ کی حکومت قائم رکھنے اور فیروز شاہی غلاموں کے برپا کئے ہوئے فتنوں کو فرو کرنے اور خاندان شاہی کو سہارا دینے کی بے حد کوشش کی آخر اپنا فرض ادا کرنے کے بعد ایک ایک کر کے تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

خضر خاں ابن ملک سلیمان

خضر خاں اور اس کی اولاد کی سلطنت کو عام طور پر سلطنت مادیاں
خضر خاں سید نہ تھا کہا جاتا ہے لیکن یہ بات حقیقت و عملیت سے کوئی تعلق نہیں
 رکھتی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں ملک مردان دولت
 الخاں بے نصیر خاں ملتان کا صوبہ دار تھا۔ اُس نے ایک مجہول النسب لڑکے کو پرورش کر کے
 اپنا بیٹا بنایا جس کا نام سلیمان تھا۔ نصیر خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک شیخ ملتان کا حاکم
 ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد سلیمان کو ملک سلیمان بنا کر ملتان کی حکومت سپرد کی گئی۔ اس
 ملک سلیمان کا بیٹا خضر خاں تھا جو دہلی کا پادشاہ ہوا۔ تاریخ مبارک شاہی کا مصنف خضر
 خاں اور اس کی اولاد کا سب سے بڑا مداح اور خواہ ہے خضر خاں کے بیٹے مبارک شاہ کے
 نام پر ہی اُس نے تاریخ کا نام تاریخ مبارک شاہی رکھا ہے۔ فرشتہ نظام الدین احمد نجفی
 اور ملا عبدالقادر بدایونی نے اس خاندان کے تمام کے تمام و کمال حالات تاریخ مبارک شاہی
 سے لئے ہیں۔ تاریخ مبارک شاہی کے مصنف نے اپنے مدوح کو سید ثابت کرتے ہوئے
 دو زبردست دلیلیں پیش کی ہیں وہ دونوں زبردست دلیلیں یہ ہیں :-

” دلیل اول آنکہ ملک سلیمان وقتے کہ در خدمت ملک مردان دولت می بود
 از بے سید السادات مخدوم سید جلال بخاری رحمہ بنزل ملک مردان دولت
 قدم رنجہ فرمود و چوں طعام آوردند ملک سلیمان کہ قبل ازین ہرگز دعویٰ سیادت
 نمی کرد بطریق خدمت کاران دیگر طشت و آفتابہ بجهت دست شستن آورد
 آن سید فرمود کہ ایس سید را بے خدمت داشتن گستاخی است و چون این
 سخن بر زبان اہل صلاح گذشتہ یقین کہ او سید خواہد بود۔ دلیل دوم آنکہ اخلاق
 و اطوار خضر خاں مثل سخاوت و شجاعت و حلم و تواضع و صلاح و تقویٰ و صدق
 در ہم باخلاق و اوصاف حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شباهت
 تمام داشت و ایس نیز دلیل سیادت است۔“

یہ دونوں دلیلیں ایسی ہیں کہ ان کے پلوچ اور پھر مرنے کے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت
 نہیں۔ ہاں پہلی دلیل سے ملک سلیمان کے مجہول النسب ہونے کا زبردست ثبوت ضرور ہم پہنچتا

ہے ملک سلیمان نے خود اپنے آپ کو سید نہیں بتایا ملک مردان دولت جس نے ملک سلیمان کو پرورش کیا تھا اُسے، جیسی یہ معلوم نہ تھا کہ سلیمان کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ سید جلال بخاری رحمہ کے اس جملہ سے کہ اس سید سے خدمت گاروں کا کام نہیں لینا چاہیے سلیمان کہہ رہے ہیں کہ یقین کر لینا نہایت مشکل ہے انگیزے اس لئے کہ حضرت مخدوم جلال بخاری رحمہ سے سلیمان کی قوم کا حال دریافت نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُن کو یہ پہلے سے معلوم تھا کہ ملک مردان دولت نے سلیمان کو بیٹے کی طرح پالا ہے انھوں نے سلیمان کو طشت و آفتابہ لائے ہوئے دیکھ کر جو الفاظ فرمائے ان کا مطلب یہ تھا کہ سلیمان چونکہ ملک مردان دولت کے خاندان والوں اور بیٹوں میں شمار ہوتا ہے لہذا وہ سرداروں اور ملک زادوں میں شامل ہونا چاہیے۔ اس سے خدمت گاروں کا کام لینا مناسب نہیں حضرت مخدوم جلال بخاری رحمہ جو عرصہ دراز تک مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی قیام پذیر رہ چکے تھے ان کی زبان سے "سید" کا لفظ "فاطمی" کے معنی میں نکلنا بعید از قیاس اور محتاج دلیل ہے۔ سید یعنی فاطمی صرف ہندوستان کا محاورہ ہے۔ دوسرے تمام اسلامی ممالک میں اور ہندوستان میں بھی ذی علم طبقہ میں ہمیشہ سید کا لفظ سردار کے معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کی تصانیف میں قریشی مغل ترک پٹھان سب کے لئے جو سرداری کا مرتبہ رکھتے تھے۔ سید کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پس سید جلال بخاری رحمہ کی زبان مبارک کے لفظ سید کو دلیل ٹھہرا کر سلیمان کو صحیح النسب سید یعنی فاطمی یقین کرنا کسی طرح صحیح نہیں اسی سلسلے میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ تیمور شیعیت کی طرف بے حد مائل اور سادات کے ساتھ حد سے زیادہ رعایت کرتا تھا اس کا تذکرہ اس نے خود بھی اپنی توذک میں کیا ہے۔ تیموری خاندان کا مشہور موصوفہ محمد شمس المصطفیٰ بہ خانی خاں اپنی تاریخ منتخب اللباب میں تیمور کی نسبت لکھتا ہے کہ "حسن عقیدت و کمال اخلاص کہ صاحب قرآن را نسبت بہ اہل بیت بودہ اشہر و اظہر از ازاں است کہ بشرح و بیان محتاج باشد چنانچہ گویند کہ ایں بیت اکثر و روز باں او بودہ"

فردا کہ ہر کے بشیعہ ز نند دست

ماہم دد دست و دامن آل عبا بدست

تیمور کے مفصل حالات تاریخوں میں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سادات تازی

اور پرہیزی کی شہرت نے بڑے بڑے تاریخی تغیرات ایشیائی ممالک میں پیدا کئے ہیں اگرچہ تیمور سے پہلے بھی بہت سے غیر فاطمی لوگوں نے اپنے آپ کو اولادِ علی اور اولادِ فاطمہ ظاہر کر کے پانے نسب کو تبدیل کیا اور بہت سے دنیوی فائدے اٹھائے لیکن تیمور کے زمانے میں ایسی بہت کثیر انتہہ ادلوگوں کی ہوئی۔ خضر خاں کا اپنے باپ کے مذکورہ واقعہ کو دلیل ٹھہرا کر تیمور کی خدمت میں اپنے آپ کو سید ظاہر کرنا اور اس طرح تیمور کی سادات پرہیزی سے بھی مدد حاصل کر کے ملتان و پنجاب کی حکومت حاصل کر لینا ذرا بھی تعجب و حیرت کی بات نہیں ہماری آنکھوں کے سامنے بالکل اسی قسم کا ایک واقعہ موجود ہے کہ ایک ہندوستانی باختیار رئیس نے جس کا مورث اعلیٰ سلیمان مذکور کے حالات سے بہت مشابہت رکھتا تھا اپنے آپ کو سید بنالیا اور اس کے وابستگان دامن نے امتنا و صدقہا کہا۔ خضر خاں تو دہلی کا بادشاہ بن چکا تھا اس کے لئے کیا مشکل تھا کہ لوگوں سے اپنے آپ کو سید کہلاتا جس طرح ہمارے زمانے کے مشائخِ الیہ رئیس کے مورخ کو اپنے مخدوم کی قوم سید لکھنی پڑی اسی طرح تاریخِ مبارک شاہی کے مصنف کو مجبور ہونا پڑا۔ لیکن خضر خاں کے سید ہونے کی دونوں دلیلیں جو وضع کی گئی ہیں بہت ہی کمزور اور واضح کے ضعف تصنیف پر وال ہیں۔

خضر خاں کا عہد حکومت | گیا لیکن اُس نے اپنے کو پادشاہ نہیں کہلوا یا نہ پادشاہوں کا سا کوئی لقب اپنے لئے تجویز کیا بلکہ صرف ”روایاتِ عالی“ یا ”مسندِ عالی“ کا خطاب پسند کر کے اپنے آپ کو تیمور کے بیٹے مرزا شاہ رخ فرماں روا تے ایران کا نائب و فرماں بردار ظاہر کرتا اور سالانہ خراج یا نذرانہ اقرار فرمانبرداری کے ثبوت میں مرزا شاہ رخ کے پاس ایران بھیجتا رہا سکے اور خطبہ میں بھی اپنا نام داخل نہیں کیا بلکہ مرزا شاہ رخ کے نام کا سکے مضروب کرایا خطبہ بھی مرزا شاہ رخ کے نام کا مسجدوں میں پڑھا جاتا تھا۔ خطبہ کے آخر میں خضر خاں کے لئے دعا کر دی جاتی تھی۔ اس طرح دہلی کی سلطنت سات سال یعنی خضر خاں کی وفات تک خود بخود ہی سلطنتِ ایران کا صوبہ بنی رہی۔ خضر خاں کے سرداران لشکر اور ارکان سلطنت میں عموماً لادو لے اور وہ لوگ شامل تھے جو اس سے پہلے کوئی شہرت اور عزت نہیں رکھتے تھے۔ لودھیوں کی جماعت بھی اچھی طاقتور اور با اثر تھی یہ

لودھی بھی دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک حصہ اُن لودھیوں کا تھا جو مردان دولت کے زمانے میں ملتان آکر نوکر ہوئے تھے ان میں ملک بہرام لودھی کے بیٹے ملک سلطان شاہ الخاطب بہ اسلام خاں، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ خاص طور پر نمایاں تھے۔ دوسرا حصہ ان لودھیوں کا جو خضر خاں کی ترغیب سے دولت خاں کو دھوکہ دے کر خضر خاں سے جاملے تھے ان میں دولت خاں کا بھائی اختیار خاں اور قوام خاں لودھی خاص طور پر قابل تذکرہ تھے۔

خضر خاں نے ملک تحفہ کو تاج الملک کا خطاب دے کر اپنا وزیر و مدارالمہام بنایا اور ملتان اس کی جاگیر میں عطا کیا۔ اختیار خاں کو برادر کشی کے صلہ میں وہ علاقہ دیا جو آج کل مظفر آباد سید پٹھ کے ضلعوں پر مشتمل ہے۔ سید سالم نامی ایک سید کو وہ علاقہ ملا جو آج کل سہارنپور کا ضلع کہلاتا ہے۔ بدایوں میں مہا بہت خاں پہلے سے حاکم تھا اُس نے اطاعت قبول کی اور بدایوں کی حکومت پر قائم رہا۔ رام گنگا کے مشرق کی جانب کا علاقہ جو آج کل ریاست رام پور اور ضلع بریلی میں شامل ہے رائے ہر سنگ کے قبضے میں تھا اُس نے باج و خراج کے ادا کرنے میں انکا ریالیت و عمل کیا تو تاج الملک نے جا کر اس کی گوشمالی کی اور وہ اٹھارہ عجز اور اقرار فرمانبرداری کے بعد خراج ادا کر کے اپنے علاقہ پر بے طور قائم رہا۔ چند وارثہ، اثاودہ اور حلبیر کے راجپوت راجاؤں کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ بالآخر سب مطیع و منقاد ہو گئے۔ سرہند کی حکومت پر خضر خاں نے رائے سادھو کو ملک سادھو کا خطاب دے کر بھیجا وہاں بیرم خاں نامی ایک ترک بچے نے علم بغاوت بلند کر کے ملک سادھو کو قتل کر دیا۔ یہ سن کر خضر خاں نے ملک داؤد اور زیرک خاں نامی سرداروں کو بیرم خاں کی گوشمالی کے لئے دہلی سے روانہ کیا۔ بیرم خاں اور اُس کے ہمراہی سرہند سے بھاگ کر نگر کوٹ کے پہاڑوں میں جا چھپے۔ اُس وقت میں خضر خاں نے گوانیار کے راجہ کی سرکشی کا حال سن کر خود فوج کشی کی اُس نے نذرانہ پیش کیا اور فرماں بردار رہنے کا اقرار کر کے اپنی جان اور اپنی ریاست کو بچایا۔ اُس وقت میں رائے ہر سنگ نے پھر بغاوت کی اور تاج الملک اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ وہ بھاگ کر کمالیوں کے پہاڑوں میں جا چھپا، اسی اثنا میں اثاودہ کے راجہ رائے سمیر نے علم بغاوت بلند کیا۔ تاج الملک نے اس طرف جا کر بعد جنگ اسے گرفتار کیا مگر اقرار اطاعت لے کر پھر اٹا وہ

کی حکمرانی پر مامور کر آیا۔ سماہ ذیقعد ۳۲۱ھ خضر خاں نے خود بخود فوت لے کر بدایوں کا قصد کیا۔ بدایوں کے حاکم مہا بت خاں سے کوئی علامت سرکشی کی ظاہر نہیں ہوئی تھی اس کی خطا صرف یہ تھی کہ وہ دولت خاں لودھی کا مامور کردہ تھا اور اسی زمانے سے بدایوں کا حاکم چلا آتا تھا۔ خضر خاں کے اس طرح آسنے پر وہ بدایوں کے قلعہ میں محصور ہوئے۔ پھر چھ مہینے تک خضر خاں نے کوشش کی مگر مہا بت خاں کو یہ نہ کر سکا اور بدایوں کا قلعہ کسی طرح فتح نہ ہوا۔ خضر خاں کو مجبوراً بدایوں سے دہلی کی جانب واپس ہونا پڑا اس ناکامی سے اس کو یہ شبہ گذرا کہ دولت خاں سے جدا ہو کر سردار مجھ سے آئے تھے ان کی وفاداری مشتبہ ہے اور انھوں نے مہا بت خاں کے مقابلے میں پوری کوشش نہیں کی چنانچہ گنگا کے کنارے پہنچ کر اس نے ایک ضیافت کے بہانے سے اختیار خاں لودھی، توام خاں لودھی اور اسی قسم کے دوسرے تمام سرداروں کو بتاریخ ۸ جمادی الاول ۳۲۲ھ ایک مجلس میں بلا کر قتل کر دیا ۳۲۲ھ میں خضر خاں نے بیواؤں کی سرکشی کا حال سُن کر بیوات پر چڑھائی کی۔ اسی عرصے میں تاج الملک وزیر فوت ہوا۔ اس کے بڑے بیٹے ملک الشرق سکندر کو وزارت عطا ہوئی۔ اسی عرصے میں رائے سمیر کے مرنے کی خبر پہنچی یہ سُن کر خضر خاں خود اٹاوا گیا اور رائے سمیر سنگھ کے بیٹے کو باپ کی جگہ اٹاوا کا راجہ بنا کر واپس ہوا۔ رائے میں ۷ جمادی الاول ۳۲۲ھ کو بیمار ہو کر فوت ہوا۔

مبارک شاہ ابن خضر خاں

خضر خاں نے مرنے سے تین روز پہلے اپنے بیٹے مبارک خاں کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ باپ کے فوت ہونے پر مبارک خاں نے تخت نشین ہو کر مبارک شاہ کے لقب سے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری اور مرزا شاہ رخ ابن تیمور کا نام سکہ و خطبہ سے خارج کر کے تیموریوں سے قطع تعلق کیا۔ ہندو اور مسلمان اُمرا کو ان کے عہدوں اور جاگیروں پر قائم رکھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت پنجاب میں حسرت لکھڑے نے فتنہ برپا کیا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حسرت لکھڑے سمرقند سے بھاگ کر پنجاب میں چلا آیا تھا حسرت نے دامن کوہ کے علاقے پر قبضہ و تصرف کر کے اپنی حکومت قائم کر لی

تھی اور خضر خاں اس کے استیصال کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا تھا۔ خضر خاں کی وفات سے سال بھر پہلے ۱۱۸۵ء میں جسرت لکھنؤ پر معمولی طور پر طاقتور ہو گیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ کشمیر کے پادشاہ سلطان سکندر بت شکن نے اپنے بیٹے میر خاں الملقب بے علی شاہ کی شادی جموں کے راجہ مہی راسے بھیم کی بیٹی سے کی تھی ۱۱۸۵ء میں سلطان سکندر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میر خاں الملقب بے سلطان علی شاہ کشمیر کے تخت پر بیٹھا ۱۱۸۵ء میں سلطان علی شاہ اپنے بھائی شاہی خاں کو کشمیر میں اپنا قائم مقام بنا کر اور دوسرے بھائی محمد خاں کو اس کی اعانت کے لئے چھوڑ کر خود پنجاب کی فتح کے لئے روانہ ہوا اور اول اپنے خسر راجہ بھیم کی ملاقات کے لئے جموں آیا۔ راجہ بھیم نے اس کو توجہ دلائی کہ شاہی خاں جس کو تم کشمیر کی حکومت سپرد کر آئے ہو اب تم کو کشمیر میں واپس داخل نہ ہونے دے گا۔ اس کو قائم مقام بنانے میں تم نے غلطی کی ہے علی شاہ یہ سن کر پریشان اور راجہ بھیم کو معہ فوج ہمراہ لے کر کشمیر کی طرف واپس ہوا۔ شاہی خاں متوہم ہو کر اور تاب مقابلہ نہ لاکر دوسرے راستے سے جسرت لکھنؤ کے پاس پنجاب چلا آیا۔ علی شاہ اور راجہ بھیم نے مل کر جسرت اور شاہی خاں پر حملہ کیا۔ جسرت اور شاہی خاں گھات میں بیٹھ گئے۔ شاہی خاں کی فوج جو یلغار کے ہوئے آ رہی تھی پہاڑ کے دروں میں جسرت اور شاہی خاں کے اچانک حملے سے پریشان ہو گئی۔ علی شاہ گرفتار ہوا۔ جسرت اور شاہی خاں کشمیر میں داخل ہوئے۔ شاہی خاں اپنے بھائی علی شاہ کی جگہ سلطان زین العابدین کے نام سے تخت نشین ہوا۔ جسرت لکھنؤ کو سلطان زین العابدین نے بہت مال و دولت اور لشکر و کربنجاہ کی فتح پر مامور کیا اور جسرت نے اضلاع پنجاب پر قبضہ کر کے زیرک خاں حاکم جالندھر کو قید کر لیا۔ اس کے بعد ۱۱۸۷ء میں راجہ مہی راسے کو سرہند پر حملہ کر کے اسلام خاں لودھی حاکم سرہند کو محصور کیا۔ سلطان مبارک شاہ کو جب زیرک خاں کے گرفتار اور اسلام خاں کے محصور ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ باوجود ہر سات ماہ ۱۱۸۷ء میں دہلی سے روانہ ہو کر سرہند پہنچا۔ مبارک شاہ کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر جسرت قلعہ سرہند سے محاصرہ اٹھا کر بھاگا، ادھر زیرک خاں کو بھی جسرت کی قید سے نکل کر بھاگ آنے کا موقع مل گیا۔ مبارک شاہ نے جسرت کا تعاقب کیا اور کسی جگہ اسے دم لینے کا موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ جسرت اپنا تمام مال و اسباب لشکر و ہلی کے اہتوں

لٹوا کر نہایت سختہ و خراب حالت میں پہاڑوں کے اندر جا چھپا۔ جموں کا راجہ بھیم سلطان مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مورد المظاہر ہوا اور اسی کی رہبری میں پہاڑوں کے اندر دور تک جہرت کا تعاقب کیا گیا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ آخر سہ ماہ محرم ۱۰۲۵ھ مبارک شاہ لاہور آیا۔ لاہور کے قلعہ کو جہرت خراب کر چکا تھا۔ سلطان نے ملک محمود حسن کو لاہور کی حکومت سپرد کر کے قلعہ کی مرمت و درستی کا حکم دیا اور لاہور سے دہلی کی جانب معاہدات کی۔ سلطان مبارک شاہ کی واپسی پر جہرت نے اپنی حالت پھر درست کر کے لاہور پہنچ چڑھائی کی پینتیس روز تک لاہور کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔ جب کچھ نہ ہو سکا تو لاہور سے لوٹ کر راجہ بھیم حاکم جموں پر بغرض انتقام حملہ آور ہوا۔ یہاں بھی کوئی کامیابی نہ ہوتی جہرت کے لاہور پر حملہ آور ہونے کی خبر سن کر دہلی سے ملک سکندر تحفہ وزیر اور سرہند سے اسلام خاں لودھی ملک محمود حسن کی امداد اور جہرت کے مقابلے کو روانہ ہو چکے تھے ملک سکندر تحفہ لاہور ہوتا ہوا جموں پہنچا۔ راجہ بھیم نے حاضر ہو کر جہرت کے تعاقب میں شاہی لشکر کی رہبری کی مگر وہ پہاڑوں میں داخل ہو کر غائب ہو چکا تھا۔ ہاتھ نہ آیا۔ مبارک شاہ نے دہلی سے حکم بھیجا کہ ملک سکندر تحفہ لاہور میں رہ کر وہاں کا انتظام کرے اور ملک محمود حسن دہلی آجائے ۱۰۲۶ھ میں مبارک شاہ نے وزارت غلطی بجائے ملک سکندر تحفہ کے سردار الملک نو مسلم کو عطا کی اور خود مع وزیر گنگا کو عبور کر کے ولایت کٹھڑ میں وہاں کے ہندو سرکشوں کی تادیب کے لئے گیا۔ اٹا وہ کاراجہ جو راٹھور راجپوت تھا۔ سلطان کی خدمت میں گنگا کے گھاٹ پر سلام کے لئے حاضر ہو گیا تھا اور لشکر شاہی کے ہمراہ تھا۔ سلطان کٹھڑ سے اٹا وہ کی طرف گیا تو اٹا وہ کاراجہ بلا اطلاع سلطانی لشکر سے جدا ہو کر اٹا وہ کے قلعہ میں پہنچا اور متقابلہ پر آمادہ ہوا۔ سلطان نے قلعہ اٹا وہ کا محاصرہ کر کے راجہ کو عاجز کیا اور اس نے اپنا بیٹا بطور یرغمال اور بہت ساندرا نہ بھیج کر سلطان کو رضا مند کیا۔ سلطان نے اٹا وہ سے دہلی واپس آ کر سنا کہ جہرت نے جموں پر حملہ کر کے ملے بھیم کو قتل کر دیا اور اس کے اموال و الماک پر قابض ہو کر اور اپنے آپ کو گنگھڑوں کی فوج سے خوب طاقتور بنا کر پنجاب پر حملہ کا قصد کر رہا ہے دوسری خبر یہ پہنچی کہ شیخ علی منغل جو مڑا شاہرخ کی طرف سے امیر کاہل ہے جہرت گھگھر کی ترغیب و تحریک سے ملتان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ تیسری خبر یہ پہنچی کہ ہوشنگ شاہ دالی مالوہ نے گوالیار کے قلعہ کا محاصرہ

کر لیا ہے اور گوالیار کا راجہ سخت مصیبت میں گرفتار ہے مبارک شاہ نے ملک محمود حسن کو ملتان کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ ملتان کا قلعہ جس کو تیمور سہارا کر گیا تھا فوراً درست کر کے امیر کابل شیخ علی منگل کے مقابل پر مستعد رہو۔ خود گوالیار کی جانب روانہ ہوا گوالیار کے قریب معمولی معرکہ ہو کر دونوں پادشاہوں میں صلح ہو گئی۔ ہوشنگ شاہ مالوہ چلا گیا۔ مبارک شاہ دریائے جمیل کے کنارے چند روز قیام کرتے اور وہاں کے زمینداروں اور رئیسوں سے خراج وصول ہو جانے کے بعد بہ ماہ رجب ۸۳۲ھ دہلی واپس آیا ۸۳۳ھ میں سلطان کھٹور کی جانب اس لئے گیا کہ تین سال سے راجہ ہر شنگ نے خراج نہیں بھیجا تھا۔ جب سلطان لشکر کشا کے کن رے پہنچا تو راجہ ہر شنگ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور خراج ادا کرنے کے جرم میں چند روز نظر بند رہ کر سہ سالہ خراج ادا کرنے کے بعد رہا اور اپنے علاقے پر بحال ہوا۔ دہلی واپس آ کر مبارک شاہ کو معلوم ہوا کہ میواتیوں نے لوٹ مار اور سرکشی پر کمر باندھ لی ہے سلطان خود میوات کی طرف گیا۔ میواتی لوگ علاقہ کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپے۔ چونکہ لشکر میں غلہ کی گرانی تھی۔ لہذا میوات میں بادشاہ زیادہ نہیں ٹھہرا دہلی واپس چلا آیا۔ ۸۳۴ھ میں پھر میوات گیا وہاں بہادر ناہر کے پوتوں نے قلعہ اور میں لشکر جمع کر کے مقابلہ کی تیاری کی آخر مغلوب ہو کر اسیر اور چند روز کے بعد رہا ہو کر پھر اپنی جاگیر پر بحال ہوئے ۸۳۵ھ میں مبارک شاہ میوات ہوتا اور بیان دسیکری کا انتظام کرتا ہوا گوالیار پہنچا۔ وہاں کے راجہ سے پیش کش وصول کر کے دہلی واپس آیا۔ اسی سال بیانہ و میوات میں پھر بدامنی پیدا ہوئی سلطان کو وہاں جانا پڑا۔ اسی زمانے میں جھنپور کے بادشاہ سلطان ابراہیم شرتی نے بدایوں پر قبضہ کرنا چاہا۔ مبارک شاہ مقابلہ کے لئے اپنے بڑے بڑے سرداروں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ ملک محمود حسن راجہ ملتان سے واپس آ گیا تھا، خان اعظم فتح خاں ابن ظفر خاں گجراتی۔ زیرک خاں اسلام خاں لودھی ملک جتن۔ ملک کالوشمنہ پیل۔ ملک احمد مقبل۔ سردار الملک وزیر سید اسادات سید سالم وغیرہ سب اس لشکر میں موجود تھے۔ آخر جمادی الآخر ۸۳۵ھ کو دوسرے شام تک معرکہ کا نزار گرم رہا اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ اگلے روز سلطان ابراہیم شرتی جون پور کو اور سلطان مبارک شاہ گوالیار کو روانہ ہوا۔ گوالیار سے بیانہ آ کر ملک محمود حسن کو بیانہ کا حاکم بنا کر خود لمبی کی طرف آیا۔ ملک قدو میواتی نمبرہ بہادر ناہر نے بچوں کے

سلطان شرفی سے پیام سلام کر کے اُس کو حملہ کی ترغیب دی تھی اور اب بھی وہ اسی کوشش اور سازش میں مصروف تھا لہذا ماہ شوال ۸۳۵ھ میں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ اور بہادر ناہر کے دوسرے پوتوں جلال خاں - احمد خاں اور فخر الدین نے قلعہ الوری میں پناہ لی۔ بہاؤ الدین نے قلعہ ۸۳۵ھ میں پہنچی کہ جسرت لکھنؤ نے اس فرصت میں اچھی طرح تیاری کر کے ملک سکندر تحفہ حاکم لاہور کو کلاؤز کے میدان میں مقابلہ کر کے شکست فاش دی۔ ملک سکندر تحفہ شکست کھا کر لاہور واپس آیا اور جسرت لکھنؤ نے جالندھر کے علاقے میں لوٹ مار کر کے لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھا دی، سلطان نے اسلام خاں کو دھبی حاکم سرہند کو ملک سکندر تحفہ کی مدد کے لئے حکم بھیجا، اسلام خاں نے پنج کج جسرت کو پہاڑوں میں بھگا دیا۔ بہاؤ محرم ۸۳۵ھ ملک محمود حسن بیانہ کے انتظام سے فارغ ہو کر دہلی آیا اور اس کو عہد الملک کا خطاب ملا۔ اس کے بعد سلطان مبارک شاہ میوات میں گیا۔ وہاں جلال خاں میواتی اور اس کے بھائیوں نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ آئندہ ہمیشہ محکوم و فرمان بردار رہنے کا اقرار کر کے میوات کی حکومت پر مامور رہے۔ دہلی واپس ہو کر ملک محمود حسن عہد الملک کو سلطان نے ملتان کی حکومت پر مامور کر کے رخصت کیا۔ ۸۳۵ھ میں گوالیار اور توارچ گوالیار کے زمینداروں نے پھر فتنہ برپا کیا۔ سلطان نے بلا توقف پنج کج اس فتنے کو فرو کیا۔ وہاں سے کوہ پابہ زہر دوار و دہرہ دونوں کے سرکٹوں کو ٹھیک کر کے دہلی آیا۔ اسی زمانے میں سید السادات سید سالم کے فوت ہونے پر اس کے بیٹوں کو اس کی جاگیر و اموال پر قابض رکھا۔ سید سالم کے پاس دولت مہمت تھی لہذا سید سالم کے بیٹوں نے مغرور ہو کر خیال فاسد کو دل میں را دی۔ سید سالم کا ایک غلام فولاد خاں ترک بچہ سرہند پہنچا۔ سید سالم کے بیٹوں کی تجویز یہ تھی کہ بادشاہ فولاد خاں کی سرکوبی کے لئے جب سرہند کی طرف جائے گا تو ہم اپنے معاونین کی مدد سے بادشاہ بن جائیں گے۔ اسلام خاں حاکم سرہند بادشاہ کی محبت میں دہلی آیا ہوا تھا، فولاد خاں باسانی سرہند پر قابض و متصرف ہو گیا اور ہر قسم کا سامان قلعہ داری فراہم کر کے منصوبہ ہو بیٹھا۔ مبارک کو اس منصوبے کا حال معلوم ہو گیا تھا اُس نے فولاد خاں کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے سید سالم کے بیٹوں کو گرفتار کر کے تمام مال اسباب اُن سے چھین لیا اور سرہند کی طرف فوج روانہ کی۔ مگر اس فوج کو فولاد خاں کے

مقابلہ میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر مبارک شاہ خود فوج لے کر گیا اور چھ مہینے تک محاصرہ کئے پڑا۔ لیکن قلعہ سرہند فتح نہ ہوا۔ آخر اسلام خاں لودھی وغیرہ چند امیروں کو سرہند کے محاصرے پر چھوڑ کر دہلی کی جانب آیا۔ فولاد خاں نے یہ چال چلی کہ سرہند سے ایک درخواست امیر کا بل شیخ علی منغل کی خدمت میں بھیجی کہ آپ ہندوستان پر حملہ آور ہو جیے عائدہ اس کے نہ آپ کی فتح یقینی ہے میں بہت بڑی رقم حاضر خدمت کر دوں گا۔ امیر شیخ علی بس کو جسرت لکھڑ بھی کئی مرتبہ حملہ کی ترغیب دے چکا تھا کابل سے روانہ ہوا پنجاب میں داخل ہوا۔ تے ہی لکھڑوں کی بہت بڑی جمعیت اس کے لشکر میں شامل ہو گئی لاہور کے حاکم ملک سکندر تحفہ لے لاہور کا تمام خزانہ نذر کر کے اپنی جان بچائی۔ شیخ علی جب سرہند کے قریب پہنچا تو جو اسرا سرہند کا محاصرہ کئے پڑے تھے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوئے اور اسلام خاں لودھی ملک محمود حسن اللہ طلب بہ عداد الملک کے پاس ملتان چلا گیا۔ فولاد خاں نے قلعہ سے نکل کر شیخ علی سے ملاقات کی اور حسب وعدہ بہت سی دولت بطور نذرانہ پیش کی شیخ علی نے سرہند کے علاقے کو خوب لوٹا اور اُس کی فوج کے سپاہی مالا مال ہو گئے۔ یہاں سے امیر شیخ علی فولاد خاں کو سرہند میں قابض و متصرف چھوڑ کر ملتان کی جانب روانہ ہوا۔ سلطان مبارک شاہ اس کے سرہند آنے اور لوٹ مار مچانے کی خبر سن کر مقابلہ کئے لئے خود سرہند نہیں گیا۔ اب ملتان کی طرف اُس کے جانے کا حال سن کر بھی اُس کو خود جانے کی ہمت نہیں ہوئی بلکہ فتح خاں بن ظفر خاں گجراتی، وزیرک خاں، ملک یوسف خاں، ملک کمال خاں، رائے بھوراکو عداد الملک کی مدد کے لئے ملتان کی جانب روانہ کیا۔ امیر شیخ علی منغل لوٹ مار کرتا ہوا ملتان سے دس کوس کے فاصلہ پر پہنچا تو عداد الملک ملک محمود حسن نے اسلام خاں لودھی کو اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اسلام خاں نے سخت مقابلہ کیا آخر اسلام خاں کی فوج پارہ پارہ ہو کر منتشر ہو گئی اور اس کو خیر آباد کے قلعہ میں پناہ لینا پڑی۔ پسینہ عداد الملک بھی ملتان سے فوج لے کر نکلا اور اس بات کی کوشش کی کہ شیخ علی کی فوج خیر آباد میں اسلام خاں کو محصور نہ کر سکے۔ اسی اثنا میں ۲۲ شوال ۸۷۳ھ کو مذکورہ امرا جو دہلی سے روانہ ہوئے تھے، ملتان کے قریب پہنچ گئے۔ ان امرا کے پہنچنے پر عداد الملک نے میدان میں جم کر شیخ علی منغل کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں فتح خاں ابن ظفر خاں گجراتی مارا گیا مگر شیخ علی منغل کو

شکست فاش حاصل ہوئی اور جو کچھ اُس نے پنجاب و سرہند وغیرہ سے حاصل کیا تھا سب چھنوا کر بحال تباہ کابل کو واپس ہوا۔ جو اسرا دہلی سے گئے تھے دہلی کو واپس آئے فتح خاں جو مذکورہ جنگ ملتان میں مارا گیا وہی فتح خاں براہوتار خاں ابن ظفر خاں ہے جو گجرات کے تخت سے ایوس ہو کر خضر خاں کے پاس چلا آیا تھا۔ یہی فتح خاں ہے جس نے کپیل و پٹیا لی و موجودہ ضلع فرخ آباد و ایٹم کے راجہ رائے پرتاب کو شیشہ میں اسیر و دست گیر کر کے اُس کی بیوی پر تصرف کیا تھا اور اسی فتح خاں کا بیٹا حمید خان تھا جو آئندہ سلطان محمد شاہ اور سلطان علاء الدین کا وزیر ہوا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ فولاد خاں بدستور سرہند پر قابض تھا اس کا ابھی تک کوئی تدارک نہیں ہوا تھا۔ مبارک شاہ عماد الملک کی اس کامیابی سے جو اس کو امیر شیخ علی کے مقابل میں حاصل ہوئی تھی متوہم ہوا اور اُس نے عماد الملک کو ربیع الاول ۸۳۵ھ میں ملتان سے دہلی طلب کر لیا اور ملتان میں کوئی دو سرائیمیں بھیج دیا جسرت لکھنؤ نے موقع پا کر پھر ہاتھ پاؤں نکالے اور جالندھروں کو فتح کر کے ملک سکندر تحفہ حاکم لاہور کو گزرتا کر لیا اور امیر شیخ علی مغل کو لکھا کہ اب ملتان پر چڑھائی کرنے کا بہت اچھا موقع ہے کہ عماد الملک وہاں سے جدا ہو گیا ہے۔ امیر کابل نے یہ سنتے ہی ملتان پر حملہ کیا اور اس علاقے کو خوب لوٹا۔ فولاد خاں پنجاب اور ملتان میں اپنے حلیفوں کو پیروہ دست دیکھ کر سرہند سے نکلا اور اسے نیروز پر حملہ آور ہو کر اسے قتل کر دیا۔ یہ حالات سن کر مبارک شاہ دہلی سے فوج لے کر نکلا اور ملک سردار الملک کو بطور مقدمہ الجبیش آگے روانہ کیا۔ سامانہ تک پہنچا تھا کہ بادشاہ کی آمد کا حال سن کر جسرت لکھنؤ پنجاب کے میدانوں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپا اور امیر شیخ علی بھی ملتان سے کابل کو چل دیا۔ فولاد خاں بھی سرہند میں آکر اور قلعہ بند ہو کر مضبوط ہو بیٹھا۔ یہ سن کر مبارک شاہ نے سردار الملک اسلام خاں اور زبیر خاں کو سرہند کے محاصرے پر مامور کیا اور لاہور کی حکومت نصرت خاں گرگ انداز کو سپرد کر کے دہلی کی جانب آیا۔ بجاہ ذالحجہ ۸۳۵ھ میں جسرت نے پھر لاہور پر حملہ کر کے نصرت خاں گرگ انداز کو لاہور سے بھگا دیا۔ سلطان نے الداد خاں لودھی کو لاہور کی حکومت پر مامور کر کے بھیجا۔ الداد خاں لودھی نے جسرت کو بھگا کر لاہور پر قبضہ کیا ۸۳۵ھ میں امیر شیخ علی نے فولاد خاں کو محاصرہ سے آزاد کرانے کے لئے کابل سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا جسرت بھی مع فوج اس سے آ ملا۔ لاہور میں الداد خاں لودھی

اس متحدہ لشکر کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا شیخ علی نے لاہور پر قابض ہونے کے بعد دیپالپور کو فتح کیا۔ مہارک شاہ نے دہلی سے کوچ کر کے تلوندی میں پہنچ کر اسلام خاں لودھی اور عماد الملک کو سرہند سے اپنے پاس بلایا باقی امیروں کو جو سرہند کے محاصرے میں مصروف تھے اسی وقت مدد و فوج رکھنے کا حکم دیا۔ عماد الملک اور اسلام خاں کے شاہی لشکر میں پہنچے اور شاہی لشکر کے آگے بڑھنے کا حال سن کر شیخ علی کا بل کو چل دیا اسی عرصہ میں ملک سکندر تحفہ جو ہریت لکھنؤ کی قید میں تھا کسی طرح قید سے نکل کر سلطان کے پاس بھاگ آیا سلطان اس نے آنے سے خوش ہوا اور شمس الملک کا خطاب دے کر لاہور و جالندھر و دیپالپور کی حکومت پر اس کو مامور کیا اور خود ملتان جا کر وہاں سے شیخ علی مغل کے گماشتوں کو خارج کرے دہلی کو واپس ہوا۔ اس واپسی میں شمس الملک سکندر تحفہ کو تہیہ مل کر کے۔ اس کی جگہ عماد الملک کو لاہور و جالندھر و دیپالپور کی حکومت پر مامور کیا۔ اور دہلی آکر ملک سردار الملک کی وزارت میں ملک کمال الدین کو بھی شریک کر دیا۔ اس سے پہلے سردار الملک نو مسلم وزیرانہ وزیر اعظم بننا اور اس کی ماتحتی میں سردار بن ابن گنگو کھتری محکمہ مال و نظائر کا افسر اور نائب وزیر ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ درجہ کے ملوک و امرا میں شمار ہوتا تھا۔ ملک کمال الدین کمال الملک نے وزارت کے عہدے پر فائز ہوتے ہی محکمہ مال و نظائر کی بے عنوانیوں کو رفع کیا اور اس محکمہ کے ہندو اہل کاروں کی دست درازیوں کو روک کر سدھارن وغیرہ کو بے دست و پا بنا دیا۔ کمال الملک کی قابلیت نے شاہی کارخانوں میں رونق و انتظام پیدا کر کے سردار الملک کی قبولیت کو بھی نقصان پہنچایا۔ سلطان مہارک شاہ نے سردار الملک کی ناقابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد بھی کمال کو اس کا شریک وزارت کیا تھا۔

مہارک شاہ نے دہلی آکر ربیع الاول ۱۱۳۵ھ میں دریائے جمنہ کے کنارے ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام مہارک آباد تجویز ہوا۔ اسی عرصہ میں خبر پہنچی کہ فواد خاں غلام ترک بچہ جو عرصہ سے سرہند پر متصرف تھا اور کسی طرح قابو میں نہیں آتا تھا۔ مارا گیا۔ سلطان اس خبر اور فواد خاں کے کٹے ہوئے سر کے آنے سے بہت خوش ہوا۔ فوراً سرہند جا کر وہاں کے زمینداروں کی دلجوئی اور اسلام خاں کو سرہند کی حکومت پر پھر مامور کر کے دہلی واپس آیا اور مہارک آباد کی تعمیر کے اہتمام میں مصروف ہوا۔

تبصرہ

اس طویل اور بے مزہ داستان کے سُنا دینے کے بعد یہ بتا دینا ضروری ہے کہ خضر خاں اور مبارک شاہ کی سلطنت میں کوئی خصوصی اسلامی رنگ باقی نہ رہا تھا۔ ہندو، مسلمان، غلام اور اسیل میں کوئی امتیاز و فرق نہ تھا۔ کھنڈر کے ہندو اٹاواہ اور گوالیار کی طرف کے راکھڑو راجپوت، میوات کے میواتی، پنجاب کے لکھنڈ، فولاد خاں غلام وہ لوگ تھے جنہوں نے بد امنی کے پھیلائے اور بادشاہ کو ہمیشہ پریشان و مصروف رکھنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ بیرونی حملہ آوروں میں ابراہیم شاہ شرقی اور امیر کابل شیخ علی منل خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ لیکن ان دونوں حملہ آوروں کی حملہ آوری کا سبب یہی میواتی اور لکھنڈ ہی تھے۔ گذشتہ صفحات میں اس بات کا ناقابل تردید ثبوت موجود ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ہندو مسلم تفریق کا کسی کو بھول کر بھی خیال نہیں آیا۔ سرکشی اور بغاوت بار بار ہندوؤں کی طرف سے ہوتی اور مسلمان بادشاہ نے بار بار مغلوب کرنے کے بعد پھر اُن کی جاگیروں پر انھیں قائم رکھا اور ہر خطا کے بعد جب اُنہوں نے معافی چاہی فوراً معافی دی گئی۔۔۔ صرف یہی نہیں کہ سلطان دہلی ہی مذہبی اعتبار سے بے تعصب واقع ہوا تھا۔ بلکہ اس کے مسلمان سرداروں میں سے جن پر اس کی ساری قوت و شوکت کا انحصار تھا، کسی ایک نے بھی کبھی سلطان کو اس طرف توجہ نہیں دلائی اور شکایت نہیں کی کہ ہندو ہی بار بار بغاوت و بد امنی پھیلاتے اور فوراً ساہارا پاکر فوراً سرکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں ان سب کو ریاستوں اور جاگیروں سے معزول و محروم کر کے اُن کی جگہ مسلمانوں کو کیوں منصوب و متعین نہیں کر دیا جاتا۔ میوات کے میواتی محض اسی وجہ سے طاقتور ہو گئے تھے کہ اُن کے ساتھ بار بار رعایت و درگزر کا معاملہ کیا گیا۔ یہی حال کھنڈ اور اٹاواہ و گوالیار کے راجپوتوں کا تھا۔ پنجاب کے لکھڑوں کو کشمیر کی سلطنت اسلامیہ سے مدد ملتی رہی تھی۔ اور وہ کشمیر ہی کے پہاڑوں میں ہر مرتبہ پناہ گزیں ہوتے تھے۔ جموں کا راجہ سلطان دہلی کا طرفدار و حامی تھا وہ جسرت کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بہر حال اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جب تک مسلمانوں کی شہنشاہی خوب طاقتور رہی اس وقت بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کو ہندو ہونے کی وجہ سے اپنا دشمن اور کشتی و گردن زدنی نہیں سمجھا اور جب ان کی شہنشاہی طائف الملوک میں تبدیل

ہو گئی تب بھی انہوں نے ہندوؤں کو ہندو ہونے کے سبب غیر اور قابل نفرت قرار نہیں دیا۔ ہندوؤں نے اپنے آپ کو طاقتور بنا لئے اور اپنی قابلیت بڑھانے کی کوشش کی اس کے علاوہ اس کا ہندو ہونا سرگز ہارت و مانع اور حائل نہیں ہوا۔ کسی ہندو کا اولی حق اس لئے ہرگز نہیں چھینا گیا کہ وہ ہندو ہے۔ جن اسباب کی بنا پر کسی مسلمان نے کسی ہندو کی مخالفت کی انہیں اسباب کی بنا پر اس نے ایک مسلمان کی بھی مخالفت کی۔ ہندوستان میں گویا قوم آج کل کی اصطلاح کے موافق "کالی قوم" نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مسلمانوں کی یہی وطن پسندی وسیع چشتی اور مسلمانوں کے اخلاق کی یہی خوبی تھی جس نے ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ بہادر شاہ چغتائی کا اصل ہندو اتنی نام سمیر پالی یا سانبر پالی تھا جو غالباً مہوات کے حاکم کو کاچو بان کے متوسلین میں سے تھا۔ جس زمانے میں شہر حصار فیروزہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا ایک روز سلطان فیروز شاہ تغلق جنگل میں شیر کے شکار کو گیا جو لوگ اس شکار میں سلطان کے ہمراہ تھے ان میں سانبر پال بھی شامل تھا سلطان نے شیر کو تیر کا نشانہ بنایا اتفاقاً زخم کاری نہ لگا۔ شیر سلطان کی طرف جھپٹا اسی حالت میں سانبر پال نے شیر کے تیر مارا اور وہ سلطان تک پہنچنے سے پہلے زمین پر گر پڑا۔ سلطان نے اس چابک دستی اور قادر اندازی سے خوش ہو کر سانبر پال کو بہادر شاہ کا خطاب دے کر مہوات میں ایک جاگیر عطا کی جو موجودہ ضلع گوڑگانوہ کی تحصیل لوت میں تھی۔ بہادر شاہ نے اس جاگیر میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ بنایا جو کوٹلہ بہادر شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قلعہ کے نشانات اب تک موضع کوٹلہ میں موجود ہیں۔ بہادر شاہ نے یہ جاگیر خطاب پانے کے کچھ دنوں بعد خود ہی اسلام قبول کیا اور فیروز تغلق کی وفات کے بعد سلطنت دہلی کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر مہوات کے اکثر حصہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ بہادر شاہ اور اس کی اولاد مسلمان ہو گئی تھی لیکن اس کی قوم پرستوں ہندو اور بہادر شاہ کی مدد و معاون تھی۔ بہادر شاہ کی قوم یعنی میواتی لوگ ایسے زلے میں جب کہ وہ خوب طاقتور اور ملک میں طائف الملوک پر ہا ہونے کے سبب سلطان دہلی کی طرف سے بے خوف تھے شیخ موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی پند و تلقین سے خضر خان اور مبارک شاہ کے عہد حکومت میں مسلمان ہو گئے۔ ان کو مسلمان ہونے کے بعد کسی دنیوی فائدے کی توقع نہ تھی بلکہ مسلمان ہونے کے بعد ان پر بار بار سلطان دہلی کی طرف سے چڑھائیاں ہوتیں۔

شیخ موسیٰ رحمہ کا مزار مقام پلہ تحصیل نوح ضلع گڑگاؤہ میں موجود ہے خضر خاں اور مبارک شاہ کے عہد حکومت کی ایک خصوصیت یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ہندوؤں کو بجائے راستہ پارادہ کے ملک کے خطاب سے بھی مخاطب کیا جانے لگا تھا۔ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اطراف ملک میں جس طرح مسلمانوں کی مانند ہندو صاحب خدم و ششم اور ہر سر حکومت تھے اسی طرح خاص دارالسلطنت اور دربار سلطنت میں بھی ہندوؤں کا اقتدار سے زیادہ ترقی کر گیا تھا۔ شہر دہلی میں سدھارن کھتری نائب وزیر کے علاوہ کُنجا کھتری کا خاندان سب سے زیادہ معزز اور صاحب اقتدار سمجھا جاتا تھا کُنجا کھتری لٹنن سے خضر خاں کے ہمراہ آیا تھا اس کا پوتا سرد پال خاندان شاہی کا قدیمی پروردہ و متوسل ہونے کی حیثیت سے مسلمان لوگ و امرا پر فوقیت رکھتا اور جلوت و غلوت میں ہر جگہ بلا روک ٹوک بادشاہ کے پاس پہنچ سکتا تھا۔ اسی طرح ملک کرم چند بھی دہلی میں رہتا اور اول درجہ کے لوگ و امرا میں شمار ہوتا تھا۔

سلطان مبارک شاہ کی شہادت |

نخسا۔ عا و الملک محمود حسن کو لاہور و جالندھر وغیرہ کی حکومت پر مامور کر کے جسرنگ کھتر کی طرف سے بھی اطمینان حاصل ہو گیا تھا مبارک شاہ نے سرہند سے دہلی واپس آ کر سنا کہ سلطان ہوشنگ شاہ مالوی اور سلطان ابراہیم شاہ شرتی کالپی میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہیں یہ سن کر جوہنپور کی طرف حملہ آوری کے قصد سے فوجوں کی فراہمی کا حکم دے کر زیر تعمیر شہر مبارک آباد کے میدان میں چند روز کے لئے خیمہ شاہی نصب کرایا کہ یہاں تمام فوجیں اکٹری ہو جائیں ابھی اطراف ملک سے فوجیں نہ آچکی تھیں کہ سلطان مبارک شاہ کا پیمانہ عمر لبریز ہو گیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ سدھپال کھتری سدھارن کھتری اور راولوں سنگھ وغیرہ ہندوؤں نے سردار الملک نو مسلم کو جو اپنی سرد بازاری و بے توقیری سے کبیدہ خاطر تھا شریک مشورہ کر کے بادشاہ کے قتل کی تیاری کی۔ ۹ مارچ ۱۵۵۷ء بروز جمعہ جب کہ مبارک شاہ سناڑ جمعہ کے لئے جانے لگا تو سدھارن و سدھپال وغیرہ سردار جو پہلے سے مستعد ہو کر موقع کی تاک میں تھے ہندوؤں کی ایک جمعیت نے کر بادشاہ پر ٹوٹ پڑے جسے پہلے سدھپال کھتری نے جو اس خاندان کا قدیمی نمک پروردہ تھا بادشاہ کے سر پر تلوار ماری اس کے بعد دوسرے ہندوؤں نے پیہم تلوار کے دار

کے اور مبارک شہزادہ شہید کر دیا جلی خانہ دان کا پادشاہ قطب الدین مبارک شاہ بھی ایک ہندو کے انھم سے قتل ہوا تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ دہلی کے تخت پر دو مبارک شاہ بیٹھے اور دونوں ہندوؤں کے ہتھ سے قتل ہوئے۔

محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں

مبارک شاہ کو قتل کر کے ہندوؤں کی یہ جماعت سردار الملک نو مسلم وزیر کے پاس خوش خبری لے کر پہنچی۔ سردار الملک نے پہلے نبی سے مبارک شاہ کے بیٹے محمد خاں ابن فرید خاں ابن خضر خاں کو جسے مبارک شاہ نے اپنا بیٹا اور ولی عہد بنایا تھا اپنے قبضہ میں لے رکھا تھا۔ پادشاہ دہلی سے باہر زیر تعمیر شہر مبارک آباد میں شہید ہوا۔ وہیں کمال الملک بھی تھا۔ سردار الملک دہلی میں ہر قسم کا سامان کٹے ہوئے تھا اس نے ملا تامل محمد خاں کو بادشاہ کے لقب سے تخت نشین کر کے خود خان جہاں کا خطاب اور وزارت عظمیٰ کا عہدہ پایا سدھارن اور سدھپال وغیرہ ہندوؤں اور دوسرے افسروں مثلاً سید سالم کے بیٹوں نے بھی بیعت کر کے خطابات اور جاگیر میں حاصل کیں۔ کمال الملک نے بھی مصلحت سمجھ کر نئے بادشاہ کی بیعت کی سدھپال، سدھارن اور ان کے رشتہ داروں کو بیانہ، ابرودھ، تارنول، سامانہ اور میان دواب کے اور بہت سے پرگنات جاگیر میں عطا ہوئے۔ جن سرداروں نے سلطان مبارک شاہ کے قاتلوں سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا وہ سب گرفتار ہو ہو کر قتل اور بعض قید کئے گئے۔ پرگنات میں جابجا ہندو فوجیں پھیل گئیں اور جس طرح خضر خاں نمک حرام کے زمانے میں یک لخت ہندوؤں کا قبضہ و تسلط ہو گیا تھا۔ اسی طرح محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد سردار الملک کی وزارت میں سلطنت دہلی کا رنگ ڈھنگ تبدیل ہو گیا۔ ان حالات سے واقف ہو کر ملک الوداد لودھی حاکم سنبھل نیز برن اور بدایوں کے عاملوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ سردار الملک نے کمال الملک کو جواب اس کا ماتحت و محکوم تھا۔ دہلی سے باہر بھیجنے کی یہ ترکیب نکالی کہ اپنے بیٹے یوسف خان اور سدھارن کھتری اور کمال الملک کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ کمال الملک نے اس مہم پر اپنے جانے کو بہت ہی غنیمت سمجھا۔ یہ لشکر جب برن کے قریب پہنچا تو کمال الملک نے ارادہ کیا کہ سدھارن کھتری اور یوسف

خاں ابن سردار الملک دونوں کو قتل کر کے اپنے ولی نعمت مہارک شاہ کے خون کا انتقام لے۔ ان دونوں کو قبل از وقت اس ارادے کا حال معلوم ہو گیا اور وہ اپنی جان بچا کر دہلی کی جانب بھاگ آئے۔ الہ داد خاں لودھی اور بدایونی دہرن کے عاملوں کو جب کمال الملک کے ارادے کا حال معلوم ہوا تو وہ بلا تکلف اپنی اپنی فوج لے کر کمال الملک کے پاس چلے آئے اور یہ متحدہ لشکر دہلی کی طرف متوجہ ہوا۔ سردار الملک، سدھارن، سدھپال وغیرہ محصور ہو کر مدافعت پر آمادہ ہوئے۔ رمضان ۸۳۵ھ میں مذکورہ امرائے دہلی کا محاصرہ کیا۔ کئی مہینے تک محاصرہ اور اندرونی و بیرونی فوجوں کا مقابلہ جاری رہا۔ سلطان محمد شاہ کھنولوں اور سردار الملک کے ہاتھ میں شاہ شطرنج کی طرح مجبور تھا مگر دل سے کمال الملک وغیرہ امرائی کا میلانی کا خواہاں تھا۔ سردار الملک جو خود پادشاہ بننا چاہتا تھا پادشاہ کی نیت بدلی ہوئی دیکھ کر اس کو قتل کرنے کے ارادے سے چند آدمیوں کے ساتھ سراپردہ شاہی میں داخل ہوا۔ ادھر محمد شاہ پہلے ہی اس کے اس فاسد ارادے سے خبردار ہو کر اپنی حفاظت کے لئے خدام خاص کی ایک جمعیّت کو کہیں گاہ میں بٹھا چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۸ محرم ۸۳۵ھ کو سردار الملک سراپردہ شاہی میں مسمم ہلہ بیوں کے قتل ہوا اور محمد شاہ نے فوراً اپنے آدمیوں کے ذریعہ شہر پناہ کا ایک خاص دروازہ کھلوا کر کمال الملک کی فوج کو شہر کے اندر داخل ہونے کا موقعہ دیا۔ سدھپال اور سدھارن نے اپنی اپنی فوجوں کو بطور قلعہ استعمال کر کے مقابلہ جاری رکھا آخر سدھپال تو لڑائی میں مارا گیا اور سدھارن گرفتار ہو کر مقتول ہوا اس کے بعد محمد شاہ نے دوبارہ مراسم تخت نشینی ادا کئے۔ کمال الملک کو کمال خاں کا خطاب دے کر وزیر اعظم بنایا۔ دوسرے امر کو بھی خلعت و خطابات ملے۔ لیکن الہ داد خاں لودھی نے خود کسی خطاب کے لینے سے انکار کر کے اپنے بھائی کو دریا خاں کا خطاب دلوایا۔ وفادار امرائے ملک جبین کو غازی ملک اور ملک کھون راج عامل حصار کو اقبال خاں کا خطاب ملا دیکھو اب بھی ہندوں سے ان کے ہندو ہونے کے سبب مسلمانوں کو کوئی نفرت نہیں ہے ہندوں کو اسلامی خطاب مل رہے ہیں اور وہ فخریہ قبول کر رہے ہیں اس کے بعد اسلام خاں لودھی بھی سر ہند سے دہلی آکر مورد الطاف شاہانہ ہوا حسام خاں کو شہر دہلی کا کووال بنایا گیا۔ عماد الملک کو ملتان کی حکومت پر بھیج کر اسلام لودھی کو سر ہند

کی حکومت کے ساتھ دینا پور دلاہور کی حکومت بھی عطا کی گئی اس کے چند روز بعد اسلام خاں لودھی کا سلسلہ میں انتقال ہوا۔ اسلام خاں مرتے وقت اپنے بیٹے بہلول خاں کو جو اس کا وازر بھی تھا اپنا قائم مقام تجویز کر گیا۔

بہلول خاں لودھی کا عروج | ملک بہلول ابن ملک کالا ابن بہرام خاں لودھی اسلام خاں کی فوج کے آئیہ بٹھان

سرداروں کی تائید و حمایت سے چچا کا قائم مقام اور سرسہ کا حاکم بن گیا۔ اسلام خاں کا بیٹا نسلب خاں اور دوسرے رشتہ دار مجبور و مایوس ہو کر سلطان محمد شاہ کے پاس دہلی آئے اور اس بات کی شکایت کی کہ بہلول خاں بادشاہ کی منظوری کے بغیر اسلام خاں کے مال و دولت اور سرسہ کی حکومت پر قابض ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ حق ہمارا ہے۔ اس وقت کمال الدین کمال خاں وزیر اعظم بھی فوت ہو چکا تھا اور اس کی جگہ بادشاہ نے حسام خاں کو قوال کو وزیر اعظم بنایا تھا۔ اسلام خاں لودھی کے بیٹوں اور رشتہ داروں کی شکایت سن کر بادشاہ نے اپنے وزیر حسام خاں کو معہ قطب خاں فوج عظیم دے کر بہلول خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس لشکر عظیم کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بہلول خاں سرسہ سے دامن کوہ کی طرف فرار ہوا اور شاہی لشکر جنگوں، میدانوں اور پہاڑوں میں اس کے متعاقب سرگرداں پھرتا رہا۔ محمد شاہ سے ایک یہ حماقت ہوئی کہ اس نے جسرت گھڑ کے پاس جو پڑانا باغی اور خاندان شاہی کا قدیمی دشمن تھا پیغام بھیجا کہ تم پہاڑوں کی طرف سے بہلول کا تعاقب کر کے جس طرح ممکن ہو اسے گرفتار کر دو۔ جسرت اس پیغام سے بہت خوش ہوا اور گھڑوں کی جمعیت لے کر شاہی لشکر کی امداد کو آ پہنچا کئی جگہ سخت سخت لڑائیاں ہوئیں۔ آخر بہلول خاں مجبور ہو کر معدودے چند آدمیوں کے ساتھ پہاڑوں کے ناقابل گذر رقبہ میں جا چھپا باقی تمام ہمراہی مارے گئے۔ بظاہر بہلول خاں کی طاقت کا خاتمہ کر کے حسام خاں اور قطب خاں دہلی واپس آئے اور اس کا رگزاری کے صلہ میں جسرت کی حکومت کو پنجاب کے ایک بڑے حصے میں دربار دہلی نے باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا۔ سرسہ کی حکومت ملک سکندر تحفہ کو جو پہلے جسرت کی قید میں رہ چکا تھا عطا ہوئی۔۔۔ قطب خاں ابن اسلام خاں پر دیکھ کر بہت بددل ہوا کہ اپنے خاندان کے بہت سے

آدمی بھی مارے گئے اور سرحد کی حکومت بھی ایک غیر شخص کو مل گئی ہمیں تو کچھ بھی نہ ملا۔ حسام خاں وزیر کو لایا۔ بیہوش ہوا۔ بالخصوص اسلام خاں کے خاندان سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور وہی سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا۔ قطب خاں اور اس کے ہمراہی اس نامزدی اور مایوسی کے عالم میں دہلی کے اندر بیٹھے تھے کہ اُن کے پاس بہرہ فرامی کہ بہلول خاں نے پہاڑوں سے نکل کر اپنے گرد پٹھانوں کی ایک مغول جمعیت فراہم کر لی ہے اور جابجا چھاپے مارتا اور لورٹ مار کرتا ہوا پھر رہا ہے۔ بہلول لودھی نے اپنی اس ڈاکہ زنی میں شروع سے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جو کچھ ہاتھ لگتا سب بہ حقہ مسامی ہمراہیوں کو تقسیم کر دیتا خود اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد یہ مختصر گروہ ایک فوج عظیم کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور ہر طرف سے مغلوں کا حال لوگ آ کر شریک ہونے لگے قطب خاں وغیرہ دہلی میں یہ خبریں سن کر دہلی سے چل دیئے اور بہلول خاں کے پاس پہنچ کر اپنی خطاؤں کی معافی چاہی اور اس کو بخوشی اپنا سردار تسلیم کر کے جہاں فغانی پر آمدگی ظاہر کی غرض کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ بہلول خاں شاہی اہل کاروں کو بھگا کر سرحد پر قابض و متصرف ہو گیا اس کے بعد دیپالپور اور لاہور کا علاقہ بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ بہلول لودھی کی اس ترقی پذیر اور زافزون طاقت کو دیکھ کر دربار دہلی میں کھلبلی مچ گئی یہاں سے حسام خاں وزیر الممالک ایک زیر دست لشکر فراہم کر کے بہلول خاں کے استیصال کو روانہ ہوا۔ اُسے بہلول خاں بھی مقابلہ پر آیا۔ پانی پت کے قریب سخت لڑائی ہوئی حسام خاں شکست فاش کھا کر فرار ہوا اور دہلی آ کر دم لیا۔ بہلول خاں نے پانی پت تک کا تمام علاقہ مع پانی پت اپنی حکومت میں شامل کر کے سلطان محمد شاہ کو لکھا کہ میں آپ کی فرماں برداری و اطاعت سے باہر نہیں ہوں مجھ کو صرف حسام خاں سے شکایت ہے اگر آپ حسام خاں کو قتل کر کے حمید خاں ابن فتح خاں نائب وزیر کو وزیر اعظم بنا دیں تو میں دست بوسی کے لئے دہلی حاضر ہو سکتا ہوں۔ محمد شاہ نے بلا توقف حسام خاں کو قتل کر کے حمید خاں نائب وزیر کو وزیر اعظم اور ایک دوسرے شخص کو حسام خاں کا خطاب دے کر نائب وزیر بنایا۔ پادشاہ کی اس حرکت سے لوگوں کو بادشاہ کی بزدلی اور پست ہمتی کا یقین ہوا۔ بہلول خاں پانی پت سے دہلی آ کر بادشاہ کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ بادشاہ نے پانی پست لاهور، سرہند، دیپا پور کی سند حکومت، بہلول خاں کو عطا کی۔ سند حکومت لے کر اور سرہند واپس ہو کر بہلول خاں خود مختارانہ حکمہ سنبھال کر لے گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر کتھوہرن، دہلیوں، داؤد شاہ، گوالیار وغیرہ کے حاکموں نے باج و خراج کی ادائیگی میں تاہل کیا اور سب اپنی اپنی خود مختاری و مطلق العنانی کی کوشش و تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سلطنت دہلی کے اس ضعف و اختلال کی شہرت سن کر سندھ میں مالوہ کے بادشاہ سلطان محمود خلجی نے دہلی پر قبضہ کرنے کے ارادے سے فوج کشی کی اور دہلی کے قریب پنچ کرخمہ زن ہوا۔ سلطان محمد شاہ نے پریشان ہو کر بہلول لودھی کے پاس ایلیپی بھیجے اور بڑے اصرار و اضطرار کے ساتھ اُسے مدد کے لئے بلایا۔ بہلول لودھی بلا توقف میں ہزار ہزار سوار لے کر دہلی پہنچا۔ بہلول لودھی کے دہلی پہنچنے پر سلطان اور باشندگان دہلی کی جان میں جان آئی۔ بہلول لودھی فوج لے کر محمود خلجی کے مقابلہ پر گیا اور صبح سے شام تک ایسے ایسے رستمانہ حملے کئے کہ محمود خلجی کا حوصلہ پست ہو گیا۔ شام ہونے پر لڑائی ملتوی رہی۔ رات ہی میں محمود خلجی مالوے کی جانب واپس ہونے کا قصد کر چکا تھا کہ محمد شاہ نے یہ حماقت کی کہ بہلول لودھی اور دوسرے امرا سے مشورہ لئے بغیر اپنے ایلیپی محمود خلجی کے پاس بھیج کر صلح کی درخواست کی اُس نے اس درخواست کو تائید غیبی سمجھ کر فوراً منظور کر لیا اور اُسی وقت اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ صبح کو جب بہلول لودھی نے سلطان محمد شاہ کے پیغام صلح کا حال سنا تو بہت پیچ و تاب کھایا اور اپنی فوج لے کر محمود خلجی کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ لشکر مالوہ کی ایک بڑی تعداد کو قتل و اسیر کر کے اور بہت سامان و اسباب چھین کر واپس ہوا۔ سلطان محمد شاہ بہلول لودھی سے بہت خوش ہوا کہ اُس نے اس طرح تعاقب کر کے لشکر دہلی کی لاج رکھ لی۔ چنانچہ سلطان محمد شاہ نے بہلول لودھی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خانان کا خطاب عطا کیا۔ سلطان محمد شاہ کی اس نامعقول حرکت سے کہ اس نے سلطان محمود مالوی کے پاس درخواست صلح بھیجی امر کے دل سے اس کی ہیبت قطعاً جاتی رہی۔ بہلول لودھی نے دہلی کی اس ہم سے فارغ ہو کر "فرزند سلطان اور خان خانان بن کر" لاهور کی طرف کوچ کیا۔ لاهور آ کر وہ جسرت کی بیخ کنی پر آمادہ ہوا۔ جسرت پرانا گرگ باران دیدہ اور تجربہ کار شخص تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ بہلول خاں سے دوسروں کی طرح پیچھا چھڑانا اور عمدہ برآ ہونا آسان نہیں ہے۔ اُس نے

فوراً منت سماجت اور خوشامد و رآمد کا طریقہ اختیار کر کے صلح و صفائی اور دوستی کے لئے ہاتھ بڑھا کر بہلول خاں کو یہ بھی سبق پڑھایا کہ دہلی کی سلطنت لودھیوں کے پرانی میراث ہے آپ دہلی کی سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کیس اور مجھ کو اس کوشش میں اپنا سہو معاون تصور فرماتے۔ شاہ بہر حال جسرت سے بہلول خاں سے صلح کر لی۔ بہلول خاں اس کی طرح اب سے مسلمان ہو کر کئی سال تک اپنے متعلقہ علاقہ کے امور کا کام انتظام اور لشکر کی ترتیب و تربیت میں مصروف اور اپنے مذہب و عقیدہ علاقہ کو ہر طرف جہاں موقع ملا وسعت دیتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کی قبر وانی کی شہرت سن کر بہت سے پٹھان اور مغل اور ہندوستان کی دوسری سپاہی پیشہ فوجیوں کے لوگ آکر اس کی فوج میں بھرتی ہوتے رہے۔ اور چار پانچ سال کے عرصہ میں بہلول خاں نے اپنی وسیع ریاست کو باآئین سلطنت کی شکل میں تبدیل کر لیا۔ عرصہ میں بیاند کے زمینداروں نے سلطنت دہلی سے برگشتہ ہو کر اپنے آپ کو مالوہ کے بادشاہ محمود خلجی کی حکومت میں شامل کر لیا۔ اسی سال سلطان محمد شاہ کا دہلی میں انتقال ہوا اور اس کی جگہ امراء دہلی نے اس کے بیٹے علاء الدین کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔

سلطان علاء الدین

سلطان علاء الدین کی تخت نشینی پر تمام امرائے دہلی حاضر ہو کر بیعت اطاعت کی فرشتہ کی روایت کے موافق بہلول خاں لودھی بیعت کے لئے دہلی نہیں آیا۔ لیکن ملا عبدالقادر بدایونی کی روایت کے موافق بہلول لودھی نے بھی دہلی آکر سلطان علاء الدین سے بیعت کی اور بہلول لودھی کی کوشش سے دوسرے امرائے بھی علاء الدین کو سلطان تسلیم کیا۔ علاء الدین نے تخت نشین ہونے کے بعد شہر میں فوج بے کرہیا نہ کی طرف کوچ کیا تاکہ وہاں جا کر سرکشوں کو سزا دے اور اس علاقے کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کرے لیکن راتے ہی میں تھا کہ کسی نے یہ جھوٹی خبر اڑادی کہ جون پور کا بادشاہ دہلی پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے اس خبر کو سن کر علاء الدین وہیں سے دہلی کو واپس ہوا۔ امرائے کہا کہ یہ انواہ ابھی تحقیق طلب ہے جب تک تصدیق نہ ہو جاتے فتح عزیمت کرنا

متناسب نہیں ہے لیکن سلطان علاء الدین نے کسی کی بات نہ مانی اور دہلی آکر دم لیا۔
 ۱۲۵۷ء میں سلطان بدایوں گیا اور وہاں چند روز قیام کرنے کے بعد دہلی آیا تو اُمرائے
 کہا کہ مجھ کو تو بدایوں کی آب و ہوا بہت پسند ہے دہلی میں رہنے کو میرا جی نہیں چاہتا
 جب اُمرائے ایسی باتوں کے زبان پر لائے کہ نا مناسب بتایا تو سلطان اُن سے
 ناخوش ہوا۔ آخر ۱۲۵۷ء میں حسام خان نائب وزیر کو دہلی میں اپنا قائم مقام اور
 نائب السلطنت بنا کر اپنی بیوی اور اس کے دونوں بھائیوں کو بھی دہلی ہی میں چھوڑ
 کر حمید خاں وزیر کو ہمراہ لے کر سلطان نے بدایوں کی طرف کوچ کیا۔ بدایوں پہنچ کر
 وہیں طسرح اقامت ڈالی۔

کپیل و ٹپیا لیلی کا حاکم رائے پرتاب حمید خاں کے باپ فتح خاں ابن ظفر خاں ابن
 وجیہ الملک دسہارن، کاستایا ہوا تھا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ رائے پرتاب
 نے سلطان علاء الدین کی حماقت سے فائدہ اٹھانے اور حمید خاں ابن فتح خاں سے
 انتقام لینے کا مناسب موقع پایا اور سلطان کی خدمت میں بدایوں حاضر ہو کر اور وہاں
 مسلمان سرداروں کو بھی جو حمید خاں سے ناخوش تھے اپنا سوید بنا کر عرض کیا کہ آپ کے
 وزیر حمید خاں سے عام طور پر سب ناخوش ہیں اور ہم کو بھی اُسی سے اپنی جان کا خطرہ ہے
 اگر آپ حمید خاں کو قتل کر دیں تو ہم اس بات کا ذمہ لیتے ہیں کہ چالیس ہزار گنتے تمام امراؤ
 جاگیرداروں سے بچہ رسدی لے کر سلطانی مقبوضات میں شامل کر دیں گے۔ سلطان کی
 حماقت دیکھتے کہ اُس نے رائے پرتاب کے حسب منشا حکم دے دیا کہ حمید خاں کو گرفتار کر کے
 قتل کر دیا جائے چنانچہ حمید خاں جو بے فکر و مطمئن بدایوں میں موجود تھا گرفتار ہو کر محمد جمال
 نامی کو توال بدایوں کی قید اور نگرانی میں سپرد ہوا۔ ابھی وہ قتل ہونے نہ پایا تھا کہ اُس کے
 دوستوں اور ہوا خواہوں نے کوشش کر کے جس طرح ممکن ہوا اس کو قید سے نکال لیا۔ حمید خاں
 قید سے نکلنے ہی اپنے ہوا خواہوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ دہلی کی جانب چل دیا۔
 محمد جمال کو توال کو حمید خاں کے فرار ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ اس کے تعاقب میں دہلی تک
 گیا اور دہلی میں حمید خاں کے مکان تک پہنچ کر تیرے بارگیا۔ حمید خاں نے دہلی پہنچ کر سلطان
 علاء الدین کے بیوی بچوں کو محل شاہی سے ہاتھ پکڑ پکڑ کر بے سروسامانی کے عالم میں باہر
 نکال دیا اور تمام شاہی کارخانوں اور خزانوں کو قبضے میں لا کر خود مختار باد حکومت کرنے لگا

سلطان علاء الدین کو اپنے اہل و عیال کی بے حرمتی اور دہلی کے قبضہ سے نکل جانے کا حال معلوم ہوا لیکن وہ حمید خاں کی سرکوبی کے لیے ہدایوں سے نہ نکلا اور امر و زور نہ کرتے ہوئے سال بھر سے زیادہ عرصہ گزار دیا ان تمام حالات سے واقف ہو کر بہلول خاں لودھی نے سرہند سے سلطان علاء الدین کے پاس ہدایوں پیغام بھیجا کہ میں حمید خاں سے گستاخی کا انتقام لینے اور اس کو دہلی سے خارج کرنے کے لئے دہلی کا قصد کر رہا ہوں، سلطان علاء الدین یہ سن کر بہت خوش ہوا اور بہلول خاں لودھی نے فوج لے کر دہلی کی جانب کوچ کیا۔ حمید خاں اپنی کمزوری اور بہلول لودھی کی طاقت و شوکت سے واقف تھا اُس نے بہلول خاں لودھی کو لکھا کہ آپ شوق سے دہلی تشریف لائیے اور تخت سلطنت پر جلوس فرمائیے۔ میں آپ کی خدمات، وزارت انجام دوں گا۔ بہلول لودھی نے حمید خاں کے اس پیغام کو غنیمت سمجھا اور بجائے حملہ آور حریف کے دوستانہ اور مہماندہ دہلی میں داخل ہوا۔ حمید خاں پر بہلول لودھی نے ایک احسان بھی کیا تھا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسی کی فرمائش سے سلطان محمد شاہ نے حمید خاں کو وزیر اعظم بنایا تھا حمید خاں نے بہلول خاں لودھی سے کہا کہ آپ تخت سلطنت پر جلوس فرمائیے، کیوں کہ سلطان علاء الدین تو بادشاہی کی کوئی قابلیت ہی نہیں رکھتا تھا نہ اُس کے خاندان میں کوئی دوسرا شخص اس قابل موجود ہے۔ بہلول خاں نے کہا کہ میں سپاہی آدمی ہوں بادشاہت آپ ہی کو مبارک ہو مجھے تو صرف سپہ سالاری کافی ہے۔ حمید خاں اپنی کمزوری سے واقف اور بہلول خاں لودھی کی طاقت سے خائف تھا لہذا تخت نشینی کے مراسم ادا کرنے میں متامل رہا۔ بہلول خاں لودھی نے چند روز تک اس معاملے کو التوا میں ڈالے رکھا اور ایک روز موقع پا کر بغیر کسی کشت و خون کے حمید خاں کو گرفتار کر کے معزز قیدیوں کی طرح نظر بند کیا اور اس کو اطمینان دلایا کہ تمہاری جان کو کوئی زیان نہ پہنچایا جائے گا۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین کے نام پر سکھ و خطیبہ پستور جاری کر کے اپنے بیٹے نظام خاں کو سلطان علاء الدین کے مقرر کردہ نائب السلطنت حسام خاں کی مدد کے لئے دہلی میں چھوڑ کر خود ۵۵۵ھ میں سرہند کی طرف واپس گیا اور سلطان کے پاس ہدایوں میں عریضہ بھیجا کہ میں آپ کا فرامیہ وار و وفادار ہوں میں نے حمید خاں کو قید کر کے دہلی میں پستور سابق آپ کی حکومت قائم کر دی ہے۔